بابا محمد یحییٰ خان
لے بابا ابابیل

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

920.02 Muhammad Yahya Khan, Baba
Lay Baba Ababeel / Baba Muhammad Yahya Khan.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2016.
1069pp.
1. Urdu Literature - Autobiography.
I. Title.

● اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز / مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے

2016

● افضال احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

بابا محمد یحییٰ خان

موبائل: 0300-9417829,0333-9417829
0322-9417829,0312-9417829

نظامت
● ساجد خان
● محمد نور الحسن

[illegible]
● ولائیت

سرورق و اندرون ورق
● عرفان قریشی
● قمر عباس

کمپوزنگ
● محمد منصور احسن

تصاویر
● محمد راشد سلیم
● زین شاہ
● اسد علی

اہتمام
● محمد عمران خان
● وسیم عباس خان
● رحیم اللہ خان
● نعیم عباس

نوٹ: چند نام و مقامات اور واقعاتی کوائف دیوان میں بخدا ارادتاً "معروضی و تخصیص" نہ تھی... کوئی بھی مطابقت / مماثلت محض اتفاق ہوگی..!

ISBN-10: 969-35-2942-1
ISBN-13: 978-969-35-2942-5

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سپاس
بابا اشفاق احمد خان
بابا بلھا شاہؒ • گلزار
گلابی جان • نور جہاں
سید صاحب سرہند شریف • جامیؒ
روشن آراء بیگم • بابا سبحان اللہ
ضیاء محی الدین • ف شین ڈن
بابا چھتری والا • عابدہ پروین
خیام • جگجیت سنگھ • کالی داس
ن و ف • ممتاز مفتی • رام رکھی
خواجہ معین الدین محبوب کوریجہ دربار خواجہ غلام فریدؒ کوٹ مٹھن شریف
سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خواجہ حسن نظامیؒ • حسن نثار
کمال امروہوی • عزیز میرٹھی
مسعود الرحمٰن گیلانی • تولہ رام
نصیر الدین شاہ • لاہل توف
میڈم گلوریا • شارق بٹل
مجاہد جتوئی
سید زین محی الدین گیلانی
سید صدق الدین گیلانی
مولوی عبدالسلام نیازی دہلویؒ
قدرت اللہ شہاب • بانو قدسیہ
ڈاکٹر اجمل نیازی • عکسی مفتی
ماہم مبین خان

پیشی

اقبالی بیان

میں اس نام نہاد کتاب کا مصنف !

قاری کو خبردار کرتا ہوں کہ اس بھاری بھرکم معمول سے زیادہ ضخیم کتاب سے آپ کو کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ البتہ کچھ مال اعمال وقت و وقوف کے ویران ہونے کا احتمال بہر طور موجود ہے۔ یہ کوئی مذہبی فقہی مسلکی یا کوئی بڑی اسرار علوم تصوف فلسفہ و منطق پہ بھاری بھرکم علمی کتاب نہیں۔ وظیفے اوراد و ٹونے ٹوٹکے بھی کہیں نہیں ہیں۔ بڑے بڑے بھی ادبی روحانی لوگوں کے اقوال و اعمال اور تذکرے بھی نہیں ملیں گے۔ اور نہ کہیں نئی اچھوتی تحقیقات سائنسی موشگافیاں پڑھنے کو ملیں گی کہ میں نہ تو کوئی مذہبی اسکالر عالم دین ہوں اور نہ ہی دورِ جدید کی نئی ترقی یافتہ چیزوں کرتبوں سے آگاہی رکھتا ہوں۔

جیسے ناول افسانہ کہانی یا سفرنامہ بھی نہیں۔ اس میں روزمرہ کے مسائل و موضوعات تلخیوں تنہائیوں، زمانہ کی بدلتی کروٹوں قدروں اور کچھ نہ کچھ ہلکی پھلکی جھلکیاں چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی رنگین تحریریں ہیں۔ نہ اول نہ آخر!! اتنا بہاری نہ طرفداری الزام نہ التزام و اہتمام نہ شیرینی و کھاری... کہیں فنی جھلک ہے تو کہیں تاک جھانک بن جاتی ہے۔ تانا بانا ہے کہیں پیار بھی پیدا ہوتا ہے۔ اکثر مضامین شروع تو ہوتے ہیں مگر آگے بڑھتے بڑھتے کہیں راستے میں ادھر ادھر غائب ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ میری بھول بھلکڑی ہے اور کچھ جہالت و کاہلت بھی۔ میں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ قاری کی طبیعت اوب گئی ہوگی۔ میں کچھ دے کر کسی اور طرف نکلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایسا بھی کہ میرے پاس مزید کچھ کہنے لکھنے کے لئے کچھ نہیں رہتا تو میں کوئی نیا رنگ گھول دیتا ہوں۔

میں نے بھی عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق رنگین قلم سیاہی میں ڈبونے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ پچھلے گزرے وقتوں کے موسیقار، ادیب، شاعر، مفکر، فلسفی، حکمت دان، اطباء وغیرہ عظیم اور حقیقی لوگ تھے۔ وہ اس ناہنجار دور

Scanned with CamScanner

2

میں ہوتے تو بہادر شاہ ظفر کی آخری عمر والا حساب ہوتا کہ کسی گھر کے بھیدی نے حکمرانوں کو ایک راز کی بات سمجھائی کہ زہر زمین پہ گولی استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوٹھڑی کے سامنے بندی خانہ کا مہتر غلاظت سمیت گزر جائے تو آپ کسی محکمہ الزام کی زد میں نہیں آئیں گے۔ چنانچہ یہ ترکیب کامیاب ٹھہری۔

رجب علی بیگ سرور، منشی پریم چند، ڈپٹی نذیر احمد، امیر حمزہ، ٹیگور، ابوالکلام آزاد، بہزاد لکھنوی، جوش، غلام علی خان دیوان سنگھ مفتون، راجندر سنگھ بیدی، عصمت چغتائی، محمد رفیع، راجہ مہدی علی خان، عبدالرحمن چغتائی، شورش کاشمیری اگر اس دور کم سواد میں ہوتے تو قتل ہو جاتے۔

یہ دور بھی ایسے حلوائیوں، حج عمرہ اور عید قربان پہ موسمی نائیوں، قصائیوں، داتا کی فاتحہ پہ حلوائیوں، جھگڑوں میں بکوائیوں اور پرتگال کے ولندیزی عیسائیوں کا ہے۔ یہی دھوپ میں چھتری تو وہ تانے جس کے پاس ہو۔ میرے جیسے بے اوقاتے تو دھوتی پلید سر پہ ڈال لیتے ہیں۔۔ کہاں کا پردہ اور کہاں کی بے رنگی۔ اس سے غرض کس روسیاہ کو ہوگی؟ پڑھنے لکھنے لکھانے کی چاٹ تو بچپن ہی سے لگی ہوئی تھی۔ مگر باقاعدہ مجھے اس طرف لگانے والے میرے بابا اشفاق احمد تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ ہر کسی کو آگے بڑھنے کی ہلاشیری دیا کرتے تھے۔ کسی میں ذرا سی بھی کوئی خوبی دکھائی دی تو اس کی خوب حوصلہ افزائی کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ بے شمار خام پتھروں کو انہوں نے اپنی نگاہ کیمیا سے گوہر بنایا۔ اللہ کے خاص بندوں میں یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ خاصوں کو خاص بنا دیتے ہیں۔

میرا طریقہ واردات کچھ یوں کہ قاری صاحب کے بہاؤ میں میری بچھائی ہوئی نئی پٹری پہ چڑھ جاتا ہے۔ نتیجے میں وہ بڑی لگام کی بجائے گھوڑا شریف پہ ٹک جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو بات آخر ایک ہی ہے۔ منظر کو ذرا کر ذرا شریف بڑھا دیا جائے تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔۔ دراصل بات تو بھید کا پتہ ہوتا ہے۔۔ بچپن میں میرا ایک محلے دار دوست جو عمر میں ہم سے بڑا تھا اپنے والد کے ہمراہ ممبئی ہو آیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نزدیک پار کہیں پہنچنے کے لئے روپے پیسے سے زیادہ شوق آوارگی راہ ریل اور کسی طرح کے پہیوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ جدھر کہیں ارادے وسیلے کا میل ہوا وہیں بندہ سفر کا قتل ہوا۔ وہ لپا تپا چند ہفتے ممبئی کیا ہو آیا تھا کہ محلے بھر کے لڑکے بالوں کی محفلیں سج گئیں۔ وہ ایک ایک چیز کو مزے لے کر سناتا۔

Scanned with CamScanner

3

ٹرامیں ... دو چار گھوڑوں والی بگھیاں، اینگلو انڈین، پال ویر کی فرفر انگریزی بولتی ہوئی میمیں ... بلڈنگوں میں اوپر نیچے چڑھتی اُترتی ہوئی لفٹیں، ایکسٹرا فلمیں بننے کے کارخانے، سمندر کنارے لمبی لمبی سڑکیں، کناروں پہ اونچے اونچے ناریل، پام کے پیڑ ... سمندر لانچیں، جہاز، انڈیا گیٹ، تاج محل ہوٹل، پانی کے اندر حاجی علی کا مزار، اِدھر کے عجیب و غریب کھانے، بھیل پوری، پاپڑی، ڈوسا، بڑا پاؤ، مٹھائیاں اور ناریل جل وغیرہ، اصل چیز اس کا انداز بیان اور منظر نگاری تھی۔

منہ چلاتے، کھولے آنکھیں، کان اس پر لگائے ... ہم سب لڑکے اس کی لن ترانیاں سنا کرتے، لگتا اس کے ساتھ ہی ممبئی گھوم دیکھ رہے ہیں۔ وہ کسی ایک جگہ نہیں رکتا۔ چشم زدن میں انجیل بندر کی مانند اس شاخ سے دوسری شاخ پر پہنچ جاتا کہ حیرت ہوتی۔ وہ سننے دیکھنے والوں کو سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔ چوپاٹی کے ساحل کی منظر نگاری کے دوران وہ اچانک بجلی کی سی سرعت سے پارس روڈ کی بغل گلیوں کی تنگ گندی کھولیوں میں پہنچ جاتا۔ جہاں مرغیاں، چولہوں اور گندی نالیوں میں بکھری پھٹی تسمیاں اور اصلی نقلی گنڈے دے کر رستے والوں سے فحش کلامی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ میرا پہلا استاد تھا جس سے میں نے منظر اور موضوع کا گیئر بدلنا سیکھا۔

مانا کہ مہنگائی آسمان چھونے لگی، اس پلندہ پانس زدہ بیہودہ مجموعہ خرافات کی قیمت تو یار بھیڑیں آسمان کے اوپر کی خبر لاتی ہے۔ جبکہ اس خطیر رقم سے دو تین کیوٹ بچوں کی ایک عدد اُس کی ماما کے لئے برگر پیزا، چکن سوپ، آئس کریم، ایک ماہ کا موبائل فلیکس، پانچ دن کا پٹرول، شیشہ کینے میں دو گھنٹے کا معاوضہ .... باٹا یا سروس کے جوتے، فیصل آباد، ملتان تک کا ہوائی سفر، چائینہ کا فون خریدا جا سکتا ہے۔ ایک چھوٹی موٹی تقریب بھگتائی جا سکتی ہے، یہ کچھ بھی نہ ہو تو کسی سماجی، رفاہی، فلاحی ادارہ کو عطیہ دی جا سکتی ہے تا کہ کسی حد تک مستحقین اور بہت حد تک ادارہ کے منتظمین کو تقویت پہنچ سکے اور آپ بھی عنداللہ ماجور ہوں۔ بہر صورت اگر یہ کتاب گلے پڑ ہی جائے تو رفع شر کی خاطر کہیں کہیں سے دو چار سطریں یا نمونے کے لفظ پڑھنے میں کچھ حرج بھی نہیں کہ زندگی میں بہت سی چیزیں یا رشتے، تعلق، موسم، ملک، علاقے، طعام، قیام اور سیاستدان، حکومتیں، سسٹم جو ہمیں پسند نہیں ہوتے مگر ہم انہیں بہر طور برداشت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس کتاب کا حال بھی کچھ اس طرح ہی ہے کہ ردی میں بھی نہیں دیا جا سکتا، اس سے بہتر ہے کہ آپ کسی دوست کو تھما دیں

Scanned with CamScanner

کسی سسر ای عرج ریٹائرڈ آفیسر، بیکاری، سکول ٹیچر، گرداور، محکمہ مال یا انہار کے کسی پرانے بابو کو تحفہ میں پیش کر کے اُس سے اپنا کوئی پرانا حساب چکا دیں۔

چارپائی، میز کرسی کے لنگ کا تدارک بھی اس سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر کچھ اور ہاتھ نہ لگے تو بطور ہتھیار بھی استعمال ہو سکتی ہے۔ اگر یہ کتاب نہ ہوتی کوئی گھِل گھِل کر لیا تا ہی مجنون ہوتی تو ترکیب استعمال یوں ہوتی خالی پیٹ اور ذہن کتاب کو دیکھنے چھونے سے اجتناب کیا جائے۔ اسے اَن پڑھ اور ابتدائی پڑھے لکھے ہاتھ نہ لگائیں، درمیانے اور ذاودح قسم کی تعلیم والے البتہ اسے چکھ لیں تو کچھ حرج نہیں۔ کتاب کے مضامین و مندرجات میں کسی قسم کا کوئی ربط، ضبط، منطق، مقصد حاصل نہ ہوگا کہ مصنف پرلے درجے کا اَن پڑھ اور جاہلِ مطلق ہے جسے محض تحیّر پیدا کرنے کا خبط ہے۔ بے شمار حروف، الفاظ، تراکیب ایسی سے ملیں گے جن سے آپ کی پہلی ملاقات ہوگی۔ سمجھ نہ آنے پر کوئی لغت مت کھولیے گا کہ لغت وہ چیز ہے جو کہیں موجود ہو کہ مصنف پرلے درجے کا کمتر اور لغتر ہے۔

آخر میں، مَیں اکمل بھل، نام نہاد مصنف، مترجم بابا محمد یحییٰ خان، خدا کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے انتہائی ایمانداری سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ کتاب کے بکھرے اوراق میں نے نہیں، بلکہ صدیوں پہلے میرے ساتھ تخلیق ہونے والے ہمزاد نے قصر ہمراز مجھ سے لکھوائے یا لکھوائے ہیں۔ وہ اک زمانے سے میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اصل میں وہ میری جھلاہری، دھوکہ دہی کی حرکتوں سے ناک تک آچکا تھا۔ اب وہ مخلوق خدا کو میری دو نمبری سے بچا کر اپنی عاقبت سنوارنا چاہتا ہے۔ بخدا سمجھایا کہ میں نے تو پہلے ہی اپنی "لائی پائی" اتار کر کے زندہ ہی ہوئی ہے۔ مگر یہ تو میری تک لنگوٹی اتارنے پر مُصِر تھا۔ سو جو گھالی بکالی ہوا اور جیسا ماحول تھا عین و عن لکھ دیا۔ اس طرح میں اس ہماری کتاب کے سیاق و سباق، متن، محاسن و معائب، اثرات و نقصانات، مناقب و عواقب اور اخلاقی، روحانی، سماجی یا عمرانی کسی بھی طرح کے نتائج کے معاملہ میں خود کو بری الذمہ محسوس کرتا ہوں۔

بابا محمد یحییٰ خان

Scanned with CamScanner

باانداز رُومی با طریقِ رازی......!

▪ ایک وقت ہو گزرا میں عشق کو وہ عشق سمجھتا تھا جو پیار و محبت کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ اک زمانہ کی قُل خواری گدھے سواری بیزاری کے بعد سمجھ آئی کہ پیار و محبت بجھے بھرے پیٹ بھرے کھیت کا مشغلہ ہے جبکہ عشق مختلف روگ ہے۔ اس کی بھی دو اقسام سُننے پڑھنے کو ملتی ہیں۔ حقیقی اور مجازی! یہ تو یوں ہی ہُوا جیسے کبوتروں میں لقّا اور شیرازی......!

یہ عشق حقیقی اور مجازی! لقّا اور شیرازی' الحق و تازی' سیاہ و لقّاہ کی تیغ بازی' خُودی و بے نیازی' عجمی و حجازی' عباسی و نیازی' خارا شگافی و آئینہ درازی' کرگسی و شہبازی' ملتی و قاضی! زندگی کا سفر ایسی ہی غلام گردشوں' محل سراؤں' شاہراؤں' پگڈنڈیوں...... خانقاؤں' حجروں' معبدوں کی خاک پھانکتے' نیچے اوپر اُلانگتے' اندر باہر تاکتے جھانکتے گزرا...... کوٹھوں' چوباروں' بالا خانوں تک بھی پہنچ رہی۔ مُجرے بھی دیکھے دھمالیں بھی ڈالیں...... رقصِ درویش بھی...... رقصِ بسمل بھی! کوڑے پڑے' نُور نُور کئے حق اللہ علی مولا کے نعرے اور چلّے بھی...... حرم کے پھیرے اور دَیر کے پھیرے بھی...... کوئے یار کی رُسوائیاں' فُرقت کے عذاب اور قُربت کے ثواب...... آرزوئیں' تمنائیں اور خواب! مگر اصل حقیقت حجاب میں رہی...... کبھی سمجھ نہ آئی کہ اصل اور وصل کہاں سے شروع اور کدھر آ خیر ہوتا ہے......؟ سیدھے صاف رستے کے بیرے پہ نیچی میڑھ دکھائی دیتی ہے اور کہیں اُلجھی راہیں' کسی اُلجھی ہوئی زُلف کی مانند بال بال ہوتی ہیں......؟ یہ سب دراصل حجاب ہی تو ہے؟ کوشش بسیار کے باوجود نہ سمجھ میں آنے والا......؟

عشق آمد ہر دو عالم کامیاب
عقل آمد دین و دنیا شد خراب

بابا محمد یحییٰ خان۔

بند کھڑکی میں کھلی روشنی......!

■ کچھ عرصہ پہلے بیشتر تنقید نگاروں کی طرح میرا بھی یہی خیال تھا کہ محمد یحییٰ خان دوسرے نثر نگاروں سے اس لیے بہتر لکھتا ہے کہ وہ مسلسل سفر میں رہتا ہے۔ فقیرانہ لباس پہنتا ہے اور لوگوں سے ڈر کر زندگی بسر کرتا ہے۔

لیکن ابھی چند دن گزرے...... آدھی رات کو مجھ پہ منکشف ہوا...... اچانک جیسے میرے سر پہ کسی نے سوئی ماری ہو۔ میری آنکھ کھلی ہوئی کھڑکی میں صبح کی روشنی تھی۔ یہ روشنی مجھ سے مخاطب تھی گویا کوئی پیغام دینے پہ بضد ہو۔

احمق! بابا یحییٰ اس لیے نہیں لکھتا کہ وہ بے انتہا سفر کرتا ہے۔ لوگوں سے اس کے معاملے چلتے ہیں وہ جانتا زیادہ ہے اس لیے ایسا لکھتا ہے۔

بیوقوف! یہ سب کچھ تو کئی لکھنے والے لکھتے ہیں لیکن کسی کے قلم میں وہ جادو نہیں جو اس کے قلم میں ہے۔ اللہ! اُسے سیدھا SMS کرتا ہے وہ اللہ کے حکم' اس کے اشارے اور اللہ کے اَمر سے لکھتا ہے۔ اسی لیے "پیا رنگ کالا"، "کاجل کوٹھا" جیسی تحریر کسی کی نہیں۔ اُسے اللہ کے ساتھ Direct رسائی ہے۔

وہ لکھتا ہے محبوب چاہے رنگ کا کالا ہو محبوب ہی رہتا ہے۔ اب "لے بابا ابابیل" بھی ایسا اَمر ہے جو باطن کے بند پٹ کھول دے گا......!

Scanned with CamScanner

کشور ناہید

کالی رات کی محبوبیت......!

■ مجھے نہ کبھی خواب میں یا حجاب میں کسی بزرگ نے نصیحت کی یا موقع دیدار دیا۔ یہ کیسی عجیب تحریر ہے بابا محمد یحییٰ خان کی کہ جس کی ہر سطر میں مذہب عشق اور عشق مذہب اس عالم میں نازل ہوتا ہے کہ وہ کبھی قلندر کی داستان سنانے لگتا ہے' کبھی ازا بیلا کی' کبھی تصیبو کی۔ کمال یہ ہے کہ تفصیل واجمال اجمیر شریف کا ہو کہ بمبئی کا وادر علاقہ جو کبوتروں کا مسکن ہے۔

بابا محمد یحییٰ خان نے امریکہ سے چین تک کی سرزمین کے سفر میں وہ معرفت حاصل کی جو تحریر کی خوشنمائی لیے دماغ میں اتر کر' پہنچتی ہے۔ اب تو کالے رنگ' کالے لباس اور کالی رات کی محبوبیت کو سمجھ سکی ہوں؟ میرے جیسے راستے میں کھو جانے والے لوگ بابا جی سے استفسار کرتے ہیں اتنی قوت کہاں سے آئی کہ سب دُنیا دیکھ کر بھی فقر کو اپنا لباس بنایا......!

Scanned with CamScanner

اِنتظار حسین

اِک ہُنر اور بھی...!

■ ہم جعلی ڈگریوں کے زمانے میں سانس لے رہے ہیں۔ سو اب قبول عام کی سند بھی مشکوک نظر آتی ہے۔ ایسے بے اعتبارے زمانے میں بابا محمد یحییٰ خان کی نگارشات مجھے پڑھنے کے لئے ملیں۔ مَیں نے سوچا کوئی مضائقہ نہیں۔ چاول کا ایک دانہ چکھ کر بھی دیگ کے ذائقہ کا پتہ چل جاتا ہے۔ سو مَیں نے دانہ چکھنے کی نیت ہی سے آغاز کیا تھا۔ مگر دانوں کے بکھرے کھاتا ہی چلا گیا۔ اُدھر یہ صورت تھی کہ ۔

لکھتے تاہم لکھے گئے دفتر   شوق نے بات کیا بڑھائی ہے

نثر خام ہو اور بیان بُودا ہو تو میرے حلق سے مشکل سے اُترتا ہے۔ اس بیان میں کچھ ایسی صفت تھی کہ اس کی روانی میں جیسے ہم بھی بہتے چلے جا رہے ہیں۔ پتہ چلا کہ زبان اور بیان دونوں پر قدرت حاصل ہے۔ بُنیادی چیز تو زبان ہے۔ لکھنے والے کی اس پر قدرت نہ ہو تو بیان میں لُطف کیونکر پیدا ہوگا۔ عموماً بیان میں لُطف پیدا کرنے کے لئے جو نسخے استعمال کئے جاتے ہیں انہیں بھی استعمال نہیں کیا۔ جعلی لکھنے والا شاعرانہ زبان لکھ کر سمجھتا ہے کہ فلک پہ تیر مار دیا۔ ایسا کوئی تیر یہاں استعمال نہیں ہُوا ہے۔ نہ بہت رومانیت بگھارنے کی کوشش نہ مرصّع زبان لکھ کر سمجھتا کہ ہم نے اُردوئے مُعلّیٰ لکھ ڈالی۔ حقیقت نگاری اپنی معاشرتی زندگی کا لوگوں کی چال ڈھال، طور طریقوں کا گہرا مشاہدہ اس زور پہ بیان جاری ہے اور کہانی کہی جا رہی ہے۔ اُن کے قلم میں کچھ اور قسم کا جادو ہے اور قلم رواں ہے کہ گُل پھول کھلاتا چلا جاتا ہے۔ واہ واہ سبحان اللہ!

Scanned with CamScanner

خواجہ معین الدین کوریجہ (رحمن)

قصرِ فریدؒ کا فقیر......!

▪ بابا محمد یحیٰ خان سے میرا تعارف' ان کی کتابوں کے ذریعے ہوا... حضرت خواجہ غلام فریدؒ کے سالانہ عرس مبارک جو ہر سال 7,6,5 ربیع الثانی کو کوٹ مٹھن شریف ضلع راجن پور میں منعقد ہوتا ہے' کی دعوت دے دی گئی۔ اس سے پہلے ایوانِ اقبال میں حضرت واصف علی واصفؒ کے سالانہ عرس مبارک کی تقریبات میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ظاہر ہے کہ تشنگی اور بڑھ گئی۔ بہرحال! بابا صاحب کوٹ مٹھن شریف عرس مبارک حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی تقریبات میں شریک ہوئے لیکن وہاں بھی خاطر خواہ گفتگو کا موقع نہ مل سکا۔ لاہور میں اُنہوں نے مہربانی کی اور غریب خانے (قصرِ فریدؒ) پر ڈیفنس لاہور میں تشریف لائے...... کافی دیر ملاقات رہی۔ جب مَیں نے ان کو بتایا کہ بابا جی! ہم آپ کے متاثرین میں سے ہیں تو وہ لفظ متاثرین سے بہت محظوظ ہوئے۔"

حقیقت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں جتنا ادب بھی پڑھا ہے مَیں اس دور کا بابا محمد یحیٰ خان کو سب سے بڑا فکشن رائٹر سمجھتا ہوں جس کے قلم میں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ تاثیر دی ہے کہ ایک بار آدمی کتاب شروع کر لے تو اس کے بعد وہ اس کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ جتنی تحریر خوبصورت ہے اس سے بڑھ کر بابا محمد یحیٰ خان کی شخصیت متاثر کُن ہے۔ اپنے وقت کے بڑے بڑے لکھاریوں نے بابا محمد یحیٰ خان کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے اور جس نے جو بھی لکھا ہے' کم ہی لکھا ہے۔ کاش! میرے پاس بابا جی کے قلم جیسی طاقت ہوتی اور مَیں ان کی تحریر کی فنی خوبیوں اور ان کی شخصیت کی وارفتگی پر کچھ اور لکھتا۔ البتہ دل کی گہرائیوں سے مَیں ان کی درازیٔ عمر اور صحت کے لیے دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ شاید حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے ایسے ہی کسی موقع کے لیے کہا ہے کہ ؎

جے یار فرید قبول کرے سرکار وی توں سلطان وی توں
نا تاں کہتر کمتر احقر ادنیٰ لاشے لا امکان وی توں

منفرد اُسلوب کا بابا......!

سرفراز اے شاہ

■ نرم گوئی اور عاجزی آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ منفرد اُسلوب آپ کی پہچان اور مشکل پسندی آپ کا تعارف ہے۔ گفتگو میں اُلجھاؤ اور سُلجھاؤ ندی کے دو کناروں کی مانند ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مشاہدہ اتنا گہرا اور حافظہ اتنا کمال کا کہ جو دیکھا' ذہن پر نقش ہو گیا' جو سُنا ہمیشہ کے لیے نہ صرف محفوظ ہو گیا بلکہ جب وہ تحریر میں آیا تو قاری نے محسوس کیا ہوگا وہ اس منظر، اس واقعہ کا خود بھی حصّہ تھا۔ وہ آنکھ جس نے مشاہدہ کیا۔ اس کی اپنی آنکھ تھی، جنھوں نے سُنا گویا اس کے اپنے کان تھے۔

بابا محمد یحییٰ خان عصری تقاضوں سے خُوب واقف اور نوجوانوں کے نبض شناس ہیں۔ یہی آج کی ضرورت ہے کہ نوجوانوں کو مذہب کی طرف مائل کیا جائے۔

بابا محمد یحییٰ خان کی پہلی کتابیں "پیا رنگ کالا" اور "کاجل کوٹھا"، "شب دیدہ" اپنے اندر کمال کی روانی اور دلچسپی رکھتی ہیں۔ اُمید ہے کہ ان کی نئی کتاب "لے بابا اَبابیل" بھی اس وزن پر لکھی گئی ہوگی کہ یہی ان کا فطری میلان ہے۔

اللہ تعالیٰ بابا محمد یحییٰ خان صاحب کے کمالات میں مزید برکت دے۔ آمین!

ڈاکٹر صغریٰ صدف

ریاضت کے رَستے کا مُسافر...!

■ بابا محمد یحییٰ خان بھی ایک ایسی ہستی ہے جس کا ہر لمحہ خالقِ کائنات کی محبت کی سرشاری سے جُڑا ہوا ہے۔ اس محبت نے اُنھیں مخلوق کے دُکھ سُکھ کے قریب تر کر دیا ہے۔ وہ صوفی ہیں اور صوفی ہمیشہ محبوبِ حقیقی کی خوشنودی کے لیے اس کی مخلوق کا سہارا لیتا ہے یعنی پہلے وہ خدمتِ خلق کے ذریعے مخلوق کو راضی کرتا ہے اور پھر خُدا کے حضور حاضر ہو کر اپنی محبت اور استقامت کا اعلان کرتا ہے۔

بابا محمد یحییٰ خان سے میری ملاقات بہت بعد میں ہوئی۔ شاید یہ سب کچھ قدرت کی طرف سے ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں سے ان کے بارے میں جانا اگر جب ملاقات ہوئی تو جانا کہ وہ صحیح معنوں میں ایک دَرویشِ عشق ہیں جن کے دل پر رَبّ کی تجلی عیاں ہو چکی ہے۔ جن کی رُوح لطافت کی اعلیٰ منزلوں کی سیر کر چکی ہے مگر وہ ابھی تک ریاضت کے رستے کے مسافر ہیں۔

عام لوگوں کے معاملات میں اُن کی رہنمائی کرتے ہیں۔ وہاں اپنے دل کے اطمینان اور رُوح کی آسودگی کے لیے صوفیوں اور ولیوں سے بھی اُن کا خاص رابطہ رہتا ہے۔ وہ اپنے رُوحانی تجربات کو نت نئے موضوعات اور حرفوں کا لبادہ پہنا کر لوگوں کے دلوں پر دستک دیتے رہتے ہیں۔ ایک طرح سے یہ نُور بانٹنے کی کاوش ہے۔ اگر آپ غور کریں تو ان کا ہر لفظ اُلوہی حقیقتوں سے جُڑا ہوا ہے اور رُوحِ مُطلق کا سراغ لگاتا نظر آئے گا۔ دیکھنے پڑھنے والے کو ظاہری آنکھ کے ساتھ ساتھ باطن کی آنکھ کو بھی بیدار کرنا پڑتا ہے۔ پھر بابا محمد یحییٰ خان کے لفظ آپ کی توجہ کو نہیں بلکہ آپ کے دل کو اپنی سمت کھینچتے ہوئے محسوس ہوں گے۔

بابا محمد یحییٰ خان کی رَبِّ حقیقی کے ساتھ ساتھ نبیِ آخرالزماں ﷺ سے محبت اور عقیدت بھی مثالی ہے۔ وہ اپنے نام کے ساتھ "محمد" لکھنے اور بولنے پر ہمیشہ اصرار کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسی کو اپنی نسبت سمجھتے ہیں اور اسی پر اُن کو فخر بھی ہے۔ بابا محمد یحییٰ خان صاحب کو خدا نے خوبصورت لفظ تخلیق کرنے کا ہنر بخشا ہے۔ ان کی عبارت پڑھ کر عجیب سرور محسوس ہوتا ہے۔ خدا کرے وہ اسی طرح خدمتِ خلق کے کاموں میں جُڑے رہیں خُدا ان پر اپنی عنایات کے دروازے وا کرتا رہے اور ہم جیسے تشنگانِ علم و ادب ان کی شخصیت سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں۔"

خواجہ محمد زکریا

جدید طلسمِ ہوش رُبا کا مُصنّف......!

■ بابا محمد یحییٰ خان پہلے سیاہ پوشاک' سفید نورانی داڑھی سے متوجہ کرتے ہیں' پھر عجز سے موم کرتے ہیں اور پھر اپنی تخلیقات کے ذریعے آپ کا دل مضبوطی سے مٹھی میں لے لیتے ہیں۔ مَیں ان تینوں مدارج سے گزر رہا ہوں اور اَب اِن کے ہزار ہا مداحوں میں شامل ہو چکا ہوں۔ بابا جی ایک انوکھے صاحبِ قلم ہیں۔ آپ اِن کی ضخیم تصانیف میں سے کسی ایک کے چند صفحے پڑھ لیں تو آپ اتنے مسحور ہو جائیں گے کہ اسے پڑھتے ہی چلے جائیں گے۔ وہ اِس طرح اپنے سحر میں اَسیر کر لیں گے کہ آپ دُنیا و مافیہا کو فراموش کر کے اِن کے ساتھ ساتھ چلنے لگیں گے۔ اندرونِ ملک بھی بیرونِ ملک' پہاڑوں' وادیوں' سمندروں' دریاؤں' چشموں' میدانوں' جزیروں' آبادیوں' ویرانوں میں جہاں چاہیں گے آپ کو لے جائیں گے۔ ان کی تحریریں تخیّل' مشاہدہ اور تجربہ تینوں کا حیرت انگیز امتزاج ہیں۔ مافوق الفطرت واقعیت اور تحیّر کا ایسا تال میل کسی اور کے ہاں کمتر دکھائی دیتا ہے۔

اگر آپ نے ضخیم کلاسیکی داستانیں پڑھی ہیں تو آپ کو یوں معلوم ہوگا کہ اب آپ ایک جدید داستان کی فضا کا جزو بن گئے ہیں۔ بابا محمد یحییٰ خان کی ہر قصّہ دَر قصّہ داستان مجموعہ ہے' ایک جدید طلسمِ ہوش رُبا' ایک وسیع عجائب خانہ ہے۔ ایک طلسمی حقیقت نگاری ہے جس کا ہر واقعہ متحیّر و مبہوت کر دیتا ہے لیکن جب آپ کسی واقعے کی دلکشی میں گم ہو کر نقطۂ آغاز کو فراموش کر دیتے ہیں تو بابا جی آپ کو آغازِ داستان کی طرف لے جا کر آپ کے حافظے کو تازہ کر دیتے ہیں اور حیران کر دیتے ہیں کہ وہ انفرادی واقعات کی دلکشی کے ساتھ ساتھ پوری داستان کو مربوط کرنے کی کیسی بے نظیر صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کی نثر کا آہنگ حیران کن اور تحیّر زا ہے۔ یہ آہنگ پہاڑی ندیوں کی طرح تُند رَو ہے۔ لفظ پُرشکوہ ہیں' بعض جگہ خُود ساختہ اور سنگلاخ بھی ہیں لیکن آہنگ کی تیزی میں اس طرح بہتے چلے جاتے ہیں کہ رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی اور روانی میں خلل نہیں آتا۔

بابا محمد یحییٰ خان کی تخلیقات کے مطالعے کے بعد اِنھیں عامل سمجھتا ہوں اور خُود کو معمول۔

Scanned with CamScanner

اختر شمار

بابائے نثر و دانش......!

- بھرتری ہری نے ایک جگہ لکھا ہے:

""جن پر حقیقت کا انکشاف ہُوا جنھوں نے "برہم" کو پہچان لیا اِن کے لیے دُنیا کوئی کشش نہیں رکھتی، کہ سمندر کے پانی میں مچھلی کے بیرنے تیرنے سے کوئی لہر پیدا نہیں ہوتی......""

بابا محمد یحییٰ خان... دیے کی لَو کی طرح داتا کی نگری میں ٹمٹماتا نظر آتا ہے۔ اس نے بدن پر رات کی شال اوڑھ رکھی ہے، کون جانے" اس نے اپنی" بکل" میں کتنے ستارے ڈھانپ رکھے ہیں...؟ پنجاب کے دل لاہور میں داتا کے ساتھ جاگنے والا یہ بابا جنگلی ہوا کی طرح" سانسوں کو معطر کرنے کی ڈیوٹی پر کسی ایک جگہ قیام نہیں کرتا... دُنیا بھر میں گھومنے والے بابے کو آنکھوں والوں نے اجمیر شریف کی گلیوں میں بھی ننگے پاؤں گھومتے دیکھا ہے۔ آج کل اس کی کتابیں بھی دل والوں میں زیر بحث رہتی ہیں۔ وہ خود کتاب نما ہو کر کتاب سینے سے لگائے پھرتا ہے۔ احباب اسے' بابائے نثر و دانش بھی کہتے ہیں۔ دل کی کتاب جب اُس پر مہربان ہو کر اترتی ہے تو وہ سطر سطر" سانبھ" کر سجا سنوار کر پوری کتاب ایک دُلہن کی طرح اپنے" کابل کوٹھے" سے رُخصت کرتا ہے اور یوں کتاب کی ڈولی پبلشر کے حوالے ہو جاتی ہے۔

بابا محمد یحییٰ خان اپنے نرالے اُسلوب کا آپ موجد ہے۔ اس کی تحریروں میں ورق ورق پر صوفیانہ خوشبو محسوس کی جا سکتی ہے۔ وہ فلسفہ یا فرمانیت کی بیٹھکیں بجا کر توجہ حاصل نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے فکر و اسلوب کی روشنی کے سبب اندھیروں میں دُور سے جگمگاتا دکھائی دیتا ہے۔ میں جب باباجی کی تحریریں پڑھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ ان کی خوشبو جیسی باتیں دل دھرتی پر بارش کی بوندوں کی طرح کِن مِن کِن مِن برس رہی ہیں۔ وہ محبت کے استعارے کی طرح اُدب و شعور کے آسمان پر ستارہ وار دَمک رہا ہے۔ تفکر و تدبر والوں کے لیے یہ تحریریں سکون اور مسرت کے ساتھ آگہی کی رحمت بن سکتی ہیں۔ یقین نہ آئے تو باباجی کی یہ تحریریں آنکھوں میں اُتار دیکھئے" جہان ہو جائے گا..."

Scanned with CamScanner

اصغر ندیم سید

کہانی بھگت......!

■ الف لیلیٰ کی راتوں پہ پھیلی ہوئی کہانی ہے۔ بابا جی کی یہ کہانی لاکھوں میلوں پہ پھیلا ہے۔ اللہ کی جتنی زمین ہے اور جتنے افلاک ہیں یہ کہانی سب جگہ بابا جی کو اپنے ساتھ لیے پھرتی ہے۔

کہانی ایک چھلاوہ ہے۔ اپنی چھب دکھا کر انھیں کو لبھاتی ہے۔ وہ اس کی سندرتا پہ فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ لپکتے ہیں اور اس کی کھوج میں بھاگے پھرتے ہیں۔ چاروں اور، چاروں کھونٹ وہ ان سے کھیلتی ہے۔ کہانی چھلاوے سے کئی روپ لے لیتی ہے۔ ہر روپ میں بابا محمد یحییٰ خان اس کے قریب میں آ جاتے ہیں۔ وہ انھیں ٹھگتے پھرتی ہے لکن چھپی کا کھیل کھیلتے کھیلتے کہانی بابا جی کو باغوں میں محلوں میں گلی کوچوں میں چوباروں پہ بازاروں میں گھروں میں راہوں میں اور شاہراہوں پہ لے جاتی ہے۔

بابا جی بھی ایک "کہانی بھگت" ہیں۔ وہ بھی کہانی کا دامن نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر کہانی سو روپ لیتی ہے تو بابا جی بھی ایک سو ایک روپ لے سکتے ہیں۔ ویسے تو ایک روپ انھوں نے اوڑھ بھی رکھا ہے۔ "پیا رنگ کالا" ایسا روپ ہے جو ان کے ساتھ کہانی کے ہر انداز میں چلتا ہے۔ بابا جی کہانی کو سو بھیس میں بھی پہچان لیتے ہیں' کہانی جو چاہے بہروپ لے لے۔ بابا جی اپنے عصا کے ساتھ اس کے سامنے آ جاتے ہیں۔ اب کہانی کہاں جا سکے گی؟ کہانی چھلاوہ ضرور ہے اور اِدھر سے اُدھر جلوہ دکھائے گی لیکن بابا جی کے سامنے کہانی بھیگی بلّی بن جاتی ہے اور دبک کر بیٹھ جاتی ہے۔ بابا جی اُسے پچکار کر لے آتے ہیں۔ بولنا سکھاتے ہیں۔ کہانی کو بولنا کہانی کار سکھاتا ہے۔ یہی کمال بابا جی کا ہے کہ وہ کہانی کو نہ صرف اپنے دام میں لاتے ہیں بلکہ اُسے بولنا بھی سکھاتے ہیں۔ میں اُن کا ایک نیازمند قاری ہوں۔

بابا جی لاکھوں میل تک پھیلی کہانی کے ساتھ سفر میں رہتے ہیں۔ اب یہ پتہ نہیں چل پاتا کہ کہانی چھلاوہ ہے یا بابا جی چھلاوہ ہیں۔ قاری بس اتنا جانتا ہے کہ ہزار داستان کا

Scanned with CamScanner

طلسم کدۂ بابا جی کی کتابوں میں جلوہ گر ہے۔ کہانی اتنی سہولت میں بیان کر دینا ان کی جادوگری ہے۔ میرے لیے تو خود بابا جی ایک طلسم ہے۔ کہانی تو اُن کا دوسرا جنم ہے۔ ہم جنموں میں یقین نہیں رکھتے ہیں لیکن کبھی کبھی بندہ کسی اور میں سانس لینے لگتا ہے۔ اسی طرح کہانی بابا جی میں سانس لے رہی ہے اور بابا جی کہانی میں سانس لیتے ہیں۔

مَیں نے کئی بار سوچا، بابا جی کو دریافت کروں۔ بس ذرا دور جا کر رُک جاتا ہوں۔ وہ آگے آنے ہی نہیں دیتے۔ جتنی اجازت ہوتی ہے اتنا ہی جان پاتا ہے۔ کئی دفعہ بابا جی نے کھجوروں اور خُوشبو کے تحائف بھیجے۔ تبرک سمجھ کے رکھ لیا۔ سوچا اللہ نے نعمت بھیجی ہے۔ اس میں بھی کوئی بھید ہے ورنہ مجھ جیسے گنہگار اور دُنیادار میں کیا ہنر ہو سکتا ہے۔

وہ اپنی بَغل میں بھید چھپائے پھرتے ہیں۔ اشفاق احمد کی خدمت کرتے کرتے کہانی کے رازدار بن گئے۔ ایم ایف حسین جوتے نہیں پہنتے تھے۔ ایک بار انھیں اندرون شہر لے کر گیا تو لوگ انھیں سادھو بابا سمجھ کر جمع ہونے لگے۔ مَیں نے سمجھایا کہ یہ آپ کا مسلک ہے۔ اللہ کی زمین پر جوتا نہیں رکھتا پاؤں رکھتا ہے۔ زمین کی حرمت اور احترام کرتا ہے۔ زمین پر اکڑ کر بھی نہیں چلتا اور اگر جوتا چِم چِم اور چوں چوں کرتا ہے تو یہ غرور کی علامت ہے۔ ایسا جوتا نہیں پہننا چاہیے۔ زمین میلی نہیں ہوتی۔ زمین کو میلا ہم کرتے ہیں۔ وہ آلائش پاؤں سے لگتی ہے۔ اگر زمین تازہ مٹی کی طرح نئی نکور ہو تو اس پر پاؤں میلے نہیں ہو سکتے۔

ایم ایف حسین کے بعد بابا محمد یحییٰ خان بھی زمین کو محسوس کرتے ہیں۔ زمین کا حصہ بن جاتے ہیں۔ زمین کو پاؤں میں لپیٹ لیتے ہیں۔ زمین بچے یا ماں کی طرح اُن سے لپٹ جاتی ہے۔ بابا جی جوتا کم پہنتے ہیں۔ ان کی کہانی بھی جوتے نہیں پہنتی۔ ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی رہتی ہے۔

زندگی جیسی ہے ویسی دیکھنا مشکل ہے۔ زندگی جیسی ہونی چاہیے بابا جی اُس کا خواب دیکھتے ہیں۔ پھر خواب میں کہانی کا پیچھا کرتے ہیں۔ وہ کب خواب سے باہر آتے ہیں کب واپس چلے جاتے ہیں یہ طلسم جاری ہے اور ہم حیران یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔

مجاز اور معرفت کے درمیان پُل......!

محمد پرویز کلیم

■ بابا محمد یحییٰ خان کون ہے اور وہ کیا بیچتا ہے؟

اِس شہر میں بہت سی آنکھیں اِن سوالات کا بوجھ اُٹھائے کُو بکُو دکھائی دیتی ہیں۔

کوئی کہتا ہے...... بابا ایک اَسرار ہے۔

کچھ کہتے ہیں...... بابا ایک کردار ہے جو اپنی تحریروں کے ذریعے لوگوں پہ منکشف ہونا چاہتا ہے۔

چند لوگ کہتے ہیں... بابا اور اِس کی کتابوں میں لکھی ہوئی باتیں فطرت کے سامنے ایک پکار ہیں، فریاد ہیں۔

جیسے بابا کہہ رہا ہو... مالک کو اور بتا میں نے اپنی ذمہ داری خوش اُسلوبی سے نبھا دی۔

لیکن میں کہتا ہوں... بابا! مجاز اور معرفت کے درمیان اک ایسا پُل ہے آدمی اور اِنسان آپس میں مِل سکتے ہیں۔

مجھے تو کبھی یوں لگتا ہے جیسے بابا نے ایک ہاتھ دُنیا کی زُلفوں میں ڈال رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ میں مخلوق اللہ کی تسبیح پکڑ رکھی ہے۔ سچ پوچھیے تو بابا کی تحریروں نے ہی مجھ کو بابا سے متعارف کروایا ہوا ہے۔

ایک بار بابا نے اپنے مزاج جیسی خوش خطی اپنی کتاب پہ فرما کر میرے نام ایک ایسا فقرہ لکھا جسے میں آج بھی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بابا کی اُلجھی ہوئی تحریریں پڑھ کر شاید کچھ لوگ "سُلجھ" جاتے ہوں گے۔

Scanned with CamScanner

بابا سیاہ لباس زیب تن کر کے کالی روشنائی سے روشنی لکھ سکنے کا ہُنر رکھتے ہیں۔

مجھے لگتا ہے کالا رنگ اوڑھ کر بابا نے اپنی ٹکل میں دھنک رنگ چھپا رکھے ہیں۔ شاید اکیلے میں بابا اِن دھنک رنگوں سے کھیلتے ہیں۔ عجب انسان ہیں، علامتی تجرید لکھ کر ہر اُس شخص کو اپنا اسیر کر لیتے ہیں جو اپنے شعور کی تیسری آنکھ کھول کر دُنیا میں جھانک رہا ہے۔ بابا کی تحریروں میں اُن کا کوئی بھی پیراگراف قاری کا ہاتھ پکڑتا ہے تو کتاب میں اِک دروازہ کُھل جاتا ہے اور پھر وہ بابا کے افکار کی وادی میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ پڑھنے والا ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چُھڑا کر واپسی کی راہ لیتا ہے۔ بابا کی تحریر پلٹ کر واپس جاتے ہوئے قاری کو آوازیں دیتی ہے لیکن وہ مُڑ کر اِس لیے واپس نہیں دیکھتا کہ کہیں وہ پتھر کی نہ ہو جائے۔

بابا کی کوئی بھی کتاب پڑھ کر مَیں اِن کی آنکھوں میں جھانکتا ہوں تو مجھے وہاں تپتی ہوئی صدیوں کی دُھول اُڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور دُھول میں مجھے بابا رقص کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور مَیں اکثر ڈر جاتا ہوں اور پھر اِس کے ہونٹوں پہ معصوم سی مسکراہٹ دیکھ کر میرا ڈر جاتا ہوں اور پھر اِس کے ہونٹوں پہ معصوم سی مسکراہٹ دیکھ کر میرا ڈر اور خوف دُور ہو جاتا ہے..... میرا خیال ہے کہ بابا محمد یحییٰ خان ایک ایسا لکھاری ہے جو دُنیا کو تین طلاقیں دے کر اِسی دُنیا کے لیے لکھ رہا ہے۔

خواجہ غلام قطب الدین فریدی

آستانہ عالیہ حضرت محمد یار فریدی

بابا محمد یحییٰ خان ایک صاحبِ بصیرت اور حال مست درویش کا نام ہے جنہیں قدرت نے گراں قدر نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہوا ہے مگر وہ اپنی پسندیدہ وضع قطع سے اُن خوبیوں پر پردہ ڈالنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں اور "تو برا حاجی گجو کی بجائے "یارب ہمہ خلق را بہ مَن بدخو کن" کی راہ اپنائے رکھتے ہیں۔

بہت سے لوگ انہیں دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں اور انہیں ایک روایتی ملنگ سمجھتے ہیں جو علم و عمل سے عاری ہوتا ہے مگر اُن کی شخصیت کے سحر نے زورِ قلم اور جادو بیانی نے اُن کی ذات میں علم و آگہی کے اُن خزائن کی چغلی کھائی ہوئی ہے جو اُن کے اندر موجود ہیں اور جنہیں بابا محمد یحییٰ خان نے اپنے ملامتی رُوپ میں چھپایا ہوا ہے۔

آپ اُن کی کسی کتاب کو کہیں سے پڑھنا شروع کر دیں جُوں جُوں پڑھتے جائیں گے دلکشی بڑھتی جائے گی اور اُن کے دِل سے اُٹھنے والی بات اِس طرح اپنا جادو جگاتی جائے گی کہ آپ گردوپیش سے بے خبر ہو جائیں گے۔

قاری کتاب پڑھتے ہوئے سوچنے پہ مجبور ہو جاتا ہے آخر اس پردہ ملامت میں کون ایسا غواص چھپا ہوا ہے جو سادہ اِلفاظ کے ساتھ حقائق کے سمندر میں غوطہ لگا کر قیمتی جواہر نکال باہر لاتا ہے اور سب کو حیران کر دیتا ہے۔ اِس مشکل سوال کا جواب حضرت خواجہ غلام فریدؒ ہی دے سکتے ہیں۔

ہر صورت وچ آوے یار
کر کر ناز ادا لکھ وار

محبت، خودداری، انکساری اور مہمان نوازی اِس مردِ درویش کا طُرّۂ امتیاز ہے جو درویشی کا اصل سرمایہ ہے اور اعلیٰ ظرفی نے تو ان کی سادہ دِلی کو اور حسین بنا دیا ہے۔ الغرض ان کی تحریر میں اُن کے "کاجل کوٹھے" سی شگفتگی، گہرائی، گیرائی اور خیال کی رعنائی پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ اب "کے بابا ملنگ" ... اللہ بس اللہ!

Scanned with CamScanner

چوہدری محمد امین سندھو

مشک بُوٹی......!

■ کتاب اور قلم سے وابستگی! حروف کو آنکھوں سے چُومنا' جنچنا' اِن کے معانی و محاسن کو سمجھنا میرا شوق ہی نہیں میرا یقین اور ذوق بھی ہے کہ کتاب اور صاحبِ کتاب' مالکِ علم و عرفان کی عطا ہوتے ہیں۔ یہ بھی میرے خالق و رازق کا کرم ہے کہ مَیں اِس سُنہری لڑی میں پرویا ہُوا ہوں جس کے لیے میرے کریم آقا ﷺ نے فرمایا۔ "مجھے معلّم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

کالا رنگ! یہ میرے آقا ﷺ کی سوہنی کملی اور پیاری زُلفوں کا رنگ ہے۔ یہ رنگ مجھے خانۂ کعبہ کے اُن حجروں کی زیارت کرواتا ہے جن سے وُہ چاند نمودار ہوئے جنہوں نے ظلمت کدوں کی اندھیری فضاؤں کو کلمۂ حق سے منوّر کیا۔ یہ رات کا رنگ ہے جس کے بطن سے صبح بیدار ہوتی ہے۔ جس سے نُور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ یہ وہ کائناتی رنگ ہے جو پردہ پوش ہے سب کے راز چھپاتا ہے اور جس کو اللہ نے سب سے زیادہ اہمیت دی...... بنایا اور پسند فرمایا۔"

بابا جی کے قلم میں وُہ برکت اور قوت ہے جو اللہ والوں کی صُحبتوں اور خانقاہوں سے عطا ہوتی ہے۔ اِن کی سیاحت' اِن کے وجود کو مکمل کرتی ہے یہی وہ سفر' جو قلندر رتّے سے شروع ہُوا' پھر جہانوں کی گشت کے بعد "داستان سرائے" سے اپنا رُوحانی اور فکری رنگ وصول کر کے اپنے اگلے سفر پر رواں دواں ہے۔ بابا جی! فرد نہیں' اِک کارواں ہیں...... کائناتی رنگوں' رازوں کو کھوجتا ہُوا' رواں دواں......!

اپنی سرگزشت "شہاب نامہ" میں قُدرت صاحب رقم طراز ہیں کہ مَیں درویشوں کی صف میں بیٹھا اپنے حصّے کے رُوحانی لنگر سے محض اِس لیے ہاتھ دھو بیٹھا کہ میرے بائیں پہلو سے ایک کالے کُتّے نے اِس میں منہ ڈال دیا تھا۔" بابا جی کی کتابوں "کا جل کوٹھا"، "شب دیدہ" اور "پیا رنگ کالا" کے مطالعے سے نحوس' نحوستوں' کالے رنگ' نجس پاک پلید' کمی کمین' نیچ ذات قوم' چال اور پیروں کے بارے' میری تمام غلط فہمیاں دُور ہو گئیں اور مَیں راست' مثبت رویّوں کی راہ آ لگا۔ مجھے یہ بھی محسوس ہُوا کہ بابا کی تحریر ایک مکمل نجارت ہے جو صرف رُوحانی کولا ورڈ سے سُلجھائی جا سکتی ہے۔"

- بانو قُدسیہ نے بابا محمد یحیٰی خان کو کھوجنے اور بُوجھنے کا آفاقی نام دیا ہے۔
- بابا جی نے اپنی زندگی کے نشیب و فراز' راہِ سلوک میں پڑنے والے پڑاؤ...... اور اِس دوران تربیت اور فیض پہنچانے والوں بابوں کے اذکار کو بڑی عمدگی اور غیر روایتی انداز سے قاری تک پہنچایا ہے۔

Scanned with CamScanner

افضال احمد

آستانہ حیرت کا مسافر.....!

■ بابا محمد یحییٰ خان کے محیر العقول مشاہدات' تجربات' جذبات' واقعات' خیالات' انکشافات پر مبنی ان کی تحریریں قاری کو اپنی گرفت میں ایسے سمو لیتی ہیں کہ وہ مُدتوں ان کے اثرات سے لُطف اندوز ہوتا ہے۔ کتاب کی کہانی اور کردار آپ کے ساتھ ساتھ آپ کو اس دُنیا میں لے جاتے ہیں جہاں پر زندگی رنگ و رُوپ بدلتی اور زمانے کے کرم اور ستم اس انداز میں دکھاتی ہے کہ آپ خود ایک کردار کی طرح کتاب کی داستان میں شامل ہو جاتے ہیں اور پھر آپ کا سفر حیرت انگیز کرداروں کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ بظاہر تو بابا محمد یحییٰ خان ہماری طرح کے عام سے انسان نظر آتے ہیں مگر وہ رُوپ ایک فقیر' دُرویش کے تناظر میں ہوتا ہے! کالا جُبّہ' چادر۔ گلے میں منکے ہی منکے۔ ہاتھوں میں کمال کی خُوبصورت انگوٹھیاں پھر سب کمال ان کی آنکھوں میں ہے۔ بڑی آنکھیں ان کے چہرے پر خوب جچتی ہیں۔ وہ آپ کو دیکھنے کے بعد آپ کو قوتِ گویائی سے محروم کر دیتے ہیں۔ آپ کے دل میں جو کچھ بھی ہوتا ہے' آپ سب بُھول کر ایک ہی بات کہتے ہیں بابا جی دُعا کریں۔ دُعا ہی بابا جی کی شناخت ہے جو ہم سب کو پُرسکون رکھتی ہے۔

بابا جی یہ سب کچھ کیسے سوچتے ہیں وہ ہی سب سے حیران کُن ہے۔ عام زندگی میں بھی بابا جی کے ساتھ چلنا آسان نہیں ہے۔ ان کی رفتار اور رفاقت میں توازن رکھنا آپ کا امتحان اور مزید تحریروں کی تلاش آپ کو ملاقتی کے رُوپ میں آستانہ حیرت کے طواف کرواتی رہتی ہے۔

پھر پڑھنے والا بابا جی کی کتابوں اور خیالوں میں ایسا کھو جاتا ہے کہ باہر نکلنے کا راستہ نظر بھی آئے اور دل بھی چاہے تو بھی باہر نہیں نکلتا اور وہیں بسیرا کرنے کی خواہش دل میں بسا کر بابا جی کی قربت کا خواہش مند رہتا ہے۔ اُمید ہے بابا محمد یحییٰ خان اپنی ایسی تحریروں سے اپنے قارئین کو لُطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتے رہیں گے۔

(سنگِ میل پبلی کیشنز)

Scanned with CamScanner

ریاض محمود

بابا صاحبا کا کاکا......!

■ رُوحانی بابوں کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں' کچھ تو وہ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو پوشیدہ نہیں رکھتے اور خلقِ خدا کی مشکلات میں اللہ سے دُعا کرتے ہیں۔ اللہ ایسے بزرگوں کی دُعا کو قبول بھی کرتا ہے۔ یُوں اِن کا فیض ہر خاص و عام کے لیے جاری رہتا ہے۔ بابوں کی ایک دوسری قسم وہ ہے جو کسی نہ کسی رُوحانی مرتبے پر فائض تو ہوتے ہیں لیکن لوگوں کے سامنے خود کو آشکار نہیں کرتے۔ ایسے بزرگ دُکھی لوگوں کے لیے عملی کوشش بھی کرتے ہیں اور دُعا بھی' لیکن یہ سب کچھ ظاہر کیے بغیر ہی ہوتا ہے۔

بابوں کی تیسری قسم میرے نزدیک اُن بابوں کی ہوتی ہے جو وضع قطع سے رُوحانی شخصیت نظر آتے ہیں لیکن اُن کے اعمال اُن کی ظاہری شکل و صورت کے برعکس ہوتے ہیں۔

مَیں نے جب پہلی بار بابا محمد یحییٰ خان کو اشفاق صاحب کے ہاں دیکھا تو کچھ اندازہ نہ کر سکا تھا یہ کس ڈھنگ کے بابا ہیں۔ درمیانہ قد' سیاہ لباس' گھنی داڑھی' ہاتھوں میں مختلف پتھروں کی انگوٹھیاں' آنکھوں میں سُرمہ' کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ باباجی کس خانے میں فِٹ ہوتے ہیں؟ لیکن جب مَیں نے اُن کی دانش سے بھرپور گفتگو سُنی' مزاج کی اِنکساری دیکھی اور لہجے کی ملائمت کو محسوس کیا تو میرے اندر سے آواز آئی کہ "یہ تو اصلی بابا ہے" اُس کے بعد پھر باباجی سے بہت سی ملاقاتیں ہوئیں تو اُن کی صحرانوردی' مختلف علوم پر اُن کی معلومات اور اُن کی تحریروں کی بدولت مَیں اُن سے بہت متاثر ہُوا۔

باباجی رُوحانیت کے کس درجے پر فائز ہیں اس کے بارے میں نہ تو اُنہوں نے کبھی بتایا اور نہ ہی مَیں اپنی کم فہمی کے باعث اُن سے کبھی پوچھ سکا۔ البتہ بزرگانِ دین سے اُن کا جو عشق ہے جو اُنہیں کبھی حضرت داتا گنج بخشؒ، بابا فریدؒ، سلطان باہوؒ، میاں محمد بخشؒ، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، شہباز قلندرؒ اور دوسرے بزرگوں کے مزارات تک لے جاتا ہے' وہ یہ ضرور بتاتا ہے کہ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

Scanned with CamScanner

ساجد خان

وہ سب سے منفرد اور انوکھے سے نظر آتے ہیں......!

■ مَیں بابا محمد یحییٰ خان کی شخصیت اور تحریر کا پرانا اسیر ہوں' اِن کی تحریر اور اُسلوب پڑھنے والوں کو اُردو زبان کی وُسعت کا اندازہ کرواتی ہیں۔ اِن کے لفظوں کی مینا کاری سے اندازہ ہو سکتا ہے اُردو لشکری زبان کیوں ہے۔ کافی سال پہلے جب مَیں کینیڈا میں ذرس وتدریس سے وابستہ تھا تو اُس زمانہ میں میری بیٹی خوش بخت حنا خان' میرے لیے پاکستان سے کتاب "پیا رنگ کالا" لائی۔ مجھے اپنی بیٹی کے انتخاب پر حیرت تھی' وہ اس کتاب کی گرویدہ تھی۔ جب کتاب پڑھنی شروع کی تو اندازہ ہُوا' کیا کتاب ہے۔ حیرت اور حیرانگی کا سمندر اور جستجو کی تلاش کا ریگستان' جس میں قاری ایسا گم ہوتا ہے کہ کتاب کی کہانی' قصّے' واقعات ختم ہو جاتے ہیں مگر پڑھنے والے کی تلاش زندگی' اُمنگ اور جستجو مزید بڑھ جاتی ہے۔

پھر مجھے صاحبِ تحریر کی تلاش شروع ہوئی' ایک دن کیا ہُوا لاہور گلبرگ کی وہ سڑک جو قذافی گراؤنڈ کی طرف جاتی ہے' وہ نظر آئے' میں نے کار اِن کے قریب رُوکی اور بلند آواز کہا" بابا جی! بس بیٹھ جائیں۔" یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہُوا کہ بابا بھی میری کار میں بیٹھ چکے تھے اور مَیں نے کار کا رُخ قذافی سٹیڈیم کی طرف موڑ دیا۔ بابا جی مجھے حیرت سے دیکھ رہے تھے اور میرا بھی حیرت اور خوشی کا سفر شروع ہُوا۔ اِن کی شخصیت نرم خو' حلیم طبع' مہمان نواز' لنگر بردار کی شکل میں نظر آئی۔ میرے جیسے لوگ بابا محمد یحییٰ خان سے ملنے کے بعد ایک پُراَسرار سے روگ میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بابا جی گُرو کا رُوپ اختیار کر لیتے ہیں پھر بھی بابا جی کا کھوج لگانا کافی دُشوار رہتا ہے۔ بابا جی دُعا پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ آپ کو منتر نہیں بتاتے۔ ہم جیسے دُنیا کے متوالوں کو پتھر نہیں مارتے' قیمتی پتھر نذر کرتے ہیں۔ ہم اِن سے محبّت اور پیار کرتے ہیں وہ شکلوں کو پہچانتے ہیں.... ہم سے پیار کرتے ہیں۔ بابا جی کی توجہ اور سلوک مَن کو شانت رکھتے ہیں۔ اب بابا جی کی نئی کتاب " لے بابا ابابیل" سامنے ہے۔ کتاب کا نام بھی خوب ہے۔ اس کتاب نایاب نے خاصی محنت اور مشقت کروائی ہے۔ اِس کتاب کو سنوارنے میں سنگ میل پبلی کیشنز کے رُوحِ رواں اور میرے دوست جناب افضال احمد کا بہت سا حصّہ ہے۔

Scanned with CamScanner

سلمٰی اعوان

اُسلوب کا فسوں......!

■ بابا محمد یحییٰ خان کے رُوحانی اور تصوّف کے سلسلوں سے متعلق قصّے کہانیوں کی جتنی بھی شکلیں میرے اِردگرد کے ماحول میں رَچی بسی تھیں اُن میں سے کسی نے مجھے کبھی متاثر نہیں کیا تھا۔ شاید میں بڑی قصیری کی کچھ اتنی قائل نہیں۔

مگر جب میں نے اُن کی کتابیں اور دیگر نگارشات کو پڑھا تو میں حیرتوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گر پڑی۔

یہ کہانیاں تھیں یا شاہ پارے تھے۔ لفظ تھے یا صفحات پر بکھرے ہوئے موتی تھے۔ کرداروں کے خدوخال' اپنے ماحول' اپنی فطرت اور اپنے رویّوں کے ساتھ کسی مصوّر کا شاہکار معلوم ہوتے تھے جیسے پینٹ کرتے ہوئے اِس فنکار کے مُوئے قلم سے مجال ہے کہ اُن سے متعلق بال برابر کوئی چیز پینٹ ہونے سے چھوٹ گئی ہو۔ ماحول کی تصویر کشی' اُسلوب کا فسوں سب کا جادو گویا جیسے سَر چڑھ کر بول رہا تھا۔

"کاجل کوٹھا"، "پیا رنگ کالا" اور "شب دیدہ" تینوں نے مجھے جُنت جیسا ڈال لیا تھا۔ پُوری پُوری رات میں نے اِن کے سحر میں گزاری۔ واقعات کا انوکھا پن کہیں اگر رُوکتا تھا تو بھی تحریر کی فسوں خیزی کا بہاؤ اتنا زورآور ہوتا کہ وہ گھسیٹ کر آگے لے جاتا۔

میں سوچنے پر مجبور ہوئی کہ یہ کوئی ہے جسے اِس درجے کا کمالِ فن نصیب ہُوا ہے۔ جس کی پیشانی پر تحریر کر دیا گیا ہے کہ اچانک مطلعِ اَدب پر اُبھرے گا' لکھے گا اور چھا جائے گا۔ ایسا ہی ہُوا۔ وہ آیا۔ اُس نے لکھا اور وہ چھا گیا۔

نسیم عباس خان

چیر گشت کی حدیثِ دیگری......!

▪ بابا محمد یحییٰ خان کا یہ "دفترِ نوشت" جس میں علوم و فنون کی "دریوزہ گری" ہے، نہ اُمیدِ تاتار کے رنگین قصّے...... ایک ایسا مجموعہ مخطوطۂ حرف و لفظ جس میں اساطیری، تہذیبی، تجریدی، تمثیلی اور طلسماتی تحاریر کے تحیّر تماشے ہیں۔

کتاب کے موضوعات ایک طرف، اس کے عنوانات ہی کمال کی آگاہی اور اِک طرزِ لطف دیتے ہیں۔ انوکھی ضرب الامثال، اچھوتی اصطلاحات، چیختے چنگھاڑتے تراز و فقرے اور شاندار شوکتِ لفظی خاصے کی خوبیاں ہیں۔ صد ہا نئے الفاظ و محاورات، تراکیب و تشارتج...... تعجب ہوتا ہے کہ اُردو زبان کے دامن میں کیسی کشادگی اور کشاکش ہے...... کہیں شانت جھیلوں سی خامشی...... کہیں مرو شال سا گر جیسی گہرائی اور گیرائی...... لق و دق صحراؤں کی سنگینی! سنگلاخ پربتوں کی دہشت! پُر اسرار جنگلات کی سرگوشیاں، جھرنوں آبشاروں کی ترنّم ریزیاں...... یوں لگتا ہے ہم کتاب نہیں اِک کائنات کا نصاب دیکھ رہے ہیں۔

مضمون، موضوعات منفرد اور عام قوّتِ مطالعہ سے ماورا ہیں۔ یہ کتاب مسلمان نہ کافر...... نہ ہی ناول، افسانہ، ڈرامہ، سفرنامہ کی ذیل میں آتی ہے۔ حیرت ہے کہ یہ اَرضی و سماوی بھی نہیں، ہجر و وصال کی حکایتیں بھی نہیں۔ حکمت و سائنس، مذہب و ادیان کی مباحث سے دُور اور نہ زمان و مکان، بس! ابھی آفاق کہیں پاتال، طبعیات و ما بعد الطبعیات! ایا یوں کہیے جو سامنے آیا قلم زد ہو گیا۔ کوئی مشکل اور کوئی حدِ آغاز و انجام نہیں...... ہاتھ کا قلم پناہ مانگتا ہے۔ علوم و فنون ہوں یا عشق و جنون، فلسفہ، طب یا منطق...... لگتا ہے بابا سب کے راکب ہیں۔"

"پیا رنگ کالا"، "کاجل کوٹھا"، "شب دیدہ" کے دس برس بعد "لے بابا ابابیل" جو "تحیّرِ مسکوتیت" کا ایک نادر نمونہ ہے۔ قاری کو نادیدہ جہانوں اور اَسرار و ماورائیت کے ان دیکھے ایوانوں میں لے جاتی ہے۔ جہاں ہر تحیّر ہی تحیّر ہے۔

بابا! الفاظ و زباں شناس، صاحبِ قلم و قرطاس ہیں۔

زور ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود

Scanned with CamScanner

● اَلف اللہ' بابے بابا......!

اَلف اللہ کی بجائے اَلف آم کی بات جب سمجھ میں نہ آئی تو ڈرتے ڈرتے قاری صاحب سے پُوچھ لیا...... اُنہوں نے موٹی موٹی سُرمہ لتھڑی آنکھوں سے گھورتے ہوئے فرمایا...... اَلف کا آم تو دکھایا جا سکتا ہے' اَلف کا اللہ کیونکر دکھائیں گے......؟

ماں کی گود سے جب بچّے کو زبردستی گھسیٹ کر ٹاٹ مدرسہ یا نچھوڑ مسجد میں پہنچایا جاتا ہے تو وہ دن' وقت اُسے ہمیشہ یاد رہتا ہے۔ میری اَوّلین یادوں میں خاص طور پہ یہ مدرسہ گھسیٹ کر لے جانے والا منظر ہمیشہ تازہ رہتا ہے...... گو یہ مدرسہ مسجد' یعنی ابتدائی پڑھائی لکھائی کا سلسلہ جلد ہی ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا پھر بھی تب کی یادیں باتیں میرے ذہن میں جگنوؤں کی مانند ٹمٹماتی رہتی ہیں کہ اِن کے ڈانڈے آگے چل کر میری ہستی کا سامان بن گئے تھے......!

مَیں اپنی اوائل عُمری میں بدتمیز تو ہرگز نہ تھا البتہ تیکھا طَباع اور بے پناہ فطین ضرور تھا۔ بات سے بات نکالنا تو یوں تھا جیسے بچّوں کے سکول میں کوئی عام سا جادوگر اپنے سر کے کالے ہیٹ سے چِٹا سفید خرگوش نکالتا ہے۔ ایسے ایسے سوال داغتا کہ اگلے کا جواب دیتے وقت حلق کا تھوک خشک ہو جاتا...... میرا یہی نُوکیلا پن' بات کریدنے کی عادت' بخیے پہ بخیہ مارنے کی جُرأت ہی میری دُشمن بنی کہ اُستاد بدکتے تھے مجھے منہ لگانے سے گریز کرتے۔ میرے مکتب آنے پہ ناخوش اور غیر حاضر رہنے پہ فرحاں رہتے...... اَبّا جی میری تعلیمی کارکردگی معلوم کرنے جو سُوئے مکتب آ نکلتے تو اُن سے یہی درخواست کی جاتی...... خان صاحب! صاحبزادہ کی علمی' فکری' ذہنی اور بے دھڑکی کا تقاضا تو یہی ہے کہ آپ اِن کی صلاحیتوں سے کسی اعلیٰ درجہ کی دانش گاہ کو مستفیض ہونے کا موقع بہم پہنچائیں...... اَبّا جی' اِس مشورے میں چُھپے ہوئے طنز کو کمال تحمّل سے برداشت کر کے دکھاوے کی ہنسی میں اُڑا دیتے...... پھر اُن کا سارا غصّہ میری جان ناتواں پہ اُترتا۔

پٹھان کا تخم ہو یا سیؤ' بہرطور پٹھان ہی ہوتا ہے جن کی عقلی فکری صلاحیتوں کی بابت اگرچہ کم ظرف

Scanned with CamScanner

لوگوں کی آراء صائب نہیں ہوتیں مگر میری ذاتی سمجھ کے مطابق' جو نمایاں اور نہفتہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں ان میں پائی جاتی ہیں وہ کسی دوجے میں کم ہی ہوں گی۔ اس کا قریبی اور ناقابلِ تردید ثبوت میری خود ذات تھی کہ بڑے بڑے نہلوں پہ مَیں اکیلا ہی دہلہ تھا!

مجھے بھلی طرح یاد ہے ٹاٹ مدرسہ میں داخل ہوتے ہی مجھے ایک موٹے کاغذ کا ایک کارڈ تھمایا گیا تھا جس پہ شطرنج کی بساط کی طرح خانے بنے ہوئے تھے اور اُن میں موٹے موٹے عربی رسم الخط میں حروف تہجی نمایاں تھے...... حافظ قاری عبدالرحمن عرف حافظ منّے نے مجھے سامنے بٹھایا' بڑی بے دردی سے میری انگشتِ شہادت پکڑ کر حرف اَلف پہ رکھی اور کہا۔

''یا فتاحُ'' پڑھو۔ مَیں نے'' یا فتاحُ علاٰ کثیرہ'' بڑے الحان سے پڑھا...... حافظ صاحب نے میرے کان کی لَو اپنی اُنگلیوں کے بڑھے ہوئے ناخنوں کی چٹکی میں بھرتے ہوئے کہا' مَیں نے تمھیں کیا پڑھنے کو کہا تھا اور تم نے کیا پڑھا؟...... درد سے بلبلاتے ہوئے مَیں نے جواب میں کہا۔

''یا فتاحُ علاٰ کثیرہ' پڑھا ہے...... کیا غلط پڑھا؟''

''غلط یہ تھا کہ مَیں نے تمھیں ایسا پڑھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ تم وہی پڑھو جو اُستاد پڑھائے......''

میرا کان ہلکا سا زخمی ہو چکا تھا اگر چند لمحے اور دبائے رکھتے تو اُن کے تیز بڑھے ہوئے ناخن آر پار ہو چکے ہوتے۔ اُن کے ایسے خطرناک ناخن دیکھ کر بلا ارادہ میرے مُنہ سے نکل گیا۔

''حافظ جی! ایسے بڑھے ہوئے ناخن تو مکروہ ہوتے ہیں اور ان سے کھانا پینا بھی اور آپ نے......؟''

اُنھوں نے میرے سر پہ ڈھول جماتے ہوئے کہا۔

''مَیں بھی جانتا ہوں بڑھے ہوئے ناخن مکروہ ہوتے ہیں مگر تمہارے جیسے شیطانوں کی گوشمالی کے لیے مجھے یہ مکروہ کام بھی مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔''

بس اسی روز سے ہم دو فریقین کے مابین'' روزِ اوّل گربہ کشتن'' والا ٹوپی ڈراما کھیلا جانے لگا۔

کسی گھر کی سوتنوں میں کیا سوتا پا ہوگا جو ایک پانچ چھ بالشت کے بچونگڑے اور پچاس جمنوں کی بچ پچے ہوئے ختنی حافظ کے مابین تھا...... آپ کو شاید ختنی حافظوں کے بارے کچھ زیادہ معلوم نہ ہو۔ اکثر ختنی حافظ' وہ ذات شریف ہوتے ہیں جو سوگ کی محفلوں' قلوں' دسوؤں' برسیوں' چہلموں اور فاتحہ پہ' کچھ نقدی' کپڑے اور کھانے پھل پانے کی خاطر قرآن پاک کی بے دریغ اُلٹی سیدھی پڑھائی کر کے بستیوں کی بستیاں واصلِ قبرستان کر چکے ہوتے ہیں...... ان کے چہرے بے رَس ورونق' دانت مکروہ' دیدے جرص و ہوس کے فلیتے اور پیٹ اندھے کنوئیں ہوتے ہیں۔ جن میں مُردار سڑے پھل اور رزق پہ کیڑے دھرے رہتے ہیں۔ اِن پیشہ وروں

Scanned with CamScanner

کی گفتار اور رفتار نہایت تیز ہوتی ہے کہ یہ سارا دھندہ ہی تیز زبانی اور تیز گامی کا ہوتا ہے۔ کئی کئی قرآن اور ایک دن میں کئی کئی مُردوں کے لیے دُعائے بخشش...... ایک ختم قُل اِدھر دُوسرا شہر کے اُس پار کوئی موچی کوئی کمہار ختمی حافظ ہر جگہ موجود ہر وقت تیار......!

علامہ کو "خداوندانِ مکتب" سے کچھ یونہی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اُن کے ساتھ بھی شروع شروع میں یہی کچھ ہُوا۔ اس کے آگے سکول کالج اور یونیورسٹیوں میں بھی یہی طور طریقے مختلف شکلوں میں موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ "اقبال دیر سے آیا کرتا تھا......"

ہاں تو بات ہو رہی تھی میرے پہلے اُستاذ حافظ مٹھے کی جنہوں نے "یا فتاحُ" کے ساتھ "علماً کثیرہ" پڑھنے پہ میرے کان کی نازک لَو قریب قریب چھید ڈالی تھی اور یہ سمجھایا تھا کہ وہی پڑھو یا کرو جو اُستاد بتائے...... اپنی من مانی نہ کرو...... اب میں حروفِ تہجی کی پٹی پڑھتے وقت "یا فتاحُ" تو با آوازِ بلند پڑھ لیتا مگر "علماً کثیرہ" دل میں دُہرا لیتا تھا۔"

زبان کی جڑ سے دل کے بڑے دروازے تک بمشکل آدھی پونی بالشت کا فاصلہ ہوگا...... مگر ان قریب ترین ہمسایوں کے کردار و افعال میں اکثر پکّے دُشمنوں جیسا بُغض پایا جاتا ہے۔ ان کی کوئی کیمسٹری آپس میں نہیں ملتی۔ ان دونوں پہ قابو اللہ کریم کے کرم اور کسی مُرشدِ کامل کی خصوصی توجہ سے ہی پایا جاسکتا ہے۔ جس کسی کو اس بے رنگ اُتھری بوٹی اور سوا پاؤ رنگ دار لوتھڑے پہ اختیار مل گیا سمجھو وہ شہریار ہے!"

پہلے روز جو سبق ملا وہ الف آم اور بائے بکری تھا...... دونوں ہی اچھی چیزیں ہیں۔ آم چوس کے اُوپر سے بکری کے نرم نرم دُودھ کی کچی لسی 'اس کی گرمی کو دُور کر دیتی ہے...... آم' وافر خون پیدا کرتا ہے جبکہ بکری کا دُودھ' کمزوروں میں طاقت اور صالحیت کی کمی کا اِزالہ کرتا ہے۔

بچے اکثر رٹا لگاتے رہتے ہیں۔ زبان' سبق یا پہاڑے دُہراتی رہتی ہے لیکن دل و دماغ کسی نئی شرارت کی سوچ میں مگن! جبکہ آنکھیں' کسی کھوج کھاٹ کی طرف اور ہاتھ کسی اُتر ہتر میں لگے ہوتے ہیں۔ پڑھائی کی اسی بیگار میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ بچے کہیں اور ہوتا ہے دھیان کہیں اور...... بچے کو پتا ہی نہیں ہوتا ہے وہ کیا کہہ رہا ہے کیا سوچ اور کیا دیکھ رہا ہے۔ میں بھی یوں ہی دُہرا ہوتا......!

پھوڑ پہ بیٹھا' پٹی پکڑے سبق یاد کر رہا تھا...... دھپ دھپ دو کُھلے ہاتھ کی پڑیں' ساتھ ہی کان میں یہ الفاظ گھسے' اوئے کھوتیا! میں نے تجھے الف آم' بائے بکری کا سبق دیا اور تو الف ابا اور بائے بے بے کا رٹا لگا رہا ہے...... اُن کے تھپّوں کی زد سے نکلتے ہی میں نے سبق پہ جو غور کیا تو واقعی وہ کچھ نہیں دُہرا رہا تھا جو اصل سبق تھا...... دل و دماغ ننگا ہیں اور شہادت کی اُنگلی' اُوپر جمائے' خوب ڈر خوف سے الف آم' بائے بکری کی

Scanned with CamScanner

گردان شروع کر دی۔۔۔ اللہ جانے کیا تھا، وقت کا ہیر پھیر یا اندر کی کوئی گڑبڑ؟ ہر روز کچھ نہ کچھ ایسا سرزد ہو جاتا کہ میں پڑھائی سے پھسل کر پیچھے ہی اتر جاتا۔۔۔!

ایک دوپہر میں پھر ان کی چھڑیوں اور گھرکیوں کی زد پہ تھا۔۔۔ وہ حافظ رٹے جا رہے تھے "اوئے کھوتیا! الف آم اور با سے بکری ہے۔ آتش اور باد نہیں۔۔۔" میں بھاڑ سا منہ وا کیے غور کرنے لگا کہ یہ آتش اور باد میری زبان پہ کیونکر چڑھ گئے؟" اس دوران وہ میرے کان کی نرم سی لو اپنے سفاک ناخنوں والی انگلیوں میں لے چکے تھے۔ تکلیف سے میرے چہرے کا نقشہ بدل گیا۔

"اوئے کھوتے! تجھ پہ میری بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا؟ اوئے یہ آتش اور باد۔۔۔ عربی فارسی مشکل مشکل الفاظ تم نے کہاں سے سیکھے ہیں۔ الف آم اور بے بکری تو زبان پہ چڑھتے نہیں۔۔۔ آتش اور باد کس طرح کھوپڑی میں گھس گئے۔۔۔؟"

جس کے کان کی لو انگلیوں کے زنبور میں جکڑی ہو وہ بھلا کوئی الٹا سیدھا جواب دے گا۔ کان چھوڑ کر چھڑی لگاتے ہوئے مزید کہا۔

"اوئے کھوتیا! الف، با سے آگے بھی بہت سے حروف ہیں۔ تیرے ساتھ کے بچے تو لام لوہا اور میم مور تک آ گئے ہیں اور تم ابھی تک الف، با سے ہی باہر نہیں نکلے۔۔۔"

اب حافظ جی صاحب کو کون یہ ایک سی بات سمجھائے کہ سبق سے تو دھیان اور تصویر میں پھنسا ہوا کوئی عام سا فقرہ بھی ذہن سے پہلے کی مانند اترا ہوا ہوتا ہے۔ میں تو تھا ہی "مدار الابہام" کہ جس کی اونٹ کی طرح کوئی کل سیدھی نہ تھی۔ اب بڑے بچے اور شرارتی بچے میں جو تفاوت تھا وہ حتمی حافظ جی کی سمجھ میں آ رہی تھی، دکھانے تو روز ہی تھے اور وہ مجھے مروڑ کر رکھ دیتے تھے۔ آخر ایک روز تنگ پڑ کر کہہ ہی دیا۔

"میں کیا کروں سبق یاد کرتا ہوں۔۔۔ تو ہو بہو میرا دماغ پلٹ جاتا ہے میری زبان پہ کوئی اور الفاظ چڑھ جاتے ہیں۔ مجھے کچھ یاد نہیں رہتا میں کون ہوں، کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔۔۔ آپ بتائیے میں کیا کروں؟ ایک انسان کے بچے کو مسلسل کھوتا کہا جائے اور اس کے کان کھینچ کھینچ اور مروڑ مروڑ کر خرگوش کے کانوں جیسے کر دیے جائیں تو وہ کھوتے کی سی عقل اور پڑھائی میں خرگوش جیسی سست روی کا شکار ہی تو ہو گا؟"

حافظ جی سب کر بولے: "یہ بتاؤ تم ادھر پڑھنے سیکھنے آئے ہو یا مجھے پڑھانے سکھانے۔۔۔؟"

میں کیا جواب دیتا، بت بنا ان کا منہ دیکھے گیا۔ اس دوران والد صاحب سے دو تین شکایتیں لگ چکی تھیں۔ انہوں نے بھی تنگ پڑ کر صاف صاف کہہ دیا۔۔۔ "آپ کے سپرد کر دیا ہے آپ جانیں اور آپ کا شاگرد۔۔۔ میں اس کا کچھ سنوار سکتا تو آپ کے پاس کیوں لاتا؟" گویا طویلے کی بلا بندر کے سر ڈال دی گئی تھی۔

Scanned with CamScanner

واقعی میرے ساتھ کے بچے' طوطے طوطا، ذے ذخیرہ اور ایک آدھ تو یائے یکہ تک جا پہنچے تھے...... یعنی شاہدرہ، مرید کے اور گوجرانوالہ تک اور میں ہنوز داتا صاحبؒ کے پاؤں میں بھاٹی دروازہ ہی پھنسا ہُوا تھا۔ اَلف اور بائے سے ہی جان نہیں چھوٹ رہی تھی۔ ہر لفظ نت نئے لفظ الہام کی طرح اُترتے...... چند ایسے بھی کہ جنہیں نہ تو کہیں سُنا نہ پڑھا اور نہ اُن کے مَعنی کا علم! میری ایسی نالائقی اور حرکتوں کی پاداش میں' الگ ایک کونے میں بٹھایا جاتا' تا کہ میں دیگر لائق اور اچھے بچوں کو خراب نہ کروں۔ بچے پڑھنے کے دَوران ایسی دُزدیدہ نظروں سے دیکھتے جیسے میں انسانوں سے نہیں کسی جنوں کے ٹولے یا مہتروں کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں۔

حافظ منے کے مکتب مسجد میں میرا وہ آخری روز تھا جب مجھے اَلف سے اَویسؒ اور بائے سے بلالؓ کے سبق کا زنا لگاتے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ دَھاڑ لگا کر وہی جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

''کھوتے! اَب یہ اَویسؒ اور بلالؓ والی نئی تخ کہاں سے نکال لی ہے؟ نکل جا یہاں سے' تُو تو مجھے پاگل کر دے گا بلکہ آدھا تو کر دیا ہُوا ہے۔ میں تیرے باپ سے خود ہی بات کر لوں گا۔''

میں پلاّ چُھڑا کر...... چار حرف خود پہ بھیجتا ہُوا کچھ ایسی عجب سے وہاں سے اُٹھا کہ کیا کوئی کسی محفل سے اُٹھا ہو گا؟ وہاں سے واپسی پہ میری چال میں کچھ ایسی لرزیدہ سی تمکنت تھی جیسے سکندر کی ہندوستان سے واپس پلٹنے پہ تھی......!

بہت بعد میری بدھی میں نکتہ سمایا کہ کسی محفل مکتب میں بیٹھنا شاید کچھ ایسی عزت و تفاخر کی بات نہیں جو کہ وہاں سے اُٹھانے اور دھکے دے کر نکالنے میں ہے...... دَرویشوں' ملامتیوں آشفتہ سَروں کی دانش کدوں' دَرس گاہوں اور کسی جامع العلوم میں پذیرائی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اس کے خواہاں ہوتے ہیں۔ وہ تو کُوئے ملامت کے دَریوزہ گر ہوتے ہیں۔ اُن کے کشکول گدائی میں لعل و گوہر نہیں زنجیریں' کیل کانٹے' زہر کی پُڑیاں' جَتکیے کنکر' دُشنام و تشنیع' قہر رُسوائیاں' دَربدریاں اور عقوبتوں کی تعزیریں ڈالی جاتی ہیں......

گھر والوں کو مجھے کچھ بتانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی کہ بَنیرے پہ بیٹھے کوؤں اور باہر گلی میں کتّوں کتوروں نے بھونک بھانک کر میرے کچے چٹھے کھول دیئے تھے۔ یہی تو تھے جو میری طرح رُسوائیوں' پھٹکاروں کے ٹھیکیدار...... میرے یار' وہ مجھ سے اور میں اُن سے...... دُکھ سُکھ سانجھا' کھانا پینا بھی اکٹھا...... ''دَھول دَھپے کے بعد بقصد عزلت' گھر والوں نے پوچھا۔ اَب کہاں پڑھنا مرنا ہے؟...... تیرے ساتھ کے تو کبّی، بی سے پکے قاعدہ پہ لگ گئے۔ وہ سامنے نائیوں اور پچھلی گلی کے آرائیوں کے بُدھو سے بچے یسر القرآن کی بسم اللہ بھی شروع کر چکے ہیں۔ کچھ شرم کھا کر وہ دونوں تم سے کچھ ماہ چھوٹے بھی ہیں۔

Scanned with CamScanner

مَیں نے جھلا کر جواب دیا۔ ''یہ تائیوں آرائیوں کے پُتّر بلا شک پکّے قاعدے یا یَسرنا القرآن تک پہنچ جائیں' پر ان کے پاس پکّا علم اور فہم القرآن نہیں ہے۔ ذرا انہیں میرے سامنے لائیں اور پُوچھیں اَلف آم اور بائے بکری کے علاوہ اور کیا کچھ ہوتا ہے؟ تائی شاید اَلف سے اُسترا اور بائے سے بغل اور قصائی' اَلف سے اُوجھڑی اور بائے سے بوٹی ہی بتا پائیں اس سے آگے ان کا علم ختم......''

''اُوجھڑی دا پلاؤ پکایا سواد اُبدا گوبیا' چوہڑیوں مصلّی ہویاتے بولی اُبدی اُوبیا'' ے

ذرا سامنے والوں اور پچھلی گلی والوں کے بارے میں پرانے بزرگوں نے کیا کہا ہے وہ بھی سنیں۔

''صبر والا اُشتاتے بے صبرا نائی' عقل والا درزی تے بے عقلا قصائی'' ے

اور وہ حافظ صاحب جن کی نظر میں مَیں دُنیا بھر کا احمق اور غبی ہوں' بلا کر ذرا پوچھیں کہ اَلف' بائے میں اور کیا کچھ اَسرار پنہاں ہیں۔ علم الاسماء کی ساری برکتوں' حکمتوں' طاقتوں کا اصل منبع کہاں ہے؟ جبکہ اللہُ' احمدُ' اسد اللہُ' اہلِ بیت اور اَزل اَبد سب ہی اَلف میں الف ہیں تو مزید پڑھنے کا کیا محل باقی رہ جاتا ہے؟ آگے پڑھنا بھی پڑے تب بات ٹہلتے ٹہلتے دراز ہوتی ہے تو بلالؓ سے بہلول داناؒ، بایزیدؒ، بوعلی قلندرؒ، بہاؤالدین ذکریاؒ، بختیار کا کیؒ سے بلھےؒ اور باھوؒ تک پڑھ لیں...... آپ بتائیں' قرآن کیا اَلف' الحمدللہ اور بائے بسم اللہ سے ابتدا نہیں ہوتا؟...... ابتدا ہو یا انتہا' آگے پیچھے اَلف ہی اَلف ہوتا ہے۔

میری ایسی ادق گفتگو سن کر گھر والوں نے اپنا سر پیٹ لیا اور مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیا۔

علم الاسماء سے عمیق دلچسپی اور ان کا باطنی ادراک مجھے ودیعت ہُوا ہے۔ میرا ہتیر اور خمیر بھی کچھ ایسا ہے کہ مَیں پہروں' حروفِ اَبجد کے اَسراروں' نُوالعجبیوں اور ان کی خفتہ حکمتوں میں ڈوبا رہتا ہوں...... ایک وقت ایسا بھی کہ مزید دیکھنے کا اذن ملا تو مَیں نے بادلِ نخواستہ کچھ آگے پیش رفت شروع کی...... دیکھا کہ علم وحکمت کی ہر گلی باب علم کی جانب نکلتی ہے۔ حروفِ تہجی کی ساری صورتیں' ترکیبیں' باطنی معنی اور برکتیں اَلف کی بنیادی ساخت سے ہی تشکیل پاتی ہیں۔ اَلف کا ابتدا میں ہونا' بے خم وخال ہونا اور ایسی اکبریت کا مظہر ہونا کہ ابتدا اور انتہا کی کوئی حد تعین نہ ہو سکے۔

اَلف' واحد خطِ کشید' جسے جہاں تک چاہو دیکھو اور محسوس کر لو' کائنات کی ہر اک شے اس کی دسترس میں ہمٹی سی دکھائی دیتی ہے۔ اس ساخت وہیئت کا کوئی دُوسرا حرف' حروفِ تہجی میں نظر نہیں آتا۔ مجھے دکھائی دینے اور نہ دینے والی ہر شے میں اَلف دکھائی دیتا ہے اور بائے وہاں نظر آتی ہے جدھر جذب وجنوں ہوتا ہے...... ذات کی نفی ہوتی ہے' عجز ور جز ہوتا ہے...... خشیت ومشیت کے آگے سرخم ہوتا ہے...... دیدہ فہم اور توکل وتدبر میں کہیں بھی ختم نہیں ہوتا......!

Scanned with CamScanner

علم و حکمت کا جنہیں شوق ہو' پڑھیں نہ اسے"
کوچہ عشق میں کچھ بھی نہیں حیرت کے ہوا

یہ ابتدائیہ اس بابے کا ہے جس کا نام محمد یحییٰ خان ہے..... بابا کا لاحقہ اُس نے خود ہی اپنے لیے وضع کر رکھا ہے کہ اُسے بابا کہلوانے کا ازحد شوق ہے۔

میرا تعارف یہ ہے کہ میں اُس کا ہمزاد ہوں..... ہمزاد کو نُوری انسان یا ڈبل بھی کہا جاتا ہے..... گوشت پوست والا انسان دکھائی دیتا ہے مگر نُوری انسان یعنی ہمزاد نظر نہیں آتا..... مگر میرے ساتھ معاملہ کچھ دگر ہے۔ اس بابے نے مجھے کچھ اس طرح سے قابو کر رکھا ہے جیسے میں اس کا ہمزاد نہیں وہ میرا ہمزاد ہو۔ میرا اور اُس کا کوئی حجاب نہیں..... وہ مجھے خُوب سمجھتا اور جانتا ہے اور میں جتنا اِسے جانتا اور سمجھتا ہوں میرا دعویٰ ہے کوئی اور یہ دعویٰ نہیں کر سکتا۔ میرا اس کا صدیوں کا ساتھ ہے۔ میں اس کی رگوں میں خون اور جبلت میں جنون کی طرح جذب ہوں۔ وہ ہمیشہ مجھ سے جان چھڑانے کی جستجو میں رہتا ہے کہ میں اسے دھوکہ بازیوں' مکاریوں اور غلط حرکتوں پہ آڑے ہاتھوں لیتا ہوں۔ وہ مجھ سے خوف زدہ تو نہیں البتہ بدکتا ضرور ہے۔ اس کا بس چلے مجھے کہیں بیچ چوراہا گاڑ دے مگر یہ بھی یقین ہے کہ چند لمحوں کے بعد مجھے نکال بھی لے گا کہ وہ میرے بغیر اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا..... کبھی مجھے اپنا مجرم بھی سمجھتا ہے..... اور سچی بات ہے کہ وہ میرا بھی مجرم اور کارکرم ہے.....!

عجیب بونگ بابا ہے' اسے ولی اللہ' فقیر درویش' عامل' عالم ادیب دانشور کہہ لیں یا پاگل بے وقوف' ابجد خواں' اجہل..... یہاں تک کہ آپ اسے لپاڈُکی' پوپاٹیا اور گدھا گھوڑی یا کمینہ کتا ہی کہہ لیں تو اس کے ماتھے پہ شکن تک نہیں پڑے گی۔ زیادہ سے زیادہ چپ شاہ بنا محویت سے کسی گہرے کھڈے میں اُتر لے گا اور آپ

Scanned with CamScanner

کے زیرِ بر و بار سیاہ ہی کینچلی یعنی کالا پیرہن' سیاہ گلیم' عصائے درویش' چرمی کفش اور چند انگشترے مالا میں پڑی رہ جائیں گی' اصل بابا کہیں غائب ہوگا۔ پہلی ملاقات یا تصویر دیکھنے والے اسے کالے علم والا بابا' یا جنات خارج کرنے والے عامل سے کم زیادہ اہمیت نہیں کرتے۔ گٹ اَپ ہی ایسا ہوتا ہے۔ قدرے پڑھے لکھے اسے پامسٹ' تعویذوں والا پیر' ماہر مسمریزم اور نہ جانے کیا کیا سمجھ لیتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن کے ہاں وہ کوئی پہنچا ہوا گپت درویش ہے۔ ایک گہری نگاہ والے کی نظر میں وہ بنگلہ دیش کا جاسوس بھی ٹھہرا۔ کچھ اسے عشق میں چوٹ کھایا ہوا ناکام عاشق بھی کہتے ہیں۔

فرحت عباس شاہ اور اَبدال بیلا نے اس کا سلسلہ جنات سے جوڑنے کی کوشش کی تھی۔ کیمیا گر بھی سمجھا جاتا ہے...... شاعر اَدیب مصوّر' دانشور اس لیے نہیں کہ وہ نسوانے نہیں لگاتا۔ اپنی ہنگی نہیں ہانکتا' اُدھار نہیں مانگتا۔ اپنا اور دُوجوں کا وقت برباد نہیں کرتا۔ ایک ہی رنگ ڈھنگ کا پیرہن' پیدل مارچ' کثرت سے سلام اور سر نیو کر کلام کرتا ہے......!

میں ایک زمانہ سے اس کے قریب ہوں مگر کیسا بدنصیب! کہ اسے سمجھنے کے لیے اتنی سمجھ ہی کہیں سے میسر نہ ہوئی جتنی کسی کوئی اور کوئل کے مابین فرق جاننے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ نہ ایسا ادراک جو اَدرک کی گرہوں گانٹھوں کے بھید بھاؤ کھولنے کے لیے درکار ہوتا ہے۔ میرا اپنا خیال ہے یہ کوئی بے گرہ' گانٹھ' بے جڑ و شاخ اور بے برگ بے ثمر و شجر ہے۔ جسے آدم حوا کے پیچھے زمین پہ لڑھکا دیا گیا تھا۔ تب سے اَب تک یہ منہ متھ بصورتِ معلّقِ اَرض پہ اپنے خمور کے گڑھے کی تلاش میں جگہ جگہ لڑھک ڈھڑک رہا ہے اور اِمتدادِ وقت نے بدقت تمام اسے سیاہ پوش کر دیا ہے...... اُدھر سیاہ رُو وحوش پرندوں جانوروں کی سمجھ نہ آیا یہ پناہ گاہ ہے یا خود پناہ گزین ہے......؟

قیاس اغلب کہ ابھی بابا خود ہی اپنے آپ کو سمجھ نہ پایا ہے کہ سمجھ میں وہ شے اُترتی ہے جس کا کوئی انگ سنگ ہو یا سیدھا اُلٹا...... بقول بابا! وہ چٹا اَن پڑھ اور فل بنا فل جاہل مُطلق ہے۔ اس حساب سے اسے چیکوں پہ دستخط کی بجائے انگوٹھا لگانا چاہیے۔

میں اس سے لفظ مطلق کا معنٰی پوچھ بیٹھا' جواب ملا...... ایسا مرد جس سے اس کی دوبارہ کی مطلقہ بیوی نے بوجوہ تیسری بار بھی طلاق لے لی ہو۔ مزید تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا مطلق کا مطلب مادر پدر آزاد یعنی ایسا مرد جو نکاح اور طلاق کی ضرورت ہی نہ سمجھتا ہو۔ مردِ مطلق' منہ سے تین بار طلاق دُہرانے والے حیوانِ ناطق یعنی بولنے والے مرد ہوتے ہیں' جیسے بولنے والے طوطے...... جس کے گلے کی گانی سرخ جبکہ چبکنے والی گندم کی چیچہ گدی لال ہوتی ہے...... پتا نہیں یہ لالی' اس کی کس مصروفیت کی نشاندہی کرتی ہے۔

Scanned with CamScanner

یہ بھی طوعاً کرہاً مان لیتا ہے کہ کچھ بار شتر کتب و صحائف اس سے سرزد ہوئے ہیں۔ میری ذاتی اور اس کے اکثر قاریوں کی رائے کے مطابق وہ کہیں سے اوراق پارینہ نقل کرتا ہے یا کسی ادبی خزینے سے سرقہ صدقہ کرتا ہے اس جیسا اَنا غفیل تو غلیل کے بچے نہیں کر سکتا جبکہ پھلیل لکھنے کے لیے وہ بچالیہ کے کسی "پھوڑ" مدرسہ میں دو چار بار نکالے جانے کی تہمت بھی نہیں لے سکا۔ اگر وہ کسی طرح سے کچھ لکھ ہی لیتا ہے تو وہ قلم قرطاس سے ہرگز کام نہ لیتا ہوگا کیونکہ جس طرح آشنا' نا آشنا حروف و الفاظ کی چولیں بٹھاتا' تراکیب و محاورات کے گلے ٹھوکتا اور متبادلات کی کِلیاں گھڑتا ہے یقیناً یہ کسی انشاء پرداز ادیب وشاعر کا نہیں کسی منجی پیڑھی ٹھوکنے والے بڑھئی ترکھان کا کام ہے۔ ایسی کمال صنّاعی' بالیدگی وہشیاری سے حرف ولفظ کی مکھی پہ مکھی مارتا ہے کہ اس کے داغ بھی کنار قرطاس پہ ٹِکے ستارے دکھائی پڑتے ہیں۔ عجب کا جو ماجو...... بھانت بھانت' بھول بھلیاں سا......!

ایک بار کوئی پوچھ بیٹھا...... حضت! آپ کے ہاں زبان و بیان...... کوئی اُصول گرائمر فرہنگ کے کسی کلیہ قاعدہ کا کوئی مسلمہ تصور بھی موجود ہے کہ نہیں...... "کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا" کے مصداق جو بھی اَنٹ شنٹ رُوبرو کر دیا۔ قاری بے چارہ دُنیا بھر کی لغات سامنے دھرے کھوجتا رہتا ہے۔ ملے تو وہ جس کا کوئی وجود ہو' آپ کے خود تراشیدہ الفاظ و املا کا اتا پتا تو جنّات کی آہنگ و فرہنگ میں بھی نہیں ملتا۔ کسی بات و انکشاف کی کوئی سند' پرکار کا کوئی نقطہ ارتکاز' رسّی کا کوئی سرا' دین ودھرم کا کوئی دھرا' مسابقت و مطابقت کا کوئی کھرا...... مولود کا کوئی والد' خالدہ کا کوئی خالد' قاری کو گھن چکر بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ ایسے ایسے اَدق الفاظ کہ دانتوں پسینہ آ جائے' چہرہ فق اور دل دھک دھک...... کرموں کا قابو قاری زمان ومکان کی قید سے چھوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جواب دیا' سب کچھ بجا تسلیم! پر کیا کروں مجبور ہوں' گھر اور لکھنے کے لیے پلاٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس پہ مستزاد علم و عقل تجربات مشاہدات کے مسالہ جات' ہنر و قرینہ کے اینٹ روڑے' فکر وتجسس کے ہاتھی گھوڑے جبکہ میں ان سے تہی ٹھہرا...... منہ زبان جو آیا کہہ دیا' لکھ مارا...... بن سوچے سمجھے قلم خود بخود رواں ہو جاتا ہے۔ سرکش گھوڑے کو لگام دو کھینچو وہ بھلا کہاں رُکنا سمجھتا ہے...... میں پھنسا جڑا کسی اناڑی سائیس کی مانند پیچھے گھسٹتا چلا جاتا ہوں۔ کہاں سے کدھر' پورب پہ پچھم...... کوہ کہ دمن' صحرا و سمندر' مسجد' مندر' صنم کدے' بُت خانے' دیر و حرم' دم دمیرتا ہوا بگٹٹ بھاگتا رہتا ہوں۔ ہوش ندارد' خروش و خوابیدہ...... فرخندہ کہیں آبدیدہ!

ملاحظہ ہوئی اس کی لفاظی؟ کوئی پوچھے نہ پوچھے وہ خود کو چِٹا اَن پڑھ بتانے میں کچھ باک روا نہیں

رکھتا بلکہ ایسے ہی جیسے نئے نئے ڈگری ہولڈر کسی نہ کسی بہانے اپنی تعلیم کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ یہ بابا بھی ایسے کسی خطرناک قسم کے کمپلیکس میں مبتلا ہے۔ موقع بے موقع غیر ضروری طور پر اپنے اَن پڑھ بوڑھا' بھول بھلکڑا ہونے کا نیوا اظہار کرتا رہتا ہے اور یوں کہ اسے ایسا ہی جانا اور سمجھا جائے...... میرے اندازے کے مطابق اس کا یہ طریقہ واردات نہ صرف روایتی سیالکوٹی' ہشیاری چالاکی' رنگ بازی پہ مبنی ہوتا ہے۔ بلکہ اپنی درویشی کمپنی کی مشہوری کا ایک تیر بہدف فارمولا بھی!...... اس کے رنگ ڈھنگ چونکہ شیر خواری سے ہی پُراسرارانہ اور متحیرانہ چلے آ رہے ہیں اور آب گئے خواری کے اس عالم پیری میں بھی اس کی حرکی وارداتیں ویسی کی ویسی ہیں بلکہ اس سے میں مزید نکھار اور کھرج پیدا ہو گیا ہے۔ سادہ سیدھی بات بھی اس کے تکلّم کے تکلے پہ چڑھ کر ایسی طرار تند کھینچتی ہے کہ کہیں تار ابریشم کی لپک لشک اور کبھی تار عنکبوت کی چپک چپک کا انداز پیدا ہو جاتا ہے۔ بات سے بات یوں نکالتا ہے' جیسے کوئی اُردو ایم اے کی طالبہ اپنے کورس کی کتابوں سے ''یادوں کی بارات'' نکالتی ہے۔ اس کی اپنی کوئی ڈکشن نہیں اور نہ وہ کسی فنّی اَدبی فرہنگی نالہ وٹے کا پابند ہے......؟

پابندی یا حنابندی تو وہاں زیبا ہوتی ہے جدھر کسی کتب فکر و ہنر سے استفادہ ہو۔ کہیں زانوئے تلمذ طے کیے ہوں۔ کسی اَدبی گھرانے سے فیضیاب ہو۔ میری رائے میں کسی ''فیض الرحمان'' کو ان لاحقوں اور سندوں کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ وہ کسی جنم جنم کے راگی رَوگی جوگی کی طرح ہم نوا ہم نداو آو گراہ' اور ہمہ تسلیم و رضا ہوتے ہیں......!

بابا لکھتا ہے...... اَدب کی دُنیا اور قبیلہ قرأت و کلام میں بابا اشفاق احمد کو اس عصر کا بلند مرتبت داستان گو کہا جاتا ہے۔ کہنے والے تو کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہتے ہیں مگر وہ تو خود بھی اپنے بارے میں یہی کہتے تھے۔ اپنے شہرہ آفاق جریدہ کا نام ''داستان گو'' اپنی خوبصورت رہائش گاہ کا نام داستان سرائے رکھا۔

اے حمید نے ان پہ لکھی کتاب کا سرنامہ بھی یہی منتخب کیا۔ ''داستان سرائے'' جیسا کلاسیکی نام' بابا اشفاق احمد کی اپنی اُپج تھی جس میں اَساطیری اَدب ثقافت کی دُھندلی میٹھی چاندنی میں اَزمنہ ماضی قریب و بعید کی جانب کھلتی ہوئی راہیں ہلکورے لیتی ہوئی دکھائی پڑتیں......!

پگ پگ سرکتا ہوا قاری دیومالائی داستان سرائے میں اُتر جاتا ہے۔ آپ جانتے ہوں گے کہ پرانے زمانوں میں قافلوں کے ساتھ اُونٹ گھوڑے خچر کے علاوہ کتے بھی ہوتے تھے جو بیک وقت بہت سی خدمات سرانجام دیتے تھے...... نگہداشت' حفاظت' رہبری موسموں اور دیدہ اندیدہ دُشمنوں کی خبرداری...... مالک کو میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھنا...... پاؤں میں لوٹنا...... معصوم معصوم شرارتیں' لاڈیاں...... اس کے التفات و اکرام کا منتظر رہنا...... کیا کیا نہیں ہوتا......!

Scanned with CamScanner

لمبی لمبی مسافتوں کے مابین' چھوٹے بڑے پڑاؤ' جدھر کہیں پانی' نخل ثمر و سبزہ کی سہولت ہوئی وہیں پڑاؤ پڑ جاتے۔ یہیں کہیں چھوٹے موٹے مسافر خانے' سرائیں' بھٹیار خانے بھی ہوتے یا وقتی طور پر وجود میں آ جاتے۔ تھکے ہارے مسافر' جانور آرام آسودگی کی خاطر اس عارضی سر راہے قیام گاہ میں جی پرچانے' تھکاوٹ دُور کرنے کی خاطر مختلف انداز اختیار کرتے۔ موسیقی' شعبدہ بازی' بازی گری' جسمانی کرتب وغیرہ یہیں فحبہ گری' قمار بازی' چور بازاری اور تجارتی لین دین بھی ہوتا۔ کمزور تھکے ہاروں یا بار برداری کی کمی بیشی کی خاطر قیام بڑھا بھی دیا جاتا۔ ذمہ دار مضبوط اعصاب کارندے' چور ڈاکوؤں سے خبردار رہنے کی خاطر شب بھر بیدار رہتے۔ ان قافلوں کی بھیڑ بھاڑ میں بدقماش بھی شامل ہو جاتے۔ جو ذرا چوکتے ہی اپنی کارروائی ڈال دیتے۔ ان سے چوکنا رہنے کی خاطر بیدار رہنا پڑتا ہے' رات کو بھی دن کا سماں رہتا۔ مختلف اشغال بپا رہتے۔ موسیقی رقص' آلات حرب و ضرب کے مظاہرے' جسمانی کرتب' آتش تماشے' شعبدہ گری......!

ان میں سب سے زیادہ جو صنف مقبول تھی' وہ داستان گوئی تھی۔ اس فن کے بڑے بڑے فنکار پیدا ہوئے' اس میں بڑا نام پیدا کیا۔ یہ ایک باقاعدہ پُروقار پُرجمال فن ہے جس کا اہل ہر کوئی نہیں ہوتا۔ اس کے لیے جس علمیت' کمال درجہ کی لسانی بیانی قابلیت' نمائندہ شخصیت اور غیر معمولی نطق و حافظے کی ضرورت پڑتی ہے وہ ہر کسی کا نصیب نہیں ہوتی۔ ہر دور زمانہ کی چیدہ چیدہ کہانیاں' تواریخی حقائق رومانی عشقیہ قصے' دیو مالائی داستانیں' جرأت شجاعت وفاداری کے واقعات وغیرہ کیا کچھ نہیں ہوتا۔

وہ داستان گو ہو ہی نہیں سکتا جو جگت جادوگر نہ ہو۔ جب زبانی فہمیدگی' انسانی سائیکی' زبان و بیان' مطالعہ و مشاہدہ اور عالمگیر علمیت کا حامل نہ ہو۔ حرف والفاظ کے طوطے مینا اور شکرے بنا کر اُڑا نہ سکتا ہو؟ رَوایتی قصوں کہانیوں کے کرداروں کے گڑے مُردوں میں رُوح پھونک کر سامنے نہ لا سکتا ہو...... ہجر و وصال کی کیفیتوں' یار کے سراپے کی قیامتوں' حُسن جہاں سوز کی تابانیوں' شجاعت و سرفروشی کی داستانوں' میدان جنگ کی ہولناکیوں کی نگاہوں کے سامنے بکھر جانے والی تصویرکشی نہ کر سکتا ہو؟

یہ بابا پیار رنگ کالا بھی کوئی درجہ دوم' سوئم قسم کا گھٹیا سا داستان گھڑ تو ہے۔ اسکی بینگی نا قابل فہم' ہوا اور پانی پہ لہراتی لکھی ہوئی کافوری کہانیاں! خواہ مخواہ کا تحیر' فسوں خیزی' فضول ہی سنسناہٹ اور کپکپاہٹ پیدا کرنے کا بادشاہ! نظر بندی کی طرح لفظ بندی کا نیوں کمال درجہ استعمال کرتا ہے کہ بے چارہ قاری لفظ بہ لفظ سطر بہ سطر گھن چکر بن کر رہ جاتا ہے۔

بابا اشفاق احمد کے ہاں تو داستان گوئی علمیت رُوحانیت انسانیت اخلاقیت اور ایک بھرپور زندگی کی جامعیت کے جامہ میں تھی۔ جبکہ اس ننگ دھڑنگ ملامتی علامتی کے ہاں کے محض یاوہ گوئی ہے۔ قبر کنارے

Scanned with CamScanner

لا میں لٹکائے بیٹھا ہے مگر دروغ' افتراع تہمت طرازی سے باز نہیں آتا۔ اپنے لکھے بیان کیے ہوئے کسی قصے واقعہ کی کوئی سند' حجت' دلیل اس کے ہاں نہیں ملتی ہمیشہ ماضی شکیہ' احتمالیہ اور بعید کی بات کرتا ہے۔ کمبخت! ایسے ایسے خوش رنگ جاذب نظر زجاج وزبرجد ملاحظہ میں لاتا ہے کہ نگاہیں خیرگی سے جگمگا و اٹھتی ہیں۔''

ایسا گرگ باراں دیدہ کہ صدیوں کی کسیلی' کسلمند کہر کے بیچ سے کوئی ایسی کہنہ کہانی نکال کر بیان کرے گا کہ سننے والا جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ یہ کوئی ہوائی سی داستان ہے۔ من وعن اس پہ یقین کر لیتا ہے۔ اس کا کمال حقہ' کمال حرف والفاظ کے چناؤ اور املا فقروں کی چولیں بٹھانے میں ہے۔ لکھتے سے وہ کوئی چینیوٹی انداز فکر کا کاری گر بن جاتا ہے جو اخروٹ کی خشک چوب کی نسوں رگوں کو یوں تراشتا خراشتا ہے کہ نتیجہ میں کوئی انچھوتا سا شاہکار منصۂ شہود پہ آ جاتا ہے۔''

وہ اپنی کج علمی اور جہالت کو ایسی مکاری سے چھپائے رکھتا ہے جس طرح کوئی پاپن اپنے پیٹ کو لٹکائے رہتی ہے۔ دیکھنے والے تو جان ہی جاتے ہیں کہ یہ رسولی یا پیٹ اپھارہ نہیں' اس کی کرتوت کا نقارہ ہے۔''

مکار اور موقع شناس ایسا کہ اس سے پیشتر کوئی زبان گرائمر واقعاتی تاریخی شواہد پہ گرفت کرے یہ خود ہی پیش رفتی سے اپنے منطق ابجد خواں ہونے کا اعتراف کر کے اپنے بچاؤ کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ اکثر یہ کہہ کر بھی اپنا پلہ پاک کر لیتا ہے کہ میں تو قلم چھونے کا قرینہ نہیں رکھتا لکھنا تو بہت دور کا گھاٹ ہے۔ مجھ سے تو صرف سرزد ہوتا ہے چلمن پیچھے پردہ نشیں کوئی اور ہے۔ لیجئے ایک تیر سے دو نشانے ..... اپنی جہالت بھی چھپا لی اور سہولت بھی پیدا کر لی۔ کہتا ہے کوئی نادیدہ ہستی لکھواتی ہے' میرے تو محض ہاتھ ہوتے ہیں۔''

جس طرح پسائی والی چکی کا ایک قطب (لوہے کی کلی) قائم ہوتا ہے اسی طرح زمانہ دورِ وقت کی چکی کے بھی قطب' غوث' ابدال دائم ہوتے ہیں۔ جو اس رواں عصر کے روحانی اور دنیاوی نظام پہ گرفت رکھنے پہ فائز ہوتے ہیں۔ آگے درجہ بہ درجہ اولیا' سالک وصوفی وغیرہ' بالکل اسی طرح ہر دور میں دو نمبر پیر فقیر' درویش دریوزہ گر' منجم ورمال.....!

اسی طرح فلاسفر و دانشور' ادیب شاعر وصحافی بھی دو نمبر ہوتے ہیں۔ ذمی اخباروں رسالوں کے ایڈیٹر و نمائندگان..... بے ننگ و نام ٹیلی چینلوں کے اینکر پروڈیوسر و ڈائریکٹرز..... محض کاغذوں اور اشتہاروں پہ قائم کی گئی ادبی اور ایوارڈ دینے والی تنظیمیں..... شیروں' چیتوں کے پیچھے پیچھے لکڑبگھے' گیدڑ لومڑ..... کہ شیروں کے ترپوار کے ناشتے کے بعد نخچیر کی باقیات کی صفائی بھی تو ضروری ہوتی ہے۔''

میرا یہ طویل تمہید باندھنے کا مقصد محض یہ تھا کہ بابا موصوف بڑوں کے شکار سے بچا کھچا' رہند کھنید کھا پی کر پہلوان بنے ڈکارتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں اول تو کچھ ہوتا نہیں اور اگر کچھ ہوتا ہے تو وہ دوسروں

Scanned with CamScanner

کی کتابوں سے کھینچا نکالا ہُوا...... وہ اپنے طور تسلیم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ چوری کے لیے جس عقلِ تامہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ میرے ہاں وافر حجم میں موجود ہے۔ مزید انکشاف ہُوا کہ دُنیا کا ہر لکھنے والا اپنے پیشرووں سے متاثر ہوتا ہے۔ جب لکھتا ہے تو غیر شعوری طور پر انہیں کو نقل کرتا ہے یعنی نسخہ وہی ہوتا ہے محض پیکنگ بدل دی جاتی ہے۔ اِن کے افکار و خیالات کو نئے الفاظ و معنی کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔

اپنی بات کی تائید میں مزید ارشاد ہوا کہ موسیقی کی بُنیادی سُروں کی طرح حروفِ تہجی و اعداد کی اشکال و صوتی آہنگ' پیار و محبت کے اشارے کنائے۔ خوشی و الم کے اظہار یئے' اخلاق و اخلاص' دوستی دُشمنی کے رویئے۔ انسانی فِطرت و جبلت اور خصلت کی بُوالعجبیاں وغیرہ...... جہاں جہاں بنی نوع موجود ہے کم و بیش یہ کچھ ایک سا ہی ہے۔ بس! انسان اپنے وقت ماحول بساط اور ضرورت کے تحت اِن میں تبدیلیاں لاتا رہتا ہے۔

دُنیا کے تمام عُلوم' ہُنر و فن' ملائکہ' رجلِ غیب' ہاتفِ افلاک' کتب و صحائف' وحی الہام رویا' القائیت' کشف اور دیگر مردانِ حق و حکایت کے وسیلہ بابلہ سے حضرت انسان تک پہنچ پائے...... سوا معدودے چند اَصحاب' باقی سب نے سینہ بہ سینہ اپنے پیشرووں سے اکتسابِ علم و فن کیا...... ایک سوال کے جواب میں کہا! مالکِ حِکمت و فضل نے مجھے اِسی علمیت و ادراکیت سے نوازا ہُوا ہے۔ میرے اندر کوئی ایسا جہانِ منوّر ہے جس سے پُھوٹنے والی بخشش کرنیں مجھے سرشار و شاداں رکھتی ہیں...... استغنائی اور اجتہادی بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ تخلیقی قوتوں میں ابتداع اور احداث کروٹیں لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے...... لکھنے کی تحریک جنم لیتی ہے...... لکھتا ہی چلا جاتا ہوں۔ الفاظ' متن' ترتیب' تسلسل' حفظِ مراتب' اسلوب صحیح غلط کچھ بھی تو سجھائی نہیں دیتا۔ جو بھی لکھا' اللہ اسی میں برکت ڈال دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ چند بار یوں بھی ہُوا کہ لکھتے لکھتے اونگ آ گئی' وہی سامنے قلم ورق اِدھر پڑے رہے...... پھر کہیں جو آنکھ اُچٹی' دیکھا کہ جدھر آخری لفظ لکھا تھا وہیں آگے' صفحے کے صفحے اپنی صفیں درست کئے ہوئے ہیں۔''

ملاحظہ فرمائی اس کی فراڈیاں؟ کس طمطراق اور دھڑلے سے کِذب کی فصل کاٹتا چلا جاتا ہے۔ کہتا ہے کِذب و صِدق اور کہیں جھوٹ اور فریب ایسا حسین و معصوم دکھائی دیتے ہیں کہ ہزاروں سچائیاں اس پہ قربان کرنے کو جی چاہتا ہے اور یہ حقیقت بھی کہ اس کی تحریروں میں جا بجا احساس ہوتا ہے کہ وہ بغیر دلیل اور وکیل اپنی تحریر کا مقدمہ پیش کرتا ہے۔ کسی واقعہ کہانی قِصّہ کی صحت پہ کوئی سند پیش نہیں کرتا۔''

کہا جاتا ہے کہ گناہ بظاہر بڑا دلفریب اور لذت آفرین ہوتا ہے اور طوائف کے ہاں دِلکش ادائیں عشوہ و شکوہ' خود سپردگی کا دلفریب انداز' بہلاؤ' رِجھاؤ' رُوٹھنا مُسکانا ہی تو ہوتا ہے۔ عیش و عشرت کے دلدادہ خُوش فکرے اِن ظاہری مصنوعی غمزوں پہ اپنا کچھ لُٹا دیتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

اِک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ طوائف اپنے حسن و شباب کی نقدی' سینت سینت کر خرچ کرنے کے باوجود تمام کر چکی ہوتی ہے۔ اَب عمر کے آخری پہر میں جب وہ خود کسی قابل نہیں رہتی تو طوعاً کرہاً نائکہ یعنی ڈیرہ دارنی بن جاتی ہے۔ اپنے ہاں نوخیز نوچیوں کا اہتمام کر لیتی ہے' جو وہی کچھ کرتی ہیں جو وہ خود اپنے سنہرے دنوں کیا کرتی تھی۔ اس طرح وہ اپنا ماحول بھی قائم کیے رہتی ہے...... ڈیرے دفتر کا خرچہ بھی نکلتا رہتا ہے اور پرانے عشاق بوڑھے منہ مہاسوں سے ٹوٹے پھوٹے بتاشوں کا بھور چور بھی چکھتی رہتی ہے۔

• نمکِ مُلتانی......!

لکھتا ہے...... اسلام آباد سے بذریعہ سڑک قریب آدھی رات لاہور پہنچا۔ ساتھ دو دوست جو حال ہی میں امریکہ سے آئے تھے۔ بے تکلف اور رند مشرب' کھانے چسکورنے کے شوقین...... شعر و ادب کے دلدادہ' محفلیں سجانے اور رتجگے منانے والے۔ میں دورانِ سفر اس مخمصے میں رہا کہ آدھی رات انہیں گھر لے جانے سے تو رہا! یہ ہاہو کرنے اور قہقہے اُڑانے والے آزاد پرندے ہیں۔ شریفوں کا محلہ...... پانچ مرلے کے گھر میں یہ چائے پینے کی حد تک تو بیٹھ سکتے ہیں۔ شب بسری کے لیے گھر مناسب اور نہ یہ اس لائق......!

دو ہی صورتیں تھیں' شب بھر اِدھر اُدھر آوارہ گردی کی جائے مگر تھکاوٹ کی وجہ سے یہ بھی مشکل دکھائی دیا...... کسی ہوٹل میں آرام کیا جائے؟ یہ حضرات اگر پنڈی چکوال کے ہوتے تو میں انہیں لے کر سید حاداتا دربار میکلوڈ روڈ یا ریلوے سٹیشن کے کسی سرائے یا ہوٹل میں پہنچ جاتا مگر یہ تو نیوجرسی امریکہ سے آئے ہوئے شہزادے تھے' جو اسلام آباد سے لاہور میرے ساتھ آئے ہی کھانے پینے اور تفریح کے لیے تھے۔ جب داتا دربار' آوارہ گردی اور کسی ہوٹل میں کھانا پینا اور قیام وغیرہ ساری تجویزیں باطل ہو گئیں تو ایک عیش کوش دوست نے یونہی اشارہ دیا کیوں نہ شاہی محلہ کسی طوائف کے ہاں باقی رات گزاری جائے...... کھانا اور گانا بھی وہیں ہو۔ دوسرے دوست نے جھٹ اس تجویز پہ صاد کی مُہر لگا دی۔ میں تو اُن کا میزبان تھا' سُن کر قدرے ٹھٹکا کہ یہ شہزادے اِدھر کے موجودہ حالات سے واقف نہیں ورنہ یہ آدھی رات' شاہی محلہ میں کھانے اور گانے کے بارے میں خوش فہمی کا شکار نہ ہوتے۔ میری خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے ایک نے پوچھا۔

''کیا سوچ رہے......؟''

میں نے اُس کی بات پکڑتے ہوئے کہا۔

Scanned with CamScanner

''اگر گھر اور ہوٹل جانا مناسب نہیں تو کسی طوائف کے ہاں اس وقت پہنچنا کہاں کی مناسبت اور بہتری رکھتا ہے......؟''

اس نے ٹھنک کر جواب دیا۔

''مولوی صاحب! طوائف کا دروازہ تماش بینوں کے لیے کبھی بند نہیں ہوتا......اور اگر کبھی ہو بھی تو چاندی کی چابی سے اُسے کھلوایا جاسکتا ہے......''

مَیں اِس امریکہ پلٹ دوست کی دُرست بات سُن کر خاصا حیران ہوا کہ ایسی گہری بات اِس نے کس پرانے پاپی سے پکڑی۔ چند ثانیے اس کی بات سے لُطف کشید کے بعد مَیں نے اُسے جواب میں بتایا۔

''یار! اسی طرح کی بات مجھے ایک شخص نے بتائی تھی کہو تو مَیں دُہرا دوں۔ ایک مرتبہ مَیں نے اُسے آدھی رات فون کیا' بتایا مجھے اِسی وقت ایک اِنتہائی ضروری مشورہ کے لیے ملنا ہے۔ مجبوری ہے ورنہ اِس وقت بے وقت تم کو زحمت نہ دیتا۔ جواب ملا...... بھائی! مسرت ہوئی تم نے مجھے اس قابل سمجھا' بستر کی قبر میں کسی مُردے کی مانند پڑے رہنے سے بہتر ہے کسی کا کوئی کاج سنور جائے۔''

اور ہاں' سُنو! طوائف اور درویش کے دَر بند نہیں ہوتے' جن کے کھیسے میں رائج الوقت سِکّے کھنک رہے ہوں' جن کے سینے سوزِ تپاں سے دہک رہے ہوں' بلا کھٹکے آجاسکتے ہیں۔

گھاگ طوائف! سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے تماشبین کی جیب کا پورا حساب اور درویش اپنے دَر پہ پہنچنے والے دوست کے دل کی کتاب کا پورا حساب و نصاب ملاحظہ میں رکھتے ہیں۔ دونوں کو اپنے اپنے معاملت میں شمّہ بھر شکوک نہیں ہوتا۔''

اَب مَیں نے پوچھا۔ ''کہو' تم کس طوائف کے ہاں اُترنا چاہو گے...... کھیسے کے حساب والی یا دل کی کتاب......؟''

وہ پاکستانی نژاد امریکی یوں نگاہوں کے تیر تراز و کئے تک رہا تھا جیسے وہ کسی امریکن خفیہ ایجنسی کا افسر ہو اور میری کسی بات کو صحیح نہ سمجھتے ہوئے مَنہ ماری کر رہا ہے۔

''مانا تم امریکن نیشنل ہو' یہیں پیدا ہوئے' یہیں تعلیم و تربیت ہوئی مگر اس حقیقت کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟ تمہاری پاکٹ میں پڑے ڈالر' گاگل' کپڑے' جُوتے' کیپ' انداز و اطوار سب امریکن...... مگر تمہارا جسم وجود' سوچ فکر اور رُوح مسلمان اور پاکستانی ہے۔ تم لوگ مذہبی جنون قوم پرستی اور وطن پرستی میں بُری طرح مبتلا ہو' تمہاری وفاداری پہ آنکھیں بند کر کے بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔''

''تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو...... کیا مَیں نے کچھ غلط کہہ دیا......؟''

Scanned with CamScanner

بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگا۔

''نہیں' نہیں ...... تم نے کچھ بھی غلط نہیں کہا' بلکہ سو فیصد دُرست کہا ہے۔ بس اَب تم اس دَر و درویش تک لے چلو...... !''

صبح کاذب کی کالک میں ابھی کہولت شامل نہیں ہوئی تھی کہ ہم کوئے ملامت پہنچ چکے تھے۔ جدھر تک ملتانی کی ایک نمک دانی تک میری رسائی تھی۔

طوائفوں کے بازاروں چوباروں کی رونق' تماش بینوں' بھڑووں' پھلیروں' تمبولیوں' کوچبانوں' ماشیوں سے ہوتی ہے اور فقیروں درویشوں ملنگوں کے ڈیروں کی رَمیا' سَمیا ...... کوؤں' کتوں' کبوتروں کی کاں کیوں ...... ڈوں ڈوں چوں چوں ...... وہاں ہوں غرغوں غٹرغوں سے آسودہ ہوتی ہے۔''

''عبرت سرائے دہر'' کے سامنے' سائے سینٹی سڑک کے بیچ دو اڑھائی کالے کتے آپس میں مستیاں کر رہے تھے۔ مؤذنِ اوّل کالے کاگے۔ بجلی کی تاروں پہ تیمم میں مصروف ...... سید نور کی چھت پہ کبوتروں کے ڈربے اور چھتری قریب نیند کی بلی ابھی'' چھتے'' لگائی بیٹھی تھی۔ دار بھی کسی مقام سے دربار دکھائی دیتی ہے۔ داتا کے دَر تلے خواجہ اجمیرؒ کے دروازے نیچے کھڑے ہو کر احساس ہوتا ہے کہ دَر و دل کی ولی کتنی دُور است ...... فقیروں درویشوں کی کٹیاں' جھونپڑیاں' حجرے' ڈیوڑھیاں' شب کی تاریکی میں شیر کی آنکھوں کی مانند جل جاتی ہیں ...... سحر میں جگنوؤں کی طرح ٹمٹماتی اور دن میں مانندِ آفتاب خیرگی پیدا کرتی ہیں۔ کوچۂ ملامت کے دَر و دیوار کسی گورستان کا محلِ وقوع دکھائی دیتے تھے۔ گاڑی رُکی تو میرے اس دوست نے تاریکی لتھیڑے ہوئے انگوری بیلوں میں کچھ چھپی اقامت گاہ کی جانب حیرت سے نگاہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہی ہماری منزل ہے...... ؟''

مَیں نے جواب اثبات میں سر ہلا کر دینا زیادہ مناسب جانا کہ غیر یقینی حالات میں اقرار یا انکار کے لیے زبان روک کر سر یا دیگر اعضاء کی حرکات و سکنات سے اظہار کر دینا زیادہ قرینِ مصلحت ہوتا ہے۔ سیانے کہتے ہیں کہ تولہ بھر کی زبان نہ ہلائی بیچ سیر کا سر ہلا دیا۔ ہے نا' عجیب بات؟ مگر کیا کیجئے کہ مجبوری' رنجوری' عقیدت و محبت' سیاست و حکومت' تعلق و تکلم ...... تعمیل و تکمیل میں کچھ ایسے مقامات بھی آتے ہیں' زبان دانتوں کے شکنجے میں کَسی کی کَسی رہ جاتی ہے۔ چاہنے کے باوجود چُپ کی چھپی نہیں اُترتی۔ سَر کی حرکات و سکنات کے تاثرات ہی ہوتے ہیں جو اس کے مافی الضمیر کی ترجمانی کرتے ہیں......

رات کے دورانیے کے کوئی نا آسودہ سے لمحات ...... ٹھٹھری سہمی سی خامشی ...... تاریکی کا بولتا ہوا جادو ...... کچھ کھوجتے بوجھتے منش کے بھیتر کی بھیک جب اکٹھی ہو جاتی ہے تو عجیب ہی صورتحال پیدا ہو جاتی

Scanned with CamScanner

ہے۔ وہ بٹ بٹ اُدھر دیکھتے ممیایا۔

''اِدھر تو سکوتِ مرگ طاری ہے' کوئی رہتا بھی ہے یہاں؟...... ہر سو جھاڑ و پھری لگتی ہے......!''

''ہاں! چنگاری اور درد بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ باہر دکھائی نہیں دیتے پر اندر منگل مچایا ہوتا ہے۔ بُجھی پڑی سرد راکھ اور اُجاڑ زرد رووں سے خوف زدہ رہنا چاہیے۔ بند سوراخ' اندھے غار' کنویں' کہنہ اشجار کے گھاؤ زخم' جن میں زہریلے سانپ' زنبوری گرفت کاٹ ڈالنے والی نُوچیوں والے ہریل طوطے' چیلی بھڑیں' گُھس مکھیاں...... ڈرانی کی مانند کترنے والے گلہریاں' چمگادڑیں' کوّے چیلیں کیا کچھ نہیں ہوتا؟ یہ اُجڑے درختوں' پرانی غاروں' بے آب کنوؤں' باولیوں' بند سوراخوں کی آہیں کراہیں وغیرہ ضرب' درد جیسیں ہی تو ہوتی ہیں۔''

دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی تھی کہ کار کا دروازہ بند کرتے ہی درویش کے ''درد خانے'' کا در کسی بھوت بنگلہ کے صدر دروازے کی مانند خود بخود کُھل گیا۔ دُور کہیں کوئی اُلّو بولا' چمگادڑ چیخی اور نہ دروازے کی خون منجمد کر دینے والی چرچراہٹ پیدا ہوئی۔

ایک نوعمر باریش درویش نے اندر بابا کے حجرے تک راہ دکھائی۔ اس فرادیے بابا نے نرم کمزور سی مسکراہٹ سے ہمیں خوش آمدید کہتے ہوئے سامنے فرشی گدے پر بیٹھنے کا اشارہ دیا۔ میں تو خیر اس کا پرانا نخچیر تھا جبکہ یہ دونوں امریکہ سے آئے ہوئے میرے دوست' نئے بھارو تھے جن کا انجام سوچتے ہوئے مجھے ترس آ رہا تھا۔ مگر وہی بات کہ جس صید کے پنجروں میں ہی پھنسنا اور کٹنا ہی لکھا ہوا کہ بچنے کے جتن کرلے وہ کسی نہ کسی طور صیاد کے دام میں پہنچ ہی جاتا ہے۔ بلکہ کٹنے کے لیے گردن خود ہی پیش کر دیتا ہے۔ یہ میرا دوست اگر طوائف کی بات نہ کرتا تو یہاں تک نوبت نہیں پہنچتی'' آ بیل مجھے مار'' کے مصداق '' لے بابا مجھے پکڑ'' والا معاملہ تو اس نے خود ایجاد کیا۔ اَب میں'' عطائی قسائی'' اور ایک بوبکرے کا درمیانی معرکہ دیکھنے کے لیے تیار تھا۔ پہلے میں قسائی کی بابت کچھ بیان کرنا چاہوں گا بلکہ بیشتر قسائی کے بارے میں جو بزرگوں نے کہا وہ سُن لیں۔

صبر مند کُتا' بے صبرا نائی...... عقلمند دھوبی بے عقلا قسائی...... حاشا قسائیوں سے مجھے کوئی کد نہیں اور نہ ہی قسائیوں میں کوئی بے عقلی کی حرکت دیکھی بلکہ ان کی عقل والی بیشتر حرکتوں کو رشک و تحسین بھری نظروں سے دیکھتا ہوں کہ وہ کس عقلمندانہ پھرتی اور کمال نظر بندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھیچھڑے اور فاضل چربی کے ساتھ چھوٹی سی بوٹی اُتار کر گوشت کاٹنے والی منڈھی کے پیچھے پھینکتے ہیں۔ ان کی اس عقلمندانہ ہنرمندی میں جس ہنر پہ زور ہے وہ چھیچھڑے کے ساتھ بوٹی اُتارنا اور پھر اسے یک جنبشِ انگشت چھپانے میں ہے...... ایک اور ان کی عقلمندانہ ہنرمندی جس پہ اکثر داد دینے کو دل چاہا وہ مشینی قیمہ نکالنا۔ آپ لاکھ تاکید کریں پیسے زیادہ

Scanned with CamScanner

دیں یا لنگر کا تقدس یاد دلائیں' وہ جی جی کرتے جائیں گے مگر کریں گے وہی جو ان کی پُرکار انگلیوں نے خاندانی فطرت سے حاصل کیا ہوتا ہے۔

اکثر قسائیوں کی دکان پہ ناقص باسی گوشت' کان زبان' پھتیں آلائشیں' اوجھڑی کا قیمہ وغیرہ مشین کی اوٹ میں رکھا ہوتا ہے...... موقع کی مناسبت سے کچھ مشین کے اندر پہلے بھی ڈالا ہوتا ہے' جو گاہک کی نظر بندی کر کے ان کے قیمے میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ قسائی اور نائی اگر گاہک کو باتوں میں لگانے اور ان کا دھیان بٹانے کا فن نہ جانتے ہوں تو وہ موروثی کام کر ہی نہیں سکتے۔ قسائی جب گاہک کے لیے گوشت صاف کر رہا ہوتا ہے تو وہ گھر کی ہانڈی کے بندوبست کی طرف بھی دھیان دھرتا ہے۔ اسی طرح درزی کو بھی گاہک کے کپڑے سے اس کا جوڑا بنانے سے کہیں زیادہ اپنے بچے کے جوڑے کی فکر رہتی ہے۔''

ایک بھلے مانس کو اک زمانہ بعد کہیں نئے کپڑے سلوانے کی توفیق ہوئی۔ اپنی پسند کا کپڑا خرید کر وہ سلوانے کے لیے بازار پہنچا۔ شکل وصورت سے معقول دکھائی دینے والے ایک خیاط کے پاس حاضر ہوا۔ کپڑا سامنے رکھا اور ایک شریفانہ سا سوٹ سلوانے کی درخواست کی۔ خیاط اپنے موروثی دھندے کا ماہر اور زمانہ کشیدہ تھا۔ گاہک اور کپڑے کو غور سے دیکھا...... پیمانہ لے کر کپڑے کی پیمائش کی' فوراً گاہک کے قد وکاٹھ کا حساب جوڑا معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا۔ آپ کے جسم کی لمبائی چوڑائی کے مطابق کپڑا کم ہے۔ اس کپڑے سے ایک کُرتہ اور نیکر تو بن سکتی ہے' شلوار قمیص نہیں۔ گاہک نے حیران و پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ کپڑے والے نے تو کُھلے ڈُھلے سوٹ کا کپڑا دیتے ہوئے کہا تھا۔ درزی کاریگر ہوا تو اس کپڑے سے سُوٹ کے علاوہ شلوکہ بھی نکال دے گا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اس میں میری شلوار قمیص بھی نکلنا مشکل ہے۔

درزی کمال ڈھٹائی سے بولا۔ جناب اپنا اپنا حساب کتاب ہوتا ہے' جدھر سے کپڑا خریدا ہے وہاں سے اس کاریگر کا پتا پوچھ لیں جو اس سے پُورا سُوٹ اور شلوکہ تیار کر دے۔ گاہک شرمندہ سا ہو کر کپڑا اُٹھائے وہاں سے نکل لیا۔ ذرا آگے پہنچا تو پیچھے سے آواز آئی' بھائی صاحب! ذرا ادھر آئیں...... مڑ کر دیکھا تو بائیں نکڑ پہ درزی کی دوکان پہ بیٹھا ایک اُدھیڑ عمر شخص اُسے بُلا رہا تھا۔ بندہ! کبھی کبھی ایسے کام جو اس کے پروگرام میں شامل نہیں ہوتے کر گزرتا ہے یعنی لاشعوری طور پہ اس سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ یہ اپنے طور سے ہی خجل تھا چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس دکان کی جانب سرک لیا۔ غریب شریف سا درزی! اک خستہ حال مشین پہ سلائی میں مصروف تھا۔

''بھائی صاحب! آپ کو دیکھ رہا تھا آپ اس دکان پہ گئے اور کپڑے سمیت واپس بھی اُتر آئے۔ آپ نے ارجنٹ کپڑے سلوانے ہیں یا ریٹ پسند نہیں آیا؟''

Scanned with CamScanner

اُس نے آہستگی سے جواب میں بتایا کہ کپڑے والے نے کپڑا کم دیا ہے۔ میرے سوٹ کے لیے آدھا گز مزید چاہیے اب میں دوبارہ کپڑے والے کے پاس جا رہا ہوں۔ درزی نے کپڑے کی پیمائش کی پھر اس کا ناپ لیا تو خوشخبری سنائی۔ کل آ کر آپ اپنا سلا ہوا سوٹ لے جائیے گا۔

گاہک نے حیرانی سے دریافت کیا...... ''اُدھر نہیں' اِدھر ہاں! یہ کیا راز ہے......؟''

درزی نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''اس کا بیٹا گیارہ برس کا ہے اور میرا ڈیڑھ برس کا......!''

بس یہی درزیوں کا اصل راز اور فن ہے۔ قسائی پکانے کے لیے گوشت' درزی اور دھوبی پہننے کے لیے کپڑے کبھی نہیں خریدتے۔ اسی طرح مچھ مچھلی غرغابی مراثی' موسیقار اور مستریوں کے بچّوں کو بھی کوئی نہیں سکھاتا۔ یہ جماندرو ہی مَوروثی فن میں طاق ہوتے ہیں۔''

چاچا چراغ دین کہا کرتا تھا کہ جنت میں چند ایک ہی ہوں گے باقی سب ادھر ہوں گے۔ سارے ان امیروں کے حلق میں پگھلا ہوا سونا چاندی ڈالنے کے لیے بھٹی دہکانے پہ معمور ہوں گے جو دُنیا میں مال و دولت اکٹھا کرنے پر جُٹے رہے...... زکوٰۃ' خیرات' صدقات ادا کرنے میں بخل سے کام لیتے تھے۔ اپنے ملازموں' غریبوں' محتاجوں کا خیال نہیں رکھتے تھے جبکہ قسائیوں کو تیز چھریاں چھرے دے کر اپنی ہی بوٹیاں کاٹنے پہ لگا دیا جائے گا۔''

دربچلا نکلتے ہی جیسے باہر کی دُنیا باہر ہی رہ گئی۔ اندر' راجہ اندر کی سبھا جیسا سجاؤ تو نہ تھا البتہ چند باریش سیاہ پوش' زُلف دراز' تابندہ رُو غلمان موجود تھے۔ چیتھڑوں کی سیاہ قبر میں اس دَور کا سب سے بڑا فراڈیا نیم دراز یوں پڑا تھا جیسے کوئلے کی کان میں کھدائی کے دَوران کوئی کھوہ کھل گئی ہو؟ عمل مکافات کی راہ کا سنگِ میل' جو گڑا ہوا ہی نہ ہو دھے پٹ پڑا ہوا ہو۔ اُلٹ نہ سیدھ...... سنگِ سل پہ اگر مسکراہٹ ہویدا ہو سکتی ہے تو یہ بابا مسکرا رہا تھا! اب جو پتھر میں جونک لگی تو بابا نے خوش آمدید کہتے ہوئے سامنے بیٹھنے کے لیے کہا۔

''لنگر اور عام طعام میں خاصا فرق ہوتا ہے۔ یہاں لنگر تھا کچھ علیحدہ سا...... کسی خاص ہاتھوں کا تیار کردہ! یہ ہاتھ بھی اسی جادوگر کے ہوتے ہیں جو ہر روز بڑے اہتمام سے ایسا پُراثر لنگر اک ظرفِ خشوع سے تیار کرتا ہے یُوں جیسے زندگی کا آخری لنگر بنا رہا ہو۔

ایک چائے والے کے بارے میں سنا' وہ پوست کے ڈوڈوں کا پوڈر چائے میں ملاتا ہے۔ کسی نے دیسی کچے ٹکڑے کی خبر دی۔ بھنگ کی ٹکدی کا بھی پتا چلا۔ پورے کراچی میں اس کی لاجواب چائے کی دھوم تھی۔ ہزاروں میں کماتا تھا' بہت سے دوکانداروں نے اس کے نسخے کی جاسوسی کرنے کی کوشش کی۔ بڑے بڑے چائے خوروں' اُستادوں کو اُدھر سے چائے پلوائی سونگھائی' لیبارٹری ٹیسٹ بھی کروائے مگر اس

Scanned with CamScanner

جادوئی چائے کے اجزائے ترکیبی کا کوئی سِرا ہاتھ نہ لگا۔ حاسدوں نے بے پَر کی اُڑائی کہ خواج خان چائے میں ہندوؤں کے مرگھٹ سے نکلے ہوئے مُردوں کے مسان مکس کرتا ہے کہ اس کی چائے پینے والے دو تین جوانوں نے ہندو لڑکیوں کو مسلمان کر کے شادیاں کر لیں ہیں اور یہ بھی کہ اُدھر کی چائے نوش انڈین فلمیں گانے اور ناریاں جُنون کی حد تک پسند کرتے ہیں۔ اِن سب باتوں کے باوجود خواج خان کی چائے چلتی رہی اور حاسدین بھی اپنے مشن میں جُتے رہے۔''

کبابوں' پاپڑوں' نکیوں شامیوں' پکوڑوں' پَراٹھوں میں بھنگ کی 'نکدی اکثر ملائی جاتی ہے اور یہ اشیاء جانتے بُوجھتے ہوئے بھی باہتمام کھائی جاتی ہیں۔ کیا عجب کہ یہ پیر پَراگندہ بھی اپنے لنگر میں کسی جناتی ہڈیوں کی یخنی یا کوہ قاف کی جڑی بوٹیوں کی جوارش شامل کرتا ہو تب ہی اس کے ہاں لنگر کھانے پینے والے بیوی' بہن' بیٹی اور بی بی کے ہاتھ کا پکا پروسا ریل یا جیل کے کھانے کے برابر سمجھنے لگتے ہیں۔ ''ضعیف العقیدہ اور رقیق القلب'' جو اس کی اندھی عقیدت کے جالے میں پھنس جاتے ہیں' ان کے گھر والے اعلانیہ کہتے ہیں کہ اس بابے نے ہمارے بندوں بچّوں کو کسی بزرگ اُلّو کا بھتیجہ بِلا کر اُلّو کا پٹھا بنایا ہُوا ہے۔ بابے کے علاوہ انہیں اور کوئی نظر ہی نہیں آتا اور نہ کسی اور کی سنتے ہیں۔

● نندی پور کا باجوہ......!

شاید ہی کسی نے پہلے یا موجودہ جنم میں اسے نماز روزہ کا پابند پایا ہو...... بہت سے حج عمرے بھی میری دانست میں وہ اسی طرح کرتا ہے جس طرح وہ پوری دُنیا کے ملکوں میں اُونٹ کی مانند منہ اُٹھائے گھومتا ہے۔ شادی خوشی' مرگ سوگ کی تقاریب میں شاید کبھی شرکت کرتا ہو۔ کہتا ہے یہ سب فضول سا ہے وقت و وسائل کا ضیاع...... کسی بندے کے مرنے پر اظہارِ تعزیت بھی نہیں کرتا کہ قرضہ کی واپسی باعث طمانیت ہونی چاہیے نا کہ واویلا...... خوشی میں شامل ہوتے ہوئے کانپنے لگتا ہے تو باستغفار کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ غم کہ خوشی ہو دونوں اصل میں ایک ہیں۔ دائیں بائیں کروٹ کی طرح ہیں۔ دونوں کو کمال تحمّل سے اور صبر و شکر سے اپنے جذب کا حصہ بنالینا چاہیے۔''

بلّی' کتا' کوّا' کبوتر کہیں کرب میں کراہتا بھی ہے تو باباد ہاڑیں مارنے لگتا ہے۔ گزر چکے ہوں تو باقاعدہ تجہیز و تکفین کا بندوبست کرتا ہے...... اس کا بس چلے تو سنگِ مرمر کا مزار' سنگی کتبہ لگوائے' جھنڈا را' عرس دھمالیں قوالیاں ہوں۔ عجیب سمجھ میں نہ آنے والی توجیہیں پیش کرتا ہے۔ مثلاً متذکرہ بالا جاندار سوگنگ'

Scanned with CamScanner

ڈرنک نہیں کرتے...... منہ میں پان نسوار گٹکا نہیں رکھتے...... بھنگ' چرس' مدک' افیون ڈوڈے استعمال نہیں کرتے۔ صمد گلو' پٹرول نہیں سونگھتے...... کھانسی کے شربت نہیں چسکتے۔ وہ کہتا ہے اگر ہم کچھ جانوروں سے ہی سیکھ لیں تو ایک بہتر انسان بن سکتے ہیں۔ جتنے جانور انسان نے پیٹ کا ایندھن بنائے ہیں اس کا عشرِ عشیر بھی انہوں نے انسانوں کو نہیں کھایا۔ درندے سے درندہ جانور بھی انسان کو کھانے میں حیا اور اجتناب برتتا ہے کہ اس کے گرد پیکنگ بڑی پکی اور سواد بڑا غیر انسانی ہوتا ہے۔ کوٹ مفلر' قمیص' بنیان' انڈر ویئر' جرابیں' دستانے اور بوٹ چپل وغیرہ اتنے پردے تو پیاز کے بھی نہیں ہوتے......؟ جانوروں کی حمایت میں کہتا ہے۔ حیوان ناطق سے حیوان مطلق ہونا بدرجہا بہتر ہے کہ انسان کی طرح منافق اور غیر ضروری مذہبی نہیں ہوتے...... دُہرے معیار اور غیر ذمہ دارانہ رویے روا نہیں رکھتے۔ انسان کی طرح غیر فطری طرزِ زندگی اختیار نہیں کرتے۔ توکل اور تسلیم و رضا پہ کار بند رہتے ہیں۔ ننگے پیدا ہوتے ہیں' ساری زندگی ننگے ہی بسر کر دیتے ہیں اور پھر اسی حالت میں ان کی اخیر ہو جاتی ہے...... غسل کفن قبر پھول' خوشبو' پانی اور دعاؤں سے بے نیاز......! اور بے جا خرچہ نہیں کرتے؟

بابا بھی جانوروں کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ جتنی اور جیسی رب رب دیگر مخلوقات کرتی ہیں عام انسان اس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

کنجوسی' ریا اور بدعہدی تو بہت بڑی بشری کمزوریاں ہیں۔ اللہ کی مخلوق کی داد رسی' مدارات' ان کی عزتِ نفس کا احساس اور ان کو لنگر کھلانا بہت بڑی عبادت گردانتا ہے۔ لنگر پکوا کر کھلانے میں وہ معراج نہیں جو اپنے ہاتھوں پکا کر کھلانے سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ملامتی فقیر کہتا ہے۔ مگر اسے خاک پتا نہیں یہ ملامتی ہوتے کون ہیں؟ ملامتی تو وہ ہوتے ہیں جو گناہ کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور ثواب والے کام کو گناہ گردانتے ہیں...... مگر یہ عملاً ایسا نہیں کرتا' اس کی دانست میں غلط' غلط اور صحیح' صحیح ہے۔ وہ غلط صحیح' نیکی' بدی' محبت' نفرت کو کچھ ایسے انداز میں سرعت سے حرکت میں لاتا ہے کہ دونوں ایسی خوبصورتی سے باہم شیر و شکر ہو جاتے ہیں کہ ان کی علیحدہ علیحدہ کوئی شناخت نہیں رہتی۔ کوئی علیحدہ سا ہی فلسفہ بن کر رہ جاتا ہے جو نہ سمجھنے اور نہ سمجھانے کا......!

ہم جھوٹے ہیں ہر بات میں تم سچے ہو مہاراج
اپنا کر کے راکھیو ہمری بانہہ پکڑے کی لاج

یہ چرغل کمال درجہ کا نباض...... قیافہ شناس' نفسیات اور فطرت و جبلت اس کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔ اس کے روبرو پتھر بولنے اور شیشے تڑخنے لگتے ہیں۔ اس کی نگاہ طمع کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔

Scanned with CamScanner

بندہ اس کے سامنے بوتا بھر بوزنہ اور بعد مخش ذاروں کی شبیہہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے مگر اس کا فن ملاحظہ ہو کہ جب مناسب سمجھتا ہے اسے ریورس میں ڈال دیتا ہے۔ اشرف المخلوقات کا جھانسہ دے کر پھر واپس لے آتا ہے۔ یقین دلاتا ہے کہ اگر تو چاہے تو مہ انجم تری گرد راہ بن سکتے ہیں......!

دعویٰ تو کرتا ہی ہے دیکھا بھی گیا ہے کہ دنیا بھر کے علوم وفنون پہ منہ مارتا رہتا ہے۔ کہتا ہے مالک کل نے مجھے ودیعت کیے ہیں ایک ہزار ایک سو ایک طرف اور وہ اکیلا ایک جانب...... کہتا ہے آدھے تو اللہ کے امر سے میری تختی میں پڑے تھے...... باقی بابوں کا فیض اور جو رہ گئے وہ جہاں بھر کی جُل خواری کا حاصل......!

کہتا ہے گل آدم میں ہر علم وہنر کی پیوند لگائی گئی۔ دل و دماغ، اعصاب، عضلات کی مانند ہر بنی آدم میں خدائی تخلیقی اوصاف اور ارضی وافلاکی علوم وفنون کا ادراک موجود ہوتا ہے۔ بس! ذرا کھوجنے اور اندر کا گھوڑا جوتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ باہر کی ضیا باریوں کو اندر کی اندھی اندھیری تاریکیوں سے فوکس کیا جاتا ہے۔ ظلمت کا سینہ چیر کر پھوٹنے والی کرنیں بڑی توانا تیز وتند ہوتی ہیں۔ جو تنویر کہلاتی ہیں...... ان کی خیرگی آنکھوں میں چونک پیدا نہیں کرتی چمک کی چپک چسپاں کرتی ہے۔ ایسی مقناطیس خصائل والی آنکھیں عالم منتہا تک رسائی رکھتی ہیں۔"

ایسی گنجلک گنج مایہ باتیں کرنے والے کی اپنی آنکھیں، آنکھوں کی ذیل میں نہیں آتیں۔ جوں جوں عمر دراز ہوتی جارہی ہے اس کی چندی مندی آنکھیں کناروں سے ویلڈ ہوتی جاتی ہیں۔ لگتا ہے کہ مزید کچھ دن گزرنے پہ بالکل پتلیاں سکڑ کر کسی بلونگڑے کی پتلیوں کی مانند سفید اور دھندلی دھندلی سی رہ جائیں گی......

ساتھ ہی کالے چٹے پیلے موتیے کی بہاریں بھی اتری ہوئی ہیں۔ اس بابے کی "عالم منتہا" تک دیکھنے والی مقناطیس آنکھیں ایسی ہیں کہ عینک لگا لے تو عینک والا جن جاپ پڑتا ہے اور بن عینک وہ ایسا مہاجر جن دکھائی دیتا ہے جیسے کوہ قاف سے چھوٹی بڑی اور ایک لمبوتری ایک گول، آنکھیں ہونے کی بنا پہ کوہ بدر کر دیا ہو؟

جنوں کی آنکھیں گول ہوتی ہیں جبکہ اس کی ایک آنکھ میں کچھ بشریت بھی جھلکنے لگتی ہے۔ ایک آنکھ بڑی اور لمبوتری دوسری بائیں گول اور چھوٹی ہونے کی اصل وجہ لقوہ کا مبارک حملہ تھا جس نے چہرے کے بائیں جانب کی نسوں وریدوں میں سقم پیدا کر دیا ہے۔ نتیجہ میں آنکھ اور ابرو کی آبرو ماند پڑ گئی ہے۔ دیکھنے والے کو ان کا دایاں ڈیلہ ڈھلملا اور بایاں ڈیلہ ذرا دُنا دکھائی دیتا ہے۔ لگتا ہے بایاں ڈیلہ سری لنکا "آنکھوں کے بینک" سے خیراتی فنڈ میں حاصل کیا گیا ہے۔ ایسے ڈیلے آنکھیں مختلف حادثات، خودکشی، طبعی اموات میں کام آنے والوں کی فرمائش پہ نکال کر محفوظ کر لی جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے اندھے حادثات میں آنکھیں کھونے والے یہاں سے فیضیاب ہوئے ہیں۔ اگر دونوں آنکھیں یہاں سے حاصل کر کے لگوائی گئی ہوں تو ایک سی ہو سکتی ہیں اور

Scanned with CamScanner

ایک تو لگوائی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ پہلی والی سے مختلف ہوگی۔ چھوٹی بڑی تو اکثر ہوتی ہیں۔ ایسا بھی کہ کسی مرد کو عورت کی آنکھ لگا دی یا بچّی کو کسی بابے کی ٹھوک دی۔

اس بابے کی دونوں چھوٹی بڑی علیحدہ علیحدہ کیفیات کی حامل ہیں۔ چھوٹی بائیں گول آنکھ جناتی تاثر پیدا کرتی ہے...... اس آنکھ کو آنکھ ملا کر دیکھنا بڑے مضبوط گردے بچّے کا کام ہے۔ اس لیے سامنے بیٹھا ہوا اگر سیانا عقل والا ہے تو وہ دائیں آنکھ پہ نظر رکھے گا۔ کچھ صاحبِ اسلوب اسے آدھا بشر اور آدھا جن کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی بائیں لقوہ زدہ آنکھ ہے۔ کہتا ہے اس لقوہ نے مجھے تقویٰ کے کچھ علیحدہ سے معنٰی سے روشناس کروایا ہے۔"

اس کے منہ میں دانتوں کے دو چار نُو نے پھوٹنے سے دانے باقی رہ گئے ہیں لیکن پیٹ کی آنتیں ماشاءاللہ کافی مضبوط ہیں...... کہتا ہے کہ دانت اور دراتی اگر کھنڈے بھی ہو جائیں تو ان کا نعم البدل موجود ہے اگر اندر کی آنت اور منہ کی بانت کھنڈے لگ جاویں تو ان کا تدارک اللہ تبارک کے ہاں ہوگا کسی اور کے بس کی بات نہیں...... واللہ اعلم......!

یونہی ایک بار لاشعوری طور پر میرے منہ سے نکل گیا۔ راسپوتین کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟...... کچھ دیر مجھے دزدیدہ نگاہی سے گھورتا رہا، پھر اوب کر بولا۔

"تم بہلول دانا کی بابت کیا جانتے ہو؟"

"سوال پہلے میں نے کیا ہے اس کا جواب دو......؟"

"میرے سوال میں ہی تمہارے سوال کا جواب ہے...... جب مجذوب کی اپنے مالک کے دامن پہ گرفت کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کی جذب سے جنوں کی جانب مراجعت شروع ہو جاتی ہے۔ مجذوب کی منزل مولا مرشد کے نقشِ قدم پہ چلنے سے ہی طے ہوتی ہے۔ مجنوں منزل سے پہلے ہی بھٹک جاتا ہے اور کبھی منزل آشنا نہیں ہوتا۔"

راسپوتین، حسن بن صباح، نطشے وغیرہ مرشد آشنا نہیں تھے۔ منزل مسافت کا تعین یا تو قطبی تارا یعنی افلاکی استعانتوں سے ترتیب و تشکیل پاتا ہے یا کسی سنگِ میل سے یا پھر سرِراہ مسافروں مناظروں سے...... متذکرہ بالا اپنے اپنے مقام و عصر کی نابغۂ روزگار ہستیاں تھیں۔ علم و فضل دانش و بینش حکمت و قدرت میں یکتا! ان کے ہاں دل و دماغ کو مسخر کرنے کا ہنر بھی تھا۔

ان کی قدر و منزلت اور اثر و رسوخ میں بھی کچھ باک نہ تھا۔ ادھر شداد، نمرود، عمر خیام، جمشید، حکیم مخشب کے ہاں بھی حکمت و ریاضت کی کمی نہ تھی، کمی اگر تھی وہ مالک و مرشد کی تھی۔ وہ جو اقبالؒ نے کہا......

Scanned with CamScanner

؎ اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے

یہ مقام کبریا کیا ہے؟ مالک ارض وسما...... مالک یوم نشور کی پہچان...... ارض پہ لاکھ اہرام و مقابر تعمیر کرالو...... چاند ستارے بنالو...... پاتال تک کنویں اور اوج ثریا تک مینار تعمیر کرالو۔ معلق باغات رصدگاہیں شہر قلعے پل دیواریں تعمیر کرالو اگر رُ اس سمت درست نہ ہوئی تو سب کچھ عبث ہے۔ عبرت ناک داستانیں بن کر رہ جاتا ہے۔''

خواجہ بہلول دانے'' کی رُ اس سمت درست تھی بلکہ وہ دوسروں کی بھی سمت راست کردیا کرتے تھے۔ راسپوتین بے سمتا بے رُ اسا تھا۔ ابلیس نے اُسے گود لیا ہوا تھا اس کے ہاں ارضی استغنا ئیں تھیں جو بے بال وپر کے پرندوں کی طرح محدود پرواز ہوتی ہیں...... کشش ثقل کے باہر ساکت ہوجاتی ہیں۔''

''داڑھی پہ برف پڑی ہوئی سر کے بالوں پہ کالک پتھی ہوئی؟''میں نے اس کا کارن پوچھا۔ جواب دیا...... میں ان فضول باتوں میں نہیں پڑتا' یہ نظروں کا دھوکہ ہے۔ نہ میں نے کالے بالوں کی خواہش کی اور نہ کبھی داڑھی کو سفید کرنے کی کوئی کوشش کی۔ میں تو اپنے چہرے مہرے اور جسم کو دیکھتا ہی نہیں...... دیکھنے میں رکھا بھی کیا' سب کیڑے مکوڑوں کا کھاجا......!

زندگی اور موت کے بارے میں اس کی عجیب سی منطق ہے۔ بظاہر زندہ مگر خود کو مرا ہوا کہتا ہے۔ وہ بابا اشفاق احمد کو ہر روز اپنے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ کھلاتا ہے...... وہ آج بھی اس کی تحریریں پڑھ کر خوش ہوتے ہی شاباش دیتے ہیں۔ اس قسم کی ناقابل یقین وفہم باتیں اکثر ہانکتا رہتا ہے۔ کچھ لوگ حیا کرتے ہوئے سُن کر خاموش رہتے ہیں کہ اس بڑھاپے میں کیا اس سے بحث کریں' جھوٹ سچ چھانیں پھٹکیں۔ چند سر پھرے جن میں' میں بھی شامل ہوں' بدو بدی اس سے سینگ پھنسا بیٹھتے ہیں اور پھر تڑوا بھی لیتے ہیں' کہ وہ ایسی ایسی ناقابل تردید توجیہات و تصریحات پیش کردے گا جسے جھٹلانا بس سے باہر ہوگا اور آپ لامحالہ آمنا وصدقنا کہنے پر مجبور کردیے جائیں گے۔''

شجر جب ثمر بار ہوتا ہے تو قدرے جھکائی لے لیتا ہے۔ کمال ہے جب یہ کوئی جہالت و حماقت کا' کارکرتا ہے تو اُٹھائی لے لیتا ہے...... ایسا اُٹھائی گیرہ جو اُٹھانویں' اُٹھانوں میں اُستاد ہو۔ خیانت وخُرد برد کا خلیفہ...... نظر بندی کے ننانوے نقشوں کا نصاب تو لیں......!

اس کے بڑے مہلک اور موثر مسالے' مسکینی مینت اور مصنوعی معصومیت ہی نہیں جن کی مدد سے اپنے ملنے والوں کو متاثر کرلیتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اچھے خاصے منہ ماڑ' مذہب مصنف' مولوی مقرر وغیرہ اس کی

Scanned with CamScanner

عاجزی خاکساری لجاجت مراثیوں مصلیوں کی مانند بات بات پہ ہاتھ جوڑنے اور گریہ مسکینی مکاری سے مات کھا جاتے ہیں۔ اس سے پہلے کوئی اس کی دُم پہ پاؤں دھرے پل سے پہلے پیر پکڑ انا اس کے لیے پیرِ تسمہ پا ثابت ہوتا ہے۔

● ننگے پیروں کا مجھوتا......!

بابا بُلھے شاہ نے خود کو بُلھا بھلے ہی کہا ہے۔ ایک مجھوز قسم کے بندے کا نام لبھا تھا...... پہلے زمانوں میں غریبوں دیہاتیوں ان پڑھ لوگوں کے نام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بُلھا، بھولا، مولا، نتھا، فقیرا، شہابو، کالا، پھوجا، ذالا لبھا وغیرہ...... لبھا سے کسی نے اس کا نام پوچھا۔ اُس نے بیساختہ جواب دیا۔ لبھا! لبھا ہے نہ لبھاتے نہ لبھا؟ اس کا بھی یہی حال ہے اپنے نام کے بارے آو بھگت کرتا ہے۔ باپ نے جس کا نام ذکریا ہرگز نہ تھا علامہ اقبال کے کہنے پہ پیدائش سے قبل ہی میرا نام یحییٰ رکھ دیا۔ ''بابا'' کا لاحقہ میں نے خود لگا لیا۔ یہ نہ لگاتا تو ''بھگت'' لگا لیتا۔

مزید بتاتا ہے...... ایسا نہیں کہ مجھے یہ نام پسند نہیں' بس ذرا مذہبی اور پرانا سا ہے پھر اس میں کسی کالے رنگ کا پیچ بھی نہیں۔ جب وہ قابلِ احترام بابرکت ہستیوں کا کسی نہ کسی اپنے سے تال میل جوڑے گا تو اس غیر ذمہ دارانہ حرکت کو آپ کیا کہیں گے؟ مثلاً آپ اپنے بزرگوں کے دور کی کسی قابلِ ذکر واقعہ یا ہستی کا ذکر چھیڑ دیں تو پھر اس کی ذرفشانیاں ملاحظہ فرمائیں۔

والد اور دادا جان کے بچپن کے چشم دید واقعات ایسے مزے لے کر بیان کرتا ہے کہ سننے والا اس کے کذب کی دیدہ دلیری پہ قربان ہو جاتا ہے۔ مولانا آزاد' اقبال' قائداعظم' میر غالب' رابندر ناتھ ٹیگور' حکیم اجمل' گاندھی' خواجہ حسن نظامی' سید عطاء اللہ بخاری' قدرت اللہ شہاب' دیوان سنگھ مفتون' بیدی' بڑے چھوٹے بخاری صاحب وغیرہ' یہ تو اس کی نظر میں بچے کل کے لوگ ہیں۔ بطوطہ' ارشمیدس' خیام' رازی' رومی' جامی' سعدی' شیکسپیئر' ڈاروِن' آسکر وائلڈ' برنیڈ رسل' ہٹلر بھی بچے برسوں ترسوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ بے چارے سقراط' بقراط' ارسطو' سکندر سے بہت پیچھے نوح' آدم تک مار کر جاتا ہے۔ بھلے مانس! اتنی اور ایسی چھوڑ جو کسی نہ کسی طرح کہیں فٹ بیٹھ جائے یا ماضی شکیہ میں کہیں آبرو کے ساتھ ضم ہو جائے۔

یونہی ایک بار بڑے اچھے لہجہ میں موسیقی پہ بات ہو رہی تھی ویسے اسے تو کوئی نہ کوئی ایسے موضوع' عنوان یا رسی کا سرا چاہیے ہوتا ہے۔ ایسی بات کی بلی جس کے پیٹ سے کوئی ''بتونگڑا'' نکال سکے...... موضوع

Scanned with CamScanner

کوئی بھی جس کی ماں بہن ایک کر کے یا دو پانچ سنا کے اسے آسودہ کر سکے۔ عنوان جلی ہو خفی' انگشت زنی کرنا اپنا پیدائشی تصرف سمجھتا ہے۔ رسّی کا سانپ' رائی کا ہمالیہ' بانجھ کو ممالیہ...... مرگھٹ کو اُوشد ہالیہ...... بیر کے بیچھے چھالیہ اور روئی کے پھوہے کو پھالیہ بناتے سے یہ اسی خوش فہمی' خود فریبی سے مبتلا ہوتا ہے جس طرح جنگلوں کے بندر ہوتے ہیں...... شدید جاڑے میں سوکھی ٹہنیاں' لکڑیاں شاخیں پتے اکٹھے کرتے ہیں' الاؤ کی شکل دے کر اردگرد ڈیرے جمائے اکڑوں بیٹھ جاتے ہیں...... ہاتھ پاؤں بڑھا بڑھا کر فرضی آگ تاپتے ہیں اور اپنے تئیں سردی سے محفوظ رہتے ہیں۔''

دُعا کریں کہ خدا بندروں کو آگ جلانے کے طریقے اور ادرک کے سواد سے آشنا نہ کرے اور بندوں کو قدرے خدائی اوصاف تو بھلے دے مگر خدا بننے سے بچائے رکھے۔ بندر کے ہاتھ ولکنسن سورڈ کا کھلا اُسترا اور کسی نام نہاد زرد فکر اخبار نویس' اَدیب کے ہاتھ پارکر کا پن آ جائے پھر اللہ پاک ہی ہے جو اپنے معصوم بندوں کی گردنوں اور گریبانوں کو بچانے کی قدرت رکھتا ہے۔''

دعویٰ کے انداز میں بتاتا ہے کہ مَیں اپنے پہلے روحانی مرشد علامہ اقبالؒ سے براہ راست فیضیاب ہوں اُن کے جسم کا پسینہ اور آنکھ کا آشوب مجھے نصیب ہُوا...... میری ذات کی ننھی سی کونپل اُن کی ایمان گاہ اور دُعا سے پروان ہوئی۔''

مَیں سمجھتا ہوں کہ ایسے اور اس سے بڑھ کر بھی بہت سے دعویٰ کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں تک کوئی یہ دعویٰ بھی کر سکتا ہے...... مَیں سگا بیٹا ہوں' جاوید سوتیلا ہے...... وہ جو کہتے ہیں کہ بات کرنے کی حد ہوتی ہے مگر بکنے کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ مَیں اس کی بکواس سے زچ ہو کر کہہ بیٹھا...... جاوید کے ہاں تو موروثی' قانونی اور شخصی شہادتیں' ثبوت موجود ہیں۔ کسی اور کے پاس اس اَمر کا کون سا ثبوت ہو سکتا ہے؟

ڈھٹائی اور مجرمانی چالاکی دیکھیں! کھٹ سے بولا۔

''ہم ملامتی فقیروں درویشوں میں قول و فعل' دلیل ثبوت' شادیاں شہادتیں نہیں دیکھی جاتیں۔ یہ سب علائق دُنیا! خود نمائی' خود فریبی کے اظہار یئے تماشے ہیں...... (استثناء کے ساتھ) کوئی حتمی دعویٰ سے نہیں کہہ سکتا فلاں اس کا باپ ہے یا فلاں اس کا بیٹا ہے۔''

درویشی لائن میں تو ہاں بھی' نہیں میں رکھی ہوتی ہے۔ اچھائی نیکی کہیں پلّے پڑ جائیں تو فوراً کالی چادر سے ڈھانپ دیا جاتا ہے کہ کہیں یہ فقیری ننگی نہ کر دیں۔ دیکھتے نہیں ہو کہیں سخت گٹھلی کو نرم میٹھے گودے نے چھپا رکھا ہے اور کدھر سخت کھردرے چھلکے نے آبِ حیات اور بہشت کا حلوا ڈھانپ کر محفوظ کیا ہُوا ہے...... خوبانی' آلوچہ' آڑو' کھجور' اخروٹ' ناریل' تربوز' چلغوزہ' بادام کبھی کھائے ہوں گے......؟

Scanned with CamScanner

میں واپس اس جانب آتا ہوں جدھر ہمارے مابین موسیقی پہ بات چل نکلی تھی۔ موسیقی اس کے پسندیدہ موضوعات میں سے ایک ہے۔ مگر کلاسیکی موسیقی میں اس کی واجبی سی دلچسپی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ معمولی سی شخصیت علمیت اور اہمیت کے آدمی کی شُد و بُد جہ موسیقی کی اَبجد سے کماحقہٗ واقفیت کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟ جبکہ یہ کسی موسیقار گھرانے والے ''خانصاب'' نہیں......؟ وہ تو ایسے ہی خان ہے جیسے ہم پشتینی نام نہاد مسلمان ہیں۔

باتوں باتوں میں ایک بار ایک بات پتے کی کر گیا۔"

چہک کر کہنے لگا 'اچھا ہے موسیقی کے بارے میں میرا علم سرگم کی اردوی اَمروہی سے زیادہ نہیں میں خوش سُرے اور بے سُرے میں تمیز نہیں کر سکتا...... انگلیوں پہ ماترے نہیں گن سکتا۔ سُر لگنے پہ زانوں پہ ہاتھ نہیں مار سکتا' ورنہ یار لوگ تو مجھے ''یحیٰ خان'' کی جگہ خان صیب کہہ کر میرا کبروا بجا دیتے۔"

بات بات 'لقمہ لقمہ' گھونٹ' سانس سانس' اُسے الحمدللہ' سبحان اللہ! ماشاءاللہ کہنے کی بے ساختہ عادت ہے۔ وہ کسی ثواب یا جنت کی حوروں کی خاطر نہیں بلکہ حاضرین' معتقدین پہ اپنی درویشی کی دھار تیز کرنے کے لیے ایسے کرتا ہے۔ بزرگی نہیں مکاری اور اداکاری دکھائی دیتی ہے لیکن چونکہ گھر کا بھیدی ہوں اور اس کی فقیری درویشی کی ساری لنکا میرے رُوبرُو رہتی ہے۔ اس خاطر وہ مجھے پرکھتا بھی ہے کیونکہ موقع بے موقع میرے منہ سے سچ بھی نکل جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک بار میرے منہ سے نکل گیا......!

بار بار سُبحان اللہ' الحمدللہ' ماشاءاللہ سُن سُن کر مجھ دوزخی کے کان جنتی ہو گئے ہیں۔ اگر تم اس مقدس کلمات کے ساتھ مزید ایک دو فقروں کا اضافہ کر لو...... تو تمہارے معتقدین میں خاطر خواہ اضافہ اور شہرت بھی دوچند ہو جائے گی۔ مجھے اچھا خاصا گھورتے ہوئے پوچھا...... بولو......؟"

میں نے دَم درُست کرتے ہوئے کہا۔

''مولا خوش رکھے'' اور بھاگ لگے رہن'' اگر ساتھ کہہ لیا کرو تو حرج کچھ نہیں...... بلکہ فنکاروں میں پہچان خاصی ہو جائے گی اور خانصیبی بھی مستند رہے گی۔ آنکھیں دکھاتے ہوئے تنک کر بولا۔

''جناب! ہمارے بڑے افغانستان کی طرف سے آئے تھے۔ شام چوراسی یا پٹیالہ کی جانب سے نہیں......!''

● کوئے ''جدن'' سے نکلے تو سوئے ''روشن'' رواں ہوئے......!

میرا کہا سچ ہوا کہ ٹھیٹ موسیقی اور پکے راگ دھاریوں سے اِس کا کوئی خاص لگاؤ جھکاؤ نہیں۔ موسیقی

Scanned with CamScanner

کے متعلق اس کا علم اللہ وسائی سے ''الف'' ہوکر ملکہ ترنم نور جہاں تک ''یائے'' ہو جاتا ہے۔ میرے ایک سوال کے جواب میں جو میں نے کلاسیکل موسیقی کے حوالے سے کیا تھا...... ارشاد کیا......!

دراصل میں شیر خواری سے ہی موسیقی کا گرویدہ تھا۔ جوں جوں بڑا ہوتا گیا۔ میرا موسیقی سے عشق بھی فراواں ہوتا گیا۔ میں سیالکوٹ کے کلاونتوں اور کن رسیوں کی محفلوں میں اٹھنے بیٹھنے لگا۔ راگ راگنیوں سے زیادہ سمجھ بوجھ میں آنے والے آلات موسیقی تھے۔ جب سازندے انہیں بہلا پھسلا ڈانٹ ڈپٹ یا ڈھول دھپے سے سُر میں لاتے تو میں خاصا محظوظ ہوتا لیکن اس وقت میری خوشی دیدنی ہوتی جب وہ کسی ڈھیٹ بے سرے طبلے کی بئے یا ہتھوڑی سے خبر لیتے...... کسی تنک چڑھی گھوڑی ستار جیسا سارنگی یا تانپورے کے کان اینٹھتے۔ ڈھولک مردنگ کی تلاویں کھینچنے پہ بھی بڑا لطف آتا۔ پیچ سُرمنڈل کی تانتیں چابی سے کَسی جاتی...... یہی سمجھ میں آیا تھا کہ مکتب کے اُستاد مولوی نازک نازک بچوں کی کان مروڑیاں کیوں کرتے ہیں...... شاید یہ بھی بچوں کی تانتوں کی کھنچائی ہے۔ ان کی ریں ریں کی طرح سورنگی کی ریں ہمیں بھی بھلی لگتی۔

گھر کے سامنے بجلی کے کھمبے سے کان گال ملا کر چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے گت دینے اور ''ساون کے بادلو ان سے یہ جا کہو'' گا نے موسیقی سیکھنے کی کوشش کی۔

بچپن میں سنی ہوئی کہانیوں میں بادشاہ، ملکہ، جادوگر، پہاڑ، جن اور طوطے کہیں نہ کہیں ضرور ہوتے تھے۔ پہاڑ اور طوطے پنجرے تو دیکھ رکھے تھے لیکن ابھی کسی زندہ بادشاہ، ملکہ یا شہزادی سے واسطہ نہ پڑا تھا۔

انہی دنوں سنا کہ لاہور میں ایک موسیقی کانفرنس ہو رہی ہے جس میں بڑے بڑے گائیک موسیقار اور ساز کار حصہ لے رہے ہیں۔ خاص بات یہ کہ ملکہ موسیقی روشن آرا بیگم باہتمام شرکت کر رہی تھیں۔ میں بیوقوف محض ملکہ دیکھنے کے شوق میں لاہور پہنچ گیا۔ ذہن میں ملکہ چھائی ہوئی تھی...... سر پہ تاج ہوگا، لباس فاخرہ، ہیرے موتی، خوبصورتی اور تمکنت و وقار کا پیکر...... اور یہ بھی کہ موسیقی کی ملکہ ہیں۔ کانفرنس سے کئی روز پیشتر، دماغ میں ملکہ دیکھنے سننے کا تصور پلتا رہا۔''

آخر ایک دن لاہور پہنچ ہی گیا۔ پوری رات ملکہ دیکھنے کے شوق میں جاگتا رہا۔ اگلے روز وہاں پہنچا تو تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔ تل دھرنے کو جا نہ تھی۔ ہندوستان کے بڑے بڑے اُستاد گویے موسیقار جمع تھے اور سب سے بڑھ کر ملکہ موسیقی روشن آرا بیگم! میں چھوٹا سا تھا کوشش کر کے کسی نہ کسی طور اندر پہنچ گیا۔ جوان بوڑھے، عجیب و غریب وضع قطع والے سازندے، موسیقار گویے...... اک نہ سمجھ میں آنے والا ماحول تھا۔ تان پلٹے، مُرکیاں...... عجیب ڈراؤنی شکلیں بنا بنا کر راگ داری ہوتی...... سچ تو یہ ہے کہ کئی بار ہنسی نکلتے نکلتے رہ گئی۔ طبلے پہ خوب مشقت ہو رہی ہے۔ ستار، سُرمنڈل سنتور نے سماں باندھا ہوا۔ تانپورہ

Scanned with CamScanner

نے تان اُٹھائی ہوئی ہے۔"

ایک بات سمجھ نہ آئی کہ گانے والے اُستاد کسی انترے کو چھوڑتے ہی نہیں تھے۔ بار بار دُھرا دُھرا کر اس کی یو مار دیتے۔ ملکہ موسیقی کو دیکھنے کا خبط نہ ہوتا تو کبھی کا اِدھر سے بھاگ گیا ہوتا۔ یہاں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ کلاسیکل موسیقی کو سننا اور برداشت کرنا کس قدر مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ کسی شریف اور مذہبی آدمی کو کڑی سزا دینی مقصود ہو تو پکڑ دھکڑ کسی پرانے بڈھے بے بیز تے موسیقی کے اُستاد کی محفل میں باندھ دیا جائے وہ پہلے الاپ پہ ہی اُدھڑ پدھڑ جائے گا اور اپنی آئندہ نسلوں کے لیے توبہ لے کر وہاں سے بھاگ لے گا۔"

مجھے ملکہ موسیقی کی دید شنید نے باندھ رکھا تھا...... دل میں طرح طرح کے وساوس کلبلا رہے تھے کہیں خدا خدا کر کے جب کلاونت گویئے بھگت لیے تو ملکہ کی آمد کا اعلان ہوا۔

چوب دار نہ کوئی کنیز لونڈی...... ہنکارہ نہ کوئی نقارہ...... ایک مریل سا بوڑھا' سورنگی کو کسی بیمار بچے کی مانند گلے سے لگائے اسٹیج پہ آیا...... پیچھے طبلچی' تانپورے' سُر منڈل والے بھی آ براجے...... ٹھیک ہے اکثر مینہ برسنے سے پہلے آندھی جھکڑ' ہوا' وروڑے بھی آتے ہیں...... سماں باندھنا اور ماحول بنانا بھی تو ضروری ہوتا ہے۔ سازندے بیٹھے تو مریل سا مرد ایک سُرخ گدا اور تکیہ اُٹھائے آیا اور درمیان میں رکھ کر چلا گیا۔ سازندوں نے ساز سر کرنے کے لیے ٹھوکا ٹھوکی شروع کر دی۔ جب یہ مرحلہ بھی طے ہوا تو منتظمین سے ایک سرکردہ اسٹیج پہ آیا اور ملکہ موسیقی اور اُن کے فن بارے کچھ بات چیت کی اور بہت سی تالیوں میں ملکہ موسیقی کی آمد کا اعلان کیا۔ میرا دل بلیوں اُچھل رہا' لگتا تھا سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر آ پڑے گا۔ یہ میری اضطراری کیفیت تھی۔ اب جو اگلا نظارہ دیکھا تو دل ڈوبتا رہ گیا۔ ایک کالی کلوٹی ناٹے قد کی فربہی مائل عورت...... معمولی سے دیہاتنوں جیسے لباس میں سٹیج پہ نمودار ہوئی...... تالیوں کا ایک طوفان اُمڈ آیا' پورا پنڈال اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جوش و خروش کا یہ عالم کہ پورا ماحول روشن آرا کی پذیرائی میں عقیدت کی خوشبوؤں اور رنگوں میں ڈوب گیا۔ شاید میں اکیلا ہی تھا جو منہ پھاڑ کھولے متوحش نگاہوں سے اسٹیج دیکھ رہا تھا۔

یہ ملکہ موسیقی روشن آرا بیگم ہے؟ جس کی آن بان' شان و شوکت' حُسن و تمکنت دیکھنے کے لیے میں کئی راتوں سے بے چین رہا...... جس کی تانوں زمزموں سے حظ کشید کرنے کی خاطر میں نے سیالکوٹ سے لاہور تک کا سفر بغیر ٹکٹ' باوٗ ٹرین سے طے کیا۔ حقیقت کو جھٹلانا میرے بس سے باہر اور صبر و شکر کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اب جو ملکہ نے اپنا ایجاد کردہ راگ زرتاش چھیڑا تو میرے چھکے چھوٹ گئے۔ کچھ پلّے نہ پڑا...... میں راگ زرتاش کو تاش کا کوئی کھیل سمجھ رہا تھا جیسے گھڑ وِنج' منگ پتہ' رنگ' بھابی' ڈکّھی' فلاش' برج' بلیک جیک وغیرہ۔"

Scanned with CamScanner

میں پچھلے تین گھنٹوں سے کلاسیکل موسیقی اور بھانت بھانت کے کلاونتوں کو برداشت کر رہا تھا۔ اب جو اس عظیم کلاکار کی کلا سنی اور دیکھی تو کلاسیکل موسیقی کی رہی سہی ''عزت سادات'' بھی جاتی رہی۔ روشن آراء بیگم ایسی مہان کلاسیکل گانے والی کہ بڑے بڑے اُستاد اس کی گائیکی' انداز اور فن پہ دسترس کا لوہا مانتے تھے۔ اسٹیج پہ بیٹھی ہرگز اس اہل دکھائی نہ دیتی تھی...... لگتا تھا ابھی ابھی کپڑے دھو کر یا تنور پہ سے روٹیاں اُتار کر آئی ہے یا پھر گھر بھر کا بانجھے' پونچھے کے بعد ذرا ستانے کی غرض اِدھر آ بیٹھی ہے۔ سوانسان مشاہدے اور تجربے سے ہی سیکھتا ہے۔ مگر میرے لئے یہ سیکھ کچھ اچھا تجربہ اور مشاہدہ نہ تھی......''

میں اِک زمانہ کلاسیکل موسیقی اور اس کے مہان کلاکاروں سے بدکا رہا کہ یہ فن اور فنکار' سننے والوں کے کان' سُند...... آنکھیں اُفسردہ' دماغ وُرشت کر دیتے ہیں۔ کن رسیا بے چارہ سُروں' تانوں' گرہوں' پھندوں سُرکیوں اور الاپوں کے سیاپوں میں سدھ بدھ ہار جاتا ہے۔ اس میں بھی ''مولا خوش رکھے''، ''واہ جی واہ''، ''سبحان اللہ'' جیسی خوبیاں سرایت کر جاتی ہیں...... یہاں تک کہ دھاڑی اور عطائی میں کوئی فرق روا نہیں رہتا۔ مجھے اللہ نے بچا لیا اور اب میں ''ملکہ'' اور ''موسیقی'' دونوں سے مایوس ہو چکا تھا۔

● نغمہ جاوداں' نور جہاں......!

''موئی ذریا موت توں' موت اُگے کھڑی'' کے مصداق بہت جلد میرا واسطہ ایک اور ملکہ سے پڑ گیا۔ یہ ملکہ ترنم نور جہاں تھی۔ پہلی ملکہ روشن آرا بیگم محض موسیقی کی دنیا کی ملکہ تھی۔ اس کا شوہر کوئی بادشاہ یا شاہ نہیں زمیندار تھا۔ کھیتوں' باڑیوں والا...... جس نے اس عظیم فنکارہ سے کھیتی باڑی بھی کروائی' اُپلے اور تنور بھی لگوائے...... لالہ موسیٰ کی کنک منڈی کے پچھواڑے ایک گلی کے تنگ سے مکان میں اس کی سکونت تھی......

اس دور کے بڑے بڑے موسیقی کے اُستاد' گھرانوں والے گائیک' اس تنگ سی گلی کے چھوٹے سے مکان میں اس کے ہاں حاضری دیا کرتے تھے...... نور جہاں' نزاکت علی' سلامت علی' مختار بیگم' فریدہ خانم' فتح علی' امانت علی' مہدی حسن' طفیل نیازی' اقبال بانو' رفیق انور' استاد امراؤ خان صاحب' جھنڈے خان وغیرہ...... ان میں کئی ایک کو میں نے خود وہاں دیکھا۔ روشن آراء کی چوہدری احمد خان سے کوئی اولاد نہ تھی مگر اس نے شوہر کی پہلی بیوی سے اولاد کو اپنی جان کے ٹکڑے جان کر پالا......!

میں اِک زمانہ میں لالہ موسیٰ کے ساتھ کھاریاں میں بطور الیکٹریشن ایک امریکن کمپنی میں ملازم تھا۔ رہائش لالہ موسیٰ میں رکھی کہ ادھر موسیقی کے تین فنکار رہتے تھے...... روشن آراء' عالم لوہار اور بالی جٹی......

Scanned with CamScanner

چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا...... موسیقی کسی نہ کسی صورت میں میرے اندر موجود تھی۔ لاہور' ملتان روڈ کے فلم اسٹوڈیوز کے باہر گیٹ کے قریب بہت سے لوگ کھڑے رہتے ہیں۔ ان میں بہت دور دراز سے ایکٹرز دیکھنے کے شوق میں یہاں پہنچتے ہیں۔ جن میں دیہاتیوں کی اکثریت ہوتی ہے۔ یہ لوگ جن میں اکثر خوبرو وصحت مند نوجوان ہوتے ہیں جو ایکٹر' گلوکار بننے کے جنون میں یہاں پہنچتے ہیں۔ یہ لوگ اسٹوڈیو میں آتی جاتی کاروں میں جھانکتے رہتے ہیں کہ کسی ایکٹر پہ نظر پڑ جائے۔ ان میں کئی چوکیدار کی خوشامد کرتے ہیں' رشوت لگاتے ہیں کہ اندر جا کر ایکٹروں کی شوٹنگ ہوتی دیکھ لیں۔ یہ بھی اک جنون یا محرک ہوتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تھا مگر بڑے لیے دیے میں...... کہ اس میں ہلکا پن نہیں تھا۔

بات روشن آرا بیگم کی ہو رہی تھی کہ وہ خود ایک ایسی ملکہ تھی جس کا شوہر بادشاہ نہ تھا' مولیاں گاجریں کاشت کرنے والا زمیندار تھا۔ اب دوسری ملکہ ترنم تھی جس کا شوہر نہ صرف شاہ تھا بلکہ مردانہ وجاہت کا پیکر...... شاہ نواز شاکر' شوکت تھانوی جیسے اعلیٰ لوگ اس کے دوست تھے۔ لقمان جیسا طباع تجربہ کار اس کا معاون تھا۔ لڈن میاں اس کے ساتھ لڈو کھیلتے تھے۔ امتیاز علی تاج' خالش' سعادت حسن منٹو جیسے ڈراما نویس' اداکار' ادیب اس کے حلقہ احباب میں تھے۔"

شوکت حسین رضوی' محض شاہ ہی نہیں شاہ خرچ' شاہ دماغ' شاہ دل اور شاہ گر بھی رہا۔ نور جہاں کو ملکہ بنانے میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ نور جہاں کے نیچے اس وقت بھی کیڈلک تھی جب اس کے آبائی شہر قصور میں کُل کے دس بارہ تانگے تھے وہ اس سے شوفر سمیت گاڑی میں آتی تھی جب دلیپ کمار شوٹنگ کے لیے لوکل ٹرین کے ذریعے پہنچا کرتا تھا۔ غرضیکہ اسی ملکہ ترنم نے مجھے اس مایوسی اور محرومی سے نکال باہر کیا...... جو پہلے والی ملکہ اور اس کی اوق موسیقی کی بنا پر واقع ہوئی تھی۔ نور جہان ان دونوں میں یکتا تھی۔ وہ اس حقیقت اور راز سے آشنا تھی کہ عام وخاص میں ہر دلعزیز بننے کے لیے آپ کو عام فہم بھی بننا پڑے گا۔ خاص فہمی اپنے اور خاص حلقہ احباب تک محدود رکھو۔ دیہاتی سے انگریزی بول کر الفاظ' ذات' عزت ضائع نہ کرو...... اسے احساس کمتری میں مبتلا مت کرو۔ ملکہ بننے کے لیے ملکہ جیسے ظرف کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ملکہ اور اُردوا بیگنی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے؟

بابا کو بریک دینے کی خاطر میں نے پھر شیرے والی اُنگلی لگاتے ہوئے کہہ دیا۔

"تم جانتے ہی ہو اس بڑے ظرف والی ملکہ ترنم اپنے اخلاق مقام کے باوجود فحش کلامی گالی گلوچ اور بازاری حرکات بھی اس کی ذات کا اک نمایاں حصہ تھیں۔ ادھر ملکہ موسیقی روشن آرا کی کم از کم ایسی شہرت نہ تھی اس نے اپنی زندگی میں کوئی ایسی مثال نہیں چھوڑی اور نہ اس نے کوئی غیر معیاری چیز گائی۔ جبکہ تمہاری ملکہ نے

Scanned with CamScanner

نخش گائیکی میں حد کر دی تھی۔"

بابا نے میری جانب ایسی قہر بھری نظروں سے دیکھا جیسے میں نے اسی نور جہان کے مقبول عام گانے "ونج چُس گئی اے کج پاٹ گئی اے" کی ریکارڈنگ میں ڈھولکی پہ سنگت کی تھی۔ جھنجھلاہٹ سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بدقسمتی سے تم نہفتہ مخلوق کے اس یبوست زدہ گروہ سے تعلق رکھتے ہو جو ہمیشہ کسی کی اچھائی کی بجائے بُرائیوں کو ٹٹولتا رہتا ہے۔ بشری کمزوریوں سے کوئی بھی مبرا نہیں۔ وہ آسمان کے کسی برگزیدہ فرشتہ کے ہاں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ قصور کے بازارِ حسن میں اربابِ نشاط کے ہاں اس کا جنم ہوا تھا۔ ایک جان کو سیکڑوں چیچڑ چمٹ جائیں تو کیا حال ہوگا؟...... دو خاوندوں سے اولادیں...... بھائی 'بھتیجیاں بھتیجے' دیگر اہلِ خاندان اکثر نکمے' ذہنی مریض' بدحرام...... منشیات کے عادی رشتہ دار نوکر چاکر' موسیقاروں' سازندوں کے خاندانوں کے اخراجات...... وہ اکیلی جان......!

اس سے تعلق رکھنے والے ہر بندہ ہاتھ میں ٹوکا چُھری تھامے ہوئے...... ہر کوئی کاٹنے کے چکر میں...... اس نے مرحوم نصرت فتح علی خان کی طرح خود کو اندر ہی اندر ختم کر لیا مگر کسی لواحق یا ضرورت مند کے خراجات بند نہیں کیے۔ وہ گلوکار وتھی یہی اک کمائی کا ذریعہ تھا۔ کروڑوں کی جائیداد کا تیا پانچا کر کے اولاد میں تقسیم کر دیا...... گایا کمایا اور دوسروں کو کھلا دیا۔

ملامتی درویشوں کا یہی وطیرہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماتھوں پہ اپنی اچھائیوں بھلائیوں کے جھنڈے نہیں ٹھوکتے۔ بلکہ کئی ایک شمشیر بُراں اپنے حلقوم میں اُتارے ہوئے ہوتے ہیں۔ مائی جی نے میرے لیے بھی دو گیت گائے تھے۔

"منڈیا سیالکوٹیا تیرے مکھڑے دا کالا کالا تل وے"

اور دوسرا......!

"تی کالا شاکالا...... میرا بابا جی سرکار نور جہاں نوں پرے کرو......!"

اب تم کہو گے کہ...... یہ تو فلمی گانے تھے اور پہلے گانے میں کسی سیالکوٹی خوبصورتی منڈے کے چہرے کے کالے تل کی تعریف کی ہے جس پہ میڈم کا دل آ گیا تھا' کسی بڈھے بابے کی بات نہیں کی۔"

"کارزارِ عقیدت و عشق میں جوان یا بڈھے کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ یہاں جذب و جنون کا معرکہ رہتا ہے۔ ابلاغیات کی بات ہوتی ہے' عمرانیات کی نہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں تمہارے سامنے ہیں۔ صوفیہ لورین اپنے شوہر سے قریب قریب اٹھائیس تیس برس چھوٹی تھی...... نور جہان اور اعجاز دُرانی سے اتنی

Scanned with CamScanner

ہی بڑی...... عارفہ صدیقی اور اُستاد نذر حسین کے مابین' باپ بیٹی جیسا فرق...... یہاں طرفین کے سِن و سال نہیں گنے جاتے۔ قلب و نظر کے تقاضے اور حاصل حسبِ حال دیکھے جاتے ہیں۔''

سُنی آپ نے اس پیرِ فرتوت کی باتیں' اس دَور کا سب سے بڑا دو نمبر داستان طراز' جھوٹا اور فتنہ انگیز...... لیکن جس پہ پیار بھی آئے' اعتماد کرنے کو جی چاہے اور اپنا سا بھی لگے......؟

لوگ جو اسے اندر سے نہیں جانتے اس کے کردار اور کرتوتوں' کریہہ ماضی سے واقف نہیں۔ محض اس کی جھوٹی سچی تحریروں' ٹی وی پہ تصویروں اور لچھے دار تقریروں سے متاثر ہیں۔ مجھے ان پہ بہت ترس آتا ہے۔ فریب خوردہ اندھے عقیدت مند اسے مستجاب الدعوات بھی سمجھتے ہیں جبکہ اکثر شاہ جی کہہ کر بھی مخاطب ہوتے ہیں۔ اس کا ردِعمل معترضانہ نہیں ہوتا بلکہ مُشفقانہ ہوتا ہے۔ توجیہہ یہ پیش کرتا ہے کہ جانتے بُوجھتے ہوئے بھی اگر کوئی کاہلی خچر کو عربی گھوڑا کہنے پر مُصر ہو تو خچر کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ زہر ہلاہل کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی جو قند کہتا ہے' اسے زبردستی اس کی کُند قروںی سے قتل نہ کرو کہ مکھی کھٹن کی بجائے گند پہ بیٹھ کے زیادہ آسودہ رہتی ہے۔ ہمیشہ جی کہو کہ اسی میں مجھ ایسے فراڈیے کی خیریت ہوتی ہے۔ مجھ ایسے ہی کسی شاعر نے کہا......

جی کہنے میں بڑی کرامت ہے اس سے دُنیا مُرید ہوتی ہے

کسی ہوشیار وکیل' ڈاکٹر' عامل اور پولیس والے کی طرح یہ بھی کوئی انجام اپنے سر نہیں لیتا۔ دُعا دیتا ہے تو کہتا ہے'' اللہ آپ کے لیے بہتر کرتا ہے' جو ہوگا وہی آپ کے لیے بہتر ہوگا'' عیاری ملاحظہ فرمائی...... سب کچھ اللہ پر ڈال کر خود نچنت ہو کے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ کوئی مرے یا جیئے یہ گھول بتاشے پیئے۔

سُلطانی بھی عیاری ہے' دَرویشی بھی عیاری......

ہر اس موقع پرست کی مانند جو دُنیاوی طور پہ اپنے مقاصد کو حاصل کر لیتا ہے۔ اپنے کڑے وقتوں کے ساتھیوں کو غیر ضروری بڑھتے ہوئے بالوں کی طرح مُونڈھ کر رکھ دیتا ہے یا پرانے گندے کپڑوں کو اُتار پھینکتا ہے۔ یہ بھی اپنے سگے رشتہ داروں بچے کھچے بچپن کے ساتھیوں اور خاص طور پر اپنی بوڑھی بیوی کی بھابیوں' بھانجیوں' بھتیجیوں اور دیگر باقیات سے ملاقات و التفات نہیں کرتا۔ کہتا ہے' باپ اور بیوی دونوں اطراف کی رشتہ داری' قورمے کی طرح ہے پہلی دو چار پلیٹیں کھانے کے قابل ہوتی ہیں بعد ازاں تلچھٹ میں مسالے کا ملغوبہ' ہڈیوں کی کرچیاں' دو چار چھیچھڑے بے نس و رس بُونیاں ہی بچتی ہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا ایک برابر...... اُبلے دُودھ کے پہلے ایک جوش ہی سے بالائی بنتی ہے۔ باقی دُودھ کم سود...... جو کھرچن جوگا ہوتا ہے...... اس کی طوطا چشمی' خود غرضی کی انتہا ملاحظہ میں آئی؟

نلاؤں' مولویوں' مداریوں' ناندریوں' مسخروں' مخنثوں' مالشیوں' مٹھیات فروشوں' ملاحوں' مردے غسلانے' کفنانے اور دبانے والوں اور مجبوروں' معشوقوں کو بہت پسند کرتا ہے کہ ان کے دم قدم سے جہانِ رنگ و بو میں رونقیں قائم ہیں...... ادھر مونگ' مسور ماش' مٹر مولیاں' مونگرے' مونگ پھلی وغیرہ کے ذکر سے ہی اس کا جی مالش کرنے لگتا ہے۔ پیٹ میں مروڑ اُٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ مرغ ارضی' مرغ آبی' مرغ بادی' مرغ آتشی' مرغ بادنما' مرغ' ملاّ' مچھلی' مرغن غذائیں وغیرہ خوب مرغوب ہیں...... خراب تب! جب یہ ہاتھ نہ لگیں۔''

ہر روز غسل لینے والوں کو بیمار سمجھتا ہے...... کہتا ہے ایسے لوگ نفسیاتی اور جنسیاتی مریض ہوتے ہیں...... پانچ وقت طہارت وضو کرنے والے کے لیے ہر روز نہانا کچھ ضروری نہیں ہوتا۔ البتہ نئے نئے چھنٹنے والے اکثر اور پرانے ڈھول پیٹنے والے کچھ کچھ اس کلیے سے مستثنیٰ ہیں۔ بتاتا ہے کہ انسانی جسم بھی سنگترے مالٹے کے چھلکے کی مانند ہوتا ہے۔ ان پھلوں کی پھانکیں اس لیے رس بھری تر و تازہ ہوتی ہیں کہ چھلکوں میں روغن موجود ہوتا ہے جو بیرونی موسمی فضائی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ ہم نہاتے ہوئے خوب صابنوں لوشنوں سے جسم کا ستیاناس کرتے ہیں۔ پھر کھردرے تولیے سے اچھی طرح رگڑائی کر کے مساموں کو کھول دیتے ہیں...... اس عمل سے بال بھی جڑیں چھوڑ دیتے ہیں اور جسم...... بیرونی مضر اثرات سے محفوظ رکھنے والے قدرتی روغن' پالش سے محروم ہو جاتا ہے۔ ہم تو اتنی سمجھ بوجھ بھی نہیں رکھتے جتنی پرندے' درندے اور دیگر جانور رکھتے ہیں۔ مچھلیاں' مرغابیاں اور دیگر آبی جانور ہوتے ہی سدا کے نالائق بیوقوف ہیں...... ان کے علاوہ اور جانور کو بھی کبھی بار غبت نہاتے دیکھا؟

یہ جانور' نام نہاد مہذب انسانوں کی طرح روزانہ نہا نہا کر اپنی جسمانی روغنیاتی قوتوں کا ناس نہیں مارتے۔ دلیل یہ ہے کہ جنگلی لوگ کبھی بوڑھے نہیں ہوتے بلکہ ان پہ جوانی ہی بڑھاپے میں اُترتی ہے۔ داڑھی' لمبے بال' موٹا مختصر نیم لباس' ننگے پاؤں' ننگا سر' سفر' دال دلیا' درگزر کرنا' صبر و شکر والے لوگ ہی زندگی کا صحیح مقصد اور لطف حاصل کرتے ہیں۔''

اچھا فنکار اور اچھا انسان' اچھی ازدواجی زندگی کے لیے موزوں نہیں ہوتے۔ اچھے اور سچے فنکار اور انسان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اچھا فنکار' کبھی کسی کا اچھا ساتھی نہیں بن سکتا۔ وہ ایک ایسے مسافر کی مانند جو اپنی راہ کے علاوہ سب کچھ بھول چکا ہوتا ہے حتیٰ کہ منزل بھی منزل دکھائی نہیں دیتی۔ تن تنہا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی کہ وہ کہیں راستے میں ہی راست ہو جاتا ہے۔ یہیں اوپر کوئی قطبی تارا جگمگا اُٹھتا ہے۔ جس سے پھر کئی بھٹکے ہوئے راستہ پکڑتے ہیں......!

Scanned with CamScanner

کہتا ہے' روشنی ہونہ ہو' ہوا ہر جگہ کسی نہ کسی طور موجود ہوتی ہے...... اسی طرح خدا کا تصور بھی ہر موجود میں موجود ہے۔ بادی النظر میں چاہے اُس کا تصور کیسا بھی ہو؟ خدا کی اکائی اپنی ہے اور بندے کی دہائی اپنی' بندے کا اچھا ہونا اس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ اچھے کے پاس اَن گنت خدشات و خوف ہوتے ہیں۔ بُرے گنہگار کے ہاں مالک کی رحمت اور بخشش کا تصور! جو اسے ایک لافانی استغناء سے ہمکنار کیے رہتا ہے۔ نیک پارسا لوگ' اپنی عبادتوں نیکیوں کا حساب رکھتے ہیں۔ بد گنہگار تو اپنے گناہوں کو ہی یاد نہیں رکھتے۔ صرف اُس کے فضل و کرم کی طرف دھیان دیتے ہیں...... مثال دیتا ہے۔ نور جہان سے کسی صحافی نے پوچھا...... میڈم! آپ نے آج تک کتنے گانے گائے ہیں...... میڈم نے حسب عادت تُرت جواب دیا۔ ''میں نے آج تک اپنے گانوں اور گناہوں کا حساب نہیں رکھا۔'' ایسا جواب' صرف اور صرف نور جہان ہی دے سکتی تھی۔ روشن آرا نہیں کہ وہ تو بنیرے پہ کسی کوے کو دیکھ کر سر کا دوپٹہ درست کر لیا کرتی تھی۔

کہتا ہے' بشر کے بشری تقاضے' اُس کی گِل میں گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کوئی بشر اپنی اوقات سے بڑھ کر نہ تو کوئی بُرائی کر سکتا ہے اور نہ کوئی بھلائی...... اور جو کچھ اچھائی بُرائی اس سے سرزد ہو جاتی ہے' اس کے لیے وہ مجبور محض ہوتا ہے۔ زمین کبھی آسمان نہیں بن سکتی مگر خاک تو اُڑا سکتی ہے۔ خاک اُڑے گی تو کہاں تک؟ آخر واپس زمین پر آ پڑتی ہے۔ ہاں خاک اکسیر ہو جائے تو سدرۃ المنتہا تک رسائی لے لیتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ بشر' بشر ہی رہے تو اس کے حق میں بہتر رہتا ہے...... اس کی بشری کمزوریاں' کجیاں ہی اس کا اصل اثاثہ ہیں...... اس کا تفاخر ہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان جو تفاوتی حد ہے' وہ بشر کی بشریت ہے۔ جس کا خمیر' خمیر مٹی' پانی' آگ اور ہوا سے اُٹھایا گیا ہے۔ چاروں متضاد عناصر' اس کے کلبوت میں کبھی ایک ہی مقدار میں باہم یک جا نہیں ہوتے...... آپس میں کم و بیشی رہتی ہے...... اگر اس کمی بیشی میں ایک حد سے زائد فاصلے بڑھ جائیں تو پھر بڑے خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ نمرود' فرعون' شداد' دیگر خدائی نبوت وغیرہ کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے فاسق کذاب پیدا ہوتے ہیں۔ ''اناالحق'' کا آوازہ بھی اُبھرتا ہے۔ بشر' بشریت کے زیرو پوائنٹ کی جانب رہے تو قدرے بچت رہتی ہے۔''

اس کا کہنا ہے' کاروان یا قافلہ' ضرورت مند' خوف زدہ' کمزور لوگوں کا گروہ ہوتا ہے۔ جو اپنے اپنے مقصد کے پورا ہونے پہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ وہ آپس میں دوست نہیں ہوتے ہمسفر ہوتے ہیں۔ سفر میں اگر کوئی ساتھی ہے تو سفر کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ سفر محض راستہ طے کرنے اور منزل پہ خیریت سے پہنچ لینے کا نام ہی نہیں' سفر تو اس راہ' راستے کا نام ہے جو کبھی طے نہ ہو' انجام پہ کوئی منزل بلند پہاڑ یا بند گلی نہ ہو۔ مسافر تو وہ ہوتا ہے جو راہ بن جائے یا پھر سنگ میل......!

Scanned with CamScanner

ایک سوال کا جواب ملتا ہے۔ سوکھی اور سستی کتابوں سے دکانیں' لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔ ادھر جگہ کم پڑ جائے تو کتب میلوں اور کتابوں کے کباڑیوں کے پاس فٹ پاتھوں پر پہنچ جاتی ہیں۔ لاہور پہنچنے والے داتا سرکارؒ، اقبالؒ اور دہلی میں نظام الدین اولیاؒ، بختیار کاکیؒ اور خسروؒ، غالب کے مزارات پہ حاضری سعادت سمجھتے ہیں۔ بڑے غلام علی خان' روشن آرا بیگم شدھ اوکھا گاتے تھے۔ اس میں ان کی زندگیاں کام آگئیں...... لالہ عطاء اللہ نیازی اور نصیبو لعل' جواد احمد' ابرار الحق وغیرہ سوکھا گا کر زندگی کے کام آگئے......!

کالی داس' بھگت کبیر' رابندر ناتھ' ٹیگور' میرا' خسروؒ، سعدی' رومیؒ، جامی، میاں محمد بخشؒ، بلھے شاہؒ، سلطان باہوؒ، شاہ حسینؒ، وارث شاہ ایسے سوکھے نہیں تھے۔ پر علم و ادب کا بھرم یہی لوگ تھے۔

مزید بتانے لگا۔ کیا بچہ سوکھا جنم لیتا ہے؟...... امریکہ' انگلینڈ' آسٹریلیا کا ویزہ سوکھا لگتا ہے...... کیسے امیگریشن ادارے' سفارتخانے' روپے پیسے' جھوٹ سچ اور پیر فقیر' دعائیں' تعویذ گنڈے' منتیں درمیان میں لائی جاتی ہیں۔ کام کی کتاب' پکا ویزہ' سعادتمند بچے کوئی سوکھے کام نہیں......!

قدرت اللہ شہاب کو اپنا نظریاتی و فکریاتی...... ممتاز مفتی کو اَدبی و بے اَدبی...... اشفاق احمد کو رُوحانی و وجدانی اُستاد مانتا ہے۔ بانو قدسیہ کے بارے میں اس کا بیان نہ سمجھ میں آنے والا ہے۔ کہتا ہے' انہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ جنم جنم سے اینٹیں بنا بنا بھٹے میں پکا رہی ہیں۔ کیسے کیسے پرشکوہ محلات' قلعے' مینارے' چوبارے' گنبد ڈیوڑھیاں ان اینٹوں سے تعمیر ہوئیں...... کتنی نسلوں اور اصلوں نے ان سے فیض اُٹھایا۔ چھپر چھاؤں میں آسودگی اور بالیدگی حاصل کی۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ ہر بڑے آدمی کی پشت پہ کسی عقلمند طالع مند عورت کا ہاتھ ہوتا ہے...... اشفاق احمد اور بانو قدسیہ کی مثالی ازدواجی' اَدبی' مجلسی اور محبت و اطاعت بھری زندگی دیکھ کر یہ کہنے کو جی چاہتا ہے ہر کامیاب اور بڑی عورت کے پیچھے کسی بلند مرتبت' اعلیٰ ظرف و ذوق' مضبوط مرد کا بھی ہاتھ ہوتا ہے۔"

کہتا ہے' اشفاق احمد نے ضرورت اور فرصت میں لکھا...... بانو قدسیہ نے محبت اور محنت سے لکھا۔ ایک وقت آیا کہ ایک دوسرے نے مقابلے اور مبادلے میں لکھا...... ممتاز مفتی لکھتے لکھتے الکھ نگری اور یہ دونوں الکھ نرائن ہو گئے۔

مرد ہو کر ایک عورت کے پاؤں کے بوسے لیتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ اسے ایسا کرتے ہوئے ایک دیکھ رہا ہے یا ایک سو ایک؟...... بس وہ جھک کر اپنی آئیڈیل ماں کے بوڑھے پولے پاؤں کو چوم لیتا ہے۔ کہتا ہے' صرف جنم دینے والی عورت کے پیروں میں ہی جنت نہیں ہوتی' ہر اس عورت کے پاؤں تلے جنت ہوتی ہے جو ماں جیسی لگے۔

Scanned with CamScanner

کہتا ہے ماں جی کے ہاں بلابل کو قند اور مس خام کو کندن خاص میں کروٹ دینے کا قرینہ ملتا ہے......
ان کے پاؤں میرے لیے پارس ہیں۔ ضروری نہیں کہ جنم دینے والا تربیت بھی دے......!

عورتوں کے ذکر پہ بتاتا ہے جدن بائی جیسی مجلسی اور نرگسی عورت کہیں نہیں دیکھی...... مختار بیگم فریدہ خانم، عشرت جہاں بجو اور نور جہاں سی شاہانہ عاشقانہ اور شوہرانہ مزاج خواتین کم ہی کہیں پیدا ہوئی ہوں گی...... نگار سلطانہ مینا شوری بیگم پارہ گھرانے کی باقیات میں سے سلمیٰ آغا ہیں۔ مدھو بالا مینا کماری پیاز پیاس اور پندار ذات کے معاملے میں ازلی بانجھ عورتیں تھیں۔ قسمت ان سے شاکی اور یہ اس سے شاکی رہیں۔''

دھنک جیسا ''شہزادہ'' مجلہ پھر کہیں پیدا نہ ہو سکا۔ سرور سکھیرا حسن نثار جیسے ''قلمروؤں'' سے میں نے بہت کچھ سیکھا...... تجمل حسین طفیل اختر نے قلم کمائی تو بہت کی لیکن کھا دوسرے گئے۔ منشی عرش لکھنوی کمال امروہوی عزیز میرٹھی ضیا سرحدی شوکت ہاشمی شاہد ریاض خلیل قیصر اب کہاں سے لائیں؟ سوچتا ہوں مشتاق احمد یوسفی بانو قدسیہ انتظار حسین ضیا محی الدین گلزار محمد پرویز کلیم جیسے مہ و انجم ڈوب گئے تو پھر کیا ہوگا؟

ایک دن حاضر ہوا تو بڑی افسردگی سے...... ''ہم جی کر کیا کریں گے جب دل ہی ٹوٹ گیا'' گنگنا رہے تھے۔ ایسی بیکلی افسردگی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

وجہ دریافت کی! کسی کنوئیں کے اندر سے بولے۔

''حضرت! ایمانداری سے بتائیں! جس اقلیم بے مہر و وفا میں کہیں بھی اماں نہ ملے قحط الرجال کا دور دورہ ہو زندہ رہنے کے بنیادی سہارے بھی الگ کئے جا رہے ہوں۔ تو مجھ ایسا درویش بالکیم کس بندے کو بھیا اور کس مائی کو میا کہے؟...... نور جہاں کی نمروں کی سہار لے کر ناآسودہ نے سے کسی طور سمجھوتا کر لیا کرتے تھے۔ اقبال بانو کے توسط سے فیض سے فیضیاب ہو جایا کرتے تھے۔ اب بخش میرعلی شیر علی کو سن کر گزارہ کرتے ہیں۔ گھرانوں کے بچے انڈیا پہنچ کر خوش رہتے ہیں۔ مہدی حسن لد گئے غلام علی پیسے کی جنجال میں اور فتح علی استاد نذر بڑھاپے کے حال میں باقی بچے دو چار بچے......تو وہ پاپ میں پھنس گئے...... سرگم بھی انگریزی میں الاپتے ہیں۔ واہ رے نصیب! نصیبو لعل کے اور ہمارے...... فریدہ خانم کو مختار بیگم نسیم بیگم رانی بیگم اور نور جہاں آواز دے رہی ہیں۔ موٹاپے اور بڑھاپے نے راہ ماری ہوئی ہے...... بتاؤ اس حال و قال میں سہگل یاد آئے تو کیا فاروق مینگل یاد آئے گا......؟

ایک اور انکشاف کیا۔ استاد نصرت فتح علی اور عابدہ پروین ایک ہی ضمیر و خمیر سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کی باڈی ڈیزائننگ گرومنگ راگا کرافٹ کوالٹی سٹینڈرڈ سپر یچوئیل انڈرسٹینڈنگ بھی یکساں تھی۔ ایک کو سندھ سدھایا گیا...... دوسرے کو پنجاب پہنچایا گیا۔ میری بڑی خواہش رہی کہ دونوں کو اکٹھا بیٹھے سنوں۔ ذرا

Scanned with CamScanner

تصور میں لائیں کہ دونوں اکٹھے فن کا مظاہرہ کر رہے ہیں...... ایک دوسرے کو تھپیاں دے دے تانیں بھی لگا رہے ہیں پھر کیا نظارہ ہو اگر بعداز گائیکی ان کی سوموسٹائل کشتی کا مقابلہ بھی پروگرام میں شامل ہو...... جیسے میوزک کنسرٹ وو ڈنر ہوتا ہے۔ یعنی ایک ٹکٹ میں دو مزے......!

ایک بار کہا کہ مجھے جس گلوکار کی گائیکی پسند ہوتی ہے وہ دیر بدیر اللہ کو بھی پسند آ جاتا ہے۔ یعنی موسیقی کے معاملے میں مولا کریم اور مجھ مولو کمین کا ٹیسٹ قریب قریب ایک سا ہے۔ دلیل یہ دیتا ہے کہ کالو قوال مدن لعل سہگل سے غلام فرید صابری' پٹھانے خان تک سب ہی اللہ نے بلا لیے...... بالی جٹی اور عالم لوہار کی جوڑی بھلی لگی تو ان کو بھی بلاوا بھیج دیا۔ پھر ایک مولوی قوال اچھا لگا کہ قوالی کے شروع میں باقاعدہ تلاوت کرتا اور اُردو' انگریزی' فارسی' عربی' ہندی میں دھمال کر پیش کرتا ہے' اسے بھی فائرنگ کے ذریعے واپس بلا لیا...... بدر میاں داد سے جی لگا اس کی بھی چھٹی کر دی۔ اب عابدہ پروین کو پسندیدگی اور چوری چوری سنتا ہوں کہ کہیں اللہ کو پتا نہ چل جائے...... اللہ ان کو میری پسندیدہ گلوکار ہونے سے محفوظ رکھے۔ نسیم بیگم' زاہدہ پروین' نور جہاں' اقبال بانو غریبیاں بھی میری پسندیدہ ہونے کی سزا سے نہ بچ سکیں...... اس لیے مَیں اُستاد فتح علی خان' اُستاد رئیس احمد خان' اُستاد نذر خانصاب' اُستاد حامد علی خان' فریدہ خانم سے بدکا رہتا ہوں۔ مالک ان کا سایۂ موسیقی کے سر پہ سلامت رکھے۔ لتا جی کے بارے میں کہتا ہے وہ مائی راگ وِدیا کے گلے میں پڑا ہوا منگل سوتر ہے۔

مَیں نے جی کڑا کر کے ایک بار پوچھ لیا۔

''یاشیخ! کعبہ ترے آگے' کلیسا تیرے پیچھے...... یورپ تیرے اُوپر' افریقہ تیرے نیچے...... یہ کیمیا گری مجھے بھی سکھا دو...... یہ کرارے کرارے نوٹ کہاں سے آتے ہیں؟ چِٹا سفید بٹ ہونے کے باوجود مجھے کوئی گوجرانوالہ گھسنے نہیں دیتا اور تم کالے کرتوتے جہاں بھر میں دندناتے پھرتے ہو' کوئی یہ تک پوچھنے والا نہیں' بابا خانہ خراب! منہ کتنے دانت ہیں......؟''

ظالم اک گھمبیری سنجیدگی سے بولا۔

''جب تم منبع نور و ثبات کے رُوبرو اپنی نفی کی سیاہ چادر اوڑھ لو گے تو یہ دُنیا اک کتے کی مانند ترے پیروں میں لوٹے گی۔ ازل یا اَبد' فرش تا عرش ساری مسافتیں اڑھائی قدم پہ ہوں گی۔ جہاں بھر کی راحتیں' سہولتیں' دولتیں تمہارے دَر کی لونڈیاں بن جائیں گی۔''

ہمیشہ کی طرح کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھ لیا۔

''یہ اپنی نفی کی چادر کیسے اوڑھی جاتی ہے......؟''

Scanned with CamScanner

"یہ جاننے سمجھنے کے لیے تمہیں کسی مُنی مُنچھ کو ماننا ہوگا...... کیونکہ مانے بن مو بن نہیں مانتا......!"

"اس دور میں مُنی مُنچھ کہاں......؟"

اُس نے میرے دل کی جگہ سینے پہ اُنگلی چبھوتے ہوئے کہا۔

"یہاں......!"

بیان کر چکا ہوں کہ وہ سرتا پا سفر ہی سفر ہے۔ سفر شرط ہے "مسافر نواز بہتیرے" کے مقولے پہ سو فیصد ایمان رکھتا ہے۔ میرے ایک سوال کے جواب میں کہا۔

"کم علم اور بے عقل لوگ سمجھتے ہیں کہ سفر بلا مقصد پیدل چلنے سڑکیں ناپنے کا نام ہے جہاز گاڑی بس ویگن رکشہ پہ دھرنا دینے کا کام ہے۔ یہ تو محض کسی مقصد کی خاطر یا پاؤں پیر کھولنے کی ورزش ہوتی ہے۔ غرض مجبوری کا سفر حاجت ہے عبادت نہیں۔ نہ ہی روشنی ہوا خوشبو اور بارشوں بادلوں کی مانند کسی فطری روحانی مقصد سے عبارت ہے۔ جھومتے بادلوں مہار گنگناتی بارشوں پاگل خوشبوؤں مست ہواؤں اور تنویر بیز کرنوں کی کوئی راہ یا منزل نہیں ہوتی۔ اسی طرح خیالوں سوچوں یادوں جذبوں نغموں کی بھی کوئی حدیں سرحدیں نہیں ہوتیں۔"

خلاؤں میں گھورتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

"میں محض ارض کی مسافتوں کا ہی نہیں آفاق و افلاک کی رفعتوں کا بھی راہی ہوں۔ اگر نہیں جانتے ہو تو یہ دنیا کائنات کون و مکاں زمن و زماں سب مسافتیں ہی تو ہیں۔ کائنات کی ہر موجودات حرکت و تغیر پذیر ہے اسی طرح انسان کے ظاہر و باطن کا پورا نظام بھی حرکت کی برکت سے بحال ہے معمولی تعطل کا نام عارضہ اور مکمل معذوری کا مطلب موت! جو بذاتِ خود ایک تعینی تعطل ہے۔"

میں نے اس کی فلسفیانہ گفتگو کے آگے سپر ڈالتے ہوئے کہہ دیا۔

"میں تو کچھ بھی نہیں سمجھا......؟"

ڈانٹ پڑی ...... "تمہارے کچھ سمجھنے یا نا سمجھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم بدقسمتی سے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہو جو سرِ راہ گڑے ہوئے پتھروں کی طرح ہوتے ہیں کہ آنے جانے والوں کی ٹھوکریں ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں اور جو ٹھوکریں کھا کر بھی خفا نہ ہوا وہ ٹھوکر نیاز بیگ تک کیونکہ پہنچے گا! سنگِ خارا سنگِ خرطاس خام ہے؟

پتھروں کے ذکر سے یاد آیا...... اسے قیمتی حجرات سے لگا تجھ داد دیکھ کر لگتا ہے کہ حجرات سے اسے کوئی خاص روحانی لگاؤ رغبت ہے۔ اکثر یوں ہوا میں اس کی مالاؤں اور انگوٹھیوں کے مشاہدے میں مگن ہوں۔

Scanned with CamScanner

معابوں لگا دو نگینے دانے منکے مجھے گھور رہے ہیں۔ کچھ بات کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کے باطن سے کچھ گنڈ نہ سے نقوش اُبھر کر سامنے آ جاتے ہیں اپنی کسی جناتی زبان میں کچھ کہنے کی جستجو میں ہیں۔ وہ مجھے اس طرف متوجہ پا کر انہیں ڈھانپتے ہوئے کہتا ہے۔

''جلوہ دیکھنے نظارہ کرنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں ...... یہ باریک بات موسیٰ کی سمجھ میں بہت بعد آئی۔''

ایک فہم پرور شعر سنایا۔

اے دیکھنے والے اس درجہ گستاخ نہ بن بے باک نہ ہو
اس طرح لطافت جلووں کی مجروح نظر ہو جاتی ہے

حجرات کی جانب میری اس طرح بے باکی سے گھورنا اسے ناگوار گزرا تھا۔

دل گرفتگی کی کیفیت میں کہنے لگا۔

''میرے ان زیورات میں کیسے کیسے شرمیلے حیادار معصوم اور کس بزرگی مقام و اکرام کے جواہرات شامل ہیں۔ ان کے تشرفات متصرفات اور متفرات تم پہ منکشف ہو جائیں تو اک بہت عرصہ عالم ششدری سے باہر نہ نکلو ...... جمال و جلال کی کمال کیفیات کے حامل یہ جواہر پارے بنیادی طور پہ حجرات بحروبر کو دو دو من ہی ہیں لیکن انہیں جواہریت کا شرف صبر سختی اور کڑی آزمائشوں لمبے زمانے بسر کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

قدرت نے مچھلیوں کی طرح انہیں بھی ہمہ اقسام و اشکال خوبیاں خوبصورتیاں اور رنگ و روپ دیئے۔ اعلیٰ ترین کیمیائی شفائی اور سعد اثرات کا حامل بنایا ...... جس طرح مچھلیوں میں چند اقسام منفی اثرات لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ اسی طرح حجرات میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا اگر اتارنہ کیا جائے تو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں سو ان کا راس آنا ضروری ہوتا ہے۔''

مختلف مواقع پہ ان قیمتی پتھروں کے بارے میں عجیب و غریب انکشاف کئے جو کبھی سُنے نہ پڑھے ......

کہتا ہے ان میں نر اور مادہ بھی ہوتے ہیں صحت منداور بیمار و آزردہ خوش فکرے اور متین و سنجیدہ بھی ...... یہ مر بھی جاتے ہیں اور اک لمبی زندگی بھی لیتے ہیں۔ مرنے سے مراد وہ اپنے خواص و خصائل سے تہی ہو جاتے ہیں۔ جیسے چندن کاٹھ پڑے پڑے اک مدت کے بعد اپنی خوشبو سے اتر کر محض چیڑ چوب بن کر رہ جاتا ہے۔ کچھ حجرات اپنے اگلے نئے جنم میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔

کہتا ہے جنات بادشاہ فقیر فقیہہ وقت اور کوتوال شہر کی طرح ان جواہرات کی دوستی اچھی نہ دشمنی! دونوں حالتوں میں جان و آبرو کا ڈھڑکا لگا رہتا ہے۔ پالتو اونٹ مٹھئے طوطے شیر شیں سانپ کی طرح

Scanned with CamScanner

ان کی فطرت و جبلت کے منفی پہلوؤں پہ نظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ آنکھوں دیکھا ایک واقعہ سنایا۔

میں ایک گھنے جنگل سے گزر رہا تھا۔ اچانک بدبو نے میرے قدم روک دیئے۔ دیکھا! بائیں جانب جھاڑیوں میں کسی متعفن مردے کی باقیات پڑی ہیں۔ کیڑے مکوڑے مکھیوں نے اس پہ یلغار کی ہوئی ہے۔ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر کچھ سوچتے ہوئے اس کے قریب پہنچا۔ غور سے دیکھنے پہ معلوم ہوا کہ اس کے سر کے بہت سے حصے جنگلی جانوروں کی غذا بن چکے ہیں۔ ٹانگیں، بازو، پیٹ کا صفایا ہو چکا تھا۔ باقی ماندہ میں سر، گردن، سینے کا پنجر، ہڈیاں وغیرہ پڑی تھیں۔ قیاس تھا کہ یہ واقعہ پچھلی رات، کسی پہر ہوا...... ورنہ اب تک اس کی نعش کا نشان بھی نہ ملتا۔ بدبو، مکھیوں کیڑوں کے اس انبوہ اور کریہہ المنظر نعش کے قریب ٹھہرنا کچھ ایسا بھی آسان نہ تھا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی میری متجسسانہ طبع نے مجھے یہاں مزید رکنے پہ مجبور کر دیا۔ خود رو گھنی جھاڑیاں، مزید آگے بڑھنے میں مزاحم تھیں تاہم میں اپنے عصاء سے کچھ راہ بناتا ہوا چند قدم آگے بڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ لمبی لمبی جٹاؤں والا سر میری نظروں کے سامنے تھا...... گردن سینے کے پنجر کے ساتھ ہنوز جڑی ہوئی تھی۔ یہیں مجھے موٹے موٹے منکوں والی دو مالائیں بھی دکھائی دیں۔ جن میں بڑے بڑے کہربا، ابری اور زبرجد کے منکے صاف نظر آ رہے تھے۔ میرا تجسس مجھے اک دو قدم مزید آگے لے گیا۔ عصاء کی نوک سے جھاڑیوں کو مزید ہٹایا تو مکھیوں مچھروں نے مجھ پہ ہلا بول دیا۔ درویش فقیر کے ہاں 'آڑ'، اوٹ کی کیا کمی؟ جھٹ دلق سے ہاتھ منہ ڈھک لیے۔"

کالا اشیاء رنگ بھی خوب ہوتا ہے "شرِ شیاطین، بلیات، نحوست نزدیک قریب تک نہیں پھٹکتے...... انسان کو ضرر پہنچانے والی ہر شئے پناہ مانگتے ہوئے کہیں نا بود ہو جاتی ہے۔ حسد رشک بدنظری کا حتمی توڑ...... کالا رنگ پہننے والے کے تو دشمنوں کا بھی منہ کالا ہوتا ہے...... ہر محکمہ میں کالی بھیڑوں کا وجود بھی شاید اسی لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ محکمہ بدخواہوں کی بدنظری سے بچا رہے۔ معصوم خوبصورت اکلوتوں کی مائیں بھی ان کے چہرے پہ توے کی کالک کا ٹیکا لگا کر انہیں اپنی جانب بدنظری سے تحفظ دے دیتی ہیں۔ نئی گاڑی بس کار کے پیچھے کالے کپڑے کا ٹکڑا باندھنے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔ یہ توہم پرستی نہیں اس رنگ کا چمتکار ہے۔

اس بوڑھے کی عادت ہے اچھا بھلا پٹڑی پہ پڑا ہوا اچانک اُتر جاتا ہے۔ پھر خبر ہی نہیں رہتی کہ رواں بات اب کس نئی سمت کی طرف مڑ گئی ہے؟ میں نے جرأت کر کے ٹوک دیا۔

"تم جنگل میں پڑے کسی بدنصیب کے ادھ کھائے مردے کی بات کر رہے تھے یہ کالے رنگ کا منگل سوتر بیچ میں کہاں سے آ ٹپکا......؟"

چونکہ میری بات درست تھی اس لیے محض قہرناکی سے کام لیتے ہوئے واپس تحرے پہ آ گیا۔

Scanned with CamScanner

''ہاں' بتا رہا تھا چادر سے منہ ماتھا ڈھانپ کر ایک خنجری سے نعش کی باقیات دیکھنے لگا۔ گلے کی مالائیں تو پہلے ہی نظر آ چکی تھیں۔ اب میں عصا کی مدد سے جھاڑیوں کو کریدنے لگا۔ اسی دوران ایک کاسۂ جھولا' پاؤں کی کھڑاویں اور سادھی جمانے کا ترشول' جس پہ سادھو سنت' بازو نکائے مالا کی سمرن کرتے ہیں' بھی مل گئے۔ بظاہر یہ کوئی بدنصیب سادھو سنیاسی تھا جو سنیاس لے کر جنگلوں پہاڑوں میں جیون اَنت کر دیتے ہیں۔ یہ عقدہ ابھی حل طلب تھا کہ اس کے دیہانت کا کارن کیا ہے۔ میں پاگل بیوقوف' اپنا چینڈا اکھونا کر کے اس تفتیش میں لگ گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھتے کھوجتے مجھے ہاتھوں کی ہڈیوں میں تین چار انگوٹھیوں اور کلائی کا آہنی کڑا بھی مل گیا۔ کڑا انگوٹھیوں اور مالائیں وہاں سے اُٹھائیں' قریب ہی پانی کی ایک ڈاب تھی۔ دھو صاف کر کے اپنے جھولے میں رکھ لیں۔

رات گئے اپنے ڈیرے پہ پہنچا۔ وہی تینوں پتھروں والا پوٹلا چھجے کی کھپریل میں اڑوسا اور کچھ آرام کی غرض سے چٹائی پہ لیٹ گیا۔

تین پہر رات بیت چکی فضا میں اُمس گھٹن اور پیلا چاند گہرے بادلوں کی اوٹ میں کہیں ڈبکا ہوا...... اچانک کسی نہ سمجھ میں آنے والی وجہ سے میری آنکھ اُچٹ گئی۔ ناگواری بُو نتھنوں میں گھسی پڑی تھی۔ فوراً وہی جنگل میں مُردے والی بدبو یاد آ گئی۔ اُٹھ بیٹھا' اردگرد اک مہیب تاریکی اور نحوست سی چھائی ہوئی...... وہ ایک استغنائی سی بے نیازی اور یک گونہ طمانیت جو میری بے مایہ ذات کا حصہ ٹھہری...... اُکھڑی ہوئی تھی۔ من بے کل' موج اُچٹ...... میں توجہ سے اس کا کارن سمجھنے کی کوشش میں اپنے پاؤں کھڑا ہو گیا...... دیا روشن کیا' آلے دوالے نظر دوڑائی' فقیر کی کٹی میں تھا ہی کیا جس میں دھیان اُلجھتا؟...... مٹی کی مٹکی' دیا اور دھواں کھپریل کا بستر' تھونتوں کا اُستر...... خس وخاشاک' لوٹا اور مسواک...... اِک عصا دُوجا کاسہ......!

بدبو کے منبع کی کھوج میں میں نے اپنی حسِ شامہ کو مہمیز لگائی...... تین قدم پہ چھپر کی کھپریل سے لگی ہوئی سیاہ کپڑے کی پوٹلی میرے روبرو تھی...... اس بدبُو اور نحوست کے کارن وہ پوٹلی اور اس کے اندر مرے ہوئے حجر تھے...... عام لوگ سمجھتے ہیں کہ پتھر چاہے پہاڑ میں ہو' سڑک پہ' کسی چکّی' مورتی' بت' چبوترے...... سنگِ میل کی صورت یا قیمتی جواہرات کی شکل...... اَدنیٰ اعلیٰ سب سنگ یا سنگریزے ہی ہوتے ہیں جو سخت' انتہائی سخت بھی ہوتے ہیں اور برسوں کے ٹوں رہنے والے بھی...... ان کا شمار مخلوق مطلق ساقطعی میں ہوتا ہے۔ انہیں طبقِ ارض کا توازن قائم رکھنے کے لیے پیدا کیا گیا۔ ان کی کئی نسوذیاں' سعد و نحس' زندگی یا موت کا حامل سمجھنا جہالت وتواہمت ہے۔ نر مادہ' زندہ یا مردہ کا تصور بھی فضول ہے۔ ان کی اہمیت' قدر و قیمت وغیرہ ان کی شفافیت' رنگ و حجم کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر عوام الناس کی مندرجہ بالا اکثر معلومات حقائق پہ مبنی نہیں۔ حقیقت

Scanned with CamScanner

یہ ہے کہ حجرات' اللہ سبحانہ تعالیٰ کی اِک قابلِ توصیف مخلوق ہیں۔ تمام آسمانی صحائف میں ان کا ذکر آیا۔ پیغمبروں' نبیوں' رسولوں اور دیگر بزرگوں کا حجرات سے رجوع و رغبت ثابت ہے۔ تمام مذاہب میں ان کی مقدس روحانی اہمیت مسلمہ ہے۔

قیمتی مقدس حجرات' مچھلیاں' پرندے' شہد' کھجور' زیتون' کلونجی' دودھ وغیرہ اللہ تعالیٰ کو بہت مرغوب ہیں۔ کتابِ مقدس میں ان کا ذکر بڑے اہتمام سے ہوا۔ نبی کریم صلعم نے ان سے رغبت فرمائی' انگوٹھی میں جڑوا کر پہنا۔ اسی طرح آلِ رسولؐ میں بھی انہیں باہتمام پہنا گیا۔ انسانوں کے علاوہ دوسری کئی مخلوقات بھی خصوصاً حجرات کی افادیت' روحانیت اور شفائی اثرات سے واقف ہیں اور ان سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔"

پرندوں کے گھونسلوں سے قیمتی جواہر ریزوں کا پایا جانا بھی کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ مچھلیوں' مرغیوں' تیتروں' سرخابوں کے پوٹوں کے علاوہ' خرگوشوں' سانپوں' چوہوں کے بلوں سے بھی کبھی کبھی دریافت ہو جاتے ہیں۔"

ایک زمانہ ہوگزرا مجھے اپنے باغیچے کے لیے کسی دوشاخہ سوکھے درخت کی ضرورت پیش آئی۔ جسے مَیں باغیچے کے ایک کونے میں گاڑ کر اس کی شاخوں سے مٹی کی ہانڈیاں لٹکانا چاہتا تھا۔ مقصد' چڑیوں قمریوں' بلبلوں کے دانہ پانی کا اِنتظام کرنا تھا۔ اِدھر اُدھر کے لکڑی کے ٹالوں پہ دیکھا بھالا مگر میرے مطلب کی کوئی چیز نہ ملی۔ میرا ایک بچہ ایمن آباد کا رہنے والا تھا جب اُسے میری ضرورت کی خبر ملی تو وہ مجھے ایک روز اپنے گاؤں لے گیا۔ جی ٹی روڈ سے اُتر کر ہم ایک ذیلی سڑک پہ آ نکلے۔ اس کے گاؤں سے کچھ پہلے دائیں جانب ایک کھلے میدان میں لکڑیوں کا ایک بڑا گودام دکھائی دیا۔ ہر طرح کے چھوٹے بڑے سوکھے کٹے درختوں کے انبار لگے دکھائی دیے۔ وہاں پہنچے تو میری توقع کے عین مطابق اس کا مالک پٹھان نکلا اور میری قسمت کہ وہ کٹر وہابی تھا۔ وہابی یا سُنی' شیعہ یا دیوبندی! یہ سب کے ذاتی مسئلے ہیں۔ میرا حال حلیہ کالا لباس' انگوٹھیاں منکے' ڈنڈا کاسہ اور لمبی دراز زلفیں دیکھتے ہی اُس نے منہ چڑھالیا۔ منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا دوسری جانب نکل گیا۔

مذہب مسلک اپنا اپنا مگر اِنسانیت تو سب کی سانجھی ہوتی ہے' تجھے میرے مسلک سے کیا لینا دینا۔ تو سوکھے کاٹھ کا بیوپاری...... جو جلانے کے کام آتی ہے۔ لکڑی جلے گی تو گرمی پیدا کرے گی۔ چولہا گرم ہوگا' بھٹیاں اور آوے تنور جلیں گے' روٹی پکے گی۔ اللہ کی مخلوق کو آسانیاں فراہم ہوں گی۔ تُو کس کس سے اس کا مسلک پوچھتا پھرے گا؟ اُس بیوقوف کے اس غیر انسانی رویے سے بہت دُکھ پہنچا۔ مَیں نے بھنا کر اپنے بچے سے قدرے خفگی سے پوچھا......؟

"یار! اِس بھلے پٹھان کو کیا ہوا؟ کہیں اِس کی تم سے کوئی کد نہیں؟ مَیں تو اِدھر پہلی بار آیا ہوں۔"

Scanned with CamScanner

اُس نے ہنس کر جواب دیا۔

''یہ بدمغز امشہور ہے ملنگوں بھک منگوں سے خدا واسطے کا بیر رکھتا ہے۔ یہ تو ادھر کسی کالے کوّے کُتّے کو بھی پھٹکنے نہیں دیتا کہ یہ کالے منحوس پلید ہیں اور آپ تو سراپا ہی سیاہ ہیں۔''

مَیں نے غصے سے جواب دیا۔

''بھائی! مَیں ادھر تبلیغ کرنے نہیں آیا' لکڑی دیکھنے آیا ہوں۔ اس کو کیا کہ غرض مَیں نے کیا پہنا ہے' میرے کپڑوں کا رنگ کیا ہے؟''

''یہ آپ کہہ رہے ہیں...... ہاں! وہ وہابیوں کے علاوہ سب کو بدعتی سمجھتا ہے۔ اس کے ہاں وہابیوں اور سُنیوں کا ریٹ الگ الگ ہے۔ ہمارے گاؤں کے کئی لوگ محض اس سے سستی لکڑی لینے کی غرض سے وہابی بن گئے ہیں۔ اس کے ہاں شلوار کے پائینچے اُوپر کر لیتے ہیں' واپسی پر پھر نیچے......!''

انہی باتوں میں ہم گودام تک پہنچ آئے۔ دو چار پٹھان لکڑیاں کاٹ چھانٹ رہے تھے اور مَیں اِدھر اُدھر اپنے مطلب کی لکڑی کے لیے نظر دوڑانے لگا۔ ایک طرف مسجد کے طور ایک تختہ بنا ہوا تھا۔ اس کے قریب پڑے بڑے بڑے سُوکھے ٹُنڈ مُنڈ سے درخت پڑے ہوئے تھے۔ اندر سے آواز اُبھری' گو ہر مراد یہیں سے ملے گا۔''

مَیں اُدھر بڑھ آیا۔ دیکھتے دیکھتے ایک پرانے سوکھے درخت کے ایک کٹے ہوئے حصے پہ نظر پڑی۔ عین میری مرضی مطلب کے مطابق...... مَیں نے قریب پہنچ کر ہر رُخ سے دیکھا' دوشاخ کے ساتھ نکلے ہوئے ٹھونٹھ...... نیچے تنے کی گرہیں...... دوشاخ کی جڑ کے پاس چھوٹا سا سوراخ...... جیسے کوئی جنگلی پرندے کا گھونسلہ رہا ہو۔ دیکھتے ہی پہلا خیال جو میرے دل میں آیا وہ یہی تھا کہ مَیں اِسے ہر قیمت پہ حاصل کر کے رہوں گا۔''

اذان کی آواز اُبھری...... پلٹ کر دیکھا تو وہی پٹھان...... اللہ کی بڑائی بیان کرتے ہوئے فلاح اور نجات کی جانب آنے کی دعوت دے رہا تھا۔

پشتو نما عربی میں اذان کی ایک اپنی ہی کیفیت تھی...... اسی لمحہ یہ خیال بھی آیا کہ اللہ اور فلاح کی جانب دعوت دینے والا خود اللہ کے بندوں سے دُور رہتا ہے اور فلاح کی بجائے فساد و فتور کو ہوا دیتا ہے؟

تکبیر سے پہلے وضو تازہ کر کے ہم دونوں دو نمبر مسلمان امام کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔ ہمارے دائیں بائیں صرف دو اور نمازی تھے۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ حضرتِ امام وہی پٹھان تھا اور دوسرے وہی مزدور جو لکڑیاں چیر پھاڑ رہے تھے۔ ہم دونوں چونکہ پہلے پہنچے تھے اس لیے عین امام کے پیچھے تھے۔ تکبیر بھی

Scanned with CamScanner

مجھے ہی کہنا تھی۔ امام نے مڑ کر پیچھے قہر بار نظروں سے دیکھا اور بادل نخواستہ تکبیر کے لیے کہا۔ تکبیر کے اختتام پر اُس نے مڑ کر پیچھے دیکھتے ہوئے تحکمیہ انداز میں کہا۔

''سر سے چادر اُتار کر ٹوپی پہنو......!''

مَیں ہکا بکا کہ اس وقت مَیں ٹوپی کہاں سے لاؤں اور کیا ٹوپی ہی نماز کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے...... کسی چادر وغیرہ سے سر ڈھانپا نہیں جا سکتا؟...... مَیں ابھی اسی مخمصے میں مبتلا تھا کہ پھر درشتگی سے حکم ملا۔

''اگر ٹوپی سے سر نہیں ڈھانپ سکتے تو پھر میرے پیچھے کھڑے نہ ہو۔ اوئے اکبر خانا! تم اِدھر آ جاؤ۔''

دوبارہ تکبیر ہوئی اور نماز تمام ہوئی۔ یہیں میری معلومات میں اضافہ ہوا کہ صحیح نماز پڑھنے کے لیے سر پر چادر کی بجائے ٹوپی اور سنّی کی بجائے وہابی ہونا کتنا ضروری ہے۔ مَیں اس پٹھان کو بتانا چاہتا تھا کہ مَیں خود بھی اصلی پٹھان ہوں اور وہابیوں کے ہاں پیدا ہُوا تھا اور اَب بھی مَیں ایک حصہ وہابی' دوسرا حصہ سنّی' تیسرا حصہ دیوبندی اور چوتھا حصہ شیعہ ہوں...... اچھی اچھی باتیں مَیں نے سب مسلکوں سے چُن لی ہیں اور ناپسندیدہ' نہ سمجھ میں آنے والی بالائے طاق رکھ دی ہیں۔ اسی طرح مجھے خالی خولی دال ماش' محض سبزی و ترکاری' صرف دھان جَو یا فقط گوشت گاؤ دُم کی بجائے حلیم یا کھچڑا پسند ہے کہ اعتدال توازن باہمی میل ملاپ' چاروں ذائقوں اور فائدوں کا ایک حسین امتزاج قائم رہتا ہے۔''

مسجدیں' مندر' گرجے یا گوردوارے سب ہی پریم اور پریتم دوارے ہیں۔ بھیڑیں بکریاں' کالی ہوں یا چِتّی' ان کا گڈریا اور چارا باڑا ایک ہی ہوتا ہے۔ ہم تو مسلکوں کے نام پہ گواچی ہوئی بھیڑ بکریاں بن گئے ہیں' جو ایک دوجے کو ٹکریں مار مار کر لہولہان کر رہے ہیں۔''

اندازہ فرمائیں کہ یہ بوڑھا بھٹکتے بھٹکتے اور بکتے بکتے کدھر سے کدھر نکل گیا' گواچی ہوئی بھیڑ کا یہی حال ہوتا ہے۔ بات کر رہا تھا وہ سوکھی لکڑی کی جس کی تلاش میں اِدھر پہنچا تھا۔''

شومئی قسمت کہ ٹاکرا گودام کے مالک خان صاحب سے ٹک گیا۔ وہ اپنی طبیعت کا ہاتھ ہولا رکھے ہوئے تھا کہ اپنا مطلب نکالنا تھا...... نماز کے بعد اُس نے بڑے خشوع و خضوع سے خان صاحب سے معانقہ اور مصافحہ کیا کہ کسی طرح ان کے دل کی کدورت دُور اور ضرورت قریب ہو۔ چہرے پہ کمال درجہ کی منافقانہ مسکراہٹ سجا کر اُس نے اُن کے حال احوال پوچھے پھر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے عرض کی۔

''مجھے اپنے باغیچہ نما صحن میں پرندوں کے چوگے کی ہانڈیاں لٹکانے کے لیے دوشاخہ سوکھا ہوا ٹہن چاہیے۔ مسجد کے پاس ہی ایک لکڑی دیکھی ہے۔''

اُس نے میری بکواس کو سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے پوچھا۔

''تم نے یہ سیاہ لباس پہ منکے و نگے کیوں پہن رکھے ہیں۔تم جانتا ہے یہ جہنمیوں کے رنگ والا لباس ہے...... یہ منکے پتھر شداد' نمرود اور کافر جوگی لوگ پہنتے ہیں۔تم کیسا مسلمان ہے؟ نماز بھی پڑھتا ہے اور پرندوں کو دانہ بھی ڈالتا ہے۔مَیں تم کو یہ لکڑی وکڑی نہیں دے گا...... تم ادھر سے جاؤ......!''

وہ مجھے ہکا بکا کر کے جانے لگا تو مَیں نے مزید عاجزی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''خان صاحب! اگر تمہارے پاس کوئی عیسائی یا ہندو لکڑی لینے آ جائے تو تم اُسے نہیں دو گے؟''

وہ بڑبڑاتے ہوئے بولا۔

''اُس کو ضرور دوں گا...... مگر تم کو نہیں' اِتنا لمبا سفید داڑھی کا کچھ شرم کرو...... تم یہ منکے اور کالا لباس اُتار کر آ جاؤ...... یہ لکڑی فری لے جاؤ......!''

یہ کہہ کر وہ چلا گیا...... اور کچھ لمحوں کے بعد ہم دونوں بھی وہاں سے اُٹھ آئے...... لیکن اَب ہمارا رُخ لاہور کی جانب نہیں تھا۔

رات مَیں نے اپنے بچے کے اصرار پر اُس کے گھر گزاری۔لکڑی والے خان کی ایک وجہ کے علاوہ اس بچے کے بزرگوں اور چند دیگر گاؤں کے لوگوں کا بے پناہ اصرار بھی تھا۔دوسرے روز ظہر سے پہلے ہم دونوں دوبارہ خان صاحب کے گودام میں موجود تھے۔خان صاحب نے ہمیں گرما گرم چائے پلائی اور حسب وعدہ وہ پوری کی پوری لکڑی جس کا وزن اڑھائی من کے قریب تھا ہمیں دے دی۔ارشاد فرمایا۔

''تم اب مسلمان بلکہ مومن دِکھائی دے رہے ہو۔''

سمجھ نہ آیا کہ بہت سے لوگ کسی کا کالا لباس دیکھ کر اُسے مومن سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ کسی کا سفید براق پہناوا دیکھ کر اُسے مومن کہتے ہیں۔شاید دونوں ہی اپنی اپنی جگہ دُرست ہوں گے۔مَیں ہی غلط کہ آدھا سیاہ اور آدھا سفید کیوں نہیں پہنتا تھا......؟

چائے پی کر ہم نے لکڑی وہاں سے نکلوا وزن کرانا چاہا تو خان بُری طرح بدک گیا کہ حسب وعدہ اس کی قیمت نہیں لے گا۔مَیں نے ایک دو مثالیں دے کر اُنھیں کاروبار اور تعلقات میں اعتدال رکھنے کے چند اصول بتائے اور بڑی مشکلوں سے قیمت اُس کی جیب میں ڈالی۔ٹرک کے ذریعے لاہور پہنچانے کا بندوبست کر کے مَیں نے اجازت طلب کی۔خان صاحب نے اپنے روپے کی ہلکی سی معذرت چاہی پھر ایک مکمل رسید تھماتے ہوئے کہا۔راستے میں محصول چنگی والے تنگ کرتے ہیں۔

واپس بچے کے گاؤں پہنچا۔کپڑے تبدیل کیے' سیاہ لباس' منکے' انگوٹھیاں' ڈنڈا کاسہ...... سب کچھ وہی پہلا حال حلیہ۔لاہور جانے کے لیے جب مَیں اُس کے گودام کے قریب پہنچا تو ایک منی ٹرک میں لکڑی لوڈ

Scanned with CamScanner

کیے گودام کے باہر سڑک کنارے کھڑا تھا۔ پاس خان بھی موجود۔ میرا پہلے والا حلیہ دوبارہ دیکھا تو اُن کے چہرے پہ کئی رنگ اُبھرے ڈوبے۔ بادلِ نخواستہ بولے۔

"تم...... تم نے پھر کا فروں والا کالا لباس' منگے پہن لیا۔"

میں گاڑی سے باہر آیا...... آہستہ سے کہا۔

"خان صاحب! سب رنگ اُس کے ہیں' وہ جیسے چاہے جسے رنگ دے۔ ایک حقیقت شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے کہ اصل رنگ کالا ہی ہے۔ باقی سارے سورج کی آڑھی ترچھی شعاعوں کے عکس تماشے......!"

وقت ہو گزرا...... ہر عمل' فیصلے' انجام جزا و سزا کا ایک معینہ وقت ہے۔ کسی کی شادی بچپن میں ہی عمل میں آ جاتی ہے اور داڑھی نکلنے تک وہ دو بچوں کا باپ بن چکا ہوتا ہے اور ایسے ہی کوئی بوڑھا ہونے کو آتا ہے مگر بیاہ نہیں ہو پاتا۔ مقدمات کے اچھے بُرے فیصلے ہو جاتے ہیں مگر ان پہ عمل کسی اپنے وقت پہ ہی ہوتا ہے۔ سرکاری دفتروں میں ترقی کے آرڈر نکل چکے ہوتے ہیں مگر عملی طور پر گاڑی پھنسی رہتی ہے۔ منگنی ہو چکی ہوتی ہے لیکن لڑکی کی تعلیم ہی ختم نہیں ہوتی' ہو جاتی ہے تو لڑکی کے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ پھانسی کا آرڈر ہو گیا ہوتا ہے مگر کچھ قانونی تقاضے یوں دراز ہو جاتے ہیں کہ قیدی چکّی میں سڑتا رہتا ہے بالآخر سات سال بعد ہارٹ اٹیک سے اپنی منزل پہ پہنچتا ہے۔

● علم و حکمت کا جنہیں شوق ہو آئیں نہ اِدھر......!

اِک لمبا عرصہ اندر باہر کی کھے خواری میں مبتلا' ملکوں ملکوں گھومتا رہا۔ چھوٹے سے وقفہ کے لیے گھر آیا بھی تو اِدھر اُدھر کے توجہ طلب کاموں میں مصروف رہا' پھر وہی چکّر...... یہ مُنڈ منڈ سوکھا سڑا دوشاخہ ٹُنڈ ذہن ذہین باغیچے کے ایک کونے میں پڑا اُجل ہوتا رہتا کہ تلاش اور لانے میں تو بڑی عُجلت دکھائی تھی۔ اب گھر لا کر کبھی حال تک نہیں پوچھا...... دیمک چاٹ رہی ہے یا چیونٹیوں نے میرے کھوکھلے تنے میں ڈیرے بنا رکھے ہیں؟

موسم اور طبیعت کی نارسائی نے مجھے کچھ دنوں سے گھر میں محصور کر رکھا تھا۔ دھوپ میں ہلکی سی تمازت محسوس ہوئی تو میں چہل قدمی کی غرض سے باغیچے میں نکل آیا۔ ٹہلتے ٹہلتے اس خشک درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا۔ چیونٹیوں نے دوشاخ کی جڑ کے باہر بھُر بھُرے برادے کا ڈھیر لگا رکھا ہے۔ یہاں ایک بڑا سا سوراخ تھا یقیناً کسی طوطا مینا کا گھونسلہ ہوگا۔ انڈوں کے چھلکے بھرے پیلے پر بھی دکھائی دیئے۔ جھک کر قریب سے دیکھا تو درخت خاصا کھایا جا چکا تھا۔ لگتا تھا کسی شوگر یا ٹی بی کے مریض کی مانند اندر کھوکھلا ہو چکا ہے۔

Scanned with CamScanner

افسوس ہوا کہ اتنے جتنوں اور شوق سے اسے تلاش کر کے لایا تھا کہ باغیچے کے کونے میں کھڑا کریں گے۔ دوشاخے سے مٹی کی ہانڈیاں باندھیں گے ...... بلبلیں چڑیاں قمریاں دانہ دنکا چگیں گی پانی پئیں گی۔ ان کی چہچہاہٹ سے خوب رونق لگے گی۔ افسوس کہ میری مصروفیت اور اس کی مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیکار ہو گیا۔ محض کھوکھلا کاٹھ جو جلانے کے کاج کا ہی رہ گیا تھا۔ میں نے اپنی بے توجہی کا سارا غصہ اسی پہ ہی نکالا۔

ایک بچے کو فوراً کلہاڑی آری لانے کا کہا۔ اب کیا تھا دو چار کلہاڑی کی ہلکی سی ضربوں سے یہ سوکھا کاٹھ اُدھڑ پُدھڑ گیا۔ جو دیکھا کھوکھلے تنے سے گھونسلوں کا اچھا خاصا کباڑ خانہ باہر نکل آیا۔ سوکھی گھاس تنکے پتے دھاگے رنگ برنگے پر چھوٹے چھوٹے سفید نیلے خاکستری انڈوں کے چھلکے ...... خشک جھلیں ننھی ننھی ہڈیاں شاید پرندوں کے مردہ بچوں کی تھیں۔ لڑکے لکڑیاں اُٹھا کر لے گئے اور میں ایک گونا دلچسپی سے گھونسلے سے برآمدہ ساز و سامان کا معائنہ کرنے لگا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی جلے ہوئے یا اُجڑے رین بسیرے کی باقیات میں کسی طرح کی کوئی زندہ یا سالم شے تلاش کرنے کی سعی لاحاصل کرے لیکن میرا تجربہ اور مشاہدہ کہتا ہے کہ ایسے معجزات بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں کہ لامحالہ زبان پہ ''سبحان اللہ'' آ جاتا ہے کہ تو جس پہ چاہے نار کو گلزار، قلزم کو شاہراہ بنا دے۔ میں اپنی واکنگ سٹک سے اُجڑے ہوئے آشیانے کی بڑی خبرداری سے پڑتال کر رہا تھا کہ ناگاہ کسی پرندے کے جسم کے نیلے اور خاکستری رنگین پروں کی ایک بھدی سی گوٹ پہ نظر پڑی ...... بنظر غائر وہ ایک اخروٹ سا دکھائی دیتی تھی ...... بیٹوں کی غلاظت سے لتھڑی ہوئی۔

میں نے یونہی اسے چھڑی کی نوک سے علیحدہ کرتے ہوئے کاٹھ کباڑ سے باہر نکال لیا۔ پہلے تو غور کرتا رہا کہ یہ کیا چیز؟ پرندوں کے گھونسلوں میں کسی ٹھوس اور گول چیز کا کیا کام؟ ...... اپنی چونچ پنجوں میں تو وہ کوئی ایسی چیز اُٹھا کر لا نہیں سکتے۔ چھڑی کی نوک اس کے درمیان دھرتے ہوئے ہلکا سا دباؤ پایا تو وہ گوٹ دو قاش ہوگئی اور چار عدد ہلکے سبز مائل زمرد دانے مجھے اکھیاں مار رہے تھے۔ بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہایت احتیاط سے گوٹ سے علیحدہ کیا۔ سبحان اللہ! ایسے شفاف بے داغ ہلکے سبز رنگ ان تراشے زمرد پہلے کہیں کم ہی دیکھے ہوں گے ...... مزید سارے گھونسلے اور درخت کو اچھی طرح دیکھا بھالا مگر وہی گوہر مقصود تھے جو ہاتھ لگے باقی کا ملبہ اُٹھوا دیا۔ اس ساری کتھا کا حاصل دو چند سوال ہیں جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ کیا پرندوں اور چند ایک زمین پہ رینگنے والے جانوروں کے گھونسلوں بلوں بھٹوں میں قیمتی پتھر پائے جا سکتے ہیں؟ ...... اس کا جواب ہاں میں ہے۔ ایسے مروارید قیمتی پتھر مرجان زہر مہرہ ...... پہاڑی کووں سمندری بگلوں مرغابیوں گھڑیالوں سنہری بچھوؤں اور چند ایک مچھلیوں کے معدوں پوٹوں منہ اُگلوں بیٹوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔''

Scanned with CamScanner

● مَیں تیرا چراغ ہوں جلائے جا بجھائے جا......!

قازغستان کے پہاڑوں میں ایک کمیرغ قسم کا کمیاب پرندہ پایا جاتا ہے جسے مقامی لوگ ''سوقافی'' کہتے ہیں۔ انتہائی خوش رنگ' خوبصورت اور چنچل چھبیلا سا پرندہ ہے۔ اس کی آنکھوں کے اُوپر دو سینگ نما بالوں کے گچھے ہوتے ہیں۔ قدرت کی کوئی حکمت کہ اسے کم دکھائی دیتا ہے۔ جُوں ہی سورج' مدّھم ہُوا یہ اندھا ہوگیا۔ اس حالت میں واپس اپنے گھونسلے تک پہنچنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔''

یہ پرندہ پہاڑ کی اُونچائیوں پہ پتھروں کی دراڑوں میں گھونسلہ بنا کر رہتا ہے۔ سورج ڈوبنے سے پہلے اگر واپس اپنے گھونسلے میں نہ پہنچے تو یہ کہیں بھی پڑ کر اگلی صبح کا انتظار کھینچتا ہے لیکن گھونسلے میں اس کی مادہ اس کے انتظار میں پاگل ہو کر تلاش میں نکلتی ہے وہ اس صورت کہ اپنی چونچ میں ''چراغ شب'' پکڑتی ہے۔ چراغ شب' قازغستان کے پُراسرار پہاڑوں کے سنگ پاروں میں پایا جانے والا ایک انتہائی قیمتی اور نایاب گوہردانہ ہے جو لعل بدخشانی کی مانند تاریکی میں ایک نامحسوس سی ضوفشانی پیدا کرتا ہے۔ سوقافی مادہ اسی کی مدد سے اسے تلاش کرتی ہے اور واپس اپنے گھونسلے تک راہنمائی کرتی ہے۔ دن کی روشنی میں وہ چراغ شب' گھونسلے میں دھرا رہتا ہے اور ان کے بچوں کے کھیلنے کے کام آتا ہے۔ یہ چراغ شب ایک طرح کا روبی ہے جو صرف اور صرف وہیں ہوتا ہے اور بیش قیمت ہے۔''

بات بہت آگے سرک گئی۔ بتانا چاہ رہا تھا کہ قیمتی حجرات ضروری نہیں کہ سعد ہی ہوں یا وہ زندہ اور صحت مند ہوں۔ یہ زمرد جو مجھے اس لکڑی کے گھونسلے سے ملے۔ وہ سخت علیل اور پژمردہ تھے۔ ان کی علالت اور ترش روئی نے اس کم عمر' تر و تازہ درخت کو بھی بیمار کر دیا۔ درخت سوکھ کر کٹ گیا اور اُس خان کی تحویل میں پہنچ گیا۔ اس کی نحوست سے خان کا پارہ بھی ہر لمحہ تیز حار رہتا اور وہ اخلاقی طور پر بیمار ہو گیا تھا۔''

ہر شروع کا آخر بھی ہوتا ہے' جیسے ہر کہانی اپنے انجام کو ساتھ لیے ہوئے ہوتی ہے۔ اسی طرح ان اصل اصیل گہردانوں کو اس درخت کے پرندے نے کہیں سے حاصل کر کے اپنے گھونسلے کی زینت بنایا لیکن حجرات کے مزاج کے مطابق انہیں ایسا ماحول نہ ملا جس میں وہ پنپ سکتے' خوش رہتے۔

یہ زمرد دانے ایک خاصے سفر کی صعوبت طے کرنے کے بعد اپنی منزل یعنی مجھ تک پہنچے تھے...... درمیان کے سارے آڑھے ترچھے مَراحل...... میرے اندر' درخت کی خواہش پیدا ہونا' لکڑیوں والے پٹھان سے اُوکھا سُوکھا ہونا...... ایک مدّت درخت کا پڑے رہ کر کھوکھلا ہونا...... یہ سب کچھ کیا تھا؟...... وہ مرحلے جو

Scanned with CamScanner

مقامِ منزل تک رَوا ہوتے ہیں۔ اب آگے کے مرحلے ایک الگ رُوداد کہ مَیں نے کس طرح اِن بیمار زمرّدوانوں کی تفہیم بندی کی۔"

معلوم ہوا کہ جواہرات' عام چُنّو مُنّوں اور سڑکوں پہ پڑنے والے پتھروں کی مانند نہیں ہوتے۔ انسانوں کی مانند یہ بھی اپنی فطرت اور جبلّت رکھتے ہیں۔ یہ بیمار اور مر بھی جاتے ہیں۔ ان کے مرنے پہ اگر انہیں فی الفور دفن یا غرق نہ کر دیا جائے تو جس کے تصرّف میں ہوتے ہیں اسے ہلکان کر دیتے ہیں۔ بیمار یا مرے ہوئے حجر کی شفائی اور کیمیائی مثبت لہریں اپنی سمت تبدیل کر کے منفی اور نحس و نجس اثرات کی جانب رجحان پکڑ لیتی ہیں...... تب خللِ دماغ' ناکامی' بیماری' رُسوائی' بربادی یا ناگہانی موت کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور انجام بہرحال بہتر نہیں ہوتا۔"

بابا مزید اس بابت کہتا ہے۔ حجراتِ خاص' فقیر فقیہوں' شاہوں' حکمت دانوں...... موسیقاروں اور عاملوں' کاملوں کے کام کی چیزیں ہیں کیونکہ یہ ایک دوسرے کی ظاہری باطنی کرامات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ عام روزمرّہ کے لوگ ان کی فروغت و فہامت اور افروزیت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے۔ کمزور آدمی چادر تو اوڑھ سکتا ہے' بھاری کمبل لینے کا متحمل نہیں ہوتا کہ کمبل سے جان چھڑانا مشکل پڑتا ہے۔"

قیمتی حجرات کی دُنیا ہی الگ اور مُنفرد ہوتی ہے۔ ان کا عشق بندے کو بندۂ خدا بنا دیتا ہے۔ مچھلیوں کے بعد یہ سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ انسان کے علاوہ یہ صفت صرف دوسری مخلوقات میں ہے جتنا کسی کو تشرّف و تصرّف ملا وہ اُتنا ہی شکر اور ذکر کرنے والا ہُوا۔

پیغمبروں' نبیوں' رسولوں' صحابہ کرامؓ، اولیاء کرام اور دیگر برگزیدہ بندوں کے ہاتھوں اور ان کے تصرّف میں جو بھی حجرات ہوتے وہ انتہائی مُقدس' قیمتی اور بزرگ ہوتے ہیں۔ اسی طور بڑے بڑے شہنشاہوں' مجاہدوں اور عالموں' کیمیادانوں کے جاہ و جلال' حشمت و تجمّل' مقامات و درجات کی سربلندی میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں...... جیسے کچھ نگاہ کیمیا والے ان کی جستجو میں رہتے ہیں اسی طرح کچھ جود و سخا اور جذب و جزا والے اِن مَن موہنوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو ان کی مَن مُرادوں کا پالن کر سکیں۔

● مَیں تیرا جُنوں تو میرا جُنوں......!

کہتا ہے' انسانوں کے علاوہ جنّات بھی ان حجرات سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ وہ اکثر اپنی بیماریوں اور افسردگیوں کا علاج ان سے کرتے ہیں۔ ان کی دوستی اگر کسی انسان سے ہو یا کسی بھی وجہ سے مہربان ہو

Scanned with CamScanner

جائیں تو اظہارِ یگانگت کے لئے قیمتی جواہر تحفہ دیتے ہیں۔ لعلِ یمنی یا سنگِ سلیمانی...... خدا سمجھے' جھوٹ کہتا ہے یا سچ...... بتایا کہ میرے پاس میرے جنات دوستوں کے دیے ہوئے چند ایک جواہر وانے موجود ہیں۔

یاد آیا' ایک روز اُس کے ہاں بیٹھا بے سروپا کی سُن رہا تھا۔ واضح رہے کہ میں اکثر اُس کے ہاں کھانا پینا کرنے جاتا ہوں۔ اُس کی ''بے فضول'' گپوں کو لذیذ بریانی کھڑے مسالہ کے قورمہ اور لسّی لذت والے رسیلے کبابوں کے صدقہ میں برداشت کر لیتا ہوں۔ کھانا ڈکار کر قہوہ چسک رہا تھا کہ ایک قدآور وجیہہ نوجوان' ملاقات کے لیے آیا۔ بابا نے بڑی تُرش روئی سے اُسے دُور کونے میں بیٹھنے کو کہا...... وہ بیچارہ کسی تنویم زدہ معمول کی مانند سر جھکا کے الگ سا اُدھر کونے میں بیٹھ گیا۔ میرے علاوہ اور بھی چھ سات اجنبی سے لوگ موجود تھے۔ ہم سب نے بابا کے اس کھُردرے رَویے کو محسوس کیا۔ مگر وہاں کالے باگھ کے بھٹ میں بولے کون؟...... اس نوجوان کے آنے سے اِس کی پہلے والی طاری شگفتگی کہیں غائب ہو چکی تھی۔ صاف دکھائی دیتا تھا بابا کا موڈ آف ہو چکا ہے۔ مَیں نے نظر اُٹھا کر اُس نوجوان کو دیکھا' اُس کا منہ ہلکا سا نیڑھا تھا۔ سر جھکائے خجل خجل سا بیٹھا۔ جیسے کسی غلط حرکت پہ پابندِ تعزیر ہو۔''

چند ناخلف سے لمحے مزید گزر گئے تو بابا نے میرے علاوہ تمام لوگوں کو جانے کا حکم سنا دیا۔ بادلِ نخواستہ تمام اُٹھے اور باری باری بابا کے پاؤں چھُو کر چلے گئے۔ اُس نوجوان کو پاؤں چھُونے سے بھی رَد کر دیا۔ اُن لوگوں کے اُٹھ جانے کے بعد بھی بابا کی طبیعت کا اضمحلال کم نہ ہوا تو مَیں نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا۔

''اس بچے کے آنے سے تمہارا موڈ کیوں آف ہو گیا......؟''

عجیب سی نظروں سے مجھے گھُورتے ہوئے جواب دیا۔

''آسمان سے محض رحمتوں کا نزول نہیں ہوتا...... بلیّات و آفات بھی اُترتی ہیں۔ کچھ بدنصیب رحمتوں کو چھوڑ کر بلاؤں کو گلے لگا لیتے ہیں۔''

جب حسبِ معمول میرے پلّے کچھ نہ پڑا تو مَیں نے پُوچھ ہی لیا۔

''تمہارا اشارہ کن بدنصیب لوگوں کی طرف ہے؟''

''وہی جو نافرمان ہوتے ہیں...... جنہیں کہا کچھ جاتا ہے۔ وہ کرتے کچھ اور ہیں...... یہ تم نے اس ناخلف منحوس کو دیکھا' جس کے آنے سے ماحول میں اُجاڑ بھر گیا۔ اس میں ایسی نحوست سرایت کر گئی کہ جس شاہراہ پہ ہو لے دو چار ایکسیڈنٹ کروا دے...... نحوس مارے کو کئی بار منع کیا ہے۔'' ''معاف کرو بی بلّی چوہا لنڈورا ہی بھلا''...... اِدھر آیا کر' پر اس کی سمجھ کے پردوں پر ایسا بھیگا پلّا پڑا ہوا ہے کہ باز ہی نہیں آتا۔ کہتا ہے'

Scanned with CamScanner

کوئی اور گھر بتادیں تو مَیں یہ دَر چھوڑ دیتا ہوں۔''

''یہ ہمیشہ سے ہی ایسا ہے یا؟''

''نہیں، نہیں...... ایسا نہیں تھا۔ بس اِک نافرمانی اُسے لے بیٹھی۔ دو اڑھائی سال پہلے کا ذکر ہے۔ مَیں نے اجمیر شریف عرس پہ جانا تھا۔ کوئی چار پانچ روز پہلے مَیں نے اُسے اپنی دس عدد انگوٹھیاں اور تین گلے کی مالائیں دیں اور نمون مارکیٹ اِک سنار کے پاس بھیجا کہ ان کی صفائی دُھلائی کروا لائے۔ ایک آدھ بار پہلے بھی یہ وہاں اسی غرض سے جا چکا تھا۔ اب خدا جانے اُسے کہاں سے دیر ہوگئی۔ وہاں پہنچتے پہنچتے دکان بند ہو چکی تھی۔

اُس نے اپنی جان بچانے کی خاطر جھوٹ بولتے ہوئے ٹیلی فون پر مجھے اطلاع دی' سنار کے پاس پہلے سے کچھ کام تھا' کل دوپہر کا وقت دیا ہے۔ تین مالائیں اور دس انگوٹھیاں جن میں بیش قیمت جواہر آویزاں تھے۔ وہ گھر لے گیا۔ خدا جانے اُس کے جی میں کیا سمائی...... یا وہ دوستوں میں شو بازی کرنا چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ گلے ہاتھوں پہن بلیرڈ کلب چلا گیا۔ آدھی رات وہ انہیں پہنے ہوئے کھیلتا رہا...... کھیلتے کھیلتے اچانک اُس کی طبیعت خراب ہوئی اور وہیں ٹیبل پہ ڈھے گیا۔ دوستوں نے اُسے تھام پکڑ لٹا دیا۔ منہ سے جھاگ' ماتھے پہ تریلی' جسم ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ کسی کے کہنے پہ اُسے اُٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ معائنہ کرنے والوں نے حیران ہوتے ہوئے پہلے تو اُس کے منکے انگوٹھیاں اُتاریں۔ اُس کی حالت کے پیش نظر ایک دو مسکن انجکشن ٹھوکے...... دو گھنٹے بعد اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق یہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا' محض کسی چیز کے خوف و دہشت نے اِسے وقتی طور پر بے ہوش کر دیا۔ گھر آیا تو بتایا! مجھ سے غلطی ہوئی کہ مَیں نے بابا سے جھوٹ بولا۔ دوسری حماقت یہ سرزد ہوئی کہ دوستوں میں اپنا نور جمانے کے لیے انگوٹھیاں اور مالائیں پہن کر بلیرڈ کلب چلا گیا۔ کچھ دیر تک ٹھیک رہا' پھر محسوس ہوا جیسے میرے گرد میرے دوست نہیں خوفناک صورت نجتے اور جن کھڑے ہوں۔ وہ میری جانب قہر آلود نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ گلا' گردن اور اُنگلیاں جیسے کسی شکنجے میں کَسی جا رہی تھیں۔ اِک دو سخت سے جھٹکے لگے...... اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔ وہ دن اور آج کا دن وہ نارمل نہیں' گو اُس کی حالت اب پہلے سے بہتر ہے۔''

''اِس کا مطلب ہے کہ اُس کی حالت تمہارے تجرات کی وجہ سے ہوئی......؟''

''ہاں! ایسا ہی ہُوا۔ یہ میرے دوست ہیں' مَیں ان کا اور وہ میرے رَمز شناس ہیں...... آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ ہم اِک دُوجے کے موڈ' مزاج اور وقف' وقوف کا خیال کرتے ہیں۔ اِک کم سَواد

Scanned with CamScanner

بے لطف ولذت نے انہیں زیب تن کر کے اُن کے موکّلات کو بھڑکا دیا۔ جس سے اُس کی ایسی حالت ہوگئی۔ وہ تو خیر ہوئی کہ یہ کم بخت جان سے نہ گزر گیا...... اب وہی خوف اور دیکھی ہوئی صورتیں اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں اور اِن کے اثرات اُس کے اعصاب پہ بھی بھاری پڑے۔"

باتوں باتوں میں ایک مرتبہ بتایا ملائکہ کا انسانوں سے براہِ راست رابطہ نہیں ہوتا (استثناء کے ساتھ) سوائے وقتِ موت کے' البتہ اکثر نفوسِ قُدسیہ اور جنّات رابطہ میں رہ سکتے ہیں۔ حجرات مقتدرہ وہ ہیں جن کا تعلق کرۂ اَرض سے ہے اور حجراتِ مقدسہ وہ جو افلاک سے ہیں۔ اجرامِ فلکی' شمسی وقمری اور دیگر سیارو' بروج' کہکشاؤں کے بطون سے آشکار ہونے والے شہابیے وافروزشیں وغیرہ...... حجرِ اسود' جنّت کا سردار یاقوت' جسے خانہ خدا کی زینت و برکت کے لیے زمین پہ اُتارا گیا۔ جیسے آسمانوں پہ اصلی خانہ کعبہ عین نیچے اَرضی خانہ خدا......!

آپ نے سُنی اس کی باتیں...... وہ ایسی عجیب وغریب اَسرار بھری باتیں کہاں سے کھوجتا ہے؟ لگتا ہے کہ جنّات اِس کے کانوں میں سرگوشیاں کر جاتے ہیں۔ مزے کی بات کہ اس سے انکار بھی نہیں کرتا۔ کہتا ہے' جب زمین پہ کچھ نہ تھا تب جنّات تھے' جو انسانوں سے تعداد میں کہیں زیادہ...... جبکہ ملائکہ اِن سے بھی کہیں زیادہ ہیں۔ ہر بشر کے ساتھ اِس کا نوری اور ایک ناری ہمزاد پیدا ہوتا ہے اور بہت کم ایسے بھی جن کے ہاں کئی کئی ہمزاد پابند ہوتے ہیں اور جدھر ان ہمزادوں پہ گرفت ہو ادھر جنّات سے راہ ورسم بھی ہو سکتی ہے۔"

اس کا یہ بھی کہنا کہ اکثر مسلمان' بزرگ جنّات کی دسترس میں افلاکی استھانوں کے حامل مقدس حجرات بکثرت ہوتے ہیں۔ ایسے پُراَسرار حجرات کا تعلق اور ماخذ پریوں کے دیس آذربائیجان' کوہ قاف' جھیل سیف الملوک اور روس کے شمالی کوہستان ہیں...... جو جنّات' دیوؤں اور ساحروں کے پسندیدہ مسکن ہیں۔ وہاں کے مقامی باشندوں میں چند ایک بوڑھوں کے ہاں مَیں نے ایسے حجرات مشاہدہ کیے ہیں جو اَرضی نہیں افلاکی ہیں۔ افلاک کی پنہائیوں' بیکرانیوں میں جب جنّات ایک حد سے تجاوز ہو کر دخیل ہوتے ہیں تو وہاں کی فضائی آوارہ گرد آلودگی جو سیارو' نجوم کے شہابیوں' آفتابیوں اور ماہتابیوں پہ مشتمل ہوتی ہے۔ ان کے لیے رُکاوٹ اور قباحت کا سبب بنتی ہے۔ ان "شہابیوں' ماہتابیوں اور آفتابیوں" کا جو ذرہ ان کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو وہ افلاکی بلور یا گوہرِ مثال' اَرضی معدنیات حجرات جیسا مگر استھانوں اور تصرفات میں بڑھ کر...... جس کے اَسرار واثرات لازوال وبے مثال ہوتے ہیں۔"

ایک بار جب اُس نے اپنے چھوٹے نجی حجرات کا ڈبا کھولا ہوا تھا۔ مجھے چند ننھے ننھے اَن تراشے چمکدار پتھر دکھاتے ہوئے بتانے لگا۔ یہ شبِ نور کا دانہ ہے اور یہ حجرِ فلک! ایک الگ سی چمک دمک کے

Scanned with CamScanner

بے ڈھبے سے پتھر کو اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے بتایا۔ یہ نایاب جواہر سنگِ سکندری ہے۔ یہ اتفاق سے ایک ایسے بزرگ جن کے ہاتھ لگ گیا جو سدِ سکندری کے اوپر سے گزر رہا تھا۔ اسے نیچے دیوارِ سکندری کی ایک جانب سے نیلی روشنی پھوٹتی دکھائی دی۔ نیچے پہنچ کر دیکھا تو ایک خلا نظر آیا۔ جس کے اندر ایک روشن پتھر تھا۔"

جس کے بارے میں ایک روایت ہے کہ یہ حضرت سلیمانؑ کے تخت سے علیحدہ کیا گیا تھا کہ اس میں بنفشی رنگ کی ایک لہر آر پار تھی۔ جس سے اس کے مقدس ہونے کا تاثر ملتا تھا۔ جنوں نے اسے علیحدہ کر کے اس کی جگہ ایک اور پتھر لگا دیا۔ کئی صدیاں سال یہ مقدس قیمتی پتھر، فلسطین میں کسی پہاڑ کی غار میں جنات کی حفاظت میں پڑا رہا۔"

ایک اور روایت کہ جنات نے حضرت سلیمانؑ کی کسی وصیت کے تحت اسے سدِ سکندری کے ایک ایسے مقام پہ نصب کیا گیا تھا جس کے عین اُوپر دُب اکبر اور قطبی تارے کے کچھ اسرار تھے۔ اس مقدس پتھر سے کچھ ظاہری اور کچھ باطنی شعاعیں ہویدا ہوتیں، جن سے جنات رہنمائی حاصل کرتے...... واللہ اعلم بالصواب!

فراز بابا مجھے ان سنگِ سلیمان کی بابت بتا رہا تھا جو اسے ایک جن نے تحفتاً دیئے تھے۔ بقول اس کے یہ سنگ ریزے پُراسرار اور مقدس اہمیت کے حامل ہیں۔ مزید میرے ایک استفسار پہ بتایا...... چونکہ وہ جگہ، جنوں اور نادیدہ مخلوقات کی گزرگاہ ہے۔ کبھی کبھی یہ ہستیاں وہاں اُتر کر اس کہنہ حجرات کی زیارت بھی کر لیتی ہیں۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام جو ان نُوری و ناری مخلوقات پہ اللہ کی جانب سے مقرر کیے ہوئے پیغمبر اور بادشاہ بھی تھے۔ یہ پتھر چونکہ اُن سے نسبت رکھتا ہے۔ شاید اس لیے ان کے نزدیک اس کی اہمیت ایسے ہی ہے جیسے مسلمانوں کے لیے حجرِ اسود کی ہے۔ میرا دوست جن جو ایک بار ادھر سے گزر رہا تھا...... اس حجر کی زیارت کے لیے نیچے اُترا...... اسے بوسہ دینے کی غرض سے آگے بڑھا...... دیکھا کہ اس پتھر کے نیچے چند ننھے منے ریزے پڑے ہوئے ہیں...... غور کیا تو معلوم ہوا یہ ریزے اسی حجرِ متبرک کے ہیں...... وہاں سے جُدا کیسے ہوئے اس کی وجہ سمجھ نہ آئی......؟

بابا ان مقدس ریزوں کو سمیٹنے لگا تو میں نے انہیں چھونے اور مزید دیکھنے کی درخواست کی۔ وہ بدقت نیم رضامندی کے انداز میں بولا۔

"دیکھنے کی حد تک تو کوئی خرابی نہیں بلکہ عین سعادت ہے، مگر چھونے میں چنداں قباحت ضرور ہے۔ یہی تو تیری اور میری سمجھ کا فرق ہے۔ کبھی سپیرے کو دیکھا، کس آسانی اور بے خوفی سے سانپ کو گردن سے دبوچ لیتا ہے۔"

Scanned with CamScanner

''یار! حد ہوگئی' زندہ و زہریلے سانپ اور بے ضرر و بے سکت سنگ ریزوں میں تمہارے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں' سانپ کاٹتا اور حرکت کرتا ہے جبکہ پتھر' چاہے وہ راستے کا ہو یا کسی کے تاج اور گلو بند میں جڑا ہوا' زہر بھرے دانت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس میں خود حرکتی ہوتی ہے۔''

''گوبر سائیں جی! (یہ القاب اس سے عطا ہوتا ہے جب مجھے انتہائی کوڑھ مغز جاہل کہنا مقصود ہوتا) میں آپ کی خدمت اسفل میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ حجرات زندہ بھی ہوتے ہیں...... بیمار و مردہ اور بچے جوان بوڑھے بھی۔ ان میں حرکت بھی ہوتی ہے مگر ہم عجلت پسند اسے کچھ کم ہی محسوس کرتے ہیں۔ کسی پہاڑی راہ سے گزر لو یہی راہ پانچ دس برس بعد پہلے سے مختلف ہوگی۔ اس کرۂ ارض پہ کوئی بھی مخلوق ساکن نہیں...... جو بھی تھمی دکھائی دیتی ہے وہی زیادہ حرکت پذیر ہوتی ہے۔ غور کرو کہ طبق ارض' کسی لمحہ سکوت پذیر نہیں ہوتی...... اس کی گود میں دھری مادیت کیونکر ساکن رہ سکتی ہے؟

حجرات اپنے مزاج کے مطابق ہی کسی سے دوستی کرتے ہیں یا پھر کوئی انہیں اپنے مزاج پہ ڈھال لے...... جیسے کسی شیر کی تربیت کی جاتی ہے۔ یہ گوہر ذرے' جن کو راس نہیں آئے تھے۔ میرے ہاں ان کے رنگ کا ڈھنگ تھا۔ انہیں اپنے مزاج کے مطابق ڈھالا اور خود کو اُن کی راہ پہ ڈال دیا۔

مزید بتاتا ہے کہ طبق ارض کی ہر مادی شئے' سورج سے براہ راست یا بالواسطہ استفادہ حاصل کرتی ہے۔ سورج کی روشنی یا چاند یا تاروں کی ضیا ء باریاں نہ ہوں تو کسی شئے کو ظاہری طور پر دیکھا نہیں جا سکتا مگر حجرات خاص میں یہ خوبی ہے تاریکی میں مزید اجلتے ہیں اور جن میں یہ خوبی نہ ہو وہ ناقص و فاسق ہوتے ہیں لیکن ان جواہر خاص کی تابندگی دیکھنے کے لیے بھی چشم بینا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو تمہارے ہاں تو ہے ہی نہیں اور نہ کبھی ہو سکتی ہے؟''

مقابل کو دو کوڑی کا کرنے میں شاید اسے تسکین ملتی ہے۔ مگر یہ بھی حق ہے کہ کسی خانہ برانداز کے روبرو اسے خود کو از حد خراب و خاطی ثابت کرنے پر بھی اصرار ہوتا ہے۔ اُلجھنے پہ کسی کو پاجی کہہ دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا اور واقعتاً کسی حقیقی پاجی کو بھاوجی پکارنے پہ خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ مجھے پرلے درجے کا غبی اور کوڑھ مغز سمجھتے ہوئے بھی اپنی بدمغزی اور کاسہ سر کی کاشت بڑھانے کے مشورے طلب کرتا رہتا ہے۔

آنکھوں میں کھلی ہوئی نیند کی مانند خراب سوال کرنا بھی اسی کی کمزوری یا عادت ہے۔ غبار شب میں آخری پہر مجھے طلب کر کے پہلو بٹھالیا اور خود خورد خورد خرّاٹے توڑنے لگا...... غصہ سے میری مت ماری گئی۔ گھٹنا ہلا کر طلبی کا مقصد پوچھ بیٹھا۔ جھلا کر پپوٹوں کے پوپٹ وا کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تکلیف ہے' بیٹھے رہو' نیند آ رہی ہو تو لیٹ جاؤ...... مشکل ہے کہ ہمزاد' موکل میں توکل نہیں ہوتا'

Scanned with CamScanner

بُلایا ہے تو کوئی نہ کوئی بات ہوگی؟''
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد خود بخود ہی بڑبڑانے کے انداز میں پوچھا۔
''بھائی! یہ تو بتاؤ کہ اگر تم میری جگہ ہوتے اور مَیں تمہارا ہمزاد...... تو اس وقت کیسا سین ہوتا......؟''
پوچھا اور دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔
میری تو کھوپڑی چٹخنے لگی۔ شب بیند جنے کا سماں اور ایسا سکتہ سوال؟...... اُٹھنے لگا تو رسائی سے بولا۔
''جواب تو دیتے جاؤ......؟''
اس اوٹ پٹانگ سوال کا کوئی جواب ہوتا تو دیتا' جان چھڑانے کی غرض کہہ دیا۔
''میرے پاس تو اس فضول سوال کا کوئی معقول جواب نہیں...... تمہارے ہاں کوئی ہو تو میری جانب سے تم ہی جواب دے دو؟''
کلائی پکڑ مجھے بٹھالیا۔ اسی طرح نیم وا آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بتانے لگا۔
''میری آنکھوں کے آلنوں سے اَبابیلیں نکلتی ہوئی دیکھ رہے ہو؟''
غصہ تو بہت آیا لیکن اس کا اظہار شاید میرے بس میں ہی نہ تھا۔ مَیں نے جرأت کر کے اُسے اُٹھایا اور سینے سے لگا کر بھینچتے ہوئے کہا۔
''لو اب تم میرے موکل ہو...... پون صدی پیچھے پلٹو۔ مَیں تمہیں اَبابیلیں دکھاتا ہوں۔''
مَیں اُس کی چٹائی پہ پڑ گیا اور وہ وقت کی کھینچی ہوئی طناب کے ساتھ وہاں سے کہیں اوجھل ہوگیا۔

● مجھے سب یاد ہے وہ ذرا ذرا......!

وقت رُوئی کے پھوؤں کی مانند بجلی سی سُرعت سے عہدِ رفتہ کی جانب اُڑا جا رہا ہے۔ مَیں بے جسم و بُجود افلاک کی بیکرانیوں میں تحلیل' کسی نامعلوم منزل کی جانب رَواں دَواں...... اجرامِ فلکی' میرے جلو میں کہ مَیں ان سے وہ مجھ سے گزرتے جا رہے ہیں...... بنفشی اور دُودھیا کرنوں کی ضوفشانی سے فضاؤں میں پھیلے ہوئے نُور اُجالے...... یہ سفر لمحوں یا سال صدیوں کا کچھ احساس نہ ہوا...... بس' کچھ اِشارے' ہلکی سی اُبھرتی ڈوبتی لہریں...... نُجول بھلیّوں کے سمندر میں مٹتی بنتی موجیں...... موہوم سے گرداب...... کا فوری خ بستگی کا احساس' سکون سکوت اور صِدق سا......!
ہونے نہ ہونے کی پہلی کومل سی کونپل مہدِ مادر میں پھوٹی...... ایک بیضۂ عالمِ بے کنار و کنار......

Scanned with CamScanner

ٹن ٹن کی بازگشت...... کیسے کیسے نظارے ' تسنیم و کوثر کے فوارے ۔ گلستان و بوستان ' نکہت بادِ بہاری نوع نوع کے اشجار و اثمار ' خوش گلو طیور...... آفتاب عالم تاب ' مہتاب انجم رکاب...... قلزم بے کراں ' آبشاریں جھیلیں جھرنے ' دریا آب جُویں...... ہر سُو اک ہمہ ہمی ' ؤ ماؤ ہی...... نہ کوئی چنتا نہ کوئی غم...... علت نہ قلت ' ضرورت نہ کدورت ' راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

اک نقارہ کی دھم دھم نے بے چین کیا۔ اردگرد ماحول جیسے سکڑنے لگا ہے۔ ہلکی ہلکی نمی ' جس سے مَیں بھیگ سا گیا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آج کچھ ایسا ہونے والا ہے جو پہلے نہ ہُوا۔ یہی ہُوا مجھے دھکے دے دے میرے گھر ' میری دُنیا ' میرے جہاں سے بے دخل کیا جا رہا تھا۔ جدھر مَیں نے کئی یگ بتائے...... میری سوہنی دھرتی ' میرا نیل گگن...... میرے سورج چاند تارے...... کھیت کھلواڑے ' ندی نالے تالاب...... میرے ہمجولی ' لنگوٹیے ' دوست غمگسار میرے ساتھ سہارے...... کوئی بھی تو نہ تھا جو مجھے لپک کر روک لیتا یا دو گام میرے ساتھ ہی ہو لیتا۔ ادھر کے سارے بندھن رشتے ناتے پل بھر میں اُدھڑ پدھڑ گئے تھے۔ کوئی روک ' آسرا یا پکڑ نہ تھی جسے تھام کر مَیں اپنی جنت نہ چھوڑنے کا کوئی جتن کرتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے مَیں مرغی کے کسی لجلجے رطوبت بھرے انڈے کی مانند پھسلتا ہوا ' اک ایسی دُنیا میں آ پڑا...... جس کی ہر چیز میرے لیے انوکھی تھی۔

انہی لمحات میں ' مَیں رونے واویلا سے آشنا ہوا۔ اک پوپلے منہ والی بوڑھی سی مخلوق نے میرے ساتھ کچھ ناروا سا سلوک کیا۔ میرے پیٹ کے درمیان سے میری ناڑی کاٹ دی۔ اک بدبودار کپڑے سے میرا جسم صاف کر کے ایک نیم بیہوش مہربان سی عورت کے پہلو میں ڈال دیا۔ جس نے کانپتے ہونٹوں سے میری پیشانی پہ بوسہ ثبت کیا۔ ایک بابے نے میرے کانوں میں لرزتی ہوئی نحیف آواز میں سرگوشیاں کیں۔ میرا چرا ہوا منہ حلقوم صاف کر کے کوئی گاڑھی میٹھی سی چیز چٹائی...... مجھے سب یاد ہے وہ ذرا ذرا......!

مسجدوں میں جمعہ یا عیدین کی نماز کے بعد جس سرعت سے صفیں لپیٹی جاتی ہیں...... زندگی کے مختلف اَدوار کی چٹائیاں اور قلوں چالیسوؤں کی '' ٹھوٹھیاں '' بھی کمال عجلت ' سے اُٹھائی جاتی ہیں۔ بے وقوف بندہ سمجھتا ہے پچاس ' سو ڈیڑھ سو سال جیا ' جبکہ یہ عرصہ دو چار لرزیدہ سے لمحوں سے زائد بہر طور نہیں ہوتا......

اک پل میں بدل گئی دُنیا
حادثے بھی عجیب ہوتے ہیں

ہاں ' حادثے ہمیشہ عجیب ہوتے ہیں کہ ان کے سرزد ہونے کے بعد بہت سی عجیب و غریب تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں...... میرے ساتھ پہلا حادثہ جو رونما تھا ' میرے سر کے متعلق تھا جو پیدائشی طور پہ گول یا چپٹا نہیں بلکہ مصری یا سندھی تربوز کی طرح لمبوترا تھا۔ دائی دوبی (اصل نام فیضاں بی) کے مشورہ پہ ماں جی نے میری

Scanned with CamScanner

گدی کے نیچے داہڈ چاولوں کی ایک پوٹلی بطور سرہانہ رکھ دی تھی اور منہ ماتھا اُوپر آسمان کی طرف کردیا تاکہ میرا لُمبوترا پلپلا سَر دَب کر گول مٹول ہو جائے۔"

کسی جنگلی خرگوشڑے یا بلّی کے سات گھروں کے حاجی بلونگڑے جیسی میرے جسم کی پوٹ پہ سیاہ بالوں کی پشم منڈھی ہوئی تھی۔ لگتا تھا کہ میں نے بندہ برادری میں نہیں کسی جنگلی جن کے ہاں جنم لیا ہے۔ اساطیری راگ راگنیوں "سروں الاپوں زمزموں کی تعلیم" میری مسلسل ریں ریں سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ آج تک کسی زچہ نے کسی بچے کے منہ کی باچھیں، کانوں کی لووں تک اس حد تک چری ہوئی نہ دیکھیں، نہ مرغے کی چھنوٹی سُرخ جیب اور حلق کوّے کی لرزان کا ایسا منظر دیکھا ہوگا۔؟

بھالو بھدا جسم نیلا اور نہ چہرہ لال...... کمزے کیکڑے کی ٹانگوں جیسی ٹانگیں، ہوا میں پیڈل چلا چلا کر بھی بے مزہ نہ ہوتیں۔ ناف کی گانٹھ سُرخ پڑ کر سُوج جاتی اور جب پوتڑے کا چیتھڑا گیلے مُوتے سے بُو مارنے لگتا تو ماں مجھے سُوکھے پہ ڈال، ڈول بڈول سی کھاٹ کی باہی جانب ہو لیتی۔

وقت کی لکن میٹی...... "لک چھپ جانا مکئی دا دانہ، راجے دی بیٹی آ گئی جے"...... یعنی کہیں بھی 'لک چھپ جاؤ...... جاگتے رہو یا سو جاؤ' آسودہ نا آسودہ...... راجے کی بیٹی آ ہی جاتی ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں...... ہر "شروع" نامحسوس رفتار سے اپنے "آخر" کی جانب سرگرم رہتا ہے۔ بندہ گھنے سائے میں سکون کی خاطر لیٹ جاتا ہے، لیٹے لیٹے "پُرسکون ہوتا ہے تو گہری نیند اوڑھ کر بے سُدھ پڑ جاتا ہے۔ اُدھر وقت کا سورج کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہوتا ہے...... تمازت کی تندی اسے کچوکے دے دے کر بیدار کر دیتی ہے۔ دیکھتا ہے کہ سائے سرک گئے۔ منظر بدل گئے اور ماحول کا موڈ مختلف ہے۔ تب وہ جان پاتا کہ دکھائی اور بجھائی نہ دینے والے وقت میں کتنا دَم ہوتا ہے۔؟

وقت کے اَسپ رَواں پہ بیدار بخت دَم کی دُم نکی تو لے لیتے ہیں۔ کسی شجرِ ممنوعہ تلے خوابِ خرگوش کے مزے نہیں لوٹتے...... ریاض کے وقت، فیاض صاحب اگر سوئے مرے رہیں تو سرسوتی' اپنے کرمیان کی گاگریا 'کسی بے گھرانے والے کے ہاں بھی اُنڈیل سکتی ہے۔

عطائیوں نے بھی بڑی بڑی سبھائیں سجائیں اور کمائی ہیں۔ اصل گُر تو جاگنے اور مکتب سے بھاگنے والے کے ہاں ہوتا ہے؟ ڈنڈے کھانا، ڈنڈی مارنا اور جنوں سے جذب کے ڈانڈے ملانے سے ہی شوق و شغل کا اعتبار پیدا ہوتا ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ پیدا ہوتے ہی میں پیدا گیر بن چکا تھا۔ ویسے بھی پہلوٹی کا سُرجن بکنے پہلو کا نہ پلٹنے کا، بہلانے کا نہ ٹلنے کا...... ڈالو دائیں تو بائیں کی کنّی پڑ جاتا ہے۔"

میرا بھی یہی عالم کہ چارپائی کے تیرو پہ چادر کے پلٹے میں، ماں نے ڈال کر جھولا دیا کہ اِدھر اُدھر کے

Scanned with CamScanner

بکھرے کام سمیٹ لوں اور یہ بھیں بھیں کا باجا بھی کچھ باج ہولے لے لے۔ جونہی ماں کی گود گری گم پائی' نرگم شروع ہوئی۔ مائیں چونکہ ایسے شیر خوار اور خدائی خوار بچوں کی قرازیوں سے واقف ہوتی ہیں وہ بھی سنی ان کر دیتی ہیں کہ خود ہی تھک ہار کر چپ پکڑ لے گا۔ ایسی صورت پیدا کریں گی جیسے ادھر موجود ہی نہیں۔''

یہ حکمت عملی اکثر کارگر ہو جاتی ہے۔ صدقے وارے نچ نچ نہ پا کر بچہ چپ سادھ لیتا ہے...... آخری حربہ گود بھر لینا یا جھولنے کو جھولا دینا بھی ہوتا ہے۔ چینڈو گم کوس یا مصروف مائیں افیون کی چونڈی بھی چُسا دیتی ہیں...... میری ماں نے یہ سب جائز ناجائز حربے آزما دیکھے مگر کچھ حاصل نہ ہُوا۔ تب اُس نے مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیا کہ رو دیے طوفان...... بندے اور شیطان کے معاملے جب کچھ سمجھ نہ آوے تو چُپ اور صبر ہی بھلا!

کئی بار یوں بھی ہُوا' ماں مجھے کھاٹ کھٹولے کے جھولنے میں ڈال' لنگوٹ اور دُودھ کا کورم پور کے گھڑی دو گھڑی کمر سیدھی کرنے لیٹی...... پیٹ ہلکا کرنے کی خاطر ہمسائی سے باتیں کرنے کوٹھے چڑھیں یا دروازے گلی' کسی پھیری والے سے بھاؤ تاؤ میں اُلجھ کر واپس لوٹتی تو میں اُسے پلنگے میں دکھائی نہ دیتا...... ڈھنڈیا پڑنے پہ کبھی اناج کے بھڑولے' چکی کے نیچے' چرخے کے تکلے کے پاس' ڈیوڑھی کے کونے پڑی گند کوڑے کی کنالی میں...... دو ایک بار کوٹھے پہ تنور کے اندر سے بھی برآمد ہُوا۔

کوٹھا سوتنے والی مہترانی ایک بار نہلا دُھلا کر مجھے لائیں تو کہنے لگی...... ''پتا نہیں کوڑے والی ٹوکری میں کیسے چلا آیا؟ کوڑا جھینکنے لگی تو یہ اندر لیٹا مسکرا رہا تھا۔'' ماں جی کے ہاں اگر دو چار بچے پہلے ہوتے تو یقیناً کوٹھا اُتارنے والی ماسی کو مجھے واپس لانے پہ انعام میں دے دیا ہوتا۔

یہ اچانک گم ہونے والا عقدہ میرے والدین پہ کبھی نہ کھلا۔ عہدِ طفلی کہ پلنگے سے نیچے اُترنا تو درکنار' ننھا بچہ خود سے کروٹ تک نہیں بدل سکتا۔ اُونچائی سے نیچے اور پھر کسی کی نظر میں آئے بغیر' دور نزدیک کی ایسی جگہوں پہ پہنچ لینا کہ کسی کو پتا بھی نہ چلے' یقیناً مجھ شیر خوار بچے کا غیر معمولی فعل تھا۔

کہتے ہیں کہ سُولوں کے مُنہ جمتے وقت ہی تیکھے ہوتے ہیں اور بطخوں مرغابیوں کے بچے جماندرو پیراک ہوتے ہیں۔ اسی طرح' خاص طور پہ درویش اور مخنث بھی پیدائشی ہوتے ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں' شاعر' موسیقار' مصور' فلاسفر' لیڈر اور عاشق بھی کسی حد تک پیدائشی ہوتے ہیں۔ مگر نہیں! یہ کریکٹر اپنی پیدائش پہ محض نومولود ہوتے ہیں ان کے پاس کوئی ڈگری یا ثبوت نہیں محض کچھ فطری رجحان ہوتا ہے۔ باقی سب تربیت' حالات ماحول اور کسی کی نظر و صحبت کا فیضان ہوتا ہے۔''

درویش اور مخنث جنم لیتے سے اپنا ثبوت اور سند ہاتھ میں لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ پہلی گواہی جہاندیدہ دایہ کی ہوتی ہے۔ دایہ اگر مائیہ بھی ہو تو پہلی بار ناف ملنے پہ ہی ہیٹ ہیجڑو کی گن ٹن لے لیتی ہے۔ جھ ماحا ہوگا یا

Scanned with CamScanner

ست ماہا...... پورے دِنوں یا اوپر کچھ دن لے گا' نر ہو یا مادہ! اُلٹا پڑا یا سیدھا ہے۔ مائیہ تو یہ تک بتا سکتی ہے' درویش ہے یا بادشاہ! سعد ہے یا نحس! اپنی اپنی سائنس اور حکمت' جسے اللہ عطا کر دے۔

ایسی لمبی تمہید باندھنے کا مقصد محض یہ بتانا تھا کہ مَیں شاید جماندرو درویش تھا۔ ہماری خاندانی دایہ جس کی مسیحا دستی سے ہمارے خاندان کی قریب قریب آدھی نسل اس عالمِ ناپائیدار میں بسلامتی پیدا ہوئی۔ زچگی کے بعد میری ماں کو بیٹے کی مبارک دیتے ہوئے یہ خوشخبری بھی سنائی۔

''بیٹی! ایک سو چھپن بچے میرے ہاتھوں پیدا ہوئے۔ یہ میرا آخری بچہ تھا۔ اس کے بعد مَیں نے دایہ گیری کا کام ہی چھوڑ دیا ہے۔''

میری ماں نے متعجب ہو کر پوچھا۔

''ماسی! رَبّ خیر کرے۔ تیرے ہاتھوں میں بڑی برکت ہے۔ سارا شہر تیری عزت کرتا ہے۔ ابھی تو ایسی بوڑھی بھی نہیں ہوئی کہ یہ کام نہ کر سکے؟''

دائی ماسی نے ماں کو کوئی تسلی بخش جواب تو نہ دیا۔ اتنا کہا۔

''مَیں تجھے بتاؤں گی پر ابھی نہیں' تھوڑی دیر بعد جب تو اسے اچھی طرح دیکھ لوگی......!''

زچگی کے بعد زچہ نارمل نہیں ہوتی۔ وہ تھکی ہاری' ٹوٹی ہوئی ہوتی ہے۔ نہ تو کچھ صحیح سے دکھائی اور سنائی دیتا ہے نہ کچھ سوچ اور محسوس کر سکتی ہے۔ دیر تک بے سُدھ و سارپڑی رہتی ہے۔ وہ اس ترنگ میں بھی ہوتی ہے اس نے ایک بڑا مشکل مرحلہ کامیابی سے طے کیا۔ بچہ' نر ہو یا مادین' اس کے لیے کچھ فرق نہیں پڑتا لیکن فرق پڑتا بھی ہے' نر بچے کی پیدائش پہ اس کی مسرت و تفاخر کا کچھ ٹھکانا نہیں ہوتا' سرشار و مخموری فضاؤں میں اُڑنے لگتی ہے۔ نر بچہ پیدا ہو تو سب سے پہلے اُس کی نچلو دیکھی جاتی ہے۔

آن بان والے بادشاہ' راجہ مہاراجہ' وڈیرے' نوابین' خواتین' جاگیردار' منصب دار' عزت دار' اپنے بچوں کی پیدائش کے موقع پہ رازداری اور نگہداری کا خصوصی انتظام کرتے ہیں۔ دایہ کی ایک ایک حرکت پہ نظر رکھی جاتی ہے اور زچہ کے اردگرد' قابلِ اعتماد عورتوں کا پہرہ رہتا ہے۔ کمرے کے پاس ایک دیوار گیری کی اوٹ' بچے کا باپ اپنے معتقدین کے ہمراہ موجود ہوتا۔ اس دوران خاندان کی کوئی بزرگ یا نانی دادی' پیدائش کے ابتدائی اُمور پہ کڑی نظر رکھے رہتی۔ جونہی بچے کا سر اور آدھا جسم برآمد ہو جاتا۔ پیچھے تیار کھڑی کوئی عورت' دایہ کے سر منہ کو موٹے کالے کپڑے سے ڈھانپ دیتی ہے۔ دایہ اور مددگار عورت بقیہ کام' نیم تاریکی میں' بن دیکھے انجام دے کر بچہ دیوار گیر کی اوٹ کھڑے اس کے باپ کے حوالے کر دیتیں۔ جو نہایت عمیق نظری سے نومولود کے جسم' خصوصی طور پہ جنسی اعضا کا جائزہ لیتا۔ مطمئن ہونے پہ زر و جواہر سے بھری پوٹلی کے ساتھ واپس

Scanned with CamScanner

کر دیا جاتا۔ مبارک سلامت کے ساتھ شادیانے گونج اُٹھتے۔

کبھی کبھار آنکھوں میں شعلے بھڑ کنے لگتے ہیں تو بغل میں دُبکے ہوئے معتقدِ خاص کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ وہ سر جھکا کے چُپ چاپ 'مولود کو اپنے مالک سے لے لیتا ہے اور پلک جھپکتے' بغلی کمرے میں گھس جاتا ہے۔ اس کمرے میں بھی اک زچہ خانہ کھلا ہوتا ہے۔ جدھر بہت سی عورتیں بچے' جننے کے لیے تیار پڑی ہوتی ہیں یا بچے جن چکی ہوتی ہیں۔ ان کے سوچنے سمجھنے دیکھنے سننے کے حواس سریع الاثر ادویات سے معطل کر دیے ہوتے ہیں۔ اسی دوران اپنے مطلب کا نر یا مادہ بچہ وہاں تبدیل کر لیا جاتا ہے اور اگر ایسا کرنا ضروری نہ ہو تو بچے کو مردہ ظاہر کر کے دفنا دیا جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوا کہ وہاں موجود تمام لوگوں کو قتل کروا دیا جاتا تاکہ اصلی اور نقلی بچے کا راز کبھی نہ کھل سکے۔

میں کتنی بار سویا اور جاگا' وہ کیا کچھ کہتا سناتا رہا کچھ یاد نہ تھا چونکہ میں اُس کے کلبوت میں اور وہ میرے ہیولے میں ہمزاد تھا۔ میں اپنا کوئی حکم اس پہ مسلّط کرنے پہ قادر نہ تھا۔ یہی بہتر کہ میں اُس کی لن ترانیاں' سنتا رہوں یا سننے کی اداکاری کرتا رہوں۔ نہایت محتاط انداز میں جرأت سے کہہ ہی دیا۔

''آپ اپنی کتھا سناتے سناتے تھک گئے ہوں گے۔ باقی داستان پھر سہی...... آپ میرے معزز ہمزاد ہیں' کچھ آپ کی بھی مصروفیات ہوں گی لہٰذا آپ......؟''

اُس نے مجھے قہر بار انداز سے گھورتے' ڈانٹ پلائی۔

''خبردار جو تم نے مجھے کوئی مشورہ دینے کی کوشش کی۔ میں تمہارا ہمزاد ہوں اور میرا خصوصی فرض ہے میں تمہارے متعلق لکھنے پہ تمہاری ہر ممکن مدد کروں۔ لکھنے اور پیار کرنے کا اپنا ایک بہاؤ اور خاص وقت ہوتا ہے۔ تمہیں انتہائی سعادت مندی اور غور سے مجھے سننا چاہیے۔ تاکہ تمہیں پڑھنے سننے والے تمہارے ظاہر و باطن کی چند خوبیوں اور بہت سی خرابیوں سے خُوب واقف ہو سکیں۔''

میں نے اپنا خشک حلق تر اور اُس کا مُنہ ٹھنڈا کرنے کی خاطر یُونہی پوچھ لیا۔

''یہ تم نے پیدائشی مخنث اور دُرویش کی بات سنائی۔ میں اسے کچھ ٹھیک سے سمجھ نہیں پایا۔ کہاں مخنث اور کہاں دُرویش؟ ان دونوں کی آپس میں کون سی قدر مشترک ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتاؤ کہ یہ بڑے لوگ اپنے بچوں کی پیدائش پہ اتنے متردد اور محتاط کیوں ہوتے ہیں جبکہ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ پیدا ہونے والا کیا ہے' کیسا اور کیوں ہے......؟''

''تم کبھی کبھی کوئی اچھی بات بھی کر لیتے ہو۔ پہلے میں تیرے دوسرے سوال کا جواب دیتا ہوں۔ نام نہاد بڑے لوگ جب خود کوئی بدی بُرائی کرنے پہ آتے ہیں تو خدا کا تصوّر یا خوف ان کے دُور دُور تک نہیں

Scanned with CamScanner

ہوتا۔ جو ان کے من اور ظن میں آتا ہے' جوانی' دولت' طاقت اور زور و زعم میں کر گزرتے ہیں اور جب معاملہ اللہ کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے تو پھر مکافات عمل کا خوف ان پہ طاری ہو جاتا ہے' کہیں ان کی کرتوتوں کی پکڑ نہ ہو جائے۔ ایک اور وہم ان کے دماغ میں گھر کر جاتا ہے۔ کہیں لڑکی نہ پیدا ہو جائے...... سمجھ سے بالا ہے کہ لوگ لڑکیوں کی پیدائش پہ خوش کیوں نہیں ہوتے؟ جبکہ ان کی ماں' بیوی' بہن بھی کبھی لڑکیاں تھیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی نامعلوم خدشہ ان کے اعصاب پہ سوار رہتا ہے کہ کہیں بچہ' بدشکل' بداعضا' بدرنگ یا نحس پیدا نہ ہو جائے۔ نجومیوں' جوتشیوں اور مختلف علوم کے سیانے لوگ اپنے قریب رکھتے ہیں۔ پیدائش کے فوراً بعد ہر کوئی اپنے اپنے علم' حساب کتاب سے نومولود کی جنم پتری تیار کرتے ہیں۔ نئے ستاروں' برجوں اور موسم کے تجزیات ہوتے ہیں۔ اس کے منہ ماتھے' ناک آنکھوں اور سر سے شگن اٹھائے جاتے ہیں۔ قیافے انداز ے لگائے جاتے ہیں۔ جب ہر جانب سے بچہ اوکے ہو جاتا ہے تب بچے کی آمد کا سرکاری درباری اعلان ہوتا ہے۔ بچہ اوکے نہ ہونے کی صورت میں قتل کر دیا جاتا ہے...... یا بڑی رازداری و ذمہ داری سے کسی معتمد کو دے دیا جاتا ہے۔ صدیوں سے کم و زیادہ کچھ یوں ہی ہوتا آ رہا ہے۔''

''دُنیا بھر کی بادشاہتوں' ریاستوں' راجواڑوں' جاگیراروں حاکموں کی تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اسی طرح اگر میرے پہلے سوال کا جواب بھی دے دو تو مجھے اس موضوع کو سمجھنے میں آسانی رہے گی۔ وہی مخنث اور دُرویش والا سوال؟ میں نے ہچکچاتے ہوئے پوچھ لیا۔''

خموشی سے مجھے گھورتا رہا' پھر بادلِ نخواستہ معاندانہ لہجے میں گویا ہوا۔

''تمہیں کبھی فرقان الحمید پڑھنے کی توفیق ہوئی ہو تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صبر و شکر کرنے والوں کو بڑی بشارتیں دی ہیں۔ اگر تم میں بھی صبر و شکر کی خوخوبی آ جائے تو تمہارے بہت سے روحانی مسئلے حل ہو جائیں۔ میں اس کے بعد تمہارے پہلے سوال کی جانب ہی آ رہا تھا۔ خیر' میرے نصیب میں اگر تم لکھے ہی گئے ہو تو سوائے صبر اور کوئی چارہ بھی تو نہیں؟

اللہ کریم نے نوع نوع کی مخلوقات پیدا فرمائیں جن تک بنی نوع آدم کی رسائی ممکن نہیں (استثناء کے ساتھ) کچھ ایسی بھی جو اس کے آس پاس اور دائرہ اختیار میں ہیں مگر اس کی نظر اور علم میں نہیں۔ اللہ کی کائنات تو بہت دُور کی بات انسان تو ابھی تک اپنے جسم' وجود کی ظاہری باطنی کائناتوں' خود متعلقہ مخلوقات سے کما حقہٗ آگاہی حاصل نہ کر سکا۔ محض انسانی دماغ میں ایک سو ستر کائناتیں ہیں...... معدودے چند کے علاوہ' خاص و عام میں بھی دو چار سے زائد کوئی دریافت نہ کر سکا۔''

میں اس ہرزہ سرائی سُن کر دل ہی دل حیران ہونے کے ساتھ شرمندہ بھی ہو رہا تھا کہ کس تھنڈی

Scanned with CamScanner

جنس سے واسطہ پڑا ہے۔ کچھ پوچھنے کے لیے زبان کھولنے ہی لگا تھا کہ اِدھر سے فوراً سرزنش قدمی ہوئی۔

''خبردار! پھر کوئی اڑنگا نہ لگانا۔ بات پوری ہونے نہیں دیتے اور اگلا سوال شروع...... پہلے مجھے بات ختم کر لینے دو......!

مَیں بتا رہا تھا کہ اللہ کی کائنات' اس کی مختلف مخلوقات' اس کی حکمتیں مصلحتیں' ان کے فائدے نقصانات کے بارے وہی بہتر جانتا ہے۔ ہم اپنی ناقص عقل' نامکمل علم اور محدود دائرہ ادراک و مشاہدات کی بناء پر اُس کے خدائی نظام کو نہیں سمجھ پاتے...... نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم اپنے ناقص فیصلوں کو ہی قولِ فیصل سمجھتے رہتے ہیں۔

انسان کی لکھی کتابوں میں علم لدنی نہیں، علم دُنیا کے اُدھورے علوم کی فہرست' اشارے اور اقتباسات ہوتے ہیں۔ محض ان کاغذی کتابوں میں انحصار کرنے والا طالب علم' علم کی روح سے استفادہ کرنے سے عاجز رہتا ہے۔ دُنیا کے مروجہ علوم کی ڈکشنریاں' سمندر جھاگ کی مانند ہیں۔ ان سے حاصل ہونے والے معنی باطنی طور پہ بانجھ اور بے معنی ہوتے ہیں۔ جیسے آئینہ کا ایک رُخ' ایک مکمل آئینے کی تعریف نہیں ہوتا۔ بانجھ کے معنی ہیں عاجز' بے ثمر بے بشارت...... اب کسی بھی اچھی آہنگ میں درویش اور مخنث کے معنی دیکھو؟

مخنث بمعنی' ہیجڑا' زنانہ یا کھسرا ملے گا جبکہ مخنث تو وہ مخلوق ہے' جس کی تخلیق کا اصل مقصد صرف اللہ جانتا ہے کہ علیم و خبیر ہے۔ نر اور مادہ کے مابین کی یہ مخلوق علائق نفسانی سے یکسر بے نیاز ہوتی ہے...... بدنی پلیدی' جو مرد و زن کے ہاں ایک باقاعدہ مصیبت ہے' یہ اس سے بھی مستثنیٰ ہوتے ہیں...... آل اولاد کے بکھیڑے سیاپے نہیں ہوتے۔ یہ معصوم قدسی نفس مخلوق! فلسفہ ارض و سما...... یعنی'' الف لام میم' تیری رضا میری تسلیم'' کی ایک انسانی تفسیر ہوتے ہیں۔''

اس کرۂ ارض پہ جہاں کہیں عبادت گاہیں' معبد' مقدس مقامات' مقدس کتب خانے' مقدس یادگاریں موجود ہوں' ان کے مجاورت' دیکھ بھال' صفائی ستھرائی ان ہی کی ذمہ داری ہے۔ قدرت نے انہیں مخنث کا اعزاز ماں کے پیٹ میں ہی عطا کر دیا۔ ان میں ایک نسل ایسی ہیں جن کی ریش نہیں ہوئی...... ان کا جسم غیر ضروری بالوں سے آلودہ نہیں ہوتا ہے...... آواز مہین' چال میں میز حد نہیں ہوتی۔ متمدن معاشروں میں یہ لوگ صاحب ثروت و جاہ' بڑے بڑے پُروقار عہدوں پہ متمکن اور معاشرے میں اشراف کہلاتے ہیں۔ کوئی انہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ ان کا تمسخر نہیں اُڑاتا۔

اب ان لوگوں کے منفی پہلوؤں پہ اگر ایمانداری سے نظر ڈالیں تو اس میں بھی ان کا ایسا قصور نہیں کہ سارا الزام انہیں پہ دھر دیا جائے۔ ان سے منسوب خرابیوں کا اصل ذمہ دار ہمارے معاشرے کا وہ طبقہ ہے جو

Scanned with CamScanner

اپنی شخصی اقتصادی، تعلیمی، اخلاق اور جنسی ناآسودگی و ناہمواریوں کی دلدل میں گردن تک غرق ہو چکا ہے۔ ہماری گلیوں محلوں، کچی آبادیوں کا مخلوط ماحول بھی اس کا ذمہ دار ہے۔ ہماری ثقافتی، تفریحی روایتی لوک دلچسپیوں، کھیلوں، میلوں ٹھیلوں کا فقدان بھی اس کی ایک وجہ ہے۔ ہم نے اپنی کمیونٹی سے انہیں علاقہ بدر کر دیا ہوا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیا کریں؟ کیا کوئی دکاندار، سٹور، بس ویگن والا، سیکورٹی کا ادارہ، بینک، ریلوے، پولیس، ایئر لائن، کوئی وکیل، ریسٹورینٹ وغیرہ ان کو اپنے ہاں ملازمت دیتا ہے؟ جواب نفی میں ہے...... لے دے کے ایک دو کام ہی رہ گئے جن کے کرنے سے یہ اپنا دوزخ بھر سکیں...... بچوں کی پیدائش لوری، شادی بیاہ، تیل مہندی وغیرہ پہ ان کو ودھائیاں مل جاتی ہیں۔ ایسے فنکشنوں کی کامیابی سے ان میں ماڈرن لباس و میک اپ کا رجحان بڑھا۔ ان کی چاندی دیکھ کر خوبصورت نازک لونڈے اس جانب راغب ہوئے۔ اچھے خاصے مرد دو نمبر ہیجڑے بن کر روزی روٹی کمانے لگے۔ زنخے، کھسرے، ہیجڑے، ہومیوپیتھی، جنت کی چڑیاں...... مورتیں، کھدڑے، پھنتے، چھکے، سائیکلیں وغیرہ یہ سارے سلسلے، اصل مخنث کی دو، تین اور آ ے چار نمبر کلوننگ ہیں...... اور ان میں ایسی کالی بھیڑیں شامل ہیں جن کی وجہ سے یہ مورد نفرت و تمسخر بن گئے۔ اصل مخنث خواجہ سرا، حد درجہ پاک طینت، پارسا ہوگا۔ ناچ گانا اس کا معاش نہ ہوگا۔ انہی درویش منشوں میں حاجی، نمازی، بڑے بڑے عبادت گزار اور نیک شعار ہوتے ہیں۔"

بات بہت بڑھ گئی بتاتا چلوں کہ زچگی کے وقت، فوری طور پر بچے کا معائنہ بھی اسی خدشہ کا اظہار ہوتا ہے۔ کہیں نومولود مخنث نہ ہو، جو خاندان کی بدنامی کا باعث بنے۔ اکثر ایسا کہ مخنث پیدا ہونے پر اسے مار دیا گیا۔ کوئی بڑا خدا ترس ہوا تو رازداری سے دولت کا لالچ دے کر کسی غریب کو دے دیا جاتا۔ درویش بھی ماں کے پیٹ سے درویشی لے کر آتا ہے۔ دونوں کی بیشتر قدریں مشترک ہوتی ہیں۔ مخنث کا پتہ، ماں کے پیٹ سے ہی مارا ہوا ہوتا ہے جبکہ درویش، دُنیا کے جہنم میں پہنچ اس کا تہس نہس کر دیتا ہے۔ دونوں تارک الدنیا و لذات ہوتے ہیں۔ دونوں ہی نفی کا نمکدان ہوتے ہیں۔ ذرا سی "میں" نے کہیں سر اٹھایا جھٹ نمک چھڑک جلا دیا......!
دونوں ہی پیدائشی مختون ہوتے ہیں۔ کسی کے ختنے، کچھ حساب سے ہو گئے تو وہ درویش اور جس کے بے حساب، تو اُسے مخنث بنا دیا۔ وہ جو چاہے بنا دے، کسی کا کیا زور؟...... وہ بے نیاز...... اُس کی وہی جانے؟
بندہ تو میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا تھو تھو کرتا۔ ذرا سی تنگی ترشی سے واسطہ پڑ جائے تو ربّ سے گلے شکوے کرنے لگتا ہے۔ میٹھا بادام چلغوزہ، مزے لے لے کر کھاتا ہے، لیکن کڑوا عجیب و غریب منہ بنا کر تھوک دیتا۔
ایک خان صاحب کا جی جامن کھانے کو چاہا۔ بڑے چاؤ سے جامن خریدے اور ایک درخت تلے بیٹھ کر کھانا شروع کر دیئے۔ کھاتے دوران بے دھیانی میں ایک موٹا کالا سیاہ بھونڈ مکڑا، جامن جان کر منہ میں دھر لیا۔

Scanned with CamScanner

دانتوں تلے نجوننڈ نے پچڑ پچڑانا بھیس بھیس کرنا شروع کر دیا...... خان صاحب نے اس پہ دانتوں کا مزید بوجھ ڈالتے ہوئے کہا۔ بھیس کرو یا جیس' جہاں بیٹھے جامن کھائے وہیں ایک کڑوا بھی سہی...... سادے لوگ اکثر حکمت کی باتیں سمجھ لیتے ہیں مگر بزعم سیانے نہیں سمجھ پاتے۔

رابعہ بصریؒ اپنی خانقاہ میں مریدوں کے درمیان فروکش تھیں۔ اچانک سامنے دروازہ کی جانب نگاہ اُٹھی...... ایک نوجوان منہ لٹکائے' ماتھے پہ کپڑے کی پٹی باندھے کھڑا دکھائی دیا۔ آپ کچھ ساعتیں' تند بالا نظروں سے اُسے دیکھتی رہیں...... اشارہ سے پاس بلایا' بیٹھایا۔ سر پہ پٹی باندھنے کی وجہ دریافت کی...... اُس نے جواب دیا' دو روز سے سر میں شدید درد ہے۔ بہت جتن کیئے پر افاقہ ہوتا نظر نہیں آتا۔ آپ کے پاس دُعا کے لیے آیا ہوں...... مائی صاحبہ نے پوچھا...... تمہاری عمر کتنی ہے؟...... جواب ملا۔ بائیس برس...... مزید پوچھا...... بائیس برس میں کتنی بار ایسی تکلیف ہوئی؟...... اُس نے بتایا۔ صرف ایک بار......!

حیف ہے کہ بائیس برس صحت مند رہے اور کبھی ایک بار بھی مالک کی شکر گزاری کا جھنڈا نہ اُٹھایا...... ایک بار تکلیف ملی تو ماتھے پہ شکوے کا پھریرا باندھ لیا۔

انسان بڑا ناشکرا اور بے ظرف واقع ہوا ہے۔ احسان فراموشی' نسیاں' تلوّن اس کی رگ رگ میں بھرا ہوا ہے۔ میرے بابا جی رحمتہ اللہ علیہ' میری شرارتیں اور مستیاں' کمال تحمّل اور فراخ دلی سے نہ صرف برداشت کرتے بلکہ فروگذاشت بھی کر دیتے تھے۔ میرے ہمعصر مرید' جو قریب قریب سب ہی عمر میں بڑے تھے مجھ سے اسی وجہ سے جز بز رہتے۔

محلاتی سازشوں کی مانند خانقاہوں ڈیروں میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے' طریقہ واردات قدرے مختلف اختیار کیا جاتا ہے۔ قتل نہیں کیا جاتا' کسی کو زہر نہیں دیا جاتا۔ اس کی آنکھیں نہیں نکالی جاتیں۔ محض اندر ہی اندر کچھ کدورت پال لی جاتی ہے۔ بس! بابا جی سرکار بھی یہ کچھ جانتے تھے' لیکن نہ کبھی اُنہوں نے مجھے صبر کی تلقین کی اور نہ ہی اُنہیں' اندر صاف کرنے کے لیے کہا...... ہاں' موقع محل کے مطابق کبھی کبھی کچھ اشارے دے دیا کرتے۔ مثلاً جو بھی کرو' سامنے کرو' پیٹھ پیچھے کچھ نہ کہو۔ ایسے نیک اور اچھے نہ بنو کہ تمہیں منافقت کا سہارا لینا پڑے۔؟

معاف کر دینا...... خدائی وصف ہے یا پھر ان باکمال اور منتخب لوگوں کا وطیرہ جو خشیت الٰہی سے تھر تھر کانپتے رہتے ہیں۔ معاف کرو اور نہ کسی سے معافی چاہنے کے حالات پیدا کرو۔ اس طرح تمہارے معاملات اور حالات میں فلاح پیدا ہوگی۔ کسی کی بابت دل میں کدورت نفرت رکھنے سے لاکھ درجہ بہتر ہے تم سر بازار' اُس کے سر پہ گدھے کی لید پھینک کر اپنی نفرت کا اظہار کر دو...... مگر دل کا فرش صاف رکھو۔"

Scanned with CamScanner

باباجی کی ایسی حکمت بھری باتیں سیدھی میرے دل و دماغ میں نقش ہو جاتی تھیں اور میں حتی المقدور ان پہ عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا۔ یہی وجہ کہ میں بجائے کسی احساس کمتری یا برتری کا شکار رہتا۔ دل ہی دل میں انہیں بے ضرر بشر سمجھ کر درگزر کرتا۔ بہت بعد جب میں کچھ عمر میں بڑا اور بہت آوارہ گرد ہو گیا...... اکثر کئی کئی روز غائب رہتا تو باباجی میری ہلکی سی سرزنش فرماتے تو میرے ساتھی بہت خوش ہوتے...... ایسے مواقع پہ باباجی بھی اُن کا ساتھ دیتے اور ہاں میں ہاں ملاتے "میں باباجی کی اس ادا کو بھی خوب سمجھتا تھا۔ بہت بعد کسی کے پوچھنے پہ فرمایا۔ تم کیا سمجھو کہ یہ محمد یحییٰ خان کیا ہے؟ اس کو فقیری درویشی' خدا نے ماں کے پیٹ سے عطا کی ہے...... یہ مختون ہے یعنی اس کے ختنے قدرتی ہوئے ہیں پھر انہوں نے مندرجہ بالا' مختث اور دُرویش کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔''

اسی بات کو بڑھاتے ہوئے قصہ سناتا ہے۔ کہتا ہے...... کسی دوسرے شہر سے ایک شخص میرے پاس آیا کرتا تھا۔ تجارت پیشہ متمول شریف آدمی...... اپنی لمبی چوڑی برادری کا چوہدری...... گورنمنٹ کنٹریکٹر ملٹری کو خیمے ٹینٹ' رسے' بانس وغیرہ سپلائی کرتا تھا۔ کسی چیز کی کمی نہ تھی' اگر کوئی کمی تھی تو وہ اولاد نرینہ کی...... پکا مسلمان ہونے کی دیگر نشانیوں میں ایک نشانی شادیاں بھی ہے۔ وافر دولت' صحت' شہرت و عزت مل جائے تو پھر بھی صرف کسی نئی شادی کی ہوتی ہے۔ اس معتبر شخص کی پہلے تین شادیاں ہو چکی تھیں' جن سے لڑکیاں ہی تھیں لڑکا نہیں تھا...... دلیل معقول موجود تھی...... ایک خوبصورت عورت کا رشتہ بھی دکھائی دیا۔ اسی جینش بیش میں تھے کہ کسی اصلی نجومی سے مٹھ بھیڑ ہو گئی...... غرض مند' ہر جگہ اپنی چنتا ہی سامنے لاتا ہے۔ نجومی نے ہاتھ تکی دیکھ کر خوش خبری سنائی کہ چوتھی شادی سے اولاد دکھائی دیتی ہے...... لڑکی ہے یا لڑکا' یہ واضح نہیں کیونکہ لکیر آگے سے واضح نہیں لیکن یہ صاف ہے کہ اس بیوی سے آنے والی اولاد کا مقام بڑا اُونچا ہوگا۔ ایسی اولاد ہزاروں میں کہیں ایک آدھ ہی پیدا ہوتی ہے۔

چوہدری سلامت کو نجومی کی بات میں اولاد نرینہ کی گھات لگی محسوس ہوئی۔ جھٹ دو بول پڑھوائے اور تین بیویوں پہ چوتھی بیوی لے آئے۔ گھر میں نُن کی ریل پیل تھی۔ نوکر چاکر خویلیاں گاڑیاں...... نئی دُلہن کے چاؤ چونچلوں میں جب دو اڑھائی ماہ گزر گئے تو ایک رات دُلہن نے چوہدری صاحب کے کان میں " دن اُوپر گزرنے" کی نوید سنائی۔ خوشیاں' خوش رنگ پرندوں کی مانند ہوتی ہیں۔ خوش فہم بندے کی دُنیا نت رنگ! وہ بن پیئے ہی سرشار و شاداں رہتا ہے۔ سورج اس کی بغل اور چاند آستین سے طلوع ہوتے ہیں۔ اے کاش! یہ طلسم ہوشربا کی دُنیا سدا یونہی فرحت و فسوں خیز رہے تا کہ اس میں بسنے والوں کے چہروں پہ نومیدی کی تازگی کھلی رہے...... مگر ایسا تو فطرت کے خلاف ہے! کائنات کے مسلّم اُصولوں کے برعکس...... ایسا ہی ہو تو بشر

Scanned with CamScanner

کا حشر نشر ہو جائے۔ ریگ گھڑی ذرہ ذرہ زیر ہو جاتی ہے اک بار پھر اپنا پہلو بدلنے کے لیے۔''

دایہ جو مائی نہیں تھی' ساتویں مہینے ہی بیٹے کی خوشخبری سنا کر جاپانی سوٹ' دس تولے چاندی کے کڑے' دس روپے' من گڑ شکر' نجوری گئی کی فرمائش سنا دی تھی۔ چوہدری نے حامی بھی بھر لی۔ دو کوری کنالیاں' دو گھوٹے' میٹھا کڑوا تیل...... کوری واکل' گھنڈ ' گھونو میں ڈالنے جراثیم کش دوا...... وارنے کے لیے پھکڑی کی ڈلیاں...... ناڑو کاٹنے کے لیے چاندی کی قینچی...... دو عدد لالٹین' چٹانے کے لیے شہد' خاک شفا' منگھانے کے لیے گھگھو اور صدقے کے بکرے مرغیاں برآمدے میں بندھی ہوئی تھیں۔ باشونائی کا سب انتظام مکمل تھا...... مٹھائیاں اور پکوان تیار۔ علاقے کے ڈوم مراثی' کھسرے سب بیٹھے چوہدری کے آنگن میں "چاند" کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ وقت یوں آہستگی سے سرک رہا تھا جیسے کسی نے اسے باندھا ہوا ہو۔

برآمدہ' دالان' صحن' رشتہ داروں اور نوکر چاکروں سے بھرے ہوئے تھے۔ دو کمرے آگے اندر' پکھوں کے چھپر کھٹ والے کمرے میں جس کے درمیان شہتیر پہ بمبئی طرز کا پرانا جھولا لٹک رہا تھا۔ خالص تانبے اور پیتل کی زنجیریں۔ پرانے ساگوان کی خوشبودار لکڑی کا تخت...... تین اطراف' اخروٹی چوب کی بغل گیری' اوپر پیتل کے لٹکتے ہوئے لاٹو...... تخت پہ دیسی کپاس کا تھپلا سا آتشی شنیل کا گدا...... کمرے میں ہر شخص دم بخود سا' وقت کی کسی کروٹ کا منتظر...... زچہ اپنے الگ کمرے میں دردِ زہ میں مبتلا تھی۔''

سیانے کہتے ہیں کہ ہر طرح کے آنے جانے کا وقت مقرر ہے۔ وہ زندگی ہو یا موت! غم یا خوشی......!

● سو لازم ٹھہرا......!

اک نسوانی گھٹی گھٹی سی چیخ نے ادھر کے ماحول میں اک سنسنی سی پیدا کر دی تھی۔ موجود مرد و زن کے دلوں کی دھڑکنیں معمول سے زیادہ ہو گئیں۔ محتاط نگاہیں اور متوجہ کان' پچھلے کمرے کی جانب لگ گئے...... وہ ساعت آ پہنچی تھی جس کا ہر کسی کو انتظار تھا۔ بچہ پیدا ہوا تھا لیکن ادھورا......!

موتنے والی جگہ پہ چھوٹے بیر کی گٹھلی طرح ایک گلٹی سی تھی جس کا مطلب تھا بچہ مخنث ہے......

اک خامشی' سناٹا طاری ہو گیا۔ چوہدری' ہکا بکا منہ آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ موجود دیگر لوگ بھی اک دوسرے سے نظریں چرا رہے تھے۔

بچہ مردہ پیدا ہوا یا زچہ چل بسی؟

منہ کھولنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ آنکھوں آنکھوں سب اک دوجے کو ٹٹول رہے تھے۔ چوہدری!

Scanned with CamScanner

نے اپنے منشی' دو پہلی بیویوں اور ایک دو خانہ زادوں کے علاوہ سب کو باہر بھیج دیا۔
اعلان کروادیا' بچہ مُردہ پیدا ہُوا ہے۔ چوہدری نے اپنے ایک دو معتقدوں کو' کچھ سمجھایا اور باہر چلا آیا۔
ایک معصوم و مظلوم مخنث تو مولود......! احتجاجاً وہ رویا چلایا تو بہت...... مگر موٹے کپڑے کی چادر میں اُس کی فریادیں کسی کو سنائی نہ دیں۔ چوہدری کے حکم پہ فی الفور اُسے بڑی رازداری سے دُور ایک گاؤں روانہ کر دیا گیا...... دو نوجوان مرد اور ایک عورت' جو اِسی گاؤں کے رہائشی تھے۔ بچے کو لے کر رات کے تیسرے پہر اِدھر پہنچ آئے تھے۔''
کنارے اور بیچ دریا چھوٹے سے بیلے میں ملاحوں اور گوجروں کے ڈیرے تھے۔ یہیں بیلے میں اِک بے نام ونشاں شکستہ سی قبر! جس کے اِردگرد چند جھونپڑے اور ایک مٹی سرکنڈوں سے بنا حُجرہ! اِدھر ایک نیم مجذوب ننگا فقیر پڑا رہتا تھا۔ جبکہ جھونپڑوں میں مویشیوں کی رکھوالی اور دُودھ دوہنے والے گجر رہتے تھے۔ بھنگ اور دیگر منشیات کا شغل بھی ہوتا...... کبھی کبھار کوئی جرائم پیشہ بھی اِدھر دکھائی دے جاتا۔
قبر کے پاس خستہ حال حُجرے میں البتہ ایسا کوئی کام نہ ہوتا کہ مجذوب فقیر کے تصرّف میں تھا۔ اِدھر کے گجر اور ملاح' اُسے بڑا مانتے تھے۔ تازہ دُودھ' مکھن' روٹی پانی کا بندوبست اُنہی کے ذمہ تھا۔ اِس فقیر کے آگے پیچھے کے بارے کسی کو کچھ علم نہ تھا...... کون ہے' کدھر سے آیا...... کس کا بیٹا یا بھائی؟ البتہ صرف دو باتیں ایسی جو سب جانتے تھے۔ ایک یہ پیدائشی مخنث ہے۔ یہ جاننا بھی اس لیے ممکن ہُوا کہ ننگا تھا۔
ایسے فقیر کے لیے ستر ڈھانپنا کچھ ضروری نہیں ہوتا...... دوسری بات کہ یہ ''کرنی والا'' سمجھا جاتا تھا' ضعیف العقیدہ' توہم پرست لوگوں کی نظر میں ''کرنی والا'' وہ ہوتا ہے جو اَنہونی کو اپنی دُعا برکت سے ہونی کردے' بگڑی قسمت بنا سکتا ہو' پُٹھی کو سِدھی' ناممکن کو ممکن اور ڈوبے بیڑے تار سکتا ہو۔ غریب الحال' غریب الاعتقاد اور غریب العقل وعلم لوگوں کو کسی نہ کسی ''کرنی والے'' کی اَشد ضرورت رہتی ہے۔ وہ سائیں ہے یا سیّد' کوئی جرائم پیشہ ہے یا صوفی سالک' اِس سے کسی کو کوئی غرض نہیں ہوتی......؟
اِس مجذوب بابے کا مخنث اور بے ضرر ہونا بھی اِس کے حق میں بہتر ثابت ہُوا کہ رشتہ داروں' ساسوں' نندوں اور بگڑے ہُوئے خاوندوں سے ستائی عورتیں' بلاتکلف بے دھیانی اِدھر آ جا سکتی تھیں۔ دریا کنارے نزدیک دُور دیہہ گاؤں کے وسیبوں کا پیدل' کشتیوں اور گاڑیوں پہ اِدھر آنا جانا لگا رہتا تھا...... کرنی والا بابا' شاذ ہی کسی سے کوئی بات کرلیتا ہو ورنہ ہٹ بٹ دُور خلاؤں میں گھورتا رہتا یا پھر کسی ٹہنی تنکے سے ریت ملی مٹی پہ کسی نہ سمجھ میں آنی والی بھاشا میں کچھ اکھر لکھتا رہتا۔''
صبح سے شام اور رات سے دن کرنا اِس کی کسی اپنی منطق کے مطابق تھا۔ کسی سے کچھ مطلب غائت'

Scanned with CamScanner

آنے کی خوشی نہ جانے کا غم یعنی کسی اندیشۂ سود و زیاں کا گذر اس گلی سے نہ تھا...... کبھی کبھی وہ کچھ آگے بہتے دریا کی جانب نکل جاتا...... دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دریا ہمیشہ اُس کے آگے پایاب ہی رہا...... سیلاب کا تک کے دنوں میں خوش رہتا' کبھی چوڑے پاٹ' تند تیز لہروں میں اُتر جاتا...... بہتے سامان جانوروں' غرق ہوتے ہوئے لوگوں کو گھسیٹ کر کنارے تک لے آتا' کبھی چھوٹے بڑے سانپ اژدھے بھی نکال لاتا' اُن سے کھیلتا رہتا۔ اکثر نیولے' کرلے' سانڈے' گوہیں' کچھوے اس کے گرد گھومتے رہتے مگر کبھی نہ دیکھا سنا کہ کسی جانور نے ضرر پہنچایا ہو۔ جیسے وہ اُن سے اور وہ اس سے ہوں؟

غریب دھوبیوں کا ایک اپاہج لڑکا' جو کسی کام کاج جوگا نہ تھا۔ اپنی عسرت اور بھوک مٹانے کی غرض سے لڑھکتا ہوا دریا جانب آ جاتا۔ اِدھر پہنچنے کا مقصد' محض ایک دو مچھلیاں حاصل کر کے گھر کا چولہا گرم کرنا ہوتا۔ مگر اچھی اور بڑی مچھلیاں پکڑنے کے لیے جس سامان' ہمت' صبر اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس سے محروم تھا۔ ایک قدم اُٹھانے' بڑھانے کے لیے کسی نڈھال کینچوے کی طرح بل لینے پڑتے کہ دیکھنے والا اس کی حالتِ زار پہ ترس کھائے بغیر نہ رہتا۔''

ایک کاسنی سی سہ پہر' بابا دریا کے نظارے میں مگن تھا۔ ناگاہ اسے دُور دوسرے کنارے یہ اپاہج لڑکا دکھائی دیا۔ بنسی پانی میں ڈالے عجب مایوسی کی تصویر بنا بیٹھا تھا۔ دُھندلے سے چہرے پہ بھوک' مفلسی گھنڈی ہوئی تھی...... خدا جانے کیا سوجھی؟ بابا ناک دبا کر وہیں پانی میں غائب ہو گیا۔

''بندہ خواندہ یا ناخواندہ' بھوک میں اُس کی آنتیں قُل ھو اللہ پڑھنا شروع کر دیتی ہیں کہ بھوک' جنس اور خود حفاظتی' وہبی علوم میں سے ہیں۔''

بنسی کو بلکی سے کھینچ پڑی' لڑکا ہشیاری سے سنبھل کر بیٹھ گیا۔ دو بار جھٹکا لگنے پہ ڈھیل کرائی کہ کانٹا گلپھڑے کے اندر تک پہنچ جائے۔ ایسا ہی ہوا کہ کانٹا گلپھڑے میں پھنس چکا تھا مگر کس کے......؟

پتنگ بازی' عشق بازی اور ماہی بازی میں یہی کھینچے بڑھاوے ڈولے بڈولے ہی تو ہوتے ہیں۔ یہ تینوں شغل بازیچۂ اطفال نہیں' کارِ گرو گھنٹال ہیں......!

آسمان پہ تارا بنے تاوے کی ساری ٹرت پھرت' تلاواں کے ترازو کی ترکیب سے ہی تحرک ہوتی ہے۔ عشق بازی عجب عشق پیچاں' عشوہ و غمزہ رغنوان اور ماہی بازی وگیری' ہشیاری و نگہداری' صبر اور جبر گری!

بابا' اُبھرتی ڈوبتی بنسی کے عین نیچے' کانٹا منہ میں لیے ڈوری کھینچنے کا انتظار کر رہا تھا...... ننھے ننھے بلبلوں کے غبارے اُوپر ٹوٹ پھوٹ رہے۔ ڈوری کی دوسری جانب زور پڑا تو لڑکا' اپنے شکستہ پاؤں پہ اُٹھنے کا

جتن کرتے ہوئے دُہرا ہو گیا۔ ڈوری دائیں ہاتھ پہ لپیٹے ہوئے اُس نے بابا کو کھینچا کرایا۔ شدی' تن تمبور ہو کر اِک لکیری بن گئی اور ہر لکیر کے پیچھے اِک فقیر ہوتا ہے۔''

فقیر پانی سے یوں ہُویدا ہُوا جیسے بحرِ ظلمات سے اَمر الیاس ظاہر ہُوا ہو۔ گھمبیر زُلفوں اور ریش سے ٹپکتے ہوئے تسبیح دانے' مستی و مروت سے جل تھل نین کٹورے ...... لبوں پہ رسیلی سی مسکراہٹ ...... بابا' جس کے منہ میں بنسی کا کانٹا ہنوز پھنسا ہُوا تھا ...... ڈوری کو ہاتھ میں پکڑے وہیں پانی سے نکل کر کنارے کی جانب بڑھنے لگا تو لڑکا مارے وحشت' وہیں بیہوش گر پڑا۔ بابا اُسے اُٹھائے اپنے ڈیرے لے آیا۔ اُس کا علاج کیا اور کچھ ایسا کرم ہُوا کہ دُنیا ہی بدل گئی اور یوں غریب والدین نے اُسے بابا کا بالکا بنا دیا۔ بچہ بڑا ہُوا بابا کی خدمت کرتے کرتے یہیں کا ہو کر رہ گیا۔

- **تیرے ہتھ وچ ڈور وے سائیاں پُتلی دا کی زور وے سائیاں ......!**

چوہدری کے مخنث نومولود کو جو دو مرد اور ایک عورت ساتھ لائے تھے اُن میں ایک یہ مچھلی پکڑنے والا نیم اپاہج بچہ بھی تھا جو اَب بابا کے فیض سے صحت مند جوان بن چکا تھا۔ دوسرا جوان رعنا اور عورت' یہ آپس میں میاں بیوی تھے۔ ظاہر ہے کہ بابا کے ماننے والوں میں سے تھے۔ دونوں یہاں قریب ملاّحوں کی چھوٹی سی بستی میں رہتے تھے۔ عورت بھی لاکھوں میں ایک' مگر مرد ایسا کہ دیکھنے والے کی آنکھوں میں نُور چھپا کے مارنے لگے۔ کیا کہیے کہ ان کے ہاں پہلوٹی کے جس بچے نے جنم لیا وہ نرتھا نہ مادی ...... اِن میاں بیوی اور ان کے بچے کے بارے' طرح طرح کی باتیں آس پاس کے پنڈوں دیہوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کہانی کچھ حقیقت کے قریب اور سمجھ میں آنے والی لگتی تھی۔

یہ جوان ماچھیوں کے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا ...... سوہنا ماچھی! علاقہ میں اپنی خوش خلقی' مردانہ وجاہت اور ونجلی کی لَے کاری میں مشہور ...... چیلے شہتوت کے پیڑ سا کاٹھ' کھلے ہاتھ پاؤں' مضبوط جبڑا' یاقوتی ہونٹوں کی اوٹ میں سپید موتی دانوں کی تسبیح ...... آنکھوں میں آنکھیں ڈال دے تو کسی جوگا نہ چھوڑے' اردگرد کی ہر چوتھی پانچویں جوان لڑکی اُس کے خواب دیکھا کرتی تھی۔''

چاندنی راتوں میں جب یہ بیلے والی جھنگی کے باہر جھلنگی پہ پڑا اپنی ونجلی پہ لَب رکھتا تو جدھر جہاں تک اُس کی تانیں اُڑتیں' آ ہوں' گرم سانسوں سے فضاء میں آگ سی لگ جاتی۔ کمال ہے وہ ابھی تک جتی ستی

Scanned with CamScanner

تھا۔عورت کو سونگھنا تو دُور کی بات' کبھی سیدھی آنکھ اُٹھا کر میٹھی نظروں سے چھوا تک نہ تھا۔آتے جاتے یا دریا پار کراتے ہوئے اکثر اکیلی دوکیلی لڑکیوں سے واسطہ پڑ جاتا۔ وہ ایسے موقعوں پہ حق باہو سرکار کا کلام "الف اللہ چنبیے دی بوٹی" شروع کر دیتا...... کئی پکّی پکّی لڑکیوں نے اپنے حسن و جمال عشوہ و ادا...... لالچ دھمکیاں دے کر پھانسنا چاہا مگر اس کے مَن میں مُرشد کی لگی ہوئی چنبیے دی بُوٹی نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی۔"

آخری بھاری وار' پاس گاؤں کے ایک بڑے زمیندار کی اکلوتی بیٹی نے کیا۔ گھمنڈی خودسر خوبصورت مُیار نے اسے پانے کی خاطر سرد ھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ کہیں سنت سہیلیوں میں بیٹھی اسے اپنی محبت میں مبتلا کر دینے کا دعویٰ کر بیٹھی۔ اپنے دھانس چھوڑتے حُسن وشباب' باپ کی دولت واختیارات اور اپنی معاملہ فہمی پہ بھی بڑا گھمنڈ تھا' سمجھتی تھی کہ یہ خوبیاں' دُنیا کی بہت بڑی طاقت ہیں۔ ان سے صحیح کام لے کر بڑا سے بڑا معرکہ سَر کیا جاسکتا ہے۔"

حُسن! مغرور' خودسر اور بے وقوف ہوتا ہے اور اگر کہیں کرم ہو جائے اور کچھ عقل' حیا اور صبر بھی مل جائے تو واقعی پھر حُسن اک لازوال طاقت بن جاتا ہے۔ اس مغرور اور حسین وجمیل لڑکی کے ہاں ایسی ہی کوئی خوبی یا خرابی تھی۔ بن سوچے سمجھے بلند و بانگ دعوے تو بندے کو بندر بنا کر رکھ دیتے ہیں۔آپ جانتے ہوں گے کہ نچلا بندر نہ مسجد کے باہر نہ مندر کے اندر......!

شکار کرنا اور شکار ہونا دو مختلف کار فضول ہیں...... دونوں کا مقصد "کسی کی جان گئی' کسی کی ادا ٹھہری" ہوتا ہے۔ شکار کرنے کے لیے شکاری' شکار پور نہیں جاتے اور شکار ہونے کے لیے شملہ شکاگو یا شنگھائی بھی نہیں بلکہ شکار کو اپنے ہاں مدعو بھی کیا جاتا ہے۔ شکار ہونے کے بعد اپنے اُوپر پاؤں دھروا کر تصویر بھی بنوائی جاتی ہے۔سوتا بھوسا بھروا کر دیوان خانوں کو آرائش بھی دی جاسکتی ہے۔ اس کی پوستین' قالینوں پہ بچھانے میں بھی کوئی حرج نہیں...... کھوپڑی میں بھیجہ نہیں البتہ آنکھوں کے گڑھوں میں کانچ کے ڈھیلے ڈال دیئے جاتے ہیں۔"

اس خوبصورت' انا کی ماری بلا نے اسے شکار کرنے کی بجائے اس سے شکار ہونا پسند کیا۔ جیسے پیار و محبت' عشق معشوقی کے بعض کیس ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں گنگا اُلٹی بہتی نظر آتی ہے۔ ذوبے کو مارنے کی بجائے خود مر جانے کو جی کرتا ہے۔ حاصل کرنے کی خواہش کے برعکس اُسے کھونے کی تمنا ہوتی ہے۔ پھولوں کی طرح مسکرانے کی بجائے گیلے بھوسے میں دبی چنگاری کی مانند اندر ہی اندر دہکتے رہنے کی چاہ ہوتی ہے۔ اس طرح قلب ونظر کے چکر میں پھنسے کچھ خود پسند ایسے بھی' جو چاہتے ہیں کہ انہیں چاہا جائے۔

Scanned with CamScanner

وہ خود آگے بڑھ کر پہل نہیں کرتے لیکن ایسے مواقع پیدا کرتے ہیں کہ معشوق خود محبوب بن کر منطقی انداز میں سامنے آ جائے۔

بلّی چوہے کے کھیل میں یہی شکار کرنے اور شکار ہونے کی نرگسانہ فلاسفی کارفرما ہوتی ہے۔ سمجھ میں یہی آتا ہے کہ بلّی محض تفریح کشید کرتی ہے یا شکار کا لطف لے رہی ہے...... اس کے مزاج و اوقات میں چونکہ نرگسیت اور تساہل پسندی کے عناصر شامل ہوتے ہیں لہٰذا وہ دوسری بلیوں سے ستیزہ کاری مسٹنڈے بلّوں کی جارحیت کو برداشت اور چڑیوں چنڈالوں چوہوں کے ساتھ اداکاری کرنا پسند کرتی ہے......؟

ادھر چوہا دیکھیں دیکھنے والا دیکھتا ہے کہ وہ بلّی کے روبرو کیسا "بھیگی بلّی" بنا پڑا ہے۔ پر یہ میسنا اندر سے بڑا ہوشیار اور عیار ہوتا ہے۔ بلّی جب تک سو چوہوں کا کورم پورا نہ کر لے اُسے حج کا ویزہ نہیں ملتا...... ایسے ہی کوئی چوہا جب تک پہلی اور آخری بار بلّی سے چوہا بلّی کا کھیل نہ کھیل لے۔ وہ کسی شتر کی تکمیل اُچکے کسی تخل تک پہنچ نہیں پاتا۔ چوہے کے علاوہ منہ کا میسٹ بدلنے کی خاطر کسی کھلی آنکھوں والے کبوتر کی کایا پلٹ کرنا بھی بلّی کے لیے خاصا دلچسپ ہوتا ہے۔ موش ربوجی اس کی فطرت گربہ میں شامل ہے جبکہ کار کبوتر کشی اس کی عیش عشرت ہوتی ہے۔

چوہے کے لیے بلّی اس لیے بھی ضروری ہے کہ چوہا بلّی کھیلنے کے بعد اس کی کٹی پھٹی نعش کے ٹھکانے کے لیے اس کے پیٹ کے جہنم سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔ کہنے کو تو کوے کتے چیلیں وغیرہ بھی اس کا تیا پانچا کرنے میں دریغ نہیں کرتے لیکن رغبت سے اسے کوئی نہیں کھاتا۔ اس کمینے رذیل کی شکل کان تھوتھنی دم وغیرہ اس قدر کریہہ المنظر اور طبیعت دق کرنے والے ہوتے ہیں کہ خوامخواہ ہی اسے کسی برے انجام سے دوچار کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

اس پہ نظر پڑتے ہی نیت میں خرابی اور ضد کا پیدا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے نجات اور گرفت کی خاطر روئے ارض پہ جتنے آلات طریقے ایجاد اور استعمال ہوئے وہ کسی اور موذی جانور کے لیے وجود میں نہ آئے۔ انسانی ذہانت واختراع اس کے آگے عاجز ہو گئی مگر اس سے نجات حاصل نہ کر سکی۔ معلوم ہوا یہ بے ننگ و ناموس بے حد ذہین شاطر و چالاک اور پھرتیلا واقع ہوا ہے۔ پنجرے پھندے زہریلی گولیاں پاؤں چپکنے والے مادے بے سدھ کر دینے والے اسپرے۔ الیکٹرونک شعاعیں اور صوت کیمیکل خوشبوئیں بدبوئیں غرضیکہ کوئی بھی اکمل علاج اس عفریت کا حتمی توڑ ثابت نہ ہو سکا۔ یہاں تک بڑے بڑے عامل تعویذ دھاگوں جھاڑ پھونکوں والے جو جنات بھوت پریت کو ناکوں چنے چبوا کر دم لیتے ہیں جلا کر راکھ خاک کر

Scanned with CamScanner

دیتے ہیں۔ ان کے سامنے وہ بھی چالو رہتے ہیں بلکہ اس سے اپنی لنگوٹیاں دھوتیاں بھی کتروا بیٹھتے ہیں۔ ایک شعر ہے۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
یہ اتنا ہی اُبھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

اس شعر کا حشرات الارضی پہلو ان چوہوں کی افزائش سے نمایاں ہوتا ہے۔ سپنی، مچھلی، بلّی، خرگوشنی، کتیا اور نیوبی وغیرہ جتنے چاہے بچے جنیں انہیں کوئی پوچھنے کھچنے والا نہیں۔ ''بچے دو ہی اچھے'' والا فارمولا ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ اس معاملہ میں یہ انسان سے کہیں زیادہ متوکل ہیں...... مگر ایک قدر دونوں میں مشترک ہے کہ ''جس روح نے آنا ہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا''...... یہ جانور ایک جھال میں ناقابل یقین حد تک بچے تولد کرتے ہیں۔ گو ان کے بچے پیدائش کے وقت دیکھنے کے اہل نہیں ہوتے۔ اُن کی آنکھوں میں ایک چیک دار سفید مادہ ہوتا ہے جو دو چار دنوں میں خود بخود ختم ہو جاتا ہے اور نومولود کچھ نہ کچھ دیکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اَب فطرت ان کی مزید رہنمائی کرتی ہے اور جدھر منہ اُٹھا بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔

خرگوشنی، بلّی، نیوبی اور کتیا کے بچے بڑے سُست الوجود اور ماٹھے ہوتے ہیں جبکہ مچھلی، سانپ کے ٹونگ سنپولیے پیدائشی طور پہ ہی ایسے شُوں شڑک کر لیسدار انڈوں کی جھال سے آزاد ہوتے ہی منظر سے غائب ہونا شروع ہو جاتے ہیں جبکہ ان کی بینائی سرے سے ہوتی ہی نہیں...... زچہ انہیں روکنے کی کوشش میں پاگل ہی ہو کر ان پہ لپکتی ہے ظاہر ہے کہ محض منہ و زبان سے روکنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ بچے بھی ایسے نازک نمعلوم سے کہ اس ہڑبونگ میں پتا ہی نہ چلے کہ کہاں غائب ہو گئے؟ اَب ان بھگوڑے بچوں کی اکثریت بھی بقا و فنا کے راستوں پہ مختلف حوادث اور حشرات الارض کا شکار ہو جاتی ہے۔

اللہ کی حکمت سے اس کھیپ میں سے بھی کچھ بچ جاتے ہیں جو اپنی عمر طبعی تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح کتیا اور بلّی بھی اپنے پلّوں بلونگڑوں کو مختلف وجوہات کی بناء پہ ہلاک یا زندہ ہی کھا جاتی ہیں لیکن ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ خرگوشنی اور چوہیا کے گوتھنے سے بچے ہی ایسے ہوتے ہیں جن کے پچاسی فیصد بچ رہنے کا امکان ہوتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ان کے محفوظ بل ہوتے ہیں جدھر سے وہ اُس موسم میں ہی باہر نکلتے ہیں جب قدرے چلنے پھرنے یا خود کھانے پینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

دُنیا میں چوہوں کی بہت سی اقسام موجود ہیں جن میں بیشتر اور قابل ذکر ایشیا میں پائی جاتی ہیں۔ روس، یورپ، امریکہ اور دُنیا کے سرد طبقات میں زیادہ تر چوہے خوبصورت پست جثہ اور سفید ہوتے ہیں۔ جن

Scanned with CamScanner

کے ناک' کان' تھوتھنی اور پنجے گہرے گلابی...... کیوٹ' ماحول اور انسان دوست! ہمارے ہاں کے جاہل چینڈو گندے چوہوں کی طرح بلوں میں نہیں رہتے بلکہ چھوٹے چھوٹے کھلونا گھروں اور محبت کرنے والوں کے دلوں میں رہتے ہیں۔"

چھوٹے بچوں کے اسکولوں نرسریوں میں' خرگوش' مینا' آسٹریلین چڑیاں طوطے' پالتو بے ضرر سانپ چھوٹی بطخیں کبوتر وغیرہ کے علاوہ جو سب سے کارآمد اور مقبول جانور ہوتا ہے وہ یہ سفید اور مختلف رنگوں کے خوبصورت ننھے ننھے چوہے ہوتے ہیں...... بچوں کی جیبوں' سکول بیگوں' شانوں' آستینوں' پڑھائی کے ڈیسکوں پہ بڑی آسانی و بے تکلفی سے پھدکتے دکھائی دیتے ہیں۔ بچے اور چوہے اک دوجے کی ذات سے یکسر بے نیاز' نرسری کے ماحول کا حصہ بنے ہوتے ہیں۔ ننھے ننھے سفید روئی کے پھوئے......نرم نرم برف کے گولے...... معصوم سی صورت' پتلی سی سرخ دم...... کتنی آنکھیں! یورپین بچوں کے لیے آسٹریلین طوطوں' سفید چوہوں اور خرگوشوں سے بڑھ کر کوئی اور جیتا جاگتا' دوڑتا پھدکتا کھلونا نہیں ہوتا۔

چوہوں کے علاوہ وہاں کئی اور قسم کے چوہے بھی ہوتے ہیں۔ جو اپنی جسامت' ہیئت کذائی' رنگ ڈھنگ اور افزائش کی بنا پہ صدیوں پرانا سر درد بنے پڑے ہیں۔ چوہے کے وجود کرہ ارض پہ بسنے والوں کے لیے کسی نہ کسی طور ضرور مفید ہوگا اور اس کی تخلیق میں خالق و مالک کی یقیناً کوئی مصلحت پوشیدہ ہوگی؟...... سائنس اور ماہرین حشرات الارض بھی ابھی تک اس کے متعلق کما حقہ' جانکاری حاصل نہ کر سکے۔ اسے صرف تجرباتی آپریشنوں اور تجرباتی کارروائیوں تک ہی رکھا ہوا ہے۔"

نمایاں طور پہ چند جانور ایسے ہیں جن کے متعلق آسمانی صحائف اور دیگر قدیمی کتابوں' اساطیری قصوں کہانیوں میں کچھ پڑھنے سمجھنے کو مل جاتا ہے۔ سانپ' مچھر' ابابیل' کوا' ٹڈی' چیونٹی' دیمک اور شہد کی مکھی وغیرہ...... رینگنے' اڑنے والی یہ مخلوقات محض گوشت پوست والے جاندار ہی نہیں کہ جن کا مقصد اڑنا' رینگنا' کھانا پینا اور پھر مر جانا ہو...... ان میں دیگر جانداروں کے برعکس سریت' ما فوقیت' صدری ادراکیت اور جزوی الہامیت کے عنصر بھی موجود ملتے ہیں۔ رب کائنات کے عظیم بے جھول نظام میں' ہمارے طبق ارض کے بیشتر بنیادی حیاتیاتی تقاضوں کے تصنع وتزئین اور تطہیر کے سلسلے' ان سے وابستہ ہیں...... کتا' گدھ' گدھا' بلی اور چوہا بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں لیکن قدرے استثناء کے ساتھ......!

میں نے اس کی نان سٹاپ گفتگو سے لبالب ہوتے ہوئے' ہاتھ جوڑ کر استدعا کی۔

"آقا! میری کیا مجال کہ جرأت اظہار بیزاری کروں؟ پر کیا کروں میری قوت سماعت و برداشت' اپنی

Scanned with CamScanner

حدِ انتہا سے بھی کہیں اُوپر جو ایک مقام "سدرۃُ المنتہیٰ" کہلاتا ہے' اُس سے بھی پرے گزر چکی ہے۔ اس مقام خد پہ پہنچنے والے کے لیے برأت کے صرف دو راستے باقی بچتے ہیں۔ اپنے آقا سے پروانۂ آزادی کی درخواست کرے یا منظوری کی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی بجائے خود ہی کہیں پلّا پاک کرلیا جائے۔ اب جو راستہ آپ کو پسند ہو وہ اختیار کروں....؟"

بابا نے خلافِ توقع' بظاہر خوش خلقی اور کشادہ سامانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"مَیں تو پہلے ہی حیران تھا کہ تم اَب تک چٹخے کیوں نہیں؟ چوہوں' کتّوں' بلّوں کے موضوعات پہ گھن پیدا کردینے والی طویل گفتگو تم نے کیونکر ہضم کرلی؟ اللہ! تمہیں اس کا اجرِ عظیم عطا کرے۔ ہاں! تمہیں' مجھ سے نجات حاصل کرنے کے متعلق سوچنا نہ چاہیے' کارِ قضا اگر ایسا کسی طور کر بھی لو...... تو دیر بدیر واپس میرے پاس ہی پہنچ آؤ گے کہ جو مزہ چھجّو دے چوبارے وہ بلخ نہ بخارے......" خاموشی اور صبر سے سنو! علم' دو چار کتابیں پڑھنے اور چند ماہ و سال کسی مدرسے' یونیورسٹی میں گزار لینے کا نام نہیں...... مَیں تمہیں اس زمین یعنی کرۂ ارض کی مثال دیتا ہوں۔ اس کے وسیع و عریض سیناریو میں سمندروں' جھیلوں' پہاڑوں' صحراؤں' جنگلوں' میدانوں کو بھی شامل کرلو۔ اس کے باوجود اس کی حیثیت کائنات کے اُفق پہ ایک پشّہ کے پَر کے برابر بھی نہیں...... طبقِ ارض کو فضیلت...... سجدہ گہِ آدم' مولد و مرقد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حرم پاک کے صدقہ میں ملی۔ یثرب بالآخر مدینہ منورہ اور بکّہ' بیت اللہ کے قالب میں ڈھل گئے۔ مدینہ منورہ میں انصاری اور مکہ مکرمہ میں بدو آج بھی موجود ہیں۔ سیدنا بلالؓ کی غنا و ادا کے ارتعاش اب بھی سماعت میں اک الوہی آہنگ پیار کھتے ہیں۔ صحنِ حرم میں اَبابیلیں آج بھی محوِ پرواز رہتی ہیں۔"

شاید تمہاری عقل کے کھانچے میں یہ بات آجائے علومِ لدُنّی کا نزول' فطرت' حقیقت' مغفرت اور صحبتِ صالح کی موافقت سے نصیب ہوتا ہے' مکتب و مدرسے سے ابتدائی اشارے تو ملتے ہیں مگر انتہائی اظہار یے نہیں کہ یہ کسی دَرِ دَرویش پہ دستک کی بھیک ہوتے ہیں۔"

مَیں بتاؤں مجھے ایک بند پوٹلا ملا تھا مگر اس کی گرہ کھولنے کے لیے ناخنِ تدبیر' اُس ابتدائی مکتب کے مدرّس کے "لکیری فقیری علم" سے ملا جس نے مجھے پہلا سبق اَلف آم پڑھانے کی کوشش کی کہ ابتدائی مروجہ طریقہ ہی یہی ٹھہرا تھا۔ مادری بے علم کے لیے علم کی ابتداء الف آم اور بائے بکری! اور جو وہبی علوم کا جویاں ہوتا ہے اس کے لیے اَلف' اللہ اور بائے' بابا ہوتے ہیں۔"

مَیں نے اُونگھتے ہوئے کہہ دیا۔

Scanned with CamScanner

''شاید تم بھول گئے کہ بات' چوہدری کے مخنث بچے' بیلے کے مجذوب بابے سے بڑھتی ہوئی نوجوان ملاح' اُس پہ نظر رکھنے والی جنیلی خوبصورت عورت اور پھر بیوہ بے بلیوں' خرگوشوں' کتوں تک آ پہنچی ہے۔ اب آگے کہاں سے کہاں...... کائنات افلاک اور طبق اَرض...... ؟''

''درمیان میں ٹوک دیتے ہو۔ اس سے نہ صرف آمد کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے بلکہ زیرِ بیاں موضوع بھی غیر دلچسپ ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے تب میں ٹکڑوں کو آپس میں جوڑنے کی بجائے کسی اور سلسلے کو شروع کرنا بہتر خیال کرتا ہوں...... اب بولو' مخنث بچے سے شروع کروں یا بُوبیا کے بچوں سے؟ مجھے پتا ہے کہ تم بُوبیا کے بچوں سے زیادہ' اُس مخنث بچے کی بابت سننا پسند کرو گے اور تمہیں سننا بھی چاہئے۔

یہ تو میں تمہیں اس سے پیشتر بتا چکا ہوں کہ انسانی بچے ہی محض مخنث پیدا نہیں ہوتے۔ ان کے علاوہ بھی اور مخلوق ایسے خصائل کی حامل ہوتی ہیں۔ مثلاً شجر و حجر' چرند پرند و درند' طبقاتِ اَرض' انسانی رشتے روئیے...... یہاں تک کہ وقت کے بہتے دھارے' لمحات اور پہرو پل بھی...... کہ ان سے محض وقت کے زیاں اور وہم و گماں کے جز' کچھ برآمد ہوتا دکھائی نہیں دیتا مگر قادرِ مطلق کے ہاں کچھ بنا مقصد و مصلحت نہیں ہوتا...... بلکہ یہ بھی کارخانۂ قدرت کا ایک نادر شہکار ہوتے ہیں۔''

بہت سی مخلوقات ایسی' جو انسانی بصیرت و بینش' فہم و ادراک سے ماورا ہوتی ہیں شاذ ہی کوئی لاکھوں میں ایسا ہوتا ہے جسے ربّ الحکمت و مصلحت نے چشمِ بینا اور وادیٔ سینا سا سینہ بہ سینہ المضاعف اُلوہی علم ودیعت کیا ہوتا ہے۔ یہی وہ رجلِ رشید' جو ایسی اَجل مخلوقات کی بابت اِن رازو رسلم اور مقام و مقاصد سے آشنا ہوتا ہے جس سے دوسرے سارے نہیں ہوتے۔''

یہ تو اکثر لوگ جانتے ہیں کہ درختوں میں بھی نر اور مادہ ہوتے ہیں اور شاید ہزاروں لاکھوں میں کوئی جو یہ بھی جانتا ہو کہ ان میں مخنث بھی ہوتے ہیں؟...... چوپایوں میں خچر ہوتا ہے جو گدھے گھوڑے کے ملاپ سے معرضِ وجود میں آتا ہے اور ڈچرا بھی جو جنگلے گھوڑے یا گڑی اُونٹنی کے اختلاط کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اب تو اسے پیدا کرنے کا رواج یا ضرورت نہیں رہی لیکن جب اَزمنہ بعید میں کاروانوں قافلوں کا دور دورہ تھا اس کی نسل کشی کا اہتمام بڑے اعلیٰ پیمانوں پہ ہوتا تھا کہ اُونٹوں کی رواں قطار کا سرخیل یہی ہوتا۔ اس میں بااعتماد قیادت و ریاضت کی بے پناہ صلاحیت کے علاوہ' عام اُونٹ سے کئی گنا زیادہ صبر برداشت کی اہلیت...... بدلتے موسم' بادِ سموم کی پیشگی اطلاع بہم پہنچانے میں اِک خداداد ملکہ حاصل ہوتا۔ جِڈوں بغلوں کی بُو اور رونمیں' زبردست دافع سمیات ہوتے ہیں۔ مخنث ہونے کے ناتے' عنفوانِ شباب کی خطرناک مستیوں' خوفناک بغلود

Scanned with CamScanner

سے بچا رہتا ہے۔ ''شتر کینہ'' بھی نہیں کہ اس میں ''میں'' نہیں ہوتی مگر جہاں جان ہوگی وہاں ''میں'' تو ہوگی...... جان نمود سے تعبیر ہوتی ہے اور نمود اک ایسا پودا جو ''میں'' کے پانی سے سیراب ہوتا ہے۔''

میں نہ بولتا اگر وہ ''میں'' اور ''نمود و وجود'' وغیرہ کو اس بے دردی سے گھما پھرا کر پیش نہ کرتا۔ میں تو سلائی مشین کی پھرکی بن کر رہ گیا تھا جو ایک تنے مضبوط دھاگے کے پھیر میں پھنسی ہوئی کپڑے سی رہی ہوتی ہے پر کون جانے وہ خود کتنی اُدھڑی پدھڑی' گرم اور بے حال و بے وصال...... یہیں پھر میں نے ٹوک دیا۔

''تم اس مخنث بچے کے بارے کچھ کہہ رہے تھے......؟''

وہ خشمگیں نگاہوں سے مجھے تو متا ہوا بولا۔

''موٹر کار چلانے کے طریقوں سے تم واقف ہی ہو گے...... کسی راہ راستے پہ ڈالنے سے پیشتر انجن کو ایک دو بار ہلکے ہلکے اگنیشن دینے پڑتے ہیں۔ پھر دو چار ایکسیلیٹر کے جھٹکوں سے انجن کی کارکردگی کو رواں کیا جاتا ہے۔ کہانی سے پہلے مناسب سی تمہید...... باقاعدہ ملاقات سے پیشتر علیک سلیک' مصافحہ' معانقہ...... طعام سے اوّل پانی کے گھونٹ...... گائیگی سے پہلے گنگناہٹ الاپ' سرتال کا تال میل...... محبت پیار سے پہلے کچھ چھیڑ چھاڑ' تکلف تلوّن...... لڑائی بھڑائی بھی پہلے کچھ تکرار و للکار کی متقاضی ہوتی ہے۔ اسی طرح کچھ عقل و فکر کی باتیں' قصّے' واقعات وغیرہ بھی کچھ تمہید یہ تقاضے رکھتے ہیں۔ کپڑے کی سلوٹیں نکالنے کی خاطر' پانی سے وتر دینا' اچھے نتائج کا حامل ہوتا ہے...... خیر' یہ نازک معاملات ہیں جنہیں سمجھنے جاننے کے لیے کئی جنموں کی تپیا درکار ہوتی ہے۔''

''دیکھ لو کہ یہ معمولی چھوٹی سی بات بھی سمجھانے کے لیے تم نے کتنی بڑی تمہید کا سہارا لیا ہے...... کیا یہ آسان اور مختصر سمجھایا نہیں جا سکتا......؟''

''بالکل سمجھایا جا سکتا ہے' بلکہ محض آنکھ کے اشارے اور ہلکی سی باطنی توجہ سے بھی یہ کام سرانجام دیا جا سکتا ہے مگر کوئی ایسا مقابل بھی تو ہو؟ تیر کے سامنے کوئی مضبوط ہدف...... ورنہ وہی ہوا میں تیر چلانے والی بات ہوتی ہے؟ تیر' گولی' بات' انہیں ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ میں اسی لیے کوئی قیمتی بات سنانے سے پیشتر تمہید باندھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسے پورے سیاق و سباق کے ساتھ سنا اور سمجھا جا سکے۔'' ذرا سنجیدہ سے توقف کے بعد گویا ہوا۔ ''غور کرو' یہ زنخوں' مخنثوں والا موضوع' جس پہ کوئی نام نہاد' عالم' مولوی' دانشور' پیر وغیرہ بات تک کرنا پسند نہیں کرتا کہ ان کی نظر میں یہ انسانیت کے دائرے سے ہی آؤٹ ہیں...... بزعم خود اشرافیہ' یہ بھی نہیں جانتے' مخنث' خواجہ سرا یا زنخے' ہیجڑے کھسرے مابین فرق کہاں ہوتا ہے؟

Scanned with CamScanner

مخنث لفظ مذکر اور مونث کے درمیان کا ہے۔ جیسے برزخ...... جو نہ عالم ہستی ہے اور نہ عالم بالا......
جن و بشر میں ہی مخنث ہوتے ہیں جبکہ قدسیوں ملائک اور رجال رشید یہ ذوات حمیدہ میں ان کا تصور نہیں ہوتا۔
مخنث جن و بشر یا چند دیگر مخلوقات میں انہیں پیدا کرنا بھی قدرت کے رازوں میں سے اک راز ہے۔ جو ہر کسی
پہ عیاں نہیں ہوتا...... قدرتی مخنث میں شہوانی تلذذ نہ نفسانی خواہشات کی خو بو؟ اس کے کلبوت کی کالا بتوں اور
وجود کی وریدوں میں وحدت الوجود کی ماورایت گندھی ہوتی ہے۔ صبر، سکت میں سجاؤ اور روحانیت جذب
کرنے کی ردا ہوتی ہے۔ دیکھنے کی شفافیت اور سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ انہیں خاص الخاص مقامات،
نوادرات، صحیفات، جن کے تقدس و تکریم کے تقاضے ارفع ہوتے ہیں یا جن کی حفاظت مقصود ہوتی ہے پہ مقرر کیا
جاتا ہے...... ہدائت، نقابت، وصائیت کا وسیلہ بھی بنایا جاتا ہے۔

میں نے مکہ مکرم، مدینہ منورہ، کربلا معلیٰ، نجف اشرف، بغداد، شام، فلسطین، مصر، یمن ایسے بے شمار
مقدس مقامات، مزارات، درس گاہوں، مسلکی فقہی مکاتیب پہ ان مخنثوں کو مقرر دیکھا ہے۔ ان کی تکریم و تحریم
دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ یہ ذی قدر علما، فقہا، اور اساتذہ کے مقام پہ متمکن ہوتے ہیں۔ افسوس کہ ہم قدرتی
مخنثوں کو بھی ہیجڑوں، زنانوں اور کھسروں کی صف میں شامل کر کے اپنی بے علمی اور ناسمجھی کا اظہار کرتے ہیں۔
ہمارے بے ہنگم ناہموار معاشرے نے انہیں دھرتی کا بوجھ اور انسانیت کے نام پہ تہمت سمجھ لیا ہے جبکہ ان کی
فلاح و بہبود کے لیے حکومتی سطح پہ بہتر کام ہونا چاہئے اور انہیں ریاستی مشینری میں اک فعال پرزہ بنانا چاہئے کہ
یہ بھی اللہ کی مخلوق اور نبی پاکؐ کی امت میں سے ہیں۔''

قدرت کے راز کسی پرانے بند چوبی صندوق میں بند پراسرار خوشبوؤں کی مانند ہوتے ہیں جو کسی
نمایاں تبدیلی کے ظہور پہ کسی خاص بندے کی نگاہ میں آ جاتے ہیں۔ ہر کسے ناکس کا یہ نصیب نہیں ہوتا۔
جوگی، سنیاسی، سادھو، سنت جنگل جنگل صحرا صحرا خجل خراب ہوتے پھرتے ہیں۔ کام کی کوئی کیمیائی جڑی بوٹی،
گیان دھیان کے لیے کوئی دھیرا استھان...... منور مَن کی بھاونا کے لیے کوئی بندرا بانی اور بس بشکار......
روپ اشکارا کے لیے کوئی نرالی ناگن ضروری نہیں نصیب ہو جائے۔ گدھوں کے گلوں میں ہیرے اور بڑے
بڑے تاجوروں کے دانتوں میں کریڑے بتے دیکھے...... وہی کہ جسے چاہے وہ قادر مطلق جو بھی بنا دے یہ اس کی
عطا اور رضا ہے۔''

نومولود میں سب سے پہلے زندگی دیکھی جاتی ہے جو اس کے رونے یا نہ رونے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔
اس کے بعد نر یا مادی کی دریافت ہوتی ہے۔ اگر بچہ نر ہے تو اس کے مکمل مردانہ اعضا کی تصدیق ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

جسمانی خدوخال کو جانچا پرکھا جاتا ہے۔ سب کی ذرتی کے بعد مبارک سلامت کے آوازے لگتے ہیں۔ نوّے فیصد یہی ہوتا ہے۔ دس فیصد میں مُردہ بچے' زخمی' نامکمل اعضا' غیر معمولی وزن' قد' ہیئت وحال والے...... اُلٹے اور پچھل اُبھی آنول' گربن گزیدہ' کسی جانور سے مشابہ' دُم سینگ' پورے دانتوں اور جھاڑ بالوں والے' چپٹے' نگلے' تن پیرے دو جڑے ہوئے جسموں والے۔"

حیرانی کی بات کہ مَیں نے نومولود کو روتے ہوئے نہیں ہنستے ہوئے بھی پایا ہے۔ کتے اور بلی کی مانند غُرغراتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ ایسا بھی ایک بچہ دیکھا جو پیدا ہوتے ہی کچھ کہنے کی کوشش میں ہونٹ ہلا رہا تھا۔ ایسی خرق الفطرت باتیں اور حرکات' اللہ کے برگزیدہ بندوں سے سرزد تو ہوئیں لیکن کبھی کہیں عام بچوں میں بھی ایسی چیزیں نظر آئیں جو ماورائے معمول ہوتی ہیں اور پھر مشاہدہ میں آیا کہ ان ایسی غیر معمولی حرکات و شکلات کے حامل بچے اپنی زندگی میں بھی دوسرے انسانوں سے علیحدہ ہی واقع ہوئے۔

دیکھنے میں آیا کہ بعض لوگوں کے ہاں بلائیں' شر شرار اور بُھوتنے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ پیٹ سے نکلتے ہی عجیب و غریب ڈراؤنی آوازیں نکالتے ہوئے کہیں چھپنے کی کوشش کرتے ہیں...... اُن کی آنکھیں بھی ابھی پوری طرح کھلی نہیں ہوتیں۔ ایسے بچوں کو جنم دینے والی مائیں اور مددگار عورتیں اکثر بیہوش ہو جاتی ہیں...... کئی تھڑ دلی مر بھی جاتی ہیں۔ جبکہ ایسے نُھتنے بچے' اکثر دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اُوجھل بھی ہو جاتے ہیں لگتا جیسے زمین نے اُنہیں چھپنے کے لیے جگہ دے دی ہو۔"

زچگی کے ایسے واقعات اکثر اُن عورتوں کے ہاں ہوتے ہیں جو تعویذوں گنڈوں اور دو نمبر عاملوں پیروں کے ہتھے چڑھ جاتی ہیں اور حمل کے دوران اُلٹے سیدھے ٹونکے استعمال کرتی ہیں۔ نا سمجھ مسلمان عورتیں جو پاکی پلیدی' حرام وحلال کا خیال نہیں کرتیں اور اپنے شوہر کے علاوہ دوسرے مردوں سے ملتفت ہوتی ہیں اُن کے ہاں بھی ایسی 'بلائیں بُھوتنے' بچوں کی صورت پیدا ہوتے ہیں جو اُن کے لیے شامتِ اعمال ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے بچے والدین کا مکافاتِ عمل ہوتے ہیں...... مشاہدے تجربے میں آیا کہ شمشان' پرانے قبرستانوں' جنگلوں اور سنسان ویران جگہوں کے آس پاس رہنے والوں کے ہاں بھی ایسے بچے جنم لیتے ہیں۔ ریل کی پٹڑی کے قریب' سر بازار فلیٹوں' کرکٹ گراؤنڈ کے پاس' کارخانوں کے بیچ رہنے والوں کے ہاں بچے اکثر ابنارمل پیدا ہوتے ہیں۔ منشیات استعمال کرنے والوں کے ہاں بھی بچے صحیح پیدا نہیں ہوتے۔ کسی کا تالو غائب تو کسی کے دل میں سوراخ' پیدائشی شوگر کے مریض' اعضا نامکمل وغیرہ وغیرہ۔

کراچی کا میرا ایک عقیدتمند بچہ صالح اطوار خوشحال دولتمند میرے پاس فریاد لے کر پہنچا کہ میرے دو

Scanned with CamScanner

بچے اَبنارمل پیدا ہوئے جو چھوٹی عمر میں ہی فوت ہوگئے۔ اَب بیوی پھر حاملہ ہے دُعا کریں اللہ صحت مند بچہ دے۔

کراچی جانا ہوا تو وہ مجھے تَرلے واسطے ڈال کر گھر لے گیا...... دوسرے مالے پہ اُس کا کشادہ سا فلیٹ تھا' گھر میں آسودگی تھی...... میاں بیوی جوان اور صحت مند...... آپس میں ہم آہنگی بھی...... سمجھ نہ آئی کہ اولاد اَبنارمل کیوں پیدا ہوتی ہے۔ سرسری طور پہ اُن دونوں میاں بیوی کا جائزہ لیا۔ بظاہر کوئی وجہ سمجھ نہ آئی۔ کمرا جو میرے لیے مخصوص تھا بڑا آرام دہ اور پُرآسائش تھا۔ آرام کی غرض لیٹا تو عجیب سی سراسراہٹ کانوں میں سنائی دی۔ غور کیا تو نیچے بڑے بڑے ہال تھے جن میں سِٹے کا کاروبار ہوتا تھا۔ دھیما دھیما شور' عجیب سی بے چینی پیدا کر رہا تھا' پہلو پہ پہلو بدلتا رہا۔ جب بے چینی ایک حد سے بڑھ گئی تو اُدھڑا کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

گھر والے شاید نیچے بازار میں کچھ خریدنے کے لیے نکل گئے تھے۔ اِک میز پہ دھری اخبار دکھائی دی۔ یہیں مجھے انڈین گٹکے کی کچھ پڑیاں بھی نظر آئیں۔ وہی پڑیاں جن کے مختلف نام ہیں۔ تکسی' رسیلی' بمبئی' فانوس' گوگو' گولڈن' سدا بہار' خدا جانے کیسے کیسے عجیب نام ہوتے ہیں۔ ادھر بھی ایسی پڑیاں پڑی تھیں۔ ایک پڑیا کھولی تو اندر سے تمباکو آلود سپاریاں نکلیں۔ نوٹنکھی! ایک دو کو کھولا' زبان پہ رکھا۔ اگلے ہی لمحہ ساری بات سمجھ میں آ گئی۔''

یہ زہر آلود سپاریاں' حد درجہ خطرناک ہوتی ہیں۔ مختلف کیمیکلز سے انہیں نشہ آور بنایا جاتا ہے۔ ایک دو روپے کی پڑیا' منہ میں نسوار مانند دھرنے سے عجیب سا سکون حاصل ہوتا ہے۔ کافور اور پیرامنٹ کا ایسنس منہ زبان سُن اور ٹُن کر دیتے ہیں۔ مزید افیون کا ست اِسے سہ آتشہ بنا دیتا ہے۔ رفتہ رفتہ جب آدمی اس کا عادی ہو جاتا ہے تو پہلے دانت اور آنت جاتے ہیں پھر تالو اور منہ کے اندر والی جبڑوں کی جھلی اور زبان کی سطح تباہ ہو جاتی ہے۔ حلقوم کا کوّا بیٹھتا ہے۔ نرخرے میں ورم اور سانس کی نالی میں توڑ پھوڑ شروع ہوتی ہے۔ بات یہیں پہ ہی نہیں رُکتی آگے بھی بڑھتی ہے۔ مردانہ آزردگی کے علاوہ اعصابی تشنج پیدا ہو جاتا ہے۔ اکثر اس کے عادی مرد کی اولاد صحت مند پیدا نہیں ہوتی۔''

بچہ اچھا اور فرمانبردار تھا...... اس زہر کی پڑیا سے پرہیز اور فلیٹ سے منتقلی کا کہہ کر میں چلا آیا...... اَب اس کے پانچ بچے ہیں۔ ماشاءاللہ تندرست خوبصورت...... تمباکو اور نہ محسوس ہونے والے شور سے نجات پاتے ہی اُس کا مسئلہ حل ہو گیا۔ کہنے کا مقصد؟ تھوڑی سی لاعلمی سے نہ صرف ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں بلکہ اپنی آئندہ نسل کی زندگیوں کو داؤ پہ لگا دیتے ہیں۔

میں ایک حقّہ پینے والے مسجد کے پیش امام صاحب کو جانتا ہوں جو پانچ وقت نمازی متقی پرہیزگار اور

Scanned with CamScanner

معتبر عالمِ دین ہے۔ مگر چہرے پہ نحوست' کلام اور دُعا بے اثر...... اولاد نا خلف اور بدا طوار...... ہر لمحہ حالات اور مالی معاملات کے شاکی...... مجھ سے واجبی سی جان پہچان تھی۔ میرے سیاہ لباس' انگوٹھیوں' مالاؤں اور دراز زُلفوں کے متعلق اُن کے خیالات انتہائی معاندانہ تھے۔ یہاں تک کہ مجھے مسلمان تو کیا' انسان بھی نہ سمجھتے...... لیکن چونکہ محلہ دار تھے اس لیے کہیں آمنا سامنا ہو جانے پہ بہ امرِ مجبوری پھیکی سی سلام دُعا ہو جاتی تھی۔ اسی طرح ایک بار ٹیلیفون کے دفتر ملاقات ہوگئی۔ بڑی منافقت سے مسکراتے ہوئے علیک سلیک فرمائی...... اُن کی ظاہری حالت خاصی پتلی دکھائی دی تو ازراہِ مروّت خیریت پوچھی۔ جواباً وہی حالات' اولاد کی نافرمانیوں کا رونا؟ نہ جانے کیسے اُن کے منہ سے نکل گیا۔

''باباجی! میرے لیے اور میری نا خلف اولاد کے لیے دُعا فرمائیں!''

مَیں حیران کہ ایک عالم فاضل کٹر وہابی' ایک بدعتی درویش' جسے وہ سرے سے بندہ نہیں سمجھتا' دُعا کے لیے کہہ رہا ہے۔ مَیں نے مزہ لینے کی خاطر یونہی کہہ دیا۔

''حضرت! آپ خفتہ'' شریف'' سے قطع تعلق فرمالیں اور اپنے علاوہ دُوجوں کو بھی' بہت نہیں تو تھوڑا سا انسان سمجھ لیا کریں۔ اس ہدایت پہ عمل کریں تو چند دنوں میں اس کے مثبت اثرات ظاہر نہ ہوں تو فقیر کی گردن مار دیجئے گا...... اور ہاں' چہرہ مبارک پہ خشونت کی بجائے کبھی خوشی کو مترشح فرمالیا کیجئے کہ اس طرح اللہ پاک کی شکر گزاری کا تاثر پیدا ہوتا ہے۔''

مجھے گھورتے ہوئے فرمایا۔

''مَیں نے دُعا کے لیے برسبیلِ ملاقات کہہ دیا تھا آپ تو نصیحت شروع ہوگئے......''

مَیں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کبھی جاہل اور کافر کی بات بھی اکسیر لگتی ہے...... تجربہ شاہد ہے۔''

کئی روز بعد یوٹیلیٹی سٹور کے اندر ملاقات ہوئی۔ حضرت کھلے کھلے اور نُھلے نُھلے سے لگے۔ مَیں نے بہتیرا پہلو بچانا چاہا مگر دھر لیا گیا۔ علیک سلیک کے بعد بڑی اپنائیت سے بولے۔

''باباجی! خفتہ کیا توڑا سب معاملات ہی جڑ گئے۔ کوئی چھوٹا سا عقیق مجھے بھی پہنا دیں......''

مَیں نے بھی کمال بے تکلفی سے جواب دیا۔

''مولانا! ہم تو آپ کے گھڑے کی مچھیاں ہیں...... عقیق کی بجائے آپ کو کسی مخلص رفیق کی ضرورت ہے جو آپ کو مجری نگینے اور دوحات کی انگوٹھی کی مانند آپس میں جڑ کر ایک ہونے کے تشرفات سے آگاہ کرے؟''

Scanned with CamScanner

میں بابے کا ہمزاد! پھر بے قابو ہوکر بول پڑا تھا!

''مرشدا! آپ بیلے والے مخنث مجذوب بابے کی بابت بتاتے بتاتے اچانک کسی مولوی کے پیچھے ہو لیے جو حقہ نوش تھا۔ حقہ تو ہماری ثقافت میں شامل ہے۔ ہماری روزمرہ کی زندگی کا حصہ ہے۔ آپ کو جانے کیوں اس سے کد پیدا ہوگئی ہے جبکہ اس کے بہت سے فوائد بھی ہیں۔ سب سے بڑا فائدہ یہ اجتماعیت پیدا کرتا ہے۔ بے کار بوڑھوں کو مصروف رکھتا ہے۔ چولہا جلائے اور دل دہکائے رکھتا ہے۔ حقہ نوش بحث کم کرتا ہے اور دانتوں کے ڈاکٹر کے پاس بھی نہیں جاتا کہ وہ اسے اپنے ہاں گھسنے نہیں دیتا۔''

حسب عادت کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''مجھے سٹیایا ہوا اور باتوں کا گالڑ کہتے ہو...... مگر تم بھی مجھ سے کسی طور کم نہیں۔ دیکھ لو میری چھوٹی سی بات کو کیسے کیسے پُر پرزے نکال کر پیش کیا ہے۔ بھائی! بات میں بشارت اور پکارت نہ ہو تو وہ بات کم اور باتی زیادہ ہوتی ہے؟ خیر' چلو! وہیں بابے سے شروع کر لیتے ہیں...... صوفی منش کہتے ہیں۔ ''گذر گئی گذران کیا' جھونپڑی کیا مکان کیا؟'' ہم بھی کہتے ہیں...... ''مشکل کیا آسان کیا' شروع کیا درمیان کیا؟'' ...... ہاں تو! کہنا چاہ رہا ہوں کہ بابا مجذوب بھی حُقہ پیتا تھا۔ مگر اس کا حُقہ کم' کوئی لا حقہ زیادہ تھا۔ لوگ کہتے ہیں ملاح کے حقہ میں پانی نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں' ہوتا ہے مگر آب سلطانی نہیں ہوتا......''

● یارا سیلی سیلی......!

جلال پور جٹاں کے نواحی علاقہ کے ایک گدڑی پوش کے ڈیرے پڑا تھا۔ ذات کا جولاہا مگر اوقات کا ملّاح! بابا جوانی کے وقتوں سے دریائے چناب کے بیلوں میں خودرو کھٹ بیریوں کے ڈنٹھل اور پتے جمع کیا کرتا...... اس سامان سے وہ کچے سوت کے لیے اُودھا پکا رنگ بنایا کرتا تھا۔ اس اُودھے رنگ والے سوت سے بڑا اعلیٰ موٹا کھدور تیار ہوتا ہے جسے عموماً درویش فقیر پہنتے۔ سائیں کانواں والی سرکار میاں محمد بخشؒ ' بابا عبداللہ شاہ اور دیگر بزرگانِ عصر کے چولے' لنگوٹ' تہبند وغیرہ عموماً اسی جلال پوری اُودھے کپڑے کے ہوتے؟

میں اپنے اندر کی ایک اُلجھن میں پھنسا ہُوا' کسی کے اشارے پہ جلال پور کے نواح اس دریائی علاقہ میں پہنچا تھا۔ یکسر دین دُنیا سے علیحدہ یہ گم صم سا بابا' جنڈی کے جھنڈ کی ایک جھونپڑی میں پڑا تھا۔ ایک دو

Scanned with CamScanner

مخبوط الحواسے دیہاتی' چند لینڈی کتے' درختوں پہ لاتعداد کوے' گلہریاں دیگر دریائی جیلے کے پاک پلید جانور بھی اس کے آس پاس دکھائی دیتے تھے۔

میرا آنا' یہاں کے مکینوں کے لیے نہ آنے کے برابر تھا۔ اِدھر نہ کوئی ٹیوب لائٹ نہ بستر مصلی ...... بس! تنہائی ویرانی اور اللہ ہی اللہ! ایک رات اور ڈیڑھ دن بیت گیا' بابے سمیت کسی نے مجھ سے نہ پوچھا کہ...... "آئے ہو کس گلی سے کیا نام ہے تمہارا؟" اس دوران حاجات ضروریہ کے لیے قریب دُور نکلا تھا۔ جنگلی بیر اکٹھے کیئے۔ ہاتھ چھلے' چلو کچھ منہ کا سواد کھٹا میٹھا ہُوا وہ تو بعد میں معلوم ہُوا منہ گلا خشک ہو کے لکڑ بن گئے ہیں۔ اسی عسرت' غربت اور فاقہ زدگی کی حالت میں جب تیسرا چوتھا دن بھی گزر گیا تو مَیں واپس جلال پور لوٹنے کی سوچنے لگا کہ ادھر مرنے پہ کوئی پوچھنے والا بھی نہیں سوجھتا...... اُدھر کم از کم کوئی مسافر سمجھ کر دفنا تو دے گا۔

عصر کے وقت ہلکی پھلکی بُوندا باندی جو شروع ہوئی تو رات تک سے باندھے رکھا۔ سوچا' چلو سر پڑی رات کسی طرح گذارتے ہیں اگلی صبح نکلیں گے۔"

اب بابا کا وظیرہ سُنیں۔ وہ اکثر ذخیرے میں کہیں چلا جاتا۔ پورا دن غائب رہتا۔ کہیں شام ڈھلے لوٹتا تو اس کے سر پہ اک بھاری سا گٹھ ہوتا جس میں ننھے ننھے سُرخ خیالے بیر ہوتے۔ بیر نکال کر وہ مٹی کے بڑے سے مٹ میں ڈال دیتا...... وہیں پاؤں پسارے نیم دراز ہو جاتا۔ اک عجیب و غریب سا بانس کی نڑیوں کا حقہ گھسیٹ کر اس کی نے منہ میں رکھ کر گُڑ گُڑ شروع کر دیتا۔ اگر اس کی چلم اور نیچہ نہ ہوتا تو وہ کسی طور حقہ نہ تھا ازمنہ قدیم کے عجیب الحال فلک شناسوں کا کوئی فلکی پیائشی آلہ دکھائی دیتا تھا۔

پچھلے تین چار روز بھوک پیاس سے قطع نظر مَیں اسی بات پہ غور کرتا رہا کہ پانی آگ تمباکو سے تہی اس حُقّے سے بابا' کیا حاصل کرتا ہے؟ کش کھینچنے کی تہمت تو تھی مگر حاصل ضرب کچھ نہ تھا۔

لیعنی وہی کہ "یارا سیلی بیلی برہا کی رات کٹے نہ" "یہ بھی کوئی حقہ ہے یہ بھی کوئی پینا"

میرے حساب سے' میری آخری شب کا آخری پہر ہوگا کہ خالی بیر زدہ پیٹ میں جیسے مار پیٹ شروع ہوگئی۔ فاقوں کی بھی کئی اقسام ہیں مثلاً کبھی کبھی عید' شب براءت کا فاقہ' جمعراتی فاقہ' عشری اور اٹھ پہری فاقہ' ظہوری فاقہ' مجبوری فاقہ' جبری فاقہ' فقیری فاقہ' خفیری فاقہ' بیماری فاقہ' سرکاری فاقہ وغیرہ۔"

دانت کے درد کی لہر کی طرح' آنت کے درد کی لہر بھی بڑی ظالم ہوتی ہے۔ سونے دیتی ہے نہ رونے! فاقہ زدہ کسی نہ کسی طور خالی آنت کے خلاء کو پُر کرنا چاہتا ہے۔ اس حالت میں حرام حلال باسی تازہ' کچا پکا' ذائقہ مزہ اپنا پرایا کچھ بھی تو دکھائی نہیں دیتا...... یہی حال میرا کہ پیٹ میں کچھ ٹھونسنے کی خاطر مَیں دیوانہ وار

کچھ تلاش کر رہا تھا۔ جدھر دن کو کچھ کھانے پینے کو نہ ملے وہاں بھلا رات کے اندھیرے میں کیا دکھائی دے گا؟ کھوجتے کھوجتے میں بے دھیانا سا بابا کی جھونپڑی کی جانب بڑھ آیا۔

اسی اثنا، آنکھیں بھی اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی خوگر ہو چکی تھیں۔ ہلکی ہلکی چس چس کی چسکیاں سی سنائی دیں۔ غور سے دیکھا بابا لنڈے کی گٹھڑی سی بنا حقہ پہ منہ دھرے بیٹھا ہے۔ یقیناً وہی خارجی ملاقتی کرامتی حقہ تھا جسے میں تین چار روز سے بابے کا گوڈوں میں پیٹ دیئے...... بے پانی آگ تمبا کو دیکھ رہا تھا جیسے وہ ڈمی ہو جو بابوں کی حقہ کشی کی تربیت طور استعمال کیا جاتا ہو۔

میں بابا کے قریب کھڑا شاید یہ سوچ رہا تھا کہ پیٹ آسرے کے لیے کچھ التجا کروں۔ جیسے بھی تھا' میں اس کا مہمان تھا۔ میزبان' فقیر ہو یا امیر...... در پڑے مہمان کی مدارت اُس پہ واجب ہوتی ہے۔ تھوڑا بہت جو بھی ہو...... کم از کم اُسے بے نوالہ موت سے تو بچایا جائے۔ سچی بات کہ میں نے بابے سمیت اُن دو تین مجہولوں کو بھی کچھ کھاتے ٹسر کتے نہیں دیکھا تھا۔ میں دل ہی دل میں گجرات کے اس بے پیٹے صوفی کو کوسنے لگا' جس سے میں کسی ایسے رجل رشید کے متعلق پوچھ بیٹھا جو نفس مطمئنہ سے واصل ہو۔ مجھے کیا خبر کہ وہ مجھے ایک ایسے ''رجل خسیس'' کے ہاں لا اُتارے گا جو خود کھائے نہ کسی کو کھلائے۔''

کتے' بلے' کوے' کبوتر' چڑیاں چنڈالیں تو اللہ ذیرے ہوتے ہیں لیکن بندے کے ذیرے' بیٹھے ڈوم کو بھی دو وقت ٹکڑی ڈلی چاہیے ہوتی ہے کہ شکر شکرانہ بھی' شکر چائے بنا واجب نہیں ہوتا...... میں اس حیص بیص میں پڑا کھڑا تھا کہ میرے گھٹنے پہ ایک ہاتھ سرسرایا۔ وہاں بابا کے سوا کون تھا جو ایسا کرتا......!

باچ لگے اندھیرے میں دیکھا۔ بابا مجھے بیٹھنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ نہ بھی دیتا تو میں خود ہی بھوک کے ہاتھوں نڈھال ہو کر ڈھیر ہونے والا تھا۔ تھپ سے میں اپنے پاؤں پہ گر چکا تھا۔ بابا نے وہیں بیٹھے بیٹھے چند بیر میرے منہ میں زبردستی ٹھونس دیئے کہ وہ بیروں کی ڈھیری پہ ہی ڈھیر تھا۔

وہی سخت گٹھلی والے ننھے ننھے سرخ و سیاہ بیر کھٹے میٹھے! جن کے کھانے سے حلق جکڑا جاتا ہے۔ قدرے تلخ سی لیسدار رطوبت سے زبان' تالوے جڑ جاتی ہے جو پچھلے تین دن اور چار راتوں سے میرا نصیب تھے۔ جن سے میں بیزار بلکہ آوازار ہو چکا تھا...... لیکن اس وقت' منہ میں چند دانے میرے لیے وٹامنز کی سریع الاثر گولیوں کی طرح ثابت ہوئے۔ اک عجیب سی قوت سرشاری اور طمانیت دَر آئی تھی۔ میں گٹھلیوں تک نگل گیا تھا۔''

بابا نے دوسری خوراک بھی میرے منہ میں ڈال دی...... تیسری اور چوتھی تک میں پوری طرح

Scanned with CamScanner

چاک و چو بند ہو چکا تھا۔ ایسے ہی بیر پچھلے چند دنوں سے بامرِ مجبوری ٹھونس رہا تھا...... جو یہاں کے مکینوں کی بھی خوراک تھے۔ سمجھ نہ آیا کہ جسم و جان رکھنے والا کوئی بندہ، محض بیروں پہ کیونکر زندہ رہ سکتا ہے؟...... میرے دائیں کان میں سرگوشی سی اُبھری۔

''بچے! تم واقعۂ معراج تو سنا ہوگا؟ اس میں سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر بھی! بیری کا وہ درخت جو روحِ القدس کا مسکن اور عرشِ بریں کا پہلا پڑاؤ...... جس کے آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی اور نہیں پہنچا۔''

یہ کہتے ہوئے بابے نے چند بیر مزید میرے منہ ڈالتے ہوئے مزید کہا۔

''ہم اُس بیری کے بیروں کو تصور میں لا کر یہ بیر کھاتے ہیں۔ جب کوئی انسان کسی چیز کو مان لیتا ہے۔ چاہے وہ ویسی نہ ہو جو اُس کا اصل ہے تب بھی وہ ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے اصل ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ جزوِ جان اور اصل ایمان ہو جاتی ہے۔ نفسِ مطمئنہ کو سمجھنے کے لیے کسبِ حلال کی حقیقی بنیاد کو سمجھنا ضروری ٹھہرتا ہے۔ چند بیروں سے اگر زندہ رہا جا سکتا ہے۔ ان کی برکت سے ایمانِ کامل حاصل ہو سکتا ہے تو پھر مزید کیا چاہیے؟''

مَیں نے پہلی بار براہِ راست زبان کھولی۔

''بابا! ہر شخص کے لیے یہ بیر کھانا یعنی ایسی طرزِ زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ کیا مَیں نفسِ مطمئنہ سمجھنے کے لیے یہ بیر کھایا کروں؟...... اور آپ والی طرزِ زندگی اختیار کر لوں۔ اس طرح یہ عجیب و غریب ساخفقہ کش کرنا شروع کر دوں؟''

''نہیں! ہر کسی کے لیے یہ بیر کھانے اور ایسا خفقہ پینا ضروری نہیں ہے۔ جیسے صاحبِ ارشاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ وعظ و نصیحت بیان و خطاب اختیار کرے کہ اُسے یہ صلاحیتیں عطا کی گئیں۔ صاحب الرائے، صاحبِ طریقت و معرفت، صاحبِ جذب و حال، صاحبِ نظر و بصیرت کے اپنے اپنے میدان و مناظر ہیں۔''

''بابا! ہر شخص تو ایسی طرزِ حیات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ یہ شاید مخصوص لوگوں کے عمل ہیں اور یقیناً وہ ایسا سبق و علامیت ساتھ لے کر آتے ہیں۔ بیوی بچوں اور فکرِ روزگار میں پھنسا اور دُنیا کے بکھیڑوں میں دھنسا ہوا فرد بھلا ایسی پُرخار اور بظاہر بیکار زندگی کا کہاں متحمل ہو سکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ سب کام شاید اُن افراد کے ہیں جن کے آگے پیچھے روکنے ٹوکنے، کہنے سننے والا کوئی نہ ہو۔ بابا! میرا اندازہ ہے کہ آپ کے بیوی بچے نہیں اور نہ کوئی ذمہ داری اور چِنتا...... ورنہ آپ ادھر ویرانے میں یُوں پڑے نہ ہوتے؟''

حقیقی اندھیروں کے خوگر مصنوعی روشنیوں میں آکر پریشان ہو جاتے ہیں۔ گُھپ اندھیرے کا سیکل میوزک کی مانند ہوتے ہیں۔ ان میں ذم و ضیرج، شانتی اور اِک غیر معمولی سی شکتی کا احساس چُھپا ہوتا ہے۔ یہ

Scanned with CamScanner

پُرسکون شکتی جو منش میں گھمنڈ نہیں بلکہ گھمبیرتا اور کھلاوٹ کے رَس گھولتی ہے......
اس وقت بھی کیفیت میری تھی۔ ٹھنڈے ٹھنڈے ملگجے اندھیرے' لیکن ایسے روشن صاف اور بے سایہ کہ مخاطب منظر' بے سلوٹ دکھائی دے۔

● سدارتھ کی سینڈھ......!

بابا کچے عود کے ڈھلوں سے ڈھلا ہوا سدارتھ لگ رہا تھا۔ اس سے اُودھے اُودھے دُھویں کے لہریئے اُٹھ رہے تھے۔ ایسا بھی کہ اِس کے اندر کی ابابیلوں کے گھونسلے سُلگ اُٹھے ہوں...... یوں بھی کہ پرانے گڑ اور دیسی تمباکو کے سیم زدہ بیجوں پہ انگارے اُلٹ پڑے ہوں۔ وہ مجھے ہوا و رولوں کی زد میں آیا ہوا خس و خاشاک کا اُڑن کھولا بھی جاپ پڑا جو گھمسن گھیریوں کے رحم و کرم پہ کبھی اُوپر کبھی نیچے' اِدھر سے اُدھر ڈولتا بڈولتا رہتا ہے۔ وہ گا ہے' وہ نا ذرا تو جو حقہ بھی کش لیتا جو آگ پانی تمباکو کے لازموں سے بے نیاز تھا۔

بے نیازی' اُس بڑے بے نیاز ہی کو زیبا ہے۔ وُہی اِس عظمت و حشمت کا سزاوار ٹھہرا...... وہ اپنی کمال بے نیازی سے اگر کسی کو اِس کے چند ذرّے عطا کر دے تو اِس کی شان بے نیازی ہی تو ہے۔ میری سمجھ میں' دَرویشوں فقیروں کی اِس رِوایتی بے نیازی کو استغناء کہتے ہیں اور جس میں یہ دکھائی نہ دے وہ ابھی مِسِ خام ہے' تو لو نہیں لوڈرا ہے......؟

اِنسان' اپنی ظاہری باطنی حرکات و سکنات پہ کما حقہٗ قدرت نہیں رکھتا۔ چند اعمال و افعال' دانستہ ہوتے ہیں اور بیشتر سرزد ہو جاتے ہیں...... جن کے لیے وہ ممور و الزام نہیں ٹھہرتا' کیونکہ تار کہیں پیچھے سے ہلتی ہے۔

''بابا! یہ حقہ کہاں سے بولتا ہے؟'' پوچھنا چاہتا تھا مگر پوچھ نہ سکا...... بہت بعد کہیں سمجھ میں آیا کہ کسی دَرویش فقیر کے رُوبرو کچھ پوچھنا' تلاش یا طلب کرنا عبث ہی ہوتا ہے۔ وہ دَرویش اور فقیر ہی کیا؟ جو پوچھے بن بتائے نہ! اور مانگے بغیر دے یا دلوائے نہ...... ہاں! یہ ضروری ہے کہ وہ اِس کی ضرورت' ضروری سمجھتا ہے یا نہیں......؟

ایک ہلکا سا کش لیتے ہوئے خُود ہی کہنے لگا۔

''بہت سے پیڑ پودے' پھلوں پھولوں کے بغیر بھی ہوتے ہیں...... اور چند ایک سائے سے بھی محروم' مگر کہلاتے وہ بھی پیڑ پودے ہی ہیں۔ انسان کی نقد عقل سمجھ' اگر کسی چیز' عمل کا جواز یا جواب حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہے تو اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ وہ چیز بیکار اور فضول ہے۔ کارخانۂ قدرت میں بظاہر بیکار چیز بھی اپنا

Scanned with CamScanner

ایک کامل وجود اور اہمیت رکھتی ہے۔ جیسے میرا یہ خفہ...... ایک زمانہ ہو گزرا کہ اس کے تمام لازمے موجود ہُوا کرتے تھے۔ وہی چند لازمے جو انسان کی تکمیل میں استعمال ہوئے۔ مٹی آگ ہوا اور پانی وغیرہ۔ پھر ایک وقت ایسا بھی کہ مرشد کے حکم پہ آگ کی نفی کر دی مگر اس کا بولنا ختم نہ ہُوا۔ پھر پانی بھی پانی پانی کر دیا اور بعد میں تمباکو بھی باقی نہ رہا۔ مٹی کا منہ باقی رہ گیا تب اس کی بولتی بند ہوئی۔ یہ تو اس کے بانجھ ہونے پہ انکشاف ہُوا کہ بولتی بند ہونے پہ کیا کیا کھلتا ہے؟"

میری سمجھ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ بابا کیا کہہ رہا ہے؟ مگر یہ سلسلۂ وفا تو کچھ یونہی ہے کہ نہ سمجھ میں آنے والی بات کھٹ سے دماغ میں بیٹھ جاتی ہے اور جسے بیٹھنا چاہیے وہ بھاگ لیتی ہے۔

بابا بتا رہا تھا۔ "نفسِ مطمئنہ' استغنٰی اور لاخوفی...... ہمہ دم رجوع' کامل تجرد سے حاصل اور اللہ کریم کے کرم سے نکھرتا ہے اور تم ابھی پیٹ کے چکر میں پھنسے ہوئے ہو؟ لو یہ اور بیر کھاؤ' اللہ کریم کا شکر بجا لاؤ جس نے ہمیں عرشِ بریں کا تحفہ عطا کیا......!"

گھپ رات' گھپ بات گھپ گھات اور گھپ مات میں بڑے گھپلے' گانٹھیں بڑ یں گھماؤ ہوتے ہیں۔

بابا کی باتوں کے ایک کھڈے سے بمشکل نکلتا تو اگلی کھائی میں گر جاتا...... یہاں تک کہ اُس کی ایک بات نے تو مجھے گہری دلدل میں دھکیل دیا تھا...... میں نے سوال کیا۔

"نفسِ مطمئنہ تو نفوسِ مطہرہ نبیوں ولیوں قطبوں کا وطیرہ ٹھہرا...... کیا کوئی عام انسان بھی اس مقام کا سزاوار ہو سکتا ہے؟"

"ہاں! شاید ایسے مخصوص افراد جو شکمِ مادر سے ہی مجرد پیدا ہوئے ہوں...... خواہشاتِ نفسانی' بندے کو نفسِ امارہ کے حصار سے باہر نکلنے ہی نہیں دیتیں۔ ان سے مجرد کامل کے لیے ہی چھٹکارہ حاصل کرنا ممکن ہوتا ہے مردِ ناقص کے لیے نہیں۔"

"مجرد کامل سے مراد......؟"

وہ جو مادر پدر مخنث ہو...... اللہ کریم کی حکمتیں وہی جانے؟ ولی کامل' مرد کامل' ایمان کامل' یقین کامل' مرشد کامل؟...... اس طبقِ ارض کے نیچے اور اوپر پہاڑوں' غاروں' سمندروں صحراؤں میں بہت سے جانے اور انجانے مقدس مقامات یُوں ہیں کہ وہاں فرشتے رَجل کامل اور کہیں مخنث کامل جن و بشر متعین ہوتے ہیں۔"

استعجاب وحیرت کی دلدل میں ڈوبتے ہوئے پُوچھ لیا۔

"انسانوں میں مخنث تو ہوتے ہیں...... کیا جنات میں بھی پائے جاتے ہیں؟"

"جنات بھی انسانوں کی مانند اپنی ماؤں کے شکم سے جنم لیتے ہیں۔ جنوں میں بھی بچے' جوان' بوڑھے

Scanned with CamScanner

تانیث و تذکیر ہوتے ہیں۔ جینا' مرنا' شادی بیاہ' تعلیم و تربیت' اچھائی بُرائی انسانوں کی طرح ہی ہوتی ہے۔ چند استثنائی تفاوات سے قطع نظر آگے پیچھے کی مخلوق ہیں مگر دونوں کا ذکر اکٹھا ہی ہوتا ہے۔ اللہ کریم نے ان دونوں کے مابین بہت سی اقدار و اقتضا میں ایسی مماثلت روا رکھی کہ ایک دوسرے کے لیے مختلف جنس ہوتے ہوئے بھی اک یگانگت درمیان قائم رہی۔''

معلوم ہوا کہ قطع نظر جن و انس' دیگر مخلوقات میں بھی مخنثات کا وجود کچھ خالی از مصلحت نہ ہے۔ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ خصوصی طور پہ جن و انس اور عمومی طور پہ حیواناتِ ناطقات کا کچھ طبقہ' جن میں رُوحانیت' مجاہدات و ریاضت اور علومِ سرّی سیکھنے اور ان کا ذرق حاصل کرنے کا شوق ہوتا ہے وہ اپنے لیے آسانی پیدا کرنے کے لیے خود کو عارضی یا مستقل طور پہ نسل بڑھانے کے خصائل و رجحانات سے عاجز کر دیتے ہیں یعنی نہ ہوگا بانس نہ بجے بانسری۔

لامے' گیانی دھیانی' تپسوی' رشی مُنی' سادھو سنت' جوگی سنیاسی' عامل کامل' چلوں ریاضتوں میں ڈوبے ہوئے بابے' اس نفسانی شہوانی آزار سے مُکتی پا کر اپنے دھیانے لگے رہتے ہیں۔ گو یہ جنسی صفت مرد کی شناخت اور شان میں شامل ہے مگر درویشی فقیری کے راستہ میں نوکیلے روڑے پتھر اور خاردار جھاڑ بھی! جس سے راہ کھوٹی اور منزل بھاری پڑ جاتی ہے۔

شاعری دو طرح سے وجود میں آتی ہے' آمد اور آورد...... یعنی اُوپر سے طاری ہوتی ہے یا خود طاری کی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کی جانب سے کسی مرد یا عورت کو زنانہ یا مردانہ صفات سے محروم رکھا جاتا ہے تو وہ مخنث ہوتا ہے اور اگر کوئی مرد یا عورت' دانستہ خود کو ان صفات سے علیحدہ کر لیتے یا مجتنب ہوتے ہیں اور مقصد ریاضت و عبادت میں یکسوئی حاصل کرنا ہو تو وہ تجرّد ہے جو نہ گناہ ہے نہ ثواب......! اس کے علاوہ جو کسی اور دُنیاوی یا شہوانی مقصد کی خاطر خود کو ایسا بنا لیتے ہیں وہ زنخوں ہیجڑوں زنانوں کھسروں کی ذیل میں آتے ہیں۔

خواجہ سرا' مردانہ صفات سے پچانوے فیصد محروم ہوتے ہیں...... نسل کشی کا وظیفہ ادا کرنے سے قاصر!...... نسائی رُجحانات محدود' مردانہ صفات زیادہ...... چہرہ' سینہ' بازو ہاتھ بالوں سے محروم مگر جسم بجثہ قوی...... یہ بدکاری کی جانب مائل نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی حرکات و سکنات میں سفلہ پن ہوتا ہے۔ بادشاہوں کے حرموں' نوابوں کے محلسراؤں' درباروں' درس گاہوں' عدلیہ کے محکموں اور بڑے بڑے عسکری عہدوں پہ متمکن! کہ یہ اعتبار شعار' وفا کیش' بہادر اور اُمورِ سلطنت کے ماہر ہوتے ہیں۔

رُوحانی مجاہدت و ریاضت یا دینی دُنیاوی علوم و فنون کی تکمیل کے دوران کئی ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ کسی ہلکی سی نفسانی' ہیجانی شہوانی کیفیت کے باعث' برسوں کی محنت پہ نہ صرف جھاڑو پھر جاتا ہے بلکہ جان'

Scanned with CamScanner

جانے کے بھی لالے پڑ جاتے ہیں۔

• خستگی سے آبلہ پائی تک......!

سرہند شریف میں مُقیم ایک سید صاحب کی بابت سُنا کہ وہ جنوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے ہیں اور کئی ایک جن بچوں کو قرآن پاک حفظ بھی کروا چکے ہیں۔ جنوں کی شادیوں غمیوں میں بھی شریک ہوتے ہیں۔ عمر خوردہ اور سدا کے بیمار...... اُن کی دیکھ بھال' کھانا پینا سب جنوں کے سپرد ہے لیکن اگر اُدھر کوئی اُفتاد آ پڑے یا ایسی پریشانی جس کا کوئی حل نکلتا دکھائی نہ دیتا ہو تو لوگ اُن سے ہی رجوع کرتے ہیں یعنی مستجاب الدعوات بھی ہیں۔''

مجھے یہ سب باتیں بتانے والے خود بھی ایک سید زادے اور حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشینوں میں سے تھے۔ میری اُن کے والد کے وقتوں سے یاد اللہ تھی۔ نظامی صاحب خود بھی عالم و عامل اور صاحبِ تصرف تھے۔ بڑے بڑے روحانی اور ریاضتی مراحل سے بامراد گزر چکے تھے۔ اپنی زبانی کبھی اعتراف تو نہ کیا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اُن کے اہلِ افلاک' جنات وغیرہ سے راہ و رسم ہے۔ اسی طرح' اُنھیں گاہے ماہے کریدتا رہتا کہ کبھی تو وہ اندر والی کوٹھڑی کا کوئی روزن کھولیں گے۔؟

دِلّی والے' خاص طور پہ نظامی سلسلہ' لڑ لگے' گانٹھ کے بڑے پکّے ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے مُٹھے پہ ہاتھ دھرنے تو نہ دیا لیکن اگلا گھر' یعنی سرہند شریف والے شاہ صاحب کا در ضرور دکھا دیا۔ چلو! کچھ تو حرکت برکت ہوئی۔ آم سے غرض تھی' پیڑ سے ملے یا آک سے! میں اُن کی کھوج میں سرہند شریف روانہ ہو گیا۔ غرض مند دیوانہ ہوتا ہے' دھوپ دیکھے نہ بارش' دَھدر دیکھے نہ خارش...... بھوک پیاس نیند سب بھول جاتا ہے۔ بس رہتی ہے دل کی اُمنگ' جو کسی بھی ڈھنگ پوری ہو؟

میں جس نے' لوکل بس سے سرہند شریف پہنچا...... بارش' چھما چھم تین تال بجا رہی تھی...... دِلّی سے سوار ہوا تو سخت حبس اور گھٹن' تپتی دھرتی گرم بخارات نچوڑ رہی تھی...... اِدھر بھی یہی عالم کہ بارش کے باوجود گھٹن' اُمس بھری فضا' تھکی تھکی سی ہوا...... میں بڑی بوجھل طبیعت لے کر بس سے اُترا۔ اگلے لمحے بارش کی بوچھار نے مجھے نہال کر دیا۔ میں کسی سائبان کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ نمدار دھند میں جب کچھ دکھائی نہ دیا تو میں پاس ہی گھنے سے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا۔

سیانے کہتے ہیں کہ مُوسلا دھار بارش میں کہیں کوئی سائبان نہ ملے تو فوراً نیچے بیٹھ جاؤ۔ پورے بھیگنے

Scanned with CamScanner

سے بچ جاؤ گے اور کچھ چیز بھیگنے سے بچانا چاہو تو اُسے گود میں سینے کے نیچے ڈھانپ لو۔ میں نے اپنا نیم بھیگا ہُوا سفری تھیلا گود میں رکھ لیا کہ اس میں میری کتابیں' قلم کاغذ اور کچھ ضروری اشیاء ہوتی ہیں...... چادر کا تمبو میں نے اُوپر تان لیا تھا...... تمبو' چادر' درخت' پگڑی' ٹوپی اور کسی کا شفقت بھرا ہاتھ...... کیسی طمانیت بھری حفاظت کا احساس پیدا کرتے ہیں؟

کبوتر کی طرح میں نے بھی خود کو بارش کی یلّی سے محفوظ کر لیا تھا۔ کوئی بس چھپک کر میرے قریب سے گزرتی ہے۔ گدلے بارشی پانی کا ایک ریلا مجھے بُری طرح شرابور کر گیا تھا۔ میرا منہ سر ایک ہو گیا۔ داڑھی میں بھیگے یا تنکوں میں داڑھی' سر کی زُلفیں لٹک گئیں جیسے برگد کی شاخیں لٹک رہی ہوتی ہیں۔

میں گوروداس پور کے کسی گوبند سیہاں کی تازے گڑ سے بھری گٹھری بنا دھیرے دھیرے گھُل رہا تھا۔ کانسی کی گھڑوی میں' تازہ گڑ کی بھیلی' رواں آڑ کے پانی میں ڈال کر توڑی یا ونڈے کی ڈھیرے میں دبا دیں...... رات کے کسی پہر نکال کر چکھیں تو چِٹی کے کنوارے پُور کا سواد ملتا ہے۔ سر گوڈوں میں دیے میں بھی کسی ایسی ہی کیفیت میں اُترا ہوا تھا۔ بارش میں شراب پینا' ساتت مذہبوں حرام ٹھہرا کہ بارش تو بنفسِ نفیس' اسم با مسمّی شرابِ طہورہ ہے۔ لفظ بارش اُلٹا دو یا لفظ شراب معکوس کر لو' ہر دو صورت سے ارغوانی ٹپکنے لگتی ہے۔

میٹھی میٹھی بارش ہو یا میٹھی میٹھی چیز' دونوں کے سواد اور تاثیر میں بڑا ایک "گرمائش ہوتی ہے۔ بھڑکتی آگ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے اور دھیرج کی سلگن دیتی ہوئی آنچ تپا کر کندن بنا دیتی ہے۔ میں اس دوران پیتل رہا یا کندن بنا؟ یہ تو معلوم نہ ہو سکا اور نہ ہی وقت بیتنے کا احساس ہُوا۔ جب ذرا سُرت پکڑی تو بارش تھم چکی اور آمد و رفت بھی شروع ہو گئی تھی۔

میں نے گرد و پیش پہ نظر ڈالی' ہر سو پگڑیاں ہی پگڑیاں! سکھ حضرات' وہی پنجاب کا وہی رنگ...... غربت' تنگ دامنی' اِک نا آسودگی جو کم و بیش ہر چہرے پہ مترشح تھی۔ اِک اپنائیت بھی جو سب کی سانجھی دکھائی دیتی تھی۔ زندگی کی سانجھ میں مسلک' مذہب بہت پیچھے رہ جاتے ہیں...... آدمیت اور انسانیت کی بنیادی قدریں بہت آگے تک بڑھتی ہوئی یہ درس دے رہی ہوتی ہیں کہ انسان کہیں بھی ہو' کہیں کا بھی ہو' کیسا بھی ہو ایک ہے۔ وہ مذہب و مسلک' قوم و ملت کی بناء پہ ایک دوسرے سے اغماض نہیں برت سکتا۔ اُسے رنگ و نسل' لسانی اور طبقاتی وجوہات پہ نفرت و عصبیت کا سزاوار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پتا نہیں میں ایسی اُوٹ پٹانگ باتیں کیوں سوچنے لگا تھا؟

میں نے اپنے پاؤں پہ اُٹھنے کی اپنی سی کوشش کی مگر شاید گیلے بھیگنے میں مسلسل کچھ دیر اکڑوں بیٹھنے سے ٹانگیں یا پاؤں سُن ہو گئے تھے۔ کچھ دیر سہلانے دبانے سے اُٹھا تو اس بھیگی بلّی کی مانند تھا جو اپنے بلونگڑوں کو

Scanned with CamScanner

برسات سے بچانے کی خاطر اپنے نیچے لیے بیٹھی رہی ہو۔"

میں نے اپنے بھیگے ہوئے تھیلے کو پھر سے کاندھے پہ لٹکایا اور اُن جنوں چہرے والے سید صاحب کی تلاش میں ایک جانب ہولیا۔ اپنی دائیں جانب بڑھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کچھ دُور مجھے ایک دکان پہ شرعی داڑھی والا مسلمان نما شخص نظر آیا جس کے سر پہ نماز والی بنگالی طرز کی جالی کی ٹوپی تھی۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو ایک کپڑے کی دکان! اوپر گورمکھی میں لکھا معمولی سا سائن بورڈ جس کے اُوپر والے دائیں بائیں کونوں میں چھوٹے چھوٹے حرفوں میں اللہ محمد لکھا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ سائن بورڈ تو کسی مقامی سکھ پینٹر نے بنایا ہے مگر کونوں میں آڑھا ترچھا اللہ محمد اس مسلمان دکاندار نے اپنی مسواک سے لکھا ہے۔

میں اَب گورمکھی اور عربی والے سائن بورڈ کے عین نیچے برسات میں بھیگے کسی بھو کے کالے ٹنڈے کی مانند جو پچھلی ٹانگوں میں دُم دبائے کسی ہڈی بوٹی کی جستجو میں ہوٹل کے باہر کھڑا ہوتا ہے۔

یتیم یسیر دکھائی دینے والے مسلمان دکاندار نے جب اپنے جیسے خستہ حال اور کالے شا بابے کو یوں کھڑا دیکھا تو اُس کے بے رنگ چہرے پہ کئی رنگ اُبھرتے ڈوبتے دکھائی دیے۔ میرے السلام علیکم کے جواب میں اُس کے منہ سے وعلیکم سلام یوں پنکچر ہُوا...... جیسے وہ اپنا خفیہ کوڈ ورڈ اپنے کسی خفیہ والے کو کچھ بتا رہا ہو۔ نگاہوں سے دائیں بائیں ٹٹولتے ہوئے بولا۔

"ہاں جی! بولو...... کی سیوا کراں؟"

بوکھلاہٹ اُس کے چہرے کی ہانڈی سے چھٹنے کی دال کی جھاگ کی مانند اُمڈی پڑی تھی۔ میں اس کی بلیوں کے باڑے رہنے والے مرّیل چوہے سی زندگی پہ متاسّف ہونے کے باوجود لطف اندوز بھی ہُوا کہ سائن بورڈ پہ اللہ رسول کو تو کونے لگا دیا...... اَب کسی مسلمان نما بندے سے بھی اتنا حجاب؟ بھئی! دکاندار ہو تمہارے لیے تو...... کیا امیر کیا فقیر، کیا صغیر کیا کبیر؟

مجھے اپنے حال میں گم اور اپنے سوال کا جواب نہ پا کر وہ پھر قدرے قریب آ کر پوچھنے لگا۔

"مہاراج! حکم کرو...... کی سیوا کراں؟"

میں نے نیم مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بھائی! میں گاہک نہیں، مسافر ہوں۔ سرِدست تو دِلی سے آیا ہوں...... کھرا پاکستانی، سیالکوٹ کا وسیک ہوں۔ ادھر سرہند شریف سلام کرنے اور ایک سید صاحب، جنہیں جنوں والا بابا کہتے ہیں اگر اُن کا کوئی ٹھور ٹھکانا معلوم ہو تو بتا دیں......؟"

اُس مسلمان دکاندار کی شاید شکل ہی ایسی تھی یا کوئی نفسیاتی، طبقاتی مذہبی مسئلہ؟ لگتا تھا اگلے لمحہ

Scanned with CamScanner

پھوٹ پڑے گا...... چھوٹا مُحگنا سا تھا' جُھکے ہوئے اَبرو' ناک کی گھوڑی اِک طرف مُڑی ہوئی۔ ہونٹ موٹے اور باچھیں چِری' کناروں سے اُتری ہوئیں...... ٹھوڑی کی کٹھول کی ہوئی' جیسے کسی نے دانستہ اُدھورا کٹ لگا کر چھوڑ دیا ہو...... ساخوردہ ناخوردہ وریدہ دانت...... لگتا تھا کسی بوڑھے بھیڑیئے سے بھیک میں لیے ہوں گے......؟ اللہ! یہ سرہند شریف کے دربانی مسلمان کا حال ہے' اَندر بابا جنوں والے کا عالم کیا ہوگا؟ جن کی جنوں سے گہری شناسائی کی شہرت سُن کر اِدھر پہنچا تھا۔"

میری سب باتیں اُس کی سمجھ میں آئی ہوں یا نہ آئی ہوں' لیکن دو باتیں وہ خوب سمجھا۔ ایک پاکستانی والی دُوجی بابا جنوں والے کی...... چتوّن چڑھاتے ہوئے بولا۔

"تمہارا حلیہ دیکھتے ہوئے ہی مَیں سمجھ گیا تھا۔ تم اِدھر اُسی منحوس جنوں والے باوا لاڈلے شاہ کے لئے آئے ہو۔ اگر وہ شہر میں ہے تو عشاء کی نماز پہ درگاہ شریف کی مسجد میں کہیں مل جائے گا اگر جنگل والے جھونپڑے میں ہے تو جنگل کی جانب نِکل لو۔ وہاں بھی نہ ملے تو ہتواندی پہ اشنان کرتا مل جاوے گا!"

میری جانب ہمدردی بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مزید بولا۔

"پہلی بار ملنے آئے ہو تو میرا مشورہ ہے جان ایمان بچا کے ہلکے ہلکے واپس لوٹ لو...... آگے تمہاری مرضی!"

مسجد' مندر' معبد' گوردوارہ' گرجے' پگوڈے' مزارات' مقبرے' امام بارگاہیں وغیرہ اپنے میناروں گنبدوں' کلسوں' علموں سے پہچانے جاتے ہیں۔ چلتے جاؤ' دیکھتے جاؤ یا اپنی پہچان خود ہی کروا لیتے ہیں۔ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مَیں اس مریل بدمغزے کے مشورے سے بددل سا درگاہ شریف کی جانب چل دیا۔ اِدھر پہلے بھی ایک دو بار آیا تھا۔ مگر آج بارش یا اِس دکاندار کی وجہ سے یہاں ہر چیز' پہلی بار کی دیکھی لگ رہی تھی۔ ساتھ ہی ایک انجانا سا ڈر بھی اَندر تیر رہا تھا...... اللہ خیر کرے' ابتدا ایسی دہلا دینے والی ہے انتہا کیسی رُلا دینے والی ہوگی؟

شوق' عشق اور جُنوں...... بندے کو کن کن جنگلوں' بیلوں' صحراؤں' کوہساروں اور سمندروں' ٹیلوں جُھوں میں سرگرداں رکھتے ہیں۔ کچھ راہ راستے سُوئے مقتل کُھلتے ہیں' کچھ دَیر و حرم جانب' کچھ مکتب و مدارس میں...... ایسے بھی جو کُوئے یار سے آگے سوئے دار تک پہنچتے ہیں۔ کچھ دُنیا کے بکھیڑوں اور کچھ دین کے جھمیلوں میں...... کچھ پانے کے چکر میں اور کہیں کچھ کھونے کی فکر میں...... میرا شمار' کس قطار میں تھا؟ کچھ خبر نہ فکر و شعور کہ اِتنی عقل تعلیم ہی نہ تھی...... جو سامنے آیا کر لیا' جدھر راستہ کُھلا چل دیئے۔"

میرے سامنے کُھلا بازار...... بارش نے سب کچھ جل تھل کر دیا ہوا تھا۔ کیچڑ' غلاظت' تعفّن' دیہاتی

Scanned with CamScanner

غریبی ماحول...... میں بھی گوبر کا کیڑا بنا آگے کی جانب سرک رہا تھا۔

ہندوؤں کے مقابل، سکھوں میں ادب، بڑوں کی تعظیم و تکریم اور عجز کچھ زیادہ ہوتا ہے شاید اس کی وجہ اُن کے سماجی اور مذہبی رویے ہیں...... اُن کے خلیہ لباس، کیس داڑھی بھی انھیں تہذیب میں رکھنے میں مد ہوتی ہے۔ مسلمانوں سے ہم آہنگی کی بڑی وجہ بھی یہی اقدار ہیں جو باہم مشترکہ ہیں۔

سادھو سنتوں، فقیر درویشوں، سائیں ملنگوں میں، چاہے اُن کا تعلق کسی بھی مذہب فرقے، جتھے یا عقیدے سے ہو...... یہ قدر سانجھی ہوتی ہے کہ وہ انسان دوست ہوتے ہیں۔ فروعات سے بالا اپنے سچے رب کے آگے سیس نواتے ہیں...... اُس کی مخلوق کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں، سب کی خیر اور سب کا بھلا!

کوئی ننگا ہے تو کوئی لنگوٹیا...... بھدرا کیے ہوئے کوئی داڑھیل اور کوئی جٹوں والا...... لال سرخ، نیلے پیلے، کیسری، ہرے کالے، بسنتی چولے، گھنگھرو، کڑے، کالے کشکول، سنکھ، اک تارا...... علی علی، کہیں بلی بلی...... حق ہُو کہیں واہے گرو...... الکھ نرنجن کہیں ست نام کا بھجن...... ہری ہری کہیں شری شری...... نعرے کہیں بجے بجے...... دھمالیں کہیں رقصِ درویش، میلا دہے تو کہیں عرس، دسہرہ ہے تو کہیں ہولی، محرم ہے کہیں بسنت...... سب تیرے سنت منت، منداراں والے سنگھاں والے۔ بلیاں شیراں، کانواں، کتیاں والے...... ڈبا پیر، ویر سپاہی، کاکی تاڑ، نُوری بوری والی سرکار نُوری کھیس، چادر والی سرکار! سب اللہ کے رنگ، سب اُسی کے حوالے، یہی اندھیروں میں اُجالے...... تمبن تالے! اللہ، محمد، علی والے......!

مکہ مدینہ اور نجف اشرف کے گنجوں میں کھڑوں کے سنگ کھوٹے سکے بھی چلتے ہیں۔ پرانے شکستہ بجھے چراغوں کے عوض، نئے نورظہور بھرے روشن دیے بھی دیے جاتے ہیں۔ کوئی جا ہے کوئی مانگے تو......؟

مرشد وہ ہوتا ہے جو جیتے جی مر کر شدھ ہُوا ہو...... بُدھا! کچھ یونہی شدھا نہیں ہُوا تھا۔ تن من ہارے بن، بن اُوڑ سِدھارے بن...... بس پیالہ چڑھائے بن...... اُلٹا جام اُترواۓ بن...... سیس اپنا کٹوائے بن...... پور پور کٹوائے بن، یکھو، مجھوے پہ چڑھ نہیں سکتا۔"

بابا شاید کسی ضرورت کے تحت چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا تو میں موقع پا کر ڈرتے ڈرتے پوچھ بیٹھا۔

"بابا! میں بہت دیر سے انتظار کر رہا ہوں کہ تم سرہند شریف والے سیّد صاحب، والا قصہ تمام کرو گے۔ مگر تم حسبِ عادت اس دلچسپ قصے کی بیچ میں لٹکا کر دوسری طرف نکل آئے ہو۔ مہربانی ہوگی تم اُدھر سے بات جوڑو جدھر تم ایک مقامی مسلم دکاندار سے سیّد صاحب کا پتا پوچھتے ہو۔ بات کو آگے بڑھا کر یوں بیچ چورا ہے چھوڑنے والی عادت بہت بُری ہے۔"

بابا میرے اس گستاخانہ تکلم پہ خاصہ جز بز ہوتے ہوئے گویا ہُوا۔

Scanned with CamScanner

''معقول بات اگر غیر معقول انداز میں پیش کی جائے تو گستاخی کی ذیل میں آتی ہے۔تم مناسب انداز سے احتجاج تو کر سکتے ہو مگر بے ادبی کا مظاہرہ نہیں کر سکتے۔وہ جو اہلِ فارس کہتے ہیں۔

''خطائے بزرگاں گرفتن خطا است!'' اس زبردست نصیحت پہ بھی کبھی تمہیں توجہ دینی چاہیے۔مگر تم تو بامرِ مجبوری میرے خفتہ وجود کا ایک پرتو ہو...... تمہیں کسی سود زیاں کا احساس کیونکر ہو؟ بہر حال! بات تمہاری معقول ہے...... اس کے اعتراف میں مجھے کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔''

سچی بات یہ ہے کہ اس مجہول مسلمان دکاندار نے جس طرح قبلہ سید صاحب جنوں والے کو عام سے الفاظ سے پکارا تھا مجھے سخت ذہنی وقلبی اذیت ہوئی تھی۔جس عظیم عامل وکامل کے حلقۂ تلمذ و تعلق میں جنات اور اجسامِ لطیف وخفیف ہوں اُنہیں تو القاب وخطاب میں انتہائی اہتمام والتزام کی ضرورت ہوتی ہے۔اب میں اس مجہول وجانگلی کو بڑوں کا ادب محترم سکھانے سے تو رہا؟چپ چاپ اس کے بتائے ہوئے کم اور سمجھائے زیادہ راستے پہ نکل لیا۔

شیر تو شیر ہوتا ہے جنگل میں ہو یا چڑیا گھر کے کسی پنجرے میں۔اسی طرح پنجاب بھی پنجاب ہی ہوتا ہے وہ پاکستان کا ہو یا ہندوستان کا...... ادھر یا اُدھر کے پنجابی بھی دوچار فضول سی علتوں کے علاوہ سماجی' ثقافتی' فکری فہامتی قدروں میں بے پناہ ہم آہنگی رکھتے ہیں۔اسی طرح بازار گلیاں' چوک چوبارے' صفائی ستھرائی' آمدورفت...... گاڑیاں چھکڑے' لڑائیاں جھگڑے' گالیاں گھوسڑے' ٹریفک کی پریشانیاں اور لاپروائیاں...... عشق معشوقیاں دوستیاں دشمنیاں بھی باہم مشترک ہیں۔

چوکوں بازاروں میں بسوں موٹروں' رکشہ موٹر سائیکل ریڑھوں سے بچتے ہوئے گزرتا' ویسے ہی جیسے ادھر قصور پسرور فیصل آباد وزیر آباد یا لاہور میں ہوں۔

دکانوں کے سائن بورڈ' گاڑیوں کی نمبر پلیٹیں' سڑکوں بازاروں کے نام نمبر' اگر ہندی گورکھی میں لکھے نہ ہوں...... بولی ٹھولی کرتے شخص اور سر کی پگڑی میں اگر علاقائی فرق واقع نہ ہو تو سب کچھ ایک سا ہی ہے۔''

ہندوستان اور پاکستان میں ایک فرق اور بھی ہے۔ہندوستان میں خواتین کو دیدے پھاڑ پھاڑ کوئی نہیں دیکھتا جبکہ پاکستان میں عورت کے معاملہ میں ہمارے رویے مختلف ہیں۔غیر ملکیوں! چاہے وہ ننگے ہی کیوں نہ ہوں...... کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ادھر پاکستان میں یورپین تو کیا اکا دکا کوئی سکھ یا پنڈت برہمن دکھائی دے جائے تو دیکھنے کی خاطر پرے کے پرے جمع ہو جاتے ہیں۔

ادھر گزرتے ہوئے میرے اردگرد سب لوکل لوگ ہیں اور میں ایک غیر ملکی...... شکل وصورت' لباس'

Scanned with CamScanner

رنگ رنگ انگوٹھیاں منکے...... واڑھی' زلفیں...... سب کچھ پکار پکار میرا مذہب' ملک' مسلک بیان کر رہے ہیں مگر کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے آنکھ بھر کر یا معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا ہو یا کوئی پراسرار اجنبی سمجھ کر کچھ مغائرت برتی ہو؟

اَب مَیں ایک پولیس چوکی کے سامنے رُک کر دروازہ پہ کھڑے سکھ سنتری سے لاڈلے شاہ کی جنوں والی ''مسیت'' کا پُوچھ رہا تھا۔ اس بھلے سے بھولے بھالے سنتری بادشاہ نے بڑے سجاؤ سے مجھے سمجھا کر راہ پہ ڈالا۔ اس دوران کسی لمحہ بھی مجھے احساس نہ ہوا کہ مَیں اس کے لیے ''غیر ملکی'' پاکستانی اور مسلمان ہوں اور وہ میرے لیے سکھ اور ہندوستانی ہے لیکن اس واہگرو کے خالصے نے مجھے خالصتاً انسانی پروٹوکول دیا جبکہ ملک قوم مذہب اور نظریاتی اقدار کے تفاوت سے ہم دونوں ایک دُوجے کے سامنے الف لاٗ ننگے کھڑے تھے۔

مَیں سمجھتا ہوں اِک اُدھورے مسلمان' ہندو' سکھ' عیسائی یا یہودی سے کہیں بہتر ایک اچھا انسان ہونا ہے اور وہ کسی کو کچھ اور دے نہ دے لیکن ایک انسان ہونے اور عزتِ نفس کے ساتھ جینے کا حق تو نہ چھینے۔

مَیں اُس کے سمجھائے اور بتائے ہوئے راستے چل پڑا۔ منزل تو فی الوقت ایک ہی ہوتی ہے جبکہ راہیں راستے اور پہنچنے کے انداز دِگر بھی ہو سکتے ہیں۔ اِسی طرح راہرو تو ایک ہی ہوتا ہے مگر اس کے رہبر ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کسی ہندو' سکھ' عیسائی' یہودی یا کسی جن یا غیر بشر کا رہبر' اُستاد کوئی مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور مسلمان دوسری جنس جاتی سے بھی فیض یاب ہو سکتا ہے۔ اصل چیز تو کسی اَمرِ حقیقت کا اِدراک ہے۔ کیا خوب کسی نے کہا۔

''اَمباں نال غرض اے بھاویں اَکاں نال لگن'' یعنی اصل تو آموں کا حصول ہے چاہے وہ آک کے جھاڑ سے حاصل ہوں۔

راہیں راستے طویل ہوں یا مختصر' اپنے تناظر میں گوناں گوں بوالعجبیاں' دلچسپیاں' حیرتیں اور علم و اِدراک رکھتے ہیں۔ یہ پرندے' پُروا' صدائیں ندائیں...... جوگی فقیر' سدا کے مسافر' مسافتوں کے سفیر!

آنکھوں میں بصیرت' کشادگی...... طبیعت میں صبر تحمل' برداشت و بردباری...... فکر و فہامت میں فراست اور رزق و روزی میں کشادگی کی تمنا ہو تو راہِ شوق کے مسافر ہو کہ بنا اس کے گوہرِ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

مَیں پھر اپنی لائنوں سے ہٹ گیا۔ بات وہی کہ مَیں سکھ پلیسے سے لاڈلے شاہ جنوں والے کی مسجد کا راستہ معلوم کر کے ایک ایسے بازار سے گزر رہا تھا کہ دیہاتی کسان' مرد و زن' رکشے' موٹریں' ریڑھے' وہی سب کچھ جو ہمارے پنجاب کے کلچر کا حصہ ہیں۔ شاید ہم یہ تمام کچھ چھوڑنا بھی چاہیں تو چھوڑ نہ پائیں۔

Scanned with CamScanner

ہمارے ہاں سڑکوں گلیوں مارکیٹوں' بازاروں میں آوارہ مویشی نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ مگر اِدھر ہندوستان میں خوبصورت گائیاں سانڈ' بندر بڑی آزادی و بیباکی سے جگہ بہ جگہ گھومتے' بیٹھے لیٹے دکھائی دیتے ہیں۔ چونکہ انہیں ہندوستان میں مذہبی تحفظ حاصل ہے اس کارن ان کے تماشے نظارے دیکھتے دیکھتے' مَیں اُس مندر کے قریب' اُودھ شالیہ تک آ پہنچا تھا۔ جس کے ساتھ والی گلی کے آخری موڑ پہ وہ مسجد تھی جس کے حجرے میں سیّد لاڈلے شاہ رہتے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے ''ہجرتا آشنا حُجرہ'' ان میں رہتا تھا۔

مکین اور مکان کبھی یوں بھی اک دوجے میں ضم ہو جاتے ہیں کہ مکان کا ''الف'' اور مکین کی ''یائے'' اپنی اَبجدی اور معنوی پہچان سے انجان ہو جاتے ہیں۔ جو مکان اپنے مکین کی ہو بہو شبیہ نہ بن جائے اور جو مکین اپنے مکان کے دَر و دیوار کی تصویر نہ بن جائے۔ مکین سے مٹی چونے' سیمنٹ ریت' کھان گارے' لکڑی لوہے کی باس نہ آئے اور وہ مکان کیا؟ جس سے اُس کے مالک کے کردار' علم و عقل' پیشے پات' ظرف وصرف اور قبیلے خاندان کی کوئی خصوصی' خندہ خُوب نہ ہو؟

مسجد والی گلی میں داخل ہوتے ہی دائیں بائیں کی بدرووں میں دو خنازیر اور کچھ پیارے سے ننھے خنزیرے' گند میں چُغر چُغر کرتے دکھائی دیئے...... ان کی ''سوَر مستیوں'' سے مسرور ہوتا ہوا آگے بڑھا تو دیکھا کہ اِدھر تو ان کے پورے کے پورے کنبے' دائیں بائیں کی گہری نالیوں میں گُھسے کھاپی رہے ہیں۔

اَب مَیں قدرے چونکا اور چوکنا بھی ہوا۔ اس لیے نہیں کہ مَیں نے کبھی سوَر نہیں دیکھے یا ان خُوکوں کی خُوخصلت سے ناواقف ہوں۔ خُوک جب گندگی سے اپنی خوراک کھار ہا ہوتا ہے تو خاصی منہ زوری اور خُوب بھگدڑی' بھد اُڑاتا ہے۔ چھینٹے دُور دُور تک اُڑتے ہیں۔ نیکوکار ہو بدکار' ہندو یا مسلم کوئی بھی اپنے کپڑے خراب کرانا پسند نہیں کرتا۔ مَیں بھی کوئی پاک صاف نیک نمازی نہیں لیکن اچھا بُرا جو بھی پہنا تھا۔ اسے موری کی گندگی سے بچانا تو میرا بنتا تھا۔ مَیں اسی نیت سے آگے ایک جگہ رُک لیا کہ بچت دیکھ کر گزروں گا۔

عقب سے سوروں کا ایک جوڑا' جو بُری طرح گندگی سے لتھڑا ہوا تھا' بھاگتا ہوا آیا۔ ایک دائیں بغل' دُوجا بائیں جانب! مجھ سے بُری یا اچھی طرح جُڑ کر آگے نکل گئے۔ ان کا یہ برتاؤ اور اپنا ایسا حال دیکھ کر میری تو ہنسی نکل گئی۔ اپنے لباس اور احتیاط کی ایسی دُرگت دیکھ دیکھ' مَیں خوش ہو رہا تھا کہ اچھا ہوا میری اَنا اور پاکی پلیدی کے بیجا احساس کی مٹکی بیچ گلی پھوٹی اور مَیں پنیا بھرن سے چھوٹی......!

میرے ساتھ تو ہوتا ہی ایسا ہی ہے۔ اِدھر میرے اندر کوئی ہلکی سی اَنا کی جڑ پھوٹی' اُدھر اُسی لحہ کوئی ایسا ہونا' ہوتا ہے کہ وہ جڑ جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ میرا مالک مجھ کینڈے میں رکھتا ہے۔ جو بھی اپنی ذات' اوقات' مات کی گھات میں رہتا ہے۔ اَمن امان اور مالک کے دھیان میں رہتا ہے۔

Scanned with CamScanner

مَیں اِک سرشاری کے عالم میں نہال سا مسجد کے قریب پہنچ گیا۔ مسجد سے پہلے ساتھ ہی ایک پیپل درخت کے نیچے ایک تھڑا سا بنا ہوا تھا اس پہ سائیں بابا شرڈی والے کی ایک مورتی رکھی تھی...... پھول' اگربتیاں' لوبان اور دیگر آرتی اُتارنے کا سامان بھی...... ایک لمبی جھنڈوں اور بے تحاشا مونچھ داڑھی والا ننگا سادھو' پاس بیٹھا بجھے ہوئے کلیان پہ منہ دھرے ہوئے تھا۔ مجھے آتے دیکھ کر الکھ نرائن کی جلی ماری اور سیس نوا کر سواگت کیا۔

ساتھ ہی چند قدموں کے فاصلہ پہ مسجد کا دروازہ تھا۔ ملحق بیت الخلاء بھی کھلا ہوا زنگیلا ٹین کا ڈھاکا ہوا پٹ! جس پہ ہندی میں کسی عوامی مقامی بیڑی کا اشتہار اور اس کے مقبولِ عام کا اندازہ اس بیڑیوں کے فاضل ٹکڑوں کے فضلے سے ہوتا تھا جو بیت الخلاء کے باہر اور اندر تک پھیلا ہوا تھا۔''

یہ نظارا دیکھ کر طبیعت مکدر ہونے ہی والی تھی کہ جھٹ' چند منٹ پہلے گلی میں سوروں والا واقعہ' اپنے آغاز و انجام سمیت نگاہوں میں گھوم گیا۔ فوراً ابلیس لعین پہ لعنت بھیجی کہ وہ پھر مجھے ورغلا کر میرے اندر کراہت پیدا کرنا چاہتا تھا۔''

اپنے آپ کو کینڈے میں لانے اور سزا دینے کی خاطر مَیں اس بیت الخلاء میں گھس گیا۔ کھلا ٹین کا پٹ بھیڑا تو انکشاف ہوا کہ اندر' چولہا نما جگہ' جس کے نیچے بدرو بہہ رہی تھی' سنبھل کر بیٹھنا پڑتا ہے اور ''دورانِ کارکردگی'' ٹین کی رسّی پکڑ کر رکھنی پڑتی ہے۔ دوسرے ہاتھ سے بیڑی کے گھٹیا تمباکو' کو کشید کرنا پڑتا ہے کہ بدرو کی بدبو برداشت کی جا سکے۔ مگر میرا بیڑی تمباکو سے کیا تعلق؟ سدا کا مسافر' چلتا پھرتا سوداگر' سڑکوں کا شہزادہ و ڈرائیور...... جوگی' سپیرا' سنتا ملنگ رمتا...... ان کا جگ موت'' پابندِ بیت الخلاء'' نہیں ہوتا...... نہ ہی کسی تنگ نگند کا تکلف تصور ان کے نزدیک کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ موقع محل' وقت ضرورت کے تحت وہ اس ''حاجتِ ضروریہ'' سے کسی طور فراغت پا لیتے ہیں۔ قیمیں' وتوانی' مبہم ڈھیلے' مٹی' خاشاک تیمم کی سہولتیں کام آ جاتی ہیں۔''

سر پڑے وقت' حالات' ضرورت تقاضائے سے بخوبی نبٹنا' نبرد آزما ہونا ہی فقیر' مسافر اور کمانڈو کا کمال اور فن ہوتا ہے۔ موضوع بڑا دلچسپ اور طولانی ہے۔ تفصیل سے پھر کبھی سہی' اس وقت مسجد کے باہر مَیں بیت الخلاء میں' فراغت کے لیے'' چولہے'' پہ اُکڑوں بیٹھا تھا۔ ادھر آیا تو یہ سوچ کر تھا کہ اندر طہارت کے لیے کوئی نل ول ہوگا...... گندگی سے لتھڑے ہوئے لباس کو دھو نچوڑ لوں گا...... مگر اندر' پانی تو کجا' کوئی مٹی ڈھیلہ تک نہ تھا۔ بیڑیوں کے فضلے سے تو استنجا' طہارت ہونے سے رہی۔ اس کی بھی ضرورت نہ پڑتی اگر سامنے مسجد' سید صاحب کا حجرہ اور جنوں کے حوالے سے ان سے ملاقات مقصود نہ ہوتی۔ بندوں سے تو جیسے تیسے نبٹا جا سکتا ہے۔ جنوں کے حوالے سے تو کچھ صفائی ستھرائی کی ضرورت تھی۔

Scanned with CamScanner

میں بول و براز سے تو کسی طور بچ لیا مگر کپڑے لتھڑے ہوئے تھے اسی اجتناب میں مَیں مسجد میں گھسنے اور سید صاحب جنوں والوں سے ملنے سے گریزاں تھا۔
ناگاہ وہ بھگت جس نے میرا سواگت کیا تھا۔ چند ایک گیروے کپڑے پکڑے میرے پیچھے آ کھڑا ہوا۔
''مہاراج! اُدھر سامنے قریب ہی چھوٹی سی ندی متوا ہے۔ جل میں چندن گھلا ہوتا ہے۔ منش نہانے سے نہال ہو جاتا ہے...... پرنتو! میں اُدھر پدھار رہا تھا' آپ کی اچھیا ہو تو آپ بھی اُدھر دم دھار لیں...... اس سمے سیّد صاحب بھی اُدھر متوا ندی مل جاویں گے۔
مسجد کیا تھی؟ بس! اللہ کا گھر ہی تھا...... کسی مفلس کی طرح...... باہر اندر سے اندوہ ہی اندوہ...... اس کے باہر سامنے مقدس پیڑ تلے بھی تو ایک استھان تھا...... شردھی والے سائیں بابا کا! ادھر بھی تو اک عجیب طرح کا افلاس اور افتراق محسوس ہوتا تھا۔
ہم دونوں رحیم ورام والے ایک ساتھ متوا ندی کی جانب چل دیے۔ خوشی اور دھیرج دیے ہوئے دیکھتے ہی دیکھتے ہم اس کے گھاٹ پہ پہنچ گئے۔ یہ کوئی دریا یا ندی نہیں تھی۔ بس! ایک مناسب سی آب جو تھی۔ جو اندرونی کھیتوں کی پیاس بجھانے کی خاطر بیچوں بیچ رواں دواں رہتی ہے۔ دیہاتی عورتیں بچے بوڑھے گائے بھینسیں...... نہانے دھونے والے خوب مزے لیتے ہیں۔ آب جو جسے متوا ندی کہا جاتا تھا۔ متوا کے بھی دو چار معنی ہو سکتے ہیں۔ محبوب' پیارا' دلبر جانی' مہربانی وغیرہ...... مجھے بھی یہ ننھی سی مہربان ہی لگی تھی۔ میں اپنی ضروری اشیاء نکال کر کپڑوں سمیت اس کے اندر اُتر گیا تھا۔ خوب مزے لے لے کر نہایا' اتارے بغیر کپڑے دھوئے' خوب نکھر نہار کر باہر نکلا تو مجھے ساتھ لانے والا شردھی بابا والا بھگت کہیں دکھائی نہ دیا۔ جبکہ وہ میرے ساتھ ہی متوا میں نہانے دھونے اُترا تھا۔
اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی...... کہیں موجود ہوتا تو دکھائی دیتا' کہیں چلا گیا ہوگا؟ کنکھا نسرمہ کر کے' میں بھی واپس مسجد کی جانب بڑھ گیا۔ اس اطمینان کے ساتھ کہ نہا دھو لیا...... کپڑے بھی صاف ہو گئے۔ اب جنوں والے لاڑے شاہ صاحب سے مل کر ملیں گے۔
متوا ندی' قدرے اونچائی پہ تھی اس تک پہنچتے سمے تو محسوس نہ ہوا مگر اب واپسی پہ ڈھلوان سے اُترتے ہوئے لگتا تھا کہ جیسے لڑھکتے ہوئے جا رہا ہوں۔ چڑھائی چڑھتے ہوئے ہانپا سا لگ جاتا ہے جبکہ ڈھلوان سے اُترتے ہوئے ہنسی سے کھلکنے لگتی ہے...... گدگدی ہونے سے بھی ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔
پیچھے سے ایک آواز نے لپک لیا۔
''حضرت! حد ہوگئی بے مروتی کی ایک ساتھ اِدھر آئے تھے واپس بھی اکٹھے ایک ساتھ چلتے۔ ایسی

Scanned with CamScanner

بھی کیا جلدی تھی ...... پیچھے کیا جن لگے ہیں؟ یہ نیم جنوں کا نہیں' سب قیلولہ کر رہے ہیں۔''

مجھے تو جیسے ایمرجنسی بریک لگ گئے۔ ڈھلوان پہ میں اپنے پاؤں پہ یوں کھڑا تھا جیسے کسی نے مجھے پتھر سل کر دیا ہو۔ چند ثانیے تو سمجھ نہ آیا آواز کہاں سے آئی ہے؟ میرا ادھر کون ایسا' جو ایسی اپنائیت اور بے تکلفی سے تکلم کرنے کا یارا رکھتا ہو۔ میں تو ادھر شرڈی بابا کے ایک بھگت کے ساتھ نہانے دھونے آیا تھا' وہ کدھر ہے؟

''پلٹ! تیرا دھیان کدھر ہے ...... میرا اللہ! تیرا بھگوان کدھر ہے۔ جن کدھر اور انسان کدھر ہے؟''

میرے متوا میرے میت رے

آ جا تجھ کو پکاریں میرے گیت رے

بارے یارے' جو پلٹ کے دیکھا تو نورانی چہرے مہرے والے بزرگ دھوتی' کرتہ' سر پہ کشتی پگڑی' ہاتھ میں عصا ...... خراماں خراماں' ڈھلوان پہ سنبھلے سنبھلے آ رہے ہیں۔ الٰہی! یہ بزرگ کون؟ مجھ سے کیا تعلق؟ میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اسی اُدھیڑ بن میں ٹھٹکے پاؤں کھڑا تھا کہ وہ خراماں خراماں مجھ تک آ پہنچے۔ مسکراتے ہوئے چہرے کے پیچھے کچھ شناختیں' شبیہیں ایسی بھی کہ لگتا تھا کچھ کچھ جانا پہچانا سا ہے۔ مجھے بجوتڑوں کی مانند گھورتے ہوئے دیکھ کر بولے۔!

''حضرت صاحب! میرے ماتھے پہ سینگ اُگ آئے ہیں یا میری آنکھیں جنوں کی طرح گول ہیں؟''

جن' جن اور جن! جنوں کے حوالے سے میں ادھر پہنچا۔ جنوں والی مسجد' جنوں والے سید لاڈلے شاہ! اس سے آگے یہ اجنبی سے صاحب! جنوں کا ذکر' باتوں باتوں میں اُنہوں نے بھی کیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہر طرف جن ہی جن ہیں اور میں کہاں ہوں؟ یا پھر ان کے بارے سوچتے سوچتے' نتھنے نتھنے' کہتے کہتے میں خود بھی ایک جن بن چکا تھا۔ ویسے میری حرکتیں باتیں' کام تماشے ...... اسی مخلوق جیسے ہی ہیں۔ جیسے بہت سے جن ایسے بھی ہیں جن کی بہت سی عادتیں قدریں' انسانوں جیسی ہوتی ہیں۔ یہی جنات ایسے ہوتے ہیں جو انسانوں کے کسی نہ کسی حساب کتاب میں قریب' رفیق' مددگار دوست ہوتے ہیں۔

غیر معمولی انسانوں کی مانند غیر معمولی جن' پری' ابلا' نسا' چڑ اور اہلیان ارض و افلاک بھی موجود ہوتے ہیں۔ ان تک عامل کامل' فقیر درویش' مرتاض حضرات کی رسائی ممکن ہے بلکہ ہوتی ہے۔

جب میری حیرت کم نہ ہوئی اور میں ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا تو ''الکہ نرائن'' کی جلی نے مجھے جھنجھوڑا ...... اب میں جیسے غبار میں سے نکل کر اک واضح منظر دیکھ رہا تھا۔

یہ تو شرڈی والے سائیں بابا والا بھگت ہے۔ ناگا' جو کلیاں کش کر رہا تھا۔ ماتھے پہ تلک' گلے میں جینو ...... میں سوچنے لگا۔ وہ کون تھا اور یہ کون؟

Scanned with CamScanner

مسکراتے ہوئے فوراً جواب دیا۔
''ہم دونوں ایک ہیں...... بلکہ ہم تینوں ایک ہیں۔ یہاں تک کہ جو دکھائی دے رہے ہیں اور جو اوجھل ہیں...... سب ایک ہیں...... مالک ایک ہے' آگے سب ایک......!''
میں تین دن اُدھر مسجد کے حُجرے میں رہا...... ہر روز راد ھے شیام کے سنگ 'متوا ندی نہانے جاتا۔ واپسی سید لاڈلے شاہ کے ساتھ ہوتی۔ اس دوران کبھی جرأت نہ ہوئی کہ میں جنوں کے بارے کچھ پوچھتا یا یہ کہ مجھے پوچھنے کی کچھ ضرورت ہی پیش نہ آئی۔''

● ساحرِ الموط نے تجھ کو دیا برگِ حشیش......!

کرب کے اُستر پہ نوکیلے پتھر پڑے تھے۔ میرا سکون پاش پاش اور ذہن قاش قاش...... وینکوز اٹلی! پانچ ستارہ ہوٹل کی ایک پرآسائش خواب گاہ میں بستر پہ لوٹ رہا تھا...... وجہ یہ رہی میرے روبرو دیوار پہ کسی مصور کی تخلیق کردہ ایک درمیانی سی تصویر آویزاں تھی...... یسوع مسیح! یروشلم کے ایک تنگ سی سیڑھیوں والے بازار میں اپنے زخمی شانوں پہ بھاری بھرکم صلیب' جس پہ اُنہیں چڑھایا جانا مُکلم ہوا تھا...... کاندھے پہ اُٹھائے سوئے مقتل روانہ ہیں۔ اُن کے ہمدرد' دشمن اور تماشا گیر سب ایک اژدحام کی صورت اُن کی جلو میں ہیں۔ یسوع کے چہرے پہ ایک عجیب پُر جمال طمانیت ہویدا ہے۔ پیشانی اور کان کی لَوویں' خون آلودہ...... کہ نکیلے زہریلے کانٹوں سے خاص طور پہ تیار کیا ہوا تاج' سر میں کُھبا ہوا ہے۔ صلیب اپنے بے ہنگم بوجھ سے پُشت کی جانب لٹکی پڑی ہے...... مگر اس کے باوجود روح اللہ کے پائے تسلیم واستقلال میں شمہ بھر لغزش نہیں۔
اس شہ پارے کا تخلیق کار یقیناً اٹلی کا کوئی نامور کہنہ مشق مصور ہوگا اور کٹر عیسائی بھی' ایسی حقیقت افروز اور پُراثر تصویر کشی کے لیے محض مصورانہ مشاقی ہی کافی نہیں' عقیدے کا جنون' فنی فکری تدبر اور فلسفہ بوفا و بقا کی نزاکت کو بھی گہرائی کے ساتھ سمجھنا ضروری ٹھہرتا ہے۔ یسوع ناصری کے چہرے پہ کرب کی تہہ سے اُبھرتی طمانیت اور روشن آنکھوں کی تابانی...... ایسی رُوحانی کیفیت کی مظہر ہے جو حقیقی منزل پہ پہنچنے والے کامیاب فرد کا انعام واکرام ہوتی ہے۔
ذرا اس باب کی دریدہ ذہنی ملاحظہ ہو؟...... اس شاندار ہوٹل میں خاص طور پہ وہ معزز و محتشم مہمان قیام پذیر ہوتے تھے جو کلیسائی اندازِ فکر کی کوئی اہم شخصیت ہوتے یا جنہیں پوپ کی جانب سے کسی رُوحانی تقریب میں شرکت کی دعوت ہوتی۔ خدا جانے کہاں کوئی غلطی یا ردوبدل ہُوا کہ روم میں محکمہ سیاحت نے

Scanned with CamScanner

میرے حلیہ وحال کو دیکھتے ہوئے مجھے راہب یا عیسائیوں کے کسی غیر معروف سلسلہ کا کوئی پادری پروہت سمجھتے ہوئے۔ میری رہائش و آسائش کے انتظامات 'برائے نام پیسوں' میں اس جدید و جمیل ہوٹل میں کر دیے جبکہ میں ان کے ہاں کسی عالمی آوارہ گرد یتیم و یسیر کی حیثیت سے پہنچا تھا کہ کسی وائے ایم سی اے قسم کی سرائے میں رعائتی مراعات حاصل کر سکوں۔ بھلا ہو میرے کالے لباس' فقیری جھولے' دراز ریش' زلفوں اور مالاؤں انگوٹھیوں کا...... اس ظاہری گٹ اَپ ڈراما کاری سے مجھے اکثر اوقات ایسے بڑے فائدے حاصل ہو جاتے ہیں جو میرے تصور سے بھی باہر ہوتے ہیں۔ ایسے میں ایک پُر لطف واقعہ یاد آ گیا ہے۔"

کسی زمانے میں کراچی منگھو پیر کی پہاڑیوں کا ایک وسیع سلسلہ موجود تھا۔ آج ادھر جائیں تو سب کچھ بدلا ہوا دکھائی دیتا ہے...... لمبے چوڑے پہاڑ غائب ہو گئے ہیں۔ جگہ جگہ پتھروں کے گودام' کارخانے' سنگِ مرمر کاٹنے کی مشینیں...... پہاڑوں کے پہاڑ' یوں ختم ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں۔ ان پہاڑوں میں خانہ بدوش' مزدور یا پھر جرائم پیشہ قبیلے رہا کرتے تھے۔ عام لوگوں کا ادھر گزر بہت کم ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ پولیس بھی اُدھر جاتے ہوئے کتراتی تھی۔ اِدھر کچھ ندی نالے بھی تھے۔ عامل اور کالا چِٹا علم کرنے والے حضرات' اِدھر اُلٹے سیدھے چلّے کاٹا کرتے تھے۔ مَیں بھی اِدھر جاتا رہتا تھا۔ مقصد' منگھو پیر کے روضہ پہ حاضری اور وہاں کے مگرمچھوں کے لیے گوشت کا لنگر لے جانا ہوتا تھا۔ وہاں کی ویران پہاڑیوں میں کبھی کبھی ناقابلِ شناخت بوسیدہ انسانی لاشیں بھی پائی جاتی تھیں۔ ان گلی سڑی بے چہرہ لاشوں کا وہاں کیا عمل تھا۔ کون لوگ تھے جو انسانوں کو وہاں قتل کرتے تھے یا قتل کر کے وہاں پہنچاتے تھے وہ بھی اس طرح کہ لاش کے قابلِ شناخت جسمانی اعضاء' علیحدہ کر کے صرف اور صرف جسم ہی وہاں پھینکا جاتا...... اکثر ایسی نعشیں بھی دیکھنے میں آئیں کہ اُن کا موٹا موٹا گوشت' پیٹ بازو' پشت وغیرہ اُترا ہوتا۔ محض پنجر ہڈیاں باقی وہاں پڑی ہوتیں۔ گدھوں چیلوں اور دیگر مُردار خور جانوروں کے کام آتیں۔"

پولیس ان وارداتوں سے واقف ہونے کے باوجود' کوئی مؤثر کارروائی کرنے کے قابل نہ تھی۔ لمبا چوڑا پہاڑی کٹا پھٹا علاقہ' جس کا کوئی سر پیر ہی نہ تھا...... اِدھر کے جرائم پیشہ خانہ بدوش لوگ بھی کسی پولیس قانون سے کوئی تعاون نہ کرتے۔ بلکہ ان میں اکثر کرائے کے قاتل تھے۔ جو روپے پیسے کے لالچ میں' بندے کو اغوا کر کے اِدھر پہاڑوں کے ویرانوں میں لے جا کر قتل کر دیتے۔ ایسی ہولناک وارداتوں سے اِن جرائم پیشہ عناصر کو دوہرا بلکہ تہرا چوہرا فائدہ ہوتا۔ بندہ مارنے کے بھی اچھے خاصے پیسے وصول کرتے۔ اُس کی کھوپڑی' دل' کلیجہ علیحدہ کر کے' کالے علم اور دیگر شیطانی عملیات کرنے والوں سے منہ مانگے دام جھاڑتے۔ لاش کی آنتیں سُکھا کر' گلا گھوٹنے کی خونی رسیاں بن جاتیں۔ جو اِن پیشہ ور قاتلوں کا ایک قابلِ بھروسہ ہتھیار

Scanned with CamScanner

ہوتا جو بظاہر بے ضرر مگر کارکردگی بڑی خوفناک ہوتی۔ ایسے قاتل خود کو سامان ڈھونے والے مزدور حمال ظاہر کرتے...... ان رسیوں ڈوریوں سے لکڑیاں گانٹھیں باندھتے۔

اس گروہ کا عقیدہ اور طریقہ واردات امیر علی ٹھگ کے گروہ سے ملتا جلتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی کارروائیاں بڑے منظم طریقہ اور گروہی اصولوں کے تحت اجتماعی طور پہ کرتے تھے۔ واردات سے قبل سعد نحس کی فال نکالتے' کالی دیوی کے چرنوں پہ بھینٹ چڑھانے کی منت مانتے اور پوجا پاٹ کا اہتمام کرتے۔

امیر علی ٹھگ' بڑا با اصول' سخت گیر اور ایک اعلیٰ پایہ کا منتظم شخص تھا۔ بھیس اور چہرے مہرے کی ہیئت بدلنے میں اُسے کمال درجہ مہارت حاصل تھی...... رحم کرنا' معاف کرنا اور ناکام ہونا اُس کے نزدیک بڑے قبیح فعل تھے۔ وُہ ان باتوں کو کسی سربراہ کے لیے بہت بڑا عیب' کمزوری گردانتا...... یہی وہ وجہ تھی کہ اس کا گروہ بڑی بڑی وارداتیں ڈالتا اور کبھی پکڑا نہ گیا...... اس دور کی انگریز حکومت اُس کی ہولناک کارروائیوں سے عاجز آ گئی تھی۔ امیر علی ٹھگ' حاجی نمازی باریش' غریبوں محتاجوں کی حاجات پوری کرنے والا شخص تھا۔ اُس کا نشانہ بڑے بڑے دولت مند تاجر اور سیٹھ لوگ ہوتے۔ جن کے ہاں اندھی دولت ہوتی...... وہ اُن کا بار ہلکا کرتا تھا۔

یہ منگوپیر پہاڑیوں اور اُس کے نزدیک دُور رہنے والے' جرائم پیشہ گھٹی' ڈراوڑے' سندھی بلوچی خانہ بدوش' بے مذہبے' بے طورے طریقے قبیلے تھے۔ جو انفرادی طور پہ کارروائیاں ڈالنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ اُن کے ہاں کوئی خاص سرداری نظام نہ تھا۔ حرام حلال بہت دُور کی بات' چوہے گھٹے بلے اور اچھے بُرے جنگلی جانوروں کے علاوہ انسانی گوشت بھی چٹ کر جاتے تھے۔ ان کی عورتیں مردوں سے کہیں زیادہ سفاک اور خطرناک تھیں۔ وہ دیگر ہتھکنڈوں کے علاوہ نسوانی ہتھکنڈے بھی بخوبی استعمال کرتی تھیں۔ شکار کو پھانس کر پہاڑیوں پہ لے جاتیں اور لوٹ کھسوٹ کر اُن کا قصہ تمام کر دیتیں۔ لاش کے حصے بخرے کر کے مقتول کا نشان تک ختم کر دیا جاتا۔''

کہا جاتا ہے کہ شاید انہی غیر انسانی افعال کے سدِباب کے لیے حضرت منگو پیر کو ان پُرہول پہاڑیوں پہ بھیجا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کراچی کی شہری آبادی' اک خاصے دُور دراز فاصلہ پہ تھی۔ سمندر کے کنارے حضرت عبداللہ شاہ غازی تھے اور ادھر پہاڑوں میدانوں کی طرف حضرت منگو پیر تھے جو اپنے مُرشد کی خاص ہدایت پہ اجودھن سے تشریف لائے تھے۔''

یہیں بابا' ذرا کی ذرا دم دُرست کرنے کے لیے رُکے تو میں موقع ملتے ہی پھر گستاخی کر بیٹھا۔

''بابا! اگر آپ کو یاد نہ رہا ہو تو یاد دلا دوں کہ آپ گجرات دریا کے بیچ بیلے کے مجذوب' مخنث بابا کی بات چھیڑے ہوئے تھے۔ بعداً آپ سرہند شریف بھی تشریف لے گئے۔ اَب آپ بسرکتے بسرکتے کراچی'

Scanned with CamScanner

بابا منگوپیر کے پہاڑی سلسلوں تک آ پہنچے ہیں۔ بس! ذرا یاد دلایا ہے...... میرا کیا؟ کراچی لے چلیں یا کولا لپور میں تو ازل سے آپ کے ساتھ بندھا ہُوا ہوں...... نوکر کی تے نخرا کی......؟"

بابا اَب شاید مجھے غصّے سے گھورنا بھول گئے۔ رسانی سے بولے۔

"سب سے پہلے میں تمہاری غلطی دُرست کردوں کہ تم میرے نوکر وو کر نہیں ہو...... ساتھی اور دوست ہو۔ دوسری بات 'میں اَن پڑھ' بُوڑھا بندہ ہوں کسی قرینے قاعدے کا پابند نہیں...... میرے ہاں ڈھیروں دھاگہ تو ہے مگر اس کا کوئی سرا اَنت نہیں' نہ کوئی شروع درمیان آخیر وغیرہ...... میری یادداشت کی چولیں بے حد ڈھیلی ہیں...... گھومتے گھومتے کدھر بھول لیتا ہوں' کچھ خبر نہیں ہوتی۔ لہٰذا تم صبر اور خود پہ جبر کا دامن مت چھوڑو! صبر کرنے سے درجات بلند جبکہ خود پہ جبر کرنے والے کے مقامات مضبوط ہوتے ہیں۔"

میں نے کمال جرأتِ رندانہ سے کام لیتے ہوئے ایک سوال پھر داغ دیا۔

"جان کی امان پاؤں' کیا آپ جناب تارڑ صاحب' عطاء الحق قاسمی صاحب' طارق اسمٰعیل ساگر اور ڈاکٹر یونس بٹ کی طرح دلچسپ سفرنامے' پُر مغز مزاح' جاسوسی ناول اور ہنستی مسکراتی کتابیں نہیں لکھ سکتے؟ جو قیمت میں ارزاں ہوں؟ آپ کی کتابوں کا سیاہ گٹ اَپ' سائز وزن' سرورق اور ضخامت و قیمت دیکھ کر بندے کی آنکھوں میں موتیا اُترنے کے خدشات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ ہاتھوں میں رعشہ اور ذوق مطالعہ میں کمی واقع ہونے لگتی ہے...... اور کیا آپ' کتابوں کے نام دِن کے اُجالے میں تجویز نہیں کرسکتے؟ لگتا ہے نام تجویز کرنے کے لیے آپ آدھی رات کا وقت دیکھتے ہیں جو بھی کتاب' اس میں سیاہ اندھیرا ضرور شامل ہوتا ہے۔ کیا یہ سب خوامخواہ کا تجسس و تحیر پیدا کرنے کے لیے نہیں؟"

بابا نے کمال تحمّل سے میری باتیں سُن کر کہا...... گو میں تمہاری بیشتر باتوں کا شافی جواب پچھلی سطروں میں دے چکا ہوں۔ اَب تم نے ایک سانس میں کئی سوال کرڈالے ہیں۔ ترتیب سے جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ کچھ مشہور و معروف ادیبوں کا تم نے ذکر چھیڑا کہ آسان فہم لکھتے ہیں اور کُتب کی قیمتیں بھی قابلِ برداشت ہوتی ہیں۔ بالکل دُرست' تم اچھی طرح جانتے ہو یہ حضرات بہت پڑھے لکھے قابلِ قدر اور پروفیشنل لکھنے والے ہیں۔ ان کے مقابل میری حیثیت' ایک پِشّہ برابر بھی نہیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا ہی یہی ہے جبکہ میں پیشہ ور لکھنے پڑھنے والا نہیں ہوں اور نہ لکھنا میرا روزمرّہ ہے۔ جیسے خواب ہر رات دکھائی نہیں دیتے۔ کبھی کبھی کے سہانے سپنوں کی طرح مجھ پہ بھی مضامین اُترتے ہیں۔ میں مشینی ٹائپ رائٹر نہیں جو کھٹ کھٹ پرنٹ نکالتا چلا جاتا ہے۔ میں تو وہ مفلوک الحال منشی کاتب ہوں جو پہروں گھٹنوں میں سر دیئے پہلے قرطاس پہ حرف حرف اُتارتا رہتا ہے۔ لکھتے لکھتے جس کی اُنگلیوں میں میز جھ آجاتی ہے اور آنکھوں کی پلکیں بیلی پڑ جاتی

Scanned with CamScanner

ہیں۔ لک کیا ہو جاتا ہے۔''

تمہیں یہ بھی پتا ہوگا کہ اندھیرے میں ریاضت و عبادت 'چپکی مدہانی' دیے کی معدوم لرزتی روشنی میں لکھائی پڑھائی افضل اور منہ اندھیرے کا سفر 'ظفر' ہوتا ہے۔ اندھیروں میں جنم لینے والے روشن ضمیر اور نعرۂ تکبیر ہوتے ہیں۔ قطبی تارا کی سیدھ کے مسافر کبھی نہیں بھٹکتے...... باطنی روشنیاں 'اندھیروں کے پرو ردہ شب زادوں کا نصیب ہوتی ہیں۔ شب دیدہ پرندے 'شب زاروں میں کبھی نہیں بھٹکتے۔''

شبنم کیسی شرمیلی کہ رات کی اندھیری رُتوں میں بھی پانی پانی رہتی ہے۔ میری بھیگی بھیگی کتابیں 'اُن کے سرنامے 'مضامین' اندھیرے میں چپکے سے پڑھنے والی اُسی اُوس کی اُوست ہیں۔''

مجھے بھی مہرولی' خواجہ قطب الاقطاب کی چوکھٹ کے دَرویش' بظاہر نابینا' دَروں بینا نے بتایا' دکھایا تھا کہ ایک کجل سرمہ ایسا بھی' جو شب تار میں کھرل کیا جاتا ہے۔ ایسی شب' جس میں قمر گھٹ کر رہ گیا ہو کہ ستارے چھپ لیے ہوں۔ چالیس اندھی اندھیری راتیں...... سُرمہ کی تیاری میں صرف ہوتی ہیں۔ تب کہیں کجل کیمیائی' کور دیدہ کے لیے تیار ہوتا ہے کہ ماتھے پہ بھی سلائی کھینچ دو تو مدار افلاک سے پرے بھی دکھنے پڑے...... آزمائش شرط ٹھہری!

مسافرت مہاجرت تاریکیوں کی اتھاہٹ اور قدموں کی گھڑگھڑاہٹ کے دَوران پیدا ہوئے بچے' اُلوہی ابلاغ و ادراک کی افزائش لیے ہوئے ہوتے ہیں...... اُن کی دریافتیں شناختیں اور ماتھوں پہ ٹھکی مہریں بھی خاص ہوتی ہیں۔ اُن کے خمیر' حدتِ مہر سے اُٹھے نہیں ہوتے اور نہ ہی اُن کی بلوغت و بسر میں بے بضاعتی کا عیب ہوتا ہے۔ مَیں اِسی قطار میں شامل ہوں۔

میری نظر' تاریک پہلوؤں پہ بطور خاص ہوتی ہے کہ ظفریابی کے زُعم میں ناکامی و شکست کے اِمکانات پہ بھی کشادگی سے نظر رکھو' ہزیمت سے بچ لو گے۔ تدبّر اور حوصلہ' ظرف میں ضخامت بڑھے گی' آنکھ میں جھکول اور پھیپھڑوں میں پھپھول نہیں پھٹنے گا۔ شاید یہی وجہ کہ مَیں اپنی شکست پہلے ہی تسلیم کرنے کے لیے تیار بیٹھا ہوتا ہوں جبکہ کامیابی کو ایک غیر متوقع حادثہ سمجھ کر قبول کر لیتا ہوں۔

مَیں کتابیں بھی اِسی اُمید پہ لکھتا ہوں کہ اِنہیں خرافات محض کہہ کر رَد کر دیا جائے گا۔ نام اور دام بھی یوں اُڑک اور بھاری کہ چلو اِس طرح ہی ناکامی میں چنداں برکت پڑے گی۔ موضوع و مضمون بھی جان بوجھے مہمل اور اُدھورے چھوڑے...... زبان و بیان جناتی و افلاکی...... وَحڑ نہ دَھڑا' پاؤں نہ کھُرا...... سرورق' بازاری فلموں کے پوسٹروں جیسے...... سیاہ رنگ کی بھرمار...... جہاں بھر کی بلیاں' منحنے کوے' کنجریاں کنجر' ہیجوے زنخے' ساد ھوسَنت' شعبدہ گر' ساحر' ٹونے' جن' ناچ چڑیلیں' اکٹھی کیں...... کوئی تو بولے۔ مجھے پکڑے میرے

Scanned with CamScanner

دروغ پہ گرفت کرے۔ تنقید ہو مجھے قابلِ گردن زدنی قرار دے.....؟

کیا کہوں' منافقت' دروغ ' بدلحاظی' نفسانفسی' بے صبری؟ مجھ پہ ہی کیا موقوف' شعبہ ہائے ریاست و سیاست' علوم وفنون...... محتسب و قانون' رہبران وطن' باغبان چمن' سزاواران صوت ولحن' خداوندانِ شعروسخن' ہر جگہ موجود...... قاضی فقیہہ' صوفی یا عالم...... سیّد' پیر' شیخ' خان' چوہدری' مولوی میاں جی ایک ہی تھیلی کے کھرے کھوٹے سکّے۔ جو وقت کے مطابق اپنی سیاسی شکلیں' ہیئت تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ اَب تم ہی کہو کہ میں کیا کہوں؟ تم جانتے ہو چالیس چوروں کے درمیان بیٹھا ہوا حاجی نمازی بھی اکتالیسواں چور ہی کہلاتا ہے۔''

''بابا! یہ کتابوں کی گفتگو تو برسبیلِ تذکرہ درمیان میں آ گئی' اصل بات جیلے والے مجذوب بابا سے شروع ہوئی تھی جبکہ رواں بات حضرت منٹھوپیر کی پہاڑیوں والے جرائم پیشہ قبیلوں کی تھی۔ بُرا نہ مانیے' محض یاددلانے کے لیے گستاخی سرزد ہوئی۔''

''ہاں ہاں! میں وہیں بابا منٹھوپیر کی پہاڑیوں پہ آتا ہوں مگر اس سے پہلے میں چاہوں گا کہ تمھیں تمہاری کمال بے صبری کی داد دوں...... اگر مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ تمہاری عجلت پسندی سولہ سطری منظوم افسانہ اور ڈیڑھ مصرع کی نثری نظم سننے کی ہی متحمل ہے تو میں اپنا اور تمہارا قیمتی وقت ضائع نہ کرتا۔ ہاں! میں وہیں منٹھوپیر کی پہاڑیوں سے دوبارہ شروع کرتا ہوں۔ لیکن اس شرط پہ کہ تم اَب مداخلتِ بیجا سے کُلی پرہیز کرو گے؟ شاید تمہارے علم میں ہو کہ مرد' مگرمچھ' بُوڑھا' رانڈ اور بھانڈ' سانڈ سانپ' کُتا' کوّا' اونٹ اَسپ' باگھ بندر' پہلوان قانون دان بوڑھاپے میں نہ صرف سٹھیائے بسرائے جاتے ہیں بلکہ یادداشت' برداشت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ شرمندہ سی رجولت کی جگہ کہولت آ جاتی ہے۔ کچی پکی نیند میں بڑبڑاتا...... مکھیوں مچھروں سے بیزار...... تنگ موت سے اُوازار...... نقاہت کی تنہائی فراغت کی فراوانی...... یعنی بوڑھا' بھُجے بھٹ میں بھنایا ہُوا بھونگڑا...... جو وقت کی جلی بُجھی ریگ میں پڑا موت کی چھلنی کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ بوڑھا مگرمچھ جو اپنی طبعی عمر کی دلدل کنارے کسی نیم مُردہ لاشے کی طرح ڈھیر ہوتا ہے...... مچھروں مکھیوں' چھوٹے موٹے پکھوؤں' پرندوں اور بے اُوقاتے جانوروں کے ٹھونگوں پہ چُپ رہتا ہے۔

اَب آگے بُوڑھے سانڈ' بُوڑھی رانڈ' بھانڈ اور بوڑھے سانپ کی بھی سُن لو۔ بوڑھے سانڈ اور بھانڈ دونوں کی بپتا ایک سی ہوتی ہے۔ ان دونوں کو اگر مارتا ہے تو وقت! پورے باڑے کا بلوان' علاقہ بھر کی بھینسوں گائیوں کے دِلوں کی دھڑکن' سہاگ تارا' پیرینہ سالی کی دلدوز کیفیتوں سے دوچار ہو کر' کھیت کھلواڑے کے کسی کونے میں' جس عالمِ بیزاری اور خود فراموشی میں ڈھیر ہوتا ہے اُسے قطعی' کیفیتِ نوم واستراحت نہیں کہا

Scanned with CamScanner

جا سکتا۔ یہ تو وہی مرزا غالب والی بات کہ......

سنبھلنے دے مجھے اے ناتوانی کیا قیامت ہے؟

گائیاں بھینسیں تو کیا' اب تو کوے چڑیاں بھی اس کے سینگوں سرین پہ نہیں بیٹھتیں...... البتہ پیٹ نیچے باہر لٹکے سرخ سوجے پیڑو پہ اکا دکا شوخ شارکیں ٹھونگے مارتی اکثر دکھائی دے جاتی ہیں۔ دراصل وہ ان بے حیا چیونٹوں' مکوڑوں کو چٹ کر رہی ہوتی ہیں جو شوق مم جوئی میں اس پشولنگ پہ چڑھ دوڑے ہوتے ہیں۔ اس عرصۂ عبرت و عزلت کا دورانیہ اکثر محدود رہتا ہے کہ قصاب سے مول تول ہو رہا ہوتا ہے۔ جو اکثر ایسے ایک چھکڑے پہ لاد کر لے جایا جاتا ہے جس کے آگے بھی دو عدد کم ویش ایسے ہی نجتے ہوتے ہیں۔"

اب ہلکے سے تقابلی تفارق سے یہی سچوایشن کئی نسلیں ذکارے کسی مراثی بھانڈ اور مراثن رانڈ پہ بھی منطبق ہوتی ہے۔ طوائفوں' ہیجڑوں کی طرح ان کا بھی قریب قریب یہی حال رہتا ہے۔ ان کی نوعمری اور جوانی' بڑی نشہ آور اور کھابے گیر قسم کی ہوتی ہے۔ اپنے موروثی فن و ہنر سے خوب نام اور مال کماتے ہیں۔ ایسے ایسے نوکیلے بھانڈ اور سریلے مراثی پائے گئے جن کی دلچسپ جگتوں سے بڑے بڑے وزیر امیر محظوظ ہوئے۔ تحسین و آفرین سے نوازے گئے...... مگر کیا کہیے کہ بڑھاپے' ان کے بھی عبرت ناک ہی ہوئے کہ بھیک مانگتے دکھائی دیے۔ بسیار خوری' منشیات' بسفلہ حرکات و گفتگو اور غیر صحتمندانہ رویے وغیرہ ان کے بڑھاپے کے تابوت کے لیے آخری کیل ثابت ہوتے ہیں۔"

کسی بھی قبیل کی بوڑھی رانڈیں اکثر و بیشتر سعدیہ وسعید نہیں سمجھی جاتیں۔ ایسی ہی سہاگی ہوتیں تو اپنے جیون ساتھی کا ساتھ کیوں چھوڑ جاتیں؟ یا وہ خود بالجبر و کراہاً ہاتھ چھڑانے پہ مجبور نہ ہوتے۔ مجھے تو سورگ باشی ہندوؤں کی دیوی سمان سندر پتنیاں بڑی بھلی لگتی ہیں جو اپنے پیارے پتی دیو کے مانندے پڑتے ہی ستی ہونے کی تیاریوں میں جٹ جاتی ہیں...... ارتھی کے اگن پہ دھرنے سے پہلے ہی پورے سولہ سنگار' سونے چاندی سے لدی پھدی' اگن سنگھاسن پہ براجمان ہو لیتی ہیں یوں کہ مکھ پر کبھی بھر ملال یا مجبوری نہیں ہوتی۔ اک عجب سی کوملتا کھلی ہوتی ہے جو کسی آدرش کے تکمیل ہونے پہ درشن دیتی ہے۔

"نہ تو رہا نہ میں رہی' کوئی جتن رہا نہ پری رہی......"

میں اچانک پھر قطع کلامی پہ مجبور ہوا۔

"گستاخی معاف! آپ مصرعہ کی صحت پہ ذرا غور فرمالیں؟"...... جواب موصول ہوا۔

"آپ شاید درست کہہ رہے ہوں گے؟...... میں بوڑھوں بارے کچھ بول رہا ہوں اور میں خود ایک "یین الاکنانی بوڑھا" ہوں جو میرے اندرونِ لاہور سے نکلتا ہے لکھ کہہ دیتا ہوں...... میرے ہاں کسی شعر کے

Scanned with CamScanner

ظاہری اوزان سے کہیں اہم' اُس کے باطنی معنیٰ کا حُسن ضرور ٹھہرتا ہے۔ لہٰذا میرا فرمایا ہُوا ہی دُرست سمجھا جائے!

ہاں تو میں کہہ رہا تھا! کیا کہہ رہا تھا کہ ہندو اور جاپانی' خودکش جانباز' میں دونوں کو سیلوٹ مارتا ہوں...... خود اختیاری موت؟ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ...... ہندوؤں میں شاذ ہی کوئی بزدل تھی ہوگی جو رانڈ ہوگی۔ اس کے برعکس اپنے ہاں' کاش ہی کوئی ایسی نر عورت ہو جو اپنے مجازی خدا پہ یوں قربان ہونے کا جذبہ رکھتی ہو۔ ورنہ یُوں دیکھا ہے کہ جونہی خاوند نے کثرتِ تمباکو نوشی سے پیدا ہونے والی پھیپھڑوں کی جکڑن سے ذرا کھینچ کر سانس لیے۔ آنکھوں کو اُلٹ پلٹ' تکیے پہ سر رکھا...... کئی بچوں کی ماں نے وُہ شہزادہ حیدر کوٹلی کے فوراً بعد سورۃ یٰسین پڑھنے والی کو یاد کیا۔ جھٹ سے دماغ کی سکرین پہ جائیداد پلاٹوں کے کاغذات' بینک بک اور نقدی گھڑی اور موبائل فون کا خیال کرتے ہوئے اپنے بھائیوں کو بُلا لیا...... اِدھر اُدھر ہم خیال ہمسائیوں کو اطلاع پہنچائی' برادری اکٹھی کر لی۔ اس دوران قدرے آرام کے بعد جو خاوند نے اگر آنکھ کھول لی تو صدقے واری' نذر نیاز' صدقہ!

ایسی خوش نصیب عورتیں' جو اپنے رانڈ ہونے کو خدائی اعزاز سمجھتی ہیں ہر گلی محلّے کالونی میں پائی جاتی ہیں۔ جوانی سے اُدھیڑ عمری اور پھر بوڑھاپے میں یہ اعزاز برقرار رکھنا اور اس دوران' اس کے جملہ سرکاری درباری' محلّہ مقامی مفادات' بزور'' رانڈ اندازی'' حاصل کرنا اپنا حق سمجھتی ہیں۔

رنڈاپا' ان کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ ثابت تو ہوتا ہی ہے' علاقہ بھر کے لیے بھی ان کا وجود' بے شمار عائلی' سماجی' رُوحانی اور معاشرتی مسائل کا حل ہوتا ہے۔ معلوم پڑتا ہے کہ ماسی حاجراں' بیوہ نہ ہوتی۔ علاقہ اور اس شہر میں مقیم نہ ہوتی...... بوڑھی' حاجن' کمیٹی دار' بچولی' ختم' دُرود پڑھنے' کفن غسل کروانے والی...... فال قرعہ' دَم اور خوابوں کی تعبیر بتانے والی...... خاوند کو قابو' نند کو بے قابو' دیورانی کو لُٹی' جیٹھانی کو گنجی کرنے والی...... اُٹھرا کی گولیاں...... زچگی کروانے والیاں اگر نہ ہوتیں تو یہ شہر علاقہ یتیم ہو کر رہ جاتا۔

ہندو ناری اپنے مرنے والے پتی کے ساتھ ستی ہو کر راکھ بن جاتی ہے۔ مسلمان عورت' اپنے مرنے والے شوہر کے ساتھ نہ مر کر' رانڈ بن کر اَمر ہو جاتی ہے بلکہ ایک ایسے اَمرت دھارا کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جو بیاہتا عورتوں کے جملہ مسائل کا حل ہوتا ہے۔

مرد حضرات بھی رانڈ ہوتے ہیں بلکہ کئی ایک تو جبراً رانڈ ہوتے ہیں چونکہ سرِدست' ذکرِ جمیل رانڈ مسمات کا مقصود ہے لہٰذا مرد حضرات کا'' ذکرِ جلیل'' کسی اور موقع پہ۔''

ہاں تو کہہ رہا تھا کہ عورت رانڈوں میں سب سے خطرناک اقسام تنور والیوں اور مراثنوں کی پائی

Scanned with CamScanner

گئی ہیں۔ سکت و عمل کی ساری زندگی بڑی جہالتی طنطنے میں گزرتی ہے مگر بوڑھاپا بڑے سیاپے لاتا ہے۔ مکافاتِ عمل کا یہ عالم کہ زودی پہ بڑی گندگی بن جاتی ہیں۔ اپنے بیگانے سب ان کی کرتوتوں پہ منہ چھپاتے ہیں۔ جوانی میں بھانڈ خوب ہنستا ہنساتا ہے مگر بڑھاپا بڑا کڑا وقت لے کر آتا ہے ایسا کہ دیکھنے سننے والوں کو رُلا دیتا ہے۔ کہنہ عمر اداکار' پہلوان' پولیس والے' بوڑھی نائکہ' بوڑھا ہیجڑا' بوڑھا وکیل آخرت کی آجرت میں خسارہ برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں پاتے کہ بیتے ہوئے اچھے وقت اور بُرے اعمال کی یادیں' ان کے لیے سوہانِ رُوح بن جاتی ہیں وہ بیٹھے بیٹھے خود بخود ہنستے اور روتے رہتے ہیں۔ ان کے کھنڈر چہروں پہ غروبِ زندگی کی پرچھائیاں لہراتی رہتی ہیں۔

ٹھنڈی چھاؤں اور سیدھے راستے کے بوڑھوں کے چہرے نرم و خرم...... ٹیڑھی راہوں کے مسافر بوڑھوں کے چہرے' بوڑھے کا درخت کہ جس پہ سانپ چمگادڑیں' شکرے' بوم وغیرہ تو ہوتے ہیں...... قمریاں' چڑیاں اور عندلیبیں نہیں ہوتیں۔''

ہاں' کچھ یہ بھی کہ بوڑھے کتے' ہاتھی اونٹ اور گھوڑے چاہے کیسے بھی پیارے اور قیمتی ہوں۔ اس سے پیشتر کہ وہ خاموش اور خطرناک بڑھاپے سے آپ کو کوئی ضرر پہنچائیں۔ لازم ہے کہ آپ کوئی قابلِ ذکر گزند پہنچائے بنا انہیں واصلِ عافیت کر دیں...... یہی صورتِ حال اگر کسی دیرینہ ملازم بشمول کسی قریبی بزرگ' جن کی کفالت حلالت' غسالت اور جنازت' آپ پہ واجب ٹھہرتی ہو۔ ایسا موقع پیدا ہونے سے کچھ پہلے ہی انہیں زیارتوں پہ بھیج دیا جائے۔ دونوں جہانوں میں آسودگی ہوگی...... آپ کی اِدھر' اُن کی اُدھر......!''

بات جب اُڑتی ریت کی مانند بکھرتی ہوئی محسوس ہوئی تو اک نئے انداز سے مداخلت کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

''بابا! بڑھاپے کی لاکھ بُرائیاں ہوں گی...... کیا کوئی ایک آدھ خوبی بھی نظر آتی ہے؟''

چہکتے ہوئے جواب دیا۔

''ارے! ایک آدھ خوبی پہ کیا موقوف؟ بڑھاپا سیکڑوں خوبیوں کا مخزن بھی ٹھہرا...... جن زیرک اصحاب پہ بڑھاپے کے راز و اَسرار وا ہو گئے وہ تو تخت سرور ہو گئے...... دین و دُنیا کی فلاح اُن کا مقدر بن گئی۔ خدا رسول نے عالمِ پیری کو ایک نعمت کہا...... فلک بوس عمارت' مکمل منہدم بھی ہو جائے تو اس کی بنیادیں قائم رہتی ہیں۔ مطلب یہ کہ جس بڑھاپے کی اساس میں رزقِ حلال کا اینٹ روڑا' محنت و ہمت کی ریت بجری' ایمانداری اور نیک نیتی کا پانی...... صبر و تحمل کا چونا...... شکرگزاری اور خدمتِ خلق کا سیمنٹ شامل ہو اور تسلیم و رضا کا وتر لگا ہوا ہو...... وہ بڑھاپا' بیت المقدس کی مانند عظیم و قدیم ہوتا ہے۔ آدم' نوح' ابراہیم' ذکریا' شعیب'

Scanned with CamScanner

داؤد و سلیمان یعقوب دیگر انبیاء و صحابہ کرام اولیائے کرام کے بڑھاپے..... سبحان اللہ!''

فرمایا! کہ جس گھر میں کوئی بزرگ ہوتا ہے وہ گھر آفاقی بلیات اور شر شرار سے محفوظ رہتا ہے۔ طالع مند بزرگ کی زیارت زیارتِ کوہِ طور کی طرح ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کی خدمت کرنا اُس کی جملہ ضروریات کا اہتمام کرنا..... وضو طہارت میں مدد کرنا بہت بڑے ثواب کا موجب ہوتا ہے۔ گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت کسی بزرگ کو سلام کرنا دُعائیں لینا۔ سلامتی اور کامیابی کی ضمانت ہے۔ کئی نبیوں رسولوں ولیوں بادشاہوں حکمرانوں کو حکومتیں مراتب درجات عہدے وغیرہ اُن کے بزرگوں کی طفیل ملے۔

دیکھا گیا ہے گھر میں بلی موجود ہو تو چوہے نہیں آتے بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا کہ کچھ چوہے ایسے بھی کہ جن کے آنے پہ بلی گھر چھوڑ کر کہیں نکل لیتی ہے یعنی کچھ بلیاں بزرگ ہوتی ہیں اور کچھ چوہے بھی برگزیدہ ایسی بزرگی جسے بھی اللہ دے۔''

کچھ جہاندیدہ لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ ایسے بزرگ نگہبانی چوکیداری پہ رکھتے ہیں جن کے اعضائے رئیسہ تو کجا اعضائے غریبا بھی کام کاج کے نہیں ہوتے۔ بجی ہوئی آنکھوں میں دکھائی بھی کچھ کم ہی دیتا ہے۔ دیوار کے سہارے کے علاوہ کھڑا ہونا اُن کے لیے دشوار..... سماعت بھی جواب دے چکی ہوتی ہے۔ مسلسل کھانسی کھانسی کی کنوری کی طرح بج رہی ہوتی ہے۔ کھانسی کے ساتھ بلغم کا اخراج مزید مصروفیت پیدا کر دیتا ہے۔ توجیح یہ کہ ایسے چوکیدار مسلسل بیدار رہتے ہیں یا بیدار بخت ہوتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں چور ڈاکو قریب نہیں پھٹکتے..... گھر والے نیندکی گولیوں کے مزے لوٹ رہے ہوتے ہیں۔''

سیانے سمجھدار لوگ باورچی خانہ کے لیے مصالچی خانساماں چُن چُن کر بوڑھے سے بوڑھا یا ایسی بوڑھیا کی تلاش میں رہتے ہیں جن کے ہاتھوں میں رعشہ آنکھوں میں موتیا اور مُنہ دانتوں داڑھوں سے پاک ہو اور اگر کسی مرضِ معدہ میں مبتلا بھی ہو تو یہ اُس کی اضافی خوبی گردانی جاتی ہے۔ تشریح اس اجمال کی یہ ہے کہ ایسے باورچی خانساموں کی دستبرد سے بوٹیاں پستے بادام گری کھوپا بچے رہتے ہیں اور یہ اپنی دندانی تحتگی اور آنتوں کی ضعیفی کی وجہ سے محض ہاتھو کے ساگ دال کی بڑیوں یا دودھ دہی سے ہی رغبت رکھتے ہیں۔ گھر والوں کی اس احتیاط کے باوجود کئی ایک بوڑھی مائیاں بزرگ خانسامے کچے گوشت کی بوٹیاں گھی تیل مرچ مسالے ایسے ایسے طریقوں سے نکال کر لے جاتے ہیں کہ انھیں داد کے ساتھ کچھ درہم بھی دے کر شاگردی اختیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔''

میں حتی الوسع دعوتوں سے پرہیز کرتا ہوں اور خاص طور پہ اُن گھرانوں کی دعوتوں سے جن کے ہاں ہر گھریلو کام کاج کے لیے نوکروں کی ایک فوجِ ظفر موج پڑی ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اپنے گھر کے تمام کام

Scanned with CamScanner

کاج' خاتون خانہ کو خود کرنا چاہئیں۔ جس کے بے شمار فوائد ہیں' خاص طور پہ اپنے بزرگوں' خاوند اور بال بچوں کے کھانے پکانے کے فرائض خود اپنے ہاتھوں سرانجام دینے چاہئیں۔ سمجھدار سگھڑ عورتیں' جنہیں اپنے گھرانے کی صحت' سلامتی...... خاوند کی توجہ پیار...... بچوں کا مستقبل عزیز ہوتا ہے وہ اپنا چولہا چوکا کسی قیمت پہ خانساموں ماسیوں ماسیوں کے سپرد نہیں کرتیں...... جو ملازم' معاوضہ پہ آپ کے ہاں پڑا ہوتا ہے وہ شاذ ہی اپنے کام میں مخلص ہو...... کھانے پکانے پہ مامور نوے فیصد ملازموں پہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کبھی کسی بھی وجہ سے آپ کو ضرر پہنچا سکتے ہیں۔''

کراچی کی ایک ارب پتی فیملی' جن کے کئی بنک اور ادارے ملک اور غیر ممالک میں فعال ہیں...... ان کا ایک شریف سا شخص میرا عقیدت مند ہے۔ وہ بہت پہلے مجھے خواجہ اجمیری کی درگاہ پہ ملا تھا۔ بڑی دیگ کے پاس' ایک برتن میں نیچے گرا ہوا لنگر اکٹھا کر رہا تھا۔ جبکہ پاس ہی زائرین میں لنگر بھی تقسیم ہو رہا تھا۔ چاہتا تو وہاں سے لے سکتا تھا۔ مجھے اس کا نیچے فرش پہ گرے پڑے لنگر کا یوں عقیدت سے اکٹھا کر کے برتن میں ڈالنا' عجیب سا لگا...... لوگ ایسا بھی کرتے ہیں۔ بات عقیدت کی ہے لیکن یہ شخص کوئی صاحب حیثیت دکھائی دے رہا تھا اور پاکستانی بھی...... اس کے ہمراہ ایک مایوس مدقوق سا نوجوان اور ایک اُدھیڑ عمر خاتون بھی تھی جو یقیناً اس باوقار شخص کی بیوی تھی۔ خاتون سیاہ عبایہ میں ملبوس تھی' موٹی موٹی اُداس آنکھیں جیسے رو دینے پہ آمادہ ہوں۔ برتن بھر گیا تو ڈھکن دے کر وہ تینوں اندر مسجد کی جانب بڑھ گئے۔ میں انہیں ملکہ وکٹوریہ کی عقیدت گاہ تک تکتا رہا تھا۔''

میں اپنے ایک آدھ کام نپٹا کر' مسجد چلا آیا...... بغلی در سے داخل ہوتے ہی وہ تینوں مجھے روضہ شریف کی جانب والے کونے میں بیٹھے دکھائی دیے۔ وہ صاحب تسبیح پھیر رہے تھے اور خاتون' اپنے ہاتھ سے اُس نوجوان کو لنگر کھلا رہی تھی۔ ڈول نما وہی برتن...... جس میں نیچے فرش پہ پڑا لنگر اکٹھا کیا گیا تھا۔''

میں سیڑھیاں چڑھ کر' مسجد اندر اپنی مخصوص جگہ پہ آ بیٹھا۔ نماز کے بعد' میں نہ جانے کیوں یہاں رُکا بیٹھا رہا...... سر جھکائے' میں کسی کیفیت میں تھا کہ کسی نے مجھے کچھ تھمانے کی غرض سے ہاتھ چھوئے...... وہی شخص' یمنی سُرخ عقیق کی تسبیح' عطر کی خوبصورت شیشی...... پلاسٹک کی تھیلی میں یقیناً کچھ لنگر تھا...... نہایت ملائمت سے سرگوشی کے انداز میں گویا ہوا۔

''یہ معمولی نذرانہ قبول فرمائیں۔ خواجہ غریب نواز کا صدقہ' اس لنگر پہ شفا کے لیے دَم کر دیں۔''

نذرانے اور تھیلی پہ نظر ڈالنے کے بعد' اُس کے چہرے جانب دیکھا...... شفاف سنگِ مرمر کی فراخ لوح! جس پہ کاتبِ تقدیر نے شاید کچھ رقم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اپنی بات کر کے شاید وہ مجھے دیکھنا یا مجھ سے نظر

Scanned with CamScanner

ملانا بھول ہی گیا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں لنگر کی پکڑی ہوئی تھیلی اور کان میرے کچھ شبد سننے کے منتظر تھے۔
میں اس بھلے انسان' اُس کی خوش شکل بیوی اور نوجوان کے بارے سوچ رہا تھا کہ عقیدت بھی کیا اندھی چیز ہوتی ہے۔ پیروں فقیروں سے عقیدت رکھنے والے بھی کیا عجب بھولے منش ہوتے ہیں۔ ہر اُس شخص کو اپنا ملجا و ماوا سمجھ لیتے ہیں جس کا حال حلیہ الگ سا ہو۔ میرا سیاہ پیرہن اور دیگر آلات شعبدہ گری' انگوٹھیاں' منکے' عصا' مشکول' زلفیں' دراز ریش ...... ایک اللہ والا درویش' کرنی والا بابا ثابت کرنے میں اور کیا کسر باقی رہ گئی تھی؟

مجھے بڑی شرم آئی۔ اسے اللہ سے مانگنا چاہیے۔ خواجہ غریب نواز کو وسیلہ بنانا چاہیے' خواجہ کے در پہ اس وقت بھی چالیس ولی بیٹھے ہیں اُن سے دُعا کروانی چاہیے۔ میں گم صُم' اپنے اُوپر لعن طعن کر رہا تھا۔ کیا ہوا اور کیونکر؟ ...... کوئی بھٹکا بھولا گندے پانی کا قطرہ' میری آنکھوں سے ٹپک کر اُس کی لنگر والی تھیلی پہ آ گرا ......!

سات روزہ قیام کے دوران وہ عصر کی نماز کے بعد' اسی جگہ ملتا۔ لنگر پہ دَم کرواتا اور بن کچھ کہے پوچھے چلا جاتا۔ آخری روز' وہ مجھے لفافہ تھما کر رخصت ہو گیا۔''

میرا اکثر ایسے ہلکے بھاری لفافوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ کسی میں موٹی یا معمولی رقم' کسی میں اپنے حل طلب حالات اور جوابی لفافہ ...... ایسے بھی لفافے' جو علاقہ کے تھانہ میں بھیجنے چاہئیں کہ اُن واقعات کا تعلق' دست اندازیٔ پولیس کے زُمرے میں آتا ہے۔ درویش کا کسی کی شادی طلاق یا جائیداد کے باہمی تنازعات سے کیا علاقہ؟ بچھڑے ہوؤں کا ملاپ ...... عشق معشوقی کے چکر ...... امیگریشن' امتحانات کی کامیابی' جنات' وظیفوں چلوں کی بابت استفسارات ...... تین جوان بچیوں کی شادی کے لیے امداد و دُعا۔ قرض کی ادائیگی کے لیے دُعائیں ...... تحفہ میں کتابیں مانگنے والوں کے رُقعے' لفافے! غرضیکہ ہر نوع نوعیت کے پیغام آتے رہتے ہیں۔ شاذ ہی میں نے کبھی کوئی جواب دیا ہو؟ یہ نہیں کہ میں جواب دینا پسند نہیں کرتا ...... کسی لفافے کے مندرجات' مجھے جواب دینے پہ اُکسائیں' مجبور کریں' جواز بنائیں ...... کسی کے ذاتی معاملات' بودے کچے ذہن کے سوالات ...... ایسی باتیں' جو اپنی ذات تک ہی محدود رکھنی چاہئیں۔ مذہبی مسلکی مسائل' جو مجھ سے نہیں کسی عالم دین سے دریافت کرنے چاہئیں۔''

بات اُس بھاری لفافہ سے آگے بڑھی' جو اُس بھلے انسان نے درگاہ شریف کی مسجد میں' پولے ہاتھوں مجھے دیا تھا۔ کچھ لوگ ایسے بھی' جو لفافہ دیکھ کر ہی نفس مضمون بھانپ لیتے ہیں۔ اتفاق سے میرا شمار' اُن ذوات شریفہ سے ہے جو لفافہ دیکھ کر محض بھانپتے ہی نہیں بلکہ جان بھی لیتے ہیں۔ حتیٰ کہ جواب مضمون بھی اُترا ہوا تیار ہوتا ہے۔''

بابا کہتا ہے' میں نے ایک بار شغل وشغلی تھوڑا سا سونا تیار کیا۔ شاید کچھ ضرورت بھی تھی تو ظلم کے

Scanned with CamScanner

مطابق میں ایک پائی کے وزن کے برابر ہی تیار کر سکتا تھا۔ یہ میرا وہ زمانہ جہالیت تھا جب مجھ پہ جنون کی حد تک سونا بنانے کا شوق سوار تھا۔ میرے روز و شب اسی شغلِ بیکار میں گزرتے تھے۔ بالآخر چاچا گلز' کزی قپیا اور ایک سنیاسی مہوس کے فیضان سے کامیابی نصیب ہوئی۔ میں نے اپنے وسائل' کوشش سے پہلی بار بے عیب سونا کٹھالی سے نکالا جو وزن میں ایک ماشہ تین رتی تھا...... ہندو ساہوکار نے مجھے کھری چاندی کے دو روپے دو آنے تھماتے ہوئے کہا۔

''ایسا خالص سونا کہاں سے لائے؟ کسوٹی سندوری ہو گئی...... ان روپوں کی خالص چاندی بھی دانتوں تلے کٹ کٹا کر دیکھ لو......؟''

یکدم میرے دماغ کی کوئی گراری گڑگڑ کرنے لگی۔ سونے کے بدلے چاندی' یہ کہاں کی کیمیا گری ہے؟ اگلے جھٹکے سے خود بخود جواب بھی نکل آیا...... اصل اہمیت تو مہر ٹھپنے کی ہے جو سکے کے دونوں اطراف ہوتی ہے۔ جو میرے جنگلی بیر کی گٹھلی سے بے ڈھبے سونے پہ نہ تھی...... بہت آگے نکل کر یہ بھی سمجھ میں آیا کہ اللہ اور بندے کے بنائے ہوئے سونے میں' نہ محسوس ہونے کے باوجود اک نمایاں فرق ہوتا ہے وہی سکۂ رائج الوقت کی مہر والا......!

رنگ' وزن' نرمی' پھیلنے سکڑنے' تاؤ کھانے اُڑنے پگھلنے اور راکھ پانی بننے کی تمام تر صلاحیتوں کے باوصف بھی' اللہ اور بندے کی صناعی میں فرق قائم رہتا ہے۔ اسے رہنا بھی چاہیے۔ شداد اور حسن بن صباح کی بنائی ہوئی جنتیں' حکیم نخشب کے تخلیق کردہ روشن چاند اگر ایسے ہی حقیقی اور اصل کا بدل ہوتے تو ہنوز قائم دائم رہتے۔''

بات' عمل' آغاز و انجام کا کوئی وقت ہوتا ہے۔ اسی طرح ہدایت' فیض اور قبولیت کے لیے بھی کہیں کوئی روزن کھلا ہوتا ہے جس سوراخ کی راہ سے داخل ہونے والی کرنوں کے لیے چند لمحے آویز ہوتے ہیں۔ تھوڑے وقفے بعد زاویہ تبدیل ہوتے ہی روزن بلیک ہول بن کر رہ جاتا ہے۔ کیمیا گر وہی ہے جو ان روشن لمحوں کی پہچان کرتا ہے اپنی عقل علم و تجسس کے تاریک گوشے منور کر لینا جان جائے۔ کیمیا گری کا سارا عمل ساعتوں کی سلامتی و صواب پہ ہوتا ہے۔''

شاید ایسی کوئی ساعت' میرے لیے سعید ہو گئی تھی کہ میں اگلی کسی منفی انجام خیز ٹھوکر کھانے سے بچ گیا۔ مشاہدے کی ایک گرہ جب اور کھلی تو میں نے مزید تجربہ کے لیے ایک اور در کھولا۔

میرے کئی عشرے' صرف اُن خامیوں پہ نظر رکھتے ہوئے گزر گئے جن پہ صرف نگاہ کی پاداش میں مہوس کو کسی نہ کسی طور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عشروں مہینوں کی محنت رائیگاں ہو جاتی ہے۔ کیمیا گری کی

Scanned with CamScanner

نگری کے لوگ کہتے ہیں کہ منوں کے حساب تانبا' چاندی' ابرق' سیماب' شنگرف سہاگہ پہ جھاڑو پھر جاتی ہے لیکن کہنا مشکل کہ سیمیا صاف ہو جائے گی۔ سیکڑوں ہزاروں کے صرفے' شب و روز کی محنتِ شاق' اگر تولہ دو تولہ سونا بنا بھی لیا تو کیا فائدہ؟ یہ سب کچھ جانتے سمجھتے ہوئے بھی کیمیا گری کے شوقین' اُس وقت تک باز نہیں آتے جب تک اُن کی عزت و شہرت' جسم و جان کے سارے اثاثے آخری ہچکی نہیں لے لیتے۔''

● کچھ آشفتہ سروں سے اُدب آداب سیکھے......!

کتاب ''کاجل کوٹھا'' میں جموں توی والے باوا بالی شاہ کے مزار کا ذکر کر چکا ہوں۔ عقیدت کے علاوہ میری ضرورت بھی کہ میں گاہے بگاہے وہاں حاضری دیا کرتا تھا۔ عرس میلے کے علاوہ بھی وہاں بارہ مہینے سادھو سنتوں سپیروں سنیاسیوں اور باہر سے پہنچے ہوئے زائرین کے جمگھٹے جمے رہتے تھے۔ یہی سادھو سنیاسی فقیر' میری ضرورت بنے کہ کشمیر کے پہاڑوں' بندرابن' آسام' پنجاب' ہردوار' متھرا' ہیلاس' نیپال' رنگون اور بنگال سے اِدھر پہنچتے اور کچھ ایسے سنیاسی سپیرے' جو کیمیاوی جڑی بوٹیوں اور سانپوں کی کھوج میں وادی وادی پھرتے رہتے اور موسم سرما بسر کرنے کی خاطر اِدھر آ براجتے۔ اِدھر کا ماحول' ان دین و دُنیا سے فارغ لوگوں کے لیے بڑا سازگار ثابت ہوتا۔ توی ندی کے وسیع و عریض کنارے' سہانا موسم' منشیات کی آزادی...... لنگر' دھمالیں' عقیدت والے اور آم کے آم گٹھلیوں کے دام...... یعنی کچھ کاروباری لین دین بھی ہوتا تھا۔ کشمیر کے خشک و تر میوہ جات اور مسالے...... کشمیری دُھسّے' چادریں...... غالیچے اور دَریاں! قریب و جوار میں میدان' باغات کہ شب و روز کی بسر اوقاتی بھی وافر......!

زمین' آب و ہوا زرخیز ہو تو گھاس پات خود بخود اُگ آتے ہیں۔ دانے چگنے کو ہوں تو چرند پرند بھی پہنچ جاتے ہیں۔ میری طرح اور بھی بہت ہوتے جن کے مقاصد مختلف تو ہو سکتے ہیں مگر باوا بالی شاہ سے رُوحانی تعلق و شوق' قریب قریب سب کا ایک سا ہی ہوتا۔''

''کاجل کوٹھا'' میں قبر کے اندر لیٹے ہوئے اک تپسّں کاری کا ذکر کر چکا ہوں۔ ایک بار یہی بزرگ درخت پہ اُلٹے لٹکے نظر آئے۔ اس طرح کہ شعبدے تماشے اِدھر جا بجا دکھائی دیتے تھے جنھیں لوگ دلچسپی سے دیکھا کرتے...... اس ملنگ نے اپنے سوکھے سڑے بَدن کو ایک میلی سی کپڑے کی دھجی سے ڈھانپنے کی ناکام کوشش کی ہوئی تھی۔ سر کی جٹیں' نیچے زمین کو چھو رہی تھیں۔ جب چاہتا جھول لیتا جب چاہتا ساکت ہو جاتا۔ ایک بار جب ساکت ہوا تو ذرا قریب سے دیکھنے کی خاطر' میں اُس کے نزدیک پہنچ گیا۔ اُلٹا لٹکے ہوئے کو

Scanned with CamScanner

سیدھے پاؤں پہ کھڑے بھی اُلٹے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنا اپنا زاویہ نظر کہ کسے کوئی کس طرح دکھائی دیتا ہے؟
مجھے گھورتے دیکھ کر کھی کھی کی آواز نکالتے ہوئے پوچھنے لگا۔
''کیا گھورتے ہو تم نے کبھی اُلٹا لٹکا بندر یا بندہ نہیں دیکھا؟ میں تو پیدا ہی اُلٹا ہوا تھا۔''
اُس کی بات کچھ سمجھتے' کچھ نہ سمجھتے ہوئے میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اُسے شاید میرا پیچھے ہٹنا اچھا لگا تھا...... کھی کھی کھنگارتے ہوئے زور زور سے جھولنا شروع کر دیا۔ جھولتے جھولتے اپنے سینے پر رکھے ہاتھ کھولے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ میں وہیں پہلی جگہ آگے بڑھ آیا۔ میری سیدھی آنکھوں میں اپنی اُلٹی آنکھیں گاڑتے ہوئے کہنے لگا۔
''لٹکن منڈپ پہ کسی سے بات کرنے سے دھیان گیان میں اُچٹ پڑتی ہے۔ پر تو تم سے تو بات اوش کرنی پڑے گی کہ تیرے مکھ ماتھے پہ اُچٹ دھن زاموں کی کلپ چھایا ساوت ہے۔ اگر تم ہم کو شکروار باوا گنج شکر کا پرشاد کھلا دو تو ہم تمہیں باوا منکھو پیر کی کھیر کھلا دیں گے جو اُلٹ لٹک کر کھائی جاتی ہے۔''
میں نے اُس کی بات سُن کر دل ہی دل میں شکروار کے روز کا حساب لگا کر جواب دیا۔
''ان پانچ دنوں میں میں پاک پتن سے شکر تو آسانی سے لاسکتا ہوں لیکن اُلٹا لٹک کر باوا منکھو پیر کی کھیر کھانا' بڑا ٹیڑھا کام ہے؟''
تپس کاری نے تُرت جواب دیا۔
''مگر اس بنا آگے راہ نہیں کھلتی۔ کتے کا کھاجا پنیر اور کھیر نہیں' نہ کوّے کا چوگا' موتی مونگا...... مگر باوا بالی شاہ کے دَر کے کتے اور کوّے بھی کچھ کھاتے ہیں...... جانتے ہو؟ بابا منکھو پیر کا مکھا مچھ' کیا کھاتا تھا؟...... یہ سب کچھ میں تمہیں شکر لانے پہ شکروار کو بتاؤں گا؟''
ایسی عجیب وغریب پُراسرار باتیں سن کر اندر ہی اندر دہل سا گیا تھا۔ ساکت باوا نے یہ کہہ کر پھر جھولنا شروع کر دیا' اس کا مطلب تھا وہ اَب مجھ سے مزید بات نہیں چاہتا۔ میں کافی دیر وہیں ننگے پاؤں کھڑا رہا کہ شاید باوا پھر نظرِ التفات کرے مگر وہ تو آنکھیں مُوندے ایسے لٹک رہا تھا جیسے چلّہ معکوس کے تیسرے طبق میں ہو۔ پہلا کنواں' دوسرا دَریا' تیسرا کا ٹھو!''
میں مقررہ دن سے ایک روز پہلے ہی پہنچ آیا تھا۔ پکا سیر شکر اور شکر پارے' قصور شریف سے کھوئے والے اندرے اور نمک میرے ساتھ تھے۔ سیالکوٹ سے آخری گاڑی' سوا سات یعنی پورا گھنٹہ لیٹ روانہ ہوئی۔ جموں توی پہنچتے پہنچتے رات کے نو بج گئے۔ تانگے سے کچہری اپنی پھوپھی کے گھر پہنچا تو دروازہ پہ بڑا تالا' منہ چڑا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ پھوپھا مرزا صاحب بمعہ اہل وعیال صبح صبح ہی سیالکوٹ چلے گئے ہیں۔

Scanned with CamScanner

اُب میرے لیے دو ہی راستے تھے سرائے دھرم شالہ یا باوا بالی شاہ کی دَرگاہ......!

مجھ ایسے گھریا ہڑ دین و دُنیا سے فارغ اور جیب و کھیسے سے خالی "منچھ" عام حالات میں سراؤں ہوٹلوں سے ہٹ کر دَرگاہوں' مزاروں' مرگھٹوں ڈیروں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں کہ ایسی جگہیں نہ صرف اِن کے مزاج و ماحول کے مطابق ہوتی ہیں بلکہ اِدھر اِن کے شوق و ذوق کی تسکین کے علاوہ پیٹ پوجا اور دَم دارو کا سامان بھی کسی نہ کسی طور مہیا رہتا ہے۔"

مَیں دَرگاہ کی جانب پیدل ہی چل پڑا۔ رات کا پہر ہو...... دیوانے ویرانوں کا رُخ کر لیں تو پرواؤں کے رُخ خود بخود پھر جاتے ہیں...... ستاروں کی چلمنیں چقیں بھی اُس طرف سے اُٹھنے لگتی ہیں۔ طیوران شب خیز دیوانہ وار لپکتے ہیں۔ راہ کے شجر حجر اِس کا سواگت کرتے ہیں۔ اِک لمبا راستہ پلک جھپکنے میں طے ہو گیا۔

وقت اگر کہیں جھپکی بھی لے مگر فقر بخت جاگتا ہی رہتا ہے۔ مستوں' ملنگوں' مار سیاہ' ماہی' موہن دار اور منتظر کی آنکھوں پہ پپوٹے نہیں ہوتے۔ اِن کی تو درشن پیاسی آنکھیں مرنے کے بعد بھی کھلی رہتی ہیں۔ ایسی ہی کچھ کیفیت یہاں دَرگاہ کے دَر و دیوار کی بھی تھی کہ جن کے قرب و جوار میں ہر ظاہری باطنی بینائی کہیں نہ کہیں لڑی بجڑی ہوئی تھی۔ جلے بجھے سلگتے الاؤ...... راکھ راکھ خاک نشیں مست و ملنگ...... حق ھُو الکھ نرائن کے آوازے...... گھنگھروں کے چھنکارے' کلیانوں پہ انگارے...... سنکھ منکھ اِکتارے...... لگتا تھا یوں جنوں کے جگنوؤں نے توی گھاٹ پہ رچنا لگا رکھی ہے۔ جنگل میں منگل! اندھیرے اُجالے' وقت بے وقت' جتھے' مرتبے' ذیت ذمن کے جھنجھٹ سے الگ تھلگ' اِک ایسا سنسار! جدھر کرم دھرم کا کوئی بھار اور اپنے پرائے کی کوئی اُپکار نہ ہو۔ اپنی اپنی راہیں' اپنی اپنی منزلیں...... اپنی زمینیں اپنے آسماں...... مَیں اُدھر یوں وارد ہُوا...... جیسے سوتے جاگتے "جنگل میں کوئی جیتا مرتا جنگل داخل ہوتا ہے۔"

کسی اُوشد حالیہ میں پڑے ہوئے روگی ہوں یا بندرابن کے جوگی...... سب ایک ہی عجب جان پڑتے ہیں۔ سری لنکا میں سب باون گزے اور متھرا کے سب ماوا پیڑے ایک ہی مزے کے ہوتے ہیں۔ جس مہا تما مہاشے کو دیکھا ایک سا ہی جاپ پڑا...... اِسی دیکھا دیکھی میں بھاڑ جھونکڑا اپنا' اِدھر اُدھر چاند ماری کر رہا تھا کہ کہیں وہ اُلٹے پیڑ پہ لٹکے باوا دکھائی دے جائیں جنہوں نے گنج شکر کی شرط پہ مجھے باوا منتصوبیر کی کھیر کھلانے کا وعدہ کیا تھا۔ حیرت کہ یہ کھیر مجھے اُلٹا لٹک کر کھانی ہوگی ایسی ترکیب بھی مجھے وہی بتائیں گے؟

مَیں بیوقوف' گھن چکر بن سوچے سمجھے کہ منتصوبیر کی کھیر اُلٹ لٹک کر کھانے سے کیا حاصل؟ باوا کے کہے میں آکر بھاگم بھاگ پاکپتن شریف' قصور شریف اور سیالکوٹ پہنچا...... کسی نہ کسی طرح اُن کی مطلوبہ اشیاء اکٹھی کیں اور آج شکروار سے پہلے اِدھر پہنچ چکا تھا۔ پہلی ملاقات والی جگہ گھن پیڑ خالی تھا۔ بہتیرا نیچے اُوپر دیکھا

Scanned with CamScanner

مگر سوائے اندھیرے گھپ گھیرے کچھ نہ تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اب کہیں اور دیکھوں؟ ہنسی آئی کہ بادا سے ملاقات کا وقت کل شکروار کا طے ہے' ہوسکتا ہے وہ کہیں اور نکل گئے ہوں۔ کل پلٹ آویں...... سفر کی تھکاوٹ اور نیند کے غلبہ نے مجھے وہیں پیڑ نیچے بیٹھنے اور پھر لیٹنے پہ مجبور کر دیا۔ شکر' نمک اور شکر پاروں والا پوٹلا' سرہانہ بنا کر میں وہیں لمبا پڑ گیا تھا۔''

اُن وقتوں جموں توی...... بندوں میں کوندے اور بندروں میں لچھندر بہت زیادہ ہوتے تھے۔ کوندوں اور لچھندروں میں ایسی مطابقت و مشابہت تھی کہ کبھی کبھی انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ سمجھنا مشکل پڑتا تھا۔ خاص طور پہ جموں اور اُودئی' رات کے لوگ اپنی ہر وہ شے جو بندروں سے بچانی ہوتی' دوہری حفاظت میں رکھ کر سوتے تھے۔ اس کے باوجود بدمعاش بندر شب خون مار جاتے تھے۔ آدھی رات گزر گئی ہوگی کہ نیند کے اُچٹنے میں مجھے اپنے سر کے نیچے کا پوٹلا کھسکتا ہوا محسوس ہوا۔ یقیناً یہ کوئی بندر تھا جو شکر پاروں اور اَندرسوں کی خوشبو پہ ادھر لپکا تھا۔ اَندھیرے میں دکھائی کیا دیتا' میں نے ہاتھ بڑھا کر بندر کا بازو پکڑ لیا۔ کھی کھی کرتا ہُوا وہ بازو چھڑانے کی بجائے مجھ سے لپٹ گیا۔ بدبُو' بھبھاند سے میرا تو دماغ اُلٹ گیا۔ اُس سے جان چھڑانے کی کوشش میں محسوس ہُوا کہ وہ کسی عام بندر کی بجائے کوئی لچھندر ہے جو میرے قابو سے باہر ہو رہا تھا۔ نیچے مٹی' گھاس جھاڑیوں پہ خوب رگیدا رگیدی ہو رہی تھی۔ بالآخر وہ لچھندر مجھ سے پوٹلہ چھین کر کھی کھی کرتا ہُوا اِسی پیڑ پہ چڑھ گیا جس کے نیچے ہماری کلا جنگ ہو رہی تھی۔''

''بندر اور قلندر (بندر والا) دونوں کا پیچھا کرنا عبث ہوتا ہے۔ دونوں ہاتھ تو کر جاتے ہیں مگر ہاتھ نہیں آتے۔ یہی ان کی پہچان ہوتی ہے۔

اکثر مذاہب میں کچھ مسالک و فرقہ ایسے بھی موجود ہوتے ہیں جو اپنے عجیب وغریب' سمجھ میں نہ آنے والے عقائد اور رسومات کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ افریقی قبائل اور خاص طور پہ ادھر ایشیا میں ایسی محیرالعقول رسومات و توہمات پائی جاتی ہیں کہ انسانی عقل ششدر رہ جاتی ہے۔ انسان ایک طرف تو چاند ستاروں' خلاؤں کہکشاؤں تک رسائی حاصل کرنے کا دعوے دار ہے اور دوسری جانب' جہالت و توہم کے گہرے کنوؤں میں اُترا ہُوا' انسانیت کا منہ چڑا رہا ہے۔

سُنی سُنائی بات' ہندوستان کی ایک پڑھے لکھے' متمول' شہرت یافتہ خاندان کی ہے جس کا ایک ایک فرد' کسی نہ کسی شعبہ میں اپنی مثال آپ ہے۔ ایک اداکار کے بین الاقوامی شہرت یافتہ ماں باپ کو کون نہیں جانتا؟ خود اس اداکار' اُس کی اداکارہ بیوی' اداکار بیٹے اور بین الاقوامی شہرت یافتہ اداکارہ بہو کے فنی' سیاسی' کاروباری' شخصی قد و کاٹھ سے کون کاٹھ کا اُلو واقف نہ ہوگا؟

Scanned with CamScanner

یہ احمد آباد کا ایک اُونچے درجہ کا تعلیم یافتہ اور انتہائی روشن خیال گھرانہ مانا جاتا ہے۔ مگر کیا کیجیے توہم پرستی اور دھرم مذہب کا......؟

اداکار بیٹے نے اداکارہ سے شادی کا پروگرام بنایا۔ روشن خیال ماں باپ نے حسب روایت' کمال خوش دلی سے صاد کیا۔ شبھ گھڑی نکالنے کے پنڈت بیٹھے' جنم پتریاں' ملن لگن پتریاں' آسمانی زمینی حساب کتاب' زائچے بنائے گئے۔ مگر کہیں بھی ان کا ملاپ راس دکھائی نہ دیا۔ گھر والے ہر قیمت پہ اس ملن کو کامیاب بنانے پہ تلے ہوئے تھے۔ اَن ہونی کو ہونی میں بدلنے کے لیے مزید تجربہ کار مہان پنڈت تلاش کیے گئے کوئی ایسا طریقہ نکالا جائے کہ ان دونوں کے ناراض ستارے ایک ہو جائیں۔ پھر کیا تھا؟ ہندوستان بھر کے پنڈت' پجاری' ان کے ستاروں کے پیچھے پڑ گئے۔ کون سا مندر' استھان' مزار ایسا ہوگا جہاں منتیں نہ مانگی گئیں۔ خصوصی پوجا پاٹ نہ کرائی گئی۔ خیر خیرات' لنگر پرشاد نہ ہوا...... دور دراز' دشوار گزار سفر ہوئے۔ امیتابھ' جیا بھادری' بیٹا بہو نے ہر جا ماتھا ٹیکا' سیس نوایا' مگر ان کے ستارے یکجا نہ ہو سکے۔

کہتے ہیں کہ دولت' محنت اور حکمت ناممکنات کو ممکن بنا سکتی ہیں۔ بس ذرا تدبیر اور عقل کی ضرورت پڑتی ہے۔ کسی مہان پنڈت نے خوب راہ نکالی' اگر کنیا کا لگن پہلے کسی اور سے ہو...... بعد ازطلاق لے کر پھر بیاہ کرے تو پھر روٹھے ستاروں کا ملاپ ممکن ہے اور شبھ شگن بھی رہے گا...... اَب نیا سوال کھڑا ہو گیا کہ اس خوبصورت پری کے لیے ایسا شریف شوہر کہاں تلاش کریں جو شادی تو باقاعدہ اگنی منڈپ پہ پھیروں کے ساتھ کرے مگر پتنی کو چھوئے بغیر' اگلے لمحے طلاق تھما دے' دیہاڑی وصول کرے اور وہاں سے نو دو گیارہ ہو جائے مگر اس دور میں ایسا بھلا مانس سا شوہر کہاں سے ملتا؟

تلاش بسیار کے بعد ایک رضاکار ملا جس نے کمال فیاضی سے اپنی خدمات' اس شرط پہ پیش کیں کہ وہ اس کارِ خیر کے لیے کوئی معاوضہ تو قبول نہیں کرے گا لیکن شادی کر کے پتنی کو نہ چھونا' انتہائی بے غیرتی سمجھتا ہے البتہ بیاہ کی اگلی صبح خود بخود طلاق دے گا۔ اس خدشہ کے پیشِ نظر کہ نام نہاد رضاکار پتی شوہر' لگن کے بعد معاہدہ سے مُکر بھی سکتا ہے یا قانونی جنگ شروع کر سکتا ہے۔ یہ پروگرام ہی منسوخ کر دیا۔

پنڈتوں کو کوئی ایسی محفوظ ترکیب ڈھونڈنے کے لیے کہا گیا جس میں کوئی وقتی خاوند' اپنے خاوندانہ حقوق کو جارحانہ طور پہ استعمال نہ کر سکے۔ تلاش کرنے والوں کو تو بھگوان بھی مل جاتا ہے کوئی زبان نہیں مل سکتا تھا؟ کمال کی سو فیصد محفوظ ترکیب سامنے آئی کہ کنیا کا کسی شریف' معصوم سے پیڑ کے ساتھ لگن کر دیا جائے' چنانچہ ایک بھلے سے پیڑ کے نیچے اگنی منڈپ بنایا گیا' پنڈت بیٹھے...... پیڑ کے گرد اکیلی کنیا کے سات چکر لگوا کر کنیا دان کر دیا گیا۔

Scanned with CamScanner

ارمانوں بھری رات' پیڑ کے ساتھ بسر کر کے' اگلی صبح ہی صبح کنیا تو اپنے میکے چلی آئی۔ پھر مناسب وقت میں اپنے نئے سسرال چلی آئی۔"

افریقہ اور نیپال میں کئی قبیلے ایسے ہیں جہاں لڑکیاں پہلے کسی جانور' درخت' پتھر یا ندی نالے دریا سے شادی کا بندھن باندھتی ہیں۔ پھر اک مخصوص وقت گزارنے کے بعد' کسی مرد سے شادی کرتی ہیں۔ سمجھا جاتا ہے کہ اس طرح' اُن کے اندر' ملول بلائیں اور دیگر شیطانی شر شرار اصل خاوند تک پہنچ نہیں پاتے۔

پاکستان میں بھی ایسی قبیح رسومات موجود ہیں۔ خوبصورت' اکلوتی بیٹیوں کو بچانے کی خاطر' بچپن سے ہی اُن کا بیاہ کسی غیر انسانی ہستی سے کر دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک سے نکاح تو بہت ہوتے تھے۔ کسی معصوم کو کسی مرحوم بزرگ کی رُوح سے بطور بیوی منسلک کر دیا جاتا ہے۔

مَیں نے ایک دُور دراز علاقہ میں ایک پانچ برس کی بچی کو دیکھا۔ جو اپنے شوہر کے پاس رہ رہی تھی۔ اُس کا شوہر ایک مینڈھا تھا۔ تھائی لینڈ میں کچھ قبائل اپنی پہلی بیٹی کو پیدا ہوتے ہی کسی ہاتھی کی بیوی بنا دیتے ہیں جو ساری زندگی' اُس کی خدمت میں رہتی ہے۔ سانپوں' پنچھی واسیوں' کوچیوں ٹکڑوں میں بھی کچھ گوتیں ایسی ہیں۔ جو اپنی اولاد میں بچے بچی کی شادی پیدائش کے وقت ہی کسی بندر' ریچھ یا بکرے بکتے کُتی سے کر دیتے ہیں۔"

ناگپور سے خاصا دُور پچھم اوڑ' ندی کنارے' سانپوں کا ایک سیکڑوں برس پرانا مندر دیکھا۔ ہزاروں سانپ اِدھر اُدھر پڑے رہتے ہیں۔ یاتری اُن کی دودھ مٹھائیوں سے تواضع کرتے ہیں...... لیکن کبھی کوئی ایسا واقعہ نہیں سنا کہ اِدھر سانپوں نے کسی کو کاٹا ہو۔ بچے بالے اُن سے کھیلتے رہتے ہیں۔ یہاں عقیدتمند ایسی بالک بچیوں کو دان کرتے ہیں جنہیں سانپ نے کاٹا ہو یا جو کنیا سانپوں سے دلچسپی لیتی ہو۔ یہاں ناگ دیوتا کا بہت بڑا بت ہے۔ جس سے حقیقی سانپ لپٹے رہتے ہیں۔

ایک کہنہ سالہ پنڈتائین اِدھر مہان بچارن...... جو ایک بڑا اژدہا قسم' سیاہ شیشِ ناگ' اپنے گرد لپیٹے پڑی رہتی۔ بتایا گیا بچپن میں اس کا بیاہ ناگ کے ساتھ ہو گیا تھا۔ یہ خوفناک ناگ اِس کا پتی دیو ہے' دونوں پچھلے نوے برس سے اِک دُوجے کے ساتھ خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سانولی سلونی سی داسیاں جو دیکھنے سے ہی ناگنیں لگتی ہیں اپنے اپنے ناتھ ناگوں کے ساتھ چہلیں کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے پتی ناگ ان کے نیم برہنہ جسموں سے لپٹے رہتے ہیں۔ یہاں جدھر دیکھیں چھوٹے بڑے سانپ سرسراتے دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے وشواس ہے یہ تمام اسی بوڑھی بچارن مائی اور آگے اِن داسیوں کے پریوار ہوں گے۔ ایک سی رنگت' ناک منہ ماتھا' ایک ہی نقشہ...... آپ انہیں ماوے اور میوے بھرا دودھ پلاتے ہیں تو وہ بھی آپ

سے اپنا ڈلار بکھارتے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض ایسے چھوٹے معصوم بے ضرر سے کہ کئی یاتری انہیں ڈول ڈبے میں ڈالے اپنے ساتھ لے آتے ہیں۔

میں کئی روز اِدھر پڑا رہا۔ صبح سویرے پُوجا سمے وہاں پہنچ جاتا۔ دودھ' مٹھائی' مٹھائی کا دونا تھامے' اپنے مخصوص استھان پہ بیٹھ جاتا۔ ایک کیوٹ بالک سا سانپ' مجھے دیکھتے ہی کہیں سے نکل آتا۔ بڑے پیار سے میرے ہاتھوں' پرشاد سویکار کرتا بعداً مجھ سے لپٹ جاتا...... کئی بار اُس نے میرا اپُما لینے کی کوشش بھی کی...... مجھے شک گزرا' یہ کوئی ناگ نہیں' دل پھینک قسم کی نوعمر ناگن ہے جو ایسے التفات کا اظہار کر رہی تھی۔ میں بھاگ آیا تھا۔"

ناگ پور اور نینی تال کے درمیان' کالے کوسوں کا فاصلہ ہے۔ پہاڑ' ندی نالے دریا میدان وغیرہ۔ وہاں سے یہاں تک اگر ایک سیدھا خط کھینچ کر بیلی کاپٹر کے ذریعہ محض فضا میں سفر کیا جائے تو ناممکن ہے کوئی جاندار اتنی سرعت اور حفاظت سے پہنچ سکے۔ سنا تھا کہ سانپ بلی کتا کبوتر کوا وغیرہ اپنے نہ سمجھ میں آنے والے قدرتی نظام کی بدولت اپنی منزل تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ چاہے اُن کی منزل کیسی بھی کٹھن اور دور دراز کیوں نہ ہو اُن کے لیے کوئی دشواری نہیں ہوتی......!

میں دو روز کے بعد' تھکا ٹوٹا' اپنے پہاڑی مستقر پہ واپس پہنچا تھا...... اِدھر موسم سرد تھا۔ چونکہ میں نے اپنے چوکیدار کو بذریعہ ٹیلیفون اپنے پہنچنے کی اطلاع دیتے ہوئے ہٹ کو گرم رکھنے کی اور کھانا تیار کرنے کی تلقین کر دی تھی۔ اس لیے پہنچتے ہی مجھے انتہائی تسکین اور گرم جوشی کا احساس ہوا۔ کمرا گرم اور بستر نرم! کئی روز سے نہانا موقوف تھا' چنانچہ سفری تھیلا پھینکتے ہی سیدھا غسل خانے گھس گیا۔ خوب نہایا دھویا۔ لباس تبدیل کر کے میں چوکیدار کے کوارٹر میں گرم گرم چپاتیوں اور آلو شوربے کا لطف لے رہا تھا' پیٹ بھر کر کھایا۔ قہوہ کا کہہ کر میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔

کئی دنوں کی ڈاک جمع تھی...... چند ہی خط دیکھے ہوں گے کہ منظور میاں چوکیدار قہوہ لے کر آ گیا۔ تھکاوٹ' کھانے کا خمار اور کیف آور قہوہ کے سرور نے سرِشام ہی آنکھوں کے پپوٹے بھاری کرنا شروع دیئے۔ میں بید کی آرام کرسی سے اُٹھ کر لیٹنے کی خاطر اپنے پلنگ پہ آ گیا۔ گرم پانی کی بوتل بنانے کی غرض سے لحاف کا کونا اُٹھایا تو مارے خوف وحیرت' میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی...... وہی ناگن' جسے دو روز پہلے اُدھر ناگپور کے مندر میں دودھ مٹھائی کھلاتا پلاتا تھا میرے بستر پہ سکون سے لمبی لیٹی تھی جیسے وہ میرے انتظار میں ہو۔ میں ایک دو قدم پیچھے ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر گھبرائی نہ اُٹھ کر بھاگی...... بلکہ نہایت رسانی سے اٹھکیلی توڑتی ہوئی اک بانکی ادا سے گردن اُٹھائے پھن لہرانے لگی۔"

Scanned with CamScanner

اُس مندر کے سانپوں کی ایک خاص پہچان یہ بھی تھی کہ اُن کے ماتھے پہ عین درمیان اک گول سا اُبھار تھا جیسے چپٹا سا سینگ یا بالوں کا گچھا سا ہو۔ یہ نشانی نہ ہوتی تو شاید میں اُسے کوئی عام سا سانپ سمجھتا جو اکثر بیشتر گھر گوداموں میں موسم بے موسم نکل آتے ہیں۔ پھر اُس کی اَدائیں اور انداز' کیونکر بھول سکتا تھا؟

اَب اگلی بات جو سمجھ وفہم سے بالاتھی کہ مجھ سے پہلے یہ ناگن یہاں تک کیسے پہنچی؟ اُڑن سانپ تو تھا نہیں جو پرواز کر کے یہاں پہنچ جاتا...... یہ بھی کہ اسے میرے ٹھور ٹھکانے کا علم کیسے ہوا؟ نینی تال کے مضافاتی پہاڑ...... دُور ایک چھوٹی سی نیلے پانیوں کی جھیل کنارے صنوبر کے پرانے درختوں کے بیچ لکڑی کے ہٹ تک رسائی' کچھ ایسی آسان نہ تھی۔ یہاں تو ڈاکیا بھی ہفتہ بعد آتا تھا۔ ناگپور سے ایک نادان سی ناگن کا اِدھر مجھ سے پہنچ کر میرے بستر پہ استراحت کرنا میری سمجھ نہ آیا۔ بستر کے لحاف میں ایک اُبھار ضرور دکھائی دیا تھا جسے میں گرم پانی کی بوتل سمجھا تھا۔''

چوکیدار تولہ رام کو بلایا...... اُس کے پہنچنے سے پیشتر ہی وہ سیاہ ناگن اک اَدائے دلبری سے سرکتے سرکتے نیچے فرش پہ اُتری اور میرے پاؤں پہ سر رکھ دیا۔ تولہ رام کمرے میں آیا تو حسبِ عادت ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا یقیناً اُس نے نیچے فرش کی جانب نہیں دیکھا ہوگا ورنہ وہ یوں چپ کھڑا نہ رہتا۔ میں نے اُسے کٹورے میں دودھ لانے کے لیے کہا۔ وہیں سے کوئی جواب دیے بغیر وہ اپنے کوارٹر کی جانب چلا گیا۔''

مُتھرا کے پیڑے بڑے مشہور ہیں۔ دوسرا اہم استھان' بڑی دیوی کا مندر اور دیگر بہت سی جگہیں۔ دیوی استھان کچھ قریب ایک قدیمی جامع مسجد ہے۔ کبھی اِس میں نمازیوں کی رونق رہتی ہوگی' خدا کا گھر بھی جاتی ہوگی مگر اَب اس کا خدا ہی حافظ تھا۔ نہ نمازیوں کے جمگھٹے' نہ خوش خو اور نہ وہ رونق و اِنصرام' بلکہ اِک عجیب سی اُداسی اور نوحہ گری اِدھر دکھائی دیتی ہے۔ میں مُتھرا' آگرہ جاؤں تو اِس'' بزرگ مسجد'' میں نماز کے لیے ضرور جاتا ہوں۔ اِس کے خستہ حالت' دَر و دیوار' جا بجا اُکھڑا پلستر' جھکی ہوئی اینٹیں اور سلیں دیکھ کر رونا آتا ہے۔ رنگ و روغن کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حشرات الارض نے یہاں ڈیرے جمار کھے ہیں۔ چمگادڑوں اور دیگر پرندوں کی غلاظت جا بجا پڑی دکھائی دیتی ہے۔

مُتھرا' ہندوؤں کا ایک بہت اہم شہر ہے۔ مندر' دھرم شالے جگہ جگہ ہیں۔ مگر ایک غار کے اندر دیوی کا استھان بڑی دھار مک منگا کا حامل ہے جس کے درشن کے لیے لاکھوں ہندو دُنیا بھر سے اِدھر پہنچتے ہیں۔ مُتھرا میں مسلمان بہت کم ہیں جو مکمل آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی تقاضے پورے کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ کچھ انتہا پسندوں کو اپنے مندر کے قریب اِس مسجد کا وجود بھی شاید پسند نہیں...... اِسی بناء پہ آئے دن کوئی نہ کوئی کشیدگی کا سامان پیدا ہوتا رہتا ہے۔''

Scanned with CamScanner

میرے اپنے طور طریق کچھ اس طرح کے ہیں کہ میں مذہب مسلک کو قطعی انسان کی ذاتی پسند یا ضرورت اور دلچسپی سمجھتا ہوں...... اور یہ بھی میرے ایمان کا حصہ ہے کہ بشر' کسی بھی مذہب مسلک فرقہ سے ہو۔ اگر اُسے اپنی ذات کا گیان ہے تو وہ اپنے مالک و خالق کو جانتا اور مانتا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ اس کا اظہار یا اقرار و انکار' کس انداز اور زاویہ فکر سے کرتا ہے؟

مجھے دیگر مذاہب میں بہت سی ایسی خوبیاں نظر آئیں جنہیں اپنا کر بہت کچھ سیکھا۔ کسی غیر مذہب کے پیروکاروں کو اُن کے انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اُنہیں اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہونے سے روکنا چاہئے۔ میں گرودواروں' کلیساؤں' مندر معبدوں میں اکثر جاتا رہتا ہوں۔ مجھے آج تک کسی نے اندر داخل ہونے سے نہیں روکا۔ جبکہ میرے حال حلیہ' داڑھی لباس اور نشست و برخاست صاف صاف میرے مسلمان ہونے کی چغلی کھاتے ہیں۔ میں کسی مذہب' مسلک' فرقہ کے مقلدین' ان کی رسومات وروایات' عبادت گاہوں سے ایسی مغائرت نہیں رکھ سکتا جو مجھے تنگ نظر' بے وسعت اور تعصب سے لتھڑا ہُوا' اک نام نہاد انسان یا مسلمان ثابت کرنے کا جواز بنے۔ انسان تو انسان میں تو کسی معمولی گندے بُرے جانور سے بھی نفرت یا ناپسندیدگی کا تصور نہیں کر سکتا اور ڈر خوف بھی بہت دُور کی بات ٹھہری کہ یہ بھی کج علمی' بے یقینی بداعمالی اور روحانی ژولیدگی سے محرومی کی بناء پہ انسانی لاشعور میں خیالی دھوئیں دھندلاہٹ کی مانند اُبھرتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔"

تو لہ رام' کٹورا لیے' دودھ لیے حیران سا مگر خاموش کھڑا تھا۔ نیم ملگجے میں' میرے پاؤں کے پاس شاید اُس کی نظر نہیں پڑی تھی۔ کٹورا لیتے ہوئے میں نے اُسے ہاتھ کے اشارہ سے جانے کی اجازت دی۔ وہیں پاؤں پہ اکڑوں بیٹھتے ہوئے' کٹورا اس کے آگے دھر دیا۔ سانپ کے لفظ' تصور اور وجود میں سریت ہوتی ہے۔ حیوانِ ناطق ہو یا حیوان مُطلق' اِس کو دیکھتے ہی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر میرا سارا ڈر خوف تو بچپن میں' میری مرشد چاچی نے نکال دیا ہُوا تھا۔ کہیں بے خودی میں چاچی کو چوم لیا تھا اور وہیں اک خوبصورت سے کالے سانپ نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا۔ چاچی نے بڑی آہستگی سے سانپ کو پرے ہٹا دیا۔ تب سے سانپ' میرے لیے بہت بے ضرر تھے۔ زندگی میں کئی بار سانپوں اژدھوں سے واسطہ پڑا مگر کبھی بھی کسی نے زک نہیں پہنچایا۔

جنوں کی طرح چونکہ سانپ بھی نُور کی ایک قسم آتشِ سری سے تخلیق ہوئے۔ اس لیے جہاں جدھر سریت ہوگی۔ خوف و خفیت بھی وہاں موجود ہوگی۔ ملائکہ' قدسیوں' جنات' رجال فلکی کے بعد سانپ ہی واحد' حشراتِ ارضی ہے۔ جس میں ارضی و فلکی سریت موجود ہے۔

Scanned with CamScanner

جنت میں داخلہ اور موجودگی' اس کی ایک واضح دلیل ہے۔ یہ اپنی بدنی فطری' ہیئتی نادر ایت اور سمیت طلسمیت کی بناء پہ دیگر مخلوقات میں بہت نمایاں ہے۔ ایسی ہی کچھ خصوصیات چمگادڑ' اُلو' کوّے' کُتے' بلی' گھوڑے میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان سے ہٹ کر دُور اور آفاقی پرندے اَبابیل اور ہُد ہُد بھی ہیں۔ فوراً لہذا کی قسم یہ پرندے' اللہ اور اُس کے برگزیدہ پیغمبروں رسولوں کے درباری سرکاری اور عسکری پرندے ہیں۔

بات سانپ کی ہو رہی تھی جو اب گردن ڈالے کٹورے سے دودھ پی رہا تھا۔ میری نظر میں دُنیا کا بہترین منظر' کسی نومولود بچے کا اپنی ماں کی چھاتی سے دُودھ چسکنا ہو سکتا ہے۔ میں نصف صدی پہلے دیکھی ہوئی ایک پینٹنگ آج تک اپنی نگاہوں سے ہٹا نہیں سکا۔

میکسیکو کی ایک آرٹ گیلری کے توسط سے کچھ فاضل' غیر اہم' مشکوک قسم کی پرانی پینٹنگز کی نیلامی کا اہتمام تھا۔ ہفتہ وار تعطیل بھی تھی...... رش کچھ زیادہ ہی تھا۔ عجیب و غریب تصاویر...... لگتا تھا کہ ان کے تخلیق کار یا تو سٹھیائے ہوئے ہوں گے یا پھر منشیات کے عادی' جنسی مریض اور یا پھر ظاہری باطنی بصارت سے محروم...... کینوس' گھوڑوں بیلوں اور دیگر جانوروں کی پوستوں پہ نئے پرانے کپڑے کاغذوں پہ بنی ہوئی پینٹنگز...... جیسے کسی پاگل خانے کی آرٹ کلاس سے سارا کاٹھ کباڑ اکٹھا کر کے یہاں آگ لگانے کی خاطر لا دھرا ہو۔''

قصہ کوتاہ کہ میرے سمیت سیکڑوں اور بھی پاگل' آرٹ لَوور اِدھر موجود تھے۔ میں بھی اُکتایا سا ایک کونے میں کھڑا' اس کاٹھ کباڑ کی نیلامی اُٹھنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ عجب حال! کہ ایک ایسی تصویر' جس کا کوئی سر پیر' سید ھانہ ہوتا...... کچھ سمجھ نہ آتا کوئی انسان ہے جانور دریائی مخلوق یا سبزی ترکاری...... سیکڑوں ہزاروں میں بولی ختم ہوتی...... اور جو قدرے سمجھ عقل میں آتی وہ دو چار ڈالروں سینٹوں میں نکل جاتی۔''

سچ کہتے ہیں کہ یہ آرٹ کی دُنیا' نہ سمجھ میں آنے والی دُنیا ہے۔ سمجھ میں آ جائے تو وہ آرٹ نہیں ہوتا...... دیہاتی کنجڑے کے تلارے کا بَٹہ باٹ ہوتا ہے۔ میں اُدھر اپنے میزبان کے ہمراہ کچھ لینے نہیں گیا تھا۔ بس ذرا تماشا دیکھنا مقصود تھا۔ ایسی دیکھا دیکھی میں ایک ایسی پینٹنگ دیکھی...... جسے آج تک میں بھول نہیں سکا۔ یہ نہیں کہ کسی نامور پینٹر کے آرٹ کا کوئی نادر نمونہ یا فنی اعتبار سے کوئی یگانۂ روزگار شہکار تھی؟ لیکن یہ موضوعاتی اعتبار سے ایک فن پارہ ضرور تھی۔ لگتا تھا کسی نوآموز دیہاتی قسم' آرٹ کے طالبعلم نے علیحدہ سا کام دکھانے کی کوشش کی ہے۔''

منظر کچھ یوں تھا۔ ایک چتکبری سی بکری' ایک پگڈنڈی پہ نیم دراز ہے۔ کچھ پیچھے اُس کا ننھا سا بکرو چہ حسرت بھری نظروں سے اِدھر دیکھ رہا ہے جدھر ایک کالا سانپ' اُس کی ماں کی پچھلی ٹانگوں کو جکڑے' اُس کے دُودھ سے لبالب تھن پہ منہ دَھرے مزے سے دُودھ چسک رہا ہے۔ دس ڈالر سے بولی شروع ہوئی۔

Scanned with CamScanner

بولی والا بوڑھا تصویر کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ زاویے بدل بدل کر کسی عقل کے اندھے کو پھانسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگوں میں کھسر پھسر جاری تھی لیکن لگتا تھا کہ یہ تصویر کسی کو پسند نہیں آئی کہ تیرہ ڈالر پانچ سینٹ پہ پہنچ کر بولی رک گئی تھی۔ مجھے کچھ خبر نہ ہوئی کہ میرے میزبان نے بیس ڈالر کے عوض یہ پینٹنگ حاصل کر لی۔ بعد میں اُس نے بتایا کہ میں نے یونہی کھجلانے کی خاطر ہاتھ سر پہ رکھا تو اُنہوں نے فوراً بولی میرے نام ختم کر دی۔''

بے ڈھنگے فریم اور میلے کینوس والی یہ پینٹنگ ہم گھر لے آئے۔ بیس ڈالر پانچ سینٹ بمع چار ڈالر سرچارج...... میرا دوست اس فضول خرچی جو میری آرٹ سے دلچسپی اور اُس کے سر تک ہاتھ لے جانے والی حماقت سے ضائع ہوئے تھے خاصا جز بز تھا۔ اگر کسی لڑکی وڑکی وغیرہ کی کوئی تصویر ہوتی تو شاید اُس کو ان ڈالروں کے اس بہیمانہ قتل پہ کوئی ایسا افسوس نہ ہوتا۔ اُس نے یہ تصویر حاتم طائی کی قبر پہ لات مارتے ہوئے مجھے گفٹ کر دی۔''

اگلے روز جب وہ دفتر چلا گیا تو میں پینٹنگ سامنے دھر کر بیٹھ گیا۔ پہلے سرسری نظر سے دیکھا کچھ خاص بات دکھائی نہ دی...... مُجز وہی بز اور بچہ دودھ چُسکتا ہوا مار سیاہ......!

تصویر ہو یا چہرہ منظر ہو یا منزل قریب سے کچھ دکھائی دیتے ہیں اور دُور سے کچھ اور؟...... میں نے اُسے اب کچھ فاصلہ پہ رکھ کر کسی اور اینگل سے دیکھنا شروع کیا۔ میرے خدا! بکری کے چہرہ پہ ایک ایسی شفاف طمانیت کِھلی ہوئی نظر آئی جس میں ایسی اَبدیت آمیز تھی جیسی نروان حاصل ہونے پہ بدھا رتھ کے مُکھڑے پہ دَر آئی ہوگی اور ذرا پرے دُور بز بچہ! ایک ایسی کیفیت کی تصویر بنا کھڑا تھا جو حقدار ہوتے ہوئے بھی اپنا حق کسی دوسرے غاصب جابر کو بصد مجبوری و معذوری دینے پہ آمادہ ہو جائے۔

● ڈال کا چُوکا بندر اور بانس کا چُوکا نٹ کبھی نہیں سنبھلتا......!

کوئی بدنصیب عورت کسی جنگلی ریچھ کے ہتھے چڑھ جائے...... کوئی بچی بچی دو چار برس سائیکل چلا لے...... کوئی نوجوان لڑکی ڈیڑھ دو برس گھوڑے یا شتر کی ننگی پیٹھ پہ سواری کر لے وہ پھر کسی مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی کا صحیح لُطف حاصل کرنے کی اہل نہیں رہتی اور دُودھیل جانور (بشمول عورت) کا پستان سانپ سونگھ لے یا منہ رکھ کر دودھ چُسک لے تو وہ جانور یا عورت پھر اپنے بچوں کو دودھ پلانے میں وہ فرحت و طمانیت حاصل نہیں کر پاتے اور اُن کی دودھ دھارا میں دھکیل پڑ جاتی ہے۔ اُس کی بس میں پس شامل ہو جاتی ہے۔

سانپ کے تیز تیز نوکیلے دانت اُوپر زہر بھری غدودوں میں چڑھ جاتے ہیں۔ منہ پوپلا کر کے' کچھ ایسے انداز میں اپنی دوشاخہ زبان سے پستان کے گرد گدگدی کرتا ہے کہ رگ وپے سے لہو دودھ کی شکل میں تبدیل ہو کر چشمے کی مانند پھوٹ پڑتا ہے۔

دودھ پینے کے یہ لمحات' سانپ اور جانور یا عورت دونوں کے لیے ایسے نشاط انگیز اور پُرکیف ہوتے ہیں کہ گرد وپیش سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ سرور اور خمار میں مست' انہیں ایک دوجے کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ یہ نشیلی سی کیفیت' فراغت کے بعد بھی بہت دیر تک قائم رہتی۔ سانپ کا منہ دھرا ہوا پستان' بہت بعد تک سرخ اور تنا ہوا رہتا ہے اور دوسرے تھنوں سے الگ سا نظر آتا ہے۔

سوال ہوتا ہے کہ جانور تو خیر جانور ہے سانپ تو تھن پہ منہ دھرنے کی اطلاع نہیں کر سکتا مگر عورت تو جان سکتی ہے کسی کو مدد کے لیے پکار سکتی ہے۔ بچہ' اُس کے پہلو میں ہوتا ہے پھر سانپ' کیونکر اُس کی چھاتیوں تک پہنچ جاتا ہے اور دودھ پی جاتا ہے۔ پہلے بھی اُوپر کہیں لکھ چکا ہوں کہ سانپ' اپنی جسمانی ہیئت میں تبدیلی پیدا کرنے پہ قادر ہوتا ہے۔ اُس میں طلسماتی سریت ہوتی ہے۔ اُس کی شِشکار اور آنکھوں میں' مقابل کو مسخر کر دینے والی قوت ہوتی ہے۔ وہ جانور یا عورت کے قریب پہنچ کر سب سے پہلے اُس کی ظاہری حسیات' سماعت' نطق' اعصابی حرکت اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت سلب کرتا ہے۔ اپنی کارروائی ڈالنے سے پیشتر اپنے شکار کو مکمل طور پہ مسحور کر دیتا ہے جیسے بے ہوشی کا ٹیکہ لگا دیا ہو۔ جس عورت کے تھن پہ سانپ نے منہ دھر دیا ہو وہ اُس تھن سے کسی بچے کو دودھ پلانے کے قابل نہیں رہتی اور نہ کوئی بچہ پیتا ہے ایسا تھن ہر وقت دودھ سے لبالب رہتا ہے یہاں اک پُرلطف بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ ایسی عورت کو کبھی کم ہی احساس ہوتا ہے کہ اس کا دودھ سانپ پی جاتا ہے؟

میں نے اپنی کسی کتاب میں وِش کنیا کا ذکر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ قدیم ہندوستان میں ٹھگوں کے مخصوص قبیلے ایسی وِش کنیائیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے خصوصی طور پہ تیار کرتے تھے۔ حاملہ عورت کو سانپ کا زہر بڑی قلیل مقدار میں خوراک کے ساتھ دیتے رہتے' اُس کا بستر' لباس اور دیگر اوڑھنا بچھونا' سانپوں کی کینچلیوں سے اٹا رہتا۔ آس پاس' چھوٹی بڑی پالتو ناگنیں رینگتی رہتیں۔ اُن کے ہاں ایسے صدری نسخے تھے کہ زچہ مادہ بچے ہی جنم دیتی۔ یہ مخصوص بچیاں انتہائی خوبصورت' نرم ونازک ہوتیں...... ناگنوں سی لچک ولہک' تیز وتندی اور آنکھوں میں اک ساحرانہ سی چمک۔ دودھ کا پہلا گھونٹ کسی ناگن کا ہوتا اُس کے منہ ہٹانے پہ باقیماندہ دودھ' نومولود کو پلایا جاتا۔ انہی سانپوں کے درمیان لٹایا بٹھایا جاتا۔ اسی اہتمام میں یہ لڑکیاں عنفوانِ شباب تک پہنچتیں۔ عورت کے رُوپ میں خوبصورت مگر خطرناک ناگنیں!

یہ ٹھگ قبیلے ان زہریلی ناگنوں کے ذریعے امیر کبیر عیاش لوگوں کو پھانستے۔ ایک مخصوص عرصہ یہ اُن کے ہاں رہتیں' اس دوران اپنے میٹھے زہر کو نامحسوس انداز میں ان کے رگ و پے میں منتقل کر کے کیفرِ کردار تک پہنچا تیں۔"

کہتے ہیں کہ سانپ اور چور کی بڑی دہشت ہوتی ہے۔ ان کا نام سنتے ہی کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں نے اسی وجہ سے تولہ رام کو سانپ کی موجودگی کے بارے نہیں بتایا تھا۔ ناگن نے بڑے اطمینان سے دودھ پیا...... اظہارِ ممنونیت میں دو چار بار زبان نکالی' میری جانب دیکھا اور پاؤں پہ سے ہوتی ہوئی میری گردن تک پہنچ گئی۔ گردن گرد لپٹا لگا کر بائیں شانے پہ پھن پھیلائے کھڑی ہو گئی۔ آپ نے کرشن جی مہاراج کی مورتی یا تصویر دیکھی ہو گی...... اُن کے بازوؤں اور گردن پہ ناگ لپٹے دیکھے ہوں گے؟

سانپوں کی بے شمار اقسام ہیں' جنہیں بیان کرنے کے لیے پوری ایک کتاب چاہیے۔ مگر مجھے سرِدست صرف ناگوں کی ایک خاص قسم کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ سانپ اور ناگ میں ایک نمایاں فرق یہ ہوتا ہے کہ عام سانپ محض رینگ سکتا ہے' ناگ کی مانند کھڑا نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے سانپ' زیادہ تر بے ضرر' ڈرپوک' بدرنگے' بدوضع ہوتے ہیں۔ درختوں' دریاؤں' جھیلوں' جوہڑوں' گھروں کی پرانی دیواروں' چھتوں' مویشیوں کے باڑوں میں رہتے ہیں۔ پرندوں کے انڈے بچے' جانوروں کا دودھ' نیوبے' چھپکلیاں' ڈڈّے' ان کی خوراک! جبکہ یہ خود چیلوں' نیولوں' شکروں کا من بھاتا کھاجا ہوتے ہیں۔ بچوں اور کتوں سے بھی ان کی دشمنداری! یہ برہمنوں کے آگے شودروں کی مانند ہوتے ہیں...... کمتر' رذیل اور احساسِ کمتری میں مبتلا...... لیکن دہشت تو ان کی بھی ہوتی ہے۔

ناگ کی مثال شیر ببر کی سی ہوتی ہے۔ جسامت و قدامت میں یہ گرانڈیل بھی ہوتے ہیں...... سفید' سُرخ' کتھئی اور چمپا رنگت بھی' لیکن ان میں مارِسیاہ قسم' بڑی خوبصورت اور ماورائی خصوصیات کی حامل ہوتی ہے۔ دیگر سانپوں کی طرح ہر جگہ نہیں ہوتے بلکہ پرانے کھنڈروں' قدیمی مندروں' شکستہ قلعوں' زمین دوز کمین گاہوں' باؤلی' گوہوں' مٹھوں کے علاوہ دشوار گزار جنگلوں اور متروک عبادت گاہوں میں پائے جاتے ہیں۔

ان کی اقسام میں شیش ناگ' پدم ناگ' جوت ناگ' شری ناگ' امبھا ناگ' تیری' اگن' ترشُل' کیسری' چندن' پران اور اشٹمی ناگ ہیں۔ ہندوؤں کے پرانوں اور دھارمک کتھاؤں' راسوں' سوانگوں میں ان کے کردار ملتے ہیں۔ ہزاروں برس پرانے دیوتاؤں کے مجسموں کے ساتھ یہ بھی دکھائی دیتے ہیں۔ دیومالائی بتوں کے ساتھ ناگ دیوتا کے کئی کئی سر دکھائی دیتے ہیں جبکہ دھڑ صرف ایک ہی نظر آتا ہے۔ ناگ دیوتا کے مندر' ہندوستان اور دیگر ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ان مندروں مٹھوں میں پوتر قسم شری ناگ پائے

Scanned with CamScanner

اعصاب کو کسی حد تک شل کر دیتے ہیں۔ اگر جلد اس کا مناسب علاج نہ کیا جائے تو مزید خرابی پیدا ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

مزے کی بات کہ مریض کو اپنے مرض کی سنگینی کا قطعی احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے کہ اُسے کسی سانپ نے اپنا اسیر بنا رکھا ہے۔ ایسی عورت یا دودھ والا جانور زہریلے ہو جاتے ہیں۔ عورت کو اپنا دودھ بچے کو نہیں پلانا چاہیے اور نہ ہی ایسے جانور کا دودھ بطور خوراک استعمال میں لانا چاہیے۔"

● کوئی مشل نہیں ڈھولن دی' چپ کر مہر علی اے جا نہیں بولن دی......!

ہم گولڑہ شریف خانقاہ' چھوٹے شاہ صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ مریدین اور مریض آ جا رہے تھے۔ پیر صاحب حسب حال اُن کے لیے دعا برکت فرما رہے تھے...... تعویذات کا فیض بھی جاری تھا۔ ہم دو چار عقیدت مند قدموں میں بیٹھے خانقاہی نظام کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ گو ہمارا مقصد' پیر صاحب کی زیارت اور کچھ اُن کی بلند مرتبت شاعری سے مستفیض ہونا تھا اور یہی کچھ ہم کر رہے تھے۔ ادبی گفتگو' چٹکلے' اشعار اور کچھ ملکی حالات پہ باتیں! پیر صاحب کا کمال کہ وہ قطار میں کھڑے مریدین سے مصافحہ' حال احوال' گھریلو باتیں' دعائیں اور تعویذات بھی دے رہے ہیں اور ہم مہمانوں سے بھی گفتگو جاری ہے۔ کھلا پلا بھی رہے ہیں اور ساتھ ساتھ وہاں کے نظام پہ بھی نظر رکھے ہوئے ہیں۔

اچانک میری نظر' عورتوں کی قطار میں کھڑی ایک خوبرو عورت پہ پڑی۔ یہ نہیں وہ کوئی علیحدہ سی عورت تھی' اس طور کی بہت سی عورتیں وہاں اپنی باری کا انتظار کر رہی تھیں۔ اس عورت کی چھب ڈھب' آنکھوں کی پُراسرار چمک' سر کے بالوں کے لہریے وغیرہ مجھے کچھ اور بتا رہے تھے۔ اپنا شک دور کرنے کی غرض سے مَیں نے اپنا زاویہ نگاہ بدل کر اُسے گہری نظروں سے تولا...... میرا شک دور ہو گیا۔

وہ آدم زادی ہی تھی مگر کسی سانپ کے زیر اثر' یعنی سانپ کی سریت اور سَم' اپنا آپ دکھا رہا تھا۔ جس طرح سانپ پالنے والے سپیروں کے جسموں میں خون تو ہوتا ہو گا مگر زہریلا...... چھوٹا موٹا سانپ سنپولیا' بھڑ مکھی' بچھو' چھچھوندر وغیرہ اُن کے لیے بے ضرر ہوتے ہیں...... سانپ کے محض دانتوں میں ہی زہر نہیں بلکہ اس کے جسم' ہڈیوں' آنکھوں' کینچلی' اُس کے نام اور تصور و تصویر میں بھی کسی نہ کسی طور سمیت اور سریت موجود ہوتی ہے' جس کا ادراک' کسی خاص الخاص کو ہی ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

میرا دھیان بٹ چکا تھا۔ ذہن کہیں اور کان کہیں اور۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ عورت اپنی باری پہ پیر صاحب کے روبرو تھی۔ ساتھ ہی اس کا خاوند بھی شامل ہو گیا۔ چال ڈھال قد کاٹھ اور حلیے سے وہ کوئی فوجی ہی ہو سکتا تھا۔ اس کی گود میں تین چار سال کا ایک بچہ تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ یرقان زدہ لگتا تھا اسے ٹی بی ہے یا سوکڑا۔ موٹی موٹی آنکھیں چہرے پہ علیحدہ ہی لگ رہی تھیں۔ بار بار سوکھی پتلی زبان نکالتا تھا۔ متجسس آنکھوں سے ادھر اُدھر بڑی تیزی سے دیکھتا تھا۔

فوجی نے بچے کو تنگی تھوڑے سے پہلے ہی چٹائی پہ بٹھا دیا۔ بچہ گھسٹتا گھسٹتا بالکل میرے قریب پہنچ گیا۔ شاید میری انگوٹھیاں اور رنگ برنگے نگینے دلکش اور رنگین اسے اچھی لگی تھیں۔ مجھے جانے کیا سوجھی، میں نے انگوٹھیوں بھرا ہاتھ اس کے قریب کر دیا۔ اس کی ساری توجہ میرے ہاتھ کی طرف اور میری ساری توجہ اس کے چہرے کی جانب تھی۔

پیر صاحب ایک مریضہ سے کسی لمبے مسئلے میں پڑ گئے تھے۔ بوڑھی چندہ مائی بس اپنی ہی کہے جا رہی تھی، پیر صاحب کی کہیں سن رہی تھی۔ پیر صاحب محض رسمی پیر ہوتے تو اس پاتولی مائی کو کب کا فارغ کر چکے ہوتے۔ مگر وہ تو اس کی بار بار کی دہرائی ہوئی باتوں پہ یوں دھیان دیے سن رہے تھے جیسے وہ فقہ کے کسی اہم مسئلے پہ بحث کر رہی ہو۔ پیر صاحب کو مائی کی جانب یوں متوجہ پا کر میں بھی ان کی اور عقیدت کے ملاحظہ سے ہوئے دیہاتی لوگوں کی کن سن لینے لگا۔

وہ خوبصورت عورت جو کسی سانپ کے زیر اثر تھی لاپرواہی اور اردگرد سے بیزار و بے نیازی مائی کے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے اس عورت کو ادھر زبردستی لایا گیا ہو۔ اس کا فوجی خاوند فقط میری نظروں سے مائی کو گھور رہا تھا جبکہ بچہ میری انگوٹھیوں میں کھویا ہوا تھا۔

خدا خدا کر کے مائی ٹلی تو کچھ تازہ ہوا چلی۔ فوجی نے پیر صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کے بعد نذر نیاز پیش کرتے ہوئے اپنی بپتا سنائی۔

''پیر صاحب! میں فوج میں ہوں۔ سرکاری نوکری کی وجہ سے کئی کئی مہینے گھر سے دور رہنا پڑتا ہے۔ شادی کے چار برسوں میں یہی ایک بچہ اللہ کی طرف سے تحفے میں ملا ہے۔ دیکھیں نہ تو اس کے چہرے پہ رونق دکھائی دیتی ہے اور نہ ہی ماس خون کہیں نظر آتا ہے۔ ہڈیوں کی مٹھ؟ بس ہر وقت چڑچڑا سا رہتا ہے، روتا رہتا ہے۔ بات بات پہ ضد اور اپنی منواتا ہے۔ کھانا کھاتا تو اسے زہر لگتا ہے۔ سوا تین برس کا ہو گیا مگر ابھی تک ماں کا دودھ نہیں چھوڑا۔ دودھ چھڑانے لو تو پھر اسے کسی چیز کی ہوش نہیں رہتی..... زبردستی ہٹاؤ تو اٹھتا ہے ورنہ سوتا ہی رہتا ہے۔''

Scanned with CamScanner

فوری بتا رہا تھا کہ مجھے شک ہے کہ اس پر کسی ہوائی چیز کا سایہ ہے یا پھر میری بڑی بھابی نے جادو ٹونہ کروا دیا ہے کیونکہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ پیر صاحب نے اس عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تمہاری بیوی ہے؟''

''ہاں جی! میری بیوی ہے اور میری بچی کی لڑکی بھی — اس کو بھی دیکھیں! جب سے یہ جب سے پیدا ہوا ہے یہ بھی کچھ کمزور سی لگی ہے۔ ہمیں شک ہو رہی سی لگتی ہے۔ لگتا ہے کہ اس پر بھی کسی نے کوئی کارا کروا دیا ہے۔''

پیر صاحب نے ایک سرسری سی نظر سے عورت کو دیکھا۔ جو ارد گرد سے بے نیاز کسی اپنی دھن میں تھی۔

بچے کو دم اور تعویذ حاصل کرنے کے بعد وہ تینوں منظر سے ہٹ گئے۔ بچے کو میں نے میٹھی گولیاں دی تھیں۔ جنہیں وہ جیب میں ڈالے میری جانب دیکھتا دیکھتا والدین کے ساتھ لنگر خانے کی جانب بڑھ گیا تھا — اس سے پہلے کہ کوئی اگلا مرید یا مریض آگے بڑھتا — میں نے پیر صاحب سے پوچھ لیا۔

''شاہ جی! اس عورت اور بچے کو کیا واقعی سحر یا جادو ٹونے کے اثرات ہیں یا کوئی ذہنی جسمانی عارضہ؟''

شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

''اپنے لوگوں سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ یہاں خاص طور پر پہاڑی اور دیہاتیوں کی اکثریت چونکہ ناخواندہ لوگوں کی ہے۔ اس لیے ان میں پیر پرستی توہم پرستی — جادو ٹونے، تعویذوں گنڈوں پر یقین اعتقاد ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہم بھی ان کی مجبوریوں کو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کسی ہسپتال، ڈاکٹر یا سپیشلسٹ کے پاس جانے کی بجائے پیروں عاملوں کے ہاں جا کر زیادہ تسلی محسوس کرتے ہیں۔ اب اگر یہ بھروسہ کر کے ادھر آ ہی جاتے ہیں۔ تو ہم بھی انہیں دعا برکت یا کوئی مجرب نسخہ شفا دے دیتے ہیں۔ اللہ ہماری شرم اور ان بھرم تو قائم رکھنے والا ہے۔''

بات ان کی درست تھی۔ صدیوں کی مثبت تبدیلیوں، سائنسی ترقیوں اور علم و ہنر کی آسودگیوں کے باوجود دنیا کے بیشتر خطوں میں ابھی تک علم و آگہی کی وہ تنویر نہیں پھوٹی جو توہمات، جاہلانہ سوچوں اور بے جا رسومات، رویوں کے اندھیروں سے معصوم انسان کو نجات دلا سکے!

پیر صاحب کے جواب سے شاید میں پوری طرح مطمئن نہیں ہوا تھا۔ معذرت پیش کرتے ہوئے پھر پوچھ لیا۔

''شاہ صاحب! آپ نے قطعی درست فرمایا — میں اس خوبصورت، مستند عورت کے بارے آپ کی تشخیص یا رائے جاننا چاہتا ہوں جو بظاہر ہنستی بالکل تندرست دکھائی دیتی۔ نہ تو اس سے آپ نے کچھ پوچھا اور نہ ہی وہ کچھ بولی۔ خالی خالی نظروں سے ٹک ٹک دیکھتی رہی — لگتا تھا جیسے ذہنی و روحانی طور پر ڈسٹرب

تھی ۔۔۔ اور اس کا جسمانی کمزور، بیمار پہلوٹی کا بچہ۔''

پیر صاحب نے حسبِ معمول زیرِ لب مسکراہٹ سے میری بات سن کر کہا:

''حضرت! یہاں یونہی کتنے ہی اسی طرح کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ باوجی رحمت اللہ کا فیض جاری رہتا ہے۔ کسی سے کچھ کہنے سننے کا وقت کم ہی ملتا ہے۔ سننے لگ جائیں تو ان دکھیا لوگوں کی کہانیاں بھی ختم نہیں ہوتیں۔ یہ عورت بھی ان بے شمار عورتوں کی طرح کسی نہ کسی آزار میں مبتلا تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ عورتوں کے مرض کوئی عورت ہی سن سکتی ہے مردوں سے نسخے لاگو نہیں ہوتے۔ میں نے تعویذ کے علاوہ دوا بھی دے دیا ہے۔ اللہ کرم کرے گا۔''

''مگر میرا تجزیہ اور مشاہدہ کچھ اور کہتا ہے۔ اس عورت کو نہ تو کوئی جسمانی تکلیف اور ذہنی یا روحانی عارضہ ہے بلکہ یہ اپنے میں ایک ایسی پریشانی میں پھنس گئی ہے جو شادی کے منصب کے ساتھ پیش آتی ہے۔''

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ موذن نے نمازِ عصر کا اعلان کر دیا ۔۔۔ شاہ صاحب گفتگو موقوف کرتے ہوئے اندرون خانہ چلے گئے اور ہم لوگ بھی نماز کی تیاری میں لگ گئے۔

نماز کے بعد شاہ صاحب درس دیا کرتے یا پھر مخصوص مریدین کو شرفِ ملاقات بخشا کرتے تھے۔ کچھ دیر مزید گفتگو ہوئی مگر اس مریض عورت کے متعلق وہ بات ادھوری ہی رہی جو اذان سے پہلے شروع کی تھی۔ اب نہ تو اس کا محل تھا اور نہ مزہ ۔۔۔ لہٰذا ہم اجازت لے کر لنگر خانے کی جانب اٹھ آئے ۔۔۔ جس کے بعد ہماری لاہور واپسی طے تھی۔

گولڑہ شریف درگاہ کا لنگر بھی کمال کا ہوتا ہے۔ مٹی کے برتن، سرکنڈوں کی چنگیریں ۔۔۔ فرشی نشست اور ماحضر! ہم تینوں درویش بھی دوسرے زائرین کے ساتھ بیٹھ گئے۔ سبحان اللہ! ایک دراز ریش بزرگ نے ہمارے آگے چنگیر بھر کے تنوری روٹی کے ٹکڑے اور مٹی کی رکابیوں میں پتلی پتلی سی دال رکھ دی ۔۔۔ لگتا تھا جیسے کھاتے کھاتے کسی کے آگے سے اٹھالی۔ روٹی کے کناروں کے بچے ہوئے ٹکڑے جو اکثر چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ بھی سوکھی سخت روٹی کے چھلکے ۔۔۔ یہی کچھ تھا جو ہمارے ذوقِ دعا کا سامان تھا۔

نفس خدمت کی لاگ لگی ہوئی ہو تو پھر اندیشۂ سود و زیاں نہیں رہتا اور نہ کوئی چیز اچھی بری یا پسند ناپسند ہوتی ہے۔ اسی کھوج اور موج میں بھیگے ہوئے تو ہم ادھر پہنچے تھے۔

گولڑے کی سرزمین میں جو تصوف اور اخلاص کی مہک ہے اس کا اندازہ وہیں جا کر ہی ہوتا ہے۔ انسان بھی پیڑوں پودوں کی طرح کبھی کبھی سوکھنے لگتا ہے۔ اس کی شادابی متاثر ہوتی ہے۔ برگ و بار کملانے لگتے ہیں ۔۔۔ اگر انہیں وقت پہ سیراب نہ کیا جائے وہ محض جلانے کا ایندھن بن کر رہ جاتے ہیں۔ انسان بھی

Scanned with CamScanner

یوں! کہ وقت، حالات، کوئی عارضہ، حادثہ اُسے اندر باہر سے سوختہ کر دیتے ہیں۔ اس کا علاج اللہ والے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی محبت، شفقت اور محبت سے اسے ہرا بھرا کر دیتے ہیں۔ مجھے جب بھی سوختہ ہوا، داتا سرکارؒ کی نگری شریف یا گولڑہ شریف پہنچا تو تازہ، اندر باہر سے شاداب ہو کر واپس آیا۔"

● قدمِ درویشاں......!

لنگر! زردہ پلاؤ، حلوہ کھیر پر ہی موقوف نہیں۔ یہ تو اللہ رسولؐ اور کسی برگزیدہ بندے کی منت بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً انجیر یا بھنے چنے یا جو والی نمکین روٹی، شہد، نمک ... کچھ بھی جو رزقِ حلال ہو ... لنگر میں نذر، حصہ یا مقدار نہیں تلاش کی جاتی ... قیمت یا حیثیت نہیں دیکھا جاتا۔ یہ تو عطا ہوتی ہے جو اس نیت سے تقسیم ہوتی ہے کہ رزقِ حلال کی اس نعمت سے دوسرے بھی مستفیض ہوں ... یا وہ لوگ جن پر کسی بھی وجہ سے رزق میں تنگی ہو۔ لنگر ہی ہے جو ہاتھوں، جھولیوں، کپڑوں کے کونوں میں بھی بانٹا جاتا ہے۔ زمین پر بھی گر جائے تو چوم چاٹ کر بلکہ چُن چُن کر بھی بصد احترام اٹھایا جاتا ہے۔ جس طرح کھانے کی نعمت کی برکت، عزت ہوتی ہے۔

میرا زندگی بھر کا مشاہدہ ہے کہ رزقِ حلال سے لنگر کا اہتمام کرنے والوں کے ہاں رزقِ حلال کی فراوانی ہوتی ہے۔ وہ جتنا تقسیم کرتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ ان کے رزق میں شامل کر دیا جاتا ہے۔

گولڑہ شریف کا لنگر بھی کچھ اسی نوعیت کا ہوتا ہے۔ وہاں حاضری دینے والا لنگر ضرور کھا کر جاتا ہے بلکہ ساتھ بھی باندھ لیتا ہے اور یہ بھی نہیں کہ دھڑا دھڑ ... دال روٹیوں کے ٹکڑے ہی ہوتے ہیں۔ بہت سادہ سی طرح طرح کا لنگر، زردہ پلاؤ، حلوہ کھیر بھی ... یہ وقت اور دستیابی کی بات ہے۔

ہم تینوں نے بڑی رغبت اور پیٹ بھر کر کھایا۔ مٹی کی رکابیاں انگلیوں سے چاٹ کر اٹھنے ہی والے تھے کہ وہ فوق اپنی خوبصورت بیمار بیوی اور بچے کے ساتھ ہماری دائیں جانب آ کر بیٹھ گیا۔ ہلکا سا اندھیرا تھا، انہوں نے شاید بیٹھتے وقت ہمیں دیکھ لیا ہو گا مگر ہم نے انہیں نہیں دیکھا۔ اچانک بچہ باپ کی انگلی چھڑا کر زبردستی میری بغل میں آ بیٹھا تھا۔ شاید اس کی وجہ میری انگوٹھیاں تھیں۔ چھوٹی بڑی مختلف رنگوں اور نگوں والی انمول و نایاب! جو مجھے [illegible] کرم کا ایک حصہ اور میری دوست [illegible] ... !

شاید وہ لوگ کچھ زیادہ ہی بھوکے تھے۔ لنگر پر یوں ٹوٹ پڑے جیسے کئی دنوں سے کچھ کھایا پیا نہ ہو۔ جانے مجھے کیا سوجھی ایک چھوٹا سا لقمہ بنا کر ساتھ لگے اس بیمار بچے کے منہ میں ڈال دیا۔ وہ چپ چاپ منہ سے نگل گیا۔ دوسرا، تیسرا لقمہ! ...... اس طرح بچہ میرے ہاتھ سے اچھا خاصا لنگر کھا چکا تھا۔ اس دوران

Scanned with CamScanner

اُس کے والدین میری یہ حرکت دیکھ اور غڑپ غڑپ کھا بھی رہے تھے۔ فراغت کے بعد فوجی اپنی ململ چادر سے ہاتھ منہ صاف کرتے ہوئے مخاطب ہوا۔

''سائیں جی اللہ آپ کا بھلا کرے — یہ کاکا تو چند دانے بھی نہیں کھاتا تھا آپ کے ہاتھ سے پتا نہیں کیسے کھا گیا ہے؟ آپ اس کے لیے اور اس کی ماں کے لیے دعا کریں۔ میں ملازم آدمی ہوں' کئی کئی مہینے گھر سے باہر رہنے پہ مجبور ہوتا ہوں۔ کبھی چھٹی پہ گھر آتا ہوں تو ان ماں بیٹے کی حالت دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہوں۔''

اپنی خوبصورت بیوی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

''ذرا اسے بھی دیکھیں۔ گم صم رہتی ہے پوچھ پوچھ کر تھک آ گیا ہوں — اپنی کسی تکلیف بیماری بارے بات ہی نہیں کرتی۔ نماز قرآن اور تو یہ جلا بھی کرتی رہتی ہے۔ ذرا دیکھیں اسے کوئی ہوائی اثر ہے یا کسی نے کوئی الا بلا کروایا ہوا ہے؟''

میں نے ایک بار بھرپور نگاہ سے اس خاتون کی جانب دیکھا جو ہی کمال بے نیازی کی کیفیت میں غرق تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے درخواست کی کہ آپ بڑی امام سرکار حاضری دے آئیں اور واپسی پہ مجھے ساتھ لے لیں۔''

دراصل اس معصوم بچے کی حالت' اپنے ساتھ اس کا اُنس دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ میں ان غریب دیہاتیوں کی کچھ مدد کروں۔ میں اندازہ تو کر سکتا تھا کہ ان کی دستگیری نہ ہوئی تو انجام کیا ہو سکتا ہے۔ کرم تو اللہ کرتا ہے مگر بظاہر وسیلہ کوئی اور ہوتا ہے۔ اسی طرح تو یہ نظام ہستی چل رہا۔ انسان ان باریکیوں اور قدرت کی حکمتوں' مصلحتوں کو کماحقہ سمجھنے جاننے سے عاجز ہے۔

اسلام آباد سے لوٹنے کے تین چار روز بعد مجھے احساس ہوا کہ دراصل اللہ کریم نے مجھے اصل میں ان مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کے لیے ہی گولڑہ شریف بھیجا تھا جبکہ ظاہری طور پہ یہی تھا کہ ہم تین دوست گولڑہ شریف' بڑی امام اور کھڑی شریف' سلام کے لیے پہنچے تھے — دوستوں کو بڑی امام روانہ کر کے میں ان کے ساتھ اوپر صحن کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

میرے ساتھ ایک المیہ ہمیشہ سے رہی ہے۔ کہیں کھڑا ہوں تو آس پاس لوگ جمع ہونے شروع ہو جائیں گے۔ کہیں پبلک مقامات' بازار' بس' جہاز' ٹرین بھی جیسے گند کے پاس مکھیاں' مچھر' کیڑے مکوڑوں کا اجتماع لگ جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ میں ایمانداری سے سمجھتا ہوں کہ یہ کسی بزرگی یا چہرے کے نور' ظہور کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اس کا بڑا سبب میری موٹی موٹی دو دو روز کار انگوٹھیاں' گلے کی مالا میں اشیاء کا لباس' چادر اور عصاء کے علاوہ میری سفید براق دراز ریش... کانی کالمیں اور میری مکاری وادا کاری...!

Scanned with CamScanner

ساتھ یوں لگ کر بیٹھ گیا۔ جیسے وہ مجھ سے ہو اور میں اُس سے۔۔۔ اُس کی ماں جو ذرا سی تو بکی کیفیت میں دیوار
کے ساتھ آسرا لیے بیٹھی تھی جیسے وہ بالکل خالی الذہن ہو۔ وہیں وہ تنہا' شوہر اور وہ!؟ اُسے تو شاید یہ بھی احساس نہ
تھا کہ وہ کس ویران مسیحا نفس کے آستانے پہ بیٹھی ہے اُسے تو ادھر سے مانگنے کا ڈھنگ بھی نہ آتا ہو گا؟ اور
یہ بھی نہ پتا ہو گی کہ یہاں انہیں بھی نوازا جاتا ہے جو کچھ نہیں مانگتے۔۔۔ لیکن جھولیاں بھر بھر کے جاتے ہیں۔
فوجی نے کھڑے کھڑے عاجزی سے ہاتھ جوڑتے ہوئے التجا کی۔

"سائیں جی! ڈیڑھ ڈیڑھ بیت آ گیا ہے۔ فوج میں سگریٹ پینے کی بُری عادت پڑ گئی ہے۔ صرف
پانچ دس منٹ کی اجازت دیں۔ واش روم جانے کی بھی جلدی ہے۔"

مجھ سے ہاں نہ کا کوئی جواب لیے بغیر وہ سامنے بائیں جانب کی سیڑھیاں اُتر گیا۔

میں فوجی کی جرات پہ غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک اُس عجیب و غریب معدوم سے بچے نے میرے
بائیں ہاتھ کی تیسری انگشت پہ مس امری کی انگشتری میں آویزاں سنگ فیروزہ پہ اپنے لب رکھ دیے۔ بالکل
ایسے ہی جیسے کوئی شیر خوار بچہ اپنی ماں کے دودھ دان پہ منہ رکھتا ہے۔ میں نے بکھری سی مسکراہٹ سے اُسے اور
اُس کی ماں کو دیکھا جو جوں کی توں اسی بم ہو کی کیفیت میں غرقاں تھی کہ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ اس کا بچہ کیا کر رہا ہے؟

اُس کے نمونے باز فوجی خاوند کی غیر موجودگی کو پُر کرنے کی خاطر میں نے بچے سے اپنی انگشتری
چھڑوا کر اس کا نام پوچھ لیا۔ بچہ ہڑبڑا کر پہلے تو میری طرف دیکھنے لگا پھر میرے سوال کے جواب میں بولا۔

"باؤ باؤ۔۔۔!"

ایسے میں وہ عورت بولی۔ "سائیں جی! ہم پیار سے اسے باؤ بلاتے ہیں۔ اس کا نام قربان علی ہے۔
اس کے ابے کا نام قربان علی باجوہ ہے۔"

میں نے کئی بار اُسے بولتے سنا۔ بچے سے ہٹ کر اب میں اُس دیہاتی عورت کو غور سے تکنے لگا۔
اُس عورت کو پہلی نظر دیکھنے سے ہی میرے اندر کے کل کھڑکنے شروع ہو گئے تھے کہ یہ عورت کسی ماورائی دلدل
میں پھنسی ہوئی ہے۔ پھر جب مزید اُس کی آنکھوں میں جھانکا اور ناک کی کھوڑی پہ غور کیا تو سارا معاملہ سمجھ میں
آ گیا۔ اس سے آگے جب اس بچے کی کیفیت سامنے آئی تو پھر کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہی تھی۔

میں کہیں لکھ چکا ہوں کہ عورتوں کی کئی اقسام ہیں۔ ہندو تصوف کی ویدوں، اُپنشدوں شاستروں
پرانوں میں چھپی ہے۔ ان کی درجہ بندی ان میں ناری اور پُرش کے انسانی نفسانی جذباتی اور جنسی
رویوں کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ کہیں کہیں یہ اخلاقی حدوں کو پھلانگتی بھی دکھائی دیتی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت
ہے کہ سماجی اشتراکی، باہمی میل ملاپ کو بھروسا، شفقت شانتی، دھیان لگا کو ملاؤ، یوجنا، سلوک وغیرہ سے بنیادی

Scanned with CamScanner

آگاہی کا اصل منبع بھی یہی لوگ ہیں۔ نظر اور منتر کے بیچ کا پردہ ہمارے ہاں ہے اُن کے ہاں نہیں۔

تریا ویدوں میں ناریوں کی اقسام بیان ہیں گیانی لوگوں کے ہاں ایسا ادراک ہوتا ہے کہ ماتھا، گھٹنا، آنکھیں، سایہ یا اُن کے لمس سے اُن کی بابت آگاہی حاصل کر لیں۔ تریا ودیا سے تو مجھے بھی دلچسپی رہی۔ کبھی کبھی کوئی ایسی خاتون بھی دکھائی دے جاتی ہے جو پہلی نظر میں ہی اپنا پورا تعارف کرا دیتی ہے۔ ذہن میں رہے کہ ہر عورت ایسی نہیں ہوتی یہ مخصوص ہوتی ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں میں کوئی ایسی الگ سی جو کوئی ارفع یا اسفل خصلت و طبائع کی حامل ہوتی ہے۔ یہ کچھ قدرت سے ہو یا پھر شامتِ اعمال اتفاق یا مکافاتِ نیت!''

اس بچے کی ماں ناری کی ایک خاص قسم سے تعلق رکھتی تھی جس میں نسائیت اور شہوانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ اس کے جسمانی اجزائے ترکیبی میں ایک ایسا جینیاتی مہک دار عنصر ہوتا ہے جو اس کے سراپے سے جنگلی کی مہک مانند پھوٹتا ہے۔ جو جنسِ مخالف کے علاوہ حیوانات اور حشرات الارض اور غیر مرئی مخلوق کے لیے بے پناہ ہیجانی اور شہوانی کشش کا باعث بنتا ہے۔ ایسی ناری تن کوری کی طرح کہیں ہزاروں لاکھوں میں ایک ہوتی ہے۔ ان کی عمر عموماً نہایت مختصر اور زندگی بہت کٹھن گزرتی ہے۔

مشکل ہوتا کہ عیب تک گھر یوں بھی نہیں کہ جینا دوبھر ہو جائے۔ ایسی عورت کو مرد بھی ایسے مل جاتے ہیں جو اُسی کے قبیلے سے ہوتے ہیں۔ اصل پریشانی تو اس سے شروع ہوتی کہ جب ایسی عورت کا پالا کسی غیر انسانی ہستی سے پڑ جاتا ہے۔

اس بچے کی ماں کا واسطہ ایک ذوالطفیین قسم کے سانپ سے پڑ گیا تھا۔ یہ بڑا مکار، عیار اور بہروپیا سانپ ہوتا ہے۔ اس بات کو اس طرح سمجھیں کہ جس طرح کوئی شیر کسی بھی وجہ سے آدم خور ہو جاتا ہے۔ انسانی خون ایسا منہ لگتا ہے کہ اسے پھر جنگل کے کسی جانور کا گوشت اور خون اچھا نہیں لگتا۔ جیسے ہرن، چیتل وغیرہ بے دھڑک آگے پیچھے مستیاں کرتے رہتے ہیں مگر ''حاجی صاحب'' اُن کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ آدم خور درندے عورت کا شکار کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کسی مرد، بچے یا بوڑھے کے پاس وقت ضائع تب کرتے ہیں جب وہ بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے ہیں۔

آدم خور شیر کو وہ دن اپنے پسندیدہ شکار کے لیے جھاڑیوں اور جھنکاروں میں گھات لگائے دیکھا۔ اسی طرح ریچھ، گوریلا اور تیندوا بھی ہیں۔ بدقسمتی سے کوئی حسین عورت ان کی نظر میں آ جائے تو پھر ممکن نہیں کہ وہ ان کی گرفت سے بچ نکلے۔''

Scanned with CamScanner

● پھلیشو کدا جن......!

آسام کے وسط میں جنگلوں سے گھرا ہوا ایک مقام رنگوٹ ہے۔ یہ بھی کوئی بستی یا گاؤں ہوتا ہوگا۔ دوسری جنگِ عظیم میں اسے ایک فوجی مستقر کے طور پہ استعمال کیا گیا۔ فوجیوں کے بیرکس اسلحہ خانے تربیت کے لیے ہموار میدان یعنی وہی کچھ جو ایک چھاؤنی میں ہوتا ہے۔ جنگیں اپنا جلال و جدال دکھا کر ختم تو ہو جاتی ہوں گی مگر ان کے اثرات اور خطرات ختم ہوتے ہوتے ایک دو نسلیں جوان ہو جاتی ہیں۔

شامتِ اعمال میں اپنے ایک دوست کی دعوت پہ وہاں مقیم ہوا۔ یہاں ایک ٹی بی سینی ٹوریم قائم ہو چکا تھا۔ فوجیوں کی بیرکس وارڈز میں اور اسلحہ خانے متروک ہو کر آپریشن تھیٹر وغیرہ میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ٹی بی سینی ٹوریم کے گرد مضبوط خاردار باڑ جو گھنے خطرناک جنگل اور ہسپتال کے درمیان حدِ فاصل تھی لیکن کہیں کوئی شگاف بھی دکھائی دیتا جس سے پتا چلتا تھا کہ لوگ ادھر سے جنگل کی جانب آتے جاتے ہوں گے۔

میرے رہنے کا بندوبست ایک ایسے مناسب سائز کے کمرے میں کیا گیا تھا جو شاید کسی وی آئی پی مریض کے لیے تھا۔ ملحقہ غسل خانہ، لکڑی اور لوہے کی جالی والے دروازے کھڑکیاں اور روشن دان کھڑکیاں جنگل کی طرف کھلتی تھیں جو بمشکل چند فٹ کے فاصلے پہ تھا۔ میرے کمرے کے دائیں جانب ٹی بی سینی ٹوریم کے اعلیٰ سٹاف کے رہائشی کمرے تھے۔ جن میں ڈاکٹر اور دفتر کے لوگ رہتے تھے۔ اس سے کچھ آگے بڑا سا باورچی خانہ تھا۔ جدھر سٹاف اور مریضوں کے لیے کھانا پکتا تھا۔

پہلے دن ناشتے کے لیے جب میں میس پہنچا تو ان معزز اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں نے بڑی گرمجوشی سے مجھے خوش آمدید کہا۔ ان مہذب لوگوں میں نصف سے زیادہ خواتین تھیں۔ میں چونکہ ٹی بی سینی ٹوریم کے ایم ڈی کا مہمان تھا اور کچھ وضع قطع بھی نرالی سی تھی اس لیے میری پذیرائی بھی منفرد سی ہوئی۔ ناشتا اور ہلکی پھلکی گپ شپ کے دوران میری نظر گھومتی میز کے آخری سرے پہ اپنے آپ میں گم ایک انتہائی دلکش خاتون پہ پڑی۔ اس کے نقشے حسن کی تپش میں نے اپنی آنکھوں میں محسوس کی۔ لگتا تھا میں نے اساطیری کردار ساحرہ عذرا کو دیکھ لیا ہو جو جیسے غسل کے بعد شعلوں کی مانند لپکتی زلفوں کو ہوا دینے کی خاطر ادھر بیٹھ گئی ہو!

اسے گہری نظروں سے نکال لینے کے بعد میں جیسے بھول ہی گیا کہ کہاں اور کیوں بیٹھا ہوں۔ اس سے پیشتر دوسرے لوگ میری محویت کو کوئی معنی پہناتے خود کو سنبھال لیا بلکہ اس جانب دیکھنا ہی چھوڑ دیا۔ میں نے اک لمبے عرصے کے بعد تمتماتی آگ کی مورت دیکھی!

Scanned with CamScanner

کسی بدوان کے لیے ایسی ناری دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے کسی نے شیش ناگ دیکھ لیا ہو جس کے جوڑے سر پہ سنہری بالوں کے سینگ نما گچھے کی تہ میں نہ دکھائی دینے والا اژدہا پارنگت پدم سارنگ بیٹھا ہوتا ہے۔"
ناریوں کی دیگر اقسام ایسی ہیں جنہیں بادی النظر دیکھنے سے تعارف نہیں ہوتا۔ کچھی' انسویا' سولکھنی' تارنی' ناہپی' پرمدا' سنچاری' پروچک اور گن وتی وغیرہ لیکن موہنی ناگ کنیا اور تن کوری چھپی نہیں رہتیں۔"
ایسی عورت میں نے کوئی پہلی بار نہیں دیکھی تھی مگر کیا کہا جائے کہ جب بھی دیکھا۔ یہی کچھ ہُوا......
خوامخواہ کی بے چینی' اُلجھن اور آکس سی...... اُس کی اصلیت جانتے ہی' میرے نتھنوں میں اس کی جبلی خوشبو سرایت کر گئی تھی۔ مراکش کے تمباکو اور برازیلین کافی کوکو کی مانند تلخ مہک آ ورگ و پے میں اُترتی ہوئی۔ ہلکی سی غنودگی' دُھواں اور دُھند...... میں گراں باری محسوس کرتے ہوئے وہاں سے اُٹھ آیا تھا۔ پُرسکون ہونے کی خاطر میں نیم دراز ہو گیا۔"
دوپہر سے ذرا پہلے' میرے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ دوپہر کے کھانے کا بلاوا تھا۔ کچے ناریل کے دودھ میں پکائے گئے چاول' میری پسندیدہ ڈش...... ذہن کسی سلیٹ کی طرح صاف تھا۔ نیند اور موت' طبیعت صاف کر دیتے ہیں۔ میس میں داخل ہوتے ہی دیکھا' وہ خوبصورت بلاؤ ہیں پہ دھری آگرو کی اگربتی کی مانند سُلگ رہی تھی۔ اُس کے حُسنِ جہاں سوز کی تمازت نے اک جہنم دہکا رکھا تھا۔ پتا نہیں وہاں پہ موجود دوسرے لوگ بھی کچھ محسوس کرتے تھے یا یہ عذاب بھگتنے کے لیے صرف میں ہی رہ گیا تھا؟

اُف تیرے حُسنِ جہاں سوز کی پُرسوز کشش
نور سب چھین لیا چشمِ تماشائی کا

دوسری چیز جس نے شدت سے اپنا احساس دلایا' وہی پُراسراری مہک' مشامِ جان سے گزر کر ہڈیوں کے گودے میں اُترتی ہوئی۔ اتفاق یا میس کا انتظام ہی ایسا تھا مجھے وہی نشست ملی۔ جس پہ بیٹھ کر صبح ناشتہ کیا۔ کھانا سامنے تھا مگر دکھائی نہ دیتا تھا...... وہ روبرو نہیں تھی پر خوب سجھائی دے رہی تھی۔ معلوم ہُوا کہ محض آنکھ ہی نہیں دیکھتی دھیان اور وجدان سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ ہر اَنگ اعضا' بلکہ رُوم رُوم بصارت بسر ہو سکتا ہے۔ بس! ذرا ان کی نہ دکھائی دینے والی آنکھوں میں جذب کا کحل سجانے کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔"
یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے موجود لوگ' ان کیفیات کو محسوس کیوں نہیں کرتے۔ اُس کا ایک علیحدہ سا حُسن' اُس کی پُراسراریت' منفرد سی خوشبو وغیرہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام شخص' چاہے وہ دیگر علوم و فنون کا کیسا بھی عالم فاضل کیوں نہ ہو' مافوقیت اور اسرارِ علوی و ارضی کا طالبعلم نہیں ہوتا۔ درویشوں

Scanned with CamScanner

فقیروں، برہنہ اور خفتہ علوم کے طالبعلموں کے ہاں تحلیل نفسی اور تجمیل قلبی بدرجہ اُتم ہوتی ہے۔ اُن کا حسیاتی اعصابی، بصری اور وجدانی نظام غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل ہوتا ہے۔ میں نے ایسی صلاحیتیں، ایسے افراد میں بھی بدرجۂ اُتم موجود دیکھی ہیں جو عام سے انسان ہیں۔ نہ تو اُن کے پاس تعلیم ہے، نہ کسی اُستاد سے کچھ حاصل کیا۔ معمولی سے دیہاتی لوگ...... لیکن خفتہ قوتوں کے مالک کہ حیرت ہوتی ہے کہ اللہ کریم جس پہ چاہے کرم کر دے۔''

ماں کے پیٹ سے پیغمبری بھی ملی، ولایت نصیب ہوئی۔ قرآن کے حافظ پیدا ہوئے...... اُلوہی علوم کی تحصیل ہوئی...... نطق اور بصیرت بھی حاصل ہوئی۔ حشمت و شجاعت بھی لائے۔ خدائے لم یزل جسے چاہے، جو چاہے نواز دے، وہ بے نیاز ہے......!

اپنے ایم ڈی دوست سے معلوم ہوا کہ سینی ٹوریم، ورلڈ ٹی بی آرگنائزیشن کے تحت کام کرتا ہے۔ دُنیا بھر سے ڈاکٹرز، نرسیں، میڈیکل ٹیکنیشن اور دیگر متعلقہ لوگ جو ٹی بی اسپیشلسٹ ہوتے ہیں رضا کارانہ طور پہ ایک متعینہ عرصہ کے لیے یہاں پہنچتے ہیں۔ اپنی خدمات کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ ادھر غریب مفلوک الحال لوگوں میں ٹی بی کا مرض عام ہے۔ خاطر خواہ علاج فراہم نہ ہونے کی بناء پہ یہاں شرحِ اموات بہت زیادہ ہیں۔

سینی ٹوریم میں ایسے مریضوں کا علاج بلا معاوضہ ہوتا بلکہ جنگل کے اندر کچھ جگہیں ایسی بھی ہیں جدھر سے ٹی بی کے بوڑھے اور خستہ حال مریضوں کا یہاں تک پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ ہم موقع محل کے مطابق اپنی گشتی ٹیموں کو اُدھر جنگل کے اندر بھی بھیج دیتے ہیں۔ ہماری ایک ٹیم ایسی بھی ہے جو سال کے گیارہ مہینے، جنگلوں میں گھومتی رہتی ہے۔ اُن کا کام ٹی بی کے مریضوں اور اُن کے کنبوں کو اس مرض بارے جملہ معلومات اور بچاؤ کے طریقوں کے متعلق آگاہی بہم پہنچانا ہے۔

میں ان لوگوں کی انسان دوستی، ان پسماندہ جنگلات میں، جہاں انسانی بنیادی ضرورتوں کا تصور بھی مشکل ہے۔ اس طرح دُکھی اور بیمار مریضوں کی جملہ ضروریات کا خیال رکھنا اور بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کرنا۔ ان کے جذبۂ ایثار سے بہت متاثر ہوا۔''

میں اِدھر شاف میں مردوں سے زیادہ عورتیں دیکھ رہا ہوں...... کیا عورتوں میں دُکھی اور بیمار انسانوں کی خدمت کا جذبہ کچھ زیادہ ہوتا ہے یا کوئی اور وجہ؟...... ہاں! عورتوں میں کسی بیمار کی خدمت تیمارداری کا جذبہ فطری طور پہ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ بیمار کو اپنی بہترین توجہ سے نوازتی ہے۔ اُس میں صبر، برداشت مردوں سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ بیالیس افراد کی تعداد میں تیس خواتین، جن میں سپیشلسٹ ڈاکٹرز، نرسز اور دیگر

Scanned with CamScanner

ٹیکنیکل اسٹاف!...... مرد حضرات' یہاں کی بور زندگی سے بہت جلد اُکتا جاتے ہیں۔ اکثر بیمار بھی پڑ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے یہاں کوئی پب' کلب' کیسینو وغیرہ کا تصور نہیں لیکن خواتین بڑی دلجمعی سے یہاں اپنا مقررہ وقت پورا کرتی ہیں بلکہ یہاں رخصت ہوتے سمے وہ بڑی دلگیر ہوتی ہیں جبکہ مرد حضرات' ادھر سے یوں بھاگتے ہیں جیسے جیل خانے سے آزاد ہوئے ہوں؟

میں دراصل اپنے مطلب پہ آنا چاہتا تھا۔ یہ تمہید تو محض ایم ڈی کو گھیرے میں لانے کے لیے تھی۔

جب ہلکی سی زمین ہموار ہوگئی تو میں نے اپنے مطلب کا بیلی کا پٹر اُتار دیا۔

''ڈاکٹر صاحب! میں تین چار روز سے میس میں دائیں جانب' میز کی آخری سیٹ پہ ایک اچھی سی خاتون کو سب سے الگ تھلگ چپ چاپ دیکھ رہا ہوں' مجھے نہیں یاد کہ اُسے مسکراتے' کسی سے بات کرتے یا شریکِ گفتگو ہوتے دیکھا ہو۔ لگتا ہے وہ کوئی اجنبی سی خاتون ہے' محض کچھ وقت گزاری کی خاطر' مجبوراً ادھر پڑی ہوئی ہے۔''

ایم ڈی صاحب میری اس بات پہ ہلکے سے خشمناک دکھائی دیئے۔ شاید انہیں اپنے سٹاف کی ایک خوبرو خاتون بارے میری دلچسپی' اچھی نہیں لگی تھی۔ میری بات اُن کے لیے ایسی غیر متوقع اور اچانک تھی کہ اپنے چہرے پہ یکدم اُبھرنے والی بدمزگی روک نہ پائے۔ وہ چند ثانیوں میں اپنی حیرت و حالت پہ قابو پا گئے تھے۔ بولے۔

''آپ نے گلوریا کی بابت صحیح کہا ہے یہ اینگلو انڈین خاتون گوا سے تعلق رکھتی ہے۔ ہالینڈ سے اس نے میڈیکل سائنس میں ماسٹر کیا ہوا ہے۔ اس کا انگریز باپ بھی ڈاکٹر تھا جب کہ ماں گوا سے تھی۔ نرسنگ میں کوالیفائیڈ تھی۔ یہ خاتون پہلی بار ادھر آئی ہے۔ غیر شادی اور پکی رومن کیتھولک......!''

ایم ڈی صاحب' یہ سب ایسی سُرعت سے کہہ گئے جیسے جلد از جلد وہ سب کچھ اُگل کر فراغت پالینا چاہتے ہوں۔ اب شاید میرے بولنے کی باری تھی۔''

''جس کام کے لیے ادھر آئی ہے آپ اس سے مطمئن ہیں؟''

چند ساعتیں مجھے گہری نظروں سے تولنے کے بعد پوچھا۔

''مگر آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں...... جبکہ اور بھی بہت لوگ ادھر موجود ہیں......؟''

''ڈاکٹر صاحب! مجھے یہ بی بی ایکسٹرا ابنارمل لگتی ہے۔ میرے اپنے مشاہدے علم کے مطابق یہ سنکی ٹائپ خاتون ہے...... یہ کسی نہ کسی طرح آپ کے لیے پریشانی پیدا کرسکتی ہے...... بلکہ میں کہتا ہوں پریشانی پیدا کرچکی ہوگی؟''

Scanned with CamScanner

ایم ڈی صاحب مجھے یوں آنکھیں نکالے دیکھ رہے تھے جیسے میں کسی دوسرے سیارے سے اُتری ہوئی کوئی مخلوق ہوں...... کافی دیر مجھے ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے' بمشکل گویا ہوئے۔

''یہ سنگھنی ٹائپ عورت کون ہوتی ہے......؟''

''ہوتی تو یہ دوسری عورتوں کی طرح ہی ہے مگر اس کے جبلّی' نفسانی اور شہوانی رویے عام عورتوں سے مختلف اور سوا ہوتے ہیں۔ وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک' کہیں اور کبھی چھپی نہیں رہ سکتی۔ اپنے علاوہ وہ اپنے اردگرد کے لوگوں کے لیے بھی انجانے میں مشکلیں پیدا کرتی رہتی ہے۔ اُس کا جنم اور انت' دونوں ابنارمل ہوتے ہیں اور وہ اپنے بعد عجیب وغریب داستانیں چھوڑ جاتی ہے۔''

ایم ڈی صاحب مُنہ کھولے' آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرے خاموش ہونے پہ وہ بادل نخواستہ بولے۔

''ہاں! یہاں بھی بہت دنوں سے کچھ ایسے ہی ہو رہا ہے۔ جب وہ ڈاکٹروں نرسوں کے گروپ کے ساتھ یہاں پہنچی تھی۔ مَیں پہلی نظر اُسے دیکھتے ہی ریشہ خطمی ہو گیا تھا۔ یقین کریں جب مَیں پہلی بار تعارفی تقریب میں اس سے ہاتھ ملا رہا تھا تو نیچے سے میرے پاؤں کانپ رہے تھے۔ مَیں نے زندگی میں بے انتہا خوبصورت عورتیں دیکھی ہیں حتیٰ کہ میری بیوی' اُدھیڑ عمر ہونے کے باوجود بھی ایک حسین وجمیل عورت ہے مگر اس کے باوصف' میری حالت ایسی تھی کہ اُس کے روبرو یوں دست بستہ کھڑا تھا...... جیسے کسی سیارے سے اُتری ہوئی ملکہ حسن ہو یا پھر کوئی ساحرہ' جسے اپنے مقابل کو آتشیں حُسن سے غسل دینے کا شوق ہو؟

ایک چیز کو نوٹ کرو کہ مَیں اپنی عمر اور پیشے کے ایسے مقام پہ ہوں' جہاں یہ مجھے تو جوانوں والی یا ایسی بازاری سوچ کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا۔ مگر ایسے' جیسے میری عقل سوچ پہ پردہ پڑ گیا ہو...... مَیں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ اُس کے سراپے میں کوئی ایسی شہوانی کشش اور حیوانی جذبات کو دوچند کر دینے والی مہک تھی جو جنسِ مخالف کو کچھ اچھا بُرا سوچنے کی مُہلت ہی نہیں دیتی۔ بس اُس کا دیوانہ بنا دیتی ہے۔''

مَیں اگر ایم ڈی کو نہ ٹوکتا تو وہ رُکنے والا کہاں تھا۔ ''ہم مُرشد تھے وہ وَلی نکلا'' معلوم پڑا کہ اِک مَیں ہی اُس عفیفہ شعلہ رُو کا پچپانو نہ تھا اُس کا ایک جانو' مجھ سے پہلے بھی اِدھر موجود ہے۔

ہم ہی نہ تھے بے تاب و پریشاں ہجر کی لمبی راتوں میں
کیا کیا اپنے ساتھ ہُوا ہے حال نکلتے تاروں کا

مَیں نے ایم ڈی صاحب کو جو میرا عقید تمند تھا' چلبلی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے علاوہ بھی کوئی اور سٹاف کا فرد' اُس کا اسیر ہُوا ہے یا اس کوچہ اُسیراں میں اکیلے آپ ہی

Scanned with CamScanner

اِس کے دیوانے ہیں؟''

''صرف ایک اور بھلے مانس پہ شک تو ہے پر اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ بھی اُس سے متاثر ہونے والوں میں ہوگا؟''

''کیا وہ بھی کوئی یہاں کا ڈاکٹر ہے......؟''

''نہیں وہ میرا ڈاکٹر ہے۔ جس سے مَیں اِس وقت بات کر رہا ہوں۔''

مَیں نے اُس کی بات کا مزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔

''مَیں یقیناً اُس میں دلچسپی لے رہا ہوں مگر میری یہ دلچسپی محض میرا مشاہداتی اور علمی تجسس ہے کہ علم الانسان اور خاص طور ایسے اِنسان' جو کچھ علیحدہ سی فطرت و جبلّت کے حامل ہوتے ہیں' میرا موضوع ٹھہرے ہیں۔ سپیرے' سانپوں سے بچنے کے طریقے جانتے ہوتے ہیں۔ تریاق منکے اُس کے جھولے میں پڑے ہوتے ہیں۔''

ایم ڈی نے بڑی برمحل چوٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''پھر بھی سو میں ستاسی' سانپ کاٹے سے مرتے ہیں۔''

''مگر میرا شمار' سو کے ستاسیوں میں نہیں' باقی ماندہ تیرہ میں ہوتا ہے۔''

''ہاں! یہ کہو کہ یہ ڈاکٹر عورت' جس مقصد کے لیے اِدھر آئی ہے وہ پورا کر رہی ہے یا اُدھورا ہے؟''

''مَیں نے نوٹ کیا ہے اگر اُس کی ڈیوٹی دن میں ہے تو نارمل کام کرتی ہے...... اگر رات کی ہو تو اُپ سٹ رہتی ہے۔ ساتھی ڈاکٹروں اور مریضوں کو عجیب سی نظروں سے گھورتی ہے یا پھر اپنے دفتر میں بیٹھی' کھڑکی سے باہر جنگل کو دیکھتی رہتی ہے۔''

مَیں نے ایم ڈی کو ایک مثال دیتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر! تم تو جانتے ہو کہ کوئی بھی مریض' ہر وقت اپنے مرض کی یکساں کیفیت میں نہیں ہوتا۔ کبھی اُسے اور دوسروں کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ مرض سے نجات پا چکا ہے اُس کا چہرہ' موڈ' طبیعت دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ ایسی حالت کئی کئی دن بھی رہ سکتی ہے اور کبھی یکبارگی یوں لگتا ہے کہ مرض اپنی اِنتہا کو پہنچ چکا ہے اور مریض اَب کچھ لمحوں کا مہمان ہے۔

سنکھنی ٹائپ عورت کی جبلّت کی بھی کوئی ابتدا اِنتہا نہیں ہوتی کہ کب کہیں وہ اپنی جبلّتِ ثانیہ کے زیرِ اثر آ جائے اور کچھ بھی کر گزرے۔ لہٰذا تمہیں سخت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ویسے میرا مشورہ ہے اِس

Scanned with CamScanner

سے پہلے یہ کوئی کارنامہ انجام دے' کسی نہ کسی طور اُسے واپس بھجوا دو......!''

● اَلکھ پُرش کی مَایا' کہیں دُھوپ کہیں چھایا......!

''پونم رات تھی' صحراؤں' میدانوں' مرغزاروں میں کھلی ہوئی چاندنی' بچھی ہوئی رُوپا چادر کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ شاید اِسی لیے حویلیوں' بالاخانوں میں اور شہ نشینوں کے فرشوں پہ بچھی بے داغ چادریں چاندنیاں کہلاتی ہیں۔ موتیے کی کلیوں کی طرح پھیلی ہوئی چاندنی کا اپنا ایک سحر ہوتا ہے۔ چاندنی تو سمندروں کو پاگل کر دیتی ہے۔ انسانوں کی کیا بساط؟ عاشقانہ مزاج والے' پیار محبت کے بندے' ہجر و فراق کے مارے' جمال پسند اور نرگسی طبیعت لوگ' فنونِ لطیفہ سے متعلق افراد' بیمار و نزار' نفسیاتی و جنسی' رُوحانی اور ضعفِ قوم کے مریضوں کو مزید مجنون بنانے میں منفی کردار ادا کرتی ہے۔''

ہاں! کچھ نفسیاتی' ذہنی اور اعصابی امراض کا تیر بہدف علاج بھی ہے۔ چاندنی' جنگل' صحرا' سمندر اور اَرض کے حشرات بھی شدت سے اثرانداز ہوتی ہے۔ چاندنی رات میں تناسل پسند جانداروں میں زوجیت کی خواہش' بے تحاشہ سر اُٹھاتی ہے اور اپنی تکمیل چاہتی ہے...... سفلی اور ابلیسی استعانتیں گردش کرتی ہیں۔ قبرستانوں' شمشان گھاٹوں پہ بے چین نا آسودہ رُوحیں' ناراض آتمائیں' چمگادڑیں' بُوم' کرلے' مکڑے' سانپ سپنولے' بوز نے ریچھ خُوب بدمست ہوتے ہیں۔

جیسے ذا ابڈا یا' جینے دیتا ہے نہ مرنے...... اسی طرح دُودھیا' جنگلی ہوئی چاندنی بھی سونے دیتی ہے نہ جاگنے...... آنکھیں میچو تو چٹکے لیتی ہے' آنکھیں کھلی رکھو تو نقرئی غبار سے آنکھیں چندھیا دیتی ہے۔ چودھویں سے لے کر ''کانا گوڈا'' لگنے تک میری حالت اُس مریض سی رہتی ہے' جس کا سفید موتیے کا آپریشن ناکام ہو چکا ہو۔ رات ہو یا دن' اُس کی پتلیوں کے پیچھے ہَنے ہَنے ترولے تڑختے رہتے ہیں۔

بھسم کیا ہوا سونا' سوکھو تو رات کو سکڑ کر سونے نہیں دیتا...... ناڑیوں میں نارنگ منڈی کے نویں چاولوں کی چھاچھ بلونے لگتا ہے۔ میں چاندنی کی چاندی چاٹتا ہوا...... چاپے گنگز کا چوچا' چاچی جموں والی کی پنی لینے والا...... میرے دیدوں میں نیند کہاں؟

آسام کے گھنے جنگلوں میں چاندنی یُوں پھنس کر رہ جاتی ہے کہ بھلے چاند چھپ جائے مگر چاندنی' درختوں پودوں پیڑوں کے ''جن جھنے'' سے نکل نہیں پاتی...... دُھند کہر' گھنے جھاڑوں شاخساروں' مکڑیوں کے

Scanned with CamScanner

جالوں خودرو پھولوں' کانٹوں میں کسی کنیا کی چھدری چنریا کی مانند اٹک کر رہ جاتی ہے۔ سینے کے پنجرے میں آہ وکراہ' دل میں پھنسی بے چین سی آرزو' دماغ میں کوئی بے کل سا خیال...... ذہن میں کلبلاتی ہوئی کوئی سوچ...... جنجالوں میں سسکتی ہوئی زندگی...... سرخ آنکھوں میں کچوکے لگاتی ہوئی نیند بھی ایسی ہی ہوتی ہیں۔''

مجھے لگا جیسے چاندنی کچھ مدھم پڑ گئی ہے۔ چاند شاید کسی بدلی کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

کہیں کسی بھالو کے ڈکارنے کی آواز آئی۔ میں خاصا بیزار سا ہو کر برآمدے میں نکل آیا۔ جنگل کے قریب کی بستیوں آبادیوں شہروں کی تعمیراتی کاموں میں لکڑی زیادہ استعمال ہوتی ہے۔ یہاں دیسکوں کے بس میں نہیں ہوتا ورنہ وہ اپنا لباس کپڑے' برتن ہانڈیاں' زیورات اور کھانا پینا بھی' لکڑی کا ہی کر لیں۔ لکڑی مضبوط' بھاری' کرموں سے محفوظ اور پھر مفت...... اس خاطر' فرنیچر' دیواروں' دروازوں کھڑکیوں...... چھت اور فرش بنانے کے لیے اس کا خوب استعمال ہوتا ہے۔ کمرے کی حد تک تو ٹھیک تھا مگر باہر برآمدے کا فرش' چلنے پھرنے سے چرچر چیختا تھا شاید اس لیے کہ پرانا ہوگا۔ وقت کی ہاتھوں اس کی چیخیں بول گئی تھی۔ ادھر چلنے پھرنے سے جب اس کی چرچراہٹ کھلنے لگی تو میں جنگل کی باڑ جانب نکل آیا۔

فولاد کے کانٹے دار مضبوط تار' شاہ بلوط کے بھاری کھمبوں پہ اس طرح لگے ہوئے تھے کہ ادھر یا اُدھر سے کوئی بھی انسان یا جانور آر پار نہیں ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اس سینی ٹوریم اور عملے کے لیے حفاظتی تدبیر تھی۔''

مشاہدے میں آیا کہ جہاں کہیں انسان نے دیواریں اُٹھائیں وہ کبھی بھی سو فیصد کامیاب نہ رہیں۔ انسان کے شاطر ذہن نے اس کا کوئی نہ کوئی حل نکال ہی لیا۔ اس کا دماغ جب منفی طرزِ فکر اختیار کرتا ہے تو شیطان اس کی پوری پوری معاونت کرتا ہے۔ دماغ کے اُن پرانے پوشیدہ حصوں تک اُس کی رہبری کرتا ہے جو نظامِ فطرت وسرشت کے تحت' حیوانِ ناطق کو ودیعت تو ہوئے مگر انہیں کام میں لانے کے لیے رَد کر رکھا۔ تاکہ ان کی فضرت سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہ سکے۔''

تاریخ بتاتی ہے کہ دیوارِ چین ہو یا سدِ سکندری' دیوارِ برلن ہو یا کوئی خندق' برج باڑ روکاوٹ' آہنائے قلعہ یا فصیل سرحد کچھ بھی؟ انسانی عقل و تدبیر کے روبرو عاجز ہوئے۔ دُنیا کا کوئی سیکورٹی سسٹم' تجوری تالا' بندی خانہ' جھکڑی بیڑی' تختہ لگام ایسی نہیں بنی' جس کا کوئی توڑ پیدا نہ ہوا ہو۔؟

یہاں بھی تعلیم اور تہذیب یافتہ انسانوں اور فطرت کے پروردہ حیوانوں کی دو مختلف دُنیاؤں کے مابین ایک حد' سرحد قائم کرنے کی کوشش میں کانٹے دار فولادی تاروں کی مضبوط باڑ بنائی گئی تھی۔ جو دیوارِ چین کی طرح' کالے کوسوں' طویل تو نہ تھی بلکہ اس کا رقبہ گولائی چوڑائی مشکل سے پانچ ایکڑ بھی نہیں ہوگا۔ مین گیٹ جو دُہرے پھاٹک والا تھا صرف ایک ہی تھا۔''

Scanned with CamScanner

سے پہلے یہ کوئی کارنامہ انجام دے' کسی نہ کسی طور اُسے واپس بھجوا دو......!"

● اَلکھ پُرش کی مایا' کہیں دُھوپ کہیں چھایا......!

پُونم رات تھی' صحراؤں' میدانوں' مرغزاروں میں کھِلی ہوئی چاندنی' بچھی ہوئی رُوپا چادر کی مانند دِکھائی دیتی ہے۔ شاید اِسی لیے حویلیوں' بالاخانوں میں اور شہ نشینوں کے فرشوں پہ بچھی بے داغ چادریں چاندنیاں کہلاتی ہیں۔ مُوتیے کی کلیوں کی طرح پھیلی ہوئی چاندنی کا اپنا ایک سحر ہوتا ہے۔ چاندنی تو سمندروں کو پاگل کر دیتی ہے۔ اِنسانوں کی کیا بساط؟ عاشقانہ مزاج والے' پیار محبت کے بندے' ہجر و فراق کے مارے' جمال پسند اور نرگسی طبیعت لوگ' فنونِ لطیفہ سے متعلقہ افراد' بیمار و نزار' نفسیاتی و جنسی' رُوحانی اور ضعفِ نوم کے مریضوں کو مزید مجنون بنانے میں منفی کردار ادا کرتی ہے۔"

ہاں! کچھ نفسیاتی' ذہنی اور اعصابی امراض کا تیر بہدف علاج بھی ہے۔ چاندنی' جنگل' صحرا' سمندر اور اَرض کے حشرات بھی شدت سے اثر انداز ہوتی ہے۔ چاندنی رات میں تناسل پسند جانداروں میں رَجولیت کی خواہش' بے تحاشہ سر اُٹھاتی ہے اور اپنی تکمیل چاہتی ہے...... سِفلی اور اَبلیسی استعانتیں گردش کرتی ہیں۔ قبرستانوں' شمشان گھاٹوں پہ بے چین نا آسودہ رُوحیں' ناراض آتمائیں' چمگادڑیں' بوم' کرلے' مکڑے' سانپ سنپولیے' بوزنے ریچھ خُوب بدمست ہوتے ہیں۔

جیسے ڈاہڈا یار جینے دیتا ہے نہ مرنے...... اِسی طرح دُودھیا' چٹکی ہوئی چاندنی بھی سونے دیتی ہے نہ جاگنے...... آنکھیں میچو تو چُٹکے لیتی ہے' آنکھیں کھلی رکھو تو نقرئی غبار سے آنکھیں چندھیا دیتی ہے۔ چودھویں سے لے کر" کانا گوڈا" لگنے تک میری حالت اُس مریض سی رہتی ہے جس کا سفید مُوتیے کا آپریشن ناکام ہو چکا ہو۔ رات ہو یا دن' اُس کی پُتلیوں کے پیچھے چٹے چٹے بُر دولے تڑپتے رہتے ہیں۔

مجسم بکیا ہوا سونا' سو تھمو تو رات کو سکڑ کر سونے نہیں دیتا...... نازیوں میں نارنگ منڈی کے نویں چاولوں کی چھاچھ بلونے لگتا ہے۔ میں چاندنی کی چاندی چاناہوا...... چاچے گگڑ کا نُوچا' چاچی جموں والی کی پٹی لینے والا...... میرے دیدوں میں نیند کہاں؟

آسام کے گھنے جنگلوں میں چاندنی یوں پھنس کر رہ جاتی ہے کہ بھلے چاند چھپ جائے مگر چاندنی' درختوں پودوں پیڑوں کے" جن جپھے" سے نکل نہیں پاتی...... دُھند کہر گھنے جھاڑوں شاخساروں' مکڑیوں کے

Scanned with CamScanner

جالوں، خودرو پھولوں، کانٹوں میں کسی کنیا کی چھدری چنریا کی مانند اٹک کر رہ جاتی ہے۔ سینے کے پنجرے میں آہ و کراہ، دل میں پھنسی بے چین سی آرزو، دماغ میں کوئی بے کل سا خیال...... ذہن میں کلبلاتی ہوئی کوئی سوچ...... جنجالوں میں سسکتی ہوئی زندگی...... سرخ آنکھوں میں چبھو کے لگاتی ہوئی نیند بھی ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

مجھے لگا جیسے چاندنی کچھ مدھم پڑ گئی ہے۔ چاند شاید کسی بدلی کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔

کہیں کسی بھالو کے ڈکارنے کی آواز آئی۔ میں خاصا بیزار سا ہو کر برآمدے میں نکل آیا۔ جنگل کے قریب کی بستیوں آبادیوں شہروں کی تعمیراتی کاموں میں لکڑی زیادہ استعمال ہوتی ہے۔ یہاں و سیکوں کے بس میں نہیں ہوتا ورنہ وہ اپنا لباس کپڑے، برتن ہانڈیاں، زیورات اور کھانا پینا بھی، لکڑی کا ہی کر لیں۔ لکڑی مضبوط، بھاری، کرموں سے محفوظ اور پھر مفت...... اس خاطر، فرنیچر، دیواروں، دروازوں کھڑکیوں...... چھت اور فرش بنانے کے لیے اس کا خوب استعمال ہوتا ہے۔ کمرے کی حد تک تو ٹھیک تھا مگر باہر برآمدے کا فرش، چلنے پھرنے سے چر چر چیختا تھا شاید اس لیے کہ پرانا ہو گا۔ وقت کی ہاتھوں اس کی چیخیں بول گئی تھی۔ ادھر چلنے پھرنے سے جب اس کی چرچراہٹ کھلنے لگی تو میں جنگل کی باڑ جانب نکل آیا۔

فولاد کے کانٹے دار مضبوط تار، شاہ بلوط کے بھاری کھمبوں پہ اس طرح لگے ہوئے تھے کہ ادھر یا اُدھر سے کوئی بھی انسان یا جانور آر پار نہیں ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اس سینی ٹوریم اور عملے کے لیے حفاظتی تدبیر تھی۔"

مشاہدے میں آیا کہ جہاں کہیں انسان نے دیواریں اُٹھائیں وہ کبھی بھی سو فیصد کامیاب نہ رہیں۔ انسان کے شاطر ذہن نے اس کا کوئی نہ کوئی حل نکال ہی لیا۔ اس کا دماغ جب منفی طرز فکر اختیار کرتا ہے تو شیطان اس کی پوری پوری معاونت کرتا ہے۔ دماغ کے ان پرانے پوشیدہ حصوں تک اُس کی رہبری کرتا ہے جو نظامِ فطرت و سرشت کے تحت، حیوانِ ناطق کو ودیعت تو ہوئے مگر انہیں کام میں لانے کے لیے روک کر رکھا۔ تا کہ ان کی مضرت سے اللہ کی مخلوق محفوظ رہ سکے۔"

تاریخ بتاتی ہے کہ دیوارِ چین ہو یا سدِ سکندری، دیوارِ برلن ہو یا کوئی خندق، برج باڑ رکاوٹ آہنی قلعہ یا فصیلِ سرحد کچھ بھی؟ انسانی عقل و تدبیر کے روبرو عاجز ہوئے۔ دُنیا کا کوئی سیکورٹی سسٹم، تجوری تالا، بندی خانہ، ہتھکڑی بیڑی، تختہ لگام ایسی نہیں بنی جس کا کوئی توڑ پیدا نہ ہوا ہو۔؟

یہاں بھی تعلیم اور تہذیب یافتہ انسانوں اور فطرت کے پروردہ حیوانوں کی دو مختلف دُنیاؤں کے مابین ایک حد، سرحد قائم کرنے کی کوشش میں کانٹے دار فولادی تاروں کی مضبوط باڑ بنائی گئی تھی۔ جو دیوارِ چین کی طرح، کالے کوسوں، طویل تو نہ تھی بلکہ اس کا رقبہ گولائی چوڑائی مشکل سے پانچ ایکڑ بھی نہیں ہوگا۔ مین گیٹ جو دُہرے پھاٹک والا تھا صرف ایک ہی تھا۔"

Scanned with CamScanner

اندر کے لوگ' باڑ کی دوسری جانب دیکھ سکتے تھے۔ اُدھر کی خوشبوؤں' مختلف جنگلی جانوروں کی آوازوں' موسموں سے لطف اندوز یا بیزار بھی ہو سکتے تھے۔ دکھائی دینے والوں میں پرندے' مچھر چوہے سانپ یا پھر جگنو تھے جو بلاتکلف باڑ سے ادھر پہنچ جاتے تھے۔ یہاں کے لوگ' کمروں کے اندر بھی' گرمی یا سردی' مچھر دانی ضرور استعمال کرتے تھے کہ ادھر جنگل کے کالے مچھر' اپنی حشر سامانی کی بناء پہ خاصے مشہور اور ایسے زہریلے ظالم' کہ جدھر کاٹ لیں' آگ لگا دیں۔''

اَب بتایئے' جسم کے ننگے حصّوں پہ مچھروں سے بچاؤ کے لیے ناگوار بُو والا لوشن لگا ہو...... پاؤں میں جرابیں اور موٹے کپڑے کے سلیپر اور سر' گردن کان ہاتھ بازو ڈھکے ہوئے۔ ڈی سی کرنٹ سے ہچکیاں لیتے ہوئے زرد بیمار روشنی والے چھوٹے قمقمے' چاند بھی' بدلیوں سے لُکن میٹی کھیلنے میں مگن...... جنگل سے کسی ریچھ کے ڈکارنے کی دہلا دینے والی آوازیں...... بھیں بھیں کرتا ہوا اکا دُکا مچھر...... اِس ماحول میں بھلا خاک' کوئی چاندنی کا لطف اُٹھائے گا؟

ہم درویشوں کے ہاں بھی پہاڑی صحرائی گاڑیوں کی طرح' ایک سپیشل پانچواں گیئر ہوتا ہے۔ جس کا استعمال' اُس وقت کیا جاتا ہے جب حالات' وقت طبیعت اور ماحول' ناگزیر صورت حال پیدا کر دیں۔ اللہ کریم! اِس کے صدقے جنگل میں منگل کر دیتے ہیں...... ہر نا موافق' موافق بن جاتا ہے۔ پتا بھی نہیں چلتا کہ ٹیڑھا اَنا' کب اَلف سیدھا ہو گیا۔؟

مَیں اِس سے پیشتر بھی بتا چکا ہوں یہ پانچواں گیئر' تیسرا کلمہ ہے۔ میرے بابا جی نے' اللہ کریم کے خزانے سے مجھے جو تین نعمتیں عطا فرمائی' اُن میں پہلی نعمت الحمدللہ ہے۔ ہر لقمہ ہر گھونٹ' الحمدللہ کہنا...... رفتہ رفتہ جب یہ ورد' عادت ثانیہ بن جاتا ہے تب یہ دل کی دھڑکن میں سما کر' ذاکر کو مجسم الحمدللہ کر دیتا ہے۔ قلب کا جاری ہونا' یہی ہوتا ہے کہ بلا ارادہ' لاشعوری طور پہ خودبخود ذکر جاری رہے۔ اکثر نادان بلا سوچے سمجھے کہہ دیتے ہیں کہ الحمدللہ' جہری نہیں خفی یعنی دل میں کہنا چاہیے۔

ہم کذب' لایعنی گفتگو' مغلظات' بیہودہ گیت گانے' فحش لطیفے وغیرہ تو بلند آہنگ کہنے سننے میں کچھ باک جھجک نہیں کرتے۔ اللہ کریم کی حمد و ثناء میں شرم محسوس ہوتی ہے کہ دوست سمجھتے ہیں مولوی حاجی بن گیا ہے...... بعض یہ بھی سمجھتے ہیں کہ الحمدللہ' زبان سے ادا کرنے سے نمود و نمائش اور خود کو نیک پارسا ظاہر کرنا ثابت ہوتا ہے۔ یہ وہی بات ہوئی کہ بندہ' اپنے ماں باپ یا بیوی بچوں کو اچھا پیارا نہ کہے اور نہ کسی کی اچھی کارکردگی پہ تعریف کرے۔ کیا کسی بزرگ یا مالک کا' اسی کی عطا' مہربانی پہ شکریہ ادا کرنا بھی دکھاوا یا نمائش ہے۔ دراصل ہم نام اور ختنے کی حد تک خود کو مسلمان سمجھتے ہیں؟''

Scanned with CamScanner

میں نے جانا کہ دُنیا کی سب سے بڑی بُرائی یا انسانی بنیادی عیب احسان فراموشی ہے۔ صحیح معنوں شکر گزار نہ ہم خدا کے ہوتے ہیں اور نہ کسی بندے کے بنتے ہیں۔ خدا اور بندہ تب یاد آتے ہیں جب ہم منہ ناک تک آزمائشوں مُصیبتوں کی دلدل میں دھنس چکے ہوتے ہیں۔ اللہ کریم! ہمیں احسان فراموشی سے بچا کر رکھے اور ہمیں اپنے شکر گزار بندے بننے کی توفیق سمجھ عطا فرمائے۔

دوسری بے بہا نعمت مجھے "السلام علیکم" کی فراحت ہوئی۔ جب سے یہ میرے روزمرہ کا پکا معمول بنی میں علائق دُنیا دولت طمع لوبھ و لالچ سے یکسر آزاد ہو گیا۔ السلام علیکم کی ادائیگی میں جتنا خلوص مٹھاس نرمی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث شریف (قریب قریب مفہوم) کہ "کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو...... اگر تم جان پاؤ کہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہنے سے کیا کچھ ملتا ہے؟ تو تم دُنیا کے تمام کام ترک کر کے صرف یہی عمل اختیار کر لیتے۔ اس عمل کے اَجر کا اندازہ اللہ کو ہے یا مجھے! اور مجھے یہ بتانے کی اجازت نہیں۔" جتنا پکا یقین ہوگا اَجر بھی ایسے ہی ملے گا۔ جس مسلمان نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں یہ السلام علیکم کہنے کا عمل اپنایا۔ وہ میرے مُوجب ہر لحاظ سے غنی ہو گیا۔

تیسری نعمت تیسرے کلمہ پاک کی ملی۔ جس پہ یہ کلمہ کھل گیا...... دین و دُنیا کے تمام ظاہری باطنی علوم اُس پہ اظہر من الشمس ہو گئے۔ مشیت ایزدی اور خشیت ایزدی کے باطنی معنوں سے وہ واقف ہو گیا۔ اندھیرے اُجالے زندگی موت راحت و رنج خوف و خشوع سود و زیاں روزی و رزق کے جھنجھٹ سے آزاد...... مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر کاہل الوجود بن کر کسی کونے بیٹھ جاؤ...... الحمدللہ الحمدللہ کرتے رہو...... السلام علیکم کہتے رہو اور تیسرے کلمہ کا ورد کرتے رہو...... یہ دین ہے اور اس کے ساتھ دُنیا بھی ہے جو مشقت دیانت خدمت اور عبادت سے عبارت ہے......!"

خدا جانے؟ بابا کی نان سٹاپ گفتگو کا سلسلہ کب تک جاری رہتا۔ میں اس دوران کتنی بار سویا جاگا یاد نہیں سلسلہ گفتگو کہاں سے شروع ہوا کدھر پہنچا۔ بس اتنا یاد کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں اور میں کچھ سُن رہا ہوں۔ سچی بات کہ اس سے نہ تو انہیں کچھ غرض تھی اور نہ مجھے کچھ مطلب؟ مجھے کچھ اونگا ہینگا سا دیکھ کر بولے۔

"سُنتے سُنتے تھک گئے ہو تو قدرے ستا لو میں بھی خشک حلق تر کر لیتا ہوں۔ ویسے سنگھنی عورت کی بات پہ تمہیں ہشیار رہنا چاہئے...... ایسی معلومات میرے سوا کہیں اور سے نہیں مل سکتیں؟"

میں نے اُونگھتے ہوئے جواب دیا۔

"آمنا وصدقنا...... لاریب کہ تمہارے علاوہ اور کون ایسے لعل و گوہر اُجال سکتا ہے؟ چلئے! جو بھی تھا دلچسپ تھا لیکن یہ بیچ میں تم آسام کے جنگلوں درمیان سُنی نوریم سنگھنی عورت چاندنی رات سے اُچک کر

Scanned with CamScanner

اچانک کسی مسجد کے منبر پہ آ بیٹھے ہو؟ لگتا ہے تمہیں بھی اب نیند آ رہی ہے؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو؟ عورت ہو چاہے وہ کوئی بڑھیا یا زلیخا' اس کی بات پہ آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ دین دھرم کی بات پہ نیند عود آتی ہے۔ طبیعت بوجھل اور کان سن ہو جاتے ہیں۔ ناراض مت ہو' میں واپس اُسی جنگل کے سینی ٹوریم کی طرف لوٹ آتا ہوں......"

ہاں تو میں! باہر برآمدے میں کھڑا' بور ہو رہا تھا۔ ہوا بھی بند! ...... میں ٹہلتا ٹہلتا جنگل کی باڑ جانب بڑھ آیا۔ چارخانہ آہنی تار' قریب دس فٹ اُوپر' غلیل کے دستے کی طرح ...... مضبوط لوہے کے کھمبے لگے ہوئے تھے کہ اُوپر کوئی چڑھ نہ سکے۔"

اسی دیکھا دیکھی میں باڑ کے ساتھ ساتھ ٹہلتا ہوا بائیں جانب نکل آیا جدھر لکڑی کے موٹے تنوں کے اُوپر' پانی کی ٹینکی اور اُس کے اُوپر وائرلیس کے ایریل اور سُرخ لائٹ لگی ہوئی تھی۔ یہ ٹینکی والی جگہ میرے گیسٹ روم سے کافی ہٹ کر سینی ٹوریم کے آخری کونے پہ تھی۔ ادھر باڑ کے برابر' پھولوں' سبزیوں کی پنیریوں کی کیاریاں اور کھاد تیار کرنے کا سامان پڑا تھا۔ ساتھ ہی لکڑی کا بنا ہوا ایک ہٹ بھی' جدھر زراعتی اوزار' گھاس کاٹنے کی مشینیں وغیرہ رکھی تھیں۔

پاس ہی سینی ٹوریم کا فضلہ اور ٹی بی کے مریضوں کے زیرِ استعمال کپڑے پٹیاں جلانے کے لیے لوہے اور کنکریٹ کا ایک بھٹ بھی بنا ہوا تھا۔ میرا نہیں خیال کہ ادھر متعلقہ عملے کے علاوہ بھی کوئی ادھر آتا ہو۔ یہ جگہ ہی آؤٹ آف وے تھی۔"

میں نہیں جانتا کس پینک میں بے خبر سا' ادھر بڑھ آیا تھا۔ بس اتنا یاد کہ میں نے خود کو ٹینکی کے نیچے کھڑا پایا۔ کچھ پرے فضلہ جلانے والے بھٹ سے ہلکا ہلکا سُرمئی دُھواں نکل رہا تھا۔ یہیں مجھے آس پاس اک مخصوص مہک کا احساس ہوا۔ پہلے تو یہی سمجھا کہ بھٹ کے دُھویں کی کوئی بدبو' خوشبو ہے ...... غور کیا تو یہ کوئی اور ہی مہک تھی۔ ایسی مہک جو جنسی عورت کے سراپے سے اُس سمے پھوٹتی ہے جب وہ اپنی جبلّتِ ثانیہ کے تحت اپنی شہوانی خواہشات کے زیرِ اثر ہوتی ہے۔"

آم' امرود' آڑو' آلوچہ' اناس' انگور' آلو بخارا' جب پک جاتے ہیں' ان کا شیریں مہک آور رس انہیں گدرا دیتا ہے تو ان کی خمار آلود بھینی بھینی مہک' قریب و دُور تک پھیل جاتی ہے۔ انسان! اس مہکار کو بہت کم محسوس کر پاتا ہے جبکہ کچھ مخصوص پرندے اس مہک پہ دیوانہ وار ٹوٹ پڑتے ہیں اور باغوں کے باغ تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔ چیونٹیاں' مکھیاں' پروانے' مچھر' چوہے' چیلیں کوّے' گدھ' ان سب کی قوتِ شامہ اور دیگر حسیّں کمال کی ہوتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

ہرنوں میں چند اقسام ایسی کہ انسانی عقل ششدر رہ جاتی ہے۔ نافہ کالا کستورہ ہرن ان کی مہک سے جنگل کے جنگل پاگل ہو جاتے ہیں۔ ہرنیاں دیوانہ وار لپکتی ہیں۔ سمندری سانپ بھی ایسے ہی ہے۔ مذکورہ امثال سے یہ مقصود ہے کہ بعض انسانی حیوانی 'جنسی رویوں کا تعلق سریت اور اسراریت سے جڑا ہوتا ہے۔ بشمول انسان! کچھ درندے 'خزندے اور پرندے بھی ایسے جو ماورائی جنسی جبلت کے حامل ہوتے ہیں......

کتا' بندر' لنگور' گوریلا' ریچھ' خرگوش' سانپ' بکرا' مینڈھا' گھوڑا' گدھا' مچھلیاں' چڑے چڑیاں' چیونٹیاں وغیرہ ان میں رجولت پسندی زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن کتے' بندر' لنگور' بن مانس' گوریلے کی رجولت پسندی میں کچھ عنصر ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو کسی نہ کسی طور انسانی رجولت پسندی سے بھی لگا کھاتے ہیں۔

اس ست مخصی دُنیا میں' میں نے کئی ایک واقعات سُنے اور چند ایک کا میں خود بھی شاہد ہوں کہ کچھ مخصوص جنسی طبع کی عورتوں کے انسانوں کی بجائے جانوروں سے روابط رہے۔ کچھ افراد ایسے بھی جو مخصوص حالات کے تحت' نفسیاتی جذباتی یا فطری طور پہ جانوروں سے ایک حد سے زیادہ اُنس رکھتے ہیں یا انہیں اپنے ساتھ رکھنے سے لگاؤ ہو جاتا ہے۔ کتے' بلیاں ان میں اوّلین حیثیت رکھتے ہیں۔

پالتو جانور ویسے بھی انسانی مزاج' رویوں' طور و طریق سے مانوس ہو جاتے ہیں اور اپنے مالک کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا' آگے پیچھے رہنا' میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھنا' گود میں بیٹھ جانا' بستر پہ لیٹ جانا' پیروں سے لپٹتا جانا۔ اپنی انہی پیاری معصوم اور دلبرانہ اداؤں سے مالک کے دل میں ایک بے حد نرم گوشہ پیدا کر لیتے ہیں۔

خاص طور کتا' انسانی مزاج اور اقدار کے بہت حد تک قریب ہے۔ بلی میں نرگسیت زیادہ ہوتی ہے۔ جسمانی اور صوری لحاظ سے بھی وہ ایک ڈیکوریشن پیس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی جبکہ کتے میں یہ کچھ نہیں ہوتا۔ سوا چند ایک مصنوعی نسلوں کے' باقی تمام کتوں میں مردانہ پن' بہادری' وفا اطاعت ہوتی ہے۔ سوائے رجولت پسندی کے اور اس میں بظاہر کوئی خرابی دکھائی نہیں دیتی۔

کتے کی اسی رجولت پسندی اور وفاداری واطاعت کی بنا پہ' بعض ایسی عورتیں' جن کی جنسی جبلت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے یا اُن کی زندگی میں کچھ ایسے ناقابلِ بیان حالات پیدا ہو گئے ہوتے ہیں کہ اُن کی نسائیت میں شہوانی ہیجان' اک جوار بھاٹا کی صورت پیدا ہو جاتا ہے' پالتو کتوں سے التفات پیدا کر لیتی ہیں۔

اُصطرلابِ ارضی......!

چاند اور چاندنی میں بھی بے شمار اسرار اور راز چھپے ہوئے ہوتے ہیں' گو عام انسانوں سے ان کا کچھ

Scanned with CamScanner

خاص تعلق نہیں ہوتا لیکن یہ اثر انداز ضرور ہوتے ہیں۔ دلپذیری ہوتی ہے' چٹکی ہوئی چاندنی' آنکھوں کو بھلی لگتی ہے۔ فضا میں اک سحر سا طاری ہو جاتا ہے۔ چاندنی میں نہائی ہوئی ہر چیز اک ''چیزے دگر اَست'' بنی ہوتی ہے۔

آفتاب کی تمازت' تیزی اور خیزی آنکھوں میں جلن اور دل کی دھڑکن تیز کر دیتی ہے۔ ہر کوئی سایۂ عافیت کی تلاش میں ہوتا ہے...... جسم میں پانی کی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ جسم سے پسینہ اور بدبو خارج ہوتے ہیں...... طبیعت مضمحل اور اعصاب ٹوٹنے سے لگتے ہیں۔

چاندنی میں خیالات میں پاکیزگی' طبع میں طمانیت اور روح میں بہجت سی ہویدا ہوتی ہے۔ قدرت' فطرت سے لگاؤ اور خیالات حمیدہ میں سجاؤ کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ مادیت سے ہٹ کر روحانیت کی جانب رغبت پیدا ہوتی ہے۔ کسی کو چاہنے اور چاہے جانے کو جی کرتا ہے...... گنگنانا مسکرانا اچھا لگتا ہے۔ اندر کے موسم سہانے ہو جاتے ہیں۔ کسی مُرشد بابے' سائیں نے آنکھوں میں تصوف کے سُرمے کا سُرمچو پھیرا ہو تو پھر ایسا خوش بخت چاند کے پرے تک دیکھ سکتا ہے۔

چنداں مختلف اور منفی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ منحصر ہے فطرت' جبلت اور ضرورت پہ کہ تلاش و جستجو کیا ہے۔ چکوے' پپیہے کی طرح' چاندکی چاہت ہے...... موسلے کی مانند' چیونٹوں' موروں کی' جو چاندنی سے لطف اندوز ہونے کی خاطر اپنے بلوں سے باہر نکل آتے ہیں اور اس کی خوراک بن جاتے ہیں۔ چنڈال چڑیلوں کی طرح' جو کسی راہرو کی راہ کھوٹی کرتے ہیں۔

کسی ذہنی نفسیاتی مریض کی کیفیت کی' جو خاص طور پہ پورے' آدھے یا گھٹتے ہوئے چاند کے سمے مزید بگڑ جاتی ہے۔ کچھ خودکشی بھی کر لیتے ہیں...... کچھ ایسے بھی جو اپنے حواس کھو کر کہیں کے کہیں نکل لیتے ہیں۔ ایسی بے سمت' انجانی اَولڑی جگہوں کی جانب' جدھر جانا پہنچنا' ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتا۔ ایک اور عجیب بات کہ فاصلے' راہ کے نشیب و فراز' اڑچنیں' روکاوٹیں' دریا جنگل پہاڑ صحرا اور وقت کی اکائیاں...... سب کچھ ان کے آگے سمٹ اور بدل کر رہ جاتا ہے۔''

گھر سے ٹھیک ٹھاک' چاندنی کو انجوائے کرنے نکلے...... معلوم ہوا' دوسرے دن وہ دو سو میل دُور' کسی ایسی جگہ پائے گئے...... جو اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ وہ خود نہیں جانتے ہوتے کہ اس اجنبی شہر' صحرا یا میدان پہاڑ پہ کیونکر پہنچے......؟ پیدل' کسی ہوائی کھٹولے پہ کوئی جن یا ہوائی مخلوق اُنھیں اِدھر پہنچا گئی......؟ یا کہیں چاندنی کا اسرار' طلسم اُنھیں چاندنی کی کرنوں میں تبدیل کر کے اِدھر لے آیا؟ اس کی توجیح اتنی آسانی سے پیش نہیں کی جا سکتی۔ میں بذات خود کئی بار ایسی کیفیات سے ہو گزرا ہوں جنھیں بیان کرنا یا ان کے

Scanned with CamScanner

سیاق و سباق کی کسی منطقی توجیہ کو ضابطۂ تحریر میں لانا ایک مشکل امر ہے۔"

انسان' جنات کے علاوہ خفی مخلوق' چرند پرند دیگر جانور و وحوش حتیٰ کہ سمندر' دریا' پہاڑ' جنگل' آتش فشاں' آبشاریں' چشمے بھی چاندنی کے اثرات و اسرار سے متاثر ہوتے ہیں۔ کنوؤں باولیوں کا پانی...... زیرِ زمین معدنیات' مائعات و بخورات...... کھیتوں میں کھڑی فصلیں...... اشجار پہ سجے اثمار' رگوں میں دوڑتا ہوا خون اور جذب میں مچکولے لیتا ہوا جنون بھی......!

ایک بار تیتر بٹیر' لڑی چکوے چکور جیسے چاندنی نواز اور شب خیز پرندوں کے علاوہ بھی ایک دو اجنبی سبک سے نیلے سیاہی مائل پرندے میرے دیکھنے میں آئے۔ تجسس بڑھا' مگر میری معلومات اور مشاہدہ انہیں جاننے سے عاجز رہا۔ اِدھر اُدھر کے اپنے خبطی پاگلوں سے ذکر بھی کیا تو کچھ پتا نہ چلا کہ یہ ابابیل سے کچھ بڑے' کبوترے پر اسرار' چھوٹی لڑی کی طرح کے پرندے کیا ہیں؟ کسی جنگی جہاز کی طرح اچانک سر پہ زن سے گزر جاتے ہیں۔ ان پہ نگاہ ہی نہیں ٹھہرتی کہ کچھ غور کیا جائے؟ لگتا ہے ان کے سامنے کوئی ٹارگٹ ہے' اُس کی جانب بڑھ رہے ہیں لیکن ایک بات اور ساعت دو ساعت' اِک مخصوص سی ذہک' شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

ذہک جو ہوتی ہے وہ مہک سے ہٹ کے ایک مسحور کن سا احساس ثبت ہوتا ہے۔ ذہک اور مہک میں امتیاز کرنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں اور نہ ہی عام انسان اس تفاوت اور اس کی نفیس سی لطافت کو پہچان سکتا ہے۔

ذہک اور مہک...... نکہت اور نگہت...... بُو باس...... خوش بُو اور گل بُو وغیرہ ان کے مابین وہی فرق ہوتا ہے جو پیار اور محبت' قربت اور صحبت' نفرت و عداوت اور والد' باپ...... مکان اور گھر...... شریکِ حیات اور ہمسفر میں ہوتا ہے۔ جو جنوں اور عشق کے مابین پڑاؤ ڈالے ہوتا ہے۔ تعلق اور عقیدت میں فرق روا رکھتا ہے۔

بابا تو یہیں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اگر میں مداخلت "بےجا" نہ کرتا۔

"بابا! جان کی امان پاکر عرض کروں...... سفر اپنی منزل کی جانب مسلسل بڑھنے کا نام اور کام ہے۔ اگر مسافر دورانِ سفر فضول قسم کی دلچسپیوں میں کھو جاتا ہے تو وہ اپنی کھری راہ کھوٹی کرتا ہے بلکہ اپنے مقصد اپنی منزل کے ساتھ زیادتی ہی نہیں' بددیانتی کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ بابا! خدا کے لیے اپنی قاری کے ساتھ یہ بیجا زیادتی نہ کیا کرو۔ یقین کرو' یہ میرا تمہیں انتہائی مخلصانہ مشورہ ہے۔"

اس گرگِ باراں دیدہ نے حسبِ عادت مجھے خشمگیں نظروں سے نکالتے ہوئے' گردن ڈال کے خموشی اختیار کرلی۔ یہ اس کا پرانا بلکہ بوسیدہ جارحانہ طریقہ ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں تم سے بیزار ہوا اور تم اب مجھ سے مزید بکواس مت کرنا۔

میری مجبوری کہ میں اُسے کسی بھی قسم کی ناراضی کی حالت میں نہیں رکھ سکتا۔ جیسے بھی بن پڑے مجھے

Scanned with CamScanner

اُسے منانا پڑتا ہے۔ اگر منانے میں میری طرف سے دیر ہو جائے تو وہ کمال حیرت سے خود پہل کر دیتا ہے......
میں جان بوجھتے وزن میں رہتا ہوں...... ہلکی پھلکی منت سماجت سے بڑھتے بڑھتے جب وہ دھمکیوں دھماکوں
پہ آتا ہے تو پھر میں سپر ڈال دیتا ہوں۔

اس موقع پہ ہم دونوں اطراف سے کچھ بھی تو سرزد نہ ہوا...... وہ خود پسیجتے ہوئے سر اٹھا کر کہنے لگا۔

''اگر تم پہلے سپتک میں کسی کو کچھ کہنے سمجھانے کا فن سیکھ لو تو تمہارے اور میرے بہت سے مسئلے آسانی
سے حل ہو سکتے ہیں لیکن میں اور تم اچھی طرح جانتے ہیں...... نہ میری خو بدلے گی اور نہ تم اپنی ادا چھوڑو گے۔
خیر! تمہیں اگر میرا چاندنی جیسے خوبصورت موضوع اور اس کے اثرات وتشرفات پہ بات چیت کرنا پسند نہیں آیا
تو میں واپس آسام کے اندرون جنگل میں ٹی بی کے اُس سینی ٹوریم میں واپس چلا جاتا ہوں۔ جدھر ایک منگنی
اینگلو انڈین ڈاکٹر عورت تھی۔ جس کے حُسنِ جہاں سوز میں وہی آتش زادی عذرا کے آتشیں حُسن کی سی کاٹ تھی
جو اُسے مسلسل آتشیں غسل کرنے سے حاصل ہوئی تھی۔

اُسی کے ذکر سے بات آگے بڑھی تھی کہ وہ مہلا اپنی جبلّی خصلت اور مخصوص نسائی تقاضوں کے زیر اثر
تھی۔ ایسی خال خاص خصلت و خُو کی پروردہ ایک علیحدہ ہی جنسی طرز کی حامل ہوتی ہیں۔ انگ انگ میں شہوت
خود سپردگی! نگاہوں میں دُزدیدگی...... اداؤں میں بلا کی بیباکی اور دم دم سے دارچینی کی سی خوشبو و حانس
چھوڑتی ہوئی۔

انسان تو انسان اس دحانس اور جنسی لہروں کو جانور اور دیگر نادیدہ ابلیسی استعانتیں تک محسوس کرتی
ہیں۔ جیسے کُتے بلیوں سانپوں خرگوشنیوں ہرنیوں کا ہوتا ہے۔ پورا ماحول ان کی نامحسوس سی رجولی مہک سے
بھر جاتا ہے۔ یہ ان کی فطرت وجبلّت کے تقاضے ہیں۔ جانور مصنوعی زندگی بسر نہیں کرتے وہ جنگل کے قانون
کو سمجھتے ہیں اپنی جبلّت کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں...... انسان بیک وقت حیوانِ ناطق حیوانِ ظریف
مہذب و متمدن ہے اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا داعی ہے اپنے کئی نفسیاتی اور خود پیدا کردہ عوارض کا شکار ہو کر ایسی
ایسی اَنہونی حرکات کا مرتکب ہوتا ہے جن کا تال میل اس کے ساتھ لگا نہیں کھاتا۔

یہ بھی دُرست ہے کہ کچھ سلسلے ارضی و سماوی جادوئی جبروتی استعانتوں کا خمیازہ بھی ہوتے ہیں......
نہ ہونے کے برابر مگر جو ہوتے ہیں وہ بہت علیحدہ سے انسانی عقل و حیرت کو چکرا دینے والے!

کہا گیا کہ علم الانسان و حیوان...... ابھی تک اُدھورا ہے۔ انسانی عقل و بصیرت میں ابھی اس کا
کما حقہٗ ادراک نہیں اُترا...... علم کوئی بھی ہو وہ کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ عصر اُس میں خاطر خواہ تبدیلیاں لاتا رہتا
ہے۔ سمندر کی گہرائیاں پنہائیاں آفاق کی وسعتیں خلائی بے کناریاں کبھی انسانی دائرہ پیمائش میں نہیں آ سکتیں۔''

Scanned with CamScanner

وسیع و عظیم، شاندار اور پُرشکوہ کائنات میں مالکِ عظیم کا ایک بے مثل شہکار حضرت انسان بھی ہے۔
اس کے اندر اتنی اور ایسی ایسی کائناتیں ہیں کہ انسانی عقل و بینش ان کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے۔
اس مجموعۂ اضداد، مرکبِ خیر و شر، مجموعۂ علم و حکمت، خوگرِ خیال و خواب، صاحبِ جلال و جمال، بندۂ قیل و قال،
پابند ماہ و سال میں ایسی حیرتیں، ایسے ابہام و توہم ہیں جنہیں سمجھا جانا تو درکنار تصور تک کرنا ممکن نہیں......!
شب و روز ایسے ایسے واقعات دیکھنے، سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں کہ بندہ مجسمۂ حیرت بن کے رہ
جاتا ہے۔ میری زندگی تو شاید ہے ہی اس لیے کہ میں صبح و شام یہی کچھ دیکھتا رہوں...... اللہ ہی جانتا ہے کہ
میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہے؟

اسی واقعہ کو لے لیں، جو آسام کے جنگل میں میرے ساتھ پیش آیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے، کیا میں اسی
سیاپے کو دیکھنے یا اس سے نبٹنے کے لیے اُدھر گیا تھا؟...... نہیں! میں اُدھر اپنے ایک دوست کی دعوت پہ پہنچا تھا۔
وہ جانتا تھا کہ مجھے ویرانوں، پہاڑوں، جنگلوں، صحراؤں، سمندروں میں جانا، رہنا، اُن سے دوستی کرنا، باتیں کرنا
یہاں تک کہ اُن سے رشتہ داری قائم کرنا اچھا لگتا ہے۔ انسانوں سے کہیں زیادہ میرے مراسم و تعلق ان سے
ہیں جبکہ حجرات یعنی جواہرات سے تو جنوں کی حد تک میری "آئی لو یُو" ہیں۔

اب میں اگر کہیں پہنچتا ہوں تو اپنی پوری ذات و اوقات کے ساتھ ہوتا ہوں...... میری اچھائیاں
بُرائیاں، میری سیرت بصیرت، شوق شغل میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ میں ایسا اُبلا آچھرا ہُوا بندہ ہوں کہ کہیں
چھپ لُک نہیں سکتا۔

اِدھر میڈیکل کیمپ میں اگر مجھے کوئی ایسی ہستی دکھائی دیتی ہے۔ جس کا ظاہر باطن، میرے رُوبرو
عیاں ہوتا ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ میرا سبجیکٹ بھی ہے تو میرا اس کی جانب متوجہ ہونا میرے لیے ایک
ضروری امر بن جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی سپیرے کی موجودگی میں کوئی اچھلی سی خوبصورت ناگن کہیں
سے نمودار ہو جاتی ہے تو سپیرے کے لیے لازم ہو جاتا ہے کہ اُس کا سامنا کرے۔ انجام جو بھی ہو لیکن بین
بجا کر اس پہ ہاتھ ڈالنا، اُس کی پیشہ ورانہ ذمہ داری بن جاتا ہے۔ میری مثال بھی کچھ ایسے ہی تھی۔

اِدھر آج میری تیسری یا چوتھی رات تھی۔ سُبحان اللہ! چاندنی کی رُوپا رنگت اور ساگوان کی سلونی سی
سگندھ نے سمے کی سُمیا میں سکتہ گھول رکھا تھا۔ لگتا تھا یہ جنگل کا حصہ زمین پہ نہیں اُوپر دودھیا بادلوں کی دُھند میں
کوئی گم گشتہ جزیرہ ہے جو آکاش پہ تیر رہا ہے۔ چاندنی کے طلسموں نے ہر سُو خواب بکھیر رکھے تھے۔

انسان میں جتنے بھی حواس موجود ہیں اُن کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسری باطنی! جیسے
ایک گہرائی ہوتی ہے اور دوسری گیرائی! ایک آنکھ ظاہری ہے دوسری باطنی! خوشبوؤں، بدبوؤں کو ناک بھی سونگھتا

Scanned with CamScanner

ہے اور باطنی قوت شامہ بھی سونگھتی ہے۔ اللہ اور بندے کی بنائی ہوئی ہر وہ مشین' جس میں بگاڑ پیدا ہونے کی صورت میں جان ایمان کے جانے کا خطرہ ہو...... ڈبل سسٹم بنائے گئے ہیں۔ ایک نظام مخدوش ہونے پہ دوسرا نظام خود بخود اس کی جگہ لے لیتا ہے۔''

مجھے ایک مخصوص' برائے نام سی خوشبو نے چوکنا کر دیا۔ اندر کی سماعت نے بڑے ہلکے سے سگنل بھی موصول کیئے۔ میں خبردار ہو گیا۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے ہوں گے کہ میں نے ریچھ کی بے صوت کراہ نما آواز سُنی...... یہ آواز بھی میرے اندر کی سماعت نے سُنی تھی۔ کراہ سنتے ہی میں نے اپنے حسیاتی' جسمانی' وجودی اور باطنی یعنی چاروں نظام' خودکار کر دیئے۔

اس کی مثال ہوائی جہاز کی سی ہے جب جہاز کا پائلٹ' غیر موافق موسم' بارش طوفان آندھی یا دُھند میں خود کو بے بس پاتا ہے تو وہ آخری چارہ کے طور' جہاز کا خودکار نظام بیدار کر دیتا ہے اور پھر سب کچھ خدا اور بندے کے بنائے نظام کے سپرد کر کے خود کو علیحدہ کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ مطلب یہ نکلا کہ جب انسان اپنے علم ذہانت تجزیہ تدبیر و کوشش کو بے بس ہوتے ہوئے دیکھتا ہے تو کمال عجز سے اپنا معاملہ خدا' تقدیر اور ایسے موقع پہ کام آنے والے نظام کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ اللہ کی مشیئت و تقدیر کی امان میں ہوتا ہے۔''

ہماری بڑی بوڑھیاں کہا کرتی تھیں'' اللہ دے سپرد''...... ''اللہ دے حوالے'' یہ تین لفظ کتنا بڑا کام کرتے ہیں۔ یہ تقویٰ اور توکل کے تکیئے ہیں۔ جنہوں نے اِدھر ٹیک لگائی وہ عافیت دامن میں ٹک گئے۔ میں نے بھی خود کو خدا اور اپنے خودکار نظام کے سپرد کر دیا تھا۔

روشنی چاہے چاندنی ہو' کسی چہرے...... آفتاب یا اُمّ الکتاب کی...... وَلی یا نور و تجلّی کی...... آڑ اَوٹ کی متقاضی ہوتی ہے۔ جیسے کسی چاند چہرے کے لیے نقاب...... کسی سَرِ سراب' سوز اور سَم کے لیے حجاب ضروری ہوتا ہے۔ چاند کا بادلوں کی اوڑ اور چہرے کا چلمن کی اَوٹ میں ہونا یا رہنا...... کتنا اور کیسا منظر پیش کرتا ہے۔ یہ تو کوئی نگاہ و اَدا والا ہی بتا سکتا ہے؟

اِدھر سمٹے ہوئے کھڑے ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ میں نے پھر کراہتے ہوئے بھالو کی مدھم سی آواز سُنی...... اس آواز میں اک عجیب سی فریاد' بلاوا اور کرلاہٹ تھی...... میں ابھی اس آواز کے سیاق و سباق پہ غور ہی کر رہا تھا کہ میری بائیں جانب' جدھر شاف کا بیرکس تھا...... ایک ہیولا اپنی جانب بڑھتا ہوا نظر آیا۔ اس کی رفتار میں تیزی والہانہ پن تھا۔ جیسے اُسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہو۔ میں مزید سمٹتے ہوئے اَوٹ میں ہو گیا۔

اگلے چند لمحوں میں وہ بڑی سی سفید چادر والا ہیولا میرے سامنے سے خراماں خراماں گزرتا ہوا لکڑی

Scanned with CamScanner

کے بوسیدہ ناور کی جانب بڑھ گیا۔ میں اب اوٹ سے نکل کر باہر دیوار کے سائے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

سپید چادر کھلی ہوئی چاندنی اور چاندنی کا حصہ ہی معلوم ہوئی۔ چند ثانیوں بعد وہ بھی میری نظروں سے غائب ہوگئی۔ مزید جاننے کی خاطر میں بڑھتا ہوا کچھ اور آگے نکل آیا۔ ادھر اُدھر غور سے دیکھنے کے بعد بھی جب وہ ہیولا مجھے دکھائی نہ دیا تو میں آہستہ آہستہ ٹک اُٹھاتا ہوا ناور کے پاس پہنچ گیا...... ادھر بھی کچھ نہ تھا۔

اچانک مجھے فضلہ جلانے والی بھٹی کے ساتھ باڑ میں اَڑی چادر اور نیچے بائیں پاؤں کا سلیپر دکھائی دیا۔

میرا شک درست ثابت ہوا...... یہ جو کچھ میرے سامنے پیش آیا اس کا ادراک مجھے پہلے دن سے ہی ہو چکا تھا لیکن یہ کچھ صاف نہ تھا۔ اب یہ چاندنی رات' شب کے بھیگے ہوئے دوسرے پہر کا آخری مرحلہ! جب چاند اپنی لیک چھپک میں ہلکی سی لہک بہک لاتا ہے۔ ایسی ہی پونم کی رات' ایسے پہر کے اختتام پہ اسے ''گوڑا لگنا'' شروع ہوتا ہے۔''

طوائف عہدِ جوانی میں ایسا عذاب نہیں ہوتی جتنی وہ عہد' درمیانی'' میں ''ردِ ثواب'' ہوتی ہے۔ کڑاہی میں دودھ کناروں سے نہیں درمیان سے اُبلتا ہے۔ سورج بھی نصف النہار پہ اپنی جولانی دکھاتا ہے۔ کچا اور پکا' دونوں غلط! اصل صحیح تو کچ اور پک کے درمیانی دور! جوانی کی شادی' شہزادی کی طرح...... اور عشق! مشک کی مانند...... اُدھیڑ عمری یعنی کچے پکے بال؟ موا مایا کا جال! پریم پال؟ راجہ اندر کی سبھا چوپال......!

یہ اینگلو انڈین مہلا' جسے میں نے پہلے دن میس میں ڈائننگ ٹیبل کی آخری نشست پہ بیٹھے اپنے آپ میں مگن دیکھا' تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ میں اپنی تمام تر نام نہاد فضول سی بزرگی' درویشی' متانت وفطانت کے باوجود ریشہ خطمی ہوگیا تھا۔''

مرد تو مرد ہی ہوتا ہے وہ گیارہ سو برس کا بوڑھا ہو یا گیارہ ساعتوں کا نومولود بچہ! فقیہہ شہر ہو یا کوئی مجذوب فقیر...... وہ اوّل تا آخر' سوچ' نیت' خیال' رویے' سر سے پاؤں تک مرد ہی مرد ہوتا ہے۔''

؎ گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے...... والی بات ہوتی ہے۔

ایک کہاوت ہے مرد کی آنکھوں اور عورت کی زبان سے جان' سب سے آخر میں نکلتی ہے۔

- **برگِ نباط جو بگڑا تو برگِ حشیش بنا......!**

میرا ''آٹو پائلٹ'' لگا ہوا تھا۔ کوئی ارادہ' مقصد کچھ بھی تو نہ تھا اور نہ ہی کسی خطرے یا احتیاط کا احساس کہ رات کا یہ وقت' کھلی ہوئی چاندنی' آس پاس' دور دراز ہر نظر آنے والی شے پہ اک فسوں طاری...... باڑ اور

Scanned with CamScanner

اس کے پار گھنا جنگل' کسی جنگلی بھالو کے کراہنے کی آوازیں......! وہ پُراسراری خوبصورت عورت' جو عورت اور ڈاکٹر سے پرے کوئی ''حسین بلا'' دکھائی دیتی تھی۔ اس ہیئت نے اُس کا' باڑ کے اُدھر نکل جانا...... یہ سب کچھ بہت ہیجان خیز اور پُراسرار تھا۔ لیکن جب کسی معاملہ میں عقل و دانش کام کرنا چھوڑ دیں تو پھر بندۂ اللہ اور حالات کے سپرد ہوتا ہے۔ فی الوقت میرا ابھی یہی حال! کہ میں قدرے جھکتے ہوئے' باڑ کے شگاف میں داخل ہو چکا تھا اور یہ بھی ایک اَمرِ واقعہ! کہ مجھ سے پہلے اِدھر ہی سے وہ شعلہ رُو بھی گزر چکی تھی۔

کہتے ہیں کہ آسمانی بجلی جدھر ایک بار گزر جائے تو وہ راستہ اس کے لیے کُوئے یار کی طرح ہو جاتا ہے۔ جنوں جب خیزاں ہوتا ہے تو اندیشۂ سود و زیاں' خدشۂ رسوائی' اس کے روبرو لرزاں رہتا ہے۔ جنگل تو وحشت و دہشت کے دنگل ہوتے ہیں۔ دن کے اُجالے میں سورج کی کرنیں اس کے اندر جھانکنے سے گریزاں ہوتی ہیں...... ہوائیں' پاگل خوشبوئیں بڑی ڈری ڈری سی قریب سے گزرتی ہیں...... کہ جنگل انہیں زبردستی جگنو بنا دیتا ہے۔ جنگل کی جبلت نہیں جبڑے ہوتے ہیں وہ پکڑتا نہیں جکڑتا ہے۔ اس کا جسم نہیں وجود ہوتا ہے۔ دفعہ یا تعزیر نہیں صرف قانون ہوتا ہے۔ اپنے فیصلے خود کرتا ہے...... اس کے ہاں باشندے نہیں ہوتے۔ درندے چرندے اور پرندے ہوتے ہیں۔''

میں باڑ پھلانگتے ہی انسانی معاشرے کی اخلاقی بندشوں سے آزاد ہو کر جنگل کے اَزلی' اَبدی' حقیقی' فطری قانون کی عملداری میں داخل ہو چکا تھا۔ جدھر کسی سیاست' منافقت' ریاکاری' جعلسازی' اقرباپروری' کرپشن' رشوت اور بھتہ خوری' بلیک میلنگ کا کوئی تصور نہیں...... گدھے' بچھڑے' ہرن' نیل گائے' زیبرے زرافے کے گوشت میں ملاوٹ نہیں ہوتی' پانی اور پھونک نہیں بھری جاتی۔ جدھر بے توقیر اور جعلی کرنسی نہیں ہوتی' مہنگائی نہیں اور نہ ہی گیس بجلی کے بل دُگنے تگنے آتے ہیں۔ غیر ملکی فرنچائز دکھائی دیتی ہیں اور نہ مہینوں برسوں پرانی غذائی اشیاء کوئی استعمال کرتا ہے۔ جنگل میں بقا کا یہی اُصول ہے کہ جہاں آپ کا زور چلتا ہے' چلا دو! جس میں قطعی کوئی لپٹی نہیں ہے...... مقدمہ' نہ تھانہ' کچہری...... ساری بات زور اور ذور کی ہے؟

چند ہی قدم آگے بڑھا تو گھاس پہ مجھے سلیپر کا دائیں پاؤں بھی پڑا ہوا نظر آیا۔ دراصل سلیپر کے ''اپر'' پہ مصنوعی نگینے لگے ہوئے تھے جو چاندنی میں چمک رہے تھے۔ میں نے اسے نظرانداز کر دیا مگر یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ فتنہ ساماں ''اَبلا پری'' اس رُخ پہ ہی آگے کہیں گئی ہے۔ کچھ قدم مزید آگے بڑھا تو میرے نتھنوں نے ایک مخصوص وحشی سی بُو محسوس کی...... ایسی بُو ریچھ' اُونٹ' مارخور' کالی بھیڑ' ترکش دُنبہ (چکی والا) یا جنگلی بیل بلّے سے خارج ہوتی ہے اور ایسے موسم یا دنوں میں جب وہ نسل افروزی پہ مائل ہوتے ہیں۔ یہی حال ایسے مرد و زن کا بھی ہوتا جن میں جنسی رُجولت' بشری تقاضوں سے سوا ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال نو بکرے کی

Scanned with CamScanner

ہے۔ جس کی بُو برداشت سے باہر ہوتی ہے اور اس حالت میں بڑی غلیظ حرکات کا مرتکب ہوتا ہے۔''

کتنے خیرے بسے ہوئے آٹے سی بدبو! جو انسان وحیوان کی جنسی غدود میں ضرورت سے زیادہ ہیجان بپا ہونے سے عود آتی ہے اور پھر پسینہ اور سانس کے ذریعہ خارج ہوتی ہے۔ انسان کے علاوہ کچھ پرندوں جانوروں کی بھی قوتِ شامہ اور جبلّی حیوانی صلاحیتیں غیر معمولی ہوتی ہیں۔ موسم حالات' ارضی وفلکی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ان کی نفسانی خواہشات میں ہیجان پیدا ہونا ایک وقتی امر ہوتا ہے۔

چاندنی رات کا فسوں! ابنارمل افراد کو بے خود کر دیتا ہے۔ وہ آپے سے باہر ہو کر غیر مرئی اثرات کے زیر اثر آ جاتے ہیں کہ انہیں کچھ خبر نہیں ہوتی کہ وہ کیا کر رہے ہیں یا ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

چاندنی رات میں وقت ٹھہر جاتا ہے۔ راہ سفر منزل عمل' ارادہ' مقصد' مطلب کچھ بھی تو آپ کی توقع کے مطابق نہیں ہوتا۔ سراب کی طرح' خشک اندھی دلدل کی مانند!

میں ریگستان میں اک شکستہ پا' بھٹکے ہوئے مسافر کی مانند' کسی انجانی مسافت پہ تھا۔ مقصد' منزل انجام سے بے نیاز' آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا نہ راہ میں کسی گم دلدل کی فکر اور نہ بھٹک کر کسی اچھے برے انجام کا خطرہ؟...... بس! ایک ہی سودا کہ یہ خوبصورت عورت...... اس طرف جنگل سمت...... کس مقصد کے لیے گئی ہے؟ کیسی بات' میں یہ سب کچھ اچھی بھلی جانتا بھی تھا...... لیکن کیا کیجیے کہ انسان کبھی کبھی خود کو بھی اندھیرے میں رکھنا اور بے خبری کی چادر اوڑھے پڑے رہنا پسند کرتا ہے۔ جان بوجھ کر احمق بنا رہتا ہے۔ یہ بھی ایک طرح کی خود تملذزی ہوتی ہے۔ ازل سے لے کر ابد تک! جو بھی تھا' ہے اور ہوگا؟ مکمل پوری ہم' اس کے اندر فیڈ ہے کوئی کام لے یا نہ لے...... اسے استعمال کا ڈھنگ آتا ہے یا نہیں...... یہ الگ بات ہے؟

کچھ ہی دور آگے بڑھا ہوں گا کہ دلخراش سی غرغراہٹ نے مجھے مزید آگے بڑھنے سے روک دیا۔ یہ خونخوار ریچھ کی آواز تھی۔ ایسی آواز جو کسی کی مداخلت یا ناپسندیدگی کو محسوس کرتے ہوئے نکلتی ہے۔ مجھے خبردار کیا گیا کہ مزید آگے نہ بڑھنا! واپس پلٹ جاؤ۔''

ویسے بھی آگے انتہائی گھنے درختوں کا ذخیرہ شروع ہو چکا تھا...... جنگلی چیڑ اور صنوبر! چیڑوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو پرانے اور چھتنار ہوتے ہیں ان کی بڑھوتی تمام ہو چکی' یعنی اپنی بلوغت پوری کر چکے ہوتے ہیں۔ دوسری قسم چھوٹے یا بچے پیڑ ہوتے ہیں جن کا پھیلاؤ ابھی نیچے ہی ہوتا ہے۔ ان کی پھیلی ہوئی خاردار شاخیں' گزرتی ہوئی ہوا کو بھی زخمی کر دیتی ہیں۔ انسان یا کسی جانور کا گزرنا آسان نہیں ہوتا۔ ادھر پاس ہی رُک کر میں نے ناک سے فضا کو سونگھا...... دھیان دیا تو محسوس ہوا...... یہیں قریب ہی وہ عورت آشنا ریچھ اور متلاطم رجولت جفت' اینگلو انڈین مہلا محو اختلاط و وصال ہیں۔

Scanned with CamScanner

''سونگھنت'' بھی ایک ہنر یا ہے۔ ایک ایسا علم جو وہبی بھی ہوتا ہے اور موروثی بھی...... اسے سیکھا بھی جا سکتا ہے۔ اپنے دیہوں شہروں میں کھوجی ہوتے ہیں جن کے ہاں کھوج لگانے کی بے پناہ موروثی طاقت یا فن ہوتا ہے۔ جدھر انسانی سائنسی نئے اور آلات کام نہیں کرتے وہاں یہ ان پڑھ سیدھے سادے دیہاتی کھوجی اپنے جوہر دکھاتے ہیں۔ اسی طرح سونگھے اور ڈھونگے بھی ہوتے ہیں...... یہ فنون و علم کتابی اور اکتسابی نہیں بلکہ نسل در نسل اور سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہے یعنی خداداد ہوتا ہے۔

جنگلی جانور درندے ہوں یا بے ضرر چوپائے فطری بات ہے کہ وہ جنسی عمل کے دوران انسان تو کیا کسی ہم جنس کو بھی اپنے قریب دیکھنا یا اس کی مداخلت پسند نہیں کرتے...... مشتعل ہونے پہ مرنے مارنے پہ تل جاتے ہیں۔ جنگل کے وسیکوں میں ریچھ ہی ایک ایسا جانور ہے جس کی رہت بہت اور زندگی بسر کرنے کے دیگر طور طریقے عائلی قبائلی اور نفسیاتی جنسیاتی رویے بہت حد تک انسان سے ملتے ہیں۔ حیران کن حقیقت یہ ہے کہ واحد جانور جسے آپ ایک درندہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اپنے قبیل سے ہٹ کر انسان کے بھی بے حد قریب آ جاتا ہے۔ خاص طور پہ خوبصورت عورتوں کے لیے اپنے اندر بے پناہ انسیت اور محبت کے جذبات محسوس کرتا ہے۔ اگر اسے کوئی عورت پسند آ جائے تو اسے حاصل کرنے کی خاطر یہ کچھ بھی کر سکتا ہے؟

ہالی وڈ کی شہرہ آفاق فلم ''کنگ کانگ'' اسی موضوع پہ تھی۔ اس کے علاوہ بہت سی کتابیں ناول اور فلمیں اسی موضوع پہ موجود ہیں اور کئی ایک ایسے آنکھوں دیکھے سچے واقعات بھی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ریچھ یا بن مانس کسی عورت پہ فریفتہ ہوتا ہے تو اس کو حاصل کرنے کی خاطر وہ کیا کچھ کر گزرتا ہے۔

امریکہ میں پرانے شکاریوں کے میگزین میں ایک شکاری کی سچی کہانی چھپی تھی...... آسام کے جنگلوں میں شکار کے دوران اسے ایک عورت کا سراغ ملا جو اک زمانہ سے ایک ریچھ کی کچھار میں اس کی بیوی کی حیثیت سے رہ رہی تھی۔ یہ شکاری اسے محسوس کرائے بغیر کئی دن اس کی ریکی کرتا رہا اور ساتھ ساتھ اس کی تصویریں بھی بناتا رہا۔ خوبصورت عورت لباس سے بے نیاز! اس کی وضع قطع بھی بدل چکی تھی۔ ہاتھ پاؤں چہرے پہ ہلکے ہلکے بال تھے بے تحاشا بڑھے ہوئے ناخن...... ریچھوں کی طرح غراتی بھی تھی۔

شکاری لکھتا ہے وہ گھر بستن عورت کی طرح زندگی بسر کر رہی تھی...... اس کا ریچھ شوہر جنگل سے پھل پھول اور دیگر کھانے پینے کا سامان لاتا...... اور بھی بہت سی باتیں! جن کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔ مقصد یہ بتانا تھا کہ شواہد ثابت کرتے ہیں کہ انسان اور غیر انسان جن جانور ماورائی طبیعاتی اور دیگر ارضی و افلاکی مخلوقات کے مابین ایسے معاملات ہوئے جو غیر فطری جبلی اور غیر جنسی تھے مگر کیا کہیے؟ یہ سب کچھ! جو سمجھ میں آتا ہے اور جو نہیں آتا...... تسلیم کیے بن کوئی چارہ نہیں۔'' ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے؟''

Scanned with CamScanner

مخلوقات میں جو کچھ بھی اُس کی پہچان شناخت! اُس کے ظاہر و باطن اثرات و تحرکات اور خوشبو' بدبو سے ہویدا ہوتی ہے۔ انسان ہو یا حیوان' حجر ہو یا شجر' سمندر میدان صحرا' جنگل ذخیرے یا جزیرے' ارض و فلک' خلاء ہوا...... جو کچھ بھی ہمارے دائیں بائیں' آگے پیچھے اُوپر نیچے موجود ہے؟ ہم سب کے اندر فیڈ ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں' جانتے پہچانتے ہیں۔ ہم سب آپس کی خُووں خوشبوؤں سے آشنا ہیں کہ ہم سب کی اساس "کن" ہے۔

جیسے مَیں اُس کی "مانس بُو" کی زد میں تھا اِسی طرح وہ بھی میری "جانس بُو" کے حصار میں تھا۔ ہم دونوں کے "جنٹل" قسم کے پیغام اِک دوسرے تک پہنچ چکے تھے۔ ایسے پیغام' جو کسی حتمی معرکہ کے بپا ہونے سے قبل اتمام حجت کے طور تقسیم ایک دوسرے سے "شیئر" کرتے ہیں۔ اب ایک قدم بھی آگے بڑھنے کا مطلب ٹکراؤ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ میرے پاس "یس اور نو" کے انتخاب کے لیے صرف اور صرف چند سیکنڈ تھے۔

آٹو پائلٹ نے میرے کرافٹ کا رُخ واپس کیئی نُوریم کی جانب موڑ دیا تھا۔ مَیں اُنہی قدموں پہ واپس پلٹ آیا...... میرا دماغ ایسا سُن ہو چکا تھا جیسے مَیں کئی برس برف زاروں میں منجمد رہنے کے بعد لوٹا ہوں۔ اسی آٹو پائلٹ نے مجھے میرے بیڈ پہ ڈال دیا۔ جدھر مَیں دن چڑھے تک بے سُدھ سا پڑا رہا۔ کسلمند سا اُٹھا کہ واش روم جانا تھا۔ انگڑائی توڑتے ہوئے کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ باہر نرم نرم دھوپ کھلی ہوئی تھی۔ یہیں گزشتہ شب کی چاندنی' اس کی فسوں خیزی' وہ ابابیل' جو جنگل میں اُتر گئی تھی' جدھر ایک عورت آشام رہتی تھا؟

کچھ واقعات و معاملات' آغاز اور انجام...... لکھنے لکھانے یا بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتے...... یہ وہ نا آسودہ' نامحرم' ناخلف کتھائیں ہوتی ہیں جو بے کفن و قبر ہی کہیں دبا دی جائیں تو بہتر رہتا ہے۔"

- وقت کرتا ہے پرورش برسوں' حادثہ ایک دم نہیں ہوتا......!

میرے پاس ایک گمنام لڑکی نے' کوئی پچاس صفحوں کا خط بھیجا۔ اُس کے پہلے صفحہ پہ التجا لکھی کہ مَیں اس خط کو ضرور پڑھوں۔ گو مَیں موصولہ خطوط بالکل نہیں پڑھتا' سیکڑوں خطوط پڑھنے کے لیے وقت اور حوصلہ چاہیے۔ لوگوں کے نجی معاملات میں جھانکنا میرے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ مَیں شروع کی دو چار لائنیں بصد دقت پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جو عام طور پہ ایک سے مضمون پہ ہی مبنی ہوتی ہیں یعنی مجھ سے اپنی عقیدت کا اظہار وغیرہ! ہاں' کوئی ایسا ملفوفہ' خطوط' جو مجھ سے چمٹ جائے' میری تمام تر توجہ سمیٹ لے' مجبور کر دے کہ مَیں اُسے آخری لفظ تک پڑھوں۔ اُسے پھر مَیں نہیں' بلکہ وہ خود اپنے آپ کو پڑھتا ہے' مَیں صرف سُنتا ہوں۔

کوئی دیہاتی لڑکی تھی۔ نام اُس کا رانی فرض کر لیں۔ باپ فوجی تھا۔ مشقوں کے دوران' دونوں ٹانگیں اور ایک بازو کٹوا' پنشن لے کر گھر بیٹھ گیا۔ ایک چھوٹا بیٹا اور ایک بڑی یہ رانی..... گھر کے ایک کمرے میں چھوٹی سی ہٹی ڈال کے زندگی کے دن پورے کرنے لگا۔ رانی کو ابھی شادی کی عمر میں نہ تھی مگر تھی تو ہاتھ پیروں والی قبول صورت لڑکی ..... گھر میں کوڑے کوڑے غریبی' اوپر باپ اپاہج ہو کر چارپائی پہ پڑ گیا۔ ماں' ان پڑھ' بھائی چھوٹا۔ بیساکھیوں کا سہارا لے کر باپ نے رانی کو دکان پہ بٹھا دیا۔ اس کا بیٹھنا تھا کہ اوباش لڑکوں نے آنا جانا شروع کر دیا۔ رانی نے باپ کے آگے ہاتھ جوڑے کہ یہ کام اس کے بس کا نہیں۔

نتیجہ یہ نکلا دو تین مہینوں میں دکان کی راس پونجی' کچھ تو گھر کھائی گئی' باقی اُدھار کھاتے نکل گئی۔ چند میٹھی گولیاں' چائے کی پڑیاں' چند سیر دالیں اور دو توڑے آٹا پڑا رہ گیا۔ دو تین ہفتوں میں یہ سامان بھی پیٹوں میں اُتر گیا۔ اس سے اگلے ماہ' ماموں نے پچاس ہزار مانگ لیے کہ اُس کا بیٹا باہر جا رہا ہے۔ شاید اُس کی نظر' ان کی دو بھینسوں پہ تھی۔ ایک دودھ والی' دوجی گابھن ..... ان کے انکار پہ اُس نے منگنی توڑ دی بلکہ تعلقات بھی منقطع کر لیے۔

مصیبتوں پہ مصیبتیں..... باپ کی نوکری' ٹانگیں گئیں۔ چار پیسے جو ملے تھے وہ دکان کی ڈائن کھا گئی۔ منگنی ٹوٹی سو ٹوٹی سگے ماموں نے بھی پچاس ہزار نہ ملنے کی وجہ سے منگنی توڑ کر اس کے ٹوٹے لنگڑے باپ کے نیچے سے بیساکھیاں بھی کھینچ لیں۔"

باپ کی معمولی پنشن اور دو چار کلو دودھ سے پانچ پیٹوں کو بھرنا' جب مشکل پڑا تو رانی نے والدین کی مخالفت کے باوجود تین ماہ کا ابتدائی کورس مکمل کر کے خاندانی منصوبہ بندی کے محکمہ میں نوکری کر لی۔ اپنے علاقہ کے گاؤں میں گھر گھر جا کر انہیں بچوں کی غیر ضروری پیدائش کے بارے آگاہی بہم پہنچانا اُس کا کام تھا۔ اس نوکری میں چونکہ گھریلو عورتوں سے رابطہ اور واسطہ تھا اس لیے' اسے کوئی مشکل پیش نہ آئی اور زندگی کی گاڑی' لڑکھڑاتے ہی سہی' کسی نہ کسی طور گھسٹنے لگی۔"

رانی! دس جماعتیں پاس' قرآن پاک پڑھی ہوئی' صوم و صلوٰۃ کی پابند..... قبول صورت جوان لڑکی تھی۔ ماموں کے بیٹے عاطف کے ساتھ' بچپن ہی سے اس کا جذباتی لگاؤ تھا۔ مہینے بعد جب چھٹی پہ گھر آتا تو اِدھر پھوپھی کے گھر بھی ضرور چکر لگاتا۔ اگلی سنجیوں کی کٹائی پہ ان کی شادی کا پروگرام تھا۔ اچانک اس کا باہر جانے کا پروگرام بن گیا۔ چار لاکھ میں بات ہوئی تھی۔ جمع پونجی اور کچھ قرض حاصل کرنے کے بعد بھی پچاس ساٹھ ہزار کم پڑ گئے تو ماموں نے اپنی بہن کو بھینسیں بیچ کر پچاس ہزار فراہم کرنے کا مشورہ دیا۔ ان کے انکار پہ اُس نے منگنی توڑ دی اور کسی اور انتظام سے رقم کا بندوبست کر کے لڑکے کو یونان بھیج دیا۔ وقتی طور پہ

Scanned with CamScanner

عاطف کو بھی اپنی پھوپھی کا انکار بُرا لگا تھا۔ اُن کی بیٹی کے ساتھ شادی طے تھی' آخر اُن کو بھی کچھ جتھہ پتا مارنا چاہیے تھا۔ بھینسیں پھر خریدی جا سکتی تھیں۔ منگنی ٹوٹنے کا اسے رنج ضرور ہوا تھا مگر وہ باپ کے موقف کو دُرست بھی سمجھتا تھا۔"

فیصلے غلط ہوں یا دُرست' زندگی اپنے منطقی انجام کی جانب اُلٹم پُلٹم بڑھتی رہتی ہے...... گو صحیح یا غلط فیصلوں کے اثرات بھی ساتھ ساتھ ظاہر ہوتے رہتے ہیں مگر رواں وقت کا مرہم' ان زخموں کے نشانوں کو ساتھ ساتھ مندمل بھی کرتا رہتا ہے۔ یہی زندگی کا اُصول ہے۔ انسان وقتی طور پہ شدت محسوس کرتا ہے آہستہ آہستہ وہ نارمل ہو کر گزری باتوں کو بھول جاتا ہے۔ یہ کچھ نہ ہو تو انسان کبھی خوش نہیں رہ سکتا' ہمیشہ سُلگتا رہے...... جل جل کر کوئلہ ہو جائے۔ زندگی رہٹ سے کتنی مشابہ ہے۔ خالی ٹنڈیں پانی میں اُترتی ہیں...... لبالب بھری ہوئی اُوپر پہنچتی ہیں۔ پیاسوں کو سیراب کر کے نیچے' پھر اُوپر...... خالی اور بھرے کا چکر ہی زندگی ہے...... ان دونوں کی ٹنڈیں بھی خالی ہو چکی تھیں۔ وقت اُنہیں بڑی تیکھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

رانی نے بڑی جانفشانی سے اس فیلڈ میں اپنے لیے جگہ بنائی تھی۔ محکمہ اور متعلقہ عملہ اس کی عزت کرتا تھا...... اُس کا کام ہی مختلف دیہاتوں میں پہنچنا اور گھروں میں عورتوں کو خاندانی منصوبہ بندی کے بارے آگاہی دینا تھا۔ وہ گھڑے پٹے پروفیشنل انداز میں ہی بریف نہیں دیتی تھی بلکہ فطرت صحت کے اُصولوں' خدا رسول اور قرآن' عورت اور اُس فعال کردار کے متعلق بھی ضرورت کے مطابق' بات کرتی تھی...... اس کے علاوہ وہ اُن کے دیگر گھریلو مسائل بھی شیئر کرتی' غرضیکہ وہ گردونواح میں بڑی وقعت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

کچھ عرصہ بعد تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گیا۔ بھائی تیسری سے چوتھی جماعت آ گیا۔ کچھ پیسے جمع کر کے باپ کو تین پہیوں والی سائیکل بھی لے دی۔ موسم بدلنے پہ اندر چھتی کے بستروں کو دھوپ بھی دکھا دی تھی۔ ماں نے ہمسائی سے کوٹھے کی لپائی کے لیے بھی کہہ رکھا تھا۔ لگتا تھا کہ ٹنڈوں میں اب کچھ پانی آنے لگا ہے۔ اگر کوئی ٹنڈ خالی تھی تو وہ عاطف کے نام تھی......!

لگ بھگ ایک سال بیت چکا تھا۔ ماموں نے تو کبھی مُڑ کے بھی نہ دیکھا۔ عیدیں شبراتیں بھی خالی گزر گئیں۔ یونان والے عاطف نے نہ کوئی خط' پتر' ٹیلیفون! وہ تو جیسے بھول ہی چکا تھا کہ کبھی وہ رانی نام کی کسی لڑکی سے بھی واقف تھا۔ اتفاق سے جو اُس کی پھوپھی زاد بھی تھی' شادی کا وعدہ کیا تھا۔ کتنی اپنائیت دی۔ ایک ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں۔ اپنے سچے پیار کی یادگاری کے لیے کتنے تحفے دیے تھے۔ اس کی چھنگلی میں ابھی تک اُس کا پہنایا ہوا چھلا موجود تھا۔ وہ کبھی کبھی سوچا کرتی۔ کیا پیار محبت' وعدے رشتے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جب چاہا انہیں توڑ دیا جائے تو پھر انسانیت اپنائیت اور آپس کی رشتہ داری کیا چیزیں ہیں؟

Scanned with CamScanner

ماموں کو اپنے جوان بیٹوں' موٹر سائیکل' اپنی زمین کا مان تھا۔ ہمارے پاس تو صرف بھینسیں تھیں۔ اُن کے دودھ سے چار افراد کا گزارہ ہوتا تھا۔ اگر ہم ان کو بھی بیچ دیتے کہ اس کا بیٹا' یونان چلا جائے تو پھر ہم کھاتے کہاں سے؟ وہ بھی تو اپنی موٹر سائیکل یا زمین بیچ سکتا تھا؟...... یہی کچھ سوچتے اور اپنے بیگانوں کے دُہرے معیار پہ آنسو بہاتے بہاتے' وہ اپنے اندر ہی اندر بہت گہری ڈوب جاتی۔ کوئی سہیلی یا رشتہ دار لڑکی بھی تو ایسی نہ تھی جس سے اپنا غم ہلکا کرسکتی' اپنے دل کی بات بتا سکتی؟

وقت' سُرعت کے پَر باندھے اُڑتا جا رہا تھا۔ قدرت کے اپنے رنگ' فطرت کے اپنے ڈھنگ...... نامعلوم احساس کے ساتھ' ہر شے تغیر پذیر ہوتی ہے۔ پتا بھی نہیں چلتا' بچے بڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑے' بڑھاپے کی جانب سرک جاتے ہیں اور بوڑھے' قبر کے سرہانے جا کھڑے ہوتے ہیں۔ دو تین سردیاں گرمیاں گزری ہوں گی کہ نئی کئی' اب اچھی خاصی دکھائی دیتی تھی۔ چھوٹا بھائی مجید' ساتویں کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا۔ فوجی باپ کی ایک آنکھ کا آپریشن ہو چکا تھا۔ ماں نے بھی عینک لگوائی تھی۔ ان مثبت تبدیلیوں کے ساتھ ایک تبدیلی یہ بھی آئی کہ رانی اب عنفوانِ شباب کی پریشان کُن منزل میں داخل ہو چکی تھی۔''

دیہاتی لڑکیاں جوان پہلے ہو جاتی ہیں اور بڑی بعد میں...... مگر اس کے ساتھ اُلٹ معاملہ ہوا تھا۔ گھر کی پریشانیوں اور معاشی بوجھ نے اسے وقت سے بہت پہلے بڑا کر دیا جبکہ ذہنی اور جسمانی طور پہ جوان اب ہوئی تھی۔ چھریرے بدن پہ ایسی بہار چھائی اور آنکھوں میں ایسا خمار اُترا کہ چلتا پھرتا مے خانہ بن گئی۔ حجاب تو وہ شروع سے ہی لیتی تھی مگر اب لگتا تھا کہ اُس کے شباب کے چمکارے' اب سرتاپا کالی عبا کے بس کی بات نہیں رہے۔ لعل گدڑی میں ہو یا جگنو بند مٹھی میں' چمکارے مارے بنا نہیں رہتے۔ پردے اور حجاب میں' شباب تو اور قیامت توڑ ہو جاتا ہے۔ خود کو احساس بہت بعد میں ہوتا ہے۔ دوسروں کو پتا پہلے چل جاتا ہے۔ ''ریشماں جوان ہو گئی ہے'' کے آوازے نعرے گلی گلی لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔''

اپنے گاؤں کے پاس والے تیسرے پنڈ' پیدل ہی جا رہی تھی۔ کراستے ماچھن نے بلوایا تھا۔ آٹھ بچوں کے بعد نویں بچے کی ابتدائی صورت تھی...... رانی' بڑے طیش میں تھی' پچھلے آٹھویں بچے کی پیدائش پہ ہاتھ جوڑے تھے کہ اب یہ بچوں والا سلسلہ بند کر دے تیرے رحم میں کینسر کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ یہ جینڈو مرد' عورتیں کب مانتے ہیں؟ اُن کا تو یہی ایمان ہے کہ جس روح نے آنا ہے وہ آ کر ہی رہتی ہے۔ اولاد کی پیدائش بند کرنا کفرانِ نعمت ہی نہیں گناہِ کبیرہ بھی سمجھا جاتا ہے۔ وہ اسی طیشم طیش میں جلدی جلدی پَگ اُٹھائے جا رہی تھی کہ آج کراستے ماچھن کی خوب خبر لے گی۔

صبح صبح کا وقت' راستہ بھی شارٹ کٹ' شارعِ عام نہ تھا کہ آنے جانے والوں کا سلسلہ جاری رہتا۔

Scanned with CamScanner

پیچھے سے ایک موٹر سائیکل تیزی سے آیا' اس کے قریب پہنچ کر آہستہ آہستہ اس کے برابر چلنے لگا۔ ایسے اوباشوں سے اکثر ایسی لڑکیوں کا واسطہ پڑتا رہتا ہے جو اپنی ضرورتوں کے ہاتھوں' باہر کہیں کام نوکری کرنے پہ مجبور ہوتی ہیں۔ سکول کالج کی لڑکیاں بالیاں بھی ایسے آوارہ لڑکوں سے نالاں ہوتی ہیں...... اکثر لڑکیاں' ان کے منہ نہیں لگتیں یہی کوشش ہوتی ہے کہ یہ ٹل جائے۔ کچھ منہ ماری بھی کر لیتی ہیں۔ بہر حال' یہ کچھ ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا...... رانی کو محسوس ہو گیا کہ کوئی آوارہ لڑکا' خالی رستے کا فائدہ اٹھا کر' چھیڑنے کی عادت پوری کرنا چاہتا ہے۔ رانی نے اُس کی جانب دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا اور نہ ہی اپنی رفتار میں فرق ڈالا...... وہ پتا نہیں کیا کچھ کہتا رہا جبکہ یہ زیرِ لب تیسرا کلمہ پڑھتی رہی۔ لڑکے نے آگے بڑھ کر موٹر سائیکل ترچھی کر کے اسے رُکنے پہ مجبور کر دیا۔ رانی کی نظر اچانک جو اس کے چہرے پہ پڑی تو وہ حیرت و پریشانی سے گھبرا سی گئی۔ اچانک اُس کے منہ سے نکلا۔

''تم! کب آئے......؟''

وہ بت بنے اُس کے بدلے ہوئے چہرے کو تک رہی تھی۔ جس پہ اب گھنی مونچھوں کا اضافہ تھا' بالوں کا اسٹائل بدلا ہُوا...... جسم نکھرا نکھرا سا...... جین اور ہاف شرٹ میں وہ' وہ عاطف ہی نہیں تھا جو تین برس پہلے اوکاڑہ کی ٹیکسٹائل مل میں مشین آپریٹر تھا۔ شلوار قمیص اور چپل کے علاوہ کبھی کچھ نہ پہنا تھا۔ اٹھائیس سو تنخواہ میں اُس نے کیا کیا خواب نہ دیکھے ہوں گے...... اُس کا ایک خواب' اسی رانی کے ساتھ شادی بھی تھا' جس کا اب راستہ روکے کھڑا تھا۔

''میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں...... میرے ساتھ چلو' کہیں علیحدہ بیٹھتے ہیں۔''

رانی نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

''میں اپنی ڈیوٹی پہ ہوں۔ سامنے والے گاؤں جا رہی ہوں۔ اس طرح میرا راستہ روک کر مجھے بات چیت کے لیے مجبور کرنا تمہارے لیے مناسب نہیں۔ کچھ بات ہی کرنی ہے تو گھر آؤ۔ وہاں میری ماں سے جو کہنا ہے کہو۔'' اتنا کہہ کر وہ جانے لگی تو عاطف نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

''میں نے سنا ہے کہ تم نے منصوبہ بندی والوں کی نوکری کر لی ہے۔ گاؤں گاؤں جا کر' عورتوں کو بچے پیدا کرنے سے روکتی ہو۔ یہ منصوبہ بندی والیاں اچھی نہیں ہوتیں...... پیسے لے کر حمل ضائع کرتی ہیں۔ اس منصوبہ بندی کی آڑ میں خود بھی عیاشی کرتی ہیں' مجھے پتا چلا ہے کہ تمہارے بھی کئی لوگوں سے تعلقات ہیں۔ میں تمہیں ایسے نہیں کرنے دوں گا۔''

رانی کو یوں لگا جیسے عاطف نے اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ اُنڈیل دیا ہو۔ آنکھوں میں

Scanned with CamScanner

ہو گیا۔ بغل کا دو داؤں والا سرکاری بیگ زمین پہ پھینکا۔ بازو چھڑا کر اک طوفانی تھپڑ اُس کے جبڑے پہ لگایا۔ اچانک غیر متوقع حملے سے بوکھلا کر وہ بے شدت پیچھے گرا۔ بھاری موٹر سائیکل اُس کے بازو پہ آ پڑی۔ کڑک کر کے بازو ٹوٹ گیا۔ ہائے ہائے کرتا ہوا لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ ٹینکی سے پٹرول رسنا شروع ہو گیا۔ اُس کے کپڑے بھیگ رہے تھے۔"

سچائی، صبر، یقین، کمزور کو بھی زور آور بنا دیتے ہیں۔ ظلم، استحصال اور بے انصافی، بڑے بڑے رستموں اور حاکموں کو بزدل اور برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اُس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اک غریب مسکین پینڈو لڑکی اُس کے ساتھ ایسا سلوک بھی کر سکتی ہے۔ وہ بھی اس کی سابقہ منگیتر اور پھوپھی زاد......؟

رانی نے ہاتھ جھاڑ کر اپنا بیگ اُٹھایا۔ اُس کے منہ پہ تھوکتے ہوئے اپنی چھوٹی اُنگلی سے چھلا اُتارا، اُس کے منہ پہ پھینکتے ہوئے کہا۔

"تم آج یہ ذلیل حرکت نہ کرتے اور بغیر تحقیق کیے مجھ پہ ایسے گھٹیا الزام نہ لگاتے تو یہ تمہارے پیار کی نشانی، میں ساری زندگی اپنی اُنگلی سے نہ اُتارتی۔ تم سو شادیاں بھی کر لیتے، میں پھر بھی تمہاری رہتی...... مگر نہیں تم اس قابل نہ تھے۔ تم جس قابل ہو وہ میں تمہارے ساتھ کرنے جا رہی ہوں۔ موٹر سائیکل سمیت اسی پٹرول سے تمہیں اور تمہاری گھٹیا ذہنیت دونوں کو یہیں جلا کر بھسم کر دوں گی۔ مکار! تم نے اس جگہ کا فائدہ اُٹھانا چاہا جس پہ آمد و رفت نہیں ہوتی۔ میں بھی یہی فائدہ اُٹھاؤں گی۔ جب تک کسی کو خبر ہو گی تم اپنے انجام کو پہنچ چکے ہو گے۔

مرنے سے پہلے یہ بھی سن لو۔ تم لوگوں نے منگنی اس لیے توڑ دی کہ ہم نے تمہیں باہر جانے کے لیے بھینسیں بیچ کر پچاس ہزار نہیں دیے۔ تم اور تمہارا مطلب پرست باپ کیا یہ نہیں جانتے تھے کہ میرا باپ معذور ہو چکا ہے۔ جو چار پیسے ملے تھے وہ دوکان کھا گئی۔ کوئی اور کمانے والا نہیں۔ ہم لوگ جئیں گے کیسے؟ انتقاماً تم لوگوں نے منگنی توڑ کر ہم سے مرنا جینا ختم کر دیا۔ تین سال سے کسی نے ہماری خبر نہ لی۔ ہم جیتے ہیں یا مر چکے ہیں؟ باپ تو چار پائی سے ہل نہیں سکتا۔ مجھے ہی کچھ کرنا پڑا، یہی آسان اور میری تعلیم کے مطابق کام تھا۔ اگر میں اس طرح چار پیسے کما کر گھر کی گاڑی کھینچ رہی ہوں تو اس میں بھی آپ لوگوں کو کیڑے دکھائی دیے۔ تم نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ اب میں اچھا کر کے کھاتی ہوں یا تمہاری گندی ذہنیت کے مطابق بُرا کر کے کماتی ہوں آپ کو کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔"

یہ کہہ کر اُس نے بیگ میں سے ماچس نکالی۔ اس سے پیشتر کہ وہ سلگاتی، جانے کیسے عاطف موٹر سائیکل

Scanned with CamScanner

کے پیچھے سے نکلا اور مخالف سمت بھاگ کھڑا ہوا۔
عاطف کے باپ نے بھی وہ کچھ سوچا تھا جو ایک پاکستانی باپ، موجودہ حالات میں اپنے کسی جوان بچے کے بارے سوچ سکتا۔ کھاریاں کے ایک ایجنٹ سے جو بھی انسانی اسمگلنگ کا دھندا کرتا تھا۔ چار لاکھ میں معاملہ طے کیا تھا۔ دو لاکھ پہلے اور دو لاکھ وہاں پہنچ کر...... روٹ وہی' کراچی' ایران' ترکی اور پھر یونان...... اسے خونی روٹ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے ناکامی کی صورت میں موت ملتی ہے۔ ایران' ترکی تک تو خیریت رہتی ہے آگے یونان تک سمندر اور پہاڑی علاقہ میں دیکھتے ہی گولی مار دیتے ہیں اور اگر کوئی پہنچ بھی گیا تو گمنام چوروں کی طرح ہی وہاں رہے گا۔ جب بھی پکڑا گیا تو سیدھا ڈی پورٹ ہو کر واپس کراچی...... جدھر پھر ذلالت' جیل رشوت...... تین برس بعد دوسرے چار بھگوڑوں کے ساتھ عاطف بھی پکڑا گیا۔ باپ اُسے کراچی سے چھڑا کر لایا' چالیس پچاس ہزار رشوت دے دلا کر عاطف گھر واپس آ گیا تھا۔ یہ تو خیر ہوئی کہ اس عرصہ میں اُس نے کسی بھی طرح پانچ چھ لاکھ گھر بھجوا دیا تھا۔ چلو فائدہ نہ ہوا تو نقصان بھی نہ ہوا؟
عاطف میں کچھ تبدیلیاں واقع ہو چکی تھیں۔ سگریٹ نوشی تو خیر کوئی بُرائی نہیں سمجھی جاتی...... وہ شراب پہلے چسکتا تھا اب پینے لگا تھا۔ آزادی ہو کوئی نگاہ رکھنے والا بھی نہ ہو۔ شراب اور سگریٹ کا ساتھ ہو...... جسم میں فالتو خون بھی ہو تو عورت نہ ہو' یہ کرائمز کچھ سمجھ میں آنے والی نہ تھی۔ مطلب یہ کہ برخودار عاطف میاں' وہاں خاصے سرگرم رہے۔ اب پاکستان آنا پڑا تو سگریٹ کے علاوہ دیگر خرافات کا حصول مشکل پڑا۔ اچھے کو اچھے بُرے کو بُرے ٹکر جاتے ہیں۔ پہنچتے ہی نئے پرانے دوستوں میں اُٹھنا بیٹھنا شروع ہوا...... باپ کو اس کی نئی بُرائیوں کا اندازہ ہو چکا تھا۔ چونکہ وہ باہر سے اچھی خاصی رقم بھیج چکا تھا۔ اس صدقے چشم پوشی کرتا رہا۔ سوچ رہا تھا کہ اسے اِدھر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کروا دے گا۔ نیا موٹر سائیکل لے کر دیا۔ لاہور سے اچھی خاصی شاپنگ کروائی۔ ٹیلیفون' گھڑی' فیشنی دھوپ والا چشمہ کہ گاؤں میں عزت بنی رہے۔
میاں بیوی نے بیٹھ کر اس کی شادی کا بھی سوچا۔ پہلے تو یہ تھا کہ اس کی ماں نے اپنی پڑھی لکھی بھانجی لانے کا پروگرام بنایا کہ پچاس ہزار اُنہوں نے دیئے تھے۔ عاطف نے پیسے بھیجے تو ماں نے کچھ زیور بھی بنالیا تھا۔ اب یہ ڈی پورٹ ہو کر واپس آیا تو اس کے بگڑے لچھن دیکھ کر لڑکی والے ٹال مٹول کرنے لگے۔ لڑکی' عاطف سے زیادہ پڑھی لکھی اور سمجھدار تھی۔ ان ہی کے گاؤں کا ایک اور لڑکا' جو اس کے ساتھ ڈی پورٹ ہوا تھا۔ اس کی زبانی کچھ ایسی باتیں سامنے آئیں جن سے عاطف کے ماں باپ تو لاعلم تھے مگر لڑکی والوں کے علم میں آ گئیں۔ عاطف کو وہاں جوا کھیلنے کی لت پڑ گئی۔ شروع شروع میں اُس نے خاصی رقم جیتی اور پاکستان والدین کو بھیج دی۔ پھر کبھی جیت کبھی ہار...... جو رقم وہ پاکستان بھیج چکا تھا وہ تو باپ کے قبضہ میں پہنچ گئی اور جو بار

Scanned with CamScanner

کے کھاتے میں گئی وہ ادھر اُدھر کا قرض تھا۔ اب اگر وہ اُدھر رہتا تو کسی نہ کسی طور وہ وہاں کا قرض چکتا کر دیتا۔ بدقسمتی کہ وہاں سے نکال دیا گیا۔ قرض جوں کا توں قائم رہا۔ لڑکی کے گاؤں والے لڑکے نے بھی اس سے خاصے پیسے لینے تھے جو اس نے باپ سے لے کر ادا کرنے تھے۔ باپ نے اس کی رقم سے زمین خریدلی تھی وہ خود بچاکھچا تھا بلکہ اس کو امیگریشن والوں سے چھڑانے پہ چالیس ہزار اُٹھ گئے...... موٹر سائیکل اور شاپنگ پہ علیحدہ والا کھ سوالا کھ نکل چکا تھا اور یہ رقم بھی اس نے بینک والوں سے سُود پہ لی تھی۔

دوپہر کے بعد رانی گھر لوٹی تو اُس کا انگ انگ دُکھ رہا تھا۔ حتیٰ کہ اُس نے کوئی بھاری مشقت کا کام بھی نہیں کیا تھا۔ بے اختیاری میں صرف ایک بھرپور تھپّڑ ہی توجڑا تھا۔ چارپائی پہ بیٹھتے ہی نیم دراز ہوگئی۔

''ماں! مجھے ایک پیالی چائے بنادے اور میرے بیگ سے دوٹکیاں اسپرین کی بھی دے دے۔ سر درد سے پھٹا جارہا ہے۔'' ماں چولہا گرم کرنے لگی تو یہ پھر بولی۔ ''پتا چلا ہے کہ تمہارا عاطف' خیر سے آیا ہوا ہے۔''

ماں' پھونکنی سے چولہے میں راکھ اُڑاتی ہوئی لاپروائی سے بولی۔

''اَب عاطفا آئے یا جائے کیا فرق پڑتا ہے۔ پر تمہیں کدھر سے پتا چلا؟''

اُس نے لیٹے لیٹے' آنکھیں بند کیے جواب دیا۔ آج صبح صبح وہی میرے متّھے لگا تھا۔ سڑک سے جانے کی بجائے 'میں' چھپڑ کی طرف سے نکل گئی کہ دھوپ تیز ہونے سے پہلے پہلے پنڈ پہنچ جاؤں گی۔ آگے اُعواناں دے رقبے کی طرف سے موٹر سائیکل پہ آیا میرا رستہ روک کر کہنے لگا۔ میرے ساتھ چل کوئی ضروری بات کرنی ہے؟''

کی ڈی سی ماں پوچھنے لگی۔ ''پھر کیا ہوا......؟''

''وہی جو آج کل ٹوئیں پیسے والے کرتے ہیں۔ میری بانہہ پھڑلی اور زبردستی موٹر سائیکل پہ بٹھانے لگا۔ میں نے ہتھ چھڑا کر ایک زوردا تھپّڑ ماردیا۔''

ماں نے چارپائی پہ اُس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''پھر......؟''

''پھر پتا نہیں کیا ہوا؟ میں نے کیا کہا اور اُس نے کیا سُنا؟ پھر اُٹھ کر بھاگ گیا۔''

''بھاگ گیا...... کدھر......؟''

''اگر وہ وہاں سے اُٹھ کر نس نہ جاندا تو ایس وقت تک اُہدیاں ہڈیاں سڑ کے سُواہ ہوگئی ہوتیں۔ میرا تھپّڑ کھا کے نیچے ڈگ پیا تے موٹر سائیکل وی اُہدے اُتے ڈگ پئی۔ پٹرول لیک ہوگیا سی میں ماچس جلا

کے پٹرول تے سٹن والی ساں کہ اُٹھ کے نچ گیا۔"

"ہائے نی وچھیئے! کی کرن گی ہیں......؟"

"بے بے! توں اگے اگے ویکھیں' میں اُنہاں نال ہور کی کی کراں گی؟ اچھا ہویا وہ سڑ یا نہیں۔ میں انشااللہ تیرے پیکیاں نوں اکٹھے ہی ساڑاں گی۔"

"نہ نہ وچھیئے! رب کولوں ڈر...... منگنی توڑن دی ایڈی وڈی سزا......؟"

"ماں! منگنی توڑن دی سزا نہیں میرے اُتے جھوٹے بہتان لان دی سزا اے۔ کہندا میں نوکری دی آڑ وچ بدکاری کرنی آں۔ دس ماں! میں کی کرنی آں؟...... دس......؟" وہ پھس پھس رونے لگی تھی۔

کرۂ ارض پہ ابھی بہت سی جگہیں' صحرا' سمندر' پہاڑ اور جزیرے ایسے ہیں جو ابھی دریافت ہونا باقی ہیں اور چند ایسے بھی انسان جنہیں کبھی دریافت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قدرت کے کارخانے میں سب کچھ انسان کے دائرہ اختیار میں نہ ہے۔ جو چیز اس کے دائرہ ادراک سے ماورا ہے وہ قدرت کا راز ہے۔ قادرِ مطلق جیسے چاہے جب چاہے اپنے کسی بندے پہ وہ راز کھول بھی دے وہ بے نیاز ٹھہرا......!

انسان بھی کبھی خود کو مکمل طور پہ دریافت نہیں کر پاتا۔ اس کے اندر کئی دُنیائیں' جہان' ارض و سما' چاند سورج ستارے پوشیدہ ہیں۔ ان میں سے ایک آدھ ہی اس کے قابو میں ہوتا ہے باقی تمام خزانے اس کے فہم و ادراک سے اوجھل رہتے ہیں۔ جس طرح پہاڑ ہیں' کسی سے سونا کسی سے تانبا چاندی...... کوئلہ ہیرے جواہرات بھی...... کچھ پہاڑ گیس تیل سے بھرے پڑے ہیں...... کسی سے سنگِ مرمر' کسی سے سنگِ خارا...... کالے' چٹے' سُرمئی' سبز' اودے بھی مگر ہوتے سب ہی پہاڑ ہیں۔ اسی طرح انسان کے اندر بھی مختلف فطرتیں' سرشتیں' خصلتیں' عادتیں' جبلتیں ہوتی ہیں۔ کچھ مثبت طرزِ فکر کی حامل اور کچھ منفی اندازِ عمل کی متقاضی!

ان کی بھی آگے کئی کئی جہتیں اور پرتیں ہیں۔ کب کیا کُھل جائے' انسان کس وقت' کس جہت کے زیر اثر ہوتا ہے۔ یہ کوئی نہیں جان پاتا؟ بیٹھا بیٹھا انسان' کوئی ایسی حرکت یا عمل کر بیٹھتا ہے جس کی اس سے دور دور تک توقع نہیں ہوتی یا کبھی اچانک اُس میں ایسی تبدیلی آتی ہے جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ ڈرپوک' بزدلوں اور کمزوروں سے ایسے کارنامے سرزد ہو جاتے ہیں کہ دیکھنے سننے والے یقین نہیں کرتے۔ غبی کند ذہن غیر حاضر لوگ بڑے بڑے اَدَق سوالوں کا درست جواب دے دیتے ہیں۔ اسی طرح بڑے شریف صوم و صلواۃ کے پابند حاجی نمازی لوگ' ایسی کوئی حرکت کر بیٹھتے ہیں کہ جو سنتا ہے' منہ میں اُنگلیاں داب لیتا ہے۔ انسان دریافتوں کا نام ہے۔ غلط' صحیح' اچھی بُری یہ الگ مسئلہ ہے!

رانی نے اُس عاطف والے معرکہ میں جو اپنے کردار کی خوبصورتی دکھائی۔ انسانی اور خونی رشتوں

Scanned with CamScanner

کے تقدس کو جس طرح پیش کیا۔ جس ایمانی طاقت اور انسانی جرأت کا مظاہرہ کیا...... ایک دیہاتی، کمزور، معمولی تعلیم یافتہ اور پس ماندہ کنواری لڑکی سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ رانی نے موقع کے مطابق اپنی اندر کی مطلوبہ قوت دریافت کر لی تھی۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی لڑکیوں پہ جن آتے ہیں۔ عامل لوگ جن نکالتے ہیں۔ لڑکی جو چٹّی ان پڑھ ہوتی ہے غیر ملکی زبانیں فر فر بولتی ہے۔ اس کی آواز کسی ڈھنگ قسم کے جن کی لگتی ہے۔ وہ آنکھیں نکال نکال بڑے غیر مانوس انداز میں گفتگو کرتی ہے کہ دیکھنے والے واقعی اس میں کسی جن کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اصل قصہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لڑکی یا فرد جانے ان جانے میں اپنے اندر کی ایک ایسی فریکوئنسی کی زد میں آ جاتے ہیں جس سے وہ پہلے واقف نہیں ہوتے۔ ایسی مطلوبہ فریکوئنسی کوشش یا مشق کرنے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی خود بخود بھی عود آتی ہے۔

درویشی یا خسروی......!

تھائی لینڈ کے ایک آشرم میں ایک رشی سے ملاقات ہوئی۔ وہ باطنی علوم کا ماہر تھا۔ نحیف و نزار...... کھانا پینا، سونا جاگنا جیسے اُس کے ہاں تھا ہی نہیں لیکن ہر وقت چاق و چوبند، مسکراتا چہرہ، محبت، پیار، خلوص و خدمت اُس کا وطیرہ تھا۔ میں جب اُس کٹیا میں پہنچا تو وہ ایک ننھے سے چیتے کے بچے کو دودھ پلا رہا تھا جبکہ چیتا اور چیتی ذرا دور بیٹھے اپنے دوسرے بچوں سے کھیل رہے تھے۔

میں نے پوچھ لیا۔ ”یہ کیا؟ یہ دودھ پلانے کا فریضہ تو اس کی ماں کا ہے۔“

مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔ ”ماں اور اس کی فریکوئنسی آپس میں نہیں ملتی، مجھ سے مل گئی ہے۔ اس طرح ماں کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ وہ دوسرے بچوں کو بھی خوشی دودھ پلاتی ہے، یہ چاٹتی جاتی ہے۔ بس اس سے نہیں بنتی۔ اگر اسے میں ماں سے الگ نہ رکھوں تو بہت ممکن ہے وہ اس کو ہلاک کر ڈالے۔“

میرا اگلا سوال تھا۔ ”کیا بگڑی ہوئی فریکوئنسی سیٹ کی جا سکتی ہے یا بنی ہوئی کو بگاڑا جا سکتا ہے؟“

اُس کا جواب تھا۔ ”ہاں! ایسا تو اکثر ہوتا رہتا ہے۔ انسانی جسم میں گردن سے لے کر تالو تک کا حصہ بہت حساس اور اثر انگیز ہوتا ہے۔ پورے اعصاب، اذہان، وجود، جنس، نفاست، خباثت، لطافت، شرافت وغیرہ کی ساری وائرنگ، کنپٹی، گُدی سے ہو کر گزرتی ہے۔ نالی بند پھنسنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ سپلائیاں بحال رکھنے سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔“

Scanned with CamScanner

میں نے یہ مشق بہت دن وہاں رہ کر سیکھی۔ باکی آسن میں بیٹھ کر دونوں آنکھوں کے نیچے اُوپر کے پپوٹے اُلٹے کر لیئے جاتے ہیں۔ تھوم کی تُریوں کی طرح سُرخ سُرخ پپوٹے سخت ڈھکن دیتے ہیں۔ پھر دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کانوں کے سوراخ بند کر کے پہلی اُنگلیوں سے کنپٹی کو دبایا جاتا ہے۔ پہلے پہل تو پتا نہیں چلتا بعد جب کچھ مشق ہو جاتی ہے تو محسوس ہوتا ہے اُنگلیوں کے نیچے ایک موٹی سی رگ پھڑ پھڑا رہی ہے۔ بس یہی رگ ہے جسے اگر کنٹرول کرنا آ جائے تو ذہنی فریکوئنسیوں کے بڑے نظارے ہوتے ہیں۔

ایک دن وہ مادہ چیتا' مہا آتما جی کی گود میں سر رکھے لاڈ پیار کر رہی تھی۔ میں نے یونہی کہا۔

''انسان اور حیوان' دونوں کا فریکوئنسی سسٹم ایک سا ہوتا ہے یا مختلف؟''

جواب دیا۔ ''صرف تھوڑے سے فرق کے ساتھ' ایک سا ہی ہوتا ہے۔ جیسے انسان اور حیوان دونوں جاندار ہوتے ہیں لیکن تھوڑے فرق سے...... لو میں تمہیں ایک مشاہدہ کراتا ہوں۔ اُنہوں نے اپنے دونوں ہاتھ' مادہ چیتے کے کانوں پہ رکھے...... انگوٹھوں سے کانوں کے سوراخ بند کیئے اور اُنگلیوں سے کنپٹی پہ بُوجھ ڈالا۔ اس عمل سے لگتا تھا کہ وہ سو گئی ہے۔ تھوڑی دیر اُنگلیوں سے سہلانے کے بعد اُنہوں نے ہاتھ ہٹا کر اس کے سر پہ دو چار چپتیں جمائیں۔ وہ یکدم بیدار ہو کر اُٹھ بیٹھی۔ ادھر اُدھر بچوں کو تلاش کرنے لگی۔ پہلے بچے تو اس کو دکھائی دیئے۔ یہ اُلٹی فریکوئنسی والا بچہ' اُسے کہیں نظر نہ آیا۔ مہا آتما جی نے اُسے دانستہ اپنے پاؤں میں چھپا رکھا تھا۔ دیوانہ وار اُسے ڈھونڈتی ہوئی وہ مہا آتما جی کے پاس پہنچی اور پاؤں سونگھنے لگی۔ بچہ' ماں کا التفات پا کر خوشی سے باہر نکل آیا۔ یہ اُسے منہ سے پکڑ کر' باہر جنگل کی طرف بڑھ گئی۔

● میں بھی رانی تو بھی رانی' کون بھرے گا پانی......؟

رانی اس دن کے بعد کچھ سے کچھ اور ہو گئی تھی' مایوس' زندگی سے اُلجھن' اپنی غریبی' کم مائیگی' عورت بننے کا احساس' یکسر کہیں اُڑنچھو ہو گئے تھے۔ اُس کی اس تبدیلی کو گھر والوں کے علاوہ' ساتھ کام کرنے والی لڑکیوں اور گاؤں کے دیگر لوگوں نے بھی واضح طور پہ محسوس کیا تھا۔ اب وہ ہلکی سی ہلکی بات کو بھی شدت سے لیتی تھی۔ اُس کی عزت نفس والی رگ اب کچھ زیادہ ہی پھڑ کنے لگی تھی۔''

ایک روز ڈیوٹی سے واپس گھر لوٹی تو ایک حیران کن منظر' اُس کا منتظر تھا۔ متروک ماموں جان بمعہ ممانی صاحبہ اور چھوٹی بیٹی فرزانہ' چارپائی پہ براجمان ہیں ماں' مہمان نوازی میں جتی ہوئی ہے۔ والد صاحب بھی اپنی پیتیوں والی کرسی پہ بیٹھے بات چیت میں مصروف ہیں۔ وہ یہ سین دیکھ کر دروازے کے نزدیک کھڑی اسی

Scanned with CamScanner

کسی بھیانک تصویر کی طرح گڑی کی گڑی رہ گئی۔ غضب و غیض کی بھسم کر دینے والی لہریں اس کے گرد ہالہ کیئے ہوئے تھیں۔ خفتے کی نے ہٹاتے ہوئے ماموں نے پہل کی......!

''آ گئی میری دھی رانی! ادھر آ' جیون جوگی' ذوں تناں سالاں وچ ای کنی وڈی ہوگئی اے؟''

اُس کا تو میٹر ہی گھوم چکا تھا۔ وہیں سے دہاڑی۔

''ماں! انہاں ظالماں قصائیوں نوں اج اے گھر کیویں یاد آ گیا؟''

ماں اُٹھ کر اُس کے پاس آ کر کہنے لگی۔

''دھی رانی! غلطیاں بندیاں کولوں ہو جاندیاں نے۔ ماما اے! جے اَج خود چل کے معافی منگن اتھے آ گیا اے' تے کج ساتوں وی خیال کرنا چاہیدا اے۔'' وہ رانی کا ہاتھ پکڑ کر مامے کے پاس لے آئی۔

''پتر! مامے نوں سلام کر......!''

ماموں خود ہی اُٹھ کر اُس کے سر پہ ہاتھ دھر کر کہنے لگا۔

''ہم بڑی مصیبت میں ہیں عاطف کی جھوٹی شکایت کر کے' شریکاں نے وہاں سے نکلوا دیا ہے۔ یہاں کچھ دن پہلے شریکاں دشمناں نے اس پہ حملہ کروا دیا تھا۔ موٹر سائیکل بھی چھین لی اور مارا پیٹا بھی...... پتر! منگنی توڑ کر ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ پتا نہیں ایسا ہم سے کیوں ہوگیا؟ جو ہو گیا سو ہو گیا' ہمیں معاف کر دے! وہ جو کہتے ہیں صبح کا بھولا' شام واپس گھر آ جائے تو اُسے بھولا نہیں کہتے...... انشاءاللہ' ہم ٹوٹے رشتے اور دل پھر سے جوڑ لیں گے۔''

رانی' ماموں کی باتیں کانوں سے تو سن رہی تھی پر دل ہی دل میں ہنس بھی رہی تھی کہ لالچی اور غرض مند لوگ' اپنے مطلب نکالنے کے لیے کیسے کیسے پینترے بدلتے ہیں؟ ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا' شاید اسی کو کہتے ہیں...... وہ اپنی عبا اور چادر اُتارتے ہوئے بولی۔

''خدا کے لیے اَب تو جھوٹ بولنا بند کر دیں۔ آپ اور آپ کا بیٹا لاکھ بُرے سہی مگر ہوں میری ماں تو آپ کو اچھا ہی کہے گی کہ آپ اس کے اکلوتے بڑے بھائی ہیں۔ رہا میرا باپ! تو اس حال میں ہی نہیں کہ اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا کہہ سکے۔ اَب رہی مَیں! تو مَیں نے اتنے دُکھ سہے ہیں کہ اَب مجھ میں منافقت کرنے کی ہمت ہی نہیں رہی۔ مجھے بہو بنانے کا خیال' دل سے نکال دیں۔ مَیں اس قابل ہی نہیں کہ آپ جیسے عزت دار کے گھر کی عزت بن سکوں۔ آپ کو پتا چل گیا ہوگا کہ مَیں خاندانی منصوبہ بندی میں کام کرتی ہوں...... اور یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ہم عورتوں کو کیسے کیسے مشورے دیتے ہیں۔ ہماری کوئی عزت نہیں کرتا۔ جس گھر جاتے ہیں وہاں کے مرد ہوس بھری نظروں سے ہمیں دیکھتے ہیں۔ ہم کہیں جا رہے ہوں تو ہم پہ

Scanned with CamScanner

آوازے کسے جاتے ہیں۔ بیہودہ اور فحش جملے سننے کو ملتے ہیں۔ ہم لاکھ خوبصورت اور شریف ہوں کوئی ہمارا رشتہ لینے نہیں آتا۔

ابھی پچھلے دنوں کی بات بتاؤں' میں اپنے کام کے سلسلے میں ایک گاؤں جا رہی تھی۔ صبح صبح کا وقت' شارٹ کٹ راستہ اختیار کیا کہ دھوپ نکلنے سے پہلے اُدھر گاؤں پہنچ جاؤں۔ سنسان راستے پہ پیچھے سے ایک موٹر سائیکل والا آیا۔ مجھے زبردستی روک لیا کہ میرے ساتھ چلو۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ خوبصورت جوان' پینٹ شرٹ' عینک پہنے ہوئے کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔ میرے انکار پہ میرا بازو پکڑ لیا مجھے زورا زوری موٹر سائیکل پہ بٹھانے لگا۔ تب نے ہمت دی' میں نے اُسے' کس کے تھپڑ مارا۔ وہ بوکھلا کر بازو کے زور پہ گرا اوپر موٹر سائیکل بھی آ پڑا' اُس کا بازو نکل گیا' ٹینکی سے پٹرول لیک ہونے لگا تھا۔ خیال آیا کہ اس بے غیرت کی موت' آگ سے لکھی ہے۔ میں نے فوراً ماچس نکالی...... پتا نہیں وہ کس طرح اُٹھا اور بے دریغ' بڑی سڑک کی جانب بھاگ گیا۔ ٹوٹا ہوا بازو' اُس نے دوسرے ہاتھ سے تھاما ہوا تھا۔ اُس بے غیرت نے اپنے نئے موٹر سائیکل کو بھی مڑ کر نہیں دیکھا۔ اُس کا دھوپ والا چشمہ وہیں رہ گیا جو میں اس واقعہ کی یاد کے طور لے آئی اور موٹر سائیکل کا نمبر بھی......"

ماموں' بڑی گہری توجہ سے سُن رہا تھا' آخر بولا......!

"اُس بے غیرت کو تو پولیس کے حوالے کر دینا چاہیے تھا۔ مجھے اگر مل جائے تو میں اپنے ہاتھوں اُسے آگ لگا دوں۔ تمہارے پاس موٹر سائیکل کا نمبر ہے تو تھانے جا کر اُس کا پتا کرواتے ہیں اور جوتے بھی پڑواتے ہیں۔ لاؤ مجھے نمبر دو' میں خود کچھ کرتا ہوں۔"

رانی نے کاغذ پہ لکھا ہوا نمبر اور دھوپ کا چشمہ' ماموں کے حوالہ کیا تو ماموں کی حالت دیکھنے والی تھی۔ اُسے چُپ لگ گئی!

رانی نے مزید بتایا کہ اُس بے غیرت' حرامزادے نے شراب بھی پی ہوئی تھی۔"

ماموں ممانی اس کے بعد جیسے کسی کنوئیں کے پانی میں ڈوب گئے تھے۔ زبان دانتوں تلے دبائے' نظریں چُرائے چُرائے سے جیسے کوئی رنگے ہاتھوں دھر لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جتنی دیر یہ لوگ اِدھر رہے' کھچل کھچل سے ہی رہے۔ شام سے کچھ دیر پہلے' جاتے وقت ہزار روپے مجھے دینے چاہے۔ میں نے واپس کر دیئے۔ اُن کے اُٹھنے کے بعد ماں نے کہا...... رانی بڑوں سے بدتمیزی نہیں کرتے۔ رانی نے ترت جواب میں کہا۔

"تمہارا بھتیجا' میرے ساتھ جس تمیز سے پیش آیا تھا' اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر یہ کہ میں نے وہی کچھ بتایا جو کچھ میرے ساتھ پیش آیا۔ کچھ بڑھایا' چڑھایا تو نہیں اور نام بھی نہیں لیا۔ اس میں

Scanned with CamScanner

اگر اُسے اپنے بیٹے کی تصویر نظر آتی ہے تو ٹھیک ہی نظر آتی ہو گی۔''

مزے کی بات کہ عاطف نے اس واقعہ کو بالکل بدل کر اپنے باپ کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس سانحہ سے ایک روز پیشتر وہ اپنے دوست کی شادی میں شرکت کا بتا کر بارہ کوس دور ایک گاؤں میں پہنچا تھا۔ ایسا کچے پیروں کا جھوٹا اُس بے پر کی فاختہ اُڑائی کہ بیس ہزار روپے بھی باپ سے لے لیے بتایا ایک میرا بڑا اچھا ہمدرد دوست ہے' اُس نے مجھ سے یورپ لے جانے کا وعدہ کیا ہے۔ اٹلی میں اُس کے بھائیوں کے شوارما کے کاروبار ہیں۔'' بھولے ماں باپ اپنی سادگی میں مکار اولاد کے چکر میں آ جاتے ہیں۔ نئے کپڑے' نیا موٹر سائیکل اور بنک سے نکلوائے ہوئے نئے نئے نوٹ جیب میں ڈالے بڑا ہشاش بشاش گھر سے نکلا تھا۔ شادی وادی کا تو محض بہانہ تھا۔''

اصل میں اُس گاؤں کے زمیندار امیر گھرانوں کے چند ایک اوباش لڑکے اس کے نئے نئے دوست بنے...... ان میں دو لڑکے وہ بھی جو اس کے ساتھ ڈی پورٹ ہو کر آئے تھے۔ باقی دوسرے وہ جن کے لیے راوی نے عیش ہی عیش لکھا' پانچوں عیب شرعی اور مادر پدر آزاد......!

گاؤں سے ہٹ کر ایک کشادہ اور محفوظ حویلی ان کی آماجگاہ تھی۔ محفوظ اس لیے کہ گاؤں والوں کی نظر میں یہ ایک ایسا دفتر' جدھر سے لوگوں کو باہر کے ملکوں میں ملازمت کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ہر وقت' ایک دو موٹر کاریں یا موٹر سائیکل کھڑے نظر آتے تھے۔ آنے جانے والوں میں زیادہ تر نوجوان' اَپ ٹو ڈیٹ ...... چند کڑی نگاہوں والے ملازم بھی جو نگہداری اور چوکیداری پہ مامور تھے۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور؟ باہر سے کسی خوشحال چند کی صاف ستھری پکی حویلی دکھائی دینے والی اس عمارت کے بیچوں بیچ زمین دوز' ایک عالیشان عیش و عشرت کے ہر سامان سے آراستہ' بڑا سا ہال اور ایک علیحدہ کمرا جو حوالات تھا۔ ان تک رسائی کے لیے اندر اور باہر خفیہ راستے تھے لیکن ان راستوں پہ چل کر اس عشرت گاہ اور عقوبت گاہ تک پہنچنے والے بہت کم تھے۔ دراصل نیچے کی کمین گاہ' کسی سے چھپنے لکنے کے لیے استعمال نہیں ہوتی تھی اور نہ اِدھر کوئی جرائم پیشہ لوگ' قانون سے بچنے کے لیے پناہ لیتے تھے۔

باپ دادا کے وقتوں میں یہ جگہ دراصل' بطور گودام' استعمال ہوتی تھی۔ ان کے مرنے کے بعد حالات بدلے اور ناخلف اولاد نے اس جگہ کو اپنی عیش و عشرت کے لیے وقف کر لیا۔ زمیندار چھوڑ کر کسی نہ کسی طور' اٹلی میں جا بسے تھے۔ بظاہر کاروبار کھانے پینے' شوارما' کبابوں کا' مگر پس پردہ' اصل دھندہ انسانی اسمگلنگ تھا۔ علاقہ کے سیدھے سادے' معمولی پڑھے لکھے جوان' جو باہر جا کر اپنا مستقبل بنانے کے چکر میں ہوتے...... ان کی ہمدردی کے سنہرے جال میں پھنس جاتے' اپنی زمینیں' مویشی بیچ کر ان کی مطلوبہ رقم فراہم کرتے اور یہ

Scanned with CamScanner

اُنہیں ملکوں ملکوں ذلیل وخوار کرتے' کرواتے' جعلی کاغذات پاسپورٹوں اور ناموں کے ذریعہ باہر بھجوا دیتے۔ پانچ بھائیوں میں دو چھوٹے غیر شادی شدہ' جو نسبتاً زیادہ پڑھے لکھے خوبرو تھے۔ اُنہوں نے اِدھر گاؤں میں ہی اَتلی بنالیا ہوا تھا' گھر میں بھینس بندھی ہو تو باہر سے دُودھ لانے کی کیا ضرورت؟ یہاں کا سارا ہیر پھیر' لین دین کام دھندہ انہوں نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ سال میں ایک آدھ بار اَتلی یورپ کا چکر بھی لگا آتے یعنی اس غیر قانونی کاروبار کے اصل حرکتی پُرزے یہی تھے۔

عاطف کو بھی اُنہوں نے ہی باہر بھجوایا تھا۔ مگر بدقسمتی سے عاطف' وہاں غلط لوگوں میں بیٹھنے اُٹھنے لگا تھا۔ شروع کا کچھ عرصہ دل لگا کے محنت کی' گھر بھی پیسے بھیجے' قرضہ بھی اُتارا۔ پھر دھیرے دھیرے اُس میں ایسی بُرائیاں پیدا ہو گئیں جو صحت اخلاق کے علاوہ جیب' عزت اور ایمان کو بھی کھوکھلا کر کے رکھ دیتی ہیں۔ نیا نیا پیسہ' آزادی' جوانی' غلط صحبت وغیرہ ایسا رنگ لائیں کہ شراب' پانی کی طرح پینے لگا۔ سگریٹ تو پہلے سے ہی پیتا تھا اَب جوئے میں بھی ہار جیت کرنے لگا۔ دیکھا دیکھی یہاں کی ایک بدچلن عورت سے بھی تعلقات بڑھا لیئے کہ کاغذی شادی کر کے' یہاں قانونی طور پہ قیام کا جواز پیدا کیا جا سکے۔ اس پیشہ ور بدقماش عورت کا کام ہی بیوقوف غیر قانونی پاکستانیوں کو لُوٹنا تھا۔ وہ نام نہاد شادی کی آڑ میں کمائی کا ایک بڑا حصہ اس سے بٹورنے لگی تھی۔ شراب' جُوا اور دیگر عیاشیاں بھی اس کے سر چڑھ کے کرتی یہاں تک کہ ایک ناجائز بچی بھی اس کے نام کر کے' اُس کا خرچہ بھی اس پہ ڈال دیا تھا۔

عیاشیوں' بدقماشیوں میں دولت' پَر لگا کر اُڑتی ہے۔ آئی چلائی ایسی کہ کمائی آدھ پاؤ' خرچہ صرف ڈیڑھ سیر' وسائل کم اور شیطانی شُغل بہتر ...... ظاہر ہے کہ ان میں توازن رکھنے کے لیے چار و ناچار' غیر اخلاقی غیر قانونی حربوں پہ مجبور ہونا پڑتا ہے لیکن اصل بدقسمتی تب شروع ہوتی ہے جب ناجائز وسائل وحصول سے دھڑا دھڑ دولت آنی شروع ہو جاتی ہے۔ نادان بندہ سمجھتا ہے کہ قسمت مہربان' بندہ پہلوان ہے۔ پتا تب پڑتا ہے جب چمن میں ہر سُو داستانِ حسرت بکھری پڑی ہوتی ہے۔''

روشن دنوں کی تلاش میں اس کی بداعمالیوں' بے اعتدالیوں' جوئے کے قرضوں کے انبار لگتے چلے گئے ...... اُدھر دو نمبر کاغذی گوری بیوی اور اُس کی نطفہ' نا تحقیق بچی کے مسائل میں ایسا اُلجھا کہ ڈپریشن کا شکار ہو گیا۔ غُصہ' ذہنی تناؤ ایسا بڑھا کہ اِدھر ایک مقامی بدقماش سے اُلجھ بیٹھا' وہ اُس کی کاغذی بیوی کا کوئی سابقہ بوائے فرینڈ تھا۔ عاطف نے ٹکر مار کر اُس کا نتھنا کھول دیا۔ معاملہ پولیس تک جا پہنچا ...... نتیجہ یہ نکلا' اس پہ بیک وقت تین چار مقدمات بن گئے۔ جن میں غیر قانونی طریقے اور بوگس کاغذات پہ یہاں پہنچنا ...... بغیر لائسنس ڈرائیونگ کرنا ...... نشہ کی حالت میں دنگا فساد اور ایک شخص کو شدید زخمی کرنا۔ مرے پہ سو دُرّے

Scanned with CamScanner

کے مصداق' اُس فاحشہ عورت نے بھی' کھا چاٹ کر اس کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کرا دی تھی۔ پولیس نے نصف شب چھاپہ مار کر اسے اور اس چار پانچ ساتھیوں کو' جوا کھیلتے ہوئے' شراب اور گانجے کے نشہ میں دُھت گرفتار کر لیا۔ ان کے قبضے سے پاکستانی چرس' گانجا ہیروئن وغیرہ بھی برآمد ہوئیں...... کورٹ میں پیش ہوئے' کچھ عرصہ جیل میں اور بالآخر ڈی پورٹ کر دیے گئے۔ جنہوں نے' اُنہیں اِدھر پہنچایا تھا' اُن کے اچھے خاصے واجبات ابھی' اس کے ذمہ تھے اور وہ رقوم بھی جو عاطف میاں نے قرض لے کر پاکستان بھیجیں یا جوئے میں ہاری تھیں۔

پاکستان پہنچنے پہ ان کے لیے جیل تیار تھی وہ تو بہتر ہوا کہ چالیس پچاس ہزار کے خرچے خرچے سے ان کی جان بچ گئی۔ یہاں سب یہی جان پائے کہ یونان والوں نے قانون سخت کر دیا ہے۔ غلطی سے پکڑے اور واپس وطن آ گئے ہیں۔ کاغذات اور ویزے صحیح کرنے کے بعد بہت جلد واپس چلے جائیں گے۔ نکالے جانے کی اصل وجوہات کا سوائے چند متعلقہ لوگوں کے اور کسی کو پتا نہ چل سکا۔

عاطف کے والدین کے پاس' ابھی اس کے بھیجے ہوئے پیسوں میں کافی رقم موجود تھی اور وہ ان کے بل بوتے پہ اس کی شادی کسی اچھی جگہ کرنے کی سوچ رہے تھے۔ مگر اس دوران' اُنہیں احساس ہوا کہ اس کے لچھن کچھ ٹھیک نہیں۔ سگریٹ کی بُو' اس کے کپڑوں' منہ سے محسوس ہوتی' شراب کا بھی شک تھا۔ جب دیر سویر دوستوں سے مل کر گھر پہنچتا تو اس کے قدم بہکتے ہوئے لگتے۔ آمنا سامنا کرنے سے اجتناب کرتا...... بدبُو کے بھبکے اُٹھ رہے ہوتے۔''

• چاندنی دیر پا نہیں ہوتی......!

ان ڈی پورٹ ہونے والوں کی آمد سے حویلی کی رونق میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا۔ جوا' چرس' شراب تو روزمرہ کے معمولات میں شامل تھے۔ اکثر بیشتر' دو نمبر لڑکیاں بھی' باہر جانے کی آڑ میں یا کسی کی بہن بھابی کے رُوپ میں آتی جاتی رہتیں۔ نزدیک دُور کے دیہاتوں کی ایسی نئی نئی بھولی بھالی لڑکیاں' جو کسی لڑکے کے جھوٹے پیار میں پھنسی ہوتیں' اُن کو بھی بدقسمتی کسی طرح' ان بھیڑیوں کے زمین دوز بھٹ میں لے آتی۔ کئی ایسے باہر ملکوں میں جانے کے بیتاب لڑکے' جو پوری رقم کا بندوبست نہ کر سکتے۔ اُن کے لیے یہ بھی سہولت تھی کہ وہ کسی لڑکی کا انتظام کر کے اِدھر لائیں۔

ٹارگٹ کلنگ کی طرح یہاں'' ٹارگٹ گرل'' کا چلن بھی پڑ چکا تھا۔ آس پاس کے علاقوں کی کوئی

Scanned with CamScanner

خوبصورت کڑی جوان دونوں بھائیوں کی نظر میں آ جاتی۔ اُسے عیاشی کے لیے حاصل کرنا' ان کے وقار کا مسئلہ بن جاتا۔ یہاں ایسا بھی ہوا کوئی سُورما ''ٹارگٹ کڑی'' کسی نہ کسی طرح اِدھر لانے میں کامیاب ہوا' وہ کچھ ہی دِنوں میں باہر بھجوا دیا گیا۔

اس طریقے کے تحت اِدھر لائی یا آئی ہوئی لڑکی عورت سے ''اجتماعی باریابی'' ہوتی۔ یعنی ایک ''نار'' اور نو زنا کار...... مغل اعظم کے دربار کے نورتنوں کی طرح' یہاں اعظم مغل اور ناظم مغل کے مشترکہ دربار میں بھی نورتن تھے۔ مغل اعظم کے نورتن' اپنے اپنے علم وفن کے نادر روزگار' زرنگار گوہر و جوہر تھے مگر اس پینڈو دربار کے نورتن بھی اپنے اپنے فن وکمال میں یکتائے روزگار تھے۔ باصر' عرف بصرا...... کٹنے کے شوقین مرغے کو کلغی کی آرائش اور پیٹ کی آلائش' پروں اور پنجوں کی جڑوں سمیت' آگ پانی دکھائے بغیر دَم پخت کرنے کا ہُنر جانتا تھا...... کلائنٹ میں ملک سے باہر پہنچ کر دولت عزت بنانے کی خواہش کو کچھ اس انداز سے ہوا دیتا کہ وہ ابتدائی فیس' پاسپورٹ اس کے قدموں میں رکھ کر زیور زمین بیچنے چل دیتا۔ بصرا' یورپ یونان سے دلچسپی رکھنے کا انچارج تھا۔

دوسرا رتن' مسکین عرف مسکینا مصلی' اس کے لمبوترے چہرے پہ ایسی گُربہ مسکینی تھی' لگتا تھا کہ سوچ کر کے بھی آنکھ اُٹھا' چوہے کو نہ دیکھے۔ ''میں تے مسکین بندہ آں'' اس کا تکیہ کلام تھا۔ سعودیہ' دبئی' شارجہ' قطر اس کے کھاتے میں آتے۔ سعودیہ میں مزدوری کرنے والوں کے سر پہ باندھنے والا عربی رومال' چندی آنکھیں' پیلے ڈِڈو دانت اس کا شناختی کارڈ تھے۔ بس ایک خوبی تھی شراب نہیں پیتا تھا۔ صرف اس سے نکلی کر کے نسوار ڈھرتا...... یہ نئے پھنسنے والوں کو غلط سلط آیتیں مفت میں حج عمرے کی نوید' اسلامی شرعی ماحول' کھجوروں اور آبِ زم زم کے فائدے سنا سنا کر ثواب دارین حاصل کرنے میں یکتا تھا۔ اس کا ڈسا ہوا' پانی نہیں آبِ زم زم مانگتا تھا۔ اپنے بدنام علاقہ تکیہ کلام سے خوب فائدہ اُٹھانا جانتا تھا اور اپنی غلطی کوتاہیوں' کمزوریوں پہ بطور ڈھال استعمال کرنا بھی آتا تھا۔ کمال کا کمال کہ ''اجتماعی باریابی'' میں' اپنی باری پہ ''مصروبہ'' سے گویا ہوتا۔ ''میں تے مسکین بندہ آں' میرے نال کوئی زیادتی نہ کرنا۔''

تیسرا انمول اور بے تول رتن پرویز کھوکھر تھا۔ اپنے پرائے چھوٹے بڑے ہر کوئی اسے ''چچا حرام دا'' کہہ کے مخاطب ہوتے اور اگر کوئی غلطی یا اپنی کسی مادی یا اخلاقی مجبوری سے اُسے پرویز صاحب کہہ دیتا' اوّل تو اُسے اپنے کانوں پہ ہی یقین نہ آتا اور اگر آ بھی جاتا تو وہ شخص اس کی نظر میں مشکوک ہو جاتا۔ اس نِک نیم کا گفٹ' دراصل اُسے اپنے سوتیلے باپ کی جانب سے' عالم شیر خوری میں مراحمت ہوا تھا۔ نکاح کے وقت یہ اپنی دُلہن ماں کی گود میں دودھ چُسک رہا تھا۔ اس کے سوتیلے دُولہا باپ نے اس عمرو عیار' فطرت بچے کو دیکھتے

Scanned with CamScanner

ہی ''حرام و ا'' کے گرانقدر القاب سے نواز دیا تھا۔

وہ وقت اور یہ وقت 'لیاقت' یعنی اس کے سوتیلے باپ 'لیاقت کھوکھر نے اسے ''بیجا حرام وا'' کہہ کر ہی پکارا...... دس جماعتیں' اس نے رُل کھل کے پاس کر ہی لیں۔ شاطر شیطانی دماغ' حساب کتاب میں ریشم کا کیڑا...... بول تول میں چھلکا اسپغول...... بندہ جانچنے ناپنے ناپنے میں پورا رتی ماشہ تولہ کھوجا شخ...... یہ اس کاروبار میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہر کلائنٹ سے کوئی نہ کوئی رشتہ قائم کر لیتا۔ کوئی بھائی' بھتیجا' چاچا' بابا' ماموں' خالو...... کہیں کبھی کسی کچے کلائنٹ کے ہمراہ' اس کی ماں' بہن بیوی اگر آ نکلتیں' تو وہ بھی کوئی نہ کوئی رشتہ قائم کروا کر ہی جاتیں۔''

چوتھا رتن' باؤ انور باجوہ تھا۔ یہ بلا کا قانونی ذہنیت اور قابلیت کا چلتا پھرتا پُرزہ تھا۔ باقاعدہ قانون تو اس کے خاندان میں کسی نے پڑھا نہ ہوگا یہ کیا پڑھتا؟ روزی رزق کا جھنڈا ہُوا' بائیں ٹانگ سے معذور ایک بوڑھے وکیل کے ہاں بطور منشی' چھ سات برس کام کیا...... مزید بھی کر سکتا تھا مگر کیا کیجیے کہ وہ وکیل ایک رات ایسا سویا کہ اگلی صبح جاگا ہی نہیں۔ اس کے باوجود یہ وہاں سے بھاگا بھی نہیں۔ وکیل کی اکلوتی' کلوٹی اور بے حد موٹی بیٹی' فرح! جو کسی معقول مرد سے شادی کے اہل نہ تھی' اس پہ نگاہ رکھتی تھی۔ وکیل صاحب کے پیش نظر بھی شاید یہی خواہش رہی ہوگی کہ یہ نیم خواندہ' نیم پینڈو' ٹینٹ شرٹ پہننے کا شوقین نوجوان' گھر داماد بن کر ان کا بڑھاپا آسان کر دے گا۔ مگر یہ تو یہاں محض ٹھکانے اور مختانے کی خاطر پڑا ہوا تھا۔ شادی وادی سے کچھ دلچسپی نہ تھی۔ دفتر خالی ہُوا تو یہ ایک دوسرے وکیل کے پاس ملازم ہو گیا۔ اس وکیل کی شہرت' فراڈ' جعل سازی' غشیات' دھوکہ دہی کے مقدمات نمٹانے میں تھی۔ یہ خود بھی شرابی کبابی اور شبابی تھا۔ شکل و حلیہ سے وکیل کم' سفلہ اور رذیل زیادہ لگتا تھا۔ ہر وقت ہلکے ہلکے نشہ میں رہتا۔ اس کا تکیہ کلام'' کوئی مسئلہ نہیں'' تھا۔ ہر بات کے جواب میں پہلے یہی کہتا۔ اس کے سارے کارندے بھی' اسی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

رہی سہی کسر' انور باجوے کے شامل ہونے سے پوری ہو گئی۔ یعنی ادھر سب ایک سے ایک بڑھ کر اُستاد تھے۔ اصل تربیت' اس کی ادھر ہی ہوئی تھی۔ یہ انسانی اسمگلنگ والے' کسی نہ کسی طور' اسے وہاں کچہری سے نکال کر اپنے ہاں لے آئے۔ یہ کلائنٹ کے ذومیسائل کاغذات' بنک کے جعلی اکاؤنٹ' تعلیمی فنی' کریکٹر اور صحت کے سرٹیفکیٹ' غیر ملکی کرنسی' ویزوں ٹکٹوں کے بندوبست کا ذمہ دار تھا۔ جھوٹ' منافقت' چاپلوسی اور وقت موقع کے مطابق' حالات پیدا کر لینا اپنی کسی غلط حرکت کو کسی نہ کسی طور یا دلیل سے صحیح ثابت کر دینا' اس کا اَدنیٰ سا کمال تھا۔''

اس فراڈیے وکیل کے ہاں بھی اس نے تین چار برس نکال لیے۔ اس دوران اس نے ایسے

Scanned with CamScanner

پرپرزے نکالے کہ اس کا باس وکیل بھی ایک وقت میں اس سے مشاورت کرنا ضروری خیال کرتا۔ اس کے پاس اگر باقاعدہ ایل ایل بی کی ڈگری اور لائسنس ہوتا تو یہ اپنے وقتوں کا کامیاب ترین وکیل ہوتا۔ بس کیا ہوا' کہ کچھ زیادہ کے چکر میں اس نے بھی اپنا دانہ پانی سمیٹا اور ادھر' گاؤں میں ریکروٹنگ کے دھندے میں دھنس آیا۔ یہاں ایسا کیش اور عیش' جس کا کبھی وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ اسے ڈاکومنٹ پہ ایک کو ایک سو گیارہ' لکھ کو لکھ' محرم کو محرم' دائیں کو بایاں' دسمبر کو نومبر' چنگیز کو جیمہ' شبیر کو بشیر' سیالکوٹ کو شاہ کوٹ بنانے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ہر محکمہ میں ماننے جاننے والے' جو اس جادوگر کے اک اشارے پہ ہر ناممکن کو عین ممکن بنانا جانتے تھے۔ منشیات' جوا اور عورت اس کی کمزوریاں تو تھیں مگر دیکھنے سونگھنے سے ایسا معقول شریف سا جوان دکھائی دیتا۔ جس میں انسانی ہمدردی اور بھلائی کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔ بات چیت بھی بڑی رسیلی' دل موہ لینے والی...... ایسی ٹھنڈی آگ' دیکھنے تاپنے سے سکون' مگر قریب ہونے سے جلا کر خاکستر کر دے۔

پانچواں رتن' کراماتا بے وسایا تھا۔ بے وسایا' اس لیے نہیں کہ اس کے باپ کا نام اللہ وسایا تھا' اس کی اصل وجہ' یہ کسی پہ بھی وساہ یعنی اعتبار نہیں کرتا تھا۔ یہاں تک اسے خود پہ بھی اعتماد اعتبار نہیں تھا۔ کوئی بھی معاملہ ہو یہ ضرور کہے گا...... ''یار! میں ذرا بے وسایا سا بندہ ہوں' اعتبار تو میں سگے باپ پہ بھی نہیں کرتا۔'' اس کی وجہ شاید' اس کا پولیس ملازم ہونا بھی تھا۔ یہ اپنے علاقہ میں سمن چالان پہنچانے اور تفتیشی کارروائیوں پہ متعین تھا۔ سال میں کہیں دو چار بار' سرکاری وردی پہنتا' ورنہ اکثر یہ عام لباس میں ہی ادھر اُدھر دکھائی دیتا۔ پولیس ملازموں کی ذہنیت' اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ چونکہ تھانے' کچہری تحصیل اور یہ غیر ممالک میں بندے بھیجنے کا دفتر' اس کے ٹھکانے تھے۔ اس کا ایک خاص کام' یہاں کی غیر قانونی اور مخرب الاخلاق سرگرمیوں کو تحفظ دینا بھی تھا اور اُن پارٹیوں سے نپٹنا بھی جو تسلی بخش کام نہ ہونے کی صورت میں تھانے عدالت کی دھمکیاں دیتیں یا وہ لوگ جو غنڈہ گردی دکھاتے۔

اسے علاقہ کے اُن تمام مسلم' غیر مسلم' جرائم پیشہ' سزا یافتہ' منشیات فروش' چور ڈکیتوں کا علم تھا۔ بظاہر اُن سے دوستی یارانے تھے مگر حقیقت یہ تھی یہ انہیں بلیک میل کرتا اور اُن سے اپنا حصہ بھی وصول کرتا۔ ایک دو جعلی پیر جو تعویذ گنڈے کا دھندہ بھی کرتے تھے۔ اس کے خاص ذخر تھے۔ مطلب یہ کہ منشیات' جوا وغیرہ کا سارا انتظام' اسی ''کراماتے بے وسائے'' کے دم قدم سے قائم تھا۔

چھٹا رتن' فاضلا ''شورا''...... تعلق اسی گاؤں کے مراثی گھرانے سے' مگر کمال ڈھٹائی سے خود کو قریشی کہتے ہوئے نہ شرماتا' جبکہ باپ' جاجا مراثی اور دیگر بھائیوں رشتہ داروں کے ساتھ مراثی کا لاحقہ پکا ٹھکا ہوا تھا۔ بیس بائیس برس کا بانکا چھبیلا سا جوان' جنس مخالف کے لیے بے پناہ کشش رکھتا تھا۔ خاص طور پہ اس کی

Scanned with CamScanner

کٹیلی غلافی آنکھوں میں لگاوٹ کی ایسی مقناطیسیت تھی کہ مقابل کے قلب و نظر میں شہوانی اور نفسانی تلذذ کا موجب بنتی تھی۔ انسانی تاریخ اور عشق و محبت کے حوالوں سے معلوم ہوا کہ یہ طالب و مطلوب کی نفسی نجطونی کیفیات و ترجیحات پہ منحصر ہے کہ ان پہ نفسیت غالب ہے یا رُوحانیت...... اُن کے تصوّر میں اَجنتا ایلورا کی گھپائیں ہیں یا غارِ حراء اور غارِ ثور کی تجلیاں ہیں۔؟

فاضلے شورے کو ''شورا'' اس لیے کہتے تھے کہ اس میں بے غیرتی کچھ زیادہ ہی دَر آئی ہوئی تھی۔ جس گلی محلے سے گزرتا...... ایک آدھ لڑکی ضرور شکار کرتا...... یہ شکار نہ بھی کرتا وہ بدنصیب خود ہی کچے دھاگے میں بندھی ہوئی پیچھے پیچھے چلی آتی۔ کچھ لوگوں کے نصیب میں رزقِ حلال نہیں ہوتا۔ کوشش کرلیں تب بھی سرکہ اُن کے پاس پہنچتے پہنچتے شراب بن جاتا ہے وہ کسی کو باجی بہن بھی کہہ دیتا تو جواب ملتا۔ بہن وہی ہوتی ہے جو ایک پیٹ سے پیدا ہوئی ہو؟

آر پار کی کئی لڑکیاں گھر سے بھاگ کر اس کے پاس پہنچ جاتی تھیں۔ وہ ان سے جان بچا کر خود کہیں بھاگ نکلتا۔ آخر مرد بھی تو ایک انسان ہوتا ہے اُس کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ تیار گتی کی ہوا پہ علاقے کے تمام گنے اُس کے آگے پیچھے منڈلاتے رہتے ہیں۔ وہ بیچاری اپنی جان بچاتی پھرتی ہے مگر اس کی کوئی پیش نہیں چلتی...... دیر بدیر ہمت ہار کر وہ خود کو ان کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیتی ہے...... نتیجہ نکلتا ہے تو رنگارنگ ورائٹیوں والے چھ سات پلّے اُس کے آٹھ سلنڈروں والے تھنوں سے چمٹے ہوتے ہیں جبکہ ذمہ دار کمینے کتوں کا قرب و جوار میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔''

یہاں معاملہ اُلٹ تھا۔ جانوروں مویشیوں کے موسم ہوتے ہیں لیکن حرص و ہوس کے بندوں کے لیے راوی' موسم ہی موسم لکھتا ہے۔ صحت ہمت ہے تو موسم...... دولت اور شہرت ہے تو موسم...... راحت خوشی ہے تو موسم...... غمی آزردگی ہے تو موسم...... عید شب برأت ہے تو موسم...... بہار کا نکھار یا خزاں کی خشونت بھی موسم! موی بے موی' بَنّی پکّی' پیلی ہری' موسمیاں' اس پہ ٹوٹتی رہتیں...... کھانے پینے کو وافر مل جائے تو دوسروں کو بھی دینے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔ شروع شروع میں تو اس کے ہاں لڑکیاں مختلف زاویوں میں آتی جاتی رہیں۔ رسّی دراز ہوئی تو ادھر کے دیگر دوستوں نے بھی زرِ غنیمت میں اپنا حصہ طلب کرنا شروع کیا...... اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ کچھ وقت لگا اَب وہ اپنا نخچیر' ساتھیوں دوستوں میں شیئر کرتے ہوئے کوئی حجاب تکلف نہ کرتا۔ ویسے بھی ادھر' مل بانٹ' جیو اور جینے دو' پیو اور پینے دو' جیسے اُصولوں پہ عمل ہوتا تھا۔ بنا اس کے یہاں کا سسٹم نہیں چل سکتا تھا؟

اردگرد علاقوں کی ضرور تمند بگڑی ہوئی لڑکیاں' اپنے والدین کی آنکھوں میں دُھول جھونک' مختلف

Scanned with CamScanner

بہانوں حیلوں سے، بھٹکی ہوئی کشتیوں کی طرح اس وانسا گھاٹ پہ آ لگتی تھیں۔ ایک ہو یا دو تین...... ادھر آ ٹھ دس بھیڑیوں میں تقسیم ہو جاتیں۔ صبح صبح، یہ اپنے پرس نوٹوں سے بھر کر اور اپنے کسی بھائی یا محبوب کے ویزے کا وعدہ لیئے اپنے ٹھکانوں کی جانب نکل جاتیں......!

فاضلے کے ساتھ شورے کا لاحقہ اس کی انہی خدمات کا اعتراف تھا۔ وہ بھی بُرا نہ مانتا...... کہتا میں اکیلا ہی نہیں تم سب میری طرح شورے ہو۔ بس، نوعیت مختلف ہے؟

جب کوئی شورا ہو جاتا ہے تو اُس میں سب سے پہلے غیرت، شرم حیا جاتی رہتی ہے۔ حرام حلال، شرع شریعت، اپنے پرائے کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ عورت کا احترام تقدس، زبان خلق وغیرہ بے معنٰی سے ہو جاتے ہیں۔ ہیرا منڈی، تھانے کچہری، دکان بازار، کسی بھی جگہ...... کنجری رنڈی کی تو کوئی عزت ہو سکتی ہے مگر اُن کے لیے گاہک پھانسنے والے، دَلّے بھڑوے، شورے کی نہیں ہوتی۔ شورا دَلّا تو ضرورت پڑنے پہ اپنے گھر کے باردانہ کے لیے بھی گاہک تلاش کرنے میں چنداں حیا محسوس نہیں کرتا!

میرا مشاہدہ ہے کہ شورے کی بیوی بیٹی اوّل تو ہوتی ہی نہیں اور اگر ہوں بھی تو وہ کمیٹیوں کے پیسے خود اپنی جسمانی مشقت سے بناتی ہیں۔ بے غیرت خاوند سے یہ کچھ چھپا نہیں ہوتا۔ کمیٹی نکلنے پہ اگر خاوند نے کچھ مانگ لیا تو یہی سننا پڑتا ہے: "یہ ہم ماں بیٹی کی کمائی کی کمیٹی ہے...... تیری کمائی سے تو کبھی چولہا بھی ٹھیک سے گرم نہیں ہوا...... تجھے جوان بیٹی کی شادی کی فکر نہیں، پر مجھے تو ہے۔"

فاضلے شورے کی اپنے گھر بھی تین بہنیں تھیں، ایک شادی شدہ، دوسری شہزادی جو میٹرک پاس کرنے کے بعد رانی کے ساتھ ہی فیملی پلاننگ والوں کی ٹیم میں شامل ہوئی تھی۔ تیسری ابھی کمسن تیسری کلاس میں پڑھتی تھی۔ شہزادی، رانی کی پکی سہیلی تو نہ تھی ایک ساتھ ٹریننگ لینے کی وجہ سے کچھ انسیت تھی۔ اکثر ملنا ملانا بھی رہتا جو اتفاقی طور پہ ہوتا۔ آس پاس کے آٹھ دس میل اندر کے چھوٹے بڑے گاؤں، ان کی کارکردگی کی حدود میں تھے۔ ہفتہ دس دن میں کسی گاؤں گھر، کہیں نہ کہیں آمنا سامنا ہو جاتا تھا۔ مسکراہٹوں کے تبادلے، حال احوال...... وہ اپنی راہ...... یہ اپنی راہ......!

● زہر کہتے ہیں خود اپنی دوا ہوتا ہے......!

ایک دن، جسے روزِ سیاہ کہنا چاہیے۔ رانی کی ملاقات، شہزادی کے بالکل ساتھ والے گاؤں کی ایک گلی میں ہو گئی۔ دونوں اپنے اپنے کام سے فراغت پا کر، گھروں کو جانے کے لیے نکلی تھیں۔ سہ پہر سرکا لے شام کو

Scanned with CamScanner

دیکھ رہی تھی۔ حبس..... اکس نے اک پژمردگی پھیلائی ہوئی تھی۔ رانی نے چاہا کہ تیز قدموں سے جلد سے جلد اپنے گھر پہنچ جائے مگر وہ لمحہ نا آسودہ اس سے پہلے پہنچ چکا تھا جو بعد میں اس لیے بڑا کٹھن وقت لے کر آیا۔ شہزادی اسے اچانک سامنے پا کر "ہائے نی رانی توں؟" کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔ پسینے سے دونوں تربتر تھیں۔

شہزادی نے اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"رانی جی! اتھے کتھے؟"

رانی نے خشک حلق کو تر کرتے ہوئے بمشکل جواب دیا۔

"نی اے چھیدے نائی دے گھر آئی ساں دسویں بچے دی تیاری اے..... پتا نہیں انہاں نوں سمجھ کیوں نہیں آوندی؟"

"دفع کر انہاں نوں چل میرے نال وہ سامنے میرا گھر ہے۔ جھٹ بیٹھ تے ٹھنڈا پانی پی.....!"

"نہیں اڑیے! میں گھر جلدی جانا اے۔ گرمی تے حبس نے اج ساہ ست ای کھچ لیا اے فیر کدے سہی!"

مگر وہ ضد کر کے اُسے ساتھ لے ہی گئی۔ ایک گلی اور دو کھیت درمیان میں تھے۔ چار پانچ منٹ لگے وہ اُن کے صحن میں تھی۔ چھوٹا سا چینڈو سٹائل گھر اور وہ بھی مراثیوں کا..... اُس کی بے بے نے بڑے چاؤ سے اسے وچھی واری کیا..... گھر کی لسی پلائی' ماں باپ بہن بھائیوں کا پوچھا۔ اسی دوران کہیں فاضلا شورا' نئی نویلی لشکتی موٹر سائیکل سمیت صحن میں داخل ہوا۔ دیہاتی گھروں میں کنڈی کھڑکانے کا رواج تو ہوتا نہیں۔ سیدھے اندر آنے والی بات ہوتی ہے۔ نہ اُسے خبر کہ اُس کی بے بے بہن کے پاس کون بیٹھی ہے اور نہ رانی جانتی تھی کہ ایک خوبرو سا نوجوان پھڑپھڑ کر کے اُس کے سامنے آ جائے گا۔ بالکل ایک فلمی سین کی طرح یہ سب کچھ ہو گیا۔ چند ثانیے اُنہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر وہ موٹر سائیکل کھڑی کر کے اندر چلا گیا۔ یہ ہڑابڑی میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ شہزادی نے ہاتھ بڑھا کر بٹھانا چاہا مگر وہ نہ بیٹھی..... چہرے کا حجاب درست کر باہر نکل آئی۔

اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ یہ نہیں کہ اُس کا واسطہ کبھی اچھے بُرے انسانوں سے نہیں پڑا تھا۔ اُس کا تو کام ہی اپنے گھر گاؤں سے باہر دوسرے لوگوں سے ملنا تھا۔ ایسے گھروں میں بھی جانا پڑتا تھا جدھر مرد بھی ہوتے تھے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ گھبرا یا کھلا یا ڈر خوف سے اُدھر جانا ہی چھوڑ دے۔ ٹریننگ کے دوران اُنہیں خاص طور پہ خود اعتمادی اور بُرے حالات' شرارتی لڑکوں' بدنگاہ مردوں سے نپٹنے اور خود کو اُن کے شر سے بچانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ پر آج نجانے اُسے کیا ہو گیا تھا' خود کو بڑی کمزور اور ڈری ڈری سی

Scanned with CamScanner

محسوس کر رہی تھی۔ ٹریننگ کے دوران سیکھا سکھایا کچھ بھی تو اُسے یاد نہ رہا...... وہ جلدی جلدی پگ اُٹھاتی ہوئی گاؤں کی پگڈنڈی پہ دھول رولتی ہوئی جا رہی تھی۔ گھر تک پہنچنے میں ابھی شاہوں کا اُمرودوں کا ذخیرہ...... کھتوں کا باغ...... پرائمری سکول' بابے سردار شاہ کا تکیہ...... عیسائیوں کا چھوٹا پنڈ اور اُس کے اپنے گاؤں کا قبرستان' چھپڑ وغیرہ باقی تھے......!

ان راستوں پہ وہ بچپن سے گزرتی آ رہی تھی' پر آج لگتا تھا یہ کوئی اجنبی سی راہیں ہیں...... راہ کے نوے نمونے درخت' بُوٹے' کھیت کھلیان بھی اَن دیکھے سے دکھائی پڑتے تھے۔ گرمی تو ویسے بھی انتہا پہ تھی لیکن لگتا تھا اُس کے اندر بھی کئی سورج بیک وقت' نصف النہار پہ اُبھر آئے ہوں۔ سر' منہ گردن اور پورا جسم' پسینے سے بھیگا ہوا...... کچے راستے پہ گرم گرم دھول' کسی بھاڑ کی جھلتی بھوبھل کی مانند تپی ہوئی تھی۔ سینڈل کے اندر جیسے انگارے پڑے ہوئے ہوں۔ اُس کے باوجود اُس کی تیز رفتاری میں کچھ فرق نہ پڑا تھا۔

بعض چہرے چہرے نہیں کتاب ہوتے ہیں اور جو اتفاق سے کتاب کھلی رہ جائے اور کوئی تیز جھونکا ہوا کا' اُس کا کوئی صفحہ اُلٹ دے اور اتفاق سے کوئی چھم سے وہاں آ جائے...... اتفاقاً اُس کی نظر کسی سطر کے کسی حرف و لفظ پہ پڑ جائے...... اور وہ حرف لفظ آنکھ کی سیاہ پتلی کی طرح دل پہ جم کر رہ جائے...... ایسی کیفیت کا پیدا ہونا' نہ تو کسی کے بس میں ہے اور نہ اس سے باہر نکلنا' بس میں ہوتا ہے۔

گھر پہنچ کر دھڑام سے چارپائی پہ ڈھے گئی۔ ماں نے یہی سمجھا کہ گرمی لُو سے بے حال ہوئی ہے' منہ ماتھا تر بتر...... پانی پلا کر پنکھے سے ہوا دینے لگی...... نیا تاتی بنڈوں' سندیوں کو پرمل جائیں تو وہ رنگین تتلیاں بن جاتی ہیں...... دیکھنے کے لیے آنکھیں تو سب کے پاس ہوتی ہیں لیکن اُن کے رنگین دلنشین پروں پہ نقشیں تجریدی تحریروں کو سمجھنے پڑھنے دیکھنے کی توفیق تو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ زندیق و ملحد بھی زندگی میں کبھی کسی زندہ و تابندہ ایمانی جذبے سے سرشار ہو سکتا ہے اور ایسا بھی کہ بڑے عابد و زاہد' کسی لمحہ لعین میں یوں پکڑے جاتے ہیں کہ عمر بھر کا زہد و تقویٰ تباہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

اُدھر فاضلے شورے کے ہاں بھی لگ و پیش کچھ ایسا ہی ڈراما تھا...... گو وہ اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا لیکن پرانے کھلاڑی بھی کبھی کبھی ایسی بونگیاں مارتے ہیں' یقین نہیں آتا کہ یہ بھی یوں کر سکتے ہیں۔ وہ گھر سے کچھ کاغذات لینے آیا تھا۔ کمرے سے برآمد ہوتے ہی اُدھر دیکھا' دھریک کے نیچے چارپائی خالی تھی...... اُس کی بہن' صحن کے دروازہ پہ کھڑی' رانی کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ موٹر سائیکل سٹارٹ کرتے ہوئے اُس نے بہن سے کہا۔

"اپنی سہیلی کو کوئی لسی پانی کا بھی پوچھا...... کون تھی؟ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

Scanned with CamScanner

وہ اُسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔

''میرے محکمے میں ہی کام کرتی ہے۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ اپنی ٹریننگ مکمل کی تھی۔ پار کے پنڈ کے کھوکھروں کی دھی ہے۔ باپ بیچارہ اپاہج ہے' دو چھوٹے بھائی۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں اس لیے نوکری کرنے پہ مجبور ہے۔''

لسی پی کر یہ بھی نکل گیا۔ اس کا راستہ دُوسرا تھا مگر اُس راستے پہ ہولیا۔ جدھر رانی کا پنڈ تھا۔ وہ جلد ہی سامنے تیزی سے جاتی ہوئی دکھائی دی۔ آہستہ سے قریب پہنچ کر کہنے لگا۔

''مَیں اُدھر تمہارے پنڈ کی طرف جا رہا ہوں۔ بیٹھ جاؤ' پنڈ کے کچھ ادھر ہی اُتر جانا......''

رانی نے یہ سُن تو لیا مگر نہ قدم روکے' کچھ جواب دیا' نہ اُدھر دیکھا۔

فاضلے شورے نے پینترا بدل کر پھر بڑی لجاجت سے کہا۔

''گرمی بہت زیادہ ہے' بیٹھ جاؤ' میری بہن نے مجھے بھیجا ہے تمہیں پنڈ تک چھوڑ آؤں......''

لیکن اُسے نہ بیٹھنا تھا' نہ بیٹھی اور یہ چند قدم مزید ساتھ چلنے کے بعد' واپس پلٹ گیا۔ رانی کو یہ سب کچھ نہ تو اچھا لگا تھا اور نہ ہی بُرا' مگر اُس کے اندر اِک عجیب سی کیفیت در آئی تھی جسے وہ شاید صحیح سے سمجھ نہ پائی اور شاید سمجھنا بھی نہ چاہتی تھی۔

وہ بخار میں پھنک رہی تھی اور ماں اُسے ٹھنڈی پٹیاں کر رہی تھی۔ ایک دو روز کام پہ بھی نہ گئی۔ اُس نے اپنی اضطراری حالت کو کسی حد تک قابو کر لیا تھا اور اس ناگوار یا خوشگوار واقعہ کو معاشرہ کا روزمرہ سمجھ کر اپنے معمولات میں واپس آ گئی۔

فاضلا شورا' جو پیار محبت عشق وشق کو محض ناکام کمزور' مجبور' شرافت زدہ لوگوں کی ضرورت سمجھتا تھا۔ کسی کی خوبصورت' حُسن و جمال کے بھی اس کے نزدیک کچھ معنی نہیں تھے۔ عورت کو عورت اور مرد کو مرد سمجھتا تھا اور دونوں کو ایک دُوسرے کی ضرورت۔ عورت ایک لذیذ ڈش' گھر یا باہر کہیں بھی مل جائے۔ کھڑے ہو کر کھالو یا بیٹھ لیٹ کر' مفت مل جائے یا خرید لی جائے۔ دستیاب نہ ہو تو چھین جھپٹ بھی اس کے نزدیک جائز تھی۔ حیرت ہے رانی کی ایک جھلک دیکھ کر اُسے کچھ علیحدہ سا محسوس ہُوا' جسے وہ واضح طور پہ سمجھ نہ سکا تھا۔''

عاطف جب سے ڈی پورٹ ہو کر واپس آیا تھا۔ دن رات کا زیادہ تر وقت یہیں دفتر والی حویلی میں گزارتا تھا۔ گھر میں اُسے والدین کے سوالات کا جواب دینے میں بڑی کوفت ہوتی تھی۔ دوسری وجہ' باہر رہ کر اُس کی عادتیں بگڑ چکی تھیں۔ گھر میں وہ خود کو ایک ایسے پرندے کی طرح محسوس کرتا تھا جسے پنجرے میں ڈال دیا

Scanned with CamScanner

گیا ہو۔ تیسری وجہ ایک یہ بھی تھی کہ وہ پھر پیرس یا لندن نکلنے کی جستجو میں تھا۔ اس سے وعدہ بھی کیا گیا تھا کہ کچھ عرصہ جیسے تیسے نکال لے اس کے بعد اُسے پکے کاغذوں پہ فرانس یا انگلینڈ بھیج دیا جائے گا۔ ٹکٹ اور ادھر کا خرچہ اسے یہیں اور باقی کے اخراجات وہاں پہنچ اور کما کر دینے ہوں گے۔ والدین کو وہ ایک اچھی رقم بھیج چکا تھا جو بدقسمتی یا خوش قسمتی سے اُس نے جُوئے میں پیدا کی تھی۔ اس حقیقت سے والدین بے خبر...... وہ اس رقم کو اُس کی حلال کمائی سمجھ کر سنبھال چکے تھے۔ اسی نسبت سے ادھر پہنچتے ہی نئی موٹر سائیکل مل گئی۔ چند فیشنی قسم کے کپڑے جوگر جوتے ساتھ لے کر آیا تھا۔ بالوں پہ جل اور آنکھوں پہ گاگل لگاتا۔ گھر والوں کو یہی تاثر دیا کہ یہ لوگ بہت اچھے اور شریف ہیں میرے ساتھ اُن کی دوستی ہے۔ میں بہت جلدی اُن کی وساطت سے یورپ جا رہا ہوں۔

اصل بات بھی یہی کہ وہ کسی نہ کسی طور پھر پاکستان سے باہر انگلینڈ کی طرف نکلنا چاہتا تھا۔ جدھر ہر چیز کی کھلی آزادی ...... کوئی روکنے نہ ٹوکنے والا...... شراب شباب جُوا...... عیاشیاں ہی عیاشیاں ...... مسجد نہ کوئی مولوی' حرام حلال کی حد اور نہ تنگ دل و نظر' حسد کرنے والے رشتہ دار...... ماں باپ کی طرف سے کھلی آزادی کی آڑ میں وہ اب یہاں ہر اُس اچھی بُری چیز سے آسودہ ہُوا جسے وہ باہر چھوڑ کر آیا تھا۔ منشیات' جوا' عورتیں ادھر کا روزمرہ تھا۔ یہاں ہر ایک کارندے کی اپنی اپنی ڈیوٹی تھی جسے وہ ذمہ داری اور احسن طریق سے سرانجام دیتا تھا۔

اچھی بُری لڑکیوں کو ادھر لانا فاضلے شورے کی ڈیوٹی تھی۔ انہیں ورغلا کر لایا جائے یا اُجرت پہ یہ لڑکی کی ضرورت یا حالات پہ منحصر تھا۔ زیادہ تر دو نمبر لڑکیاں ہی ادھر کا رُخ کرتیں جو شب بھر ساقی گری کے علاوہ ان کی نفسانی خواہشات بھی پوری کرتیں۔ اکثر ایسی لڑکیاں عورتیں بھی جو منشیات کی عادی ہوتیں یا کسی جھوٹے پیار محبت کے چکر میں پھنسی روپے پیسے کے لالچ یا اپنے خاوند بھائی کو باہر بھجوانے کی خاطر اپنی عزت کی بلی چڑھانے پہ مجبور ہوتیں۔

ادھر پہنچی ہوئی لڑکی یا لڑکیاں' چاہے وہ کسی کے بھی وسیلے سے آئی ہوں۔ سب سٹاف کا مشترکہ مالِ غنیمت ہوتیں۔ ہر کارندے کا اپنا اپنا نمبر تھا لیکن پہلی باری اُس کی ہوتی جو اسے ادھر لے کر آتا۔ اس کے بعد دوسرے بھی اپنے اپنے نمبر پہ اپنا اپنا حصہ وصولتے...... نشہ کی بدمستی اور شہوت کی شدت میں ہر شے دھندلا جاتی...... کچھ بھی تو صاف واضح دکھائی نہ دیتا۔ حتیٰ کہ اگلی صبح کا سورج بھی ان کے چہروں کی خباثت اور رذالت کو دور نہ کر پاتا کہ زیر زمین' ان کی نشاط گاہ تک اُس کی رسائی نہ تھی۔

فاضلے شورے کو یہ علم نہ تھا کہ یہ لڑکی' جس کا چہرہ بھی اُس نے غور سے نہ دیکھا' عاطفے کی پھوپھی زاد اور

Scanned with CamScanner

متروکہ منگیتر ہے۔ بہن سے کچھ کرید کرنے کی کوشش کی تو وہ ٹال گئی۔ وہ اس کی طبیعت سے خوب واقف تھی۔ نہ اُس کا نام کام بتایا اور نہ پنڈ کا اتا پتا بتایا لیکن وہ اُس کے راستے سے اندازہ کر چکا تھا۔ پیچھے لپکا' اپنی سی کوشش کی مگر اسے تو موٹر سائیکل پہ نہ بیٹھنا تھا نہ بیٹھی...... یہ نام و نال' نیت و نسب کا کچا' بچل سا منہ ڈھو بنائے واپس پلٹ آیا۔ اُدھر رانی بھی اپنے دل و دماغ میں اک عجیب سا خلفشار سمیٹے اپنے گھر پہنچ چکی تھی۔"

وہ نظرو دل کی کچھ ایسی کچی لڑکی نہ تھی۔ اپاہج غریب باپ' چھوٹے بہن بھائی...... گھر کی غربت تنگدستی نے اُسے اِک مضبوط لڑکی کے قالب میں ڈھال دیا ہوا تھا۔ وہ خود کو صنفِ لطیف سے زیادہ جنس ثقیل محسوس کرتی تھی ...... لیکن فاصلے شورے کے اِس واقعہ نے قدرے متزلزل کر دیا تھا۔ مزید بدقسمتی کہ اتنا بھی نہیں جانتی تھی' اس کی نکلی کا یہ خوبرو بھائی کس قماش کا ہے؟ پہلی بار کا آمنا سامنا ...... اک نظر میں انوکھا جانو سا لگا تھا۔

گہرا سا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت بھی کبھی کبھی اک نہ سمجھ میں آنے والا چیستان بن جاتی ہے اس کے من بھاونے اور دل دق کرنے کے کوئی اُصول ضابطے واضح نہیں ہوتے۔ سے سجا کی انگلی' دل کی یا کسی دل کی گلی کی چٹکل' مان مریادہ یا متی مت کی مُشکل وغیرہ ...... کبھی اُس کے دل میں آئی ہوئی کامنا کی راہ نہیں روکتے۔ وہ کب پارتی ہے اور کب پرپٹنا' کب میرا بائی کب منگلا مکھی ...... سیتا اور کب سنجارکا' مہارانی جھانسی ہے یا ماتا ہری' یا پھرسسی یا صاحباں' نوتن یا انگار سلطانہ ...... عفت مآب اور کب عصمت فروش؟ (استثناء کے ساتھ) اس کے دل کے سُودے' مُنہ کے سواد اور آنکھ کی سدھ نراینت کا کچھ حال چال نہیں۔ سو روپ' ہزاروں سروپ ...... لاکھ چتر چلتر اور کروڑوں چھل بل ...... اس کی پاک دامنی' فہم و فراست' حُسن و خُوبی کے ساتھ ساتھ' اس کی بے وفائی' حماقتوں' مکر و فریب' سفاکی و بے باکی کے تذکروں سے بھی داستانیں بھری پڑی ہیں۔ شاید اسی لیے وارث شاہ جیسے لاثانی رمزشناس کو کہنا پڑا......

ع وارث زن فقیر تلوار گھوڑا

ایہہ چاروں تھوک کسے دے یار ناہیں

سیانے کہتے ہیں کہ اس کی مت گُھری میں ہوتی ہے (استثناء کے ساتھ) ...... خاص طور پہ البڑ لڑکیاں' جو نئی نئی شہرِ شباب میں وارد ہوتی ہیں ...... کچی عقل والی' جذباتیت پسند' فلمیں' ٹیلی ویژن دیکھنے والی' رومانی ناول کہانیوں کی دلدادہ ...... شاپنگ' سیر و تفریح' ہوٹلنگ کی شوقین ...... مخلوط تعلیم و تربیت بھی' ان کا دماغ خراب کرنے میں ممد ثابت ہوتی ہے۔ ماں باپ کی کڑی نگرانی' بے اعتمادی' خاندانی گھریلو گھٹن اور معاشی مسائل بھی ایک وجہ ہیں۔ کچھ نفسیاتی' جنسیاتی رویے اور موروثی رُجحان بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

پہلا احساس سابقہ منگیتر عاطف نے دلایا۔ جب اُس نے کلائی تھام کر اپنے ساتھ موٹر سائیکل پہ

Scanned with CamScanner

بٹھانا چاہا۔ اس واقعہ نے تو جیسے اُس کی عورت والی کوئی رگ کھول دی تھی۔ تاؤ تاؤ کئی روز تک رہا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک ایسی سمجھ میں نہ آنے والی کیفیت بھی دَر آئی تھی جو اسے اندر ہی اندر اک عجیب سے نشے میں جھگوتی رہتی تھی۔ کوئی چوٹ ایسی بھی ہوتی ہے جو ٹیس کے ساتھ میٹھا میٹھا سا مزہ بھی دیتی ہے کہ بے اختیار منہ سے ''سی'' نکل جاتی ہے...... ایسی ''سی'' نکلنے سے دل میں کہیں گدگدی بھی ہوتی ہے۔ اب یہ دوسرا موٹرسائیکل والا، پالا جو فاصلے شورے سے پڑا تھا اس کا اثر تو جیسے دل پہ جم کر رہ گیا تھا کہ وہ ایک اپاہج غریب مگر شریف باپ کی بیٹی تھی لیکن وہ ایک بالغ بھرپور لڑکی بھی تو تھی جو تمام تر نسائی جذباتی تقاضوں سے لبالب تھی...... کہیں کوئی ایسی معدوم سی خواہش خلش...... کہ کہیں کبھی پھر یوں ہو جائے۔؟

ڈیرے پہ ڈھیری اُداسی' کنویں کی دیواروں پہ کائی کی مانند جمی ہوئی تھی۔ محرم کے ابتدائی دن...... کاروبار دین و دنیا' ٹھنڈے چولہے کی بھوبھل کی طرح سرد گرم تھے لیکن جن کے لیے رَاوی نے چین ہی چین اور عیش ہی عیش لکھا ہو ان کے لیے محرم' صفر' عید شبراَت سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بس ان دنوں ذرا احتیاط کر لیتے اور ظاہری بھیس مومنوں سا بنا لیتے ہیں۔ پورے گاؤں میں صرف ایک گھر شیعوں کا تھا وہ بھی نہ ہونے کے برابر...... مرد اُدھر کراچی میں مزدوری کرتے' اِدھر گاؤں میں عورتیں اور بچے...... ڈیرہ' گاؤں سے باہر' نہر کے پاس...... بیچ میں کھیت اور پھلوں کے باغات...... اِدھر کون ہو جو ان کی کرتوتیں دیکھے؟

اِدھر سب کے سب بیکار بیٹھے تھے...... کام دھندا نہ ہونے کے برابر...... صبح سے شام اور رات سے پھر فجر کرنا مشکل پڑ رہا تھا کہ محرموں میں پورا انتظامِ حیات اُتھل پتھل سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ بُرے سے بُرا شخص بھی شرماشرمی میں کچھ حیا کر لیتا ہے۔ پورا مہینہ' منہ ڈھانپے کسی کونے کھدرے میں پڑ جاتا ہے یا کم از کم پہلا عشرہ ہی اپنے مسلمان ہونے کے ثبوت میں کہیں کھیل لگا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔'' اِدھر بھی انہوں نے پہلے دس دن' کسی نہ کسی طور دانتوں تلے جیب دے کر نکال لیے...... شراب تو سونگھنے سے بھی رہے۔ دیسی شراب کشید کرنے والے عیسائیوں نے ٹکا سا جواب دے دیا تھا کہ ہم محرموں میں یہ دھندا نہیں کرتے۔ ولائتی کو وہ مسکہ کہتے تھے جو امیروں کا نشہ ہے' دیسی دارو نشے میں جو دم' ولائتی ہے وہ ولائتی کا ورتو نہیں......!

پچھل موسم دا' تے گل وَلیے دی......!

میرا ایک بچڑا اک لمبا عرصہ پینے پلانے اور لڑکیوں کے چکر میں پڑ کر اپنی عاقبت اور صحت برباد کرتا

Scanned with CamScanner

رہا' اچانک ایک طرحدار چنگڑی' جس کا پیشہ صرف جمعرات کے روز بھیک مانگنا تھا' کے حُسن آوارہ پہ لٹو ہوگیا۔ میں اسے راہ پہ لانے کی اپنی سی سعی کرتا رہا مگر اس پہ میری کسی نصیحت فضیحت کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ جتنا اسے سمجھاتا اُتنا ہی وہ اور پکا ہوتا...... آخر تنگ پڑ کر اسے کہنا ہی چھوڑ دیا۔'' دیکھا گیا ہے کہ فیض یابی یا اثر پذیری کا بھی ایک وقت ہوتا ہے...... نہ پہلے نہ بعد' بس منظوری اور حضوری اپنے کسی خاص نے پہ ہی جلوہ افروز ہوتی ہے اور وہ مخصوص کرشماتی لمحہ' کب ظہور پذیر ہوتا ہے یہ ہر کوئی نہیں جانتا' یہ قدرت کے رازوں میں ایک راز ہے۔ جس کے ہاتھوں شفا یا فیض حاصل ہوتا ہے ضروری نہیں کہ وہ ظاہری یا باطنی طور' ایک نیک پارسا' اللہ کا ولی ہو...... وہ کوئی ایسا بھی ہو یا ہو سکتی ہے جو دیکھنے جاننے سے سمجھ نہ آئے...... جیسے شہد دودھ میں بھی وہ اکسیری نہیں پائی جاتی جو چند مخصوص امراض کے لیے اونٹنی' گدھی' کتیا یا کچھ اور جانوروں کے پیشاب میں پائی جاتی ہے۔ ایسے ہی دیگر جانداروں کا بول براز' مینگنیں' کھر' بال' دانت وغیرہ ایسے ایسے لاعلاج امراض میں کام آتے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہاں سمجھ میں بات آتی ہے کہ مالکِ کل نے کسی' بظاہر اچھی بُری' حلال حرام چیز کو بلا مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ ہر مخلوق کا مقصد اللہ کی ثنا اور اللہ کے بندوں کی فلاح ہے۔ ظاہر ہے یہ موٹر مکینک تھا۔ ورکشاپ' شاگرد پیشہ...... وہی گندا مندا ماحول' ویگنیں موٹریں' ڈرائیور کنڈکٹر' گالی گلوچ نخش گوئی' ٹھرک بازی اور منشیات وغیرہ۔ ایسی نچلی سطح کی ورکشاپوں کا یہی حال ہوتا ہے۔''

جمعرات کے روز' بھیک مانگنے والی نوعمر لڑکیاں عورتیں' مناسب سا بن ٹھن کر' مارکیٹوں' دکانوں' کارخانوں اور خاص طور پہ موٹروں ویگنوں کی ورکشاپوں پہ یلغار کرتی ہیں۔ ایسی عورتیں لڑکیاں' خانہ بدوش' چنگڑیاں' گلوریاں' بکھی واساں یا بکروالیاں ہوتی ہیں۔ یہ ایسے خانہ بدوش قبائل کی عورتیں ہوتی ہیں جو مستقل کسی جگہ ٹِک کر نہیں رہتے اور نہ ہی ان کا تعلق کسی مذہب مسلک سے ہوتا ہے۔ حرام حلال کی تمیز سے بھی تہی!...... گھٹیا نشے' ان کی گھٹی میں پڑے ہوتے ہیں۔ چھوٹی موٹی چوری چکاری' عیاری مکاری بھی چلتی ہے۔ کبھی کہیں مٹی' گھاس پھونس کے کھلونے گھگھو گھوڑے' گڑیاں برتن' سانڈے کا تیل بیچتی بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن ان عورتوں کا اصل پیشہ' اپنی اداؤں اور غمزوں سے چکی طبیعت' ٹھرکی مزاج مردوں کو جھوٹے پیار دلاسے کے چکر میں ڈال کر مال پانی اینٹھنا ہوتا ہے۔''

ایسے آنکھ نیت کے ٹھرک باز زیادہ تر مکینک' فیکٹری ورکرز' ٹیکسی رکشے والے!...... جو جانتے بھی ہوتے ہیں کہ ان تلوں سے تیل اتنا ہی نکلنا ہے جس سے بس ٹھرک ٹھنڈا ہو سکے' سر چپڑنے یا لک گوڈے کی مالش نہیں...... پھر بھی وہ کملوندی کا تیلی بنے اپنی کوشش کا کولہو چلتے رہتے ہیں۔ ان گشتی مہلاؤں میں قریب قریب سب ہی مردوں والی ہوتی ہیں کہ انہیں کم سنی میں ہی قبیلے کے کسی مرد کے پلے باندھ دیا جاتا ہے۔ وہ مرد آنکھ

Scanned with CamScanner

برس کا ہو یا ساٹھا پاٹھا؟ بس پچھڑی کو نتھ ڈال کر رکھ سکتا ہو۔ ان کے ہاں مرد وہ ہوتا ہے جو وب کے اُجڈ' جھجھ
خبیث اور رنج کرے بے غیرت ہو' ہر نشہ علت کا عادی...... نحوست' حرام خوری' بدحرامی' بدکلامی' لڑائی بھڑائی تھانے
کچہری کا جانو پہچانو اور ہر رات' سونے سے پہلے اپنی جورو کے جوڑ ڈھیلے کرنے کا چیمپئن ہو۔'' ان کی
عورتیں اپنے مردوں کو کما کر کھلاتی ہیں۔ مرد بھی جانتے ہوتے ہیں کہ یہ سارا دن کہاں کہاں جاتی ہیں۔ پیسے
جوڑنے کے لیے یہ کیا کیا حربے استعمال کرتی ہیں؟ جو وچارا آنے یا روپیہ دھیلی دیتا ہے وہ ان سے غلیظ حرکتیں
اور باتیں بھی کرتا ہے۔ چھاتی کو بھی چھوتا ہے' موقع ملے تو چٹکی بھی لے لیتا ہے۔ جھوٹی قسمیں' کہیں ملنے کے
وعدے' گفٹ فرمائشیں وغیرہ...... ان کے مرد یہ نہیں پوچھتے کہ سارا دن کہاں کہاں گئیں' لوگوں نے کیسی حرکتیں
کیں؟ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ لے کر کیا آئی ہے؟

میرے اس ملنگ بچے کے ہاں بھی جمعرات کے روز' پچھلے پہر ایک کٹیلی سی عورت آتی تھی۔
کسی کسائی' بڑی چٹی چربیلی...... جسے نہ تو لڑکی کہا جا سکے اور نہ ہی کوئی ہنڈی ورتی عورت!...... ایسی چیز کی عمر کا
صحیح سے اندازہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بلکے بھاری نشہ کے عادی' حرام کاری کرنے والے' حرام غذا کے خوگر' جادو
ٹونہ کرنے والے عورت و مرد ان کی آنکھوں میں اک علیحدہ وتیکھی سی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ شیطانی یا شہوانی؟
یعنی ان کی آنکھوں میں ایسا کچھ نہ کچھ ضرور در آتا ہے جو ہر طور خیر و خرد کی جانب نہیں' خرابی و خلل کی سمت
راغب کرتا ہے...... مقابل فرد بڑے واضح طور پہ سحرزدہ سا ہو کر اپنی پسپائی محسوس کرتا ہے۔ سانپ ہو یا سانپ
کھانے والے...... بدقماش عورتیں' جادوگر ساحر' کالا علم کرنے والے۔ ڈاکو دہشت گرد وغیرہ اپنی آنکھوں کی
اس ساحرانہ قوت سے بڑے کام لیتے ہیں۔ یہ ابلیسی قوت ہوتی ہے جو ابلیس کی طرف سے اپنے
چیلوں چیلیوں کو ودیعت ہوتی ہے۔''

اس چنگڑی عورت کی آنکھوں اور جسم میں بھی کچھ ایسی ہی کشش تھی جس کا اُسے احساس بھی تھا۔ بس
اسی سے کام لے کر وہ مردوں کو پرچاتی' بیوقوف بنا کر پیسے بٹورتی۔ وہ ملنگ بچہ بھی اُسے ''کھانے پینے'' کے
چکر میں تھا مگر وہ چنگڑی اسے اپنے ڈھنگ کے تحت' صرف چکھنے کی حد تک رکھے ہوئے تھی۔ اپنا آپ' وہ صرف
اپنے مرد کو ہی کھلاتی تھی۔ ویسے بھی زیادہ تر ایسی عورتوں کی دوڑ دھوپ محض پیسے بٹورنے کی حد تک ہوتی ہے۔
جسم فروشی ان کا مطمع نظر نہیں ہوتی۔

کوئی ایسی ہی جمعرات تھی۔ بارش' پچھلے روز سے چھما چھم برس رہی تھی۔ پورا علاقہ نیم سیلاب زدہ سا
تھا۔ کیچڑ اور راہ راستوں پہ کھڑے پانی نے کاروبار حیات بند کر رکھا تھا۔ میرے اس بچے کی ورکشاپ اور تیل
بدلی والے گڑھے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ ویگنوں کے پرزے ڈبا نچے اور دیگر کاٹھ کباڑ' اوزار سب کچھ بارشی پانی

کے رحم و کرم پہ تھا۔ یہ آہن کا اُلو بنا' آدھی ڈوبی ہوئی ویگن کے اندر اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس کے شاگرد لڑکے بالے' نشیبی علاقہ کے رہائشی' دوروز سے غیر حاضر تھے کہ خراب موسم نے ان کی راہ ماری ہوئی تھی......

اچانک باہر بجلی کوندی...... دیکھا تو وہی چنگڑی' گوری گوری سڈول پنڈلیوں پہ پائینچے چڑھائے' اس کی ورکشاپ جانب چلی آ رہی ہے۔ اس کو تو یاد بھی نہیں تھا کہ آج جمعرات ہے۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ اُس نے دائیں بائیں دوسری ورکشاپوں کو دیکھا ایک تو دوروز سے بند تھی اور دوسری کے باہر راوی بہہ رہا تھا۔ بندہ کوئی دکھائی نہ دیا' کوئی ہو بھی تو اندر کہیں بھیگا چوہا بنا بیٹھا ہوگا۔

وہ بھیگی بلی' دھیرے دھیرے پانی پچھاڑتے' شڑپ شڑپ کرتے ہوئے قضا کی مانند بڑھتی آ رہی تھی۔ بھیگی بلی اور بھیگی ناری' دونوں دودھاری کٹاری سی ہوتی ہیں۔ ایک پوہوں کے لیے کہ بارش برسات میں اس کی اشتہا دوچند ہو جاتی ہے۔ رم جھم' رسیلی تازگی سے اس کے شکم میں تنبورے بجنے لگتے ہیں۔ وہ انگڑائیاں توڑتے توڑتے نڈھال سی ہو جاتی ہے۔ اس سے وہ الہڑ مٹیار کی طرح ہوتی ہے' جس کا من' کسی میٹھے گرم گرم تن کے لیے للچا رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح شرابی اور عورتوں کی قربت کے رسیا مرد بھی بارش کی شرابوری اور ہلکی ہلکی تمازت کا احساس دلانے والی نم دار سردی میں' بڑے بے کل ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں ان کے من اور تن' دونوں کی پیاس بھڑک اٹھتی ہے

؎ پیاس بھڑکی ہے سرِ شام سے جلتا ہے بدن
عشق سے کہہ دو کہ لے آئے کہیں سے ساون

والی کیفیت اُن میں عود آتی ہے......

اُسے شاید ویگن میں بیٹھا اپنا ٹھرکی عاشق نظر نہ آیا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر اپنے دھیانے ورکشاپ کے برآمدے میں پہنچ چکی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا...... سنہری رنگی ہوئی بالوں کی لٹ حسبِ سابق' اس کے ماتھے پہ بھیگی سی چپکی پڑی تھی...... چہرہ گلگلوں' رسیلے ہونٹ جو ہمیشہ کی طرح سرخ تھے کہ منہ میں ڈبل چونا کتھا چیلی پتی کا پان دبا پڑا ہوتا تھا۔ آنکھوں کا کالا توا کاجل بھی جوں کا توں...... کچھ بھی تو نہ بدلا تھا' بس! ذرا ساون کی جھڑی نے ناک کی گھوڑی اور کیل کو تیکھا کر دیا تھا۔ وہ دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ ہر جانب جھاڑو پھری دیکھ کر واپس لوٹنے ہی والی تھی کہ یہ ویگن کے ملگجے اندھیرے سے باہر کود آیا۔ یہ تو ویسا ہی تھا کہ بلی کی بو پا کر چوہا' چھلنگ سے چھلنگ آیا ہے۔ عورت نما لڑکی یا لڑکی نما عورت کے چہرے پہ گریہ مسکینی کے کئی رنگ اُبھرا اُبھر کر ڈوبے۔ اس نے حسبِ عادت اپنا دایاں ہاتھ' اُس کے آگے پھیلاتے ہوئے کہا۔

''جمعرات اے سخیا' دے سچ رب دے ناں دا......''

Scanned with CamScanner

گریس ڈیزل لوہے کے میل سے آشنا ہاتھ سے پانچ روپے کا نوٹ اُس کی گدری ہتھیلی پہ دبا کر رکھتے ہوئے بولا۔

''تو بھی تو کبھی بخی بن کر دکھا؟...... آ' اج اندر ویگن دے بیٹھ کے گلاں کریے۔ اج تے بارش نے وی موقع دے دتا اے......؟''

وہ اُسے ہلکا سا کھینچ کر ویگن کے اندر لے گیا۔ سیٹ پہ اس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ ایک دس روپے والا نوٹ اُس کے گریبان والے ہوئے میں اُڑوستے ہوئے مزید کہا۔

''آج بڑے نوٹ میں تیرے لیے لایا ہوں' مجھے پتا تھا آج تو ضرور آئے گی۔ موسم دیکھا' کتنا رسیلا ہے؟''...... اُس نے ہاتھ بڑھا کر اسے مزید کسنا چاہا۔

وہ کسمساتے ہوئے بولی۔

''چل ! ول پشوری کر...... پر زیادہ ہتھ چلاکی نہیں کرنی......!''

وہ مزید ہتھ چلاکی کرتے ہوئے بولا۔

''آج تے دل پشوری نہیں' لبوری کرن دا موسم اے......''

وہ اُسے پرے کرتے ہوئے بولی۔

''زناں اَسی اپنے خصماں دیاں ہوندیاں آں...... کڈ دس روپے ہور' آج میں ڈیرے جلدی جاناں اے۔''

وہ اس کے جواب سے تلملا کر بولا۔

''ماں ساڈا کچی جاندی ایں...... جد ساڈی واری آوے...... تے ڈیرے نسی جاندی ایں...... اے بھلا کی گل ہوئی؟''...... وہ اُس کا ہاتھ پرے جھٹکتی ہوئی بولی۔ ''شرکی بندے ساڈی کاڈ نہیں کڈ سکدے' نے تے بلکی پھلکی فاری ٹیوپے!...... مرو تے ساڈے ہوندے نیں۔ اَسی اُنہاں نوں بچاواں (چائے) تے ٹکے نان نچھولیاں تے نہیں لایا ہوندا۔ پہلے پور دی دیسی شراب' دیسی گھیو تے دیسی ککڑ کھلا کھلا' تے دیسی چرس پلا پلا کے دیسی مرد بنایا ہوندا اے' تے فیر جا کے او ساڈے نال دیسی پیار دی تند پاندے نے۔''

کمال پھرتی سے اُس کی جیب سے ایک اور دس روپے کا نوٹ نکالا...... اُس کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے چہکی۔

''کتنی سوہنی دیسی جھڑی لگی دی اے۔ اج میں اُنہاں تیریاں پیساں دی دیسی ٹھرے دی ٹچی لے کے جانی اے...... سا جہاتے میں ' زل کے پیاں گے تے کھچ کے دیسی پیار کراں گے......''

Scanned with CamScanner

اُٹھتے اُٹھتے اُس کے زانوں کے درمیان چٹکی کاٹتے ہوئے بولی۔

''میں چلی آں' توں وی ایتھوں اُٹھ...... مینڈ ورد اپیا اے' نہالے......!''

اُس میں قدرے اخلاقی جرأت ہوتی تو بجائے نہانے کے ڈوب مرتا۔ جن بدچلنی کے کاموں میں دھنسا پڑا تھا' وہ سب سے پہلے بندے کی شرم میں اخلاقی جرأت اور احساس سود و زیاں کا قلع قمع کرتے ہیں اور پھر ایسی بے غیرتی' بزدلی اور بے حسی میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ اُسے دین دُنیا' گھر بار' عزت بے عزتی کا کچھ خیال یا احساس نہیں رہتا۔ لیکن ایسا بھی دیکھا کہ کہیں کوئی ٹھوکر' حادثہ' بات' واقعہ' وقت ایسا بھی ہو گزرتا ہے کہ ایک جھٹکے سے بند آنکھ کھل جاتی ہے۔ اُلٹی رگ' سیدھی ہو جاتی ہے...... فیوز بلب کا ٹوٹا ہوا ایلیمنٹ' کسی طرح پھر جُڑ جاتا ہے اور روشن ہو جاتا ہے۔ بند شریان' کسی انجانے جھٹکے سے پھر رواں ہو جاتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا' نا اُمیدی گناہ ہے۔ تاریک پہلو کی بجائے' روشن پہلو سے اپنی آس و اُمید کو تیز اں رکھنا چاہیے۔ پانسہ کبھی بھی پلٹ سکتا ہے۔ رُکی رگ' فیوز ایلیمنٹ' کبھی بھی کسی لہر' بھبھو کے جھٹکے سے دوبارہ جُڑ سکتے ہیں۔

انگلینڈ والے میرے پرانے پہاڑی گھر کے تہہ خانے میں بجلی کا ایک بلب فیوز ہو گیا۔ پرانی وضع قطع کا یہ قمقمہ کافی اونچائی پہ لٹکا ہوا تھا۔ آج کل کرتے کرتے کئی ہفتے گزر گئے۔ کون سیڑھی لے کر پیچھے جائے اور اُسے تبدیل کرے۔ دیواروں کے ہوا دانوں' روشن دانوں سے ہلکی سی روشنی بہر طور اندر آتی تھی اُسی سے کام چلاتا رہا...... ایک روز' سرِ شام کسی کام سے نیچے اُترا تو تہہ خانہ روشنی سے منور تھا۔ یاد نہ آیا کہ بلب' میں نے کب تبدیل کیا؟...... نیچے کھڑے ہو کر دیکھا۔ بلب وہی' اُس کا شیڈ بھی وہی گرد آلودہ...... الٰہی! یہ فیوز' بلب کیسے روشن ہوا؟ یہی سوچتے سمجھتے میں کسی طور' اُس بلب تک بلند ہوا۔ وہی کئی سال پرانا بلب تھا جو کچھ روز پہلے ڈیڈ ہو گیا تھا۔ کپڑے سے بلب کی گرد اور جالا صاف کیا...... فلپس' سا ٹھ واٹ' اچانک میری نظر ایلیمنٹ پہ پڑی۔ ٹوٹا ہوا سرا اپنے دوسرے سرے سے جُڑا ہوا تھا۔ مزید غور کرنے سے یقین ہوا کہ آندھی یا تیز ہوا کے کسی جھونکے نے اس لٹکتے ہوئے بلب کو جھولا جھلایا اور نازک ایلیمنٹ لرز کر کسی طور اپنے ٹوٹے ہوئے حصے سے پھر ہمکنار ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد پندرہ برس تک وہ بلب روشن رہا...... ایک وقت خود ہی اُتارا کہ چھت مرمت طلب تھی۔''

معلوم ہوا کہ ہدایت' فیض' تصرف و توفیق' درجات و برکات حاصل کرنے کا بھی معین وقت ہوتا ہے اور ضروری نہیں کوئی منتخب' ولی و عارف ہی حصول کا ذریعہ بنے۔ اللہ کریم چاہیں تو کسی ملحد کافر فاسق و فاجر سے بھی ہدایت کے چشمے جاری کروا سکتے ہیں۔ یہ علیم و خبیر کے کرم نوازی کے ہتھکنڈے' کوئی ناخنِ تدبیر اور کسی شہریار کی نگاہِ ناز کی بار یاوری کی بات ہے۔ دیکھیں تو ہدایت کے لیے اللہ کریم نے کنکروں' پتھروں' جانوروں' سمندروں'

Scanned with CamScanner

بارشوں طوفانوں زلزلوں سیلابوں آسمانی بجلی آفتوں قحطوں سے بھی کام لیا ہے اور جب ہدایت منظور نہیں تو اپنے منظور نظر پیغمبروں نبیوں کی بھی نہیں سنی ۔ اس میرے مکینک بچے نے میری کبھی نہیں سنی مانی تھی ۔ اس کو ہدایت ایک بدقماش چنگڑی سے حاصل ہوئی تھی ۔ نادانستگی میں اس کا ناخن تدبیر کام کر گیا اور وہ ایک ہدایت یافتہ بندہ بن گیا۔ وہ مکینک بچہ کہتا ہے بابا جی! یہ سب کچھ آپ نے کیا ہے۔ اس فحشہ چنگڑی کے روپ میں بھی آپ ہی تھے وہ بتارہا تھا......؟

میں چنگڑی کی کاٹ دینے والی باتوں اور دیسی والائتی کے چکر میں پھنسا ہوا ذہین ویگن میں پڑا ہوا تھا ایسے میں ورکشاپ کا پٹھان مالک اپنے ڈرائیور کے ساتھ میری طرف آیا۔ دور سے مجھے آوازیں دیں میں چنگڑی کی باتوں میں پھنسا ہوا شاید سن نہ پایا۔ پاس آکر اس نے ویگن کی باڈی پہ دو چار تھپے مارے۔ میں چونک کر باہر نکل آیا۔ شاید وہ بارش کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ چند منٹ ٹھہرنے کے بعد جانے لگا تو ڈانٹتے ہوئے کہنے لگا!

''اوئے خانہ خراب! ادھر تو کھڑے ہونے کے لیے جگہ نہیں۔ تم نے باباصیب کو کدھر بٹھایا تھا۔ کوئی چائے مائے بھی پلایا...... یا نہیں؟''

میں پریشان سا ہو گیا کہ اس نے شانو چنگڑی کو ادھر آتے یا جاتے دیکھ لیا ہے۔ لیکن یہ تو کوئی پریشان ہونے والی بات نہ تھی۔ جمعرات کو فقیر بھکاری آتے جاتے رہتے ہیں لیکن میرے اندر تو چور تھا۔ کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا جواب دوں؟ خان پھر کہنے لگا۔

''باباصیب کو اُدھر میری دکان پہ لے آتا چائے مائے پلاتا۔ بارش اور ٹھنڈی میں وہ کانپتے کانپتے جا رہے تھے۔ میں نے فردوس کو بھیجا' بابا کو لاؤ' بٹھاؤ اور چائے پلاؤ۔ فردوس کے پہنچنے سے پہلے اُدھر باباصیب پھسل کر گر پڑا...... میں خود بھاگ کر پہنچا۔ کپڑے میڑے سب کا ستیاناس ہو گیا۔ اب میں نے گاڑی پہ بٹھا کر اُن کو گھر بھیجا ہے۔ اوئے کم بختا! اتنا بارش پانی...... تم اُن کو خود گھر چھوڑنے کیوں نہیں گیا؟''

میں دیدے پھاڑے خان کی گفتگو سن رہا تھا جو میرے سر پہ سے گزر رہی تھی۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے میں بول پڑا۔

''خان جی! میرے پاس شانو چنگڑی جمعرات لینے آئی تھی۔ بابا جی سے تو میں کئی دنوں سے ملا ہی نہیں۔ اس موسم اور بارش میں تو اُن کا ادھر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنگڑی آئی تھی صرف میرے پاس ہی نہیں سب ورکشاپوں میں جاتی ہے۔ بابا جی کسی اور کے پاس آئے ہوں گے۔'' میں نے اپنی طرف سے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔

میری صفائی سن کر خان صاحب تو آپے سے باہر ہو گئے۔ بھنا کر بولے۔

''خو چہ! تم ہم کو جھوٹا بناتا ہے۔ میں نے خود اپنی ان آنکھوں سے بابا صیب کو تمہاری ورکشاپ سے باہر نکلتے دیکھا۔ اِدھر کے سب لوگوں نے دیکھا...... سلام دُعا کیا 'خو تم 'ہم سب کو اپنی طرح دو نمبر سمجھتا ہے۔''

خان صاحب کی اُونچی آواز میں تکرار سن کر کچھ اور بھی آس پاس کے مکینک' شاگرد لوگ اکٹھے ہو گئے۔ سب نے تصدیق کی کہ بابا صاحب کو آتے اور جاتے بھی دیکھا جبکہ چنگڑی کو تو پچھلے چھ سات روز سے کسی نے سونگھا تک نہیں...... ان گواہوں میں ایک دو حاجی نمازی بھی تھے۔ لہٰذا اب کوئی شبہ کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔

شاخِ آہو......!

مکینک نے جھنجھٹ سے فارغ ہوتے ہی مجھے ٹیلیفون کیا۔ میری خیر خیریت معلوم کرنے چند اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد پوچھا۔

''بابا جی سنائیے! بارشوں کا کیا حال ہے؟ کئی دِنوں سے دیکھا نہیں' کبھی اِدھر بھی نکل آئیے یا حکم دیں تو میں خود قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جاؤں؟''

مَیں نے اُس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے' بارشیں تھمنے کے بعد ملنے کا وعدہ کر لیا۔ اُس نے پھر اچانک بات کا پینترا بدلتے ہوئے پوچھا۔

''بابا جی! آپ اِدھر ورکشاپ کی طرف آئے تھے؟ میرا ایک شاگرد بتا رہا تھا آپ اِدھر کہیں سڑک پہ کیچڑ میں پھسل گئے تھے...... صلابت خان نے اپنی گاڑی میں آپ کو گھر بھجوایا......!''

''تمہارا دماغ دُرست ہے...... بادل دیکھ رہے ہے مسلسل دو روز سے برس رہے ہیں۔ مَیں سٹھیا گیا ہوں کیا؟ جو اس حال میں باہر نکلوں گا۔ ویسے بھی ان دِنوں میں زکام کی زد میں ہوں۔ اس حالت میں مَیں تو نوکھے میں باہر نہیں نکلتا' چہ جائیکہ کیچڑ میں نکلوں؟''

میرا وہاں ہونا یا نہ ہونا' ایک اچھا خاصا موضوع بن گیا تھا۔ مَیں دانستہ اس فضول بحث میں باہر رہا۔ جانتا تھا کہ مَیں جتنا بھی اس بابت صفائی پیش کروں یا سمجھاؤں' اُن پہ کچھ اثر ہونے والا نہیں۔

اَب آتے ہیں اس بات کی طرف کہ اصل معاملہ کیا تھا؟ مَیں اس مکینک بچے کو اپنے طور سمجھا سمجھا کر تنگ آ گیا تھا مگر میری کسی نصیحت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوتا تھا۔ میری زبان کی اثر پذیری ختم ہو چکی تھی یا میری اور اس کی فریکوئنسی میں کچھ گڑبڑ تھی۔ بہت بعد سمجھ میں آئی' دراصل نسے کے سَم میں اُس کی ہدایت کا اَمر

Scanned with CamScanner

واصل نہیں ہوا تھا۔ چنگڑی کے سروپ اور زبان سے اس کے کا سم کھل گیا جس میں اُس کی ہدایت کی فریکوئنسی سیٹ تھی۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے...... گیئر گراری کے دانتے ایک سے نہ ہوں تو وہ کام نہیں کرتے‘ پھنس جاتے ہیں یا ٹوٹ جاتے ہیں۔ گراریوں کے اینگل‘ سائز مختلف ہوتے ہیں مگر دانتے ایک سے...... میرے دانتے اُس کی گراری سے چھوٹے بڑے تھے‘ اس لیے بات نہ بنی۔ چنگڑی سے اپنے مزاج اور انداز سے برمحل تذکرہ بات سرزد ہوئی تو اُسے فنا کر کے گئی۔ بس یہی نے کے سم کا کمال تھا؟

اَن پڑھ غیر مہذب چنگڑی نے اُسے بتایا کہ وہ صرف اپنے مرد کی عورت ہے۔ وہ اُسے بھیک اور دیگر ہتھکنڈوں سے‘ جو اُس کی پیشہ ورانہ روایتی مجبوری ہے‘ کما کر عمدہ دیسی انداز کی خوراک کھلاتی ہے اور اس سے دیسی محبت کرتی ہے اور وہ بھی اس سے دیسی طریقے سے محبت کا جواب محبت سے دیتا ہے۔ یہیں اس کی سمجھ میں یہ بھی آیا کہ وہ لاکھ جتن کرے‘ کیسا بھی لالچ دے مگر اُسے ایک حد سے آگے بڑھنے نہیں دے گی...... اُس کے چونچلوں‘ اداؤں‘ نازنخروں اور سوکھی بجھ چالاکی سے وہ باتھ بنیت تو کیلے کرسکتا ہے لیکن اس بپھری تندو تیز ندی میں اُتر کر اشنان نہیں کرسکتا۔ اس کی نام نہاد مردانگی کو اُس کی حقیقت بیانی نے اُلٹ پلٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں کچھ ایسی تبدیلی واقع ہوئی جس سے وہ بائیں سے دائیں کروٹ ہو گیا۔ اسے یہاں یہ ادراک بھی ہوا کہ مسئلہ وفا کا ہو یا بے وفائی کا‘ محبت ہو یا نفرت‘ نزاکت یا شقاوت‘ پاک دامنی یا فحش سامانی‘ معاملہ اکرام کا ہو کہ انتقام...... عورت‘ دونوں صورتوں میں انتہا تک جا گزرنے کی جرأت رکھتی ہے......!

انسانی تاریخ‘ ایسی صنفِ نازک کے خوب اور ناخوب کارناموں سے خوب آشنا ٹھہری...... کوئی عصر دور‘ حکومت و حشمت‘ سرکار دربار‘ سیاست و ریاست‘ تاج و تخت ایسا نہ ہوا جو ان نابغۂ روزگار اور فتنہ فسوں کار زنان مصر سے تہی رہا ہو۔ جہاں اکثر رسول پیغمبر‘ ولی قطب‘ فاتح بادشاہ‘ عالم‘ ان کی حیا و وفا‘ تدبر و تدبیر‘ دانش و بینش‘ جرأت و جلاوت سے شاد کام و کامران ہوئے‘ وہیں ان کے فتنہ توز حسن و جمال‘ مکر و فریب‘ چنچل کپٹ طراری و طنازی اور منتقمانہ طور و طرز سے عاجز و غارت بھی ہوئے۔ ناریوں کی اسی جوگن سرشت کی حامل اس چنگڑی نے‘ اس ٹھرکی‘ نفس پرست ملنگ کو اس کی اوقات سمجھا دی تھی۔ اس نسل و نسب کی عورتیں بلا کی رجولت پسند ہوتی ہیں۔ اُن کے اندر شہوت کا اِک جوار بھاٹا ہوتا ہے۔ ایسی عورت‘ کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔ جوں جوں عمر زیادہ ہوتی ہے وہ اور پُرشباب ہوتی جاتی ہے۔ بھلے جسم و اعضاء میں وہ کساؤ تناؤ نہ رہے لیکن کاٹھی کبھی ماٹھی نہیں پڑتی۔ اُس کے انداز و ادا میں بڑی تیکھی رہتی ہیں۔ وہ اپنے مرد کا انتخاب بھی خود کرتی ہیں۔ ایسا مرد‘ جو مرد کی تعریف پہ پورا اُترتا ہو۔ ایسی اُونچی ناری کا پُرش بھی کبھی بوڑھا نہیں ہوتا...... کیونکہ عورت‘ ایسی

Scanned with CamScanner

خوراک اور خدمت سے آشنا رکھتی ہے جو اُسے ایور گرین رکھتی ہے......!

کبھی کبھی دُشمن بھی ایسا وار کر جاتا ہے جس سے موت کی بجائے زندگی مل جاتی ہے۔ زہر ہلاہل بھی کبھی کارِ تریاق کر جاتا ہے۔ حادثہ بھی کبھی وہ علاج کر دیتا ہے جو لاعلاج ہوتا ہے۔

سُنی آپ نے اس پیر فرتوت کی باتیں! یہ کچے پیروں کا پکا جھوٹا...... دروغ پرور دروغ باف' ایسی ایسی بے پر کی چھوڑتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ قاری جانتے ہوئے بھی یقین کرنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ توبہ! اسے آگے پڑھیں؟

پیش خدمت ہے کتب خانہ گروپ کی طرف سے
ایک اور کتاب ۔
پیش نظر کتاب فیس بک گروپ کتب خانہ میں
بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے
https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share
میر ظہیر عباس روستمانی
0307-2128068
@Stranger

زہر کرتا ہے کبھی کارِ تریاق......!

میرا ایک عقیدت مند میرے ہاں اپنا جواں سال بھانجا لے کر آیا۔ خوبصورت بالا قدامت' یہ گورا چٹا لڑکا' پہلی نظر میں مجھے بڑا بھلا لگا' ماشاء اللہ کہتے ہوئے میں نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا' اپنے پہلو میں بٹھایا۔

''باباجی! یہ وہی میرا بھانجا ہے جس کا ذکر' ایک دو بار آپ سے کر چکا ہوں۔''

مجھے کچھ یاد نہ تھا کہ وہ اس کی بابت کیا بات کر چکا ہے؟ میرا کمزور حافظہ اور مصروفیات کچھ ایسی کہ صبح کھایا' دوپہر تک یاد نہیں رہتا چہ جائیکہ بیتے دنوں کی کوئی بات یاد رہے۔ یونہی اثبات میں سر ہلا کر ایسا تاثر دیا جیسے میں کچھ بھولا نہیں۔ ''میں نے مسکراتے ہوئے اس جوان لڑکے سے نام پوچھ لیا۔ میری مسکراہٹ' چہرے پہ سکڑ کر رہ گئی جب اس نے توتلی زبان سے اپنا نام' اٹک اٹک کر قیصر محمود بتاتے ہوئے' ہاتھ بڑھا کر میری داڑھی سے کھیلنے لگا۔ ماموں آگے بڑھ کر اُسے میرے پاس سے اُٹھانے لگا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ وہ میری شہ پا کر بہت خوش ہوا۔ اپنی بڑی اُنگلی منہ میں ڈال کر غل غل کرتے ہوئے ماموں کا منہ چڑانے لگا۔ اب وہ داڑھی چھوڑ کر میرے بالوں اور گلے میں پڑے موتی منکوں کی جانب ہو لیا۔ جب میرا پورا معائنہ مشاہدہ کر چکا تو کسی دو تین برس کے بچے کی زبان اور مجھ سے پوچھنے لگا۔

''آپ تا نام تا ہے؟...... آپ تے پاث ماٹو بلّی ہے......؟''

میں اُسے گدگدا کر' اُسی کے انداز میں ہاں میں جواب دیا تو وہ کھل کھلا کر میرے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا...... یعنی ایک دوست کی طرح مجھے قبول کر لیا تھا۔ آئس کریم کھلائی...... بچوں کے لیے رکھے ہوئے گینڈ کھلونے' بہت سی ٹافیاں گولیاں دیں اور پھر ملنے کے وعدے پہ اُنہیں رُخصت کیا۔

Scanned with CamScanner

ایسے ابنارمل بچوں اور دیگر مرد و زن سے واسطہ پڑتا ہی رہتا ہے لیکن ایسا خوبصورت' دراز قد' نوجوان بچہ! اِس حالت میں دیکھ کر واقعی دُکھ ہوا تھا۔ عمر کچھ مہینے کم سولہ برس اور دماغ باتیں' دو اڑھائی برس کے بچے کی۔

اگلے دن اُس کا ماموں' فون پہ گزشتہ روز' اپنے بھانجے کی حرکتوں پہ معذرت کرتے ہوئے مزید بتانے لگا کہ نوجوان بچہ! اپنے بستر پہ ہی بگ موت کر دیتا ہے۔ دانت مانجھ سکتا ہے اور نہ خود منہ ہاتھ دھو سکتا ہے۔ کھانے پینے میں بھی زبردستی کرنی پڑتی ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ پورا مرد ہے' جگہ دیکھتا ہے نہ ماں بہن...... سب کی موجودگی میں اپنے مردانہ اعضاء سے کھیلنا شروع کر دیتا ہے۔ منع کرو تو بے طرح روتا مچلتا ہے۔ وقت بے وقت' جب جی چاہتا ہے کپڑے اُتار کر ننگا ہو جاتا ہے۔ پتا نہیں اور کیا کچھ کہتا جاتا؟ میں نے اُسے روک دیا۔

''بھائی! جو کچھ تم بتا رہے ہو وہ میں جانتا ہوں بلکہ وہ کچھ بھی...... ! جو تم اور دوسرے نہیں جانتے۔ بولو! تم چاہتے کیا ہو؟''

''بابا جی! بس' کرم کی اک نظر ڈال دیں۔ میری بہن کا اکلوتا بیٹا ہے اور اس سے نیچے اُوپر کی چار بہنیں اور ہیں جو اسے بے حد چاہتی ہیں۔ اس کی نازیبا حرکتوں سے از حد شرمندہ ہوتی ہیں۔ کوئی مہمان آ جائے اسے کمرے میں بند کر دیا جاتا ہے۔ کسی کے گھر' ساتھ لے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

وہ یلاڑ کے کہتا جا رہا تھا جیسے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کہہ دینا چاہتا ہو۔ مزید بتانے لگا۔

''ذہنی' جسمانی پس ماندگی تو شاید برداشت کی جا سکتی ہے لیکن اس طرح کی سرعام جنسی بیہودگی تو غرق کر کے رکھ دیتی ہے۔ ایک آخری بات کہہ کر ختم کرتا ہوں کہ مجھ سمیت اُس کے تمام گھر والے بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ اس نوجوان معصوم اور خوبصورت بچے کو اللہ کے بعد آپ ہی......؟''

میری سماعت کا پیانہ بھی لبریز ہو چکا تھا۔ اُس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی میں بول پڑا۔

''بس! سب بات میری سمجھ میں آ گئی ہے۔ میں اسے پہلی نظر میں ہی پہچان گیا تھا۔ بندے کی بھیتر کی ساری کتھا' اُس کی آنکھوں' چہرے ماتھے پہ جلی الفاظ میں تحریر ہوتی ہے۔ سیکڑوں ہزاروں میں ایسے دو چار ابنارمل مولود نکل ہی آتے ہیں جو دل' دماغ یا جسمانی طور پہ کسی نہ کسی کی خرابی کا شکار ہوتے ہیں۔ زیادہ تر اس طرح کے ذہنی مریض بچے منشیات کے عادی والدین' موروثی وجوہات' دورانِ حمل کسی پیچیدگی بیماری' لاپرواہی' چاند سورج گرہن کی کٹھ کا تھ...... کالی ایلمی' بانجھ جھگڑی بھوتنی' ناری کی بدنگاہی بددعا یا پھر زچگی کے دوران دایہ کے ہاتھوں کسی نرمی سختی کا نتیجہ بھی ہوتے ہیں اور کا ہے مقسوموں کے لکھے بھی......؟''

چند لمحے اُدھر خاموشی کی برف جمی رہی۔ ذرا پگھلی تو عاجزی سے کہنے لگا۔

Scanned with CamScanner

''بابا جی! جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ میرے پلّے کچھ نہیں پڑا۔ ہمیشہ کی طرح یہ گفتگو میرے سَر سے گزر گئی ہے۔ مہربانی فرما کر سرِدست آپ صرف اتنا فرما دیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ڈاکٹروں' حکیموں اور سیانوں پیروں کا نہ فرمایئے گا کہ جہاں تک رسائی ہو سکتی تھی کوئی نہیں چھوڑا...... اب ہماری آخری اُمید آپ ہی ہیں۔ کوئی دوا' دُعا یا نگاہ؟''

''بھائی! کوئی مرض ایسا نہیں جس کی شفا اللہ پاک نے نہ اُتاری ہو...... تگ و دو سے جی نہیں چُرانا چاہئے۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔ میری ناقص عقل میں جہاں تک آیا ہے۔ آپ اسے میرے پیرخانے' آزاد کشمیر تراڑکھل نیریاں شریف لے جائیں' وہاں غزنوی پیر سے دُعا علاج کروائیں۔ اللہ شفا دینے والا ہے۔''

بیس بائیس روز بعد' میرے اُسی عقیدتمند بچے کا فون آیا۔ پتا چلا کہ وہ نوجوان بچہ وہاں پہنچ کر پیٹ کی کسی بیماری سے عاجز ہُوا' ناقابلِ برداشت سردی' سہولتوں کا فقدان' مجبوراً اسے واپس لانا پڑا۔

آزاد کشمیر کا یہ علاقہ انتہائی دُشوار گزار اور بلند و بالا پہاڑوں' قدرتی چشموں پہ مشتمل ہے۔ تراڑکھل پہنچنے کے لیے راولپنڈی سے ویگنیں ٹیکسیاں چلتی ہیں۔ جو لوگ اُدھر آتے جاتے رہتے ہیں اُن کے لیے تو شاید کوئی مشکل نہ ہوتی ہوگی مگر نئے آنے والوں کے لیے ایک کڑا امتحان ہوتا ہے۔ دریائے نیلم کے ساتھ ساتھ کبھی ادھر کبھی اُدھر...... اور پھر چکر دار تنگ اُدھڑی پدھڑی سڑکیں...... آسمان کو چھوتی ہوئی بلندیاں' پاتال تک اُترتی ہوئی گہرائیاں...... مسافر کو موت کی صورت دکھا کر کلمے کا ورد کرنے پہ مجبور کر دیتی ہیں۔ سفر کے بخیریت اختتام پہ اکثر مسافر' منّت کی مرغیاں اور نقدی دیتے ہیں۔ آئے دن چھوٹے بڑے حادثات بھی ہوتے رہتے ہیں۔ بریک فیل ہونے یا ڈرائیور کی کوئی غلطی' گاڑی کو فرلانگوں نیچے گہری کھائیوں میں اُتار دیتی ہے۔ لڑھکنیاں لیتی' پتھروں چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی گاڑی اور مسافر پہچاننے کے قابل نہیں رہتے۔

یہ لوگ بے نیل مرام واپس لوٹ رہے تھے کہ ایک تنگ سے موڑ پہ ویگن پھسل کر نیچے کھائی میں لڑھک گئی۔ خوش قسمتی سے پہاڑ کے گھنے درختوں نے ویگن کو تو مزید نیچے گرنے سے بچا لیا' لیکن تین مسافر' ایک عورت اور دو مرد' لڑھکتی ویگن سے باہر گر کر پتھروں جھاڑوں درختوں سے ٹکراتے ہوئے نیچے مختلف جگہوں پہ جا پڑے۔ ان تینوں میں زندہ مگر شدید زخمی' یہی ذہنی طور پہ معذور جوان بچہ تھا۔ جب لوگوں نے اسے تلاش کیا تو یہ جسمانی طور پہ معمولی سا زخمی تھا مگر سر' نڈی کی طرح کٹ پھٹ چکا تھا۔ زخمیوں کو تراڑکھل ہسپتال لے جایا گیا جبکہ اسے جیسے تیسے راولپنڈی ملٹری کے ہسپتال لے آئے' چند روز علاج معالجہ ہُوا مگر اسے ہوش نہ آیا تو ایمبولینس میں ڈالے لاہور لے آئے۔ یہاں اسے ایک پرائیویٹ ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا مگر یہ کومے کی حالت سے باہر نہ نکل پایا' تو پھر میرے حوالے ہو گئے۔''

Scanned with CamScanner

انسانی فطرت میں ہے وہ مایوسی اور ناکامی کی حالت میں وہم و گماں' شک و شبہات اور منفی اندازِ فکر کا حامل ہو جاتا ہے۔ اُس کا یقین ایمان کمزور پڑ کر جادو ٹونے کی طرف راغب ہو جاتا ہے مگر ایسا اُن لوگوں کے ساتھ پیش آتا ہے جو بے علم' جاہل ہوتے ہیں۔ توہمات کا زہر اُن کی رگ رگ میں اُترا ہوتا ہے۔ انہوں نے بھی میرے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا۔ میرا عقیدت مند بچہ' جو اس اُبنارمل بچے کا ماموں تھا۔ اس کا جینا محال کر دیا گیا۔ ہر اک نے اُسے نوکِ زباں پہ رکھ لیا کہ اس کے بابے کے غلط مشورے کی وجہ سے ہمارے جوان بچے کا ایسا حال ہُوا...... نہ ہم اُدھر پہاڑوں پہ جاتے نہ حادثہ پیش آتا۔ غرضیکہ اُنہوں نے سارا ملبہ مجھ پہ ڈال دیا۔ اَب میرے عقیدت مند بچے پہ جب اِک حد سے زیادہ دباؤ پڑا تو وہ پھر مجھ سے رجوع ہُوا' تمام حالات تفصیل سے بتاتے ہوئے' ہاتھ جوڑنے لگا۔

''بابا جی! بھانجا پچھلے دو ہفتوں سے کومے میں پڑا ہے۔ سر کے زخم تو کم و بیش ٹھیک ہو چکے ہیں مگر بیہوشی نہیں ٹوٹ رہی۔ بہن کا رونا نہیں دیکھا جاتا۔ پہلے تو اِشارے کنائے سے کہتے تھے مگر اَب تو برملا' مجھے اور آپ کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ میں اُنہیں سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا ہوں وہ کئی ایک عاملوں اور بابوں سے بھی مل چکے ہیں۔ دَم والا پانی' جھاڑ پھونکے دھونیاں جاری ہیں۔ بہنیں مُصلّے بچھائے وظیفوں پہ بیٹھی ہیں۔ اُنہیں کسی بابے نے کہا ہے اِس کا علاج غلط ہُوا۔ پوری فیملی' آپ اور میرے خلاف ہو چکی ہے۔ بتائیے!' اَب میں کیا کروں؟...... بہن کا رونا' بھانجے کی مُردوں سے بدتر حالت دیکھی نہیں جاتی اور نہ ہی آپ کی توہین برداشت ہوتی ہے۔''

میں زیرِلب' مسکراہٹ دبائے اُس کی کتھا سُن رہا تھا اور سوچ رہا کہ حکمت' مصلحت' مفاہمت کیسے گھمبیر اور مستور ٹھہرے کہ ہر کوئی جان اور سمجھ نہیں پاتا۔ جو جانتے ہیں' اُنہیں ہی پتا ہے کہ بیرونِ دریا کیا اور اندرونِ دریا کیا ہوتا ہے؟

اُس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا۔

''میرے پہلے مشورے سے تم لوگوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچا بلکہ اُلٹا نقصان ہُوا۔ اَب کیا کہتے ہو......؟ میری مانو' مجھے درمیان میں سے نکال دو۔ اگر کوئی فائدہ پہنچ جاتا تو میں اُن کی نظر میں کوئی کرنی والا بابا ٹھہرتا۔ اَب چونکہ معاملہ پہلے سے بھی زیادہ بگڑ چکا ہے لہٰذا مجھے کرنی والے بابے کی بجائے بھرنی والا بابا نہ بناؤ' میری طرف سے معذرت......!''

وہ میرے پاؤں پکڑ کر بولا۔

''بابا جی! وہ مُورکھ لوگ ہیں' اکلوتے جوان بیٹے کی پریشانی میں پھنسے ہوئے...... جس کا بازو بیلنے میں

Scanned with CamScanner

پھنسا ہوا ہو اُسے غلط صحیح کچھ نہیں سُوجھتا!...... میرا کامل یقین ہے آپ کا مشورہ غلط نہیں تھا اُن سے ہی نا سمجھی ہوئی یا پھر اُس کے مقدر میں شفا نہیں تھی۔"

"تم نے صحیح سمجھا...... مجبور بھوکا اور بیمار صبر اور سمجھداری کا متحمل کم ہی ہوتا ہے۔ اُن کو وہاں سے واپسی کا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ بچہ بیمار ہوا یا جاڑا کھا گیا اُس کا علاج بھی ہو جاتا...... بیماری آزاری محض زحمت ہی نہیں رحمت بھی ہوتی ہے۔ اپنی طرف سے وہ بچّے کو وہاں سے بچا کر لا رہے تھے مگر راستے میں گاڑی کھائی میں جا گری...... بیمار بچہ پہلے حال سے بھی گیا۔"

سُنار لوہار کے پاس مرمت یا پالش صفائی کے لیے کوئی اوزار یا زیور لے کر جاتے ہیں وہ اُسے پہلے تیزاب یا آگ میں ڈال دیتا ہے۔ یعنی یہ سنار یا لوہار ہی جانتا ہے کہ اُس نے آب تاب یا اُنہیں مرمت کرنے کے لیے کون سا طریقہ استعمال کرنا ہے۔ اب بھی میرا مشورہ یہی ہے۔ بچّے کو اُدھر اُسی پیر غزنوی کے پاس لے جاؤ۔ وہ اُسے نشیب میں کھڑا کروا کر اُوپر حجرے کی چھت سے ٹھنڈے یخ پانی کی دھار ڈلوائے گا۔ اللہ شفا دے گا اور اب رہا کوّے کا قائم رہنا...... تو یہ بھی اُس کے علاج کا حصّہ ہے۔ کسی کا بوسہ بھی کبھی موت کا پیغام ثابت ہوتا ہے اور کسی کا دانتوں سے کاٹ کر بوٹی نکال لینا بھی جراحت عارضہ ہوتا ہے۔ گاڑی گرتی نہ وہ لوٹنیاں کھاتا پتھروں سے ٹکراتا ہوا نیچے گرتا...... سر سے خون نہ نکلتا نہ دماغ اُلٹ پلٹ ہوتا تو شاید اُس کی دماغی صحت کی دُرستگی کا امکان بھی پیدا نہ ہوتا۔ ذرا سنبھلے تو اُسے وہیں لے جاؤ...... انشاء اللہ! ہر طرح سے صحت مند ہو کر واپس لوٹے گا۔ سبز کناری والی سفید ٹوپی سر پہ پہنے گا تو بھولی بسری ساری عقل واپس لوٹ آئے گی۔"

معلوم یہ ہوا کہ کبھی زہر بھی کار تریاقی کر سکتا ہے اگر کوئی نگاہ والا ہو؟ حکمت اور تدبیر تقدیر کو ٹال تو نہیں سکتے لیکن کوئی ایسی صورت ضرور نکل آتی ہے کہ بیچ کا کوئی راستہ دکھائی دینے لگتا ہے۔"

ایک لمبے مشاہدہ ڈھیروں غوض وغور کے بعد تقدیر اور تدبیر کا گمبھیر مسئلہ کچھ سمجھ میں آیا کہ اٹل تقدیر اپنی جگہ پہ ایک حکم کا درجہ رکھتی ہے مگر حکم والا حاکم چاہے تو اپنے حکم میں کوئی خوبصورت سی تبدیلی فرما کر اُسے حکمت کی شکل بھی دے سکتا ہے۔ اس کے لیے وہ کوئی مجبور محض نہیں مختار کُل ہے...... بس اسی حُسن فہم وظن کے صدقے اللہ کے بندے کچھ گنجائش حاصل کر پاتے ہیں......!

اللہ جانے کس طرح وہ لوگ دوبارہ وہاں جانے پہ رضامند ہوئے بہر طور کوّے کی حالت میں مریض کو لیے اُنہی دُشوار گزار پہاڑیوں سے گزر رہے تھے کہ عین اُسی حادثہ والی جگہ پہ پہنچ کر مریض بچّے نے

Scanned with CamScanner

ہلکی سی کراہ کے ساتھ حرکت کی۔ چند لمحوں کے بعد آنکھیں بھی کھول دیں۔ گھر والوں کی خوشی دیدنی تھی۔ مریض نے اشارے سے پانی طلب کیا......ایک آدھ گھونٹ لینے کے بعد خود اپنے زور سے اُٹھ بیٹھا۔ اردگرد جھانکتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''بابا کہاں ہے......؟''

باپ نے پوچھا۔ ''کون بابا......؟''

''جس نے مجھے سوتے ہوئے جگایا۔''

باپ نے بتایا۔ ''یہاں ہم ہی ہیں بابا تو کوئی نہیں!''

وہ دوبارہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

ٹھیک ایک ماہ بعد میرے اُسی بچے نے ٹیلیفون پہ نوید سنائی کہ اُس کا بھانجا اَب مکمل طور پر صحت یاب ہو کر واپس گھر پہنچ چکا ہے۔ حیران کن بات یہ ہوئی کہ اُس کی پیدائشی ذہنی بیماری دُور ہو چکی تھی۔ وہ اپنی عمر، عقل و ذہانت کے مطابق بات کرتا، نازیبا حرکات ختم ہو گئیں۔ اَب وہ ایک انتہائی معقول، صحت مند جوان تھا جسے دیکھ کر کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ کبھی فاترالعقل بھی رہا ہوگا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ جو ہوتا ہے وہ اصل میں نہیں ہوتا۔ آنکھ تو بشریت کے تقاضوں سے دیکھتی ہے جبکہ اس کے باطنی اور روحانی مقدرات یکسر کچھ اور ہوتے ہیں۔ آنکھ کو تو منظر کا عکس نظر آتا ہے اُس کا باطن نہیں......اور عکس لرزاں تھاں...... کوئی بھی لرزتی لہراتی چیز اپنی مرکزیت سے جُڑی نہیں بلکہ دُھندلی غیر واضح بے ثبات سی ہوتی ہے۔ اُڑتی اُمڈتی کالی سرمئی گھٹائیں بظاہر دھنکی ہوئی گدلی روئی پھوئے دکھائی دیتی ہیں۔ تار تار ریشہ ریشہ تتر بتر......مگر جب جی کھول کے برستی ہیں تو لگتا ہے قلزم زمین پہ نہیں آسمان پہ چڑھے بیٹھے ہیں!

● منزلیں خود بھی تو گُم کرتی ہیں رَستہ اپنا......!

علم الانسان کے ماہرین، علمائے نفسیات خوب سمجھتے ہیں کہ انسانی فطرت، جبلّت، سرشت...... طور و رویے، حمق و خباثت، اس کے معمولات و مشاغل کیسے کیسے گُل کھلاتے ہیں۔ انسان کا تلوّن، خودسری و خود پسندی اسے کیوں کر تگنی کے ناچ نچاتے، جبکہ اک حد سے زیادہ خود اعتمادی و خود پسندی بھی خوب خوار کرتی ہے۔ سو جو چیز اسے سب سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہے بلکہ تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہے وہ بے علمی،

Scanned with CamScanner

مایوسی اور بے یقینی کی فضا ہوتی ہے۔ اسے اپنے کسی عمل کے سیاق و سباق کی خبر نہ کسی ردِعمل اور انجام کا ادراک؟ وہ ایک ایسے مسافر کی مانند ہوتا ہے جو اندھا بھی ہے اور اندھیرے میں سفر بھی کر رہا ہوتا ہے۔ یہ پھر اُس کا مقسوم کب کوئی انجانا ہاتھ آگے بڑھ کر اُسے تھام لیتا ہے یا وہ پھر کسی گہرے کھڈے میں جا گرتا ہے۔

اللہ کریم کے لینے دینے کے ڈھنگ' بندے کی کھوپڑی میں نہیں آتے۔ بندہ تو بس! اپنی محدود عقل سمجھ سے تھوڑا بہت دال دلیہ ہی دَل سکتا ہے...... حکمت و مصلحت کی باریک پیمائی' اس کی منطقی موٹی چھلنی سے سیدھی سیدھی گزر جاتی ہے۔ آگ سے گلزار کھلانا' پرندوں سے فیلے مروانا' مُردوں کو زندہ کروانا' کنکریوں سے کلمہ پڑھوانا' بن باپ کے اولاد' اندھیرے سے اُجالے اور اُجالوں سے تاریکی پیدا کرنا اُسی کے ہی کام ہیں۔"

انسانی دماغ' دل اور آنکھ' اللہ پاک کے کارخانۂ قدرت کی کمال صناعی صفات کے بے نظیر نمونے ہیں۔ انسان کی تمام تر سائنسی ترقی' میڈیکل' پیرامیڈیکل سائنس کے اثاثے' مشاہدے اور تجربات' ابھی تک ان اعضاء کی ظاہری باطنی کارکردگی' حکمت و فعالیت کو کماحقہٗ جاننے سمجھنے سے عاجز ٹھہرے۔ بے شک' انسانی علوم و عقول' فہم و ادراک' بینش و ذہانت' ہمت و طاقت' اپنے محدود دائرہ و دم میں ہی عاجز رہتے ہیں۔ باہر نکل جائیں تو نمرود' شداد' فرعون و تخشب بن کر فاخر ہو جاتے ہیں۔ دیکھیں تو ماورائیت' محض مخصوص اور علتِ بشری سے معصومان کے لیے ہوتی ہے یا پھر وہ جسے عطا کر دے......!

اَب یہاں ایک بڑا سا "لیکن" بھی ہے کہ ربُّ الحکمت نے اپنی کمال مشیت و مصلحت سے اپنے اور اپنے بندوں کے آس پاس جو شیطان الرجیم کُھلا چھوڑا ہوا ہے وہ ایسی ایسی ذرفطیاں' مُوشگافیاں' دلچسپیاں' رنگینیاں' دلنشینیاں' خوبصورتیاں بکھیرتا ہے جیسے شکاری' شکار کو پھانسنے کے لیے دام کے آس پاس دانے ڈالتا ہے کہ بشریت کے تقاضوں سے لتھڑا' بپھرا بشر' کسی نہ کسی طور دام میں پھنس ہی جاتا ہے۔"

نسیان' تلوّن' دانستگی' دراندازی' بغاوت و مزاحمت' ناشکری' نافرمانی' تجسّس و تذبذب اور لُعب و لالچ اسے زیر و زبر کرتے رہتے ہیں۔ یقین بے یقینی کی کیفیات میں اُبھرنا ڈوبنا تو سدا اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ جانیے کہ یہی روش رویے' جہاں اسے معتوب و مغضوب ٹھہراتے ہیں وہیں کبھی زمرہ بشریت و انسانیت میں کسی انوکھے سے مقام و انجام کا بہانہ بھی بن جاتے ہیں۔ کبھی کہیں نیکیاں اچھائیاں' شرافت و نجابت بظاہر نجاست انجام نظر آتی ہیں...... کہیں بُرائی نفرت' عداوت' خشونت اور ظلم و تشدد کی فضا میں راستی سلامتی' بہجت و محبت کی فاختاؤں عندلیبوں کے ہیولے پھڑپھڑاتے دکھائی دیتے ہیں۔"

آنکھ' ظاہری روشنی اور عقل' دم ولیل کی محتاج ٹھہری...... دونوں کے آگے ستر ستر پردے...... اصل

Scanned with CamScanner

منظر کا باطن بعید اور حقیقت خدا ابہام...... واضح نہ واصل و حاصل...... !

اس واقعہ اور بیشتر کے واقعات میں مندرجہ بالا باتوں کی تمام تر امثال بدرجہ اُتم موجود ہیں کہ تلوّن مزاج' بے صبرا انسان جو اپنی خواہشات کے مطابق فوری طور پہ اپنے حق میں بہتری کا فیصلہ چاہتا ہے۔ کتنے بڑے نقصان' فضل و کرم کی محرومی سے دوچار ہوتا ہے۔ اللہ کریم کی مشیت و حکمت' اس کی نودی عقل میں آتی ہی نہیں۔ وہ تو فوری طور پہ اپنی نام نہاد عبادات' اُلٹی سیدھی التجاؤں دُعاؤں کی اپنی مرضی کے مطابق تکمیل چاہتا ہے۔ جبکہ اللہ کریم بہتر جانتا اور کرتا ہے کہ اُس کے حق میں کیا مناسب ہے۔؟

''مولائے کائنات کے ایک فرمان کا قریب قریب مفہوم کہ میں نے اپنے ارادوں اور خواہشوں کی ناکامی میں خدا کو پایا۔''

● تقدیر کے اُوپر بھی ایک تقدیر ہوتی ہے...... !

کہیں سے سنا کشمیر کے علاقہ میں ایک صاحب حال ننگ دھڑنگ مجذوب ہے جو دُعا اللہ کریم کے حضور پیش کرتا ہے وہ قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔ دل میں اُس کی زیارت کی سمائی۔ دُشوار گزار طویل سفر اختیار کر کے وہاں پہنچا ایک گنجان جنگل کے ویرانے میں اُسے اِس حالت میں پایا کہ جڑی کے بوٹ سے جُثّہ پہ اک تار و تل سا لنگوٹ' ویدوں میں دُھندلاہٹ کی دُھول...... چندیا' چاندی میں چُندلائی ہوئی...... منہ دانت ڈانوں سے خالی' اُوڑھنا نہ بچھونا...... ایک پرانے درخت کے ٹھونٹھ سے ٹیک لگائے پڑا تھا۔ جنگلی چیونٹوں مکھیوں مچھروں کی ایسی یلغار جیسے وہ انسان نہ ہو پرانے گُڑ کی بھیلی یا گندگی کی کوئی پوٹ ہو؟...... گرد و پیش اور خود سے بے نیاز...... پہلی نظر دیکھنے سے لگا وہ گوتم یا گوشے کی باقیات ہو یا پھر کوئی ایسا دم دُنیا بیزار منش' جو اپنی بچی کھچی سانسیں فطرت کو واپس لوٹانے خاطر' اُس کی گود میں آ بیٹھا ہو۔ ''میں قدرے فاصلہ پہ کھڑا اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ کھانسا کھنکھورا بھی' پر کیا مجال جو اُس کے کانوں پہ جُوں تک نہ رینگی ہو۔ یوں بھی لگا کہ پنچھی اُڑ چکا ہے۔ ٹوٹا پچکا پنجرہ خالی پڑا ہے۔ چیونٹیاں مکھیاں' کیڑے مکوڑے' گدھ نیولے چیلیں کوّے' مُردہ لاشوں کا اپنا تختہ مشق بناتے ہیں۔ زندہ جسموں پہ حملہ آور نہیں ہوتے۔''

بہت بعد سمجھ آیا کہ جن کی رُوحیں' حق واصل ہوتی ہیں' اُن کے ظاہری جسم' فقیروں کے لنگوٹوں کی مانند تار تار ہوتے ہیں۔ ایسے بوسیدہ و ریدہ لنگوٹ' جنہیں حشرات الدُنیا' دم دم کترنے پہ لگے رہتے ہیں اور فقیروں کو خبر تک نہیں ہوتی...... !

یہ منش بھی شاید کوئی ایسا فقیر تھا۔ آس پاس کچھ ایسی بیکار اشیا بکھری پڑی تھیں جنہیں دیکھ کر پتا چلتا تھا کہ اِدھر عقیدتمند آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے لیے کھانے پینے کا سامان نذر نیاز وغیرہ لاتے ہیں۔ ردّی کاغذ' مٹھائی کے ڈبے' تازہ باسی پھول پتے...... ہلکا پھلکا کاٹھ کباڑ اِدھر اُدھر بکھرا ہُوا دکھائی دے رہا تھا۔

مَیں اِدھر خالی ہاتھ پہنچا تھا کہ بھرے پُرے ہاتھوں تو پیشہ ور پیروں کے ہاں رسائی ہوتی ہے۔ ولیوں قطبوں غوثوں کے دَروں' سروں پہ ڈالی دھرے داخل ہُوا جاتا ہے۔ جلا پھونک فقیروں دَرویشوں کی جُو میں سینے کے دَرو دَروں کو دُہکا کر پاؤں دَھرا جاتا ہے اور مجذوب اَلست کے رُوبرو' نگاہ نیم اور دَم دَھیم رکھنا پڑتا ہے کہ اِدھر خطا بھول چُوک کی تلافی نہیں ہوتی...... خطاوار سید ھا سید ھے فنافی النار ہو جاتا ہے۔ کچھ ہی دیر بعد' احساس ہوا کہ کچھ نچلے بندر اور مختلف پرند' آس پاس موجود ہیں جو شاید مجھ سے کسی دانے پانی کی توقع باندھے ہوئے تھے۔ اُن کی ہلکی ہلکی غُوں غُوں اور آوازیں مجھے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔ مگر میرے پاس کیا تھا؟ مَیں اَزلی بھوکا اور پیاسا...... کنویں کی منڈھیر پہ کھڑا...... پانی کہیں تہہ تارا بنا ہُوا...... اُس تک رسائی کی سبیل بظاہر کوئی سجھائی نہ دے رہی ہو۔''

ہر عقدہ کا کوئی حل اور ہر محنت کوشش کا کچھ نہ کچھ پھل' کہیں نہ کہیں ضرور ہوتا ہے۔ اِسی اُدھیڑبُن میں' مَیں کچھ قدم آگے سرکا' کہ حرکت میں برکت چھپی ہوتی ہے۔ پاؤں نیچے کے پتّے چرچرائے' کچھ پرندوں کی چہچہاہٹ اُبھری' بندروں کی خُوخُو سنائی دی۔ اَب مَیں ہمت کر کے کچھ مزید آگے بڑھ آیا۔ مَیں قریب سے اس ''مردِ عجیب'' کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس دیکھا دیکھی میں کہیں سے ایک شریر سا بندر کا بچّہ' اُچک کر اُس کے ناتواں کندھے پہ آ بیٹھا اور مجذوب کے سر پہ چھدرے اُلجھے گندے بالوں کے درمیان سے کھرنڈ اُکھیڑ اُکھیڑ کر خود بھی کھانے لگا اور مجذوب کے مُنہ میں ڈالنے لگا۔ مجھے اُس کی اس حرکت سے بڑی گِھن آئی۔ بلا سوچے سمجھے مَیں مزید آگے بڑھا اور اُسے روکنا چاہا۔ اچانک مجذوب میں حرکت پیدا ہوئی۔ اُس نے ہاتھ کے اِشارے سے مجھے روک دیا۔ تعجب ہُوا کہ اُس نے خود اپنا سر' بندر کے بچّے کی جانب جھکا دیا تھا۔ شریر بچّہ مجھے دکھا دکھا کر کھرنڈ اُکھاڑ کر مزے سے کھا بھی رہا ہے اور کھلا بھی رہا...... مجذوب کے ہونٹوں جنبش ہوئی۔

''ان بچّوں کے لیے اگر تم کچھ لا نہیں سکے' اُنہیں اِدھر سے ہی کچھ کھانے دو......!''

پیشتر کہ وہ مجذوب پھر پتھر کی سِل بن جاتا...... مَیں ہاتھ جوڑے سر جھکا' گویا ہُوا۔

''بابا! سخت بھول ہوئی...... بڑی دُور سے زیارت کرنے اور ایک دو سوالوں کا جواب پوچھنے آیا ہوں۔ نادانستگی سے کچھ نذر نیاز نہ لا سکا۔ بندہ بشر ہوں معاف کر دیں' ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔''

مجذوب نے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے میرے ہی الفاظ دہراتے ہوئے کہا۔

Scanned with CamScanner

''بندہ بشر ہوں معاف کر دیں...... ہر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔''......

پوپلے منہ میں ہوا بھر کر مزید کہا۔ ''تم میں تو بندر کے بچے جتنی بھی سُوجھ بُوجھ نہیں' بندہ بشر تو بڑی آگے کی منزل ہے۔''

اس رَجلِ ذکاء کی یہ بات' شاید میرے پلّے ہی نہیں پڑی تھی۔ میں اسی دَست بستگی کی حالت میں سرنیوے کھڑا تھا۔ میرے کسی ردِّعمل کو نہ دیکھ کر وہ پھر کہنے لگا۔

''ادب' صدق اور خوئے جستجو اگر تم میں نہ ہوتی تو جس طرح خالی ہاتھ آئے ہو ادھر سے تہی دست ہی لَوٹتے۔ راضی بہ رضا رہنا ہی اصل ایمان اور تصوّف ہے۔ مشیّتِ ایزدی کے آگے' یونہی جیسے تم ابھی کھڑے ہو...... سراپا تسلیم رہنا' حقیقی عبودیت ہے۔ میں بھی کسی کے لیے مخصوص دُعا نہیں کرتا۔ ساری بات' اللہ کی رضا پہ ڈال کر خود بری الذمہ ہو جاتا ہوں۔ کنوئیں میں ڈول ڈال دو...... کیا نکلتا ہے کتنا نکلتا ہے' نہیں نکلتا...... یہ کنوئیں' ڈول اور ڈول ڈالنے والے کے مقدرات ہیں۔ تقدیر کے اوپر بھی اک تقدیر ہوتی ہے۔''

اندر سے ایک سوال کھد بدایا' ہونٹوں پہ آیا اور ادا ہو گیا۔

''اللہ سے مانگنا' اپنی طلب پیش کرنا......؟''

''یہ سائل کی سرگردانی پہ منحصر ہے۔ اگر صدا لگا کر پیٹ پالنے کے لیے مانگتا ہے تو فقیرِ بے ضمیر ہے۔ دَر دَر بھٹک کر خیرات اکٹھی کرنے والا دَریوزہ گر...... اللہ سے مانگنے والا دَرویش ہے اور جو اللہ سے بھی اس وجہ سے نہ مانگے کہ وہ علیم وخبیر ہے۔ وہ مجذوبِ الست ومست کی نشانی ہے۔''

''رزقِ حلال کی نشانی؟''

''رزقِ حلال' پیٹ میں پہنچ کر غلاظت پیدا نہیں کرتا' بدبو نہیں چھوڑتا۔ رزقِ حلال کے بندے کے پسینے میں عنبر کی مہک ہوتی ہے۔ وہ خرّانے نہیں توڑتا۔ سوتے وقت اُس کے چہرے پہ نُورِ نوم کھلا ہوتا ہے۔ گالی گلوچ نہیں بکتا...... صادق' امین' وفا شعار ہوتا ہے اور مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔''

پچھلے تمام مختلف واقعات میں چند ایک چیزیں مشترک تھیں۔ روحانی' نفسیاتی' جنسی' معاشرتی اور سماجی کشاکش۔ جن بھوت پریت' تعویذ گنڈے' توہم پرستی' بے علمی' بے شعوری' معاشی بدحالی' بے انصافی' سماجی گھٹن' اخلاقی بے راہ روی وغیرہ۔ جب کسی معاشرے میں ایسی بُرائیاں جڑ پکڑ لیتی ہیں تو آہستہ آہستہ کینسر کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ آج ہمارے معاشرے کا یہ عالم ہے کہ گھر گھر' جھگڑے فساد بپا ہیں۔ عزتِ نفس' اخلاق' اعتبار' احترام' برداشت کا فقدان ہے۔ اخبار اکٹھی کر لیں' دیکھیں ہر شہر گاؤں قصبہ' عاملوں جادوگروں'

Scanned with CamScanner

جن بھوت ہمزاد والوں کے بڑے بڑے نمایاں اشتہار؟ بدقسمتی سے پوری قوم توہمات میں جکڑی ہوئی ہے۔ خدا رسول قرآن پہ اعتماد اُٹھ گیا۔ تعویذ دھاگے پڑھائیاں چلّے وظیفوں پہ زور زیادہ...... میرا دن رات ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے جو مجھ سے دُعاؤں وظیفوں پڑھائیوں کے طالب ہوتے ہیں۔ ہر اک کی ایک ہی کہانی...... کالا علم جادو کارا وار کا رونا...... روزی رشتہ بندھے ہوئے۔ خون کے چھینٹے کپڑوں کا خود بخود کٹ جانا گوشت کے ٹکڑے سانپ چھپکلیاں بھوتنے...... غرضیکہ اک سے ایک بڑھ کر خرافات...... ! لگتا ہے ہم خدا رسول قرآن کے ماننے والے نہیں بلکہ کسی سامری کے پیروکار ہیں...... یہ نام نہاد عامل کامل پیر بنگالی عیسائی جادوگر ڈنکے کی چوٹ لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ عورتوں کی عصمتیں عزتیں زیور روپیہ پیسہ سکون سب کچھ برباد...... ''ریاست سیاست کے کارپردازوں قانون نافذ کرنے والے اداروں کسی فلاحی تنظیم کا اس طرف دھیان نہیں۔ سب نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ دو چار چھوڑ کر باقی سب اخبار نوٹ چھاپ رہے ہیں۔ اخبار کے ماتھے پر قرآنی آیات اور آخری صفحات پہ اسلام دین اخلاق قانون کی تضحیک۔ ایسی بے باکی عریانی اور اسلامی عقائد کی نفی کی انسانیت منہ چھپا لیتی ہے۔ ان اخباری اشتہاروں نے لاکھوں گھرانے تباہ کر دیئے۔ طلاقوں خودکشیوں ہلاکتوں کی اک بڑی وجہ یہ چند ایک اخلاق باختہ اخبار دو نمبر ٹیلی وژن چینلز نام نہاد عاملوں جادوگروں کے ادارے بھی ہیں۔ اب تو کئی مسلمان بھی عیسائی یہودی مصلّی بنگالی ہندو سکھ بن کر اس کاروبار میں وارے نیارے کر رہے ہیں۔

غور کریں تو فطرت اپنے ازلی اُصولوں طریقوں کے تحت خود بخود صفائی اور چھنائی بھی کرتی رہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا اس کائنات اور دُنیا کا نظام چند لمحوں میں تہس نہس ہو کر رہ جائے۔ ایک اگر مرتا ہے تو دو چار پیدا ہو جاتے ہیں۔ سورج ایک سمت غروب ہوتا تو دوسری جانب طلوع ہو جاتا ہے۔ بُرائی کے ساتھ ہی بھلائی بھی کہیں نمودار ہو جاتی ہے۔ معاشرہ میں ایسی کاٹ چھانٹ کتر بیونت لگی رہتی ہے مگر جب کوئی چیز نفی یا اثبات میں غیر متوازن ہو جاتی ہے تو اس کے اثرات ہمیشہ مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ خاص طور پہ عقائد معاشرتی طور طریقوں باہمی رَویوں اور انسانی اخلاقی تقاضوں قدروں کی بُری طرح پائمالی معرض وجود میں آنا شروع ہو جاتی ہے۔''

غبارہ ایک حد تک تو ہوا کا دباؤ قبول کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ پھٹ جاتا ہے۔ طاغوتی ابلیسی یلغار کے آگے نورانی رُوحانی استعانتیں سینہ سپر رہتی ہیں...... تلوار کے توڑ کے لیے ڈھال بھی ہوتی ہے۔ ایک ہاتھ تلوار دوسرے ہاتھ ڈھال...... کہاں کس ہاتھ بازو نے کام کرنا ہے یہ جنگجو کی عسکری فراست پہ منحصر ہوتا ہے۔ جہاں کدھر وہ لمحہ بھر غیر متوازن ہوا۔ کٹ کر دو پارہ ہوا۔

Scanned with CamScanner

سروری جہانگیری' فیلے کی سواری کاسۂ کسریٰ میں خوں نوشی...... فقیری ذرویشی' شیر کا برقع' پارے کے پیالہ میں نرچہ الماس کی تلچھٹ پینا؟

ایک اَلست مست فقیر سے پوچھا تھا۔ فقر کا مزہ پھیکا کڑوا یا میٹھا؟...... مسکرایا پھر بسورا' خاموشی اختیار کی...... پھر استادہ ہُوا۔ اپنے پیچھے آنے کا اشارہ دیتے' ایک طرف چل دیا۔ کچھ دور پہنچ کر ایک غار میں گھس لیا۔ گھپ اندھیرا' جھاڑ کانٹے...... کچھ آگے قدرے روشنی دکھائی دی۔ یہیں ایک بہت بڑا مار سیاہ' دائرہ کی صورت زمین پہ پڑا دکھائی دیا۔ میں اس کے سر پہ پہنچ کر دیکھا کہ سانپ نے پلٹ کر اپنی دُم کی جانب سے خود ہی کو نگلنا شروع کیا ہوا تھا۔ ایسا پُر اسرار اور غیر ممکن عمل اس سے پیشتر کبھی دیکھا نہ کہ ایک جاندار خود کو نگل رہا ہے۔ حیرت و خوف کی ملی جلی کیفیت میں منہ کھولے' آنکھیں پھاڑے' سامنے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ خوفناک سیاہ اژدر مار' تھوڑے تھوڑے وقفے جھٹکے سے اپنی دُم کی جانب کا کچھ حصّہ نگل لیتا۔ یقیناً اسی کے لمبے جثے سے بنا ہوا دائرہ' دھیرے دھیرے کم ہوتا رہے گا۔ دیر بدیر آج نہیں تو کل' یہ اپنے منہ تک خود کو غائب کر چکا ہوگا۔ سوچتے سوچتے' محدود عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ آگے اندھیرا تھا' کسی بھی بات کا کوئی جواب نہ تھا کہ وہ خود کو ہی کھا رہا ہے...... صرف منہ آنکھیں باقی رہ گئیں تو وہ کھایا ہُوا کہاں گیا؟...... فقیر سے مزید پوچھنے کا یارا نہ تھا محض اُچٹتی سی نظر سے دیکھا' جواب ملا۔

''منہ تک ہی اُلٹ پڑتی ہے اک جھٹکے سے تمام جسم دوبارہ نمودار ہو جاتا ہے اور پھر وہی عمل...... !''

یہ بات بھی کسی طور پلّے نہ پڑی بلکہ مزید اُلجھ گئی۔ اَب کیا کوئی اور سوال کروں پھر کوئی ایسا ہی جواب لوں۔ چلو! مٹی پاؤ! سوچ ہی رہا تھا کہ اِدھر سے جواب آگیا۔

''تم نے کسی ابدال کو سوتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا تو سُنو...... ابدال' سالم نہیں سوتا' وہ اپنی رُوحانی کیفیت میں پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور فقیر ذرویش' اَلست مست...... قبر ذرویش بر جان ذرویش...... دُکھاں دی روٹی سولاں دا سالن' آہیں دا بالن...... فنا فی الذات یا صاحب حال والی کیفیت اسی زمرہ میں آتی ہے۔ ابدال کی پارہ پارہ ہونے والی کیفیت کو ظاہری آنکھ والا دیکھ اور نہ برداشت کرسکتا ہے۔ ایسے ہی جیسے عام آنکھ جواہرات کے خواص نہیں دیکھ سکتی۔''

حرفوں لفظوں سے پرانی یاد اللہ کے بعد بھی کبھی کبھی احساس ہوتا ہے کہ یہ بھی محبوب کے موڈ کی مانند متلون المزاج ہوتے ہیں۔ ٹھنڈے' کبھی تتے' رائی کہیں پہاڑ مہرباں اور کبھی نامہربان۔ آنا جانا لگا رہے تو دماغ ''احسان دانش کدہ'' بنا رہتا ہے۔ کبھی کھنچ پڑ جائے تو ''مدّت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے'' گنگناتے رہنے سے بھی لفظ وصل کے بنے نہیں ہوتے۔ اٹکھیلیوں شوخی شرارتوں پہ بھی اُتر آتے ہیں اور کبھی اپنی حرفی

Scanned with CamScanner

ہیئت کذائی اور صوتی مشابہت سے اچھی خاصی خرخشی کا باعث بنتے ہیں۔ یہ گُلِ لالہ اور گُلِ داؤدی کی مانند آمدی بھی اور آوردی بھی۔ بلا کے خود پسند، سراپا خوشبو، معنی و مطالب، تانیث و تذکیر، وزن کا نخرہ جیسا چاہیں اختیار کر لیں۔ کئی ایک نے آبِ حیات پیا ہوتا ہے۔ کچھ بیمار مرتے جیتے رہتے ہیں اور کئی خودکشی کر کے قصّہ پاک کر لیتے ہیں۔ میں ان کی فطرت طینت سے قدرے واقف ہوں۔ مجھ سے یہ بے اعتنائی برتیں تو میں بھی انھیں منہ نہیں لگاتا۔ نے بیچنے پہ دونوں اطراف سے بتدریج ادبار چھٹنے لگتا ہے، معاملات پھر بحال ہو جاتے ہیں۔"

میرے مشاہدہ تجربہ میں خوب آیا کہ زندہ انسانوں، جذبوں تعلقوں، قبروں، کتابوں کی طرح حرف و لفظ بھی ہوتے ہیں۔ سدا بہار، جوان و توانا، زندگی کی حرارت و حرکت سے بہرہ مند...... ذہن و دماغ میں ہوں تو چکا چوندی، فراست کی چہکار...... کتابوں، مخطوطوں، صحیفوں، لوحوں میں اُبھریں تو علم و حکمت، آگہی و آموزش کی ترویج و تہذیب بن جاتے ہیں۔ نطق و نصائح میں فصاحت نصاحت و بلاغت کے پھول کھلاتے ہیں۔

ہاں، تلخ آمیز بھی ہوتے ہیں، ہلاکت آفریں بھی...... دراڑیں ڈالنے والے، قطع کرنے والے بھی۔ یہ چناؤ کرنے والے پہ منحصر ہوتا ہے کہ گلشنِ سخن سے چنبیلی بھی...... حنظل بھی مل جاتا ہے اور کہیں زنج بھی...... !

لاہور لبرٹی مارکیٹ میں ایک آئس کریم پارلر کے قریب، گاڑی میں اپنے بیٹے کا انتظار کر رہا تھا جو قریب عینکوں والی دکان سے میری مرمت شدہ عینک اُٹھانے گیا تھا۔ گرمی تھی، شیشہ نیچے کر کے باہر کا نظارا کرنے لگا۔ معاً میری نظر ایک چھوٹے سے بھک منگے بچّے پہ پڑی جو حسرت بھری للچائی نظروں سے میز پہ بیٹھے کسی امیر گھرانے کے بچوں کو آئس کریم کھاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ گندا مندا نیم کھلا ہُوا ہاتھ، آگے بڑھایا ہُوا تھا۔ پھٹی ہوئی قمیص، ننگے پاؤں، ناک سے ریزش بہتی ہوئی...... اک عجب سی کسمپرسی اور زندگی کی پھٹی پُرانی تصویر بنا وہ اس اُمید میں تھا کہ شاید کوئی بچّہ تھوڑی سی بچی کھچی آئس کریم اسے دے دے۔ مگر وہ گول مٹول صحت مند امیر گھرانے کے بچّے تھے جو اس قسم کی فضولیات پہ دھیان نہیں دیتے۔ وہ مختلف زاویے بدل بدل کر ان کی توجّہ دھیان حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک اور گاڑی آ گئی۔ اس میں بھی بچّے تھے، وہ کھانے بیٹھے تو یہ بچّہ ان کے ذوالے ہو گیا۔ جب یہاں بھی اسے کچھ حاصل کرنے میں کامیابی دکھائی نہ دی تو وہ ساتھ والے پارلر کی جانب بڑھ گیا۔ اِدھر چند داڑھیوں والے، بغیر بچّوں کے بیٹھے آئس کریم کھا رہے تھے۔ حاجتمند اپنے اپنے حساب سے ٹوہ، اندازے لگاتا رہتا ہے۔ اُس کے معصوم اندازے کے مطابق داڑھیوں، ماتھے محرابوں، نورانی چہروں اور اُجلے پیراہن والے شاید خدا ترس،

Scanned with CamScanner

محتاج غریبوں کا احساس کرنے والے ہوتے ہوں گے؟ مگر ان نیک لوگوں نے تو آئس کریم کے کون تک نہ چھوڑے' جو اکثر بچے بڑے پھینک دیتے ہیں اور یہ بھک منگے اِن اَدھ کھائی کونوں کو اُٹھا کر کھا چاٹ لیتے ہیں۔

اچانک میرا بچہ' عینک لیے دکان سے برآمد ہوا۔ عینک دیکھی پہنی اور ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

''میرا رنگ کالا ہے براؤن نہیں' فوراً فریم تبدیل کروا کر لاؤ......؟''

گاڑی سے باہر نکل کر میں آئس پارلر کے ایک خالی ٹیبل پہ بیٹھ گیا۔ دھیان میرا اسی بچے کی طرف تھا اور یہ عینک کے فریم والا بہانہ بھی ادھر مزید رُکنا اور بچے کا مطالعہ کرنا تھا۔ یہاں مجبوراً مجھے ایک اظہار کرنا بھی مقصود ہے کہ میں نے بچے کا جبلی جانور پہچان لیا تھا۔ ایسا جانور اپنے روبرو پا کر' میرے لیے ممکن نہ تھا کہ میں اس سے صرف نظر کرتا۔ وہ پرلی دوکان کی آخری ٹیبل پہ بیٹھے بچوں اور بڑوں سے اُمید وفا باندھے کھڑا' اور میں اُسے دیکھنے میں مگن تھا۔ بیرا آیا اور میں نے اُسے ایک چھوٹی آئس کریم اور ایک بڑی مکس آئس کریم لانے کا آرڈر دیا۔ آئس کریم دھر کر وہ چلا گیا تو میں نے موقع پا کر اُسی بچے کو اشارے سے بلایا۔ وہ پل جھپکنے پہ میرے پاس پہنچ چکا تھا۔ مسکراتے ہوئے اُسے کرسی پہ بیٹھنے کو کہا۔ ذرا سہا اور حیرت زدہ سا وہ بیٹھنے سے اجتناب برت رہا تھا۔ میں نے پچکارتے ہوئے بڑی زرسانی سے کہا۔

''پتر! یہاں کرسی پہ بیٹھ' پیٹ بھر کر آئس کریم کھا' یہ تیرے لیے ہی منگوائی ہے۔''

وہ دکان کی طرف دیکھتے ہوئے متردد سا بیٹھ گیا۔ میں نے پہل کرتے ہوئے کھانا شروع کی تو وہ خاموش بیٹھا رہا' بلکہ سہا سہا سا دکان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں بیرا پہنچ آیا۔

''بابا جی! یہ پیشہ ور بھیک مانگنے والے ہیں' ہماری گاہکی خراب کرتے ہیں۔ اتنے ڈھیٹ اور بے شرم ہیں کہ منع کرنے کے باوجود گاہکوں کو تنگ کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس نے آپ کو بھی پریشان کیا ہے۔''

اَب وہ بچے سے مخاطب تھا۔

''اُٹھ اوئے آئس کریم پکڑ اور بھاگ جا......!''

میں نے بچے کو پچکارتے ہوئے کرسی پہ بیٹھ کر آئس کریم کھانے کا کہہ کر' بیرے سے مخاطب ہوا۔

''جاؤ اس کے لیے ایک اور شاندار آئس کریم لے کر آؤ' سب سے مہنگی اور مزیدار......اور جوس کا ڈبا بھی......مہمان ہے۔''

وہ بڑی شرمندگی سے جی کہہ کر چلا گیا۔

آئس کریم کا بڑا کپ' جوس' میز پہ دھرتے ہوئے وہ عجیب سی نظروں سے میری اور بچے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو گھونٹ گھونٹ جوس بھی سُڑک رہا تھا اور میں چور نگاہی سے بچے اور دکان کی جانب دیکھ دیکھ کر

Scanned with CamScanner

اندر ہی اندر خوش ہو رہا تھا۔

یہ بچہ سرس پرندے کی جبلّت پہ تھا۔ سارس اور ہوتا ہے' سرس اس سے چھوٹا' بگلے سے ہلکا سا بڑا......
رنگ نیلگوں' دونوں بازوؤں کے شاہ پر' سپید ہوتے ہیں' اسے اَبدالی کونج بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی اَبدال ہی ہوتے ہیں۔ ملاح' آبی پرندوں کے شکاری نیلی سرس کے نام سے پہچانتے ہیں۔ یہ پرندہ کمیاب ہے' ایسے آبی ذخائر' دُور دراز کی جھیلیں' دریاؤں کے ڈیلٹے...... دریاؤں کے سنگم' جو انسانی دستبرد سے محفوظ ہوں' کبھی کبھی دکھائی دے جاتے ہیں۔''

● ''مصر'' کا دَشتِ لُوط......!

قاہرہ کے خان بازار میں' حنوط پرندوں کی ایک دکان پہ مجھے حنوط کیا ہُوا ایک سرس دکھائی دیا۔ میں دیوانہ وار اس کی جانب لپکا۔ پسندیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیمت پوچھی تو گھاگ مصری نے ایسی قیمت بتائی جس سے دو دو کوہانوں والے دو اُونٹ خریدے جا سکتے تھے۔ اتنی قیمت کی وجہ پوچھی۔ بتایا گیا کہ تم بھی جانتے ہو قیمت کیوں زیادہ ہے۔ یہ پرندہ' تمہیں میرے علاوہ کسی اور دکاندار سے نہیں ملے گا۔ برسوں بعد کوئی دہقانی یا شکاری اسے ٹکڑوں کی شکل میں لاتا ہے۔ جنہیں حنوط کرنے کے ماہرین مکمل سرس کی شکل دے کر حنوط کرتے ہیں۔ میں نے اسے غور سے ملاحظہ کیا۔ پاؤں' ٹانگیں' گردن' پر' بازو' باقی جسم' بڑی مہارت اور صفائی سے باہم پیوست تھا۔ شاہ پر بھی اصلی حالت میں موجود تھے۔ میں نے زیادہ قیمت کی وجہ سے خریدنے پہ معذوری کا اظہار کیا۔ وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

''میں تمہیں دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ تم کون ہو؟ ویسے تمہارا حال حلیہ' شکل وصورت ہی تمہارا تعارف ہے۔ میرے ہاں دُنیا بھر سے سیاح آتے ہیں' عام بھی اور خاص بھی...... مصری اُلّو' سانپ' باز' بلیاں' صحرائی چھپکلیاں' نیل کی کستورا مچھلیاں' گھڑیالوں کے بچے' مینڈک' بچھوے وغیرہ خوب بکتے ہیں۔ اس سرس کی جانب کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا کہ اسے کوئی نہیں جانتا۔ پچھلے تین برس سے یہ سرس' شیشہ کے مخصوص بکس میں رکھا ہوا ہے۔ مہینے دو مہینے بعد اس کی کیمیائی محلول سے صفائی کی جاتی ہے۔ درجہ حرارت قائم رکھنا پڑتا ہے۔ اگلے برس' اس کی قیمت دُگنی ہو چکی ہوگی۔''

میں اس نایاب پرندے کی نمی حاصل نہ کر سکنے پہ خاصا دل گرفتہ سا تھا۔ جانے لگا تو اُس مردِ مہربان نے مجھے روک لیا...... میری طرف سے مصری قہوہ تو پیتے جاؤ...... یہ کہہ کر وہ دکان کے اندر کہیں غائب ہو گیا۔

Scanned with CamScanner

مصر کے اِن مداری قسم دوکانداروں کا دُنیا بھر میں کوئی جواب نہیں۔ خاص طور پہ نوادرات بیچنے والوں کا تو کسی سطح پہ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ مصری دکاندار آپ کو مفت بھی کوئی چیز دے دے تب بھی وہ آپ سے کچھ نہ کچھ کما چکا ہوتا ہے۔ دو نمبر نوادرات سے مصر کے بازار اَٹے پڑے ہیں۔ یہاں تک کہ مصری نیشنل میوزیم میں بھی آپ کو نظر آنے والی کسی چیز بارے یہ گنجائش رکھنی پڑتی ہے کہ وہ دو نمبر ہو سکتی ہے اور تو اور مشہورِ عالم مونا لیزا کی پینٹنگ کے بارے کوئی دعوے سے نہیں کہہ سکتا ہے کہ وہ اصلی ہے۔ مصری دکاندار تو اَزلی چور اور جعلساز ہیں۔ مصر کے تمام مشہورِ زمانہ میوزیم' نمائش گاہیں' خاص طور پہ خان بازار' تمام نہبا ذ دو نمبر نوادرات سے اَٹے پڑے ہیں۔

میں دکاندار کی غیر موجودگی میں اسی قسم کی نقلی مگر بہتر تر اصلی نوادرات ملاحظہ کر رہا تھا کہ وہ قہوہ کا فنجان تھامے' بھاری پردے کے پیچھے سے یوں برآمد ہوا۔ جیسے کوئی جن' اپنے آقا کی فرمائش پوری کر کے حاضر ہُوا ہو۔

''اجنبی بابا! لو قہوہ پیو' تمہاری تمام کسلمندی' جو یہ نایاب نُوادر حاصل نہ کر سکنے سے پیدا ہوئی ہے فوراً دُور ہو جائے گی۔ ایک حقیقت کی سو فیصد گارنٹی کہ یہ اَبدائی کُونج کی اصلی ممی ہے۔ دریائے نیل کے ڈیلٹا میں یہ کبھی کبھی دکھائی دیتا ہے۔ خوش قسمتی سے اگر کسی کے ہاتھ لگ جائے تو اس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں۔ اس برس' ہندوستان اور ازبکستان سے زیادہ ٹورسٹ نہیں آئے ورنہ اسے منہ مانگی قیمت پہ کوئی خوش قسمت حاصل کر چکا ہوتا۔''

اس قسم کی رسمی باتوں کے بعد جب میں دوبارہ اُٹھنے کے لیے پَر تولنے لگا تو الوداعی الفاظ ادا کرنے سے پہلے انتہائی انکساری سے اس سودے کی ناکامی پہ متاسف ہُوا۔ اچانک جیسے اُس کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ عجلت سے ایک بار پھر دکان کے پچھلے حصہ میں گھس گیا۔ میں کھڑا اُس کی آنی جانی پہ تاؤ کھا رہا تھا کہ واپس آ گیا۔ اَب اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک بستہ سا تھا۔ مجھے بٹھاتے ہوئے بستہ کھولا۔ میں دیکھتا ہی رہ گیا۔ اَبدائی سرس کے دو خوبصورت مکمل شاہ پَر جگمگا رہے تھے۔

''یونہی مجھے ان کا خیال آ گیا...... یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی اگر تم ان نایاب شاہ پَروں کو مناسب ہدیہ کے بدل حاصل کر سکو......؟''

میں نے بڑی احتیاط اور تجسس سے شاہ پَروں کو چھُوا' اُلٹا پلٹا' اصلی پَر تھے۔ ڈرتے ڈرتے قیمت پوچھی۔ کچھ لمحے توقف کے قیمت بتائی اور ساتھ یہ بھی کہا۔

''یہ آپ کی شخصیت اور شرافت کی وجہ سے ہے۔''

Scanned with CamScanner

ادائیگی کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو میرا ہاتھ روک دیا۔

''یہ میری جانب سے ایک درویش کے لئے حقیر سا نذرانہ!..... میں بھی اسی راہ کا طالبعلم ہوں' میرے لیے کوئی نصیحت کرتے جائیں۔''

مجھ سے ایک مجلس میں سوال ہُوا۔ انسان تو کسی نہ کسی جانور کی جبلت کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ کیا جانور بھی انسانی سرشت کے تحت ہوتے ہیں؟

صحیح اور مکمل جواب' کتابی نصابی اکتسابی علوم سے دینا مشکل' ایسے علوم' دلیل و برہان کی بُنیاد پہ انحصار کرتے ہیں۔ سوال کیا جائے' ستاروں' سیاروں کے پرے کیا ہے؟ اس سوال کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے۔ مروجہ علوم یہی بتاتے ہیں..... ان کے آگے بسیط خلائیں ہیں۔ ان کے آگے اور پھر ان کے آگے؟ تمام علوم ختم..... اس محدود دُنیا یعنی اَرض کی حد تک تو کوئی غلط صحیح جواب دیا جا سکتا ہے۔ اس کے پرے کُل کائنات کے بارے انسانی عقل و بصیرت عاجز رہتی ہے۔ کتاب اللہ بھی ایک حد تک راہنمائی فراہم کرتی ہے۔ باقی سب غور و خوض اور تجسس کے حوالے ہے۔

مومن کی فراست سے کچھ بعید نہیں ہوتا۔ اس کے ہاں سوال سرے سے ہوتا ہی نہیں بلکہ جواب ہی جواب ہوتے ہیں۔

مومن مجذوب' اللہ کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ علم لَدُنّی علم الہیات' علمِ وہبی' اُن کا منبع ہوتے ہیں۔ وَلی' غوث' قطب' اَبدال عصر کے حکمران ہوتے ہیں۔ روحانی نظام اُنہی کے حوالے ہوتا ہے۔ فقیر' درویش صوفی ملا مشی ہوتے ہیں۔ راضی برضا..... اُن کے ہاں اندر ہی اندر ہوتا ہے' باہر ظاہر نہیں ہوتا۔

جس نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا جانور بھی انسانی سرشت پہ ہوتے ہیں؟ میں نے اُسے غور سے دیکھا اور کہا۔

''انسان محض کسی جانور کی جبلّت پہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کائنات اور بھی بہت سی چیزوں کے کسی نہ کسی طور زیرِ اثر ہوتا ہے جبکہ اُس کا خمیر اس اَرض و سما کے عنصرات سے وُجود میں آیا۔ یہ تمام عنصر ایک دوسرے کی ضد اور کم و بیش ہیں۔ مختلف اَدوار' موسم' سمندر' بھونچال سیلاب' شباب' تاقب' چاند سورج گرہن وغیرہ بھی اپنے اثرات دکھاتے ہیں۔ انسان اپنی طبع مزاج کے مطابق ان عنصرات کے اثرات بھی قبول کرتا ہے۔''

جانور' چرند پرند' خزند' حشرات الارض' حشرات الماء' ہوا بھی' انسان سے وابستہ و پیوست ہوتے ہیں۔ یہ بھی سرشتی طور پہ انسان کے خصائل و وظائف' اعمال و افعال سے بالواسطہ اثرات قبول کرتے ہیں۔ جنگلی گینڈے' بھینسے' گھوڑے' شیر' ہاتھی' گینڈے اور انسانوں کے درمیان رہنے والے اِن جانوروں کے رویوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ پہاڑوں اور میدانوں کے باسیوں میں بڑا تضاد ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کائنات کی ہر شئے

Scanned with CamScanner

اِک دُوجے سے براہِ راست یا بالواسطہ کسی نہ کسی طور اثر قبول کرتی ہے۔

انسانوں کی مانند جانوروں کے دَرجات' مقامات وتصرفات میں بڑا واضح فرق ہوتا ہے۔ ان میں بھی صفاتی لحاظ سے وَلی' درویش' فقیر' ملامتی' صوفی' سالک ہوتے ہیں۔ بظاہر یہ بات بڑی عجیب سی لگتی ہے مگر حقیقت یہی ہے بھیڑ' بکریوں' مچھلیوں' مرغیوں' اُونٹنیوں' ہرنوں' شتر مرغ...... چیونٹیوں' شہد کی مکھیوں' مڈیوں' مکڑیاں' مینڈک...... شیر' بھیڑیے' مگرمچھ' اژدھے' تیندوے' کرلے' ہاتھی' گینڈے' کُتے' گھوڑے' بھینسے' زیبرے' گدھے...... لومڑ' لکڑ بگھے' جنگلی کُتے' اُود بلاؤ' مموُلے' اُلو' شکرے' چگادڑ' گدھ' چیلیں' باز' گلہری...... کوئلیں' کوّے' کبوتر' طوطے' مینا...... تتلیاں' چڑیاں' فاختائیں' عندلیبیں' مرغابیاں' بگلے' سارس' بطخیں' ہنس راج' کچھوے' بچھوے ان سے آگے بڑھیں تو کچھ جانور ان سے بھی سوا...... ہما' مرغِ زریں' ہُد ہُد' ابابیل' ترس (اَبدالی کونج) سروگ (کاگا) کستورا مچھلی' شاہین' ققنس' آتش ماہی' ریگ ماہی' دیمک' چکور' شتر بچے...... غور فرمائیں مندرجہ بالا سب جانوروں میں کسی نہ کسی طور انسانوں کی اعلیٰ خصوصیات بلکہ کچھ ان سے ماوراقدریں بدرجۂ اُتم دکھائی دیں گی۔ پیغمبروں' ولیوں' غوث واقطاب' درویشوں' اَبدالوں اور صوفیوں جیسی ارفع صفات...... اللہ کریم نے انہیں بھی خوب نوازا اور خوب کام لیا۔

ان جانوروں سے پیغمبروں نبیوں نے بھی بہت سے کام لیئے۔ تصوف رُوحانیت کی منازل میں پھنسے ہوئے درویش عامل بابے' جوگی ہمیشہ سے ان کی استعانت حاصل کرنے کے خواہاں رہتے ہیں۔

سِرّی خفی علوم کے حصول' مجاہدات وریاضت' تزکیہ نفس کی چند منازل میں ان کی معاونت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ خود بھی اللہ کے ذکر فکر اور مجاہدات میں مشغول رہتے ہیں۔

آدھی فقیری تو یہ پیدائشی طور پہ لے کر آتے ہیں' مثلاً علائق دُنیا سے بے نیازی' کل کی فکر سے دُور' سادہ اور فطری زندگی' مال وزر کا تصور مفقود...... آزادی اور صبح وشام کی بے فکری' فطرت سے رہنمائی اور اللہ توکلی......!

انسان کے ساتھ تو سوطرح کی ضرورتیں لگی ہیں۔ آزمائشوں کے چکر سے نکلتا ہی نہیں...... فطرت کی رہنمائی' حقیقت تک رسائی اس کے لیے بھاری پڑتی ہے۔ مَن وتُو کے سیاپوں میں پڑا رہتا ہے۔ محل ماڑیاں' توشہ خانے' قلعے بناتا ہے۔ زر وجواہر خزانوں کے انبار جمع کرتا ہے' اللہ کی زمین کا مالک بن بیٹھتا ہے۔ غرضیکہ ان دُنیاوی مادی علتوں سے یہ جانور محفوظ ہوتے ہیں۔

زندگی کا اِک بڑا حصہ ان مخلوقات کے مطالعہ ومشاہدہ میں گزرا اور اس نتیجہ پہ پہنچا کہ اللہ کریم نے انہیں انسانیت کی دلبستگی' فلاح ومعاونت اور دُعاؤں کی قبولیت کی خاطر تخلیق فرمایا اور ان سے زندگی اور رُوحانیت کے بیشتر معاملات میں راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ بہترین معاون ودوست ثابت ہوتے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ مالکِ ازل و ابد نے جب اپنی بے بہا نعمتوں کی تقسیم فرمائی تو ان کا نمایاں حصہ اپنی اس مخلوق کو عطا فرمایا۔ وفا' محبت' فہامت' فطرت فہمی' شکر مندی' صبر برداشت' توکل اور اپنے مالک و خالق کی شب و روز عبادت کا شعور ادراک اور حظ انہیں بخشا......!

جانوروں' شجرات حجرات سے دوستی پیدا کرنی کچھ یوں مشکل بھی نہیں ہوتی۔ بس ذرا توجہ' صبر اور سمجھداری کی ضرورت ہوتی ہے یا جسے پھر اللہ کریم عطا کر دے۔ مجھے ان کی زبان' سائیکی اور پہچان' ودیعت میں ملی۔ یہ مخلوقات بھی انسانوں کو پہچان لیتی ہیں جن سے' ان کوئی سلسلہ جُڑنا ہوتا ہے وہ خود بھی رجوع کر لیتی ہیں۔ جنات اور دیگر ماورائی مخلوقات کی مانند ان کے بھی تحفظات اور ترجیحات ہوتی ہیں یعنی نہ یہ مخلوقات ہر کسی پہ ملتفت ہوتی ہیں اور نہ ہر اک انسان' انہیں قابلِ التفات و توجہ سمجھتا ہے۔ ہمارے نزدیک کتا' حقیر اور ناپاک...... درخت' چولہا جلانے...... حجرات محض شو بازی کے لیے...... جنات ڈرنے ڈرانے اور نوجوان خوبصورت دوشیزاؤں کو چمٹنے کے لیے ہوتے ہیں۔

مَیں نے ان کے تصرفات سے بہت کچھ حاصل کیا اور شاید انہیں بھی مجھ سے کچھ حاصل ہوا ہوگا؟ لین دین یکطرفہ نہیں ہوتا۔ قُدرت نے ایک دوسرے کے مفادات' باہم باندھ رکھے ہیں۔

● کوچہ ابدال کا عبداللہ دیوانہ......!

اِک زمانہ میں مَیں کھاریاں میں بطور الیکٹریشن ملازمت کرتا تھا۔ رہائش لالہ موسیٰ رکھی ہوئی تھی کہ وہاں روشن آرا بیگم' عالم لوہار' بالوجی رہتی تھیں۔ ہر شب کہیں نہ کہیں موسیقی کی محفل رہتی یعنی پیٹ کی غذا اور روح کی غذا دونوں میسّر تھیں۔ راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ میری یار باشی بڑی وسیع تھی۔ میری دیکھا دیکھی اور بھی بہت یار دوست' ساتھ کام کرنے والے لالہ موسیٰ منتقل ہو گئے۔ اومن امریکن الیکٹرک کمپنی تھی۔ میرا اثر و رسوخ کام آیا۔ انہوں نے اسٹاف کے لیے مجھے ایک شیورلٹ پک اَپ دے دی۔ لالہ موسیٰ سے کھاریاں چھاؤنی' محض دس میل...... ہنسی ٹھٹھول میں فاصلے کا پتا بھی نہ چلتا۔ سارا سٹاف' ورکشاپ اُتار کے' مَیں اکیلا گاڑی لے کر گلیانہ گاؤں کی جانب بڑھ لیتا جدھر عارضی طور پہ کیٹر پلرز کے بڑے بڑے الیکٹرک جنریٹر لگے تھے۔ مَیں وہاں کا انچارج تھا۔ کھیت کھلیان' اُونچا نیچا' آڑھا ٹیڑھا راستہ' درخت' مویشی' آتے جاتے گاؤں کے لوگ' میرا جی بڑا خوش ہوتا۔ دیسی مرغیاں انڈے اور سرسوں کا ساگ......؟

راستہ میں ایک چھوٹی سی پُلی پڑتی تھی۔ جس پہ گزرتے ہوئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی۔ اس

Scanned with CamScanner

نُلّی کے پار دائیں جانب راہ سے ذرا ہٹ کر نخل آم کا ایک چھوٹا سا پیڑ تھا۔ آم کا پیڑ کالی بھیڑ اور زاویہ قائمہ بناتی ہوئی نیز حد...... میری کمزوریاں کہیں کدھر یہ بولتے جادو دکھائی دے جائیں تو لازم ہے میں اُدھر بھرپور توجہ دوں۔ اجمال بیان کرنا اس کا فی الوقت مقصود نہیں۔ نُلّی آہستہ سے پار کرتے ہوئے خود بخود میری نگاہ اُس پیڑ کی جانب اُٹھ جاتی۔ آم کے پیڑ کی ہریالی کھٹی میٹھی خوشبو بھری تو توں اور ڈالوں پہ پڑے جھولوں کا جانفزا تصور مجھے نہال کر کے رکھ دیتا۔ میں اکثر اس کے کھالے میں ایک معصوم سا بچہ بیٹھے دیکھتا جو اس کے تنے سے ٹیک لگائے ٹھیکریوں سے کھیل رہا ہوتا۔ یہاں چونکہ پہلے گیئر کے چکر میں ہوتا اس لیے چند آسودہ سے لمحے مجھے اُس بچے کو دیکھنے کا موقع مل جاتا۔ کئی بار محسوس ہُوا کہ وہ جیسے اپنی مہربان ماں کی گود میں بیٹھا کھیل رہا ہے یہاں تک کہ پیڑ کی شاخساروں کو جھک کر پنکھا جھلاتے دیکھا۔ وہیں سویا ہُوا بھی پایا۔ اب تو وہ میرے لیے آم کا پیڑ اور انسان کا بچہ نہ تھے ایک ماں بیٹا تھے......!

وقت کچھ آگے آ گیا تھا مگر وہاں وہی ایک سا منظر...... شاید قدرت کو یہ معصوم سا منظر ایسا بھلا لگا تھا کہ اسے وقت کے کینوس پہ ساکت سا کر دیا تھا۔

یاد نہیں کوئی تہوار تھا یا کوئی ایسا موقع کہ دو تین روز کی فراغت مل گئی۔ ایسی صُورت میں غیر مقامی اپنے اپنے شہروں کو چل دیتے ہیں۔ میں بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتا تھا۔ اب یہ بھی یاد نہیں کہ میں سیالکوٹ کیوں نہ گیا۔

آٹھ دس ہانڈی والوں میں ایک بھی اِدھر نہ تھا۔ روٹین میں لگے ہوئے محنت کش کام ہو نہ ہو اپنے روزمرہ کے وقت پہ بیدار ہو جاتے ہیں۔ روٹین توڑ دیں تو بیمار یا الکس زدہ ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے وقت بیدار ہو لیا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر نیچے اُترا۔ گاڑی اسٹارٹ کی تو خیال آیا۔ آج تو میرے ساتھ کوئی بھی جانے والا نہیں۔ دو ڈھائی روز چھٹیاں ہیں۔ دل اُداس سا ہو گیا۔ بادلِ نخواستہ گاڑی نکال کر جی ٹی روڈ پر ڈال دی۔ کچھ خبر نہیں کہ میں اکیلا کہاں جا رہا ہوں۔ ارادہ نہ کوئی پروگرام...... ایک مخبوط الحواس شخص کی طرح خالی الذہن سا اپنی روٹین کی راہ پہ بھاگا جا رہا تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد میں میکانکی انداز میں کھاریاں چھاؤنی کی طرف مُڑ گیا۔ سڑکیں خالی کمپنیوں کی گاڑیاں کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ میں ٹھیک وقت کے مطابق اپنی ورکشاپ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس حالت میں کہ میری گاڑی کے علاوہ وہاں اور کوئی گاڑی نہ تھی۔ ورکشاپ سٹور اور دفتروں کے بند دروازے میرا منہ چڑا رہے تھے۔

انسان جب اپنی ہار غلطی سزا کو دل و دماغ سے قبول کر لیتا ہے تو بہت حد تک مطمئن اور آسودہ خاطر ہو جاتا ہے۔ میں نے بھی تسلیم کر لیا تھا کہ آج میں اکیلا ہوں جبکہ مجھے پیشتر رات ہی سیالکوٹ گھر چلے جانا چاہیے تھا۔ کیوں نہ جا سکا؟ فی الحال اس کا جواب میرے پاس نہ تھا پر اتنا اور اک ضرور تھا کہ پس پشت کوئی نہ

Scanned with CamScanner

کوئی مصلحت ضرور ہے۔

پائیلٹ' جب ضرورت محسوس کرتا ہے وہ جہاز کا کنٹرول آٹو پائیلٹ کے سپرد کر کے خود قدرے ریلیکس ہو جاتا ہے۔ میں تو اکثر ایسا ہی کرتا ہوں کہ میرا روز مرہ اور معمولات' عام سمجھ میں آنے والے نہیں ہوتے بلکہ دماغ خراب کرنے والے ہوتے ہیں۔ میں نے خود کو بیشتر اوقات' آٹو پائیلٹ پہ لگا دیتا ہوں۔ یعنی خود کو خود سے بے دخل کر کے کسی اور کے سپرد کر رکھا ہوتا ہے۔ آسان الفاظ میں تحت الشعوری کی کیفیت میں ہوتا ہوں۔ میرے لیے یہ کیفیت بڑی آسودہ خاطری کی ہوتی ہے۔ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہوتا رہتا ہے میں نچنت سا پڑے بیٹھا نیرو کی طرح چین کی بانسری بجاتا رہتا ہوں۔

اصل میں تو آٹو پائیلٹ پہ میں' گزرے روز سے ہی لگا ہوا تھا۔ یہاں احتیاطاً ایک بار پھر ری سیٹ کرتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کی۔ مچھلیوں کو' پانیوں میں' صحراؤں میں شتروں کو' کھیت کھلیانوں میں ڈھور ڈنگروں' فضاؤں میں پنچھیوں اور بن میں جوگیوں کو راہ و راست کوئی نہیں سُوجھاتا...... راہ و راستے' خود بخود ان کے سامنے بچھے پڑتے ہیں۔ بے حسی کی اک عجیب سی کیفیت میں' میں پُلی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پہلا گیئر ڈال کر بڑی آہستگی سے پُلی پار کی...... یہاں پہنچ کر میرا پہلا کام' دائیں جانب آم کے پیڑ اور بچے کو دیکھنا ہوتا تھا۔ آج بھی یہی ہوا مگر منظر' مکمل نہ تھا۔ پیڑ کا کھالا' خالی...... اور لگتا جیسے کسی ظالم نے بڑی بے دردی سے کاٹ چھانٹ کر پیڑ کو اُدھورا' بے خصورا کر دیا ہے۔ آم کے پیڑ کی جو چھب اور کایا کلپ ہوتی ہے وہ کہیں دکھائی نہ دی۔ عجب اُجاڑ منظر تھا۔ میری اُدھر کی محویت سے گاڑی کی بائیں جانب کے دونوں پہیے' راستے کے کولے سے اُتر کر ڈھلوانی زمین پہ آ گئے جس کے ساتھ کھیت کی باڑ ھ اور پانی کی آڑ ھ تھی۔ گاڑی کے جھکنے سے جو جھٹکا لگا تو میں نے مزید نیچے اُتر کر گاڑی روک لی۔

بے اختیار سا میں پیڑ کے پاس پہنچا۔ اس سے پیشتر اِدھر آنے کی کبھی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ درخت کی حدود' چھاؤں میں قدم دھرتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے میں نے کسی قریۂ کرب و کراہ میں قدم دھر دیا ہو۔ میرے ظاہری باطنی اعصاب پہ غم و اندوہ کے چھینٹے سے پڑنے لگے۔ کسی مرگ والے گھر میں داخل ہو کر جو کیفیت ہوتی ہے وہی حالت اس وقت میری تھی۔ ذرا اور قریب پہنچا تو پیڑ سے آہوں کراہوں کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ شاخوں پتوں میں کپکپاہٹ لرزہ' جو غم کی شدت میں طاری ہو جاتا ہے۔ درخت کی ہریالی' پیلاہٹ میں بدل چکی تھی۔ برگ و بار بوجھل بوجھل سے لگے۔

میرے لیے یہ سب کچھ سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا جبکہ ہمیشہ اِدھر دکھائی دینے والا بچہ موجود نہ تھا۔ مجھے اب اس معصوم بچے کی فکر پڑ گئی۔ اسی دوران اِدھر اُدھر نظر دوڑائی...... دیکھا تین چار کھیت پرے دو اُدھیڑ عمر دیہاتی

Scanned with CamScanner

کتائی چھنائی کر رہے ہیں۔ میں لپک کر اُدھر ہولیا۔ علیک سلیک کے بعد میں نے اُس بچّے کے بارے میں پوچھا...... جواب میں اُنہوں نے بتایا۔ وہ سامنے گاؤں کے عنایتے مراثی کا بچّہ ہے۔ اس بدنصیب کی ماں سلامتے اِس کی پیدائش کے دَوران' زچگی کی کسی پیچیدگی سے مرگئی تھی۔ یہ عنایتے مراثی کا آٹھواں آخری اور اُس کی نظر میں منحوس ترین بچّہ تھا۔ وہ اسے اپنی خوبصورت بیوی' جسے وہ کسی دُور جگہ سے بھگا کر لایا تھا' قاتل سمجھتا تھا۔'' عنایتا' ایک خوبرو جوان تھا۔ عورتوں کے لیے اِس میں بے پناہ کشش تھی۔ سلامتے بھی اسے جان سے چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُوپر تلے آٹھ بچّے محض دس سالوں میں' اس کے چھوٹے سے گھر کی زینت بن گئے تھے۔ عنایتے نے اس نواز' عرف نواجے کو شروع دن سے ہی ماں کا قاتل' منحوس' قسمت کا کھوٹا سمجھ کر دل و دماغ اور اپنی کفالت سے باہر کر دیا تھا۔ بیوی مر چکی تھی۔ بڑی کوئی تھی نہیں۔ گُوڑے گُوڑے مفلسی محتاجی...... اس نے نواجے سے ہاتھ اُٹھالیا اور گاؤں کی ایک اَدھ کھٹر بھٹیارن کی جھولی میں ڈال دیا۔ جو بھٹ جھونکتے ہوئے بھی اسے گود میں ڈالے رہتی تھی......

جب بھٹیارن ہیضہ میں کام آئی تو نواجا ساڑھے چار برس کا تھا۔ اَب اسے گاؤں کے ایک خداترس شخص نے روٹی کپڑے کے عوض اپنے ڈنگر وچھے چرانے پہ رکھ لیا۔ ایک ہی گاؤں میں رہنے کے باوجود' اس کے باپ نے کبھی اسے منہ نہ لگایا۔

عنایتے مراثی نے بمشکل چالیسویں تک اِنتظار کیا اس کے بعد نہ جانے کہاں سے ایک اور خوبصورت سی جوان عورت لے آیا۔ کہتا تھا کہ اس سے باقاعدہ نکاح کیا ہے۔ اس مشین سے بھی دھڑا دھڑ بچّے نکلنے شروع ہوگئے۔ اِتفاق یا اس کے جرثومے ہی کچھ ایسے تھے؟

ایسے مردوں کا جبلّی جانور جنگلی سانڈ یا بندر ریچھ ہوتا ہے۔ اِن کے پسینہ کی کوئی بُوند بھی اگر کسی مُونث پہ پڑ جائے تو نوّے فیصد بچّے کے امکان پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایسے مرد پیدا ہی اسی کام کے لیے ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ایسے یگانہ روزگار سانڈ نما مردوں کی بیویاں بھی مٹی کی نہیں بلکہ کچے گوشت کی ایک ایسی ہانڈی کی طرح ہوتی ہیں جو ہمہ وقت چولہے پہ چڑھی رہتی ہے اور اُس میں پورا سال' سری پائے' بوٹیاں' کلیجی گردے کپورے' دل اور اوجڑی پکتی رہتی ہے......

نواجا' چھ برس کا ہوا تو اُس کے دونوں بڑے بھائیوں کی شادیاں ہوچکی تھیں۔ نواجا اَب بیمار رہنے لگا تھا' خون کی کمی' مسلسل ناک کان آنکھوں کا بہنا۔ ننگے رہ رہ کر پاؤں تلے گھٹنے پڑ چکے تھے۔ ناخنوں کا کیا مذکور کہ کاٹنے تراشنے کی نوبت کبھی نہ آئی تھی۔ سر کے اَن تراشے بال' دھوپ دھول سے بدرنگے ہوچکے تھے۔ پہناوا سدا سے ایک سا' دھونے بدلنے کی شاید ہی کبھی ضرورت پڑی ہو...... نواجا بھی ایسا مست ملنگ کہ اسے

Scanned with CamScanner

زندہ رہنے کے لیے شاید کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔ نیند نام کی کسی چیز سے وہ واقف نہ تھا۔ کھرلی میں پڑ جاتا ہے' نہر کنارے ٹیکی لے لیتا' بھینس کی کنے کے اوپر بیٹھا بیٹھا سو جاتا۔ وقت پیچھا اور آگے سرک گیا......

عنایت مراثی کے من میں جانے کیا سمائی ایک صبح وہ اُس شخص کے گھر پہنچ گیا جس نے بھٹیارن کے مرنے کے بعد نواز کو ترس کھا کر روٹی کپڑے کے عوض پناہ دی تھی۔ بیٹا تو اسی کا تھا۔ تھوڑی سی بحث وتمحیص کے بعد اس کی کانا کلائی تھامے گھر لے آیا۔ اسے اپنی نئی بھینس اور کٹی کے لیے چرواہے کی ضرورت تھی۔ مزدوری کے چکر میں لڑکے' گھر چھوڑ کر باہر دوسرے شہروں میں منتقل ہو گئے تھے۔ چھوٹے ابھی بہت چھوٹے تھے اور جو سکول جاتے' وہ اس بیگار کے لیے مناسب نہ تھے۔ لے دے' یہی ایک گھر کا مفت بچہ نظر آیا جسے اس کام کا تجربہ تھا اور یہ تھا بھی اسی قابل کہ اس نے جنم لیتے ہی اپنی ماں کو آگے بھیج دیا تھا۔

اپنے حقیقی گھر پہنچ کر بھی اس کے لیے کوئی فرق نہ پڑا۔ ہاں' ایک دو باتوں میں کچھ تبدیلی ضرور ملی۔ وہاں اُسے روکھی سوکھی ہی سہی' عزت سے مل جاتی تھی' یہاں اپنے گھر سوتیلی ماں' اپنے بچوں کا بچا کھچا ٹھنڈے کے ٹھیکرے میں ڈال کر دیتی۔ یہ صبر شکر سے کھا لیتا۔ دوسری تبدیلی یہ وہاں گھر کے فرد کی طرح رہتا تھا۔ گھر کے بچوں اور اس میں کوئی امتیاز نہ برتا جاتا۔ یہاں وہ اپنے چھوٹے بڑے بھائیوں کے ساتھ کھیلنا بات چیت کرنا تو کجا' ساتھ بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ صبح سویرے باسی روٹی' لسی ٹھونسا کر اسے بھینس کٹی کے ساتھ باہر دھکیل دیا جاتا۔ باہر نکلتے ہی اُچک کر بھینس پہ بیٹھ جاتا۔ باقی آگے کا سفر بھینس کٹی خود نکالتیں۔ دو تین فرلانگ طے کرنے کے بعد چھپڑ کے قریب انہیں چرنے نہانے کے لیے چھوڑ دیتا' اور خود اسی درخت کے نیچے سائے میں ٹھیکریوں سے کھیلتا رہتا۔ گاؤں کی طرف آتی جاتی' کمپنی کی گاڑیوں کو دیکھتا رہتا۔ کچی پکی اَمبیوں سے منہ کھٹا میٹھا کرتا اور جب نیند کا ہلکورا آتا وہیں تنے سے سر ٹکائے لمبا پڑ جاتا۔

آم کا یہ پیڑ مادین تھا۔ نر اور مادہ کا تصور' ہر طرح کی مخلوق' عنصر و مادہ میں موجود ہے۔ ماسوائے قدسیوں' ملائکہ' رجال افلاک...... نر اور مادین کا ہونا' فطری اُصولوں...... بشری قدروں کے عین مطابق ہے۔ پوری سائنس' برقی توانائی' علوم وفنون کا ہر کلیہ قاعدہ' کسی نہ کسی طور نفی واثبات سے ہو گزرتا ہے۔ انسانی اجسام کا سارا نظام' خون' سانس' سماعت' بینائی۔ دل و دماغ جو بھی دیکھیں...... تصوف وروحانیت' ریاضت ومجاہدت کی ساری بحث' جمع تفریق' نفی اثبات' تذکیر وتانیث زیریں و بالا' آگے پیچھے' جنگ وامن' دوستی و دشمنی یا نفع ونقصان کے سارے فلسفے وغیرہ نر و مادہ کی وضاحتیں شرحیں ہیں۔ آگے سب کلوننگ اور پیوندکاری ہے۔ چٹے میں سے کالا' کالے سے پھر سفید...... مرد سے عورت اور عورت سے پھر مرد...... ری سائیکلنگ کا یہ اَزلی سسٹم ہی نمو ہے زندگی اور حرکت ہے۔

Scanned with CamScanner

کائنات کی ہر شے اپنے نقیض کی وجہ سے قائم ہے۔ نشانہ نہ ہو تو تیر کے کچھ معنی نہیں۔ فرید نہ ہو تو یزید عاشق نہ ہو تو معشوق' شر نہ ہو تو خیر کا وجود تلاش کرنا عبث ہے......!

نوازے نے ماں دیکھی اور نہ باپ کی باپتا...... نہ وہ ماماتا سے واقف نہ شفقتِ پدری سے۔ اُس کا چھوٹا سا دماغ' اپنے ہونے کی وجہ اور لا دوی گئی زندگی کے مقصد کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ گھاس پھونس کا ننھا سا تنکا' جو کسی ایسی جگہ نمو پایا ہو' جہاں اُسے نہ کوئی دیکھنے دکھانے' کھانے والا یا محسوس کرنے والا ہو۔ وہ اپنی ہستی کے بارے کیا فلسفہ رکھ سکتا ہے۔ کیا زندگی محض سانس لینے یا صبح سے شام کرنے کا نام ہے؟

وہ پنڈ میں بچوں کی ماؤں کو دیکھتا تو اندر اندر ہی ہوکتا' کس بل کھا کر پھر خود ہی سیدھا ہو جاتا کہ اُسے کوئی مثبت جواب مل نہیں پاتا تھا۔

ممتا اور محبت کا پہلا احساس اُسے اس آم کے پیڑ کے تلے بیٹھ' لیٹ' سو جاگ کر ملا تھا۔ ماں کی گود کی گرمی' نیند کی تگی تگی نرمی کے سادے سے سواد سے واقفیت یہیں سائے میں ہوئی تھی۔ اردگرد سے ٹہنیاں' روڑے ٹھیکریاں پتھر اُٹھا لاتا۔ پھسکڑا مار کر بیٹھ جاتا' اوپر تلے جوڑ کر مکان مینارے بناتا رہتا۔ "بہلول دانا بھی یہی کچھ کرتے رہتے تھے۔ وہ تو جنت میں گھر بناتے اور الاٹ کرتے تھے مگر وہ تو کسی جنت دوزخ سے واقف نہ تھا۔ گوبر ملے کیڑے کی طرح اس کی ساری خوشبوئیں بدبوئیں ایک سار تھیں۔ جب اُوب جاتا تو ڈھے کر بے سُدھ پڑ جاتا' تو اَمباماں تھپک تھپک کر لوریاں سناتی۔ جن کا کوئی نہیں ہوتا' اُن کی سب خدائی ہوتی ہے۔

گھر میں سوتیلی ماں کچھ پیسے کہیں رکھ کر بھول گئی۔ تلاش کے باوجود جب نہ ملے تو نوا جے پہ چوری کا الزام لگ گیا۔ گھر کے کسی بچے نے بتایا کہ نواجا مرنڈا کھا رہا تھا۔ اُس کا مرنڈا کھانا ہی اُسے چور ثابت کرنے کے کافی تھا۔ سوتیلی نے پہلے تو دھمکا ڈرا کر پوچھا' جب وہ نہ مانا تو کپڑے دھونے والے ڈبھروے سے اُس کی دُھلائی کی۔ ایک آدھ چھاپا ہاتھ جو اُس کی پنڈلی پہ پڑا تو اندر سے بڑی چیخ گئی۔ وہ روتا چلاتا ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ مگر سوتیلی کو ترس نہ آیا۔ ڈبھرو پھینک کر پھر اُس نے ہاتھوں پاؤں سے اُسے خوب دُھنکا۔ تھک گئی تو روتا تڑپتا چھوڑ کر سر پہ دوپٹہ باندھ کر کھاٹ پہ پڑ گئی۔ عنایتا مراثی' باہر سے آیا تو خوب مرچ مسالا لگا کر چوری کی واردات سنائی۔ باپ نے بھی لاڈلی بیوی کی باتوں میں آ کر گالیوں اور چپیڑ چانٹوں سے تواضع کر کے گھر سے نکال دیا۔ چٹخی ہوئی ہڈی تو ملنے نہیں دے رہی تھی۔ گھسٹتا ہُوا' آدھی رات' بھینس والے وراندے کے ایک کھدرے میں پڑ گیا۔ سر پڑی رات' اس کے لئے بہت بھاری تھی......

چار چوٹ کی پڑی ہو تو زخم باہر کم اور اندر زیادہ ہوتے ہیں اور اپنا آپ ظاہر بھی بعد میں کرتے ہیں۔ جس طرح چاند ستارے' رات میں اُجاگر ہوتے ہیں اسی طرح جدائی' بیماری اور لڑائی بھڑائی کی چوٹیں بھی

Scanned with CamScanner

رات کے اندھیرے کی مسافرت میں اپنا صحیح طریقے سے تعارف کراتی ہیں۔ بارش کے چھینٹے پڑنے سے پچھلے پہر خنکی بڑھ گئی تھی۔ جسم پہ جگہ جگہ نیل سوجن اکڑن ...... اوپر سے ہڈیوں میں سرایت کرتی ہوئی خنکی ...... وہ بخار میں تپنے لگا تھا۔ جسم میں طاقت اور ہڈیوں میں رُوبک نہ ہو تو ہلکا سا عارضہ بھی مضبوطی سے پکڑتا ہے۔ اِدھر تو ہر طرف سے اللہ کا نام ہی تھا۔

صبح تڑکے جب اُس کا باپ دودھ دھونے کی خاطر اِدھر آیا تو اُسے بخار میں پھنکتا ہوا پایا۔ ہلایا جلایا تو اوں آں کر کے بے ہوش ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ گھٹنے کے نیچے ٹخنے کے اوپر ہڈی چٹخا کھا چکی ہے۔ اُٹھا کر ہڈیاں جوڑنے والے نائی کے پاس لے گیا۔ اُس نے دَوا والے تیل سے مالش کر کے پٹی باندھ دی۔ بخار اور درد کی دَوا بھی بتا دی۔ اس کی جگہ اَب گاؤں کا ایک اور لڑکا بھینس کٹی کو چرانے کے لیے لے جانے لگا۔

اُن کسانوں سے یہ المناک رُوداد سن کر میں پتا پوچھتا۔ اُس کے گاؤں پہنچ گیا۔ گاؤں کے شروع کنارے پہ ایک مسجد تھی' ابتدا اچھی ملی' انتہا کی خیر مانگتا ہوا آگے بڑھا تو سڑک کے کنارے ایک پرائمری ٹاٹ سکول دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے ننگی زمین پہ بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ ماسٹر صاحب خفتہ تھا' سڑک کے پاس ہی ایک درخت کے سائے میں بیٹھے' چند ہم جنسوں سے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ میں نے گاڑی اِن کے پاس ہی جا کر روکی۔ نیچے اُتر کر عنایتے مراثی کا پوچھا۔ وہ حیران ہوا کہ اُومن امریکن کمپنی کی گاڑی والے کو کسی گاؤں کے مراثی سے کیا کام ہو سکتا ہے؟ وہ کرسی سے اُٹھ کر بولا۔

''خیر ہے' آپ کو عنایتے مراثی سے کس سلسلے میں ملنا ہے؟''

میں نے اس کی گھبراہٹ کو دُور کرنے کی خاطر کہا۔

''اُس کا بچہ بیمار ہے۔ ٹانگ میں فریکچر آ گیا ہوا ہے۔ میں کمپنی کے میڈیکل سنٹر میں اُس کا علاج کروانا چاہتا ہوں۔''

میری بات سے وہ قدرے مطمئن ہوا تو زور سے ایک لڑکے کو آواز دے کر بلایا۔ عنایتے مراثی کے دو لڑکے دوسری اور تیسری میں یہیں پڑھتے تھے۔ ایک چھوٹا سا لڑکا' گھبرایا ہوا آ گیا۔

''اُوئے رفیق! اِن کو اپنے گھر لے جا......!''

وہ لڑکا آگے آگے بھاگا جا رہا تھا اور میں رینگتا ہوا اُس کے پیچھے پیچھے...... میں نے اُسے آواز بھی دی کہ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جاؤ مگر اُس نے میری ایک نہ سُنی۔

کچھ دُور موڑ کاٹ کر میں رُک گیا کہ وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تھوڑے سے اِنتظار کے

Scanned with CamScanner

بعد میں آہستہ آہستہ گلی میں بڑھنے لگا۔ دو گھر آگے عنایت مراثی اپنے گھر سے باہر نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ اُس کے پیچھے اُس کی چھنال سی بیوی' چھوٹے بڑے پانچ چھ بچے' ایک بوڑھی مائی اور دو عدد کھٹے بھی میرے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔

میں اُسے پہلی نظر میں پہچان گیا تھا۔ سیکڑوں بندروں میں لُنڈر الگ ہی ہوتا ہے۔ جیسے ہاتھیوں کے غول میں' بھتھم ہاتھی!..... جنگلی بھینسوں کے جُھنڈ میں اُڑنا بھینسا..... ہرنوں میں بارہ سنگھا۔ ان نمایاں جانوروں میں یہ اعزاز انھیں بہادری یا اضافی جرأت وخوبی کی بناء پہ نہیں بلکہ ان بے پناہ جولت پسند خرابی کی وجہ سے ملا ہوتا ہے۔ مَردوں میں ایسے بے پناہ مَرد کو لیڈی کلر بھی کہتے ہیں۔ ان کے ہاں جنس مخالف کا صرف ایک ہی رُوپ ہوتا ہے۔ ماں بہن بیٹی بھائی کے ناتے رشتے فضول اور بے معنی ہوتے ہیں۔ ایسے انسانیت باختہ' نسائیت آشام افراد کا انجام بڑا اندوہ ناک ہوتا ہے۔ میں نے ایسے عورت خوروں کو اکثر جذام' فالج اور غلیظ جنسی امراض میں مبتلا پایا ہے۔ دُنیا کی تاریخ میں ایسے بے شمار مشہور لوگ گزرے ہیں اور موجود بھی ہیں جن کا ایک آدھ سے گزارہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کے ''کھاتۂ ازدواج'' میں درجنوں زندہ مُردہ' مطلقہ عورتیں ہوتی ہیں..... ایسے خوار و رُسوا افراد کے جنازہ میں مرد کم اور عورتیں بچے زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کی پہچان ان کے چہرے اور حرکات سے ہویدا ہوتی ہے۔ آنکھوں میں تیز حرکت' جنسی چمک' سؤر کا بال..... چہرے کے جغرافیہ کا بار بار بدلنا' مصنوعی خباثت آمیز مسکراہٹ..... کوئی بھی سائز' بیاہی اَن بیاہی' اپنی پرائی سب پہ بُری نظر ڈالنا اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں۔''

میں اس کے گھر کے سامنے' گاڑی روک کر نیچے اُتر آیا۔ علیک سلیک کے بعد میں نے مسکراتے ہوئے اُس کا نام پوچھا اور بتایا کہ میں کمپنی کا ملازم ہوں۔ روزانہ اسی گاڑی پہ گلیانہ سے گزر کر سائٹ پہ جاتا ہوں۔ بچے کو پُلی کے پاس آم کے درخت نیچے دیکھتا تھا' آج دکھائی نہ دیا تو کھیت میں کام کرنے والے ایک آدمی سے پوچھا۔ معلوم ہوا' بچے کی ٹانگ پہ چوٹ آئی ہے۔ آج چھٹی تھی سوچا' چلو اس معصوم بچے کو کمپنی کے ہسپتال سے مفت دوا لے دیتے ہیں۔ اگر تمھیں کوئی اعتراض نہ ہو تو بچے کو دیکھ لوں؟

میں نے اپنے بابوں سے یہ بھی جانا کہ زندگی کے معاملات' اپنے ہوں یا بیگانے' اگر ان میں مداخلت ضروری ہو جائے تو ہمیشہ سادگی اور سچائی سے کام لو' ٹیڑھی ترچھی نہ کرو' با عزت اور سُرخرو ہو گے۔ چالاکی ہشیاری دکھانے' جھوٹ فریب سے کام نکالنے والے کہیں نہ کہیں پھنس جاتے ہیں۔ سوائے رُسوائی اور پشیمانی' ان کے پلّے کچھ نہیں پڑتا۔

تولہ ماشہ' من وعن بات اس کے سامنے رکھ دی۔ چند لمحے اُس گرگِ باراں دیدہ نے مجھے گھورا' مراثی

تھا یہ ذات! بڑی مردم شناس اور موقع شناس معاملہ فہم ہوتی ہے...... بال کی کھال اُتارنا اور پھر کھال سے بال نکالنا ان کا موروثی فن ہوتا ہے۔ یہ اس کی روٹی کھاتے ہیں...... اُس نے بڑی عزت سے اندر آنے کی دعوت دی۔ صحن کے درمیان دھریک تلے ایک کھاٹ کھٹولی پڑی تھی۔ جس پہ دو انسان کے بچے' ایک بکری کا میمنہ' دو چار کوّے اپنی اپنی حرکتوں میں مصروف تھے۔ جلدی جلدی اُنہیں وہاں سے ہٹا کے مجھے بڑی عزت احترام سے بٹھایا گیا۔ اُس کی چھنال بیوی کھٹی لسی کا پیالہ مجھے تھماتی ہوئی بولی۔

''بڑا چنگا بچہ اے۔ پر ذرا کمزور تے لاپروا اے۔ لت پہ لگنے کا بس بہانہ ہی بن گیا ہے۔ کمپنی دے ہسپتال میں علاج ہوگا تو ٹھیک ہو جائے گا۔''

عنایتا خاموش کھڑا تھا۔ میں کھٹی لسی کے تلخ گھونٹ سُرکتے ہوئے کانی نظروں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا کہ کہیں نواجا بھی دکھائی دے جائے۔ مگر وہ شاید کہیں جنیفس واڑہ میں پڑا تھا۔ اتنے میں عنایتے کی ماں نے ایک فضول سا بدنما ختہ' میرے سامنے لا دھرا۔ جسے میں نے ہٹوا دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے صحن' بچوں اور عورتوں سے جل تھل ہو گیا۔ ایسی دھکم پیل شروع ہو گئی کہ گھبرا گیا۔ عنایتے سے میں نے بچے کو بلانے کا کہا۔ وہ سامنے واڑے میں گیا اور نواجے کو اُٹھا لایا۔ زرد زرد نواجا' بڑی نقاہت بھری نظروں سے مجھے تک رہا تھا۔ چند لمحے میں بھی اُسے تکتا رہا۔ ایسے میں وہ پرائمری سکول کا ماسٹر بھی پہنچ گیا۔ جس نے اِدھر پہنچنے میں میری مدد کی تھی۔ وہ بھی میرے ساتھ کھاٹ پہ بیٹھ گیا۔ میں نے نواجے کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ بچوں کو پرے ہٹا کر' باہر کھڑی اپنی گاڑی دکھائی۔ وہ اس گاڑی کو پہچانتا تھا۔ اُدھر سے گزرتے اگر وہ اِدھر دیکھ رہا ہوتا تو ہارن بجا کر میں اُسے متوجہ کرتا۔ اگر کھیل میں مصروف یا اُونگھ رہا ہوتا تو میں سیدھا گزر جاتا۔

نواجے سے مویشیوں کے گوبر اور پیشاب کی سڑاند اُٹھ رہی تھی۔ پھٹے اُدھورے کپڑے' لگتا تھا گھر والوں نے اِسے گھر کا فرد ہی نہ سمجھا تھا جبکہ یہاں پہ موجود' گھر اور باہر کے بچے' بہت اچھی حالت میں نہ سہی' مناسب سی صورت و حال میں تو تھے۔

قطع نظر اِس کی حالت کے' میں نے اُسے یوں گود بھرا ہوا تھا جیسے کئی برس گم رہنے کے بعد میرا بچہ واپس ملا ہو؟ اِس کی بھی یہی صورت کہ اپنا سر میرے سینے پہ ٹکائے آسودگی سے چمٹا پڑا تھا۔ بچوں اور گاؤں کے دیگر لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے عنایتے مراثی سے اِسے کمپنی کے ہسپتال لے جانے کی اجازت چاہی اور یہ بھی کہا کہ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ چل سکتے۔ اُس نے اپنی بیوی کے کان میں کچھ کھسر پھسر کی اور بڑی لجاجت سے کہا۔

''ہم غریب مراثی لوگ ہیں۔ ہماری تو دال روٹی پوری نہیں ہوتی' ہسپتالوں کے دوا دارو' ڈاکٹروں

Scanned with CamScanner

کے خرچے کہاں سے لائیں گے؟ آپ کو اگر اللہ نے توفیق دی ہے تو اسے ساتھ لے جائیں۔ علاج کرا کے اُدھر ہی کہیں' کسی افسر کے گھر' اوپر کے کام کاج پہ رکھوا دیجئے گا۔" اس دوران اس کی بیوی بھی ہاں میں ہاں ملاتی رہی۔

میں ان ظالموں کے رَوّیے پہ سخت دلبرداشتہ ہُوا...... کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہوں کیا کروں؟ ایسے میں ماسٹر صاحب بول پڑے۔

"آپ دردمند انسان ہیں عنایتے کے دس بارہ بچے ہیں۔ بیشک بچے اور رزق اللہ دینے والا ہے مگر اس کے گھر رزق کی بڑی تھوڑ ہے۔ دودھ اور اُپلے بیچ کر بمشکل ایک ٹیم کی روٹی چلتی ہے۔ بڑے بچے اپنا اپنا منہ سر کر کے شہر میں محنت مزدوری کرتے ہیں۔ سات چھوٹے بڑے بچے' یہیں کھڑے ہیں۔ کوئی کسی کی بچ گئی چرا تا ہے دو بچی گندم کی چھڑائی کرتے ہیں۔ ایک دو میرے پاس پڑھتے ہیں۔ باقی گاؤں' چھپڑوں' روڑیوں پہ آوارہ گردی کرتے ہیں۔" ماسٹر صاحب نے عنایتے سے علیحدگی میں بات کر کے مجھے کہا۔ "آپ اسے ساتھ لے جائیں...... شاید آپ کی توجہ وسیلے سے یہ کوئی اچھا انسان بن جائے؟ یہاں اسی حالت میں رہا تو کہیں مر ور جائے گا اور اگر بچ گیا تو یہاں کے بے شمار آوارہ بچوں میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے گا۔ واپسی پہ بچوں اور کتّوں کی ایک وافر تعداد ہمیں الوداع کہنے کی خاطر گاڑی کے پیچھے خاصا دُور تک آئی۔

پُلی اور پیڑ تک پہنچنے میں ہمیں کوئی زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ دُور سے دیکھا تو پیڑ جھوم رہا تھا۔ جیسے تیز ہوا یا آندھی میں درخت بُوٹے ڈولنے لگتے ہیں مگر اس سمے پہر قدرے دُھوپ تو تھی پر تیز ہوا کا تصور تک نہ تھا اور نہ ہی قریب کسی درخت کی ایسی کیفیت دکھائی دی تھی......؟

راہ سے ہلکا سا ہٹ کر گاڑی کھڑی کر دی...... امریکن کوک کا ڈبا کھولا۔ گھونٹ گھونٹ اُسے پلایا۔ بسم اللہ پڑھ کر اُٹھایا اور اُمباماں (آم کا درخت) کی گود میں لا بٹھایا۔ ڈاریاں دیوانہ وار جھوم رہی تھیں...... بینائی کی طرح سماعت کے بھی کئی پردے اور حجاب...... جو انسان کی بساط' مقدور کے مطابق ہوتے ہیں۔ کچھ ایسے جو خدا کو اُس کی قدرتوں سے پہچان کر ایمان لے آتے ہیں اور یُوں بھی جو سب کچھ مانتے جانتے ہوئے بھی نہیں مانتے۔ کچھ کان ایسے جو نوائے سروش کی سرگوشیوں کی گُن مُن بھی پا لیتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی کہ جن کے آگے صُور بھی پھونکا جائے تو کانوں پہ جُوں تک نہیں رینگتی۔ میرے باریک کانوں نے اُمباماں کی خوشی سے نکلتی ہوئی جذبات اور ممتا بھری آوازیں سُنیں۔ نواجا کو دھیرے سے کھالے میں رکھ دیا تھا۔ وہ رینگ کر تنے سے چمٹ گیا۔ جیسے دُنیا جہاں کی نعمتیں اُس نے حاصل کر لی ہوں۔ تھوڑی دیر تک وہاں کھڑا رہا...... نرم نرم نظروں سے ماں بیٹے کا' مدھر مِلن دیکھتا رہا۔ دونوں کو اُدھر چھوڑ کر' گاڑی بھگائے کھاریاں بڑے بازار میں پہنچا کہ اُس کے لیے کچھ کھانے پینے کا سامان لاؤں۔ گھنٹہ بھر بعد واپس پہنچا تو وہی پرانا منظر' نواجا' اُمباماں کی گود

Scanned with CamScanner

میں پڑا میٹھی نیند کے مزے لُوٹ رہا تھا۔ ایسا وحیرج ایسا سکون ...... جیسے دونوں اَمر ہو گئے ہوں۔ کافی دیر اِدھر پاس بیٹھا رہا۔ پاس سڑک پہ آگے لوگ گاڑیاں' عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے گزرتے۔ کمپنی کی گاڑی' اصل مصیبت تھی۔ درخت کا سایا بھی اَب آگے بڑھ آیا تھا...... مَیں ذرا وقت گزارنے کے لیے گلیانہ سے آگے سائٹ کی جانب نکل آیا۔ جدھر کیٹر پلرز کے جنریٹر لگے ہوئے تھے۔ چوکیدار غلام سرور' جو پاس گاؤں کا رہائشی اور پرانا فوجی تھا' وہ بھی پہنچ آیا۔ اُس کے گھر سے کھانا منگوا کر کھایا۔ یہیں ٹینٹ میں ذرا کی ذرا کمر سیدھی کی' اخبار پڑھا اور پھر واپس' پُلی کے پاس پہنچ آیا۔ دُور سے دیکھا تو اجا بیٹھا اپنے معمول کے کھیل میں مگن تھا۔ گاڑی کو دیکھا کر بہت خوش ہوا۔ صحیح سے چل نہیں سکتا ورنہ وہ بھاگ کر میرے پاس پہنچ آتا۔

بچہ تھا' اپنے ذہن سے کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر...... دیہاتی' ماحول معاشرے کی اخلاقی گراوٹ کا مارا ہوا' غربت محرومیوں کی دلدل میں دھنسا ہوا۔ مَیں اُس سے کیا پوچھتا۔ کیسا مشورہ کرتا کہ تم نے اپنے بارے کیا فیصلہ کرنا ہے؟ مَیں اُسے بڑے مگرمچھوں سے تو بچا لایا تھا اَب فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ مَیں اُسے کہاں لے جاؤں کدھر رکھوں؟...... ظاہر ہے اِدھر ویرانے میں کھلے کھیتوں پیڑ کے نیچے اِسے اکیلے نہیں رکھا جا سکتا جبکہ یہ بیمار اور مضروب بھی تھا۔ جذبات اور چیز ہوتے ہیں حقائق کچھ اور؟ جو فیصلہ مشاورت سے ہوتا ہے اسی میں سلامتی اور برکت ہوتی ہے۔ مَیں نے اَمباماں سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ دانائی کیا ہے؟

- **وقت کے شعور اور تقاضوں کے فہم و ادراک کو سمجھنے کا نام......!**

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان' انسان کے علاوہ بھی کسی غیر انسانی مخلوق' اَدنیٰ اَعلیٰ ہستی و عنصر سے مشورہ یا خیر و فلاح کی کسی استعانت سے استفادہ حاصل کر سکتا ہے؟ اِس کا جواب اثبات میں ہے۔ اگر انسان بُرائی بدی' کسی کو زک پہنچانے کی خاطر' طاغوتی ابلیسی ذرائع کو درمیان لانے سے دریغ نہیں کرتا تو نیک مقاصد کے فروغ کے لیے صالح و صادق ذرائع (حسبِ ضرورت) استعمال کرنے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔ آسمانی کتابوں' قصص الانبیاء' ملائکہ' قدسیوں دیگر پاک نفوس اللہ کے بندوں کے تذکروں سے بھی واضح ہوتا ہے ایک مخلوق دوسری مخلوق سے فیض یاب ہوئی...... باہم تعلقات و مشاورات بھی رہے۔ استخارہ' قرآنی فال' صلوٰۃِ حاجات ادا کر کے مصلیٰ پہ آنکھیں موندھ کے لیٹ جانا۔ کسی بزرگ سے دُعا اور رائے طلب کرنا' رینگنے والی مخلوق کے راستے کشادہ کرنا' لنگر کا بندوبست اور مچھلیوں کو چارا ڈالنا...... یہ سب اہتمام اسی ذیل میں آتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

اقوامِ عالم کے قدیم اور جدید مذہبی عقائد و رویوں کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کام سرانجام دینے سے پیشتر فال نکالنا' جانوروں کی حرکات' اُن کا چہچہانا رونا' موسموں کے تیور' ہواؤں' بادلوں کے رُخ سے کامیابی اور ناکامی کے شگون اَخذ کرتے تھے۔ اِنسانوں' جانوروں کی قربانی' کھیتوں' کنوؤں میں خُون ڈالنا وغیرہ...... بھلے آپ ان سب باتوں کو توہمات کے زُمرے میں ڈال دیں لیکن اِن کی کسی نہ طور حقیقت اور اثر انگیزی سے اِنکار بھی ممکن نہیں۔

بسم اللہ کا شروع میں پڑھنا' السلام علیکم' ملاقات کے وقت کہنا' کسی کا شکریہ ادا کرنا...... تحسین و آفرین کے کلمات ادا کرنا...... الحمدللہ' جزاک اللہ' ماشاءاللہ...... یہ سب کیا ہے؟ یہ ساری خیر سگالی' سپاس و صالحیت سلامتی و انسانیت کے رَوَیے ہیں۔ جو ہم میں باطنی بالیدگی' مالک کی شکرگزاری' اپنی کم مائیگی' بندگی' اطاعت کی خُو' خوشبو پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔''

لاریب کہ ہر معاملہ میں قدرت کاملہ ہی مبتداء و منتہا ہے۔ اس کے باوصف' مادّہ چونکہ مادّہ سے اپنی بُنیادی قُربت و صُحبت کی بنا پہ احسن اور واضح ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی اک طفل تسلی کے لیے بھی اللہ کی دیگر مخلوق سے بھی شگون اُٹھا لیتا ہے۔'' ایک بار یُوں ہوا کہ مجھے قریبی عزیزوں کے درمیاں اِک تنازعہ میں بطور ثالث مجبوراً شامل ہونا پڑا۔ دوسرے شہر میں پہنچنا تھا مجھے رات کو ہی گوجرانوالہ پہنچنے کے لیے کہا گیا تا کہ اگلے روز صبح سویرے جہلم کے لیے روانگی اختیار کی جا سکے اور مسئلہ نمٹا کر اسی روز واپس آیا جا سکے۔ مَیں رات کو اُدھر پہنچ گیا۔ رات کافی دیر تک معاملہ کے سیاق و سباق پہ تیاری ہوتی رہی۔ صبح سویرے ناشتے کے بعد جہلم روانہ ہونے کے لیے باہر نکلنے لگا تو دیکھا کہ گلی میں دو گھروں کے درمیان لڑائی ہو رہی ہے۔ مرد عورتیں بُری طرح آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ گالی گلوچ بھی چل رہی ہے۔ اردگرد کے لوگ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ہم مرد لوگ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے۔ گھر کی عورتیں ابھی بیٹھنے کی تیاری کر رہی تھیں کہ گھر کی بڑی عورت نے گاڑی میں بیٹھنے سے اِنکار کرتے ہوئے سفر ملتوی کرنے کا عندیہ دے دیا۔ جب مَیں نے عورتوں کو واپس گھر میں جاتے دیکھا تو مَیں نے گھر کے سربراہ سے وجہ دریافت کی۔ وہ میرے پاس سے اُٹھ کر گھر گیا۔ جلد ہی واپس لوٹا' بتایا کہ گھر والی نے جہلم جانا ملتوی کر دیا ہے۔ وجہ یہ بتائی کہ ہم وہاں صلح کے لیے جا رہے ہیں۔ گھر سے باہر قدم نکالتے ہی لڑائی جھگڑا دکھائی دی ہے۔ شگون صحیح نہیں...... وہاں بھی صلح کی بجائے مزید کام بگڑنے کا اندیشہ ہے۔ مزے کی بات' گھر کے اس سربراہ نے بھی بیوی کی بات پہ صاد کرتے ہوئے مجھے اِس پروگرام کو اگلے دن تک ملتوی کرنے کی درخواست کی۔ میرا تو میٹر گھوم گیا۔

''بھائی! لڑائی تو اُدھر ہو رہی ہے۔ اس کا ہمارے پروگرام سے کیا تعلق؟''

Scanned with CamScanner

گلتو بند ہو جائے..... کسی بسیار خور کو قبض یا کسی احمق تو ہم پرست کو وہم..... بڑی مشکل پیدا کرتے ہیں۔ میں ان سے بحث کرنا فضول سمجھتے ہوئے واپس لاہور جانے کا کہہ کر گاڑی سے نیچے اتر آیا۔ ان کو پتنو پڑ گئے' کسی نہ کسی طرح مجھے واپس بیٹھک میں لا بٹھایا گیا۔ مختلف توجیہات بیان کر کے مجھے ایک دن مزید ٹھہرنے پہ آمادہ کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اُن کی جہاندیدہ بیوی نے مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے مختلف کہاوتیں بیان کیں جیسے گھر سے جاؤ کھا کے' آگے سے ملے پکا کے۔ ہسدے جاؤ تے ہسدے آؤ۔ لڑائی دیکھ کر جاؤ' آگے سے بھی لڑائی دیکھ کر آؤ وغیرہ وغیرہ۔ مزید کہنے لگی۔

''بابا جی! وڈے وڈیروں نے یہ باتیں ایسی ہی نہیں کہیں۔ بڑے تجربوں اور سر ورتیوں کی باتیں ہیں۔ جہلم والے تو ویسے ہی بڑے جھگڑالو اور لڑاکے ہیں۔ مجھے تو آج وہاں جاتے ہوئے بڑا ڈر لگتا ہے۔''

میں نے عذر پیش کرتے ہوئے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتی ہوں گی' مجھے مجبوری ہے۔ میرے پاس وقت نہیں' پہلے ہی میں بڑی مشکل سے وقت نکال کر آپ لوگوں کی بہتری کی خاطر آیا ہوں۔ میں تو واپس لاہور جا رہا ہوں۔''

پتا نہیں کہ وہ کیسے رضامند ہوئی۔ بادل نخواستہ ہم دو گاڑیوں میں سوار جہلم کی جانب چل دیئے۔ دو اڑھائی گھنٹوں کے سفر کے بعد' مشین محلہ نمبر دو میں اُن کے گھر کے سامنے ہم پہنچ گئے۔ مجھے دیکھ سن کر یقین نہ آیا کہ وہاں ہم سے پہلے ہی لڑائی کا میدان گرم تھا۔ ہمیں دیکھ کر اُن لوگوں کا ایک رشتہ دار باہر نکلا اور کہنے لگا۔

''خدا کا واسطہ آپ لوگ فوراً اِدھر سے چلے جائیں۔ اندر تو بندوقیں پستولیں نکلی ہوئی ہیں۔ لڑکے کی ماں بے ہوش ہے' ماں باپ تو صلاح کے لیے راضی ہیں پر لڑکا نہیں مان رہا۔ مہربانی فرما کر آپ لوگ واپس ہو جائیں۔ لڑکے کا دماغ بہت خراب ہو چکا ہے......!''

دیکھا آپ نے؟..... لڑائی دیکھ کر چلے تھے آگے بھی لڑائی دیکھنی پڑی۔ نہ ماننے کے باوجود بھی ہمیں ماننا ہی پڑتا ہے کہ یہ چیزیں بھی کوئی حقیقت رکھتی ہیں۔ یہ کوّوں کا بنیرے پہ بیٹھنا' کاں کاں کرنا..... بلیوں کا رونا لڑنا' کتوں کی لڑائی..... گدھے کی آواز' مرے کبوتر فاختہ دیکھنا..... رات اُلو کی آواز سننا..... چاند سورج گرہن دیکھنا' ماموں بھانجے کا بارش آندھی میں اکٹھے باہر نکلنا..... کنواری لڑکی کا صبح صبح مطلقہ یا بیوہ کو دیکھنا..... سوتے ہوئے چیونٹیوں کا جسم پہ آ جانا..... کسی بیمار کے کپڑوں کو چوہے کا کتر جانا..... دودھ میں چھپکلی گرنا..... چھت پہ بلیوں کی لڑائی..... پکتی ہوئی' مٹی کی ہانڈی کا آپے آپ پیندا نکل جانا..... آنکھ کا پھڑکنا' ہتھیلیوں پہ خارش ہونا..... جوتی پہ جوتی کا چڑھ جانا' گھر کے پیڑ پودوں پہ اَمر بیل کا پیدا ہو جانا..... عورت یا جانور کا دودھ سوکھ جانا وغیرہ وغیرہ.....

Scanned with CamScanner

بڑے کہتے ہیں' ہاتھ پاؤں کے ناخن تراش کر گھر کے اندر نہیں رکھنے چاہئیں' باہر کسی ایسی جگہ تلف کریں جدھر سے کوئی انہیں حاصل نہ کر سکے۔ اسی طرح داڑھی' سر یا جسم کے بال بھی چار دیواری سے باہر کسی جگہ دبا دینے چاہئے۔ جانور کے کلیجی' گردے' دل کو چھری سے نمک لگا کر رکھنے چاہئیں۔ اپنا لباس' زیر جامے' دوپٹے' جرابیں بنیانیں' رومال' پگڑی وغیرہ پرانے ہو جائیں تو اعتماد والے غریب ملازم محتاج کو دے دیں' جلا دیں یا ٹکڑے ٹکڑے کر صفائی کے لیے استعمال کریں۔ غلط لوگ' ان پہ جادو ٹونہ کر دیتے ہیں۔ کھانے والے برتن استعمال کے فوراً بعد دھو ڈالیں' دن یا رات بھر جوٹھے نہ رکھیں۔ یا مارے جوٹھ یا مارے جھوٹ...... درخت کے سائے' حشرات الارض کے بلوں' گرم ریت مٹی' دریا نہر' تالاب جوہڑ کے کھڑے یا بہتے پانی میں پیشاب نہ کریں۔ بانجھ' نحوست والی عورت یا جس کے ہونٹوں' شرمگاہ پہ تل بچھے' دھدر یا برص کے داغ ہوں' کے سائے' جوٹھا کھانے پینے' جنسی تعلقات قائم کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ جب تک اس کا علاج نہ کروا لیا جائے۔ سورج کے ساتھ سفر شروع کرنے سے' منزل آسان اور کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

اُمباماٰئی کا عندیہ لینے کے لیے وضو کر کے' تواجے کے پاس ہی' دو رکعت نفل پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ اللہ پاک سے التجا کی۔

''مالک! اس معصوم مظلوم' بیکس بچے کے حق میں جو بہتر ہو اس کا وسیلہ عطا فرما اور اُمباماٰئی اور مجھے بھی بجھائی عطا فرما......!''

نیند اور غنودگی میں بہت فرق ہے۔ وہی جو سرور اور بدمستی میں ہے۔ میں سویا جاگا سا تھا کہ سر پہ ایک چپچپی سی ابنبی گری...... اُمباماٰئی نے ہوشیار کرنے کے لیے شاید اشارہ دیا۔ میں ہکا بکا سا خنداں لب اُٹھ بیٹھا۔ میری سانسوں میں آموں کی رسیلی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ کچے آم' پیلے اناس اور ہرے نیبو کی کھٹی میٹھی خوشبوئیں' میرے دل و دماغ میں لطافتوں' نزاکتوں کے گلزار کھلا دیتی ہیں۔ میرے اندر' نرگسیت کے خوش رنگ طیور چہچہانے لگتے ہیں' دل میں کافوری خنکی سی لہرانے لگتی ہے۔ فضاؤں میں اُڑنے' سمندروں میں غوطے لگانے' صحراؤں میں بھٹکنے اور گھنے جنگلوں میں پاگل پروائی کی مانند لگن مٹی کھیلنے کو جی چاہتا ہے۔ ان تینوں کی لطافتوں' مہکاروں' شیرینیوں' لذتوں' ترشیوں اور ضوری جمال و کمال کا مجھے گونا گوں گیان حاصل ہوا ہے۔ وصال و فراق کے معاملے' اوّل و تمام کرنے کے لیے آم چتنار کی چھایا سے اچھا کوئی گوشۂ عافیت نہیں پریم جھولے لینے کے لیے اس کے ڈال سے بہتر کوئی ہنڈولہ نہیں۔ ہر یل طوطوں کی پریم پالی بھی اسی کے برگ و بار کی باس میں بپا ہوتی ہے...... سبحان اللہ!

Scanned with CamScanner

تو اس برابر ہوئے تو نواب کو اپنی جگہ پہ موجود نہ پایا۔ نظر ہٹا کر سامنے دیکھا...... وہ کمپنی کی ڈبل کیبن کے پچھلے کھلے حصے میں بیٹھا اپنے دھیان ٹھیکریوں سے کھیل رہا ہے۔

کھیل میں مگن بچّہ......! ماں کا دُودھ چُستا ہُوا نُومولود...... شبنم کے قطرے سے نُچلی ہوئی پنکھڑی' سرِ مژگاں ٹھہرا ہوا آنسو...... فرطِ جذبات سے مغلوب لبوں کی لرزش...... دُنیائے رنگ و بُو کے حسین ترین مناظر کہے جا سکتے ہیں۔

مجھے قدرت کی رضا اور اُمیا میا کی جانب سے اجازت مل چکی تھی۔ نواب کا گاڑی میں خود بخود بیٹھ جانا' اس اَمر کی دلیل تھا۔ مَیں سبک سبک سا گاڑی کے پاس پہنچا...... مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں' بھئی! کیا ہو رہا ہے؟ یہ بتاؤ تم گاڑی تک کیسے پہنچ گئے؟ ٹانگ کی وجہ سے تمہارے لیے کھڑا ہونا مشکل...... گاڑی پہ کیسے چڑھ گئے؟''

وہ اپنے کھیل میں مگن' بڑی بے نیازی سے بولا۔

''اُمباں والی اماں نے میری لت وی ٹھیک کر دتی اے۔ تے مینوں آکھیا' جا چاچے نال شہر ٹُر جا!''

مَیں نے حیرانی سے اُس کی بات سُنتے ہوئے مزید پوچھا۔

''اتنی اُونچی گاڑی پہ تم کیسے چڑھ ہو؟''

''اُمباں والی اماں نے چُک کے چڑھایا سی......!''

یقین کرنا بہت مشکل' مگر کیا کہا جائے کہ ایسے ہی ہے اور دن رات ہوتا رہتا ہے۔ مگر ہم اپنے محدود علم اور بے بصیرتی کی بنا پہ نہ تو سمجھ سکتے ہیں اور نہ مانتے ہیں۔''

کنکریاں کلمہ پڑھ سکتی ہیں۔ کھجور کا تنا فریاد کر سکتا ہے' رو سکتا ہے...... چیونٹیاں بات کر سکتی ہیں' پتھر بول سکتے ہیں۔ شجر' پرندوں نے کلام کیا۔ جنگل' دریا' صحرا' سمندر رب اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ نادلی پڑھتے ہیں...... درود شریف کا ورد کرتے ہیں۔ انسان اُن کی زبانِ ذکر کو سمجھ نہیں پاتا۔ بجز' جس کو وہ عطا کرے۔

● سرخ گلاباں دے موسم وچ پُھلاں دے رنگ کالے......!

اُستاد امانت علی خان' اسد امانت کے والد' نہ صرف ایک بڑے پائے کے گائیک تھے بلکہ مردانہ وجاہت و رعنائی کا ایک نادر پیکر بھی تھے۔ مَیں نے بے شمار گوّیے سُنے دیکھے' کوئی گانے میں بھلا مگر دیکھاؤ سجاؤ بھلاؤ میں رہ گیا۔ اُستاد امانت علی خان' سُننے اور دیکھنے کے علاوہ محسوس کرنے کی بھی چیز تھے۔ اس گھرانے کے

Scanned with CamScanner

تمام کاریگر اِس لحاظ سے بڑے خوش قسمت رہے کہ وہ گائیکی دوران شکل نہیں بگاڑتے تھے بلکہ گاتے وقت اپنے اصل سے کہیں زیادہ پیارے اور مَن موہنے لگتے۔ اتفاق کہہ لیں کہ مجھے اِس گھرانے' اُستاد امانت علی' اُستاد فتح علی' اُستاد حامد علی اور اسد امانت سے موسیقی کے واسطے سے کچھ تعلقات رہے۔ اُستاد امانت علی مرحوم سے کچھ زیادہ کہ اُن سے موسیقی کے علاوہ بھی ایک اور نسبت بھی تھی۔

راوی روڈ سے ذرا ہٹ کر ایک بزرگ کا گمنام سا مزار تھا۔ اُن کا نام تو کچھ اور تھا مگر امانت علی اُنہیں سائیں بھیروں کہتے تھے۔ ایسا کہنے کی بھی ایک وجہ تھی۔ میں ایک خاص مقصد سے ہر جمعرات' بھُنے چاولوں کے لڈوؤں کا لنگر لے کر اِس مزار پہ حاضری دیتا تھا۔ پرانے وقتوں کا یہ غیر معروف 'ٹونا ٹوٹکا' عام سا مزار' شاید آج موجود نہ ہو۔ یہ پرانے قبرستان کے ایک کونے میں واقع تھا۔ اسے مزار کہنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوتی کہ یہ قبر زمین سے اُونچے ایک چبوترے پہ تھی۔ ذرا کے بغیر طاقچوں والی دیواروں پہ قبہ نما چھت...... جس پہ کوؤں کبوتروں کے پرے پرے' ڈیرے ڈالے رہتے تھے۔

میں علی الصباح' سیالکوٹ سے باؤ ٹرین پہ بغیر ٹکٹ سفر کر کے لاہور پہنچتا۔ آٹھ دس آنے' کرائے پہ خرچ کر دینے کے بعد لنگر کے لڈوؤں کے لیے پیسے نہ بچتے تھے۔ لہٰذا' ٹکٹ چیکر سے آنکھ مچولی کھیلتے کھیلتے بادامی باغ پہنچ جاتا۔ یہاں سُست رفتار گاڑی سے آسانی کے ساتھ نیچے ڈھلوان اُتر کر نیچے بازار...... یہاں چنے چاول مُونگ پھلی بھُوننے والوں کے بھٹ تھے۔ دیہاتی ماحول' ہندو دکاندار' اِن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر خوب مُفت خوری ہوتی۔ چنے' مُونگ پھلیاں' گچک' ریوڑیاں' املوک' دال سیوئیاں...... غرضیکہ جو ہاتھ لگتا' پیٹ میں پہنچ جاتا۔ دکاندار بھی بھلے لوگ ہُوا کرتے تھے جانتے بُوجھتے' نظر دھیان دوسری جانب پھیر لیتے کہ بچہ کچھ ٹونگ لے......!

اِدھر سے میں آنے دو آنے کے بھُنے ہوئے موٹے چاولوں کے میٹھے لڈو لیتا۔ یہ بھی عجیب سوغات تھی۔ چاول' بھٹ میں بھُون کے گُڑ کی راب ملا کر لڈو بنائے جاتے۔ ساتھ سونف' مُونگ پھلی کی گریاں' کھوپا...... کچھ دانے سرخ اور سبز بھی ہوتے' جو بڑے خوشنما لگتے۔ یہ لڈو دیہاتی' شہری بچوں کا دلپسند کھاجا تھا...... دھیلے دمڑی میں بچے پرچ جاتے اور غذا مٹھائی کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی۔

یہ میری اوائل عمری کا وہ دَور تھا جب مجھے سیکھنے سکھانے کا جنون تھا۔ جو بھی اچھا بُرا کام دیکھتا' جب تک میں اُس کے گھر تک نہ پہنچ جاتا مجھے چین نہ پڑتا۔ اس سے کچھ فائدہ نقصان کی غرض نہ ہوتی۔ بس! یہ کہ کام مجھے آنا چاہیے...... سارا بچپن' اسی قسم کی حماقتوں میں بیتا۔ مجھے کیا خبر ہوگی کہ وقت میری پرورش کر رہا

Scanned with CamScanner

ہے۔ کارزارِ زیست میں سُرخرو ہونے کے لیے مجھے تیار کر رہا ہے۔

ہوا میں اُڑنے کی کوئی تربیت حاصل کرتا ہے' کوئی سمندروں میں اُترنے کی...... کانیں کھودنے کی اور کوئی ریت کھنگالنے کی۔ کوئی عالم دین اور مُبلغ بنتا ہے۔ انجینئر کوئی سائنس دان' عالم فاضل کوئی ڈاکٹر' قانون دان تو کوئی لیڈر اور کوئی ایڈمن ہے اور کوئی صنعت کار' اپنی فیلڈ' دلچسپی صلاحیت اور مقدر......!

ہم کو تمہارے عشق نے کیا کیا بنا دیا

مجنوں بنا دیا کبھی لیلیٰ بنا دیا

ہر پتھر کے نصیب میں گوہر ہونا نہیں ہوتا اسی طرح ہر ہیرے کے مقسوم میں کوہِ نور بننا بھی نہیں ہوتا۔

علمِ حقیقی کچھ اور ہوتا ہے۔ بڑی بڑی درسگاہیں...... عصری علوم سے کسی حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے جس سے محض رواں وقت کی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ علومِ عتیق و حقیق' معرفت سے مملو ہوتے ہیں اور معرفت' اللہ کریم کی خاص عطا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طفیل فرقان الحمید سے ملتی ہے۔

قلندروں فقیروں درویشوں کے لیے پوری خدا کی خدائی...... اک درسگاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ دُنیا اُن کے آگے اک پشہ کے پَر سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔ گل لالہ کی پرورش اور حفاظت کوئی باغبان نہیں کرتا۔ قدرت نے یہ ذمہ داری خود سنبھالی ہوتی ہے۔ کچھ "بے فضول" نکمے مگر دیوانے سے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے معلّم وقت اور فطرت ہوتے ہیں' حالات اور معاملات ہوتے ہیں۔ وہ تلمیذ الرحمٰن' سفر میں تو دکھائی دیتے ہیں مگر حقیقت میں سفر انہیں طے کر رہا ہوتا ہے۔ وہ کسی منزل کی جانب نہیں بلکہ منزلیں' اُن کی جانب رواں ہوتی ہیں...... وہ سب مخلوق سے محوئے کلام وہ خود ہی ناظم اور نظام ہوتے ہیں۔

چاولوں کے لڈوؤں کا ذکر ہو رہا تھا۔ میں حسبِ جیب' لڈوؤں کا لنگر لے کر راوی روڈ سائیں بھیروں کے مزار پہ پہنچ جاتا۔ صبح کا وقت' اِدھر آنے جانے والے نہ ہونے کے برابر ہوتے۔ کبھی کبھی تو کوئی بھی دکھائی نہ دیتا۔ یہ موسم پہ بھی منحصر تھا۔ بہر حال! اور کوئی ہوتا نہ ہوتا ایک فرد اِدھر ضرور موجود ہوتا۔ قبر کے پاؤں کی جانب' منہ سر ڈھانپے بڑے اَدب سے کسی کیفیت میں گُم ہوتا۔ اندر داخل ہوتے ہی اِک مخصوص سی خوشبو مجھے اس کی موجودگی اور نفیس الطبع ہونے کا احساس دلاتی۔ میں حسبِ معمول فاتحہ شریف پڑھ کر' دُعا مانگتا اور لنگر تقسیم کرنا شروع کرتا۔ جو بھی موجود ہوتا اُسے ایک لڈو تھماتا...... خود بھی کھاتا اور باقی باہر پڑی مٹی کی کنالی میں رکھ دیتا جو آنے جانے والوں کے علاوہ اِدھر کے کوؤں' کبوتروں کے کام بھی آتے۔

میں ہمیشہ محویت میں ڈوبے اس شخص کو بھی لنگر دیتا جس کی نہ صورت دیکھی اور نہ کبھی بات ہوئی تھی۔ میرے لیے اس کا خاموش سراپا اور مخصوص خوشبو ہی اس کا تعارف تھا۔ ایسے مقامات پہ ویسے بھی کسی کو جاننے

Scanned with CamScanner

پہچاننے کی ضرورت نہیں ہوتی؟ جس کے پاس پہنچا ہوتا ہے اُس کی کوئی گن تن مل جائے تو بڑی بات ہوتی ہے...... ایک جمعرات دیکھتا ہوں وہ شخص اپنی جگہ پہ موجود نہ تھا۔ حیرانی اور پریشانی بھی کہ مہاراج' آج کدھر رہ گئے؟ بچے بچئے لنگر تقسیم کیا۔ اُس کا حصہ قبر کی پائینتی پہ رکھ دیا...... اَب نہ جانے کیا جی میں آئی میں بلا ارادہ اُس کی مخصوص جگہ پہ وہی انداز اختیار کر کے بیٹھ گیا۔ سر پہ چادر' آنکھیں نیم وا تھا ذرا جانے' اَب میں اُس کیفیت کی تلاش میں تھا جو اُس پہ طاری رہتی تھی۔ انسان نقل تو کر سکتا ہے بمطابق اصل...... لیکن کسی کیفیت کی رُوح کی نقل نہیں کر سکتا۔ بہر حال' میں کسی نہ کسی طور وہیں پڑا رہا۔

اچانک میرے نتھنوں میں وہی مخصوص خوشبو لہرائی۔ چادر ہٹا کر دیکھا وہی رجلِ مستور چہرے کا چراغ روشن کیے بیٹھے ہیں۔ فوری کچھ سمجھ نہ آیا' اُٹھوں یا بیٹھا رہوں۔ مجھے کسمسا تا دیکھ کر بولے۔

''تسلی سے بیٹھے رہو' میرا اِدھر کا کام پچھلی جمعرات ہی پورا ہو گیا تھا۔ آج تو میں صرف تمہارا لنگر کھانے اور یہ دیکھنے آیا کہ تم اپنی جگہ پہ بیٹھ گئے ہو کہ نہیں؟''

کچھ نہ سمجھتے ہوئے میں ٹکر ٹکر اُن کے چراغ چہرے اور مشعل آنکھوں کو دیکھ رہا تھا' وہ پھر گویا ہوئے۔

''تمہیں بابا بھیروں سرکار سے بہت لگن معلوم ہوتی ہے۔ تمہیں یہاں لنگر بانٹتا دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں۔ اَدب اور علم والے بچے ہو۔ تعلیم لیتے ہو' گھرانے والے ہو یا عطائی......؟''

سچی بات ہے میں گھبرا سا گیا...... کیا جواب دوں؟...... بوکھلایا سا بولا!

''تعلیم سے بھاگا ہوا ہوں...... گھر تو ہے لیکن وہاں کوئی عزت نہیں...... باقی رہی بابا بھیروں سے لگن والی بات...... اس راہ پہ مجھے منے نُولے نے ڈالا ہے۔''

''مانا نُولا سیالکوٹ والا......؟'' اُنہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا؟

''جی ہمارے گھر کے قریب ہی اُس کی پانوں کی دکان ہے۔ آئے دن وہاں گانے بجانے کی محفلیں ہوتی رہتی ہیں۔ دوسرے شہروں سے بھی گانے بجانے والے آتے رہتے ہیں۔ سیالکوٹ کے بہت سے لڑکے اس کے شاگرد ہیں۔''

''تم بھی اُس سے گانا سیکھتے ہو؟''

''جی ہاں' مجھے موسیقی سے بہت دلچسپی ہے۔ جمعہ والے دن' مسجد میں نعتیں بھی پڑھتا ہوں۔ گانا بھی گا لیتا ہوں۔''

''کوئی ساز بھی بجا لیتے ہو؟''

''ڈھولکی اور بینجو بجانا سیکھ رہا ہوں۔ اُستاد مانے نُولے نے بتایا تھا اگر کسی نے اصلی گانا بجانا سیکھنا ہو تو

Scanned with CamScanner

سائیں بھیروں کے مزار پہ منت مانگے' چالیس جمعراتیں' چاولوں کے لڈووں کا لنگر بانٹے۔ اگر چالیسویں جمعرات' سائیں بھیروں خود اپنے ہاتھوں شیرینی کھلا دیں تو سمجھو کہ راگ راگنیاں سیکھ جاؤ گے' اگر ایسا نہ ہو تو مزید چالیس جمعراتیں ادھر لنگر بانٹنا اور حاضری دینی ہوگی۔''

''مگر اس کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی بہت ضروری ہے اور پکا ریاض بھی...... بتاؤ' تم نے اَروہی اَمروہی پکائی ہے......؟''

اَب مَیں کیا جانوں اَروہی اَمروہی کیا ہوتی ہے؟...... میرے بھانویں تو یہ از قسم کوئی ساگ پتے تھے۔ جنھیں صرف پُرانی دیہاتی عورتیں ہی پکا سکتی ہیں۔ مٹی کی پرانی ہانڈیاں' اُپلوں کی آگ اور دُھواں...... کڑوا سرسوں کا تیل' لکڑی کا گھوٹنا وغیرہ...... مَیں اَروہی اَمروہی کو بھی' سرسوں باتھو کیج پیج میتھی پالک' تارا میرا وغیرہ...... مَیں نے جواب میں احمقوں کی مانند نفی میں سر ہلا دیا۔

اَب میری باری تھی مَیں نے ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا۔ آپ......؟

آنکھوں کے کنول دکھاتے ہوئے بتایا۔

''مجھے بھی تمہاری طرح موسیقی سے پیار ہے بلکہ عشق' بزرگوں نے بتایا۔ دُنیا میں پہنچ کر مَیں نے منہ بسور کر رونے کی خاطر جو پہلا سُر لگایا تھا وہ بھیرویں تھا۔ اُس سمے سے اَب تک مَیں بھیروں کے بھید بھاؤ سے باہر نہیں نکل پایا۔ تمہیں ایک اور راز کی بات بتاؤں' مجھے ایک بوڑھے ہندو سنگیت ودیاوان نے کہا تھا بچے! تمہیں جیون میں کبھی بھیروں مائی کا گیان درشن اَوش ہوگا؟ اِک لمبے زمانے تک صبح صبح راوی گھاٹ' ریاض کیا مگر شاید کوئی کمی رہ گئی تھی۔ کبھی مجھے غیب سے سُجھائی دیا کہ مَیں اِدھر باوا بھیروں سرکار سے عرض کروں۔ کئی مہینوں جھولی بھری' کہیں اَب شنوائی ہوئی ہے۔''

مَیں حیرانی سے اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔ یوں ہی پوچھ لیا۔

''مجھ سے ایسی بھید بھری باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ مَیں ان کا اہل نہیں۔''

حسبِ معمول مسکراتے ہوئے کہا۔

''ایمانداری کی پُوچھو تو میری حسرت پوری ہونے میں مجھ سے زیادہ تمہارا کام ہے۔ تم مجھے لنگر کے لڈو کھلاتے تھے۔ باوا بھیرویں تم سے خوش ہوئے اور یوں میرا کام بھی بن گیا۔''

''مگر مجھے تو ابھی تک گانا نہیں آیا' بلکہ پہلے سے بھی گزر گیا ہوں۔''

مسکراتے ہوئے کہا۔

''ضروری تو نہیں کہ تم میری طرح گانا گاؤ۔ گانے والے سے کہیں زیادہ گُنی کن رسیا ہوتا ہے۔ ہمارا

Scanned with CamScanner

تو گھرانے کا کام ہے' تمہارا نہیں ...... یا پھر جسے مالک عطا کرے۔''

خان صاحب بتاتے تھے کہ بھیروں مائی جی نے راوی کنارے' انہیں درشن دیا اور اپنے راگ کے خاص الخاص بھید بھاؤ تعلیم کیے۔ معلوم ہوا کہ جذبہ' یقین' صدق محنت اور راس سمتی کے تعیّن سے اُن حجابات کو بھی دُور کیا جا سکتا ہے جو عام طور پہ انسان اور دیگر مخلوقات کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ یقیناً اِن کا شمار رازہائے خفتہ یا اَسرار سری میں ہوتا ہے؟

کائنات کی اَن گنت بُوالعجبیوں میں' عام انسان کے دائرہ ادراک میں واضح طور آنے والی کوئی شے نہیں ...... اللہ کی کتاب' بین المفہوم' اشارتاً اور کہیں صاف صاف بیان تو کرتی ہے مگر قرآن فہمی بھی تو ایسی آسان نہ ٹھہری کہ ہر کوئی بے سُود فیض یاب ہوتا پھرے۔ قرآن تو اُس پہ کُھلتا ہے جو مالکِ قرآن' صاحبِ قرآن اور حُرمت وعظمت قرآن پہ قربان ہو......؟

دو اقسام کی مخلوقات' ناطق اور منطق' شعور مکانی اور شعور زمانی سے مزیّن ہوتی ہیں۔ اَب رہی بات' شعور من اور شعور غیر از من تو یہ حسبِ مقدور ہوتے ہیں۔ ایک ماں باپ کی اولاد کی مانند ...... کوئی کمزور کوئی صحت مند' ذہین وفطین تو کوئی اجہل منطق ...... دھیما دھیرج والا' کوئی نائی کی طرح ناشکرا ناصبرا......!

یہ دھیما دھیرج والا شخص' عظیم گویا اُستاد امانت علی خان تھے' ایسا سُریلا اُجلا' سُرتا یا رعنائی وزیبائی ...... جو گاتے تو انسان نہیں دیوتا لگتا تھا۔ اپنے وقت کی بڑی بڑی عظیم گانے والیاں' ملکہ پکھراج' روشن آرا' نورجہاں' مختار بیگم' فریدہ خانم' اِس کے ساتھ نجی اور عوامی موسیقی کے جلسوں میں شامل ہوتیں' گلتا سُر سنگیت کی سب سُرتیاں' ایک سنگم پہ سنگھاری گئی ہیں۔ کہیں دُور ٹمٹماتے دیوں کی طرح' اُس دَور کی سہانی یادیں' اَب بھی دل میں سوزنگیوں کے جھالے سے لہرا دیتی ہیں۔ تب کہیں اُس فسوں گر دُنیے کے کنول کٹورے نین بھی اُجل کر ہلکی ہلکی روشنی دینے لگتے ہیں......

کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ مخلوق کسی بھی طور ودھنگ کی ہو اپنی اک مخصوص بولی ٹھولی اور سائیکی رکھتی ہے۔ صانع لم ویزل نے کسی کو بے مقصد و بے اہل نہیں بنایا۔ اپنی اپنی جگہ حیثیت میں ہر کوئی کامل ہے۔ اُن کی اپنی دُنیا' اپنے طور وطریق' اُصول وقانون اور مرنا جینا ہے۔ بس فرق یُوں کہ انسان اپنے زعم اشرف المخلوق میں غلطاں' دُوسری مخلوقات کو درخورِ اعتنا نہیں گردانتا۔ نگاہِ بینا قلب سلیم اور ظرف عمیم والوں کے ہاں تو پشّہ' تارِ عنکبوت' ذرّہ وریگ' سم مار اور گوبریلا کیڑا بھی مخلوقاتِ مطلق و مدلال میں اپنی حیثیت وہستی رکھتے ہیں اور نظام ہست وبُود میں اپنا ایک مُثبت کردار سرانجام دیتے ہیں۔ بلاشبہ ہر کس وناکس کو اِن کا علم حاصل ہوتا ہے اور نہ شوق وضرورت......؟ انسانیت کی فلاح وبہبود' بہجت وبصیرت کی آرائش وزیبائش کی خاطر معرضِ وجود

Scanned with CamScanner

میں لائی گئی یہ مخلوقات بھی انتہائی خاموشی سے کوئی خلل پیدا بغیر انسانیت کی خدمت میں جُتی رہتی ہے۔ انسان کی طرح انہیں ستائش کی بھی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ حتی الوسع نازیبا سلوک بھی برداشت کر لیتی ہیں تاوقت کوئی انہیں نابود کرنے کے درپے نہ ہو جائے۔ فقیر درویش' سنیاسیوں جوگیوں' سادھوں سنتوں سے ان کی خوب پہچان ہوتی ہے۔ ایک دوجے کے دوست اور ساتھ نبھانے والے ہوتے ہیں۔

مَیں اپنی نہ سمجھ میں آنے والی قرنوں پہ محمول زندگی میں ایسے ایسے عجیب وغریب' مافوق الفطرت واقعات دیکھنے اور کسی نہ کسی طور اُن میں دخل دینے پہ مجبور ہُوا...... ماننا پڑا کوئی ماورائی طاقت' جستی دانستہ مجھے اُن راہوں پہ ڈال رہی ہے جو میرے اپنے فہم وادراک سے اگا نہیں کھاتیں۔ امکان سے باہر وسائل سے ورا' جذ طلیت وحیثیت سے بہت پرے...... پر جلنے والی جگہ پہ......!

جدھر مرنا لکھا ہو موت اُدھر کھینچ کرلے جاتی ہے۔ جہاں سے کچھ بہتری کی صُورت حاصل ہونا ہو۔ ہوا اس طرف زبردستی اُڑا کر لے جاتی ہے۔ درویشوں فقیروں کے ٹھکانے بدلتے رہتے ہیں۔ ہوا کے دوش پہ سوار اُڑتے پھرتے ہیں...... ارادہ کدھر کا' پہنچ کہیں اور جاتے ہیں؟

● سندر بن کے پورم پار......!

بھارت کی جانب سے اگر سندر بن کے جنگلات میں داخل ہوں تو انتہائی مفلوک الحال' جانور نما انسانوں کی ایک بستی راہ میں پڑتی ہے۔ جنہیں دیکھ کر یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ ہندوستانی ہیں یا بنگلہ دیشی مسلمان یا ہندو......؟ انہیں انسان سمجھنے میں بھی تامل ہوتا ہے۔ ہرے بانسوں' پٹ سن کی کھپریل سے بنے ہوئے چند جھونپڑوں پہ مشتمل اس بستی میں زندگی کی رمق تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتی۔ سڑی جلی بھنی' ہڈیوں کے ڈھانچے زرد زرد عورتیں...... جو صنفِ لطیف سے کہیں زیادہ کوئی جنسِ کثیف کی بدروحیں دکھائی دیتی تھیں اور چند مریل ننگے دھڑنگے بچے کہ شاید ہی کس نے کپڑا پہنا ہو یا صحتمند دکھائی دیا ہو۔ ناک سے بہتی ریزشیں چاٹتے ہوئے...... مچھروں مکھیوں کے جھرمٹوں میں پھنسے ہوئے...... چند ایک مرد نما' انسانی کیڑے بھی دکھائی دیئے جو مجھ سیاہ پوش اور میرے بنگالی گائیڈ نما دوست کو شام ڈھلے اپنی بستی میں دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ اُن کا بے طرح خوش ہونا عین اُن کی ضرورت کے مطابق تھا۔

گزودنج' اس گنجی منجی بستی کا نام تھا۔ دریا کے گھاٹ اور سندر بن کے سنگم کی وجہ سے اس کی اہمیت واضح تھی۔ جھونپڑ نما ایک آشرم شالہ تھا۔ لیٹنے کے لئے پٹ سن کا بچھونا۔ بچھو دریائی مچھر' سندر بن کی کالی

Scanned with CamScanner

کھٹی مُفت اور کھانے کے لیے ماچھی بھات۔ اپنے تجربے کے مطابق خاص طور پنجابی اسے سزا کے طور بھی نہیں نگل سکتا۔ ناریل کا کچا تیل سمندری نمک امبا ہلدی لبی نہاندی مچھلی دریا کا پانی اور موٹا پنڈ بھات یہ سارے مسالے مِل کر ایک ایسی ناقابلِ طعام غذا کو مکمل کرتے ہیں جو حلق میں اُترنے کی بجائے واپس منہ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اُدھر کے غریب الحال لوگ مزے اور توانائی کی غرض سے نہیں بلکہ کسی نہ کسی طور زندہ رہنے کے لیے کھاتے ہیں۔ کلکتہ کی اطراف سے ادھر پہنچنے والا یہ آج کا آخری بیڑا تھا جو ادھر کے گھاٹ میرے سمیت دس بارہ مسافر اُتار کر آگے کسی منزل کی جانب بڑھ گیا تھا۔''

سمندر زدریا کے سفر میں بھوک سوا لگتی ہے کہ پیٹ کو اُچھالا لگتا ہے۔ کو وہ دمن میں بھوک دب جاتی ہے کہ پیٹ ڈانوا ہوتا ہے...... فضا اور پانی کے نیچے کا سفر بھوک کو مؤثر کر دیتا ہے کہ پیٹ کی آنتیں غذا کی بجائے دمِ لطیف کی ضرورت زیادہ محسوس کرتی ہیں۔ صحرا اور جنگل کا سفر بھوک سے زیادہ پیاس کو محسوس کرتا ہے۔ ہم مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے سمندر نما دریا کے اندر اس بیہودہ ٹچر قسم کے جہاز میں قید رہے تھے جو ہر گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد کسی نہ کسی فضول قسم کے گھاٹ پہ سواریاں اُتارنے یا چڑھانے کھڑا ہو جاتا۔ اس کے گرداگرد واہیات سے بڑے چھوٹے ٹائر بندھے ہوئے تھے۔ لگتا تھا یہ پرانے سکریپ ٹائروں سے لدا ہُوا کوئی جہاز ہے۔ ٹھیک ہی تو تھا ہمارے سمیت سب ہی گھِسے پٹے انسان نما ٹائر ہی تو تھے جو جبری زندگی کے اُدھڑے پُدھڑے راستوں پہ چل چل کر خود چل چلاؤ کی راہ آ گئے ہوں۔''

مَیں اپنے ذوقِ آوارگی اور قسمت کے چکروں میں پھنسا ہوا۔ سُندر بن کا حُسنِ تحیّر برہم پترا کرنافلی کے گھاٹوں کا فسوں محسوس کرنے کی حالت میں گرفتار کلکتہ کی جانب سے ادھر بنگلا دیش میں داخل ہُوا تھا۔ یہ میرا دوست نما گائیڈ یا گائیڈ نما دوست ادھر چٹا گانگ کا رہنے والا تھا۔ پیشے کے لحاظ سے غیر ملکیوں کو سُندر بن کی سیاحت کرواتا...... دو نمبر شیر کا شکار اس کا اصل کام تھا۔ جس سے خاصا روپیہ بٹور لیتا۔

مَیں اُسے اک زمانہ سے جانتا تھا لیکن اُس نے مجھے کیسے دریافت کیا؟ یہ راز اس نے کبھی نہ کھولا۔ کئی بار پوچھنے پہ بھی اُس نے کچھ نہ بتایا۔ یہی کہہ دیتا آپ میرے بابا میرے روحانی اُستاد ہیں۔ آپ کی خدمت کر کے بے پناہ خوشی ہوتی ہے۔ مَیں ازل سے آپ کی تلاش میں تھا۔ مَیں آپ سے بہت کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔ پر یہ کبھی نہ بتایا کہ وہ مجھ سے کیا سیکھنا چاہتا ہے؟ اپنے تئیں مجھے احساس ہُوا کہ وہ میرے فراڈوں سے کسی طور واقف ہو چکا ہے اور یہی کچھ مزید مجھ سے سیکھنا چاہتا ہے۔

سید معید الحسن! لیکن مودی شاہ مشہور تھا۔ مَیں اُسے مودی شاہ کی جگہ موڈی شاہ کہتا کہ موڈ درست ہو تو کچھ بھی کہہ کر والو موڈ خراب تو ماتھے پہ آنکھیں دھر لے گا۔ مجھے کوئی کام نکلوانا ہوتا تو اس کے موڈ کا خیال

رکھتا کہ میں اُسے برتنا جان گیا تھا.......

مغرب کی اذان کہیں سے بلند ہوئی۔

''شاہ جی! اِدھر مسجد بھی ہے؟...... میں تو سمجھا اِدھر صرف ہندو جاتی لوگ ہی رہتے ہیں۔''

اُس نے تُرت جواب میں کہا۔

''بابا جی! یہ چھوٹی سی بستی مسلمانوں کی ہے۔ دو چار جھونپڑے ہندوؤں کے بھی ہیں۔ جو اِدھر مچھلی کی آڑھت کرتے ہیں۔ آیئے' پہلے مسجد چلتے ہیں۔ ماجد میاں سے بھی ملاقات وہیں ملے ہے۔ وہ بھی مالا پور سے پہنچنے ہی والا ہے۔''

''ماجد میاں کون......؟''

''یہ وہی ماجد میاں ہیں جن کے باوا کا ذکر' آپ سے کر چکا ہوں۔ بیس برس سے اُن کا ٹھکانا' سُندر بن کے بیچ بنگال کے رائل ٹائیگروں کے درمیان ہے۔ دو دن بعد اُن کا عُرس شروع ہونے والا ہے۔ یہی کچھ دکھانے کی خاطر' اِدھر لایا ہوں۔ ایک تیر سے دو شکار...... سُندر بن کی سیاحت بھی' ٹائیگر بھی اور سب سے بڑی بات' قلندر بادشاہ کے عُرس شریف میں شرکت......!''

میں اپنے تئیں بہت خوش ہُوا' کسی بنگالی بزرگ کے مزار کی زیارت بڑی سعادت کی بات ہوگی۔ لیکن سُندر بن' شیروں کے علاقے میں مزار' کچھ بات سمجھ میں نہ آئی۔ پُوچھنے پہ معلوم ہوا قلندر بادشاہ ابھی حیات ہیں' مرحوم نہیں ہوئے...... ماہِ شعبان کی سات تاریخ' اُن کا عُرس' اندرونِ جنگل' شیروں چیتوں اور دیگر خونخوار درندوں کے مسکنوں بیچ' منعقد ہوتا ہے۔ اہلِ جنگل' باقاعدہ شریک ہوتے ہیں...... سلامی اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔ مسلسل تین روز باقاعدہ تقریبات اور لنگر' نذر و نیاز بااہتمام ہوتے ہیں۔

خوشگوار موڈ میں اکثر ایسی چھوڑتا رہتا تھا۔ پہلے یہی سمجھ کر میں نے کوئی توجہ نہ دی پھر جب اُس نے کہا کہ دو روز بعد میں زائرین کی نمائندگی کرتا ہوا جنگل میں جاؤں گا...... تو میں ٹھٹکا' جنگل کے درخت کی مچان پہ محفوظ طریقے سے بیٹھ کر' کسی اعلیٰ قسم کے سرکس میں یا چڑیا گھر میں تو شیر چیتوں کو برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن بنفسِ نفیس شیروں کی کچھاروں میں پہنچنا' کہاں کی عقیدت ہے؟

میں نے اپنی کمزوری پہ قابو رکھتے ہوئے' سرسری انداز میں پوچھا۔

''یہ زائرین' جنگل میں مسلح جاتے ہیں یا گاڑیوں میں بند ہو کے؟''

میرے سوال پہ آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں بابا جی؟''

Scanned with CamScanner

''بھائی! میرا مطلب ہے کہ خطرناک درندوں میں زائرین کا اس طرح کی بے تکلفی سے جانا' کچھ قرین از دانشمندی نہیں۔ احتیاط' خود حفاظتی کا صاف صاف حکم دیا گیا ہے اور ہاں' کیا عورتیں اور بچے بوڑھے بھی......؟''

وہ ستم ظریف مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''بابا جی! سارا سال' اُن کے عقیدتمند' عرس کے انتظار میں رہتے ہیں۔ بچے' بوڑھے' عورتیں سب خراماں خراماں پیدل جاتے ہیں۔ کوئی گن مین یا گاڑی ساتھ نہیں ہوتی۔''

مَیں نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''...... اور شیر چیتے وغیرہ کہاں ہوتے ہیں؟''

''وہ اُدھر جنگل میں ہی ہوتے ہیں مگر قلندر بادشاہ کے کسی عقیدتمند کو کچھ ضرر نہیں پہنچاتے' سب جانور قلندر بادشاہ کے مرید ہیں۔ دن رات اُن کی سیوا میں جُٹے رہتے ہیں۔''

مَیں حیرتوں کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا کہ دُور سے ماجد میاں آتا دکھائی دیا۔

مسجد کچھ زیادہ دُور نہ تھی۔ گنبد نہ کوئی مینار...... منبر نہ محراب' سادہ جھونپڑا' قدرے کشادہ...... کھجور کی چٹائیاں...... ایسے ہی کھجوری سے نمازی' امام صاحب اور مکبر و موذن' لگتے تو انسان تھے...... انسان کا بھی کچھ وزن وجود ہوتا ہے' محض استخوانی ڈھانچوں کو انسان کہنا ذرا عجیب سا لگتا ہے۔ پر کیا کیجئے اِدھر ہر بیڑن ایسے ہی دکھائی دیتا ہے؟ خاص طور پہ کسی بنگالی پیش امام کے پیچھے جہر نماز کی ادائیگی' عجیب سی صورتِ حال سے دوچار کر دیتی ہے۔ لگتا ہے کہ اصل قرآن' بنگہ زبان میں نازل ہوا تھا۔ کیا مجال کہ کسی سورۃ و آیت پہ عربی کا شائبہ گزرے؟ نذرالسلام' ٹیگور کی کویتاؤں سا انداز' عربی کی حلاوت و نفاست کو بنگہ بھاشا کی ''مانجھی رے'' میں بدل دیتا ہے۔ یہی حال پٹھان آئمہ کرام کا بھی ہے۔ پشتو کا پیچ' اُن کی بھی مجبوری ہے۔ قرأت اور بعد اَز دعا بھی اسی عربی بنگہ انداز میں ہوئی...... ویسے مَیں نے سندربن سے خیر خیریت سے واپسی کی دُعا' اپنی پنجابی میں مانگ لی تھی۔''

اللہ ہی جانتا تھا اِدھر میرا قیام کتنے عرصہ کے لیے لکھا تھا۔ ویسے میرا اپنا ارادہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کا تھا۔ اس کی چند ایک وجوہات تھیں۔ کلکتہ نزدیک' سندربن سامنے' مسلمانوں کی اکثریت اور میرا یہ گائیڈ دوست' جس کا اِس بستی میں خاصا اثر و رسوخ تھا۔

وہ اپنے کلائنٹ کے لیے اسی بستی سے مزدور' محافظت کے لیے ڈانگ سوٹوں سے مسلح' برائے نام گارڈ حاصل کرتا تھا یہ الگ بات ہے کہ جنگل میں اُنھیں اپنی حفاظت کی' سیاحوں سے کہیں زیادہ ضرورت

Scanned with CamScanner

ہوتی۔ جنگل کے آدم خور درندے اُنھیں بڑی آسانی سے اپنا چارا بنا لیتے تھے۔ کسی اوٹ سے نکلے' ننگر یا داہی اور جھاڑیوں میں غائب...... ان خستہ حالوں کے منہ سے سی تک نہ نکلتی اور نہ ساتھیوں کو خبر کہ ہمارا ایک بندہ کسی بھوکے باگھڑے کی بھوک کا سامان بن گیا ہے۔ دو چار روز بعد' اُس کی لنگوٹی' گلے کا تعویذ اور سرکاری نمبر' اُس کے گھر والوں کے سپرد کر دیے جاتے۔ ساتھ چند سونکے بھی جو محکمہ جنگلات' بچی کھچی ہڈیوں کے دفن کے لیے پیش کرتا۔"

بستی سے خاصا اندر' جنگل میں قلندر بادشاہ (جو حیات تھے) کے عُرس یا میلہ میں' دور قریب کے گاؤں بستیوں والے بڑے اہتمام و جوش و خروش سے شرکت کرتے۔ ایک خاص بات جو اِدھر کے باسیوں میں دیکھی' وہ اپنے اپنے مذہب و مسلک سے منسلک رہتے ہوئے آپس میں بڑی یگانگت سے مل جل کر رہتے ہیں۔ اِدھر زیادہ تر ہندوانہ طرزِ حیات ہے۔ رسم و رواج' میلے ٹھیلے' لباس خوراک' نام نمود' کچھ پتا ہی نہیں چلتا کون مسلمان ہے اور کون ہندو......؟

مسجد کے صحن میں کھپریل کے نمدے پہ دھرنا دیے' سوچ رہا تھا۔ اس بستی میں کسی طرح دو چار دن گزر پائیں گے۔ دن رات بسر کرنے کے لیے جن بُنیادی ضروریات کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اُن کا تو دُور دُور تک کوئی تصور نہیں تھا۔ مسجد کا طہارت خانہ' شاید اس بستی میں واحد جگہ جہاں یہاں کے حساب سے قدرے قرینہ تھا۔ چار چھوٹے چھوٹے بانس ٹھوک کر پٹ سن کے ریشے لپیٹ دیے گئے تھے۔ کبوتر کی مانند آنکھیں بند کر لینے سے تصور کرنا پڑتا تھا کہ آپ کو کوئی دیکھ نہیں رہا...... یہاں منٹ دو منٹ سے زیادہ بیٹھا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ نیچے بہنے والی بدبو' ناک کے پردے پھاڑ کے رکھ دیتی تھی۔ طہارت کے پانی کے ڈبے میں کالی کالی چھوٹی نوکیلی مچھلیاں اور کیچوے الگ توجہ کھینچے رکھتے۔ پاس پڑوس کے جھونپڑوں کے "واش روم" بھی اسی طرز کے تھے۔ گزرنے والوں کو صاف دکھائی دیتا کہ اُدھر کوئی بیٹھا ہے یا بیٹھی ہے۔ سر پہ جوڑے ہو تو بیڑی کے دھوئیں سے بندہ شناخت ہوتا ہے۔ زبان چل رہی ہو تو کسی بندی کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اپنے تئیں غور کر رہا تھا کہ میں کچھ روز کدھر سینگ سماؤں گا؟ نیند تو خیر سولی پہ بھی آ جاتی ہے۔ نیند کا پھندا ہوا انسان کہیں بھی پڑ جاتا ہے لیکن بیت الخلا کا مسئلہ میرے لیے بہت اہم ہوتا ہے۔ دو دو میل اطراف میں کسی ذی نفس کا احتمال ہو تو فراغت ہی نصیب نہیں ہوتی۔ اپنی اس عادت کی وجہ سے بہت تنگ ہوتا ہوں۔ گاؤں وغیرہ میں جانا ہو تو کئی کئی میل دُور نکل جاتا ہوں۔ غیر ممالک میں ہوٹلوں میں پہلے باتھ روم چیک کرتا ہوں اور پھر دوسری چیزیں......؟

ماجد میاں پہنچ آئے تھے۔ بڑا سا چرمی تھیلا لٹکائے وہ مسجد میں داخل ہوئے۔ علیک سلیک کے بعد وہ

Scanned with CamScanner

وضو تازہ کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پڑھا لکھا' اُردو' انگلش' ہندی سے واقف' بڑی سلجھی ہوئی گفتگو۔ بس' سو بیماریوں کی ایک بُرائی...... بیڑی پیتا تھا۔ پان تو سبز پتّا ہے' کلّے میں دبا نہ ہو تو بنگالی سوچتا ہی نہیں۔ چینیوں نے افیون ترک کی تو ایک عظیم اور صنعتکار قوم بن کر دُنیا میں نام اور کام پیدا کیا۔ اگر بنگالی پتّا بیڑی چھوڑ دیں تو وہ بھی چین کی طرح ترقی کر سکتے ہیں۔ بیڑی کی سڑاند آمیز بدبُو سے' جب مَیں اُوب گیا تو اُٹھ کر باہر نکل آیا۔ کچھ دیر بعد میرا گائیڈ دوست بھی میرے پیچھے پہنچ آیا۔

''مجھے معلوم ہے تم اس وقت کیا سوچ رہے ہو؟...... مجبوری ہے۔ تمھیں ماجد میاں کے بیڑیوں کے دھویں برداشت کرنے پڑیں گے' جیسے مَیں برداشت کرتا ہوں۔ اس ایک علت کے علاوہ اس شریف انسان میں ایک سو ایک خوبیاں بھی ہیں۔ جو آہستہ آہستہ' سُندر بن کے سفر کے دَوران تم پہ عیاں ہوں گی...... اور ہاں' یہ تو مَیں تمھیں بتا ہی چکا ہوں کہ سُندر بن والے بزرگ قلندر بادشاہ اس کے پیر ہیں۔''

مَیں نے حیرانگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''یار! اتنی بڑی بزرگ ہستی کا مرید...... اس قسم کی گھٹیا عادت کا شکار؟''

مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''جناب! سرکار قلندر بادشاہ تو جنگلی تمباکو کا پائپ پیتے ہیں بلکہ ہر وقت اُن کے منہ میں دبا رہتا ہے۔'' مجھے حیران پریشان پا کر مزید بولا۔'' میرے خیال میں انسان کو دُوسروں کے ذاتی معاملات میں بڑا وسیع القلب ہونا چاہیے۔ اپنی ذاتی پسند یا ناپسند کے پیمانے' دُوسروں کے لیے استعمال کرنا بہتر نہیں ہوتا...... ورنہ......!''

بات تو وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ کہاں تک کوئی کسی کو روکے ٹوکے...... اچھائی بُرائی' نفع نقصان ہر کوئی سمجھتا ہے...... ہار مان کر مَیں چُپ ہو گیا۔

گھاٹ کے پاس ہی محکمہ جنگلات کا چھوٹا سا گیسٹ ہاؤس تھا۔ چار پانچ کمرے' ملحقہ باورچی خانہ اور خستہ حال سا واش رُوم...... یہ شاید جنگلات کے چھوٹے موٹے افسروں کی عارضی اقامت گاہ تھی۔ اتفاق یا میری خوش قسمتی کہ ماجد میاں کی ہلکی سی کوشش سے ایک چھوٹا کمرا مجھے مل گیا۔ مچھروں مکھیوں سے بچاؤ کی خاطر دروازے' کھڑکی اور روشن دان پہ باریک جالی بھی منڈھی ہوئی تھی۔ تھلتلی سی کھاٹ' تین ٹانگوں والا گول میز دو جھولنے والی کرسیاں۔ جن کا بیڑا دھڑا ہوا تھا۔ گویا میری لاٹری نکل آئی تھی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا' اس کام کی خاطر ماجد میاں کو جھوٹ اور رشوت کا سہارا بھی لینا پڑا تھا۔ اُسے میرے گائیڈ سے میری تمباکو دُشمنی کا بھی معلوم ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اب قدرے اجتناب برتنے لگا تھا۔

Scanned with CamScanner

سیانے کہتے ہیں کہ انسان' شوق سے سیکھتا ہے یا پھر خوف سے...... ضرورت اور چاہت بھی بندے سے' خلافِ توقع ایسا کچھ کروالیتی ہے جو عام حالات میں ممکن نہیں ہوتا۔ ادھر مجھ پہ یہی چاروں کیفیات بُری طرح طاری تھیں...... روزمرہ کی ضروریات' کھانا پینا' ہگنا مُوتنا' سونا جاگنا' پڑھنا لکھنا...... کچھ بھی تو معمول کے تحت نہ تھا...... یعنی وقت کو میں نہیں وہ مجھے بسر رہا تھا۔ بیچ کے روز دیکھتے ہی دیکھتے گزر گئے۔ اس دوران' بستی کی گہما گہمی میں کئی چند اضافہ ہو چکا تھا۔ گردونواح سے لوگ ادھر جمع ہو رہے تھے' میلے کا سا سماں...... کشتی دکاندار' مٹھائیاں' کچے پکے ناریل' پھول پتی بتاشے بیچنے والے بھی۔

غریبوں خستہ حالوں کی خوشیوں غمیوں کا بھی کیا؟ پل دو پل کی دھوپ چھاؤں...... کبھی شاد ہوئے تو دُھلے کپڑے سر پہ ٹوپی' خودرو پھول بالوں کان میں اُڑوس لیے۔ دانت مانجھے تیل چُپڑ لیا' کلّے میں پان بتّا' پوری بیڑی پی لی' تازی تملو سے ٹُلّی کرلی...... ناراض اُداس ہوئے تو ندی کنارے بیٹھے سوچا کیئے...... ندیا کا پانی ساگر کی جانب کیوں جاتا ہے۔ ساگر جل' ادھر کیوں نہیں آتا؟ یا دھرتی پہ پانی کی کوئی کمی ہے جو اوپر آسمان سے بھی چھاجوں برستا ہے یا مَن' بھات اور گیہوں کیوں نہیں برستے؟ پیڑوں' ٹہنیوں پہ ٹملے ٹماٹوں کی جگہ ٹکے کیوں نہیں پھوٹتے؟...... چاند' چاندی کا اور سورج' سونا دھارا کیوں نہیں ہوتا؟...... محرومیوں اور افلاس کا مارا ہُوا مفلوک' ہمیشہ ایسی باتیں سوچتا ہے جو نیوست کے مارے فلاسفر سوچتے ہیں...... بدلتا بر کتا کچھ بھی نہیں' بس! یہی کچھ ہوتا اَن ہونا' بے تکا سا...... جس سے اردگرد کے ماحول میں گھٹن کا احساس بڑھتا ہے۔ کانوں کی سنسناہٹ بھوکے گیدڑوں کی چیخوں میں تبدیل ہو جاتی ہے اور زبان کے نیچے پھولی ہوئی سیاہ گلٹی سے زہر ماری رطوبت خارج ہونے لگتی ہے۔

اذان کے بعد میں مسجد پہنچنے کی تیاری کر رہا تھا کہ گائیڈ پہنچ آیا۔

''بابا جی! نماز ناشتہ کے بعد تیاری ہے۔ رتوسک گھاٹ سے بجرا نکل پڑا ہے۔ آپ اپنا بیگ تھیلا ہاتھ میں ہی رکھیں۔ وہیں مسجد سے ہی گھاٹ نکل لیں گے۔ ہاں' کوئی نذر پرشاد لے کر جانا ہو تو خرید رکھیں۔''

تھیلا کاندھے پہ لٹکائے باہر نکلا تو منظر ہی کچھ اور تھا۔ مرد و زن بچے...... چند بچھڑے اور میمنے...... زائرین کے لباس اور سفری اہتمام سے قدرے تازگی اور کشادگی کا احساس ہوتا تھا۔ لگتا تھا یہ غریب لوگ' آج بہت خوش ہیں۔ ان کے بُشروں پہ کھلی دھوپ دیکھ کر مجھے بھی خوشبو بھری تمازت کا احساس ہُوا۔

''بجرا کیا تھا ایک چھوٹا سا جہاز تھا۔ دھڑا دھڑ لوگ اس پہ سوار ہو رہے تھے۔ بچھڑے بکرے بھی...... ماجد میاں' بسنتی رنگ کا چولا اور سیاہ پگڑی پہنے بڑے شاندار دکھائی دے رہے تھے۔ ٹین کا ایک بھونپو اُن کے ہاتھ میں تھا۔ جس کے ذریعے وہ زائرین کو ہدایات دے رہے تھے۔

Scanned with CamScanner

ڈیزل انجن سے چلنے والا یہ بجرا بڑے سُست رَو تھا...... لگتا تھا جیسے جم کر ایک جگہ کھڑا ہے۔ میرا گائیڈ ہری ہرن' بڑی مستعدی کے ساتھ' ماجد میاں کے ساتھ زائرین کو کنٹرول کرنے میں مدد کر رہا تھا۔ ہری ہرن بڑا بھلا منش تھا...... مخلص' ذمہ دار اور ہنسوڑا...... بس' ہزاروں بُرائیوں کی بُرائی کہ وہ بھی بیڑی پیتا تھا مگر مجھ سے چھپ چھپا کر...... مجھ سے پرے پرے رہ کر' ماجد میاں کی مدد کرتا' اس کی ضرورت تھی کہ اُس کی آڑ اوٹ میں ایک آدھ کش لگانے کا موقع مل جاتا تھا۔ میں بھی اُس کی مجبوری سمجھ کر اغماض برت لیتا۔

بنگال کے ندی نالے' دریا سمندر' بڑے شوریدہ سر واقع ہوئے ہیں۔ کشیدہ سری بریدہ سر ہوتے ہیں۔ حسرت وافلاس کے سائے اکثر چہروں پہ لہراتے دکھائی دیتے ہیں۔ پانی ان کی زندگی پانی ہی ان کی موت...... ہر سال لاکھوں انسان جانور یہاں سیلابوں طوفانوں بارشوں اور موسموں کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ فرق کچھ نہیں پڑتا کہ دُگنے تگنے پیدا بھی ہو جاتے ہیں۔ بجرے میں میرے آگے پیچھے' دائیں بائیں' انسان ہی انسان تھے۔ جو سُندر بَن کے بیچ ایک اپنے جیسے انسان کے درشن کے لیے جا رہے تھے۔ خوشحالی' صحتمندی' قرضوں کی ادائیگی...... شادی بیاہ کی منتیں مانگنے' گھر کے پالے' قرض سے حاصل کیئے ہوئے نذر نیاز کے جانور' پیٹ کاٹ کے جمع کیا ہُوا' توشہ لنگر کے لیے دھان دلیہ...... قلندر بادشاہ کے لیے کپڑے پگڑیاں چادریں' شیرینیاں...... اگر بتیاں اور موم بتیاں!...... اور میں خالی ہاتھ' یہ دیکھنے جا رہا تھا کہ آدم خور درندوں کے درمیان ایک بوڑھا نہتا انسان کس طرح زندہ ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ شیر چیتے باوا کی سلامی کے لیے آتے ہیں اور دیگر جنگلی جانور' باوا کی خدمت حفاظت کرتے ہیں اور سب سے بڑی بات کہ عرس پہ پہنچنے والے کسی خُورد و کلاں کو جنگل میں کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ مگر اس کے لیے ایک خاص طریقہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔

اندازاً دو گھنٹے کی دریائی مسافت کے بعد بجرا' سُندر بَن کے اندر' ایک آبی رہگذر میں داخل ہُوا...... ایسی چھوٹی بڑی آبی رہگذریں اکثر دکھائی دیتی ہیں جو سُندر بَن کے اندر' دُور دُور نزدیک تک جاتی ہیں۔ کچھ تو اندر' کہیں نہ کہیں آپس میں مل جاتی ہیں اور کچھ پھر کہیں دریا ندی میں اُتر جاتی ہیں۔ جا بجا دلدلیں' تالاب' جھیلیں...... یعنی جنگل ایک ایسے چیستان کا منظر پیش کرتا ہے جدھر انسانی عقل دم بخود ہو کر رہ جاتی ہے۔ ادھر صرف جنگل' جھیلوں دلدلوں اور دریاؤں کا قانون کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ مگرمچھ' تیندوے' شیر چیتے' اژدہا سانپ' گیدڑ' لگڑ بگے' چیتل لومڑیاں' مرغابیاں...... یعنی جنگلی حیات کی مکمل حکمرانی......!

سُندر بَن ایک وسیع و عریض جنگلی عجائب خانے کا نام ہے۔ جس کے راز و اسرار' گہرائی و پہنائی تک رسائی مشکل اَمر ہے۔ انسان اپنی جدید ٹیکنالوجی سائنسی بصیرت اور افرادی وسائل کے باوصف' اس کو مکمل طور پہ دریافت نہیں کر سکا۔ دُنیائے جنگلات کا خوبصورت ترین ٹائیگر یہیں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زہریلے

Scanned with CamScanner

مچھر مکھیاں' حشرات الارض' عظیم الجثہ چمگادڑیں' خون چوسنے والے پیڑ پودے' زہر بھرے جنگلی پھل پھول......
اس کے اندر ایسے مقامات بھی جدھر سورج کی روشنی اور گرمی نہیں پہنچ پائی۔ یہاں اندھیروں کا راج ہے' ظلمتوں کی استعانتوں نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ زمانہ قدیم کے مندر کھنڈرات اور ایسے نشانات موجود ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ کبھی ان جگہوں پر غیر انسانی مخلوق کے ٹھکانے تھے۔ ایسی غاریں بھی موجود ہیں جو انسانی ہاتھوں سے وجود میں آئی ہوئی نہیں لگتیں۔ اُن کے بنانے والے یا تو کرۂ ارض سے باہر کسی سیارے سے آئے تھے یا پھر جنات میں سے اُن کا تعلق تھا۔ کچھ لوحیں بھی نظر سے گزریں جن کی زبان پڑھنے والا اس دُنیا میں کوئی نہیں اور نہ ہی کہیں کتابوں میں ذکر ملتا ہے۔''

کولمبو میں پُر اسرار علوم پر سہ روزہ ایک کانفرنس ہو رہی تھی۔ اتفاق سے میری ملاقات ایک پُر اسرار علوم کے ایک عالم سے ہوئی جو میرے ساتھ ہوٹل میں مقیم تھا۔ گو اُس کا تعلق برازیل سے تھا مگر ایشیائی زبانوں اور علوم سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ کانفرنس میں اُس کا ایک مکالمہ ''سُندر بن اور افلاکیات'' بڑی دلچسپی سے سنا گیا۔ ایک شام ہوٹل کی طعام گاہ میں اچانک اُس سے ملاقات ہوگئی۔ اکٹھے کھانا کھاتے ہوئے کچھ بات چیت بھی ہوئی۔ میں نے اُس کے مکالمے کی تعریف کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا واقعی سُندر بن کبھی رجالینِ افلاک' کی دلچسپیوں کا مرکز رہا ہے؟''

میری دلچسپی دیکھ کر اُس نے مجھے ایسی قیمتی معلومات بہم پہنچائیں کہ میں ششدر رہ گیا۔ بقول اُس کے' بنگال کے سحر کا سارا مرکز ہی سُندر بن تھا۔ اس جنگل کے گھُپ اندھیروں میں ''ڈوبا ہُوا شیر'' کی شکل کا ایک مندر ہے۔ مندر اندھیرے میں یُوں دکھائی دیتا ہے جیسے کوئی دیو ہیکل شیر دلدل میں آدھا دھنسا ہوا باہر نکلنے کی کوشش میں' جبڑا پھاڑے کراہ رہا ہے۔ براہما کے چنچل دیوتا نے سورگ میں ایک دلدوز چیخ سُنی۔ کھوج کی تو' پتا چلا سُندر بن کی ایک خطرناک دلدل میں یہاں کا براہما باگھ پھنسا باہر نکلنے کی ناکام کوشش میں دہاڑ رہا ہے۔ براہما کے چنچل دیوتا نے پہلے آکاش سے مدد کے لیے اپنے ایک مہان پُرش کو بھیجا۔ اُس سے کوئی کوتاہی ہوئی کہ اُس کے وہاں پہنچنے تک براہما باگھ مر گیا۔ اس طور کہ آدھے سے زیادہ دھڑ دلدل کے اندر اور آگے کے دونوں پنجے اور کھلا ہوا منہ سر باہر...... چنچل دیوتا اُس کی کوتاہی پر ناراض ہُوا' اُسے شراپ دیتے ہوئے حکم دیا۔ تم باگھ کے منہ کے اندر گھس جاؤ اور پھر کبھی باہر نہ نکلنا۔ تب سے اَب تک وہ مہان پُرش' باگھ کے منہ کے اندر ہی اندر کھدائی کرتا ہُوا کہیں سے کہیں پاتال کے اندر اُتر گیا ہے...... کہتے ہیں کہ آج تک اُس باگھ مندر تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ اندھیری سنسان راتوں میں' مندر سے کراہتے ہوئے باگھ کی دہاڑیں جنگل کے جانوروں کے کلیجے پھاڑ دیتی ہیں۔ سحر بنگال' اسی باگھ مندر کی کوکھ سے دہاڑ کی صُورت نکلتا ہے۔

Scanned with CamScanner

برازیل کے اِس پروفیسر کی ایسی باتیں سن کر میں بڑا متاسف ہُوا کہ اِتنا بڑا اَسرار اور میں اس سے بے خبر......؟ دل میں ٹھان لی کہ کبھی موقع ملا تو اِدھر ضرور جاؤں گا۔ جہاں جدھر سے مجھے سُندر بن کے بارے معلومات حاصل ہوئیں میں جمع کرتا رہا...... مگر اصل کام کی بات نہ ملی' کلکتہ' چٹاگانگ' سلہٹ اور دیگر مقامات اور جنگلات کی محکموں سے بھی ایسے کسی مندر اور اُس کے محل و وقوع کے بارے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ سوائے مُبہم اور نامکمل معلومات کے...... کاکس بازار کے ایک بُوڑھے پنڈت' جو جڑی بوٹیوں کے لیے سُندر بن تک جاتا رہتا تھا۔ کچھ معلومات ملیں مگر اُس تنگ نظر نے مجھے مسلمان جان کر کُھل کے کچھ نہ بتایا۔

یہ میرا گائیڈ بھی میری اسی کھوج کی وجہ سے تھا۔ اس سے ملاقات اور واقفیت' گو بہت پُرانی تھی مگر تازہ اسی تلاش سے ہوئی۔''

ہدایتکار اَدیب صحافی شوکت ہاشمی مرحوم نے مشرقی پاکستان کے پس منظر میں ایک فلم ''ہمسفر'' بنائی تھی۔ اس میں میرا دوست اداکار صحافی اَسد جعفری بھی تھا۔ لاہور کے ایک اسٹوڈیو میں اس فلم کا پوسٹ ورک ہو رہا تھا۔ اَسد جعفری مرحوم کی وجہ سے میں بھی اُدھر چلا جاتا تھا۔ یہیں اس گائیڈ سے پہلی ملاقات ہوئی۔ اس پہلی ملاقات کے پندرہ برس بعد میں نے اُسے کلکتہ میں تلاش کیا۔ معلوم ہُوا کہ یہ اپنے اسی پرانے پیشہ سے ابھی تک جُڑا ہوا ہے۔ میری خواہش اور محبت کی وجہ سے اُس نے سندر بن کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ اصل میں یہ بھی قلندر بادشاہ کا عقیدتمند تھا۔ عُرس کی تقریبات بھی تھیں۔ اس طرح یہ مجھے کلکتہ کے راستے' اپنے طریقہ سے اِدھر لے آیا تھا۔''

خدا خدا کر کے دریا کا سفر تمام ہُوا۔ بیڑا گھاٹ سے ذرا ہٹ کر ٹھہرا تھا۔ اُتھلا پانی' اس کا بھاری بوجھ سہارنے سے قاصر تھا۔ رُکتے ہی لوگ پانی میں ہی اُتر پڑے۔ انسان بے صبرا ٹھہرا' ہر کام میں جلدی دکھاتا ہے۔ میں ان معاملات میں بڑا دھیما۔ ایک طرف لگ کر کھڑا تھا کہ یہ آنے والے لوگوں کا اژدحام اُتر لے تو میں بھی اُتر لوں گا۔ آدھے گھنٹے میں بجرا خالی تھا۔ ماجد میاں بھونپو پر گلا پھاڑ پھاڑ کر زائرین کو گھاٹ کی ایک جانب جمع ہونے کی ناکام تلقین کر رہے تھے۔ میرے بعد بچھڑوں اور بکریوں کو اُتارنے کی تدبیریں ہو رہی تھیں۔ معلوم ہوا یہ جانور منتوں کے ہیں۔ عُرس کی تقریب پہ لنگر پکانے کے کام آئیں گے۔

میری نظریں جنگل کی جانب اُٹھی ہوئی تھیں۔ دُنیا کا پُر اَسرار' مشہور زمانہ بنگال ٹائیگر والا جنگل' جس کی اہمیت پُر اَسرار باگھ مندر کی بنا پر اَب میری نظر میں سہ چند ہو گئی تھی۔

قارئین! سوچ رہے ہوں گے کہ میں کن بیکار شغلوں میں پڑا ہوا تھا۔ اس قسم کی فضول' اسلامی نقطۂ نظر سے غلط مصروفیات سے مجھے کیا حاصل تھا؟ بالکل صحیح! مگر میں کیا کروں' میری گُھٹی میں ہی یہ کچھ گُندھا ہُوا ہے۔

کوئی نعتیں پڑھ کر پیٹ پالتا ہے اور کوئی اسٹیج پہ گندے لطیفے جگتیں سنا کر روزی حاصل کرتا ہے۔ جج صاحب انصاف کر کے رزق لیتے ہیں۔ جلاد صاحب پھانسی گھاٹ کا لیور دبا کر چولہا گرم کرتے ہیں۔ کوئی ہسپتال میں نشتر چلا کر ڈاکٹر اور چاقو سے انتڑیاں نکال کر کوئی ڈاکو ہے۔ کوئی نرس بن کر بیمار انسانیت کی خدمت کرتی ہے اور کوئی فاحشہ بن کر صحتمند انسانیت کی تذلیل کرتی ہے۔ کسی کو خدا حرم سے ملا اور کسی کو بت خانے سے۔ میرے نصیب میں خزانوں میں ہاتھ ڈال کر ہیرے موتی اٹھانا نہیں' کنکروں کو کارآمد بناتا ہے......''

میں شاہی مسجد' شاہی محلّہ سے گزر کر جاتا ہوں۔ درویشوں کے لیے علم' بڑی بڑی درسگاہوں میں نہیں مسافتوں' کثافتوں' ذلتوں' رسوائیوں اور جگ ہنسائیوں میں ہوتا ہے۔ میں نکیشہ سے پازیب نکالتا ہوں' میں کانوں سے سونا نکالنے والا کان کن نہیں۔ سو ہے بازار سناروں کی دکانوں کے نیچے گندی نالیوں موریوں کے گند کو چھاننے' نتھارنے والا نیاریہ ہوں۔ جو فضول گند مند سے بالآخر سونے کے ذرّے علیحدہ کر ہی لیتا ہے۔ دُنیا کی کوئی اچھائی' کسی نہ کسی طور بُرائی سے مبرا نہیں اور کوئی بُرائی ایسی نہیں جس میں اچھائی چھپی ہوئی نہ ہو۔ سچ مسخ ہو جائے تو جھوٹ کی بدترین صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح وہ جھوٹ ہی آج تک نہ ہُوا جو سچ کی بنیاد لیے ہوئے نہ ہو۔ مومن کے گھر منکر ہونہ ہو مشرک کے گھر مسلمان نکل ہی آتا ہے۔''

میں اپنے آپ میں گم' کسی اور ہی دُنیا میں دھنسا ہُوا تھا۔ ماجد میاں' مجھے اشارے سے اپنے پاس بلا رہے تھے۔ پاس پہنچا تو عجیب منظر دیکھا۔ پٹ سَن کا بنا ہُوا رسّا' بہت لمبا' دو آدمیوں نے تھام رکھا تھا۔ تمام مردوں کو دائرے میں کھڑا کر کے اندر قلب میں عورتوں بچوں کو داخل کیا۔ اب دو آدمیوں نے رسّے سے مردوں کے گرداگرد حصار قائم کیا۔ اس طرح کہ تمام زائرین اس رسّے کے اندر تھے۔ دائرے کے مردوں نے رسّا اپنے ہاتھ سے پکڑ رکھا تھا۔ یہ حصار ایسا ڈھیلا تھا کہ چلتے وقت تنگی نہ پیدا کرے۔ تمام کے تمام افراد جب رسّے کے حصار کے اندر جمع ہو گئے تو ماجد میاں نے مجھے اور میرے گائیڈ کو آگے کے رُخ' حصار میں داخل ہونے کا اشارہ دیا۔ ہم دونوں بھی اندر داخل ہو گئے۔ اسی طرح ہمارے دائرے کے پیچھے بھی ایک حصار بنایا گیا۔ جس میں بچھڑے بکریاں' کپڑے اور دیگر سامان' چند کارکن اس کے اندر داخل تھے جنہوں نے جانور اور سامان سنبھال رکھا تھا۔ میں آنکھیں پھیلائے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ سب کیا ہو رہا ہے؟ بالکل ایسے ہی جیسے انگلش فلموں میں دیکھتے ہیں۔ فوجی' گرفتار ہونے والے قیدیوں کو آگے پیچھے باندھ کر جنگل میں لے جا رہے ہوتے ہیں۔ یہاں فرق یہ تھا کہ بندھا ہُوا کوئی نہ تھا۔ سب آزاد مگر رسّے کے حصار کے اندر...... میری سمجھ میں یہ آیا کہ چونکہ جنگل کا معاملہ ہے۔ سب کو حصار میں رکھ کر ان کی حفاظت مقصود ہے۔ مگر نہ...... بات کچھ اور تھی جو ماجد میاں نے بیان کی۔ یہ رسّا' قلندر بادشاہ کی جانب سے جنگل کے درندوں سے حفاظت کی ضمانت تھا۔

Scanned with CamScanner

جو اِس حِصار میں رہے گا وہ جنگل کی آفات سے محفوظ اور جو رستے سے باہر اُس کی کوئی ضمانت نہیں۔ سمجھ میں بات نہ آئی...... میں زیرِ لب مسکرا کر رستے کے اندر خود کو جنگلی آفات 'خوفناک درندوں سے محفوظ سمجھنے لگا تھا۔

چلنے سے پہلے ماجد میاں اور مسجد کے مولوی صاحب نے کچھ آیات اور دَم درود پڑھے۔ سب زائرین پہ ہوائی پھونکیں پھینکیں اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے چلنے کا اذن دیا۔ اَب آگے آگے ماجد میاں لہک لہک با آوازِ بلند ذکر کرتے جا رہے تھے۔ ''اللہ بادشاہ'' اُن کے پیچھے زائرین ''حق قلندر بادشاہ'' کہتے...... ایک منحنی سا تنگ دھڑنگ مجذوب' ایک بڑا سا ئل بھی کھڑکاتا جا رہا تھا...... کچھ قدم چلنے کے بعد میں بھی اُن کا حصّہ بن چکا تھا۔ میرے مُنہ خود بخود یہ کلمات ادا ہو رہے تھے۔ بُھول چکا تھا میں کون ہوں کیا ہوں اور کدھر ہوں......؟

جنگل کسی نامعلوم سمت کی جانب بڑھتے ہوئے ہمیں گھنٹہ بھر تو ہو چکا تھا۔ جُوں جُوں آگے بڑھ رہے تھے' جنگل گھنا اور تاریک ہوتا جا رہا تھا۔ جنگل کے اندر کا ایک مخصوص سناٹا اور ماحول ہوتا ہے۔ جس میں انجانا سا خوف' تردّد اور خدشات ہوتے ہیں۔ جنگلی حیات اپنی تمام تر اچھائیوں بُرائیوں کے ساتھ آپ کے آگے پیچھے' دائیں بائیں ہوتی ہے۔ آپ کے اپنے تحفظات اُن کے اپنے۔ آگے قدرے کُشادہ سی جگہ پہ پہنچتے ہی ماجد میاں نے رُکنے کا اِشارہ دیا۔ جہاں کھڑے تھے وہیں سب بیٹھ گئے۔ پچھلے والے حصار سے دو آدمی آگے بڑھے اور ایک گٹھڑی سے چاولوں کے میٹھے مُٹھے بانٹنا شروع ہوئے۔ پندرہ منٹ کے بعد پھر سفر اور ورد شروع......!

کچھ دیر دَم ذِکر سُننے کے بعد میری کیفیات میں اِک آسودہ سی تبدیلی واقع ہوئی۔ محسوس ہوا کہ اپنے اردگرد دیکھنے غور کرنے اور کچھ اخذ کرنے کے قابل ہو گیا ہوں جبکہ سفر کے پہلے حصّہ میں میں بالکل خالی تھا۔ جنگل' ہر بڑھتے ہوئے قدم پہ مختلف دکھائی دے رہا تھا۔ پہلی منزل والے درخت' جھاڑ جھنکاڑ' بیلیں' زمین کے خدوخال تبدیل ہو رہے تھے۔ لگتا تھا ہم دھیرے دھیرے جنگل کے ظاہر سے ہٹ کر اس کے باطن کی جانب جا رہے ہیں...... ڈیڑھ گھنٹہ سفر کے دوران میں نے کسی جنگلی جانور کو دیکھا اور نہ کوئی آہٹ یا آواز سُنی...... لگتا تھا جیسے کسی نے یہاں کے جانوروں کو کہیں لے جا کر بند کر دیا ہے۔ ہاں پرندوں کی پھڑپھڑاہٹ اور آوازیں ضرور سنائی دیں وہ بھی یُوں جیسے وہ ہماری آمد کی خوشی میں نغمہ ریز ہوں۔ میں سوچ رہا تھا یہ وہ خوفناک جنگل ہے جہاں شیروں چیتوں' بندروں اور دیگر خونخوار درندوں کی تعداد دُنیا بھر کے جنگلوں سے زیادہ ہے۔ جس قدر ہم جنگل کے اندر پہنچ چکے ہیں اس حساب سے تو کم از کم پانچ دس بھاروؤں کو شیروں کے شکموں میں اُتر جانا چاہیے تھا۔ چہ جائیکہ کسی شیر چیتے کا سایا تک نظر نہیں آیا۔ عقلی حساب لگایا تو سمجھ آیا چونکہ سب با آوازِ بلند ورد کر

Scanned with CamScanner

رہے ہیں اور آپس میں اکٹھے آگے بڑھ رہے ہیں۔ نل بھی کھٹک رہا ہے اس لیے درندے قریب نہیں آ رہے' دور دور رہتے ہیں۔ لیکن یہ خوش فہمی کچھ ہی دیر بعد ختم ہو گئی'...... آگے کسی ندی کی آب جو دکھائی دی جس کے کنارے تین عدد شیر پانی نسرک رہے تھے۔ مجھ سمیت زائرین میں ہلکی سی ہلچل ضرور پیدا ہوئی۔ ورد اور دل کی دھڑکنوں کی رفتار بڑھ گئی۔ لیکن ہم سب بڑی آہستگی سے اُن کے پاس سے گزر گئے۔ انہوں نے نظر اُٹھا کر دیکھا پھر گردنیں ڈال کر پانی پینے میں مصروف ہو گئے۔

ورد...... جیسے ہمارے خوف و خدشات کے زخموں پہ مرہم کا کام دے رہا تھا...... باگھ بگھیاڑ دیکھنا تو نجا' ان کی بو باس ہی پا کر' مویشی بدک اُٹھتے ہیں' ڈکار ڈکار آسمان سر پہ اُٹھا لیتے ہیں۔ تعجب کہ پچھلے حصار میں چلنے والے جانوروں نے محسوس تک نہ ہونے دیا کہ وہ چند فٹ کے فاصلے پہ شیروں کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ اس جنگل نے میرے سارے عقلی تخمینے باطل کر دیے تھے۔ پختہ ارادہ کر لیا کچھ بھی ہو میں اپنی عقل دانی بند رکھوں گا۔ رکھنا بھی چاہیے' جس راہ راست کا میں مسافر تھا اُدھر سوجھ بوجھ کا کیا کام؟ وادیٔ عشق و جنوں میں' عقاب عقل کے شاہ پر جل جاتے ہیں......!

اندھے غاروں' گہرے پانیوں اور گنجان جنگلوں میں اُترنے والے جانتے ہیں کہ جب یہ اپنا باطن کھولتے ہیں تو پھر کیسے کیسے اسرار بولتے ہیں۔ ہر شخص نہ تو ان تک رسائی حاصل کرنے کا اہل ہوتا ہے اور نہ ان کی پارسائی سمجھنے کے قابل...... ہلکی سی بے صبری' چوک یا بے بھی خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ غلطی کوتاہی شروع یا منزل کے قریب پہنچ کر سرزد ہوتی ہے۔ بچوں' بوڑھوں' جوانوں اور عورتوں کے ایسے اژدحام میں کسی بے احتیاطی بے ضابطگی کے سرزد ہونے کا احتمال' بعید از قیاس نہیں ہوتا۔ کسی فرد کے بشری تقاضے کے مدنظر' قافلہ رُک جاتا...... ورد بند اور اس فرد کی کمر گرد رسا ڈال کر دائیں بائیں کسی اوٹ میں کر دیا جاتا اور اس دوران' باقی لوگ رُک کر انتظار کر لیتے۔ میں کثرتِ بول کا پرانا مریض ہوں۔ مجھے بھی آگے جا کر پیشاب کرنے کی حاجت محسوس ہوئی۔ چنانچہ مجھے بھی کمر کے گرد رسہ ڈال کر' جھاڑیوں کی اوٹ ہونا پڑا۔

بول و براز کا تعلق' انسان کی اندرونی حسیات سے ہے۔ یکسوئی' مکمل تنہائی' ذہنی جسمانی آمادگی میسر نہ ہو تو اطمینان بخش اجابت نہیں ہوتی۔ افراتفری' آس پاس کسی کی موجودگی کا احساس' خوف و عجلت میں کام بننے کی بجائے بگڑ جاتا ہے۔ مجھے بھی یہاں اک تجربہ ہوا۔ جونہی میں جھاڑیوں کی آڑ میں پاجامہ نیچے سرکا کر اُکڑوں بیٹھا...... سامنے سرکنڈوں میں کچھ ہلچل محسوس ہوئی...... دیکھا تو ایک چیتا مجھے گھور رہا تھا۔ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میری کیا حالت ہوئی ہو گی؟ جان کی تو کوئی بات نہ تھی آنی جانی شے ہے اصل خجالت یہ کہ اُس نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تھا۔ اب کچھ ہوش نہ رہا' زبان گنگ' اُٹھنے کے قابل نہ پاجامہ اُوپر سرکانے کے

Scanned with CamScanner

اہل۔ جس کار کام کے لیے بیٹھا تھا اُس پہ چار حرف بھیجے۔ کسی طرح رٹا بلایا...... اُدھر سے کوئی جواب نہ آیا۔ کیسے ہمت پڑی کیونکر اُٹھا واپس پلٹا۔ کس کو کیا بتاتا؟..... اَب میرا یہ عالم کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ دائیں بائیں آگے جھاڑیوں سرکنڈوں کے پیچھے دیکھ رہا ہوں۔ وہم سا ہو گیا کہ جھاڑی کے پیچھے شیر یا چیتا موجود ہیں' ہمارے ہر فرد پہ اُن کی نظر ہے۔ وہ کچھ فاصلے پہ ہمارے ساتھ ساتھ حرکت کر رہے ہیں۔ بس اِس انتظار میں ہیں کہ کوئی بندہ یا جانور رَٹے کے حفاظتی حصار سے باہر نکلے تو اُسے پکڑیں۔

دُنیا بھر کے جنگلات میں اور کچھ مشترک ہو نہ ہو ایک اُچھل جانور مشترک ہے وہ ہے بندر' جو مختلف نسلوں' قسموں اور حیثیتوں میں موجود ہوتا ہے۔ اگر علم جنگلیات کو کھنگالا جائے تو بندر ہر درخت ٹہن پہ چھلانگتا نظر آتا ہے۔ اِس کے بغیر' کوئی ''جنگل سٹوری'' مکمل نہیں ہوتی۔ ان کی جنگل میں وہی حیثیت وعزت ہوتی ہے جو پنڈوں دیہی علاقوں میں مراثیوں بھانڈوں کی ہوتی ہے۔ یہ جنگل کے نیوز ہرے لال لکڑ بگھا' جنگل کی ماسی لومڑی جان' چاچا گیدڑ مصلّی' تایا حاجی ہاتھی نمبا اور ناظم اعلیٰ شیر خان' ہر اک کا شجرہ نسب' اندر کی باتوں' کمزوریوں سے واقف ہوتے ہیں۔ ڈرتے ورتے کسی سے نہیں۔ پنگے ہر کسی سے لیتے رہتے ہیں۔ جنگل کا ہر رَسیک ان سے دبتا اور بلیک میل ہوتا ہے۔ جنگل کی یہ مخلوق اور پرندے' شاید قلندر بادشاہ کے حصار کی زد میں نہیں تھے۔ اِسی لیے آزاد دکھائی دے رہے تھے بلکہ ہمارے ساتھ ساتھ سفر بھی کر رہے تھے۔

سمندروں' صحراؤں' پہاڑوں اور جنگلوں کے اسفار بڑی ترجیحات وترغیبات سے تشکیل وتکمیل پذیر ہوتے ہیں۔ مسافر ومنزل کی درمیانی مسافت' عجب ڈرامائی سی صورت حال اختیار کر لیتی...... کبھی مسافر اُسے طے کرتا ہے اور کبھی وہ مسافر کو طے کرتی ہے۔ اسی کشاکش میں جڑ جاتا ہے سلسلہ چاہ کا ''راہ شوق وعشق کے راہرووں کی رہبری چونکہ دونوں ''خواجاؤں'' کی عملداری میں ہوتی ہے لہٰذا خیر وبرکت رہتی ہے۔

سفر...... 'چور ٹھگ' کا' عاشق نامہ بز' طالبعلم یا تاجر ہو یا...... وطن بدر مہاجر کا آخر کہیں نہ کہیں اختتام پذیر تو ہو ہی جاتا ہے۔ آثار بتا رہے تھے کہ ہم بھی کہیں منزل کے قریب ہی ہیں۔ غلاموں کے دست وپا کی زنجیروں کی طرح' ان غریب غربوں کی سانسیں بھی چھنکنے کھنکنے لگیں تھیں۔ مسلسل درد اور چلنے کی مشقت نے انہیں بھیڑوں کے اُس ریوڑ کی مانند کر دیا تھا جو کہیں دُور دراز کے بے آب وگیاہ علاقے سے کسی ہری بھری چراہ گاہ کی جانب آ گئی ہوں۔''

قدم قدم جنگل کا جغرافیہ بدلتا ہُوا محسوس ہو رہا تھا۔ جھاڑ جھنکاڑ پیڑ پودے' بیلیں بوٹے...... جیسے فطرت کی دسترس کے ساتھ ساتھ انسانوں کے ہاتھوں سے بھی شناسائی پا گئے ہوں۔ ناگاہ دائیں بائیں چند خونخوار سے چیتے گھورتے ہوئے دکھائی دیے۔ درندہ چڑیا گھر' مضبوط پنجرے میں بند ہوتا ہے۔ جانتے ہوئے

Scanned with CamScanner

بھی کہ یہ کسی کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اس کے باوجود دیکھنے والوں کے دل کی دھڑکنیں ناہموار ہو جاتی ہیں۔ اِدھر تو وہ ہم سے چند قدموں کے فاصلہ پہ تھے جو اُن کی چوتھائی جست سے بھی کم بنتا ہے۔ میری طرح یقیناً دوسروں نے بھی انہیں دیکھا ہوگا مگر کیا مجال جو کسی نے ذرا سی گھبراہٹ کا اظہار کیا ہو......؟

کچھ آگے پہنچتے تو منظر ہی بدل گیا۔ بڑے بڑے چھتنار برگد نما درخت' جن کی داڑھی نما شاخیں اُتر کر زمین میں بذاتِ خود درختوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ گھیرے دار پھیلے ہوئے تنے...... تیڑھے میڑھے بیبت ناک تھن...... بندروں چمگادڑوں اور دیگر اَن دیکھے پرندوں جانوروں سے اَٹے ہوئے...... لگتا جیسے صدیوں کے بہیانہ طلسم اِدھر تہہ در تہہ جم کر نشانِ عبرت بن چکے ہیں۔ وقت کی کثیف گرد نے یہاں ہر چیز کو گہنا کر رکھ دیا ہوا ہے۔ یہ گوشہ شاید دُنیا کی وہ جگہ تھی جہاں فطرت نے بھی توجہ دینی چھوڑ دی تھی...... سورج تو کیا آسمان کا کوئی حصّہ بھی دکھائی نہ دیتا تھا...... ہواؤں کا بھی اِدھر سے گزر نہ تھا لیکن اک ایسی روشنی تھی جو شاید سورج کی کرنوں کی محتاج نہ تھی۔ موسم ماحول بھی ایسا کہ سردی گرمی کا احساس نہ رہے...... اک عجیب کثیف سی سدابہار خوشبو' جیسے لوبان اور عُود اکٹھے کہیں دھیمے دھیمے سُلگ رہے ہوں...... اسی دیکھا دیکھی میں کچھ آگے بڑھے تو ایک چھوٹا سا میدان' درمیان میں گھاس پھوس سے بنی ہوئی کُٹیا...... باہر قلندر بادشاہ' دائیں بائیں خوبصورت جوان شیروں کے درمیان براجمان تھے۔ قافلہ آگے کُٹیا کے قریب پہنچ کر رُک گیا۔ ماجد میاں نے اختتامی دُعا پڑھی۔ آگے بڑھ کر اپنے دادا کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ خادموں نے حصار کا رَسّہ کھول کر اردگرد کے درختوں سے باندھ کر حصار کو وسیع تر کر دیا اور نجومیوں سے ہدایت کی' کوئی فرد اس رَسّے سے باہر نہ نکلے۔

مجھے آگے لاکر' قلندر بادشاہ سے تعارف کرایا گیا۔ مَیں نے سلام کر کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ انتہائی فَرَنحتی سے بزرگ' بھم نگنے' گہرا سانولا رنگ' مُنہ دانتوں سے خالی' سر پہ ابھی جھائیں مُنہ میں خود بنایا ہوا تمبا کو کشید کرنے کا پائپ' جو بُجھا ہُوا تھا۔ قلندر بادشاہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جواب میں سب حاضرین نے اللہ اکبر کہا' ساتھ ہی دائیں بائیں کے شیروں اور جنگل کے دیگر باسیوں نے اپنے اپنے انداز میں اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیروں' دیگر جنگلی جانوروں' درختوں' پیڑ پودوں نے کیا عربی زبان میں اللہ اکبر کہا......؟ ہر انداز کی مخلوق اپنے اپنے طریقِ نطق سے کلام کرتی ہے۔ ہر انسان کے لیے اس کا سمجھنا ضروری نہیں۔ علم الکلام کے عالم اس موضوع پہ بات بڑھا سکتے ہیں۔ زبان سے خاطر خواہ کام' انسان نے لیا اور کچھ پرندوں نے بھی۔ باقی تمام حیوان مطلق اس سے عاری ٹھہرے۔ مگر اظہار کے لیے اُن کو خداوندِ کریم نے اور طرح کے وسیلے دیئے۔ مثلاً سیٹیاں' سسکاریاں' مختلف نوع کی آوازیں۔ مچھلیاں اور چیونٹیاں بھی آپس میں گفتگو کرتی ہیں۔ رینگنے والے کیڑے حشرات الارض اور فضاؤں کے پرندے بھی ایک دوسرے سے تعلق

Scanned with CamScanner

رابطے میں رہتے ہیں۔ مَیں نے بھونروں، پتنگوں، ٹِڈّوں، مچھروں کی گفتگو سُنی۔ قرآن مجید، دیگر کتابوں، اساطیر کے قصّے کہانیوں سے بھی ثابت ہے۔''

قلندر بادشاہ پچیس سال سے اس جگہ مقیم تھے۔ وہ اِدھر اکیلا رہتے تھے۔ اُن کے مُریدوں معتقدوں میں انسانوں کے علاوہ جنگل کے جانور، پرندے، حشرات الارض بھی شامل تھے۔ دو خادم شیر ہمہ اوقات اُن کی حاضری میں رہتے۔ بابا اُن پہ سواری بھی کرتے ...... نہ صرف جانوروں کی زبان جانتے بلکہ بڑی آسانی سے اُن سے گفتگو بھی کرتے۔ اُن کا کہنا تھا انسان، جانوروں کی بولی، بول سمجھ سکتا ہے مگر کوئی جانور سوائے ایک آدھ پرندے کے۔ انسان کی طرح بولنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ درختوں پیڑوں پھلوں پھولوں گھاس مٹی پتھروں سے بھی گفتگو کرتے تھے۔ ہوا پانی بارش سے بھی باتیں کرتے۔

عُرس کی تقریب تین روز تک رہی۔ لنگر کا انتظام وہیں کیا گیا۔ گوشت کے لیے بچھڑے بکرے موجود تھے۔ جنگل میں منگل، ہر کوئی شریک ...... درندوں شیروں کا کچا لنگر علیحدہ۔ ایک بات سمجھ سے بالا تھی کہ قلندر بادشاہ ہر وقت مُنہ میں جو تمباکو پینے کا پائپ دبائے رکھتے تھے وہ کیا بلا تھی۔ نہ تمباکو بھر کر سلگاتے دیکھا۔ نہ کوئی دُھواں چنگاری؟ معلوم ہُوا وہ بھی کبھی عام بنگالیوں کی طرح بے انتہا تمباکو نوشی کرتے تھے پھر ایک وقت آیا، ترک کر دی ...... پھر نہ جانے جی میں کیا آئی کہ جنگلی کچے کَنول کے خول اور سرکنڈے پائپ سا بنایا اور مُنہ لگا لیا۔ بس بچوں کی طرح کا ایک کھلونا تھا جسے مُنہ میں دابے رکھتے۔ مسکراتے ہوئے، راز کی بات کی طرح بتایا۔

''کبھی کبھار اس میں سے دُھواں بھی نکل آتا ہے۔''

شیر کی درندگی، جبلّت کے بارے پوچھا۔ وہ پاس لیٹے ہوئے اپنے بچے شیر کے جسم پہ ہاتھ پھیرتے یہ اللہ کے شیر بھی ان دیگر جانوروں پرندوں کی طرح میرے مُرید ہیں، اللہ کی مخلوق ہیں، مَیں انہیں تعلیم دیتا ہوں۔ انسان اور ان جانوروں میں جسم جاں، جبلّت، جذبات اور جانکاری میں فاصلہ ہے۔ اپنی جبلّت کے ہاتھوں مجبور ہو کر جہالت کر بیٹھتے ہیں ورنہ ان سا معصوم، محبت اور اطاعت کرنے والا کوئی اور نہیں۔ مَیں نے انہیں انسانوں سے کہیں زیادہ وفادار اور اطاعت شعار پایا۔ میرے ایک سوال کے جواب میں فرمایا! کارخانۂ کائنات میں ہر اک شے متحرک و مستعمل ہے۔ ہم سب بشمول مخلوقاتِ دِگر، قدرت کی کائناتِ یعنی مشینری کے چھوٹے چھوٹے نٹ بولٹ پُرزے ہیں۔ جاہل و کامل انسان سے لے کر شیر اور چھچھوندر تک کوئی بھی غیر اہم نہیں۔ اَدنیٰ و اعلیٰ ہو تو ہو مگر بیکار محض کوئی نہیں۔ شجر بلند و بالا اپنی جگہ، اس کے پھل پھول اپنے مقام پہ ...... گھاس کی ننھی سی پتّی بھی اپنا شجرہ، اپنی ہستی اور مقام و مقصد رکھتی ہے۔ کسی کو بے ہست بست سمجھنا، بے علمی اور بدنصیبی کی دلیل ہے۔ ویرانے بھی آہنگ دینے لگتے ہیں۔ سامنے کھڑی پڑی موجودات بھی مکالمہ

Scanned with CamScanner

کر سکتی ہے۔ سب کچھ ہو سکتا ہے اگر آنکھوں میں بینائی' زبان میں گویائی اور کانوں میں شنائی پیدا ہو جائے تو......؟ شیر کے پیچھے تیر وتفنگ بندوق طمنچہ لے کر پڑو گے تو وہ کیا تمہارے لیے مٹھائی کا ڈونا لیے ہوئے ہوگا؟ چار پائے' دو پاؤں والوں کی نیتیں خوب پڑھ لیتے ہیں۔ آدم کے کلبوت ہیت میں ہیبت رکھی گئی۔ ذی وقار بنا کر اُسے ارض پہ خلیفہ مقرر کیا گیا۔ اشرف المخلوقات کا درجہ دے کر دیگر مخلوقات سے افضل کیا گیا۔ مگر وہ اپنی پہچان کھو بیٹھا...... اپنے منصب کو بھول گیا وہ شیر تو کیا' رینگنے والے کیڑے سے بھی خوفزدہ ہے۔ خود شناسی' خدا شناسی مفقود ہو جائے تو یہی کچھ ہوتا ہے۔؟

سکوتِ لالہ وگل سے کلام پیدا ہو سکتا ہے اگر کوئی خود سے کلام کرنے کا قرینہ سلیقہ سیکھ لے۔

''خود سے کلام کیسے کیا جا سکتا ہے؟''

''جیسے کوئی مجذوب خود سے ہم کلام ہوتا ہے۔ جب تک کوئی جواب نہ ملے وہ خاموشی اختیار کرتا ہے۔ گہرے خاموش سمندر کی مانند......!

''......اور جب کوئی جواب مل جاتا ہے تو؟''

''وہ مزید مخمور والی دائمی خاموشی اختیار کر لیتا ہے کہ اُسے اب مزید کسی کلام کی ضرورت نہیں رہتی۔ اندر کا کلام معکوس ہو کر مالک بن جاتا ہے...... مالک کا ''ال م'' رکھ کر ''ک'' کی کڑک نکال دیتا ہے تاکہ کلام کا کال ہی نہ بچے......!''

عُرس کے آخری روز میں قلندر بادشاہ کے قدموں میں بیٹھا اُن کے پاؤں داب رہا تھا۔ ایک دو تین نہیں بلکہ آٹھ دس شیر چیتے بھی پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ بجے دھجے' خوبصورت جوان' لمبی لمبی سرخ زبانیں نکالے' سرنگوں کیئے ہوئے مودب...... ہمارے سامنے' دائیں بائیں زائرین' بچے بوڑھے جوان اور عورتیں۔ الٰہی! یہ کیسی دُنیا ہے؟...... حیوان اور انسان ایک دوسرے سے بے نیاز۔ ڈر نہ خوف...... اسی جنگل میں یہی شیر چیتے' انہی لوگوں' ان کے مویشیوں کو پھاڑ کھاتے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ دو چار بندے لقمۂ اجل نہ بنتے ہوں۔ میں ان ہی باتوں پہ من ہی من میں غور کر رہا تھا۔ ظاہر ہے میرا غور کرنا فضول ہی تھا۔ یہ فقر و درویشی' روحانیت اور ماورائے طبعیات باتیں' حقیقتیں ایسی آسانی سے اگر سمجھ بوجھ میں آ جائیں تو ہر شخص فقیری چولے میں دکھائی دے۔''

اچانک آس پاس درختوں پہ بیٹھے بندروں پرندوں نے غیر معمولی انداز میں بولنا شروع کر دیا۔ دیکھا کہ شیروں چیتوں نے بھی سر اُٹھا لیئے...... قلندر بادشاہ نے اچانک بائیں جانب دیکھتے ہوئے شیر کی آواز میں کچھ شبد منہ سے نکالے۔ شیر چیتے کھڑے ہو گئے۔ جیسے کوئی بائیں جانب سے اِدھر آ رہے ہوں۔ لوگ بھی سر

Scanned with CamScanner

اُٹھا اُٹھا اُدھر دیکھنے لگے۔ یا اللہ! آگے ایک عمر رسیدہ مگر پُرجلال شیر اور پیچھے دس بارہ شیر چیتے...... اس طرح سے مستی میں جھومتے چلے آ رہے تھے جیسے عرس کے دنوں میں عقیدتمند چادریں لے کر دھمالیں ڈالتے آتے ہیں۔ اُن کی آمد پہ راستہ چھوڑ دیا گیا۔ سرکردہ شیر نے قریب پہنچ کر قلندر بادشاہ کے آگے سر جھوڑا۔ ہاتھوں پہ بوسہ دیا۔ دیگر شیروں نے بھی باری باری تقلید کی اور آگے پیچھے جدھر جگہ دیکھی بیٹھ گئے۔ آپس کی زبان میں بات چیت ہوتی رہی ویسے ہی جیسے مہمانوں کی آمد پہ رسمی طور پہ ہوتی ہے۔ بچھڑوں کے گوشت کے بڑے بڑے پارچوں سے تواضع کی گئی۔

عرس کا آخری دن تھا۔ رات گئے تک محفل جمی رہی۔ آنے والے مہمان شیر' جلدی واپس لوٹ گئے تھے۔ اِدھر بھی لوگ واپسی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مجھے قلندر بادشاہ سے مزید بات چیت کا موقع مل گیا۔ مَیں نے پوچھ لیا۔

''بابا! اس جنگل کے شیر آپ کے مُرید ہیں ہر سال سیکڑوں اللہ کے بندے اِن کی درندگی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ کیا یہ......؟''

مَیں نے دانستہ اپنا فقرہ مکمل نہ کیا تھا۔ مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

''بیٹا! کیا ہر سال ہزاروں اللہ کے بندے مختلف حادثات بیماریوں سے موت کے مُنہ میں چلے نہیں جاتے۔ شیر تو پھر بھی جانور ہیں' ہزاروں اِنسان' اِنسانوں کے ہاتھ قتل نہیں ہو جاتے۔ زندگی موت کا سلسلہ اَزل سے اَبد تک یونہی چلتا رہے گا۔ شیر تمہارے قریب بیٹھے ہیں انہوں نے تو کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ اچھے بُرے ہر جگہ موجود...... میرے شیر بچوں میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے کبھی اِنسانی گوشت نہیں کھایا اور ایسے بھی جو اَب تائب ہو چکے ہیں۔'' پائپ منہ سے نکال کر مزید فرمایا۔ ''یہ جو اللہ کی مخلوق ابھی رُخصت ہوئی ہے...... دیکھا تم نے' یہ بھی تو شیر ہیں مگر اللہ کے......!''

مَیں کچھ نہ سمجھتے ہوئے خاموش ہو لیا۔ خود ہی پھر فرمانے لگے۔

''اللہ تعالیٰ نے مولا علی کو اَسد اللہ کہا...... یعنی اللہ کا شیر! اسی طرح کچھ دُنیا کا مال ہوتا ہے اور کچھ خدا کا...... جیسے بہت سے اِنسان دُنیا کا دروغ ہوتے ہیں اور کچھ دین کا فروغ...... بیٹا! یہ سب کچھ یونہی چلتا رہے گا۔ آخر میں گھاٹا اُس بدنصیب کے لیے ہے جس نے دُنیا بھی گنوائی اور آخرت میں بھی کچھ نہ پایا......''

بات سے بات نکلتی دیکھ کر مجھے مزید بات کا موقع مل گیا۔

''بابا! مجھے کبھی کسی نے بتایا تھا۔ سُندر بن میں کہیں کوئی ایسا استھان ہے جو شیر کے سر سے مشابہ ہے۔ شیر کا منہ آدھا کھلا ہوا۔ وہ دلدل میں بُری طرح پھنسا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی بے چارگی......

Scanned with CamScanner

زندگی بچانے کی تگ ودو میں بُری طرح گر او رہا ہے۔ حسرت ویاس کا اک بھیانک منظر......!''

باوا میری نگاہوں میں نگاہیں ڈالتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''تم کوئی ہو یا چتر کار...... چتر کار بھی ہو سکتے ہو؟ ہو بہو یہی منظر ہے اُدھر کا...... تم شاید نہیں جانتے یہ بزرگ شیر اور دیگرو ہیں سے آئے تھے۔'' باگھ ناتھ کا استھان!''

''یہ کوئی ہندوؤں کا استھان ہے......؟''

''استھان' استھان ہی ہوتا ہے۔ مسجد کہو یا مندر...... دیر و کعبہ سب ایک ہی اللہ' ایشور کے استھان ہیں۔ رحیم کہہ لو یا رام...... دونوں نام کام ایک ہی ہیں۔ اپنی اپنی بولی بھاشا...... لیکن دل تر اشا ایک ہی......!''

''باوا جی! وہاں کوئی سادھو منش بھی ہیں یا صرف شیر ہی رہتے ہیں؟''

''بیٹا! اس دھرتی پہ ابھی بہت کچھ ایسا ہے جو ابھی تک کسی منش پہ نہیں کھلا اور شاید کبھی کھلے بھی نہیں...... کیونکہ یہ سب قدرت کے اسرار ہیں' سربستہ راز ہیں۔ راز راز ہی رہیں تو بہتر ہوتا ہے۔''

''راز کو اگر راز ہی رکھنا تھا تو راز کو سامنے لانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا بند چیز کھولنے کے لیے نہیں ہوتی......؟''

باوا نے میری بات کا کچھ بُرا ماننے کی بجائے بڑی کشادہ دلی سے جواب دیا۔

''تم نے درست کہا جس پہ واجب ہو جائے اُس پہ راز افشا کر دیا جاتا ہے۔ ہر کوئی اہل نہیں ہوتا...... جیسے ہر کوئی بادشاہ یا فقیر دُرویش نہیں بن سکتا۔ دُنیا بھر میں بے شمار جنگل ہیں مگر سندر بن اور بندرا بن جیسا کوئی نہیں۔ شیر تو دُنیا میں اور بھی ہیں مگر ٹائیگر آف بنگال جیسا کہیں نہیں۔'' چند لمحوں کی خاموشی اختیار کرتے ہوئے کہنے لگے۔ ''مجھے خوب خبر ہے تم ادھر کیوں آئے ہو؟ باگھ ناتھ کے استھان کی یاترا کی خواہش من میں مچل رہی ہے لیکن شاید تم یہ نہیں جانتے کہ یہ خواہش کسی کی پوری نہیں ہوئی۔ جس کی ہو جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا۔ جیسے شیر کے منہ میں سر دینے والے زندہ نہیں رہتے...... اُدھر بھی ایسا ہی ہوتا ہے' دلدل میں ڈوبے ہوئے شیر کے منہ سے کوئی واپس نہیں نکلتا۔ تمہارے من کی کلپنا دیکھتے ہوئے تمہیں باگھ ناتھ کی کتھا سناتا ہوں۔ آج پورنماشی ہے' سمے کا بڑا اسمبندھ ہے۔ یہ اُس لدے زمانے کی بات ہے جب آزادی کے متوالے سبھاش چندر کا بچپن تھا۔

● سدا سہاگ فقیر......!

میرا جنم' ندی کنارے' مچھلیاں پکڑنے والے ایک غریب مسلمان کی جھونپڑی میں ہوا۔ مگر میری

Scanned with CamScanner

پرورش نواکھلی کے گاؤں مادھوپور کے ایک اناتھ آشرم میں ہوئی۔ دودھ چُسکنے کی عمر میں یتیم بھی ہو گیا اور یسیر بھی...... سیلاب آیا' میرے ابا' اماں اور بہن بھائیوں کو بہا کر لے گیا مگر مجھے ایک پیڑ کی ٹہنیوں میں پھنسا ہوا چھوڑ گیا۔ وہاں سے مجھے ڈیڑھ دن بعد ایک ہندو کسان نے اُتارا اور اناتھ آشرم میں جمع کروا دیا۔ خوش قسمتی یا بدقسمتی' میرے ابھی ختنوں کی نوبت نہ آئی تھی اسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اُنہوں نے مجھے ہندو سمجھ کر پرورش کیا۔ مجھے اپنے مذہب' قوم برادری' ماں باپ' رشتہ داروں' شہر گاؤں کا کچھ علم تک نہ تھا۔ بس یہی کہ میرا نام رام ہے اور میں اس آشرم کا پالک ہوں...... یہاں کا پنڈت لالہ رام پرشاد' میرا باپو اور ادھر رہنے والے بے آسرا لوگ میرا پریوار ہیں۔ وقت بھی کسی اُمنڈے ہوئے سیلاب کی مانند بڑی تیزی سے آگے بڑھ گیا اور میں زندگی کے سرکش دھارے میں پھنسا ہوا ڈولے بڑولے لیتا رہا۔

لالہ رام پرشاد کا دیہانت ہوا تو میں بھی ایک رات' پھر کبھی ادھر نہ آنے کے لیے نکل گیا۔ ڈرتا گھبراتا ایک ریلوے سٹیشن پہنچا۔ ایک گاڑی تیار کھڑی تھی' سامنے ڈبے میں گھسا' پہلے سے موجود بچوں کے ساتھ میں بھی بیٹھ گیا۔ زندگی میں پہلی بار اپنی آزادی کی نیند سویا تھا۔ کچھ خبر نہ رہی کہاں ہوں' کدھر جانا ہے' کھانا نہ پینا۔ کسی آبشار کے دھارے پہ خشک پتے کی مانند بہتا ہوا کسی انجانی منزل کی طرف......؟

کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا...... سامنے ٹکٹ چیکر تھا' مجھے اور کچھ نہ سوجھا۔ منہ بسور کر رونا شروع کر دیا۔ اُس کے دل میں دیا جاگی...... میری جھوٹی سچی کتھا کہانی سن کر مجھے ساتھ لے گیا۔ چند روز اپنے گھر بچوں کے ساتھ رکھا پھر مجھے ایک مسلمان ریلوے افسر کے ہاں گھر کے چھوٹے موٹے کاموں پہ رکھوا دیا۔ وہ نیے بڑے بھلے تھے' دین دھرم ذات پات پہ کوئی زیادہ توجہ نہ دی جاتی تھی' دلوں میں دیا' آنکھوں میں حیا تھی۔ انسان کو انسان سمجھا جاتا تھا۔ اناتھ آشرم کے آنجہانی پنڈت رام پرشاد نے بھی انسان سمجھ کر پالا پوسا' جب میں اُس کے پاس لایا گیا تو نہ میں مسلمان تھا نہ ہندو نہ عیسائی۔ میرے ماتھے پہ کسی مذہب کی مہر نہ تھی...... نہ اللہ' ایشور لکھا تھا۔ صرف ایک پیدائشی نشان' دائیں ہاتھ کی چھنگلی کے ساتھ ایک چھوٹی سی اُنگلی جڑی ہوئی تھی۔ میرے پانچ بہن بھائیوں کے علاوہ میرے ابا تایا کے ہاتھ پہ بھی یہ اضافی اُنگلی موجود تھی۔ گویا یہ ہماری خاندانی پہچان تھی۔ میں اکثر اس نرم ڈھیلی سی اُنگلی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ دوسرے بچے بھی اسے چھو کر خوش ہوتے' یہ سب کچھ مجھے اُس وقت معلوم ہوا جب مجھے میرے ماموں نے اس خاندانی نشانی سے پہچانا......''

میرا ماموں کلکتہ شہر میں ریلوے ورکشاپ میں مکینک تھا۔ یہ افسر' جس کے گھر میں کام کرتا تھا۔ اس کا افسر تھا اور اسی سے ورکشاپ میں واسطہ رہتا تھا۔ اس افسر کی کوٹھی' ریلوے کی افسر کالونی میں تھی' جو ورکشاپ کے عقب میں ہی تھی۔ میں ہر روز تو نہیں' کبھی جب ڈرائیور کہیں مصروف ہوتا دوپہر کا کھانا لے کر ورکشاپ جاتا

تھا۔ ایک دن جب میں کھانا لے کر ورکشاپ گیا تو میرا ماموں بھی وہاں موجود تھا۔ کھانے کا ڈبا رکھتے ہوئے اُس کی نظر میری اُنگلی پہ پڑ گئی۔ اُس وقت تو وہ چپ رہا۔ اس سے اگلے روز وہ کسی بہانے سے کوٹھی پہنچ گیا۔ میں بھی اُدھر گاڑی کے لیے چار انار رہا تھا۔ ماموں میرے پاس آیا۔ میرا اور باپ کا نام دریافت کیا۔ میں کیا بتاتا؟ میرے پاس تو میری شناخت' سرے سے ہی موجود نہ تھی۔ میری خاموشی پہ اُس نے میرا ہاتھ اور اُنگلی دیکھی۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔ کسی تیسری آنکھ سے میرے ماتھے چہرے کو دیکھا اور مجھے پکڑ کر سینے سے لگا لیا۔ اُس نے جیب سے ایک پھٹی پرانی تصویر نکال کر مجھے دکھاتے ہوئے بتایا۔ یہ جس عورت نے یہ ننھا سا بچہ اُٹھا رکھا ہے میری بہن فریدہ ہے اور یہ بچہ تم ہو؟ تمہارا نام قلندر بادشاہ ہے۔ یہ نام ہمارے مرشد باوا سلطان سبحانی ڈھاکہ والوں نے تجویز کیا تھا۔ یہ چارپائی پہ پڑا تمہارا باپ کریم اللہ ہے۔ چارپائی پہ اس لیے پڑا ہے۔ اُن دنوں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ یہ ساتھ کھڑے اور بیٹھے تمہارا بہن بھائی ہیں۔ تصویر میں تو دکھائی نہیں دیں گی۔ تمہارے تمام بہن بھائیوں اور ابا کے ہاتھ یہ اُنگلی ایسی ہی ہے جس طرح تمہاری ہے۔ تمہارے دادا کی بھی ایسی ہی تھی۔ یہ تمہارے دادا کے کسی بزرگ کی دُعا تھی کہ تمہاری نسل میں جو بھی اولاد ہوگی اُس کے دائیں ہاتھ کی چھ اُنگلیاں ہوں گی اور تمہاری سب سے اہم نشانی ایک اور بھی ہے کہ تم پیدائشی قلندر صائم ہو اور مختون بھی۔ تمہارے پیدائشی طور پہ ختنے مکمل تھے اور گدی کے پیچھے ریڑھ کی ہڈی کے آخر پہ چاند گرہن کا ٹیکا ہے۔

یہ سب کچھ درست تھا۔ بڑے افسر نے ان تمام نشانیوں کو دیکھ کر تصدیق کی اور معذرت طلب کی کہ اُنہوں نے مجھے اپنے گھر بطور نوکر رکھا۔ میں اب اپنے ماموں کے گھر پہنچ گیا تھا۔ میرے ساتھ میری شناخت' نام اور کام بھی تھا۔

اسلام کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ ہر لمحہ پل' دُنیا میں کہیں نہ کہیں اذان کا سرمدی آہنگ گونجتا رہتا ہے۔ اللہ کی پوری کائنات میں بھی ایسا ہی ہے۔ اللہ!' اگر دیکھنے والی آنکھ' سننے والی سماعت اور محسوس کرنے والا قلب دے تو پھر دیکھیں سنیں اور محسوس کریں کہ ہر سمت' نیچے اُوپر' دائیں بائیں آگے پیچھے ہر طرف سے اللہ کی حمد و ثناء کی صدائیں آ رہی ہیں۔ ایک آہنگ ختم ہوتا ہے تو کہیں دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ پھر کہیں اور...... اور پھر کہیں اور سے۔ غرضیکہ یہ اللہ کی تعریف و توصیف کا اِک لامتناہی سلسلہ شروع ہی رہتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے محض ذہنی صوت و آہنگ ہے جو کانوں میں گونجتا ہے۔ سماعت سے ٹکرا کر مُغنی و کیفیات پیدا کرتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں' ایسا آہنگ و صوت تو ایک ابتدائی سلسلہ ہے...... جو محض کانوں سے سننے والوں کے لیے ہے۔ سکوتِ لالہ و گل سے جو صوت و کلام پیدا ہوتا ہے اصل چیز تو وہ ہے۔ مُلا کی اذان اور مجاہد کی اذان اور...... مہاجر کی اذان اور مسافر کی اذان اور......؟

Scanned with CamScanner

ہر نماز کی اذان' اپنا اپنا رنگ و کیفیات لیے ہوتی ہے۔ کوئی جمالی اور کوئی جلالی...... داؤدی تو کوئی ابوذری...... بلالی تو کوئی غزالی...... اذانِ مرغ' اذانِ زاغ...... اذانِ ابر' اذانِ صبر...... اذانِ نومولود' اذانِ نصرتِ مسعود' اذانِ بیعت' اذانِ قحط...... اذان ایک ہی...... کیفیات' ضروریات اور مقصد الگ الگ...... اِدھر جنگل میں بھی عصر کی اذان کا آہنگ اُبھرا...... کہاں سے یہ تو معلوم نہ ہو سکا؟ یہاں پہنچ کر صحیح سے سمجھ آیا کہ اصل نماز کی حقیقت کیا ہے۔ وضو کے لیے وافر پانی نہ طہارت کے لیے کوئی انتظام...... درست سے قبلہ کا کوئی تعین اور نہ نیچے مصلے قالین...... وہی دعوتِ شیراز والی بات؟...... جنگلوں' صحراؤں' سمندروں اور پہاڑوں میں...... حالتِ سیاحت' مہاجرت' مجاہدت' تجارت۔ الگ ہی سواد اور ثواب کہ نمرود تو تھا ہی نہیں۔ خالص ذوقِ عبادت اللہ کے لیے...... صرف اللہ!

''جنگلی'' نماز سے فراغت ہوئی تو ہر کوئی اپنے اپنے مقصد کے پیچھے ہو لیا۔ میں اپنے مطلب کے دوالے۔ قلندر بادشاہ نے قہوے کی پیالی عنایت کرتے ہوئے ٹھوڑی پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔ بولے۔

''سو رنگی کے سو رنگ ہوتے ہیں ابھی تو ایک رنگ ہی چھڑا ہے۔ جم کر بیٹھو اور باقی رنگ بھی دیکھو۔ یہ جنگل ہے اِدھر سونا' رونا اور خود کو کھونا' منع ہے...... ہاں تو...... ماموں میرا بھی اک اللہ کا ولی تھا۔ رزقِ حلال کھانے' کھلانے کا خوگر...... گھر میں تین بچے تھے چوتھا' مجھے بنا لیا اور اُن کے ساتھ میری تعلیم و تربیت بھی شروع کر دی۔ بچے سب ہی عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔ دو بیٹے عارف اور عادل...... ایک بیٹی عدیلہ' جو عمر میں کوئی تین برس مجھ سے بڑی تھی۔ ممانی پڑھی لکھی تھیں بظاہر مجھ سے ٹھیک تھیں لیکن اندر پردہ مجھ سے نالاں تھیں۔ میری موجودگی اُن کے لیے پریشانی کا باعث تھی۔ شاید اس کی وجہ کہ میں اپنے باپ کے خاندان میں واحد فرد تھا جو سیلاب سے بچ گیا۔ اناتھ آشرم میں میری پرورش ہوئی۔ اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ اسی وجہ سے ابتدائی تعلیم بھی نہ حاصل کر سکا۔ میری کمزوری صحت' معمولی شکل و صورت بھی ایک وجہ ہو سکتی تھی۔ ماموں کی مجھ میں غیر معمولی دلچسپی یا شاید یہ بھی کہ ماموں' میری شادی اپنی اکلوتی بیٹی سے نہ کر دے۔ یہ سارے اپنے قیاس قیافے تھے اصل کیا تھا یہ اللہ ہی جانتا تھا؟

ایک روز شام کے وقت ماموں ممانی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ میں سر درد کی وجہ سے ساتھ والے کمرے میں لیٹا ہوا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں ممانی نے کہا۔

''اس قلندر بادشاہ کی وجہ سے کالونی کے لوگ عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ سکول میں بچوں کا بھی مذاق اُڑاتے ہیں۔ اس کی عادتوں کی وجہ سے ہمارے بچوں پہ بھی بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ آپ اس کا انتظام کسی آشرم یا ہوسٹل میں کر دیں۔ اس گھر میں جب سے آیا ہے بیمار ہی رہتا ہے۔ وہ گھر میں رہنے والا بچہ نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

ہمارے بچے بگڑ جائیں گے۔"

ممانی نے کرنے کو تو بات کر دی تھی۔ ماموں پہ کیا بیتی' میں نہیں جانتا کہ میں اندر کمرے میں تھا۔ صرف اتنا سنا' ماموں کہہ رہے تھے۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ یہ میرا بھانجا ہے' میرے سوا اس کا دُنیا میں کوئی نہیں۔ یہ تو بڑا اللہ والا بچہ ہے' تم اسے آشرم میں پھینکنا چاہتی ہو؟ ذرا سوچو! اگر یہ سب کچھ تمہارے اپنے کسی بچے کے ساتھ بیتے تو تم کیا کرو گی؟"

ممانی بھنا کر بولی۔ "میں کچھ نہیں جانتی' ہماری بیٹی بڑی ہو رہی ہے میں اس نیم پاگل بچے کو گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔"

ایک زوردار تھپڑ کی آواز نے مجھے کھاٹ سے اُٹھنے پہ مجبور کر دیا۔ میرا جسم بُری طرح کانپنے لگا تھا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ماموں تو اپنا غصہ نکال کر باہر نکل گئے۔ ممانی نے رو رو کر بُرا حال کر لیا۔ مجھے کوسنے' بددعائیں دینے لگی کہ اَب میں ان کا گھر اُجاڑنے کے لیے آیا ہوں۔ بچے بھی عجیب نفرت بھری نگاہوں سے میری جانب گھور رہے تھے۔ میرا اندر سے کوئی بول اُٹھا...... تو کسی گھر پریوار کے لیے نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو تیرے اپنے گھر والے ماں باپ' بہن بھائی تجھ سے جُدا نہ ہوتے...... میرے ادھر آنے سے ہی یہ سب کچھ ہُوا ہے۔ مجھے اپنی وجہ سے ماموں کے گھر کا سکون برباد کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اللہ کی زمین بہت بڑی ہے' کہیں نہ کہیں سر چھپانے کو جگہ مل ہی جائے گی۔ میں نے ادھر سے نکلنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بس' کسی وقت کا انتظار کرنے لگا۔

اگلے دو روز بڑی ذکھن میں کٹے۔ ماموں تو جیسے اندر سے کٹ کر رہ گئے۔ گو مجھ سے کوئی بات نہ ہوئی اور شاید انہیں یہ بھی پتا نہ تھا کہ میں سب کچھ اپنے کانوں سے سُن چکا ہوں بلکہ ممانی کا کہا سنا بھی اپنی جان پہ جھیل چکا ہوں۔ مجھے خوب اندازہ ہو چکا تھا کہ ماموں' خود اپنی زبان سے مجھے کچھ نہ کہیں گے۔ اُدھر اُن کے گھر کی سلامتی کا مسئلہ تھا۔ بیوی بچوں کو چھوڑتے ہیں تو گھر برباد ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اُن کے پاس اس مسئلہ کا سرِدست کوئی شافی حل موجود نہ تھا۔

قدرت کا طریقہ ہے کہ جب کسی مسئلہ کا انسان کے پاس کوئی حل نہ ہو تو حالات کی پٹاری سے کوئی نہ کوئی حل' مینڈک کی مانند پھدک کر باہر نکل پڑتا ہے اور وہی اس کا صحیح حل ہوتا ہے۔ میں بھی جب کسی اُلجھن میں اُلجھ جاتا ہوں اور کوشش کے باوجود اُس کا کوئی اُپائے میری سمجھ میں نہیں آتا' میں بڑے آرام سے اُسے اللہ پہ چھوڑ دیتا ہوں۔ مالک! تو علیم و خبیر ہے بہتر جاننے اور کرنے والا ہے مجھے اُس راہ پہ ڈال دے جو خیر

Scanned with CamScanner

سلامتی کی جانب کھلتا ہو۔ یقین کریں اس طرح سے مجھے کبھی کوئی ناکامی نہیں ہوئی۔ دیر بدیر اس اُلجھن کا کوئی بہتر حل نکل ہی آتا ہے۔"

قلندر بادشاہ نے اپنی بات بڑھاتے ہوئے بتانا شروع کیا۔

"ماموں سے نگاہیں ملاتے ہوئے میں بھی گریز کر رہا تھا۔ ماموں اور ممانی کے تعلقات میں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ دراڑیں دیواروں میں پڑیں دلوں یا تعلقات میں' نتیجہ اس کا اچھا نہیں نکلتا۔ میں خود کو مجرم سمجھ رہا تھا۔ میں اِدھر نہ آتا تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ نیچے اُوپر تین چار روز گزر گئے اور میں اللہ کی جانب سے کسی اشارے کا منتظر تھا۔ کوئی راہ راستہ کھلتا نظر آئے تو اُدھر منہ کروں۔ ایسا ہی ہُوا' جمعرات کا روز تھا۔ ماموں بڑے پریشان' ورکشاپ سے گھر پہنچے' آتے ہی مجھے ساتھ چلنے کا کہا۔ ممانی کے پوچھنے پہ بتایا۔ صاحب کے بوڑھے والد' غسلخانے میں پھسلے اُن کا کولہا اور ٹانگ دو جگہ سے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہو سکے تو تم بھی اُدھر چلو...... قدرت نے مجھے ایک بار پھر اُدھر پہنچا دیا۔ بڑے صاحب ایک لمبے عرصہ کے لیے بستر پہ پڑ گئے اور مجھے اُن کی دیکھ بھال پہ مقرر کر دیا گیا۔

بڑے صاحب! بڑی خوبیوں والے' پڑھے لکھے بزرگ تھے۔ داڑھی مُونچھ صاف' اِس عمر میں بھی پینٹ شرٹ اور سر پہ انگریزی ٹوپی پہنتے تھے۔ پنجگانہ نماز' تہجد بستر پہ ہی اشارے سے ادا کرتے۔ ایک لمبی سی تسبیح ہاتھ میں رہتی جس پہ وہ ہر نماز کے بعد کوئی وظیفہ پڑھتے۔ مجھے وہ اچھے لگنے لگے تھے۔ اُن کی خدمت کر کے مجھے بہت سکون ملتا...... میں پاؤں داب رہا ہوتا تو مجھے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتے رہتے۔ وظیفہ ختم کرتے تو منہ ہی منہ کوئی دُعا مانگتے اور میرے چہرے پہ پھونکتے۔

اُن کی عادت تھی باتیں کرتے کرتے اچانک سو جاتے ہیں' خراٹے توڑنے لگتے...... اور کبھی نیند کے دوران یوں بدک اُٹھتے جیسے کسی نے بجلی کا تار چھوا دیا ہو...... یا کبھی اچانک بیدار ہو کر اِدھر اُدھر جھانکنے لگتے جیسے کسی کو تلاش کر رہے ہوں۔ میں بچہ! اُن کی ایسی کیفیات کو سمجھنا میری عقل شعور سے بعید تھا۔ لیکن یہ سب کچھ مجھے مزہ دیتا تھا' اچھا لگتا...... اپنا لگتا' جیسے یہ کیفیات خود میری اپنی ہوں' مجھ پہ ہی بیت رہی ہوں۔ ریلوے کے بڑے افسر کی کوٹھی تھی۔ میرے علاوہ' رسوئی' جھاڑ پونچھ پہ دو دو ماما ئیں موجود تھیں۔ مالی چوکیدار اور ڈرائیور بھی...... میں عمر قد کا تھا سب سے چھوٹا' ناتواں بے اہل...... پر بڑے صاحب مجھے بڑی عزت محبت دیتے۔ جیسے میں اُن کی نظر میں بڑی کوئی قابل بزرگ ہستی ہوں مخاطب ہوتے تو "آپ" کہہ کر ہوتے۔ قلندر بادشاہ' پورا نام لے کر پکارتے۔ اپنے ہاتھ سے بسم اللہ کہتے ہوئے لقمہ کھلاتے۔ پھل چھیل کر دیتے' کبھی میرا ہاتھ تھام کر کہتے۔ قلندر بادشاہ! میرے لیے دُعا کرو' اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔ کبھی کبھی تو مجھے اُن سے ڈر لگنے لگتا۔ سوچتا' اُن کا یہ غیر حقیقی رویہ کب تک میرا لیے قابل برداشت رہے گا۔ تھوڑی دیر کے لیے بھی میرا نظروں سے

Scanned with CamScanner

اُوجھل ہونا برداشت نہ کرتے۔ ضرورت کے تحت گھر کے کسی اور کام میں مصروف ہوں تو بُرا مناتے۔ میں تو آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک گیا تھا۔ اُدھر ماموں کے گھر نفرت کی بنا پہ ماموں نہ تھا۔ اِدھر صاحب کے ہاں شفقت' عقوبت بنتی جا رہی تھی۔

ظاہر ہُوا محبت یا نفرت...... انہیں نبھانے کے لیے بھی اک قرینہ چاہیے' یہ نہیں کہ جب چاہا چوم چوم کر چہرہ چقندر کر دیا اور جب جی میں آیا جوتے مار مار جودھ پور کا جولا بنا دیا...... کبھی زہر بھی کارِ تریاق کرتا ہے اور کہیں جامِ حیات بھی آبِ مرگ......!

میری موجودگی میں پہلی نوچندی جمعرات تھی۔ مجھے کیا خبر ہر مہینے اِدھر ذِکر حمد و ثنا کی روحانی محفل ہوتی ہے اور بڑے صاحب میرِ مجلس ہوتے ہیں۔ مجھے نئے کیسری کپڑے پہنا کر' سر پہ دستار' گلے میں ہار' ہاتھ میں رنگین عصا' سرمہ خوشبو سے آراستہ کر کے اپنے پہلو بٹھا لیا۔ الٰہی! یہ کیا ہو رہا ہے؟ ذکرِ قلندر یہ' شجرہ شریف' ضروبِ باطنی کے بعد باقاعدہ مجھے گود بٹھا کر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ میرے پیدائشی نام کی تجدید کرتے ہوئے۔ شیر شاہ کی اضافت فرمائی اور کہا۔ بنگال کے تمام صاحب شیر' اس کی اردل میں دیے۔

میری سمجھ بھی نہ آیا کہ میں نے کونسی بے کل گھڑیوں' بے چین لمحوں اور ناآسودہ ساعتوں میں جنم لیا تھا کہ ہر وقت تغیرات کی زد میں؟...... نامساعد حالات کے آسمان سے گرتی ہوئی بجلیاں' میرے ہی آشیانے کے بکھرے ہوئے تنکے کیوں تلاش کرتی ہیں؟ پچھلے کسی جنم کا کوئی اپرادھ یا آنے والے کسی سمے کی کوئی دُرگھٹنا؟ جب کچھ بھی بُدھی میں نہ آتا تو میں خُود کو حالات کے دھارے پہ کھلا چھوڑ دیتا کہ ہو جو سو ہو......؟

اَب کیا تھا لوگ دُعاؤں شفاؤں کے لیے مجھے پکڑنے لگے۔ میرے ذِمے جو گھر کے کاج کام تھے وہ دوسروں کے سر ڈال دیے گئے۔ بڑے صاحب نے مجھے سختی سے باہر نکلنے' کسی سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اُن کی کھاٹ سے جڑ کر مجھے بیٹھنا پڑتا اور اُن کے بتائے ہوئے ورد و وظائف سبق رٹنے پڑتے۔ ساتھ ساتھ قرآن حدیث اور دیگر دینی تعلیم بھی جاری تھی۔

بڑے صاحب اَب صحت یاب ہو چکے تھے۔ اپنے کمرے کی چارپائی چھوڑ کر ملاقات کے کمرے میں بیٹھنے لگے تھے۔ مجھے بھی اُن کے ساتھ ہی بیٹھنا پڑتا...... جو میرے لیے اِک مصیبت سے کم نہ تھا۔ ٹھیک ہے پڑھنے لکھنے کے دن تھے لیکن کھیلنے کودنے کا زمانہ بھی...... جو شاید میری قسمت میں نہ تھا۔

قسمت کے چکر بھی عجب چکر ہوتے ہیں۔ جو چاہیے وہ تو نصیب نہیں ہوتا اور جس کے بارے کبھی سوچا تک نہ ہو وہ گلے پڑ جاتا ہے۔

اَب گلے میں گلابی مقدس منکوں والی مالائیں' انگلیوں میں دُرِ نجف' عقیق' مرجان۔ کلائیوں کی

Scanned with CamScanner

تھما ئیں شانوں سے نیچے اُتر آ ئیں تھیں...... خالص عطر' نجفی سُرمہ' چہرے پر کھلا ہوا رُوحانیت کا نُور......
جیسا نقشہ ماحول سوچ' ویسا ہی منش کا رُوپ سروپ ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد میں یکسر بدل چکا تھا۔ ذکر'
وظیفے' رُوحانی محفلیں' دُعائیں مناجات' نمازیں' نوافل تہجد......!

بڑے صاحب' اَب دن بہ دن لاغر ہوتے جا رہے تھے' کھانا پینا محدود' اکثر غنودگی کی حالت میں خلاؤں میں گھورتے رہتے۔ بات چیت بھی کم...... اَب آنے جانے والے معتقدین اُن سے کم اور مجھ سے زیادہ رجوع کرتے۔ جیسے وہ میری لَو بڑھا کر خود معدوم ہوتے جا رہے ہوں؟

بڑی گیارویں کا ختم شریف تھا۔ تین روزہ تقریبات میں سلہٹ ڈھاکہ' باقر گنج' شیرپور' گوالا بازار' تامل' بولاگھاٹ اور جیلا لانگ سے بڑے بڑے عالم صوفی شیخ تشریف لائے ہوئے تھے۔ ذکر' سماع' نعت وحمد' خطاب کی بابرکت پُرنور مجالس سے خوب رونق رہی۔ لنگر طعام وقیام کا خاطر خواہ انتظام تھا۔ مقامی لوگوں' ہندو مسلمانوں عیسائیوں کے بلاتخصیص مذہب و مسلک فراخ دلی سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آخری دن' آخری تقریب میں اجتماعی دُعا سے پہلے میری دستار بندی ہوئی اور بڑے صاحب نے مجھے اپنی چادر' چوغہ پہنا کر اپنی جگہ پہ تفویض کر دیا۔ حالانکہ اس وقت میں ایک بچہ تھا' جس کے منہ دانت پورے تھے نہ پیٹ کی آنتیں۔ میں کیا جانوں کہ معرفت' حقیقت طریقت اور شریعت کیا ہوتی ہیں؟ ان کے معنی تو چیزے دیگرے...... میں تو ان کے ہجے بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں وہی گوشت وپوست کا شیر خوار بچہ نما ایک لوتھڑا' جو اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت کے تحت' سیلاب کے ریلے میں ایک جھاڑ دار درخت کی پھنگ میں پھنس کر رہ گیا جبکہ باقی کا سب پریوار' ماں باپ بہن بھائی سیلاب میں بہہ گئے۔ کسی دردمند ہندو کی نظر پڑی۔ اُس نے وہاں سے اُتارا۔ خدا کی حکمت کہ ایک دو روز درخت پہ لٹکے اور بن کچھ کھائے پیئے' میں زندہ تھا۔ اک زمانہ' ایک اناتھ آشرم میں پلتا رہا۔ کچھ بڑا ہُوا تو ایک اور آشرم میں پہنچا دیا گیا۔ کوئی نام نہ کوئی شناخت...... دین نہ دھرم؟ پاؤں پہ کھڑا ہونا سیکھا۔ بدھی نے کام شروع کیا تو پھر زندگی کے باقاعدہ سفر کی ابتدا ہوئی۔ اللہ کی حکمت کہ آپ کے ماموں نے مجھے دریافت کر لیا۔ اُن سے ہوتا ہوا' یہاں بڑے صاحب تک پہنچا۔ اُنہیں' خدا جانے کیا چیز مجھ میں نظر آئی کہ اس درویشی کی راہ پہ ڈال دیا۔

- خسرو ندیا پریم کی اُور الٹی جا کی دھار جو نکلا سو ڈوب گیا اور جو ڈوبا سو پار......!

میرے پیرومرشد جو بڑے صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ ایک گپت منش تھے۔ وہ قلندر تھے یا ولی'

Scanned with CamScanner

کسی کو کچھ پتا نہ تھا؟ کچھ لوگ اُنہیں صوفی سالک سمجھتے تھے اور بہت سے عقیدت مند ابدال بھی کہتے۔ اپنے مسلک کے بارے اُنہوں نے کبھی زبان نہ کھولی۔ وہ ہفت رنگ تھے۔ محرم میں باقاعدہ مجلسیں برپا ہوتیں 'سبیلیں لگتیں' ماتم کا اہتمام 'کونڈوں کا ختم' گیارویں شریف' میلاد شریف کی مجالس' قوالیاں' وِرد و درود و سلام کی مجالس...... ذکر جہر و خفی تو شب و روز جاری رہتا۔ یہاں تک غیر مسلموں کے تہوار بھی بڑے جوش و خروش سے منائے جاتے تھے۔ اُن کے روزمرہ میں بھی کبھی یہ احساس نہ ہوتا کہ وہ ایک کٹر مسلمان ہیں نہ ہی لباس' گفتگو اور برت برتاؤ میں وہ کسی خاص فکر حیات کا اظہار نمایاں رکھتے۔ وہ کہا کرتے 'ہم سب انسان ہیں۔ کوئی کیسے جیتا ہے' کس مکتبِ فکر و مذہب سے وابستہ ہے یہ اُس کا ذاتی مسئلہ ہے؟ ہر شخص اپنے طور' اپنے سیاق و سباق سے جینے کا حق رکھتا ہے۔ اُس کا حق مت چھینو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ کسی نا سمجھی یا غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے تو اُس کی اصلاح کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے اعمال' کردار اور انسانی رواداری سے کام لیتے ہوئے ایک خاموش نمونہ بن کر دکھاؤ...... نہ کہ خود کو درست اور اُسے نادرست سمجھتے ہوئے اُس کا اخلاقی استحصال کرو۔

میرے اپنے اندازے میں وہ ایک مہان بھگت تھے جو مذہب مسلک' رنگ و نسل' لسانی' جغرافیائی' بشری معائب محاسن اور تقاضوں سے قطع نظر محض یہ دیکھتا ہے کہ ہر کوئی مجھ سے بہر طور بہتر انسان ہے اور ان کے بے شمار انسانی حقوق مجھ پہ واجب الادا ہیں' بس......!

یہی کچھ اُنہوں نے مجھے سکھایا...... بتایا کہ کائنات کی بیشتر مخلوق' انسان کے تابع ہے۔ اس کی جلمداری میں ہے۔ مخلوقات میں ہر اک کوئی نہ کوئی ذمہ داری اُٹھائے ہوئے ہے۔ کوئی ذی حس' ذی نفس اس سے مبرا نہیں۔ حیوان ناطق' حیوان مطلق' آپس میں کہیں براہ راست اور کہیں بالواسطہ اک دوجے کے مرہونِ منت ہیں۔ سب مخلوق' ایک دوسرے کی آڑ اوٹ سے نمودار پذیر اور فیض یاب ہوئی۔ اِنہوں نے آپس میں شناختیں' خصلتیں' جبلتیں' سرشتیں بانٹ رکھی ہیں۔

قلندر بادشاہ بولے جا رہے تھے اور مَیں کہیں اور پہنچا ہوا سُن رہا یا شاید کچھ سمجھ بھی رہا تھا۔ ہر طرح کے احساسات سے تہی...... مجذوب حق' عاشقِ صادق اور درویشِ کامل کے رُوبرو بیٹھنا' سننا' سانس لینا اور برداشت کرنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا' بڑے بڑوں کے پرخچے اُڑنے لگتے ہیں۔ تپش' توجہ' انہماک' امر' جذب و جذبات کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ آگ لگنے میں بس دو ایک پھونکوں کی ہی کسر رہتی ہے۔ خوش قسمتی کہ میرے پاس ایک دو درویشی ٹوٹکے ہیں۔ جنہیں مَیں ایسے مواقع پہ کام میں لا کر اپنا کسی حد تک بچاؤ کر لیتا ہوں......

نامعلوم طور پہ گہری سی سانسیں لے کر مَیں نے پوچھا۔

Scanned with CamScanner

''باوا جی! مَیں باز آیا! آپ کی روحانی گفتگو سے ناک تک بھر گیا ہوں۔ مجھے یہ بھی تسلی دیں کہ مَیں انہیں سمجھ اور جذب بھی کر سکوں...... باوا! آپ کو مرشد پاک یعنی بڑے صاحب نے شیروں پہ صاحب کیا' اِس کی کوئی وجہ؟...... مَیں اِدھر تین روز سے دیکھ رہا ہوں کہ بڑے بڑے خوفناک شیر چیتے آپ کی حاضری میں رہتے ہیں جیسے وہ جنگل کے بادشاہ نہ ہوں آپ کے پالتو بکرے بچھڑے ہوں؟''

باوا' جس شیر سے ٹیک لگائے نیم دراز تھے' اُس کی گردن پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

''شیر' بہادر' طاقتور' بُردبار اور پُروقار و پُرجلال جانور ہے۔ ان کی بہت سی اقسام ہیں۔ ایک قسم اَسدُ اللّٰہی کہلاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی شیر ہیں جن کی قوت' جراٗت اور جلالت کی بناء پہ مولا علی سے نسبت ٹھہرائی گئی۔ میرے بڑے صاحب کے مُریدوں میں' انسانوں' جنوں کے علاوہ کچھ اور مخلوق خدا بھی شامل تھی۔ نمایاں طور پہ اَسدُ اللّٰہی شیر بھی...... جو زیادہ تر سُندر بَن کے علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔''

جس طرح حیوانِ ناطق میں ولی' قطب' اَبدال' صوفی سالک' دُرویش اور کچھ ملامتی فقیری صفات ہوتے ہیں۔ اسی طرح حیواناتِ مطلق میں بھی کچھ مخصوص ہوتے ہیں۔ اَب یہ الگ بات کہ عام انسانوں کو انہیں جاننے پہچاننے کا اِدراک حاصل نہیں ہوتا۔

شیر' شتر...... گھوڑا' گدھا...... کوا' کبوتر...... ہد ہد' ہما...... تیتر بٹیری...... چیونٹیاں چڑیاں...... ماہیاں مرغابیاں...... اَبابیل' افعی سیاہ...... فاختائیں اور عندلیبیں...... حشرات الارض' بُونوں میں...... مخلوقات ساقط اور حرکتہ...... کچھ ایک پہاڑوں' صحراؤں' سمندروں' جنگلوں اور میدانوں وادیوں میں بھی خاص تشرفات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

شیر' سانپ اور کوّا...... سریت' اسراریت اور رُوحانیت کے حوالوں سے انسان کے زیادہ قریب رہے ہیں۔ آدم کے خلد سے نکلنے' ہابیل قابیل کے قتل' دفنانے کا واقعہ' حضرت نوح سے لے کر حضرت موسیٰ' فرعون' اہرام' ابوالہول' داؤد و سلیمان' آگے بڑھتے آئیں تو نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت' غارِ ثور اور فتح خیبر' کربلا کا میدان...... آگے بڑھیں۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں ولیوں' بادشاہوں' حکمرانوں' نوابوں' امیروں' رئیسوں کی زندگیوں' سرگرمیوں میں شیر' سانپ' گھوڑے' گدھے' کتے' بلیاں' اَبابیل' ہد ہد اور دیگر پرندے جانور بڑے فعال کردار ادا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دُنیا کی بیشتر ترقی یافتہ ملکوں کے قومی نشان بھی اِن سے آراستہ ہیں۔ اِن کو مقدس جان کر پوجا کی جاتی ہے۔ خوش بختی اور کامیابی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اِن کی کھالوں' پَروں' سروں' آنکھوں دانتوں کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ حنوط کیا جاتا ہے۔

کسی بادشاہ حاکم' امیر کبیر کی نشست گاہ' دیوان خانہ دربار' شیروں کی کھالوں اور حنوط چہروں سے خالی

Scanned with CamScanner

نہیں ہوتا۔ ان کی شان شوکت' جلالت وحشمت' زندہ یا مردہ شیر کے بنا مکمل ہی نہیں ہوتی۔ بہادری کے خطاب واعزاز بھی شیر سے متعلق ہوتے ہیں۔ اسداللہ' شیر شاہ سوری' شیر افگن' شیر خان' شیر دل رچرڈ' مائی شیراں والی' بابا شیر سوار وغیرہ۔ اکثر سنا ہوگا کہ فلاں اللہ کا ولی' شیر کی سواری کرتا ہے۔ آدھی رات شیر آتے ہیں۔ اپنی دموں سے صفائی کرتے ہیں۔ اسی طرح سکھ حضرات جو اپنے نام کے ساتھ لفظ سنگھ لگاتے ہیں اس کا مطلب بھی 'سور ما' شیر ہوتا ہے۔ یہ جنگل کا بادشاہ کہلاتا ہے۔''

''آپ کو بڑے صاحب نے شیر شاہ کا لقب دیا' جبکہ آپ کا نام قلندر بادشاہ تھا۔ اب یہ شیروں کا عمل دخل کب سے......؟''

''جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ بڑے صاحب نے پردہ لینے سے کچھ عرصہ پہلے بڑی گیارہویں شریف کی تقریب میں جب مجھے اپنی جگہ پہ بٹھایا تو ساتھ ہی یہ بھی کہا آج سے صاحب شیر تمہارے مطیع ہوئے۔ اُن کی اس بات کے بطونی معنی تو جو بوجہ کھولے نہیں جا سکتے محض اتنا بتایا جا سکتا ہے کہ اُن کے پردہ لینے کے بعد اُن کے ہی حکم پہ میں نے بن باس لے لیا۔ یہ جنگل' وہ جگہ ہے جدھر کسی انسان کا پہنچنا ممکن نہیں' ماسوائے ان چار دنوں کے' جب بڑے صاحب کا عرس شریف ہوتا ہے۔''

''باوا! یہ اتھاہ جنگل' جنگلی وحشی جانوروں کی دنیا...... انسانی معاشرتی دنیا سے بالکل الگ تھلگ' کسی انسان کا ان کے درمیان' زندگی بسر کرنا' کچھ سمجھ نہیں آتا؟ انسانی تقاضے بنیادی ضرورتیں...... یہ سب کچھ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟''

باوا نے نام نہاد سموکنگ پائپ' منہ میں جماتے ہوئے کہا۔

''جب انسان' دوسری مخلوقات کی طرح خود کو ایک مخلوق سمجھ لے کسی لحاظ دوسروں سے خود کو ترجیح نہ دے تو پھر بہت کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ شاید تم اس باریک نکتے کو سمجھ نہ پاؤ کہ خداوند کریم جب چاہتا ہے کسی اعلیٰ مخلوق کو کسی ادنیٰ مخلوق کی دستگیری' رہنمائی پہ مقرر کر کے اُس کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔ اُسی ہی کوئی مصلحت کہ کسی ادنیٰ کو کسی اعلیٰ پہ مقرر کر دے۔ اُس کے لیے دینے' پرکھنے' آزمانے کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ پتھر میں بند کر دے یا قطرے میں...... بیج میں ڈال دے یا سیپ میں...... جھاڑ جھنکاڑ میں اپنا تجلا دکھا دے یا کنکریوں سے کلمہ پڑھوا دے۔ دہکتے تنور سے بیل بنا نکال دیتا ہے۔ دہکتے شعلوں کو گلزار میں بدل دیتا ہے...... اس کے کارخانۂ قدرت میں سب کچھ ممکنات میں سے اور مخلوقات کی بہتری کے لیے...... آپ کے سامنے کہ ایک اُمی کو دونوں جہانوں کے علوم' حکمتیں' عزتیں اور رفعتیں عطا کر کے کل عالموں کے لیے رحمت اللعالمین بنا دیا۔ اللہ کی یہ معصوم مخلوق' جسے ہم شیر کہتے ہیں اپنی درندگی کی اٹل جبلت کے باوجود'

Scanned with CamScanner

درویشانہ طور وطریقت کا خوگر ہوتا ہے۔ شیر اور شاہین میں تصوف کی تائید دیگر تمام جانوروں سے اُتم ہوتی ہے جبکہ صاحب شیروں اور شاہینوں میں جبلی خوں ریزی بھی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ قدرت اُن کو رزق ایسے ہی مہیا کرتی ہے جیسے فقیروں درویشوں کو بن حیلہ فراہم ہوتا ہے۔

باوا کہتے ہیں کہ اس وسیع وعریض سندر بن میں اَب بھی ایسے اَنجانے علاقے موجود ہیں جدھر انسان کو جوڑ پہنچ نہیں پایا۔ ایسی ایسی خطرناک جھیلیں ندی نالے اور اندھی دلدلیں راہ پڑتی ہیں کہ اُن کے پار اُترنا کسی کے بس کی بات نہیں اور اگر کسی بدقسمت نے ہمت کی بھی تو اُس بدنصیب کا نام ونشان تک نہ ملا۔ صدیوں قدیمی اَستھان مندر شوالے زیرزمین بھول بھلیاں تہمی اشکال کی عبادت گاہیں مرتیوگھاٹ زمین اور چھتنار درختوں پہ بنی ہوئی صدیوں پرانی قبریں...... ٹہنیوں پہ لٹکے ہوئے انسانی پنجر...... شیروں اور انسانوں کی ملی جلی ہڈیوں کے انبار جنہیں امتدادِ وقت نے خشک بُوب اور بھربھری مٹی کے ڈھیلوں میں تبدیل کر دیا ہُوا ہے...... اور یہ بھی کہ عہدِ ماضی میں دوسرے سیاروں کی مخصوص مخلوق اس جنگل کے ایک خاص مقام پہ اُترتی رہی اور اس کے واضح نشانات اِدھر موجود بھی ہیں۔''

باوا نے کمال لاپروائی سے میری باتیں سُنیں ذرا سا دھیرج لیتے ہوئے بولے۔

''تمہیں یہ سب کچھ کہاں سے معلوم ہوا؟ تمہاری عمر اور کایا تو ایسے جھمیلوں میں پڑنے والی نہیں؟''

''باوا! اگر میری کایا اور عمر آپ تک پہنچ جانے کی ہے تو ان اَسراروں کی جانکاری کی بھی ہو سکتی ہے۔ ایسی بھید بھری باتیں بڑیا ئیں تو میرے شریر کے اندر بجھی راکھ میں دبی چنگاریوں کی مانند سلگتی رہتی ہیں۔ میں نہیں جانتا ایسا کیوں؟ لگتا ہے جیسے میری آتما ادھر کے بھیدوں بھاؤں کی ہر بھاونا سے خوب واقف ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہر اُس اَستھان کی سُگندھ اور سار محسوس کرتا ہوں جدھر کدھر بھی کسی بدھواں یا مُنی منچھ نے پریم پُران پڑھے ہوں...... الف اللہ الکوزائن اُمثل اَوپ کی آکار پڑی ہو۔ آکاش سے اُپدیش اُتریں...... دھرتی کے بھیتر کا کوئی بھرم بھید چھوئے...... پُروا کے پران چھوئیں تو لگتا ہے جیسے کوئی مجھے پکارتا ہے...... صدائیں دے دے کر اپنے پاس بلاتا ہے۔ سندر بن پہنچنے کی آرزو پچھلے کئی یُگوں سے میرے اندر کروٹیں لے رہی تھی۔ ادھر آپ کے پاس پہنچا تو من کو شانتی ملی۔ شانتی جو پیاس بجھنے کے بعد محسوس ہوتی ہے وصال پانے پہ پہنچتی ہے۔''

میں نے باوا کے گھٹنوں کو چھوتے ہوئے کہا۔

''قلندر بادشاہ شیر شاہ باوا! میں آپ کی طرح نہال ہونا چاہتا ہوں۔ سنسار کی موہ مایا سے دُم دھیرج کر کے اَنت جیون کے وشال ساگر میں بے کار وبے قرار ہونا چاہتا ہوں۔ میں اک لمبی راہ سے ہو کر آپ تک پہنچا۔ اَب مجھے واپس پلٹ کر سنسار کی سمبادھ کی جانب مت جانے دیں...... اُدھر میرا جی نہیں لگتا۔

Scanned with CamScanner

میں اپنے آپ کو توُٹتا توڑتا رہتا ہوں...... دھواں دھواں' دھانسا...... مانند شعلہ بھڑک کر راکھ کیوں نہیں ہو جاتا......؟''

میں اپنے ترنگ میں جانے کیا کچھ کہتا رہا' جب کوئی کن رسیا' من بسیا' روبرو بیٹھا' آپ کی رنگ رس راگ داری سے اپنا را انجھار اضی کیے ہوئے ہو تو بوئی کول اور کھری سُریں نکلتی ہیں۔ سُے کی سنگھٹن بھی اگر سمکھ مل جائے تو بڑا سادھو سنت بھی نادھو مہنت بن جاتا ہے۔ مسیحا کے پیش' مریض کنول کے پھول جیسا پوتر ہوتا ہے۔ بھلے وہ کسی تالاب یا جوہڑ میں کھلے۔ بھلے کے لیے بھلا اور بُرے کے لیے ہر کوئی بُرا......!''

باوانے ہاتھ بڑھا کر میرے سر پہ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے تجھے سویکار کیا۔ خوب جانتا ہوں تو ادھر جنگل دیکھنے نہیں' منگل کی منگنا دیکھنے آیا ہے۔ سوموار کو سوم ناتھ' منگلا مائی کے لیے مانگلیں منگھٹ لے کر آیا ہے' جو سوئمبر جیتنے پہ منگلا کو پہنایا گیا تھا۔

اَب سُن! اگلی صبح سویرے تمام لوگ یہاں سے واپس روانہ ہوں گے۔ پرنتو! ادھر تو پرندھیان کے پرساد چھن تک رُکے گا۔ یہی تیری انت اچھیا تھی۔''

کائنات کے بھی عجیب و غریب طور طریق اور مُوڈ ہوتے ہیں۔ ایک جہاں' دوسرے سے یکسر مختلف' دُنیا میں علیحدہ علیحدہ۔ فطرت' سرشت' جبلت اک دوسرے سے مختصادم...... سمندر! قلندر' مچھ مچھندر...... افلاک نقش پائے صاحب لولاک' رفعتِ تجلی ادراک...... صحرا! اندھا گونگا بہرا' اندر سے اُتھلا' باہر سے گہرا...... پہاڑ! غار در غار' اسرار در اسرار' یومِ نشور رُوئی کے گالے' اُس سے پہلے بوجھ و بھار!

یہ جنگل تھا...... جس کا اپنا ایک اٹل قانون ہوتا ہے۔ قانون بھی کیا' زندہ بچ رہنے کا اک جنون ہوتا ہے۔ اپنا پیٹ بھرے...... دوجا چاہے جیئے یا مرے یہاں کے وسیکوں کا یہی فلسفہ حیات ہے۔ جو طاقتور اور موقع شناس ہے' دھونس دھوکہ دے سکتا ہے وہی ادھر کا شاہ جنگل اور فاتح دنگل ہے اور یہ رتبہ فی الوقت شیر کو حاصل ہے۔ جنگل میں ہو یا سرکس کے بند پنجرے میں شیر' شیر ہی ہوتا ہے۔ اس کی ہیبت و وحشت' انسان سمیت' سبھی جانداروں پہ یکساں طاری رہتی ہے۔ یہاں تک کہ پاؤں تلے بچھے شیر قالین پہ بھی پست ہمت پاؤں دھرنے سے گریزاں ہوتے ہیں۔ مگر دُنیا کے اس مہان جنگل سُندر بن کے اس حصے میں گنگا میڑھی بہہ رہی تھی۔ جنگل کے ازلی قانون کی اُلٹی گنتی جاری تھی۔ بڑے ذی جلال' کمال پُر جمال شیر' جو مخض سوئے ہوئے' پُر ہیبت بھی دکھائی دے جائیں تو اک لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ادھر ان کی بیچ سلطنت' ایک ننگ دھڑنگ مست ملنگ...... پوند پوست واستخواں' بے بست سوختہ جاں' بُسکل وگھائل' بظاہر بودا و سائل منش' کے بردے بنے' اس کی سرکار سر نہوڑے پڑے ہیں۔ حفظِ مراتب کا ایسا خیال'' سانس بھی آہستہ کہ ادب کی جا ہے۔''

Scanned with CamScanner

شیر شاہ سرکار کے اشارہ پہ دُم کھینچتے ہیں۔ قلندر بادشاہ ان پہ سوار ہو کر جنگل کی سیر کو نکلتے ہیں۔ انہیں تکیہ بنا کر لیٹ جاتے ہیں۔ کیا مجال جو کوئی گند پھیلائے' اُلٹی سیدھی حرکت کرے یا آواز نکالے۔ وہ ایسے مہذّب' منکسر مزاج اور معصوم دکھائی دیتے ہیں کہ اشرف المخلوقات ہونے کا دعوے کرنے والا انسان اُن کے سامنے بونا دکھائی دیتا ہے۔ بظاہر حیرانی کی بات ہے کہ خونخوار درندے اپنی جبلّت سے قطع نظر ایسے رویے بھی اختیار کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب ایسا مشکل بھی نہیں کہ یہ سب کسی رجل کامل کی نظر کا فیضان جو فطرت' جبلّت' سرشت تو کیا؟...... قسمت اور تقدیر بھی بدلنے کی قدرت رکھتی ہے۔"

مشاہدے اور تجربے سے معلوم ہوا کہ جو کچھ بھی عالم ہست کے بیچ' صیغۂ معلوم میں ہے وہ دُھویں ہیولے اور اُچٹ سپنے کی مانند بے اعتبار و قرار ہے۔ قرار صرف اور صرف تغیر کے لیے ہے۔ کہنے کو تو فطرت اپنے مسلّمہ اُصولوں پہ تُلی بندھی نظر آتی ہے۔ چاند سورج ستارے' موسم' گرمی سردی' زلزلے سیلاب' ساری تبدیلیاں کسی مربوط نظام کے تحت ظہور پذیر ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ افزودگی' بالیدگی' پیدائش و افزائش اور نمود و نمائش کے لیے بھی فطرت کی کارفرمائیاں' اپنے منتخب راستوں پہ مستقیم...... حیات و ممات' قضاء و قدر' صبر و جبر' اجر و تعزیر بھی اپنے اپنے منطقی عوامل پہ قائم...... لوح و قلم کے فرمان بھی اٹل و صائب...... لیکن یہاں ایک بہت بڑا "لیکن" کہیں سے سر اُٹھاتا ہوا نظر آ جاتا ہے۔ یہ کہ کبھی فطرت' سرشت' جبلّت' خصلت کے بالکل اُلٹ بھی ہو جاتا ہے۔ کلیے قاعدے' اُصول قانون منہ چھپاتے دکھائی دیتے ہیں......"

شیرنی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی نظر آتی ہے۔ اُن سے کھیلتی ہے۔ حفاظت کرتی ہے' مگر یہی شیرنی' ہرنی' نیل گائے کے معصوم دودھ پیتے بچے کو ہلاک کر دیتی ہے۔ مادہ سانپ' مچھلیاں' بلیاں' کتے اپنے ہی بچوں انڈوں کو کھا جاتے ہیں۔ کہیں اژدھا' انسان کو نگل جاتا ہے اور کہیں انسان سانپوں کو کھا جاتے ہیں۔ انسان فطرتاً احسان فراموش' متلوّن' جلد باز' خود غرض' نسیانی' شر پسند' فسادی اور جانے کیا کچھ واقع ہوا ہے۔ کیا کہیے' یہی حضرتِ انسان' دوسروں کی خاطر اپنی جان لڑا دیتا ہے۔ بھوکا رہ کر دوسرے بھوکے کی جان بچا لیتا ہے۔ کسی کا گناہ اپنے سر لے کر سولی پہ چڑھ جاتا ہے۔ حق و باطل کی شناخت کے لیے مجاہد بنتا ہے۔ شہید ہوتا ہے' ایثار قربانی' صبر برداشت اور رواداری کی اعلیٰ ترین مثالیں پیش کرتا ہے۔ انسانیت کے فروغ کے لیے...... طبقاتی' لسانی' مذہبی اور مسلک کی شدت پسندیوں کے خاتمے کی خاطر بھرپور جدوجہد کرتا ہے۔ شداد' نمرود' فرعون' ہلاکو' چنگیز' شمر' یزید' ضحاک' حسن بن صباح' ہٹلر......"

علیٰ ھذا القیاس! بے شمار اس طرح کے انسانیت سوز' ہلاکت و بربادی کی علامت درندہ صفت لوگ دُنیا میں موجود رہے اور اب صرف ان کی بربریت کی کہانیاں موجود ہیں اور یہ رزقِ خاک ہو کر نابود ہو گئے۔

Scanned with CamScanner

ان کے مقابل میں پیغمبر، صحابہ کرام، اولیاء اللہ اور دیگر اللہ کے نیک بندے جنہوں نے اپنی زندگیاں انسانی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیں۔ یہ بھی تو ویسی ہی فطرتیں، جبلتیں، سرشتیں لے کر پیدا ہوئے تھے۔ کتیا شیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہے۔ بلی کی چوہے سے دوستی...... انسان کا بچہ سانپ کے ساتھ سوتا ہے۔ شکرا اور فاختہ ایک پنجرے میں رہتے ہیں۔ تھائی لینڈ اور کوریا میں لا ئے چیتوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ کسی کی فطرت کو کوئی خطرہ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اخلاص اور پیار کے روبرو سب کچھ رام ہو جاتا ہے اور یہ دونوں جذبے اللہ کی مخلوق خوب سمجھتی ہے۔ جب آپ کسی کو اپنے اخلاص اور پیار کا یقین دلا دیتے ہیں۔ چہ جائیکہ وہ دشمن ہی کیوں نہ ہو اس سے ضرر پہنچنے کے امکانات کم سے کم ہو جاتے ہیں۔

انسان کے علاوہ دیگر ارضی و سماوی، بادی، آتشی مخلوقات کو حکمتوں، مصلحتوں اور محبتوں کے کھیل ذرا کم ہی آتے ہیں۔ یہ شرف محض انسان ہی کو تفویض ہے کہ اُسے پھندے سے جان بچانے اور پسلی سے پیکان نکالنے کے ڈیڑھ سو ڈھنگ آتے ہیں۔ پیار و محبت کے اتنے رنگوں سے آشنائی اور ایسی رنگ رلیاں کہ وہ رنگ ساز سے کہیں زیادہ رنگ باز دکھائی دیتا ہے۔ انسان تو انسان کو شیشے میں اُتار لیتا ہے حیوانات، مخلوق کو قابو لانا کیا مشکل؟...... بڑے بڑے گرانڈیل ہاتھی، گینڈے، تیندوے، عظیم الجثہ وہیل، ڈولفن، مگرمچھ دریائی گھوڑے اس کے اشارۂ ابرو پہ عمل پذیر ہوتے ہیں۔ جبکہ یہ سب انسانی عقل و حکمت، عمل و مشق کے کرشمے ہیں۔ ان میں محض تکرار اصرار، بھوک خوف اور حیوانی نفسیاتی سے کام لیا جاتا ہے۔ ہاتھی گینڈے کے لیے کسی انسانی وجود کو سونڈھ یا پاؤں سے ختم کرنا کیا مشکل؟ شیر کے جبڑے میں قابو انسانی سر کس طرح سلامت رہتا ہے؟ کیا یہ رنگ ماسٹر کے ہاتھ میں پتلی سی چھڑی کا خوف ہے یا اس کے پیار، حکمت سے مسلسل مشق، برتاؤ کا اعجاز؟ جبکہ اس ساری تگ و دو کا ثمر محض دُنیا اور پیٹ کا سامان مہیا کرنا اور داد و دہش سمیٹنا ہوتا ہے۔

قلندر بادشاہ المعروف شیر شاہ سرکار کے ہاں شیروں والا معاملہ ایسا نہ ہوا۔ یہ سُندر بن تھا نہ کہ جیمنی سرکس! جدھر شیروں کے جبڑوں میں انسانی سر ڈالے جاتے۔ آگ کے حلقوں سے گزارا جاتا۔ ان پہ سواری کی جاتی، پچھلے پاؤں پہ کھڑا کروا کر چلوایا جاتا تھا...... یعنی جنگل کے بادشاہ کے اندر سے بندر نکلوایا جاتا...... اور دکھایا جاتا کہ پچکے پیٹ کی بھوک اور سُوکھے چمڑوں تازیانے کا خوف، جنگل کے بادشاہ کو کیسے بھیگی بلی سے بھی بدتر بنا دیتا ہے۔ غلام ہونا یا بن جانا کوئی ایسی اچنبھے کی بات نہیں بلکہ اعزاز ہے۔ صرف یہ دیکھنا ہوتا ہے کوئی کن معنوں میں غلام ٹھہرا اور کس کے آگے......؟ ایک ہوتی ہے تن کی آزادی اور ایک ہوتی ہے مَن کی آزادی! اسی طرح تن اور من کی غلامی بھی ہوتی ہے۔ دونوں حالتوں کے مادی اور رُوحانی معنوں اور قدروں کا فرق ہوتا ہے۔ ایک انسانی تذلیل و تحقیر کے معنوں میں اور دوسرا رُوحانی رفعتوں رسائیوں کی

Scanned with CamScanner

ذیل میں آتی ہے۔"

بات' مالک کے ہاں رسائی کی بھی ہوتی ہے کہ آگے رسائیوں کے بھی درجات و مقامات ہوتے ہیں کوئی بلال تک پہنچتا ہے تو کوئی ایاز تک رہتا ہے۔ کسی کے در پہ ٹکے رہتے ہیں کسی اردل میں شیر...... کہیں حشرات الارض اور کہیں طائرانِ فضا و ہوا...... جنات' رجالِ افلاک اور قدسیوں تک سلسلہ بڑھتا ہے۔

بات آگے بڑھتے بڑھتے کہاں تک جا پہنچی۔ اصل بتانا تو یہ مقصود تھا کہ شیر شاہ سرکار کی اردل میں شیر تھے اور باوا جنگل میں اُن کے درمیان...... انہوں نے مجھے اک غیر معینہ عرصہ کے لیے ادھر رُکنے کا حکم دیا تھا میں چاہتا بھی یہی تھا کہ باوا کی طرح اسی جنگل میں جیون بتا دوں۔ باہر کی دنیا میں کیا تھا' لوٹ کھسوٹ' نفا نفسی' جھوٹ منافقت اور دین دھرم کے نام پہ اک دوجے کے گلے کاٹنا......؟ ادھر راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ یکسوئی' شانتی...... نہ کمانے کی فکر نہ کھانے پینے کی چنتا۔ رشتہ دار اور نہ کوئی دوست' بیوی بچے گھر' گاڑی' بل' ٹیکسی اور نہ کہیں لڑائی جھگڑا...... یہاں جنگل ہی جنگل' جھاڑیاں درخت' پودے' پرندے جانور' قدِ آدم اونچی گھاس کہ آدم زاد کھڑا ہو تو دکھائی نہ دے۔ شیر چیتے' بندر' گیدڑ' لومڑ' سانپ اژدہے اور ہزار اقسام کے پنچھی' مکھیاں' ذلدیں اور جھیلیں جوہڑ...... جنگلی پھل' بیر انگور' کھنل' جنگلی کیلے اور گولا نا شپاتیاں' نارنگیاں' ناریل' شہتوت اور سیب نما ایک پھل' جسے ادھر کی زبان میں کٹوبا کہتے ہیں۔ شہد کی مکھیاں اور جا بجا لٹکتے ہوئے چھتے...... بنفشہ' بادیان کے پڑے کے پڑے۔ خود رو حشیش' خس خس کے ڈوڈے...... جنگلی پھولوں بیلوں کی بہاریں۔ سب کچھ تھا اس خلد میں' سورج چمک رہا ہو یا بادل چھائے ہوئے...... گرمی' سردی' آندھی ہو یا طوفاں...... مگر یہاں سدا بہار سا سماں...... جیسے گھنے جنگل کے سارے سامان' موسموں کو من مانیاں نہیں کرنے دیتے...... اپنے بھیتر کی شیتل رُتوں کو سدا ایک سار رکھتے ہیں۔ یہاں کسی کو ایک دوسرے سے ضرر نہ تھا...... نہ کوئی آپس میں اجنبی...... سمرنی کے دانوں کی طرح' آپس میں بندھے ہوئے اور الگ الگ بھی......!

اگلے روز پھر دم زائرین رخصت ہو رہے تھے۔ باوا سرکار نے فرداً فرداً سب کو کچھ نہ کچھ تحفے دانے' جنگلی اناڑ' جن سے اناردانہ تیار ہوتا ہے۔ مازاپودے کی مسواکیں' بیتا پھل کے بیج اور خشک ڈوڈے' جن سے مالائیں اور تسبیحیں' سمرنیاں اور گلے بازو کے جوشن بنتے ہیں۔ جوشاندے کے پھول اور ملٹھی کی ٹہنیاں' نمو کے کھنل بیر' جوں جوں پڑے رہیں' توں توں رسیلے' کھٹے میٹھے سوادی ہوتے ہیں۔ سرخ یاقوت دانوں کی مانند دھلکیں مارتے آنکھیں خیرہ کرتے ہیں۔ جنہیں منہ میں ڈالنے کی بجائے دیکھتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ منہ پڑ جائیں تو کھنل باہر نکالنا مشکل پڑے۔ میٹھا تو کبھی کھٹا' تلخ تو کبھی کسیلا' نمکین تو کبھی ممولا۔ اس کے بھی

Scanned with CamScanner

اُسے نکلنے' زباں تکے۔ نچوں نچوں گٹھلی سفید ہو جائے پر منہ سے باہر پھینکنے کو دل نہ چاہے۔ لونڈیوں بالیوں کا من بھاتا مشغلہ! جیون کے سارے رنگ اُمنگ' سواد' ننھی سی گٹھلی میں سمائے ہوئے...... موم بتیاں بنانے کے لیے شہد کے خام چھتے۔ کپڑے لتوں کو مایا چڑھانے کے لیے بھگوار کے خشک پتے۔ اگر اور چندن کے خوشبو...... خوشنما پرندوں کے پر' انڈوں کے چھلکے۔ مار سیاہ اور افعی سُرخ کی کینچلیاں کہ دُکھی آنکھوں' پڑوال' آشوب ضعفِ بصر' کالا موتیا' نکروں کی گھناول کے لیے اکسیر...... کئی بدبختوں نے شیر کی چربی' مونچھوں کے بال' ناخن کی کھوج نکالنی چاہی' باوا نے نامراد نکال دیا۔ آنے والا حصار' جاتے وقت بھی زائرین کے گرد لگایا گیا۔ دُعا سلامتی کے بعد قافلہ روانہ کر دیا گیا۔

● حیرانی اپنے پنکھ کھول دیتی ہے......!

زائرین سے جنگل ہلکا ہوا تو ادھر کا ماحول بھی یکسر بدل گیا۔ برکھا برسنے کے بعد اک جاں لیوا سا گھٹن طاری ہو جاتی ہے۔ ادھر بھی یہی کیفیت ذرا آئی تھی' لیکن تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت اِک حیران کن خوشگواری میں بدل گئی۔ چشم زدن میں چاروں اطراف سے جنگلی جانور' پرندے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ جھاڑ جھاڑیوں' گھاس پھونس' درختوں کے ڈال ٹہنیاں جدھر بھی نظر کرو' اُدھر ہی جانور ہی جانور' پرندے ہی پرندے دکھائی دے رہے ہیں۔ اپنے اپنے طور وطریقے سے اِدھر کی صفائی کرنے میں مصروف ہیں۔ کھانے پینے کی بچی کچھی اشیاء' گٹھلیاں چھلکے' دیگر اُلم غلم جو بھی پڑا دکھائی دے رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھکانے لگا دیا کھا لیا...... ضرورت کا اپنے گھونسلوں کھنڈوں کھاڑوں میں پہنچا دیا۔

قلندر بادشاہ' اِک عجب طمانیت سے اپنے گھاس پرال کے کھوڑے پہ آنکھیں موندے پڑے تھے جیسے تین چار روز کی مسلسل مشقت سے نڈھال ہو گئے ہوں۔

جنگلوں میں صبح دوپہر شام کا کچھ پتا نہیں پڑتا۔ سورج یا مہاراج کی چنچل کرنیں' گھنے گھور پیڑوں میں سے کہیں راہ رستہ پا کر اندر گھس بھی آئیں تو وہ اُدھر کی شاما شانتی سے یوں شردھ ہوتی ہیں کہ واپسی کی راہ کھو لیتی ہیں۔ جنگل کے اندر سماں بھی جیسے رِشی پیڑوں کی آشیرواد لے کر نچنت پڑ جاتا ہے۔

باوا سرکار اور میرے علاوہ کوئی تیسرا متنفس' یہاں موجود نہیں تھا۔ زائرین کے رُخصت ہونے کے بعد مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ باوا' اُدھر اکیلے رہتے ہیں۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ انسان' اِس طرح بھی زندگی بسر کر سکتا ہے؟ میں ہلکا سا متردّد ہوا تھا کہ اچانک باوا سرکار اُٹھ بیٹھے۔ بڑی رسان سے بولے۔

Scanned with CamScanner

''بھیا! قافلے والے ابھی ایسی بھی دُور نہیں پہنچے ہوں گے۔ مَیں حاجی ضیغم علی سے کہتا ہوں' تمھیں اُن تک پہنچا آئے۔'' ایسا بول کر وہ دوبارہ لیٹ لیے۔

مَیں سوچنے لگا' ہم دونوں کے علاوہ یہاں کوئی تیسرا فرد موجود نہیں...... پھر یہ حاجی ضیغم علی کہاں سے آیا؟...... ابھی غور میں ہی تھا کہ باوا سرکار پھر اُٹھ بیٹھے۔ آنکھیں موندھے موندھے کہنے لگے۔

''کیا یہ ضروری ہے کہ جو دکھائی دیتا ہے وہ اصل میں بھی موجود ہو اور جو نظر نہیں آتا وہ لاوجود ہو۔ ہماری ظاہری آنکھ تو سیدھے کو اُلٹا اور اُلٹے کو سیدھا دیکھتی ہے۔ اس کی گواہی ہم کیسے سچی مان سکتے ہیں؟...... حاجی صاحب! او حاجی صاحب!''

پیچھے جھنڈ سے ایک پُرہیبت شیر نکل کر ہمارے سامنے سر نیوے آکھڑا ہوا۔ مَیں دیکھتا رہ گیا۔ شیروں کے تذکرے بہت سنے' اِدھر پہنچ کر بنفسِ نفیس دیکھے۔ تین چار روز اِن کے آس پاس گزارے بھی۔ اَب تو اِن کا خوف بھی جاتا رہا تھا۔ مگر اِن کے نام اور کام اِنسانوں کی طرح بھی ہوتے ہیں یہ آج اور ابھی معلوم ہوا۔ باوا سرکار نے اِک لمبی سی انگڑائی توڑی' بلکہ کسی خشک ٹہنی کے ٹوٹنے کی باقاعدہ آواز تک سنائی دی۔ بڑے بے رَس لہجہ میں بولے۔

''چھوٹی سی بات سمجھ میں نا ہیں آ رہی' انسان! شیر' نام رکھ سکتا ہے تو شیروں کو اِنسانوں والا نام دینے میں کیا قباحت پیش آ سکتی ہے؟ اور حج عمرہ بھی محض اِنسانوں مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے دوسری مخلوقات' کیا اللہ کی پیدا کی ہوئی نہیں ہیں؟...... بھیا! وہ ربّ العالمین ہے۔''

جواب پا کر خجل سا ہو گیا۔ یہ بھی کہ سوال' ابھی میرے ذہن میں ہے' ہونٹوں پہ نہیں آتا...... مگر جواب کھٹ سے مِل جاتا ہے۔ اِس کا جواب بھی مِل گیا۔ فرمایا!

''خوشبو یا بدبو' اِنسان سے خارج ہو تو پاس بیٹھے ہوئے محسوس کر لیتے ہیں اور سوالات' خیالات' جذبات' احساسات یوں ہی کہ پَر نہیں' پر طاقتِ پرواز سوا ہوتی ہے۔ حاجی صاحب! یہ واپس جانا چاہیں تو مرکب بن انہیں قافلہ تک پہنچا دیں۔ وہ لوگ ابھی چند بن تک ہی بمشکل پہنچے ہوں گے؟''

حاجی ضیغم علی' اپنی جگہ سے سرک کر میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مَیں نے بوکھلا کر جو باوا سرکار کی جانب دیکھا تو وہ پھر اونگھ میں چلے گئے تھے۔ اس کے بعد کی کتھا یاد نہیں کہ مَیں نے بھی وہیں پڑ کر اِک لمبی اُونگھ لے لی تھی...... کہا جا سکتا ہے کہ مَیں اس ناگہانی صورتِ حال کو برداشت نہ کرتے ہوئے بے ہوش پڑ گیا تھا۔

بے ہوشی تب طاری ہوتی ہے جب اُوسان مکمل طور پہ اپنا کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ظاہری اور باطنی اعصاب بے حس پڑ جاتے ہیں۔ انسانی کبوتر' ناگہانی پریشانی کی بلیوں کو سامنے پا کر آنکھیں سختی سے میچ لیتا

Scanned with CamScanner

ہے۔ پھر جب کہیں آنکھ اُچٹتی ہے تو وہ اپنے تمام تر سپیئر پارٹس کے ساتھ بلّی کے پیٹ کے گودام میں ہوتا ہے۔ مجھے بھی منطقی طور پہ بلّی کے بھانجے کے پیٹ میں ہونا چاہیے تھا مگر بوجوہ ایسا نہ ہو سکا۔ ہوش برابر ہوئے تو مَیں گھاس پھوس کے فرش پہ پڑا تھا۔

ایک لنگور نما بندر' جو ڈیل ڈول اور وضع قطع کوئی اُستاد ما لشیا معلوم ہوتا تھا۔ زور زور سے میرا سر سہلا رہا تھا۔ دو جوان سی بندریاں' میرے تلوے چاٹ رہی تھیں۔ آنکھ اُوپر کی توحدِ نظر تک درختوں کی بُلندیاں' سرسبز شاخساریں' چہکتے پرندے اور کہیں کہیں جھانکا اکاتی ہوئی سُورج کی سُنہری کرنیں۔ فرطِ بہجت سے میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ مجھے لگا' بنکاک کے کسی اعلیٰ قسم کے مساج پارلر میں پڑا ہُوا مساج سپیشلسٹ سے ٹریٹمنٹ کروا رہا ہوں۔ موقع بہ موقع انسان' آسودگی خوشی' دل بہلانے کے بہانے تلاش کرتا رہتا ہے اور اگر ایسے مواقع' اُسے مفت یا اتفاق سے نصیب ہو جاویں تو مالِ مفت' دلِ بے رحم کے مصداق' خُوب لُطف اندوز ہوتا ہے' فائدہ اُٹھاتا ہے۔ مَیں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت میں آنکھیں مُوندھے پڑا سکون لے رہا تھا۔ بندروں کے ہاتھ پاؤں' انسان سے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ ہر وہ کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دے سکتے ہیں جو انسان کے لیے ممکن ہوتے ہیں۔ اس کے جبلّی جنسی اور نفسیاتی اور سماجی رَوّیے انسان سے بڑا لگا کھاتے ہیں......!

آرام سکون اور عیش کا زمانہ بڑا مختصر! اس کی مُدت ختم ہونے سے پہلے اگر انسان خود کو ان کیفیتوں سے باہر نکال لے یعنی بھرا میلہ چھوڑ دے تو یہ اس کی خُوش بختی' ورنہ وہ عیش و عشرت' سکون و آرام کا خوگر ہو کر بربادیوں کی دلدلوں میں ڈوبنے لگتا ہے......!

اس بات کی تائید میں ایک بہت خوبصورت اور برمحل مثال پیش ہے۔ صبح دَم نیند' اپنے پورے جوبن اور مستی میں ہوتی ہے۔ دیگر الفاظ میں' صبح کاذب کی نیند' نوم کامل ہوتی ہے۔ نیند کی مستی میں ڈوبا ہُوا انسان' دین و دُنیا سے بے نیاز مرگِ صغیرہ کی آغوش میں خوابِ خرگوش کے مزے لُوٹ رہا ہوتا ہے۔ اک میکش کی مانند مست حال ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ نیند کی فسوں خیز غفلت کو کُلی طور خود پہ طاری نہ ہونے دو۔ اس سے پیشتر کہ تم آہِ سحر گاہی اور برکاتِ صبح خیزی سے محروم رہو فوراً اپنے آرام دہ بستروں کو چھوڑ دو...... مطلب کہ کیف و نشاط کے لمحات کو طوالت مت دو...... اُدھورا رکھو تا کہ تم تجاوز کرنے والوں میں شمار نہ کیئے جاؤ۔

مَیں بند آنکھوں کے مزے سے باہر نکل آیا تھا۔ سر جھٹک کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ سہلانے والے بندر کھی کھی کرتے ہوئے اِدھر اُدھر ہو گئے۔ میدان خالی پا کر' بادلِ نخواستہ اُس جانب ہو لیا جدھر حاجتِ ضروریہ کے لیے جنگل کا اک مخصوص حِصّہ تھا۔ اُدھر جاتے ہوئے راہ میں ایک پتلی سی آب جُو پڑتی تھی۔ جس پہ آسانی سے چھلانگ کر گزرا جا سکتا تھا۔ صاف شفاف میٹھا پانی...... خدا جانے کہاں سے آتا تھا؟ وضو غسل اور پینے

Scanned with CamScanner

کے لیے پانی یہیں سے حاصل کیا جاتا۔ ذرا آگے بڑھا تو باوا جی سرکار وضو کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ حاجی ضیغم علی اور صوفی صدر دین دائیں بائیں کھڑے ہیں۔ میرے اُدھر آنے کی کن سُن پاتے ہی صوفی صدر دین نے اپنے مخصوص اشارہ سے باوا جی سرکار کو مطلع کیا۔ اُنہوں نے میری جانب دیکھتے ہوئے تبسم فرما کر کہا۔

''اچھا ہوا بے خود پڑ گئے' بچ گئے...... اب ہوش میں ہو اور بھی بہتر ہوا۔''

خیالات کا ابہام' خرابی پیدا کرتا ہے۔ انسان وہی کچھ ہے جو وہ سوچ رہا ہوتا ہے اور جس نے اپنی سوچ اور خیال پہ قابو پا لیا' خودی کی ایورسٹ کو سر کر لیا' اُسے دھیان کا گیان مل گیا۔

''جلد فارغ ہو...... وضو کرو' اشراق کا وقت نکل رہا ہے۔''

اِک دم میرے اندر سے نئے سوال نے سر اُٹھا لیا کہ انسان اپنی سوچوں اور خیالات پہ قابو کیونکر پا سکتا ہے یہ تو اُس کے بس سے باہر ہے۔ مگر اس وقت' کچھ پوچھنے کا محل نہ پا کر جھکے سر آگے بڑھ گیا۔''

آج میرا اُدھر جنگل میں پہلا روز تھا جس کی شروعات صبح صبح بے ہوش ہونے سے ہوئی تھی۔ باوا سرکار اور میں...... دو انسان' باقی سب اِدھر وہ مخلوق جو صلبِ آدم میں سے نہ تھی۔ خوبصورتی یہ تھی ہم میں سے کسی کو یہ احساس تک نہ تھا کہ ہم مختلف حوالوں سے الگ الگ مخلوق ہیں۔ طرزِ زندگی رویے ضروریات' اخلاقیات' سزا جزا' شکل وصورت' جینا مرنا' کچھ بھی تو ملتا جلتا نہ تھا۔ ڈر خوف نہ کوئی اجنبیت۔ ایک پریوار کی طرح' جن کے کاکا دادا مرشد' باوا شیر شاہ' شاہ بادشاہ تھے۔ اُن کا ہم نفس' اِک میں...... جسے نہ جانے کس مصلحت کے تحت' اِدھر روک لیا۔ باوا سرکار کے اسی فیصلے پہ لوگوں نے جہاں تعجب کا اظہار کیا' وہاں یہ بھی بتایا کہ باوا نے کبھی کسی کو اِدھر رُکنے کے لیے نہیں کہا اور نہ ہی کوئی اس خطرناک جنگل میں رہنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ لوگ تو یہاں تک کہتے' اس جنگل میں جنات کے بسیرے ہیں جنہوں نے شیروں کا روپ لیا ہوا ہے۔ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ سارے سُندر بن کے شیر' آدم خور ہیں ہر سال سیکڑوں لوگ ان کی درندگی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ باوا سرکار والے شیر' سُندر بن کے شیر نہیں' کوہ قاف سے اِدھر مہاجرت کیے ہوئے جنات ہیں' جن کا سلسلۂ طریقت کنعف نامی اُس بزرگ جن سے ملتا ہے جو شہنشاہِ جنات و چرند و پرند و درند' حضرت سلیمانؑ کا مصاحب تھا اور یہ بھی کہ باوا سرکار کے مرشد' المعروف بڑے صاحب کے ہاں بھی اکثر جنات آتے جاتے رہتے تھے۔ بلکہ اُن کے ملازم' جو عرصہ دراز سے اُن کی خدمت پہ معمور تھے۔ باوا سرکار کے آنے پہ اُنہیں واپس کوہ قاف جانے کی اجازت مل گئی تھی اور یہ سب شیر' اصل میں بڑے صاحب کے مرید ہیں۔ اُن ہی کے حکم سے اب باوا سرکار کی حاضری میں ہیں۔

Scanned with CamScanner

عرس کے دوران' ایک بوڑھے نیم مجذوب کی زبان سے کہیں نکل گیا۔ جنگل کا یہ حصہ' جدھر باوا صاحب براجمان ہیں۔ جنات کا بہت بڑا جن اڈہ ہے۔ چوبیں گھنٹے ادھر جنات کی پروازیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ باوا سرکار اس جگہ کے بڑے افسر ہیں۔

میں نے اس قسم کی عجیب و غریب باتیں ایک کان سے سنی اور دوسرے سے باہر نکال دیں۔ کسی معقول بات پہ توجہ دی جا سکتی ہے مگر ہنگلز پہ دھیان دینا' حماقت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ویسے بھی میں ایسی مافوق الفطرت باتیں سننے اور انہیں ہضم کرنے کا عادی ہو چکا ہوں۔ میرا وجدان ایسی باتوں کا دودھ اور پانی فوراً علیحدہ کر لیتا ہے۔

بادی النظر میں دیکھا جائے تو زندگی' شاید صبح سے شام' کچھ ادھر اُدھر کے کام اور کچھ آرام کرنے کا نام ہی ہے۔ کچھ دُنیادار دھن دولت کمانے' اچھا پہننے کھانے رہنے کو زندگی کے معنی دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں کے لیے عزت شہرت کامیابی صحت مندی' شادکامی ہی زندگی کی ذیل میں آتی ہیں مگر کچھ لوگ عجیب سی منطق اور کھوپڑی کے مالک ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا کسی ایک بھی چیز کے مالک یا طالب نہیں ہوتے' وسائل اور قدرت رکھتے ہوئے بھی ان مکروہات سے گریزاں رہتے ہیں بلکہ خود کو ایسے راستے پہ ڈال دیتے ہیں جو اُن سے بالکل متصادم ہوتا ہے۔ یعنی اُلٹے پانی کی مچھلیاں...... جسم و جان میں چھوٹی' دیکھنے پرکھنے میں کھوٹی کلوٹی...... مگر ذائقے' ذکاوت اور ذہانت میں بڑی موٹی......!

ایسے لوگ " کچھ لو اور کچھ دو"...... جیسے عالمگیر مروجہ اُصول کی سراسر نفی ہوتے ہیں۔ للعجب وہ اس صریحاً انحراف کے نتیجہ میں یکطرفہ طور پہ کیونکر سلامت رہ پاتے ہیں جبکہ انسانی پتلے پہ لادی ہوئی زندگی تو آگے پیچھے جڑی ہوئی ضرورتوں' خواہشوں' خود غرضیوں' دھوکہ بازیوں اور محبتوں نفرتوں سے لتھڑے ہوئے ایسے چیتھڑے کی مانند ہوتی ہے جسے صاف کیا جا سکتا ہے اور نہ مزید گندا...... کچھ خوشبوئیں اور بدبوئیں' محبتیں نفرتیں' خوشیاں اور غم یوں بھی کہ ہزاروں زندگیوں اور سیکڑوں موتوں کے بعد بھی اپنے ہونے کے نشان قائم رکھتے ہیں۔ بس! اس چیستان حیات میں یہی کچھ تو ہے......

> اس شرط پہ کھیلوں گی پیا پریم کی بازی
> جیتوں تو تجھے پاؤں ہاروں تو پیا تیری

زندگی بس کسی ایسے ہی یار طرحدار کی طرح جس میں کوٹ کوٹ کر ہرجائی پن' چالاکی مکاری بھری ہو...... وہ اپنے اشارۂ ابرو سے جو چاہے انجام لکھ دے۔

یہ مست ملنگ' بوٹی کبھی بھنگ' مرلی کبھی چنگ' سنگ ہی سنگ' رنگ ہی رنگ' ننگ ہی ننگ...... اپنے

Scanned with CamScanner

رُوبرو خود بیٹھ کے منگ پتا کھیلنے والے' جیت بھی اپنی پٹ بھی اپنی...... اپنا حساب خود ہی برابر کرنے والے...... ٹھنڈی چٹکی کے دُھڑدڑ دانے' آلو بھی کھانے' ٹکٹے نمانے...... جیون جوگے' مرجانے...... ان کی دُنیا میں الگ' ان کے جنگل بیلے دُکھڑے...... مسجدیں' مندر گرجے' گردوارے' سب اللہ میاں کے پچھواڑے۔ کوئی انہیں سائیں کہتا ہے کوئی شاہ اور کوئی آرائیں' مُرشد تو کوئی پیر...... صوفی ہے تو کوئی بابا...... ملامتی ہے تو کوئی کرامتی؟...... مگر ہیں یہ سب سلامتی۔ سب کی خیر مانگیں' بھلا چاہیں اور سینے سے لگائیں۔

باوا قلندر بادشاہ تو پیدا ہی قلندر ہوئے تھے۔ دودھ پینے کی عمر میں سیلاب نے گود میں لے لیا۔ وہاں سے ایک پیڑ نے اُچک لیا۔ ایک بھلے مہاشے نے وہاں سے اُتار کر اناتھ آشرم کے سپرد کر دیا۔ وہاں سے ہوتے ہوتے یہ بڑے صاحب جیسے گپت قلندر کی نگاہوں کی دھار پہ چڑھ کر صیقل ہوئے۔ اُن کے تجاب لینے پہ انہیں اس سندربن کی جاگیر عطا کر کے اِدھر آدم خور شیروں کی کچھاروں میں بھیج دیا گیا۔ بھلا اِدھر بھیجنے کی کیا تُک بنتی تھی؟ کسی بزرگ کے پاس' مدرسے' دارالعلوم میں بھیجا جا سکتا تھا۔ جدھر علم' ہدایت' نصیحت یا تبلیغ و تعلیم ہوتی۔ انسانی قدروں پہ مشتمل معاشرہ...... نہ کہ جنگل جنگلاس' درندے پرندے کہ ان کے درمیان بڑا اچھا بندہ بھی بندر بن جائے۔ معلوم نہیں جوگی بیراگی' بھگت سنیاسی' مفرور لٹیرے' معتوب' عشق میں چوٹ کھائے ہوئے۔ نروان گیان ڈھونڈنے والے رَمتے کملے بالآخر جنگلوں ویرانوں میں کیوں دل لگا لیتے ہیں۔''

حیرانی کی بات کہ کسی اچھے بڑے مقصد کے تحت جنگل میں رہنے والے شاذ ہی کبھی کسی درندے' عارضے یا حادثے کا شکار ہوئے ہوں۔ خوفناک درندے آگے پیچھے گھوم رہے ہیں۔ خطرناک سانپ بچھو مچھر' نڈے چیونٹے زہریلی مکڑیاں مکھیاں آس پاس منڈلا رہی ہیں۔ بندر شرارتیں اور منہ چڑا رہے ہیں۔ ٹارزن بھی تمام عمر جنگلوں میں رہا۔ کیا مجال کبھی وہ بیمار پڑا ہو یا کبھی اُسے لباس' جوتے یا حجامت بنوانے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔ سردی گرمی ننگا...... کھانا بناتے کھاتے یا نہاتے دھوتے بھی کسی نے نہ دیکھا۔ عجیب آزاد مرد ہوتا تھا۔

لمبے نسوں کے ٹارزن اور اس دورِ جدید کے ہمارے باوا قلندر شاہ کے مابین بہت سے تفاوت تھے۔ پہلا تفاوت تو زمانہ وقت تھا ٹارزن کسی زمانے میں نہ جانے کن حالات کے تحت جنگل میں پہنچ گیا ہوگا۔ کوئی جنگلی جانور' از قسم بندر گوریلا ریچھ وغیرہ اُسے اُٹھا لائے تھے یا وہ جنگل کی راہ پہ کسی قافلے سے بچھڑ گیا تھا جو بھی ہوا' وہ بچپن ہی سے جنگل میں جانوروں کے درمیان رہا' جانور بھی اُس سے ہل مل گئے تھے اور وہ بھی خود کو ان میں سے ہی سمجھتا تھا۔ فرق صرف دو پاؤں اور چار پاؤں کا تھا۔ باقی سب کچھ ایک سا ہی...... اُن وقتوں میں بجلی بھی نہیں تھی۔ موٹر گاڑیاں جہاز بھی نہ تھے۔ الیکٹرونک سامان کا تصور تک نہ تھا۔ یعنی وہ پتھر کے زمانے سے ذرا بعد کا زمانہ ہوگا۔ اُن وقتوں میں انسان اور حیوان' اک دوسرے کو ایک ہی برادری سمجھتے ہوئے مل جل کر

Scanned with CamScanner

وقت گزارتے تھے۔ جیو اور جینے دو کے فلسفے پہ عمل کرتے ہوئے حتی الوسع برداشت سے کام لیتے تھے۔ انتہائی بھوک یا جبلّت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بڑی معذرت کے ساتھ ایک دوسرے کا شکار بھی ہو جاتا تھا۔ مگر اب وہ وقت دور نہ رہا تھا۔''

انسان نے علم و فنون میں بڑے معرکے سر کر لیے‘ سائنس ٹیکنالوجی کے مختلف شعبوں میں خوب ترقیاں ہوئیں‘ سمندروں کو کھنگال ڈالا‘ چاند ستاروں پہ کمندیں ڈال دی تھیں۔ لکڑی کی خاطر جنگل کے جنگل صاف کر دیے۔ اچھے اچھے جانوروں کو چڑیا گھروں کی زینت بنا دیا۔ نایاب قیمتی ہڈیوں‘ دانتوں کھالوں بالوں اور دیگر اعضاء کی خاطر جانوروں کا قتل شروع کر دیا۔ اس استحصال کے نتیجہ میں جنگلی حیات آہستہ آہستہ معدوم ہوتی چلی گئی۔ بچے کھچے جانور اپنی جانیں چھپاتے پھرے‘ ایک دوسرے سے بدکنے لگے۔ انسان‘ جانور مار ہو گیا اور جنگلی جانور مردم خور ہو گئے‘ جس کے جو ہاتھ لگا وہ نابود ہو گیا۔''

کچھ جانور یوں بھی کہ جن کے لیے عام حالات میں انسان کو ضرر پہنچانا ضروری نہیں ٹھہرتا تھا۔ اکثر ایسا ہوا کہ پگڈنڈی سے راہرو گنگناتا ہوا گزر گیا ہے اور چار پانچ فٹ پرے خوبصورت تھبرو سا بارہ سنگھا محبت بھری نظروں سے اُسے دیکھ کر خوش ہو رہا ہے۔ زہریلا سانپ سرسراتا ہوا‘ پاؤں کے پاس سے گزر گیا۔ بھیڑیے گیدڑ دور کھڑے خوش فعلیوں میں مصروف ہیں‘ ہاتھی تو باقاعدہ سونڈ اُٹھا کر سلامی دیا کرتا تھا...... ٹکڑ بگھے‘ بندر‘ باگڑ بلے تو بڑے اہتمام سے آگے پیچھے اُچھل کود سے جذبۂ خیر سگالی کا مظاہرہ کرتے۔ خنزیر کے گھر والی اپنے پریوار کے ساتھ بڑی آسانی کے ساتھ بستیوں باڑوں میں سیر گشت کیا کرتی تھی۔ کوّے کبوتر چڑیاں طوطے چھوٹوں بڑوں کے سروں کاندھوں پہ بلا کھٹکے بیٹھ جایا کرتے تھے۔ چوہے چھچھوندریں کرلے چھپکلیاں بِلّیاں ہمارے چارپائیوں پہ سویا کرتیں...... مینڈکیں ڈڈو طوطوں کے بچے بچونچے ہماری جیبوں میں ٹھنسے رہتے تھے۔ شیروں ریچھوں سے البتہ ہم خوفزدہ رہتے کہ پھاڑ کھاتے ہیں۔ ان کی دھاڑ دل دہلا دینے والی ہوتی۔ چڑیا گھر میں بند پنجروں کے اندر بھی شیر چیتے بھالو دیکھتے ہوئے ہم اپنے ابا کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا کرتے تھے۔

بہت بعد سمجھ میں آیا‘ جنگل میں آزاد شیر‘ پنجرے میں بند اور قالین پہ اُون سے بنے ہوئے شیر میں کیا فرق ہوتا ہے؟ اسد اللہ اور شیر دل رچرڈ...... لائن آف ڈیزرٹ عمر مختار اور لائن آف پنجاب راجہ رنجیت سنگھ...... شیرِ میسور اور ایم جی ایم فلمز کے دھاڑتے ہوئے شیر میں کچھ فرق محسوس ہوتا ہو گا؟...... شیر کو بھاٹی گیٹ لاہور کے طاقت کی دوا بیچنے والے حکیموں نے بھی کمپنی کی مشہوری اور چندہ اکٹھے کرنے کی خاطر پنجرے میں بند کر رکھا ہے۔ اسی طرح ایک سیاست کا کاروبار کرنے والوں نے بھی اپنی پارٹی کے نشان کے طور اور اپنی دہشت ظاہر کرنے کی خاطر ایک شیر نما جانور‘ اپنی قیام گاہ کے باہر لوہے کی زنجیر میں جکڑ کر مقامِ عبرت کے طور

Scanned with CamScanner

باندھ رکھا ہے اور ضرورت پڑنے پہ ٹرک پہ کھڑا کر کے جلسوں' ریلیوں میں بھی لوگوں کو دکھاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی موقع پہ تذلیل محسوس کرتے ہوئے شیر نے تمنا کی ہو کاش! میں ایسا شیر ہونے سے کوئی کتا ہوتا......
معلوم ہوا' پابند شیر سے کتا لاکھ درجہ بہتر جو آزاد ہو۔

● شیر بنگال......!

میں ادھر بنگال میں شیر بنگال مولوی فضل حق کو دیکھنے نہیں بلکہ سندر بن کے ٹائیگر آف بنگال کو ان کے موروثی ماحول میں دیکھنے آیا تھا۔ جب انسان کی خواہش مستجاب ہو جاتی ہے تو سامنے کے راستے خود بخود طے ہونے لگتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ قلندر باوا شیر شاہ نے میرے علاوہ دوسرے تمام مریدوں' زائرین کو وہاں سے فارغ کر دیا۔ دوسروں کے لیے میں قابلِ رشک تھا اور شاید قابلِ رحم بھی کہ اس گھنے خطرناک جنگل' جس میں موجودہ جدید دور کی کسی سہولت کا تصور بھی نہ تھا اور خونخوار آدم خور شیر چیتے جن کے درمیان مسلسل رہنا تو کجا' کچھ وقت بھی گزارنا انسان کے بس سے باہر ہے۔ مگر وہی ایک سیانے والی بات کہ اس پل پل رنگ ڈھنگ بدلتی دنیا میں کچھ بھی ناممکنات میں نہیں...... پتھر کے جگر سے شبنم کے موتی ٹپک سکتے ہیں...... شہباز ممولے کے بچے کو گود لے سکتا ہے...... کرپشن ختم ہو سکتی ہے...... لوگ' بچوں کے علاوہ بھی کوئی کارآمد چیز ایجاد کر سکتے ہیں...... کسی احمق کو سمجھداری مل سکتی ہے یعنی کچھ بھی ہو سکتا ہے جو بادی النظر میں انہونی کی مد میں آتا ہے۔

میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا...... سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی میں سندر بن کے دور اندر' جدھر سورج کی کرنوں' بارش کے پانی اور ہوا کا گزر بھی مشکل سے ہوتا ہے' پہنچوں گا...... ہاتھی نگل جانے والی ہولناک دلدلیں...... گنجان جنگل...... زہریلے کانٹوں والی جھاڑیاں' قدم قدم پہ اسرار اور خطرات...... ساری دنیا سے الگ سا خطہ جدھر پہنچ کر انسان خود سے بھی علیحدہ ہو جاتا ہے۔

چند روز ادھر گزار لینے کے بعد' باوا صاحب کی بے پناہ شفقت اور جنگل کے ماحول نے جہاں کمال حوصلہ اور ولولہ عطا کیا تھا وہاں بے پناہ روحانی بالیدگی بھی حاصل ہوئی۔ ہر گزرتے لمحے میرے اعتماد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ مختلف زاویے اختیار کر کے وہ زوزن مل ہی گیا جس کی جانب توجہ مبذول کر کے میں' زندگی آمیز مناظر کے تصور سے اطمینان کشید کر سکتا تھا۔ سلف کنوکیشن یعنی آگاہی' خود اعتمادی' باطنی قبولیت' بہت ضروری ہوتی ہے۔ اس کے بنا سرفرازی حاصل نہیں ہوتی۔ دشوار مراحل اور حصول مقاصد کے کٹنے پھٹنے ساحل' اس کے

Scanned with CamScanner

بغیر عبور نہیں کیے جا سکتے۔

گھر میں کہیں مشکِ نافہ کی پوٹ' سات پردوں میں لپٹی ڈھکی پڑی ہو مشکبار کیے بغیر نہیں رہتی......
محبت اور مشک دونوں ہی دل دماغ پہ چڑھے نہیں اُترتے۔ پنڈ و یرا اُستاد' نالائق شاگردوں بچوں سے خفا
ہوتے تو دبکتے ہوئے کہتے۔''اوئے تیرا مشک ماریا جائے۔'' کون جانتا ہوگا کہ اس کے اصل کیا معنی ہیں؟

شیر کی مونچھ کا بال' الماس کے ریزوں میں پکّی دال اور کسی سومنا تھی کنیا کے بن کا سولہواں سال' کلیجہ
کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔

شیر کی مونچھ کے بال کی بات' یونہی بر سبیل تذکرہ سامنے آ گئی۔ کہتے ہیں کہ رات' نیند اور سکون کے
لیے ہوتی ہے۔ اللہ کے بندے کچھ دیر کمر سیدھی کر لینے کے بعد دھیان گیان کے لیے بیدار ہو جاتے ہیں۔
شب کی خموشی تنہائی اور تیرگی' بندے میں بندگی کی بصیرت و بہجت کا بہاؤ بڑھا تی ہیں۔ یکسوئی' ارتکاز باطنی کی
بازیافت میں ممد اور فروغ فکر و فہامت ہوتی ہیں۔ خلق اور خالق کے درمیان حجاب (حسن طلب اور منشائے
مشیت کے مطابق) بتدریج وا ہونا شروع ہوتے ہیں۔ یہی وہ سرمدی سماں ہوتا ہے جب من و تُو کے اَدق مسئلے
کچھ سمجھ میں آتے ہیں......

موقع ماحول' مقسوم اور کسی مردِ کامل کی مصاحبت منظور ہو جائے تو بظاہر بڑے بڑے لاینحل معاملے
چشم زدن میں حل ہو جاتے ہیں۔ یکبارگی میں اُس کی رحمت کی کوئی چوند چکارا مارتی ہے تو پوری وادیٔ سینا
بقعۂ نور ہو جاتی ہے۔ سیاہ و سفید ہر شے اُجل جاتی ہے......

ڈیڑھ عشرہ بعد مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میں سیاہ پوش ہوں یا سفید پوش؟ میری سیاہ پوشاک چند دنوں میں
ہی چیتھڑوں میں بدل چکی تھی۔ جنگل کا ماحول ہی ایسا کہ تن پہ لباس سلامت رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ خود رو زہریلے
کانٹے دار جھاڑیاں' جن کی دستبرد سے آپ خود کو محفوظ رکھ ہی نہیں سکتے۔ کپڑے تو کپڑے' جسم کا کوئی حصہ ایسا
نہ تھا جس پہ تراش خراش کے نشان اور ٹوٹے ہوئے کانٹوں کی اَنیاں گھسی ہوئی نہ ہوں۔ آخر ایک صبح لٹکے جھولتے
ہوئے ذریدہ چیتھڑوں کو خود ہی کھینچ پھاڑ علیحدہ کر دیا۔ باوا صاحب کا بھی یہی عالم تھا کہ ننگے پنڈے کا کوئی حصہ
سالم نہ تھا۔ جا بجا خراشوں اور نئے پرانے زخموں سے نقشے بنے ہوئے تھے۔ کئی چھالوں زخموں میں خاکستری
کانٹے گھسے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ موقع پانے پہ مخصوص بندر' انہیں نکالنے کی کوشش کیا کرتے......

میں نے بھی باوا صاحب کی تقلید میں ناف کے نیچے پاجامے کے چیتھڑے کا لنگوٹ بنا کر پہن لیا۔
جُوتا تو اِدھر پہنچ کے اگلے روز ہی پھینکنا پڑا کہ اِدھر راہ و راستوں پہ جُوتوں کا تکلف' اذیت دیتا ہے۔ اِس خلیہ میں
دو تین روز کے بعد میں کسی یوگی کا بھوت دکھائی دیتا تھا۔ جیسے سونامی کے بعد کسی تباہ حال جزیرے کے جنگل

Scanned with CamScanner

سے دریافت کیا ہو۔ لبی کا کلیں' بن کنگھی' شیمپو' تیل ملنگوں کی جٹوں میں تبدیل ہو گئیں۔ جن میں کانٹے تنکے پرندوں کی چٹیں اور جنگل کا الم غلم بھرا پڑا تھا۔ دانت مانجھنے کی خاطر' مسواکیں تو دستیاب تھیں مگر ان کی ضرورت نہ ہونے کے برابر کہ اِدھر کھانے کے لیے جنگلی پھل پھولوں کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔ چولہا' آگ' ہنڈیا' برتن وغیرہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ کیا کھٹ مٹھے بیر' آلو کی طرح کے سیب ناشپاتیاں اور جنگلی ساگ پات...... اس کے علاوہ ایک نعمت اور بھی' جسے شاید ہماری ہی ضرورت کی خاطر قدرت نے اِدھر وافر پیدا فرما دیا تھا۔ موٹی سی سنہری مکڑیاں جو درختوں شاخوں سے چمٹی ہوئی دکھائی نہیں دیتی۔ سب سے پہلے بندروں کو انھیں کھاتے دیکھا۔ وہ اسے چُن چُن کر اس طرح کھاتے ہیں جس طرح بچے بالے مونگ پھلی چھیل چھیل کر ٹونگتے ہیں۔ سمندری چھوٹے سائز کے جھینگوں کی طرح ان پہ پیاز کے چھلکے کی طرح خول ہوتا ہے جسے مونگ پھلی کے چھلکے کی طرح کھانے سے پہلے چھیل کر علیحدہ کیا جاتا ہے' چاہو تو منڈی مروڑ کر علیحدہ کر لو۔ سالم بھی کھا لو تو کچھ دقت یا کراہت نہیں ہوتی۔ مزہ بھی سکاٹ سامن مچھلی جیسا' مکڑی ویسے بھی حلال ہوتی ہے۔ اسے پکانے کی ضرورت نہ دھونے صاف کرنے کی۔ پروٹین' وٹامن اور دیگر غذائی عناصر سے بھرپور' انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات کے لیے بھی آسمان سے اُتارا ہوا' ہوائی کی مَن وسلویٰ......!

لفظ رَبّ پہ تجسس کیا جائے تو کھلتا ہے کہ اللہ کی یہ صفت اپنے ہاں کیسے کیسے معنوی خزانے رکھتی ہے۔ اللہ محض رزق عطا ہی نہیں کرتا' ساتھ حکمت' طاقت' صحت اور دولت سے بھی سرفراز فرماتا ہے۔ بندوں عقل فکر کا مالک بندہ' اپنے ربِ جلیل کی کون کونسی نعمتوں کا شکر ادا کرے گا؟ یہ آدم زادہ ناشکرا اور احسان فراموش ٹھہرا......!

پہلے تو میں نے ناک بھوں چڑھائی...... لیکن جلد ہی میں بچی اور دھوئی اَن دھوئی زندہ مکڑیاں کھانے پہ مجبور ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ عادی بھی...... ہمیں یہ بھی سوچنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ پتھر کے دور کا انسان جو آگ سے پکا کر کھانے کا تصور نہ رکھتا تھا ایسا صحت مند' فطرت شناس کیونکر تھا۔ پرانے اطباء بھی یہی کہتے تھے کہ آگ پہ کھانا مریضوں کے لیے پکایا جاتا ہے۔ غذا وہی جو قدرتی حالت میں استعمال کی جائے۔ سبزیاں کھیتوں میں اُگتی ہیں۔ پھل درختوں پہ لگتے ہیں۔ پھلوں کو قدرتی حالت میں کھایا جاتا ہے جبکہ سبزیوں کو خوب بھون پکا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ میں نے روس' ایران' سکاٹ لینڈ' افریقہ اور عرب کے کئی علاقوں میں آج کے دور میں بھی غذائی اجناس خام حالت میں استعمال کی جاتی دیکھی ہیں۔ بیماریاں نہ ہونے کے برابر' دانت ہڈیاں' بال' بینائی کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ ذیابیطس' فشار خون' دل جگر کے عارضوں سے وہ لوگ واقف نہیں۔ کوئی گنجا' عینک لگائے ہوئے دکھائی نہیں دیتا۔ تمبا کو نوشی بھی برائے نام...... باشندے طویل قامت اور

درازعمر ہوتے ہیں۔''

تمام حیوان مطلق فطری طریقوں سے اپنی غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ آگ پہ غذائیت کا بیڑہ غرق کر کے کھاتے ہیں اور نہ فریج کی یخ بستہ بے دم خوراک استعمال کرتے ہیں۔ غور کریں کیا کوئی جانور' لباس' عینک' وگ' مصنوعی دانت' سماعت کا آلہ استعمال کرتے ہوئے نظر آتا ہے؟ جنگل صحرا سمندر پہاڑوں پہ کوئی ہسپتال کلینک یا ڈاکٹر حکیم ہوتا ہے؟ فطری انداز زندگی' فطری انداز زندگی' فطری غذا اور فطرت قدرت پہ بھروسا تقوی ہی ان کے ڈاکٹر اور حکیم ہوتے ہیں۔ توکل تقویٰ' تمکنت' تقدیر و تدبیر کے فلسفے کو سمجھنا ہو تو جانوروں سے بڑھ کر کوئی اُستاد نہیں۔!

● ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی......!

میری آوارگیوں' آشفتہ سریوں کے سلسلے بڑے دراز رہے۔ فطرت' جن پہ اپنے اسلوب اور اَسرار افشا کرنے کا فیصلہ کرتی ہے' راز دار بنا کر اپنا مقرب مقرر کرنا چاہتی ہے تو پہلے اُن کی فکری تہذیب کی تربیت' ترتیب دیتی ہے۔ اُن کے لیے مواقع' وسائل و سہولیات میں آسانیاں' حوصلوں اور ذوق و شوق میں برکت فراواں کر دی جاتی ہے۔ جب وہ رواں ہو جاتے ہیں تو پھر ان کا شمار بھی قدرت کے رازدانوں میں ہو جاتا ہے۔ یہ چنیدہ و پسندیدہ لوگ مختلف طبقات الارض' طبقات الافلاک میں منقسم ہو کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ لامتناہی عالمین میں وسیع و عریض کائناتیں بھی معرض وجود ہیں۔ انسان اپنی علمی' شعوری اور رُوحانی بے بسالی کے تحت' انہیں اپنے دائرہ ادراک میں لانے سے قاصر ٹھہرا۔ سوائے اُن مخصوص و محبوب بندوں کے جنہیں اللہ علیم و خبیر منتخب کر لیتا ہے۔

میں سن وسال کے حساب سے لمبی زندگی گزارتے ہوئے ایک بوڑھا اور کارکرتوت کی کتاب کے حساب سے پیر فرتوت......! ظاہر ہے اس ''عمرِ بےلذت'' میں ضرورتیں اور روزمرہ کے تقاضے یکسر بدل جاتے ہیں۔ سب سے نمایاں تبدیلی کھانے پینے میں آتی ہے۔ دانت اور آنتیں قصہ پارینہ بن چکے ہوتے ہیں۔ حریص بوڑھے' غذا کی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بے احتیاطی کے لقمے نگل نگل' بہت جلد لقمہ اجل بن کر چارپائی خالی کر جاتے ہیں۔ کچھ بزرگ جو بوڑھے کوے کی طرح سیانے ہوتے ہیں وہ بڑھاپے پہنچ کر اپنے جوانی والے مشاغل ترک کر دیتے ہیں۔ زیادہ وقت مسجد میں گزارتے ہیں' بازاروں میں نکلنے کی بجائے' قبرستانوں' کھیتوں نہروں کی جانب' جانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے اجتماعات اور تقریبات میں

Scanned with CamScanner

جانے سے پرہیز کرتے ہیں جدھر خواتین موجود ہوں۔ شرعی داڑھی ٹوپی تسبیح کے اضافے ہو چکے ہوتے ہیں۔ اِن کے ساتھ غذا بھی تبدیل ہو جاتی ہے۔ گوشت مرغی کی بوٹیوں کی جگہ یخنی شوربا...... سخت چرغوں کی بجائے نرم سے شامی کباب' باربی کیو' سیخ کباب' برگر کی بجائے کھچڑی' حلیم ہریسہ' مچھلی پہ رغبت زیادہ رہتی ہے۔ نان' تنوری روٹی' تیبوں اور قیمہ آلو والے پراٹھوں سے ہاتھ کھنچ جاتا ہے۔ اُلٹے توے کے پُھلکے' رُومالی چپاتی' بیسنی اور میٹھی ریشمی روٹی سے گزارہ ہوتا ہے۔''

کوکی یا کاکی ایک نرم اور زُود ہضم چھوٹی سی روٹی کا نام ہے۔ دَرویش فقیر مسافر لوگ' رغبت اور سہولت سے کھاتے ہیں۔ اِس کے اجزاء معمولی اور آسانی سے دستیاب ہو جاتے ہیں۔ اسے عام دوسری روٹیوں کی نسبت' دیر تک کارآمد رکھا جاسکتا ہے۔ تیاری کے لیے بھی کسی خاص سامان یا توے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پُومِلے سے جَو' جوار یا گندم کا آٹا نکالا' پانی دُودھ پنیر' جو بھی دستیاب ہو شامل کیا...... زیتون کو تیل شہد سونف کھجور کشمش تِل وغیرہ میسر ہوں تو ڈالے جاسکتے ہیں۔ گوندھ' بلا کر موٹی سی روٹی کی صُورت' تپتے ہوئے پتھر یا زمین پہ پھیلادی جاتی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ بڑی خستہ نرم لذیذ کوکی بن جاتی ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ بغداد کے ایک بازار سے گزر رہے تھے۔ بڑی پاکیزہ سی اشتہاء پیدا کرنے والی خُوشبو محسوس ہوئی۔ تجسّس سے دائیں جانب دیکھا...... بھٹیار خانہ میں ایک جوان رَعنا' بشرے پہ سعادت کرامت شرافت اور نجابت کے چہار چراغ روشن کیے' الاؤ میں گرم پتھر پہ کوکیاں تیار کررہا تھا۔ قریب پہنچ کر اُسے دیکھا کیے...... آگ کے نیلے پیلے سرخ شعلوں کی تپش تاب سے چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ کوکیوں کی سوندھی خوشبو اور خستگی نے لذت کام و دہن کو مہمیز جو دی تو ناگاہ اظہار کر بیٹھے......

نوجوان! ایک خستہ سی کوکی' ہمارے لیے بھی ڈال دو! کوکبائی نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔

وَلی وَلی کو پہچان لیتا ہے۔ بڑے چاؤ لگاؤ سے کوکی تیار کی...... کمال اَدب سے پیش کرتے ہوئے' سر جھکائے رُوبرو کھڑا ہو گیا۔ آپ نے لقمہ توڑا چکھا...... سبحان اللہ کہتے ہوئے فرمایا' نوجوان! بولو کیا مانگتے ہو؟...... کوکبائی' وہیں ساکت و جامد گھگیاتے ہوئے گویا ہُوا۔ الاؤ کے سامنے کوکیاں سینکتے تن تو تپ چکا...... اگر آپ کے سینے کا تھوڑا سا سوز دَروں مل جائے تو من مراد وہ بھی پوری ہو جائے...... سوز دَروں بھی کیسا اکسیر ہُوا ہے؟ بہت سوں اللہ کے برگزیدہ بندوں نے اِس کی خواہش جستجو کی۔

حضرت نظام الدین اَولیاءؒ نے اپنے محبوب مرید خسروؒ کے بارے فرمایا۔ روزِ حشر اللہ کریم مجھ سے پوچھے نظام الدین! دُنیا سے ہمارے لیے کیا لائے تو مَیں عرض کروں گا۔ اللہ! مَیں خسرو کے سینے کا سوز لایا ہوں۔

Scanned with CamScanner

الاؤ کی آگ اپنی تپش، پتھر کے تن من میں منتقل کرتی ہے۔ آٹے دودھ پانی شہد زیتون کی نرم کوکی تپتے دہکتے سنگ کے انگ لگتے ہی سوکھنا ہونا شروع ہوتی ہے اور نرمی نمی آناً فاناً سختگی اور سوختگی میں تبدیلی......
دہکتا پتھر اپنا سوز بیرون اور درون، کوکی کا کچاپن پکے اور بڑے پن میں بدل دیتا ہے......

سوز نہ ہو تو ساز نہیں

درد نہ ہو تو آواز نہیں

اقبال کو سوز کی بھیک رُومی کے سوز دروں سے ملی پیچ و تاب کی خیرات رازی سے جبکہ شب زندہ داری اور آہ و گریہ مولوی میر حسن کے تجربے کا صدقہ تھی۔ سوز دروں کے روبرو سوز تپاں بھی ہوتا ہے۔ پت جھڑ کے آگے خزاں کی مانند رہی سہی ہر قیل قال کا ٹکبم کلیان کر کے رکھ دیتا ہے۔

بات جنگل کی لکڑیوں سے چلی تھی کہ جنگل میں آگ ہنڈیا، چھری مسالوں کے بغیر انسان کس طرح اپنی روزمرہ کی زندگی گزار سکتا ہے۔ خاص طور وہ فرد جو ایک متمدن معاشرہ سے اُدھر پہنچا ہو۔ وہی بات کہ اس کھیل تماشا، حسرت و حیرت، ہونی انہونی، کمال و زوال کی اس دُنیا میں قدم قدم، ہر ساعت و لمحہ ایسا کچھ دیکھنے اور سننے کو ملے گا جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ ایک چیستان منعمہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا......!

موسم، ماحول، معمولات کا اپنا ایک سحر اور کیفیات ہوتی ہے۔ یہ کچھ نہ ہو تو بندے کے لیے وقت گزارنا اور خود کو سنبھالنا انتہائی مشکل ہو جائے۔ قدرت نے انسان کے اندر خود کو موقع محل کے مطابق ڈھالنے اور صورتِ حال سنبھالنے کی ایک خداداد صلاحیت پیدا فرمائی ہے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ حالات سے نپٹنے کے لیے وہ خود کو آمادہ پاتا ہے جن کا عام حالات میں تصور تک ممکن نہیں ہوتا۔ عام روزمرہ کی زندگی میں انسان اپنا دماغ اور صلاحیتیں بہت کم یا ضرورت پڑنے پہ استعمال کرتا ہے مگر غیر معمولی صورتِ حال یا ناگہانی واقعات پیش آنے پہ اس کے دماغ کا ایک مخصوص حصہ اور مخصوص صلاحیتیں اِک خودکار حیاتی نظام کے تحت فعال ہو کے پورے جسمانی نظام کو اپنے کنٹرول میں لے لیتی ہیں......

اللہ کریم نے خود مدافعتی، بھوک اور جنس...... یہ تینوں حسیں پیدائشی طور پہ انسان کو ودیعت فرما کر دُنیا میں داخل کیا۔ جس طرح پانی اپنی وہی حالت بنالیتا ہے جس میں اُسے ڈالا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی خود کو حالاتِ حاضرہ کے ڈھانچے کے مطابق ڈھال لیتا۔ یہی اُس کی بقا کا راز ہے۔ اس معاملہ میں جہاں وہ خود اپنی مدد کرتا ہے وہاں فطرت بھی اس کا ساتھ دیتی ہے۔

بچپن ہی سے میرے اندر بلندی پہ چڑھنے کی ہچکچاہٹ موجود تھی۔ میلوں ٹھیلوں میں زمین سے لگے جھولوں پہ تو جھول جھال لیتا تھا مگر آسمان سے چھوتے چکر دار جھولوں کو دیکھتے ہی جھرجھری آجاتی تھی اسی طرح

Scanned with CamScanner

نفرت محبت' نسیان' نفسانفسی اور تلوّن و تکبّر کے چکّر میں ہی رہتا ہے۔ اپنی ذات و اوقات کے باہر اسے کچھ سوجھتا ہی نہیں...... سرشت میں خودغرضی اور خود پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ یہ تو ہوئے بشریت کے تقاضے' جبکہ انسانیت بہت گام آگے کی منزل ہے۔ بشری اور انسانی تقاضوں کی دو پاٹ چکّی کے درمیان پستا ہوا یہ اللہ کا نائب' عجب گومگوئی حالتوں میں اپنے وجود کو سلامت رکھنے کی خواہشوں اور کوششوں میں سرگرداں رہتا ہے۔ پھر ایک مقررہ وقت پہ اپنی بھلی یا بُری متاع سمیٹے 'جُز سے کُل کی جانب رُجوع کرتا ہے۔

اَزل اور اَبد کے مابین' قلزمِ عصر میں بادل برسے یا بدرو گرے سب اِک مِک ہو جاتا ہے۔ موسیٰ یا فرعون' نوح ہو یا اُس کا پسر' یُونس ہو یا تختۂ چوب پہ بہتا ہوا معصوم بچہ' سوہنی مہینوال یا مچھیاں جال...... خالد بن زیاد کی کشتیاں یا محمد بن قاسم کے دُخانی جہاز' سب کا آغاز و انجام' عتاب و انعام پہلے سے موجود ہوتا ہے۔؟

زندگی' اللہ تعالیٰ کی ایک عطائے خاص ہے۔ نعمت اعزاز و اکرام بھی' اِک مقصد اور منزلت بھی...... مگر ایسا کچھ انتہائے ایمان و ایقان کے اتقاض ٹھہرے۔ مگر کچھ مخصوص لوگ' اپنے عقیدے' نظریے اور علم و عقل کے مطابق بھی زندگی کے بارے ذاتی رائے اور مَعنی رکھتے ہیں۔ کچھ زندگی کو پھولوں کی سیج' خوشیوں کا گہوارہ' مسکراہٹوں قہقہوں اور ملے گلے کی آماجگاہ سمجھتے ہیں۔ کچھ کامرانیوں شادمانیوں اور حکمرانیوں کی جگہ جانتے ہیں...... کسی کے لیے اِک انجانا سفر' آزمائش گاہ' خاروں کی باڑ' کسی پچھلے جنم کا خمیازہ یا سزا' جرمانہ ہے...... ایسے بھی جو کہتے ہیں......

ے یہ زندگی اُسی کی ہے جو کسی کا ہو گیا پیار ہی میں کھو گیا

ے زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ے اے میری زندگی' آج رات جھوم لے' آسمان کو چوم لے

ے زندگی جا چھوڑ دے پیچھا میرا میں بھی اِک انسان ہوں پتھر تو نہیں

کئی سمجھتے ہیں زندگی' زندہ دلی کا نام ہے۔ بندگی بھی سمجھی جاتی ہے اور شرمندگی بھی...... دوسروں کی سیوا خدمت کو بھی زندگی کہا جاتا ہے۔ خود کو ملک و قوم' تدریس و تبلیغ' جنگ و جہاد کے لیے وقف کر دینا اصل زندگی...... مجذوب کی بڑ' اِک معمہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا......

ے زندگی دینے والے سُن تری دُنیا سے دل بھر گیا

ے جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

ے زندگی کی نہ ٹوٹے لڑی' پیار کر لے گھڑی دو گھڑی

Scanned with CamScanner

ب زندگی میں تو کبھی پیار کیا کرتے ہیں میں تو مر کر بھی میری جان تجھے چاہوں گا

ب زندگی اے زندگی دیکھ میری بے بسی

میری اپنی ناقص رائے میں زندگی کو کسی دیوانے کا خواب کہنا عام بشری فہم کے زیادہ قریب لگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی سنیایا ہوا فاتر الدماغ شخص خواب دیکھے گا تو اس کی کوئی بھی کل سیدھی نہ ہوگی۔ خشی اُونٹ کے جڑوں میں پڑا پڑا وہ کوہ قاف پہ پرواز کرنے لگتا ہے۔ وہیں سے غوطہ لگا کر چیچو کی ملیاں سے ہوتا ہوا خان بازار قاہرہ میں ایک حجام کے سیلون سے لنگوٹی سلواتا ہے۔ گدھا گاڑی پہ لفٹ لے کر رابندرناتھ ٹیگور کے تنور قلعہ گوجر سنگھ پہنچتا ہے۔ وہاں سے دونوں شیکسپیئر کا کھیل "باتھو دا ساگ تے ریوڑیاں" کا پہلا شو دیکھنے سوہو پیکاڈلی کے مشہور رائل تھیٹر پہنچتے ہیں۔ دو دن وہاں سوئے رہنے کے بعد بھوک چمکنے پہ چاندنی چوک دہلی پہنچ جاتے ہیں۔ دو دو درجن خوشبو والے میٹھے پانوں کا جل بھوجن کر کے واپس اپنے اپنے ٹھکانوں پہ پہنچ جاتے ہیں۔

مجھ ایسے عامیوں کی زندگیاں بھی ایسی ہی بے تکی' بے سمتی یعنی کہیں کی اینٹ' کہیں کا روڑا اور کہیں پہ پھول کہیں پہ پھوڑا ناپ کی ہوتی ہیں۔

میں کبھی غور کرتا ہوں کہ غریبوں' بے سکتوں بے جلموں بے توقیروں کے پاس خوابوں خیالوں کی یہ خداداد سہولتیں نہ ہوتیں تو یہ معصوم ومظلوم لوگ کس طور زندگی کا زہر ہلاہل حلق نیچے اُتارتے؟...... کوہ ہندوکش سا بھاری کٹھور پاہر سے بخ بستہ' بھیتر تند وتختہ جیون بتانے کے بعد معلوم ہوا کہ دُنیاوی زندگی میں خوابوں خیالوں سی نعمت کوئی اور نہیں۔ جو ہنرمند اپنے من پسند سپنوں کی بنائی حاشیہ آرائی اور خیال آفرینیوں میں کمال حاصل کر لیتا ہے وہ نہ تو قسمت کو کوستا ہے نہ کسی سے شکوہ شکایت' وسائل وسیلوں کا کوئی مسئلہ نہ رشک وحسد...... وِن' خیالوں کی جنت میں...... ہر نعمت روبرو' جو چاہا وہ خیالوں میں پکا لیا...... خیالی پلاؤ تو اَب عام سا محاورہ بن کے رہ گیا ہے۔ خیالی تکی' خیالی قیمہ' خیالی شاہجہانی بریانی...... خیالی شاہی زعفرانی قورمہ' کابلی دنبہ کی چپلی کا افغانی پلاؤ...... سانبھر کے لذیذ تُم کا روغن جوش...... ترکی مرغ کے تکے' کشمیری گوشتابہ...... کمال کرم وکشادِ اِن خیال پرور لوگوں پہ کہ اِن نعمتوں کے حصول کے لیے نہ تو انہیں بیش قیمت اجزائے طعام' نبید وقوام' پستہ و بادام حاصل کرنے پڑتے ہیں اور نہ تیاری کا جوکھم جھیلنا پڑتا ہے۔ کھیسے کو ہاتھ لگائے' بیٹھے بٹھائے' بازونگری بلائے بغیر جنت کے پکے پکائے خوانوں سے شاد کام ہوتے رہتے ہیں...... خالص نخالص کا چکر نہ وقت بے وقت کا جھنجھٹ' مہنگائی کا رونا نہ عدم دستیابی کی فکر...... بس ذرا خیال کو مہمیز لگائی...... وقت اور طلب کو دیکھا اور خوانِ نعمت تیار......!

Scanned with CamScanner

● آنکھوں سے خواب دل سے تمنا تمام شد......!

کچھ وہ بے اور خواب بھی؟ جب خستہ حال خواہشیں، آزردہ آرزوئیں، تیرہ تکمیل تمنائیں کوئی راہ قرار نہ پا کر بے موت مرجاتی ہیں تو نا آسودہ بے چہرہ شریر و سرکش، مری بیولوں میں تبدیل ہو کر نیا روپ دھار لیتی ہیں۔ ایسی ہی جیسے بے آباد جگہوں ویرانوں کھنڈروں میں چمگادڑیں اَبابیلیں اور دیگر حشرات الفضاء جنم لے لیتے ہیں......!

نشہ کی حالت، غیر اخلاقی انسانی تنازعات، چوری ڈاکے، مقابلے میں مارے جانے والوں کی رُوحیں بھی کرب و اضطراب میں مبتلا رہتی ہیں اور موقع بے موقع مختلف انداز شکلیں وہ بے گمان وبائیں بن کر دیگر مخلوقات بشمول جن و بشر، تنگ کرتی رہتی ہیں۔ انہیں ہم بھتنے، شرشرار، نساجہ، مسان، ہوائی، یکی یا باہر کی چیزیں کہتے ہیں۔ ان کی مثال شراروں کی طرح ہوتی ہے۔ آگ، شعلہ، انگارہ کسی نہ کسی انداز حد میں اپنا وجود رکھتے ہیں مگر شرارے کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اک ساعت کے ہزارویں حصے میں اُڑا، چمکا اور نابود ہو گیا۔ (اوپر پہلی سطر میں رُوح کا لفظ محض استعارہ کے طور استعمال کیا گیا ہے۔ آپ اسے اعمال، احوال، مکافات، ردِعمل کی مختلف اشکال بھی کہہ سکتے ہیں) جیسے اموات کی بھی اقسام ہیں۔ جیسے طبعی فطری اور غیر طبعی غیر فطری......طبعی فوتیدگی وہ جو فطری انداز سے واقع ہوتی ہے۔ حادثہ، وبا، جہاد، خود حفاظتی، علالت یا پیرینہ سالی میں مرض الرگ کی صورت بتدریج لحہ بہ لحہ اُترتی ہے۔ انسان کی اپنی شامت اعمال، بدمستی، زعم و غرور، دانستہ غلطی سے جو اموات ہوتی ہیں اُنہیں فطری اموات نہیں کہا جا سکتا۔ جسمانی موت کے علاوہ اخلاقی موت، ایمانی موت، رُوحانی موت، شرم و حیا غیرت احساسات، دید لحاظ کی اموات بھی واقع ہو جاتی ہیں۔ ایسے لوگ چلتے پھرتے تو دکھائی دیتے ہیں مگر مُردوں سے بدتر ہوتے ہیں اور کچھ لوگ بظاہر قبروں میں لیٹے ہوئے......مگر اپنے اعمال و اقوال، افکار واذکار میں زندہ و پائندہ......!

بات خواب و خیال کی ہو رہی تھی کہ کچھ لوگ ہمیشہ کے ناکام اور مایوس ہوتے ہیں، اپنی سی ہمت کوشش کے باوجود اُن کے دامن، گوہر مراد سے تہی رہتے ہیں اَب اُن کا آخری سہارا خواب و خیال کی دلفریب دُنیا ہی ہوتی ہے۔ اُن کی محرومیاں، نا آسودگیاں اور بے بسیاں، خوابوں خیالوں کے خیابانوں میں اپنی عارضی تسکین کا سامان تلاش کر لیتی ہیں۔ الگ بات ہے کہ بہت جلد وہ واپس حقیقت کی دُنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ جدھر اُن کے ہمیشہ کے مسائل اپنی تمام تر تلخیوں تباہ کاریوں سمیت موجود ہوتے ہیں۔ شاید وہی چند لمحے یا کچھ وقت، جو

Scanned with CamScanner

اُنہوں نے خوابوں خیالوں کے سرابوں میں گزارہ ہوتا ہے وہی اُنہیں مزید جینے کا حوصلہ دیتا ہے۔ بہرحال! جو بھی ہے خواب وخیال کی دُنیا بڑی حسین دلفریب ہوتی ہے۔ شیخ چلی ٹائپ ہی نہیں بڑے بڑے بقراطیے بھی اِن سے مستفیض ہوتے ہیں......!

خرگوش' بڑا معصوم' خُو کا نرم اور خُون کا گرم جانور ہوتا ہے۔ اس کے پسندیدہ روزمرہ میں خواب دیکھنا' نسل کو فروغ اور زمین تلے سرنگیں بنانا ہے۔ ماہرین خرگوشیات نے بڑی طویل تحقیق کے بعد پتا لگایا ہے کہ اس کے یہ تینوں شغل آپس میں یوں مربوط ہیں کہ اگر ایک شغل اس کی زندگی سے خارج کر دیا جائے تو دیگر کے باقی رہنے کا جواز ازخُود ختم ہو جاتا ہے۔ خرگوش کو اگر پاؤں جوڑے' کان لمبے دھرے' منہ بسورے نخرے سے سونے نہ دیا جائے تو وہ خواب نہ دیکھ پائے گا۔ اس طرح وہ خواب میں البیلی نازک اندام خرگوشنیوں کے التفات سے محروم رہے گا۔ کثیرالاعیالی سے بچے گا...... یوں اُسے مزید رہائشی سرنگیں کھودنے کی ضرورت پیش نہ ہوگی۔ دیکھا آپ نے خواب خرگوش کیا گل کھلاتا ہے؟...... یا اگر خواب دیکھنے اور رفتار پہ کچھ گرفت حاصل کرلے تو خرگوش کی بجائے کچھوگوش کہلائے کہ کچھوا تو کانوں سے محروم ہوتا ہے۔

خرگوش کے بعد سب سے زیادہ رنگین' کمی لذت اور وصل وظائف والے میٹھے میٹھے خواب بی بلّی دیکھتی ہے۔ لُطف کی بات' یہ کہیں بھی' کبھی بھی' جب چاہے اپنے سپنوں کی سجا سجا لیتی ہے۔ اگلے پنجوں پہ تھوڑی ٹکائے' ہلکی سی مسکان دیئے...... دُم دُم چھلا کیے' بانکی سی چھل بل لیے...... یوں جلوت دیئے پڑی ہوتی ہے جیسے جھانسی کی رانی' کانسی کی تھیکن پہ نیناں نوائے' بچار کر رہی ہو؟ حیوانِ مُطلق میں سب سے زیادہ اور خوشگوار خواب' بلّیاں' مچھلیاں' خرگوشنیاں اور چھچھوندریں دیکھتی ہیں۔ انتہا کے سُست الوجود' کاہل اور خُود پسند یہ جانور بڑے نازک مزاج نکلے' ہمہ وقت نیند کی نمی میں بھیگے بھیگے رہنے والے ہوتے ہیں۔ دن ہو یا رات' یہ تصورِ جاناں میں کھوئے ہوئے رہتے ہیں یا پھر آرائشِ جمال میں مگن...... ظاہر ہے ایسے ناز و انداز' جلوہ آفرینیوں سے جنسِ مخالف کے مزاجوں میں خلل کا پیدا ہونا ایک منطقی عمل ٹھہرتا ہے...... نتیجے میں یہ چاروں مخلوقیں سال بھر میں کئی کئی نجانے بچوں کے تیار کرتی ہیں کہ بچے پیدا ہوتے ہوئے حیا کرتے ہیں مگر کیا مجال جو ان خرافاؤں کے رُجحانِ رجولت میں کوئی سقم واقع ہو......؟

خواب' رویا' القا' تصورات چھایا' گمان' وہم شک وشبہات میں سے زیادہ تر کا تعلق بشری رُجحانات روزمرہ معمولات' شوق و شغل' پیشہ ورانہ تقاضوں سے جُڑا ہوا بھی ہوتا ہے۔ ذہنی' قلبی' جسمانی' جنسی' اخلاقی اور روحانی رویے اِن کی بنت پنت میں اِک نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ پیٹ میں بڑی خوراک کا اِنہضام' نیند میں خلل' موسمی اثرات' اردگرد کے ماحول شور شرابے سے بھی اچھے بُرے خواب' خیالات و توہمات جنم لیتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

اچھے سچے اور بُرے جھوٹے خواب بھی..... نیک پرہیزگار لوگوں کے خواب سچے ہوتے ہیں انھیں قدرت کی جانب سے اِشارے رہنمائی مستقبل کے بارے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ قدرت کے رازداروں میں سے ہوتے ہیں..... جیسے نبیوں پیغمبروں رسولوں پہ وَحی نازل ہوتی تھی جو احکام و پیغامات آسمانی فرستادوں فرشتوں کے توسط سے اُترتے' وَحی کی ذیل میں آتے ہیں۔

اللہ کریم جب چاہتا ہے اپنے منتخب بندوں کو بانداز الہام' خواب یا القاء سے بھی براہِ راست احکام جاری کرتا ہے کہ دَرمیان کوئی وَسیلہ یا پیغامبر نہیں ہوتا۔ کبھی کچھ خواب' متنبہ' اشارے ایسے بھٹکے ہوئے لوگوں کے لیے بھی جنھیں ہدایت' توفیقِ حق دینا مقصود ہو۔ بعض سلیم الطبع' صالح' صادق قائم القلوب افراد کو رویائے صادقہ کے مشاہدات ہو جاتے ہیں۔ روشن ضمیری' شفاف باطنی' تحلیل نفسی' ریاضت وعبادت اُن کے اندر ایسی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے کہ وہ افلاک و آفاق پہ لہراتے ہوئے فطرت وقدرت کے اِشاروں کو اپنی حد تک سمجھنے پڑھنے کا اِدراک حاصل کر لیتے ہیں۔

اِسلام سمیت دیگر مذاہب کی آسمانی کتابوں میں خوابوں' الہاموں' آسمانی پیغامات' پیغام رسان آسمانی مخلوق وغیرہ کے بہت سے اذکار محفوظ ہیں۔ مالک وخالق نے اپنی مخلوق سے کیسے کیسے انداز سے رابطے رکھے اور کیسے مختلف وسائل اختیار کیے.....؟

اللہ کریم نے بشر کو ارضی فلکی' بہت سے علوم فنون' وصف عطا فرمائے۔ اس کو تخلیق' تخیل' تصور' تلاش' تحلیل' تدبر' تدبیر' توقع' تحمل' تعلم' تجسس جیسی صلاحیتوں سے بہرہ مند کر کے دیگر مخلوقات سے افضلیت دے دی۔ اَب اِنسان پہ منحصر ہے کہ وہ ان صلاحیتوں سے کیسے کام لیتا ہے اور ان میں مزید جلا پیدا کرنے کے لیے کتنی محنت کوشش کرتا ہے۔ وَحی رُوح پہ نازل ہوتی ہے۔ اِنسانی وَجود میں رُوح ہی ہے جو اللہ کریم کے جمالِ نُور کے اَمرِ خاص کی اک لطیف سی تنویر کا' اونیٰ سا جزو ہے۔ جب قدسی' مالکِ قدوس کے حُکم سے اُس کا فرمان' کسی پیغمبر' نبی رسول کی رُوح مطہر پہ منعکس کرتے ہیں تو بڑی سخت اضطراب کی کیفیت ہوتی ہے۔ یہ رُوح ہی ہے جو فرشتہ کی آمد اور فرمودات رَبانی کے بار کی متحمل ہوتی ہے۔ آب وخاک' آگ اور ہوا کا مجموعہ بشری وَجود' وَحی کے نزول کو برداشت نہیں کر سکتا (اِستثنیٰ کے ساتھ)۔

القاء سینے پہ ہوتا ہے یعنی قلب پہ۔ بالکل کسی ٹیلی گراف' سیلولر برقی صوتی پیغام کی طرح..... ٹک ٹک ٹک! حرکت میں یا ساکت' بیداری یا نوم' کسی حالت میں اُلقاء ہو سکتا ہے۔ اَولیاء اللہ' عارف عابد' عالمین کاملین' چنداں خوش خصال رجالِ خاص' جہاں قلب' ہمہ اوقات جاری رہتے ہیں جن کے گنبدِ مینائی میں ھُو کا آہنگ گونجتا رہتا ہے۔ مطلع صاف' مابین حجاب دُھندلا نہیں ہوتا۔

Scanned with CamScanner

الہام بھی کچھ ایسے ہی کہ القاء کی طرح اس کے لیے بھی کوئی درمیانی پیامبر نہیں ہوتا۔ قدرت اپنے احکام و پیغام کا مقصود اپنے منتخب بندوں کو سمجھا دیتی ہے۔ الہام زیادہ تر ہنگامی اور فوری فیصلہ کی ضرورت کے تحت ہوتے ہیں۔ بشری فہم و ادراک' عقلی منطقی بصیرت و نفسیات ایک حد تک تو پرواز کرتی ہے۔ اس سے آگے اس کے پر جلنے لگتے ہیں۔ کوئی خاص ہو یا عام...... اگر بنیادی طور پہ بشر ہے تو اُسے حد سے ماورائیت کے لیے اُوپر سے رہنمائی ملتی ہے۔ وحی ہو الہام' القاء' رُویاء ہو یا خواب صادق...... سب اسی قبیل کی کڑیاں ہیں......

عوام الناس کے لیے سچے جھوٹے خواب سپنے ہی ہوتے ہیں لیکن یہ کوئی کلیہ یا اُصول نہ ٹھہرا۔ زندگی ایک تماشہ گاہ کی طرح بھی ہے۔ طرح طرح کی بوالعجبیاں' ہونیاں' اَن ہونیاں' نیرنگیاں' ایسے واقعات کہ دانتوں تلے اُنگلیاں دبیے بن چارہ نہ رہے۔ ایسی ایسی کہانیاں قصے اور سیدھی اُلٹی باتیں سننے کو ملیں گی کہ حیرت گم ہو جاتی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ یہ نسیان' تلون' خود غرضی' احسان فراموشی' دغا بازی اور بے وفائی کا خوگر انسان بھی کبھی وفاداری' حیاداری' احسان مندی' عہد کی پاسداری کا اس حد تک خیال رکھ سکتا ہے اور اپنے ایک بزرگ کی روز مرہ کی گفتگو میں اُن کے ایک خواب کو سن کر ایسا بڑا فیصلہ کر لیتا ہے جس نے اُسے اور اُس کی آئندہ نسلوں کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ صوفیوں کے ایک ایسے مسلک کی بنیاد ڈالی جس نے تصوف میں خاصا نام اور کام کیا۔ اس واقعہ سے یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ خواب' جو اللہ کریم کے نیک خاص بندوں کو دکھائی دیتے ہیں اُن میں پیغام کے ساتھ درجات کا انعام بھی ہوتا ہے۔ اللہ کریم جو چاہے جسے چاہے کر سکتا ہے۔ سچے خوابوں میں اُس کی نوازشات پنہاں ہوتی ہیں......

● کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے......!

ہمارے رشتہ داروں میں ایک عجیب و غریب شخص تھا۔ مجھے اُسے اپنے ابتدائی بچپن اور عنفوانِ جوانی تک دیکھنے اور اُس زندگی کے روز مرہ' مشاغل' کاروبار' عادات' بال بچے داری کا خوب مشاہدہ ہوا بلکہ اُس کا مشاہدہ میری مجبوری بن چکا تھا۔ وہ دو گلی پرے رہتا تھا مگر کسی نہ کسی کام' وجہ بہانہ اُس کا ہمارے گھر آنا جانا لگا ہی رہتا۔ بلا کا چست گھوڑا مطلبی محنتی موقع شناس مگر دیانت دار اور مخلص! کوئی کام دھندا یا روٹی روزی کی فکر کرتے اُسے کسی نے نہ دیکھا تھا اور شاید ہی اُس کے گھر کبھی کسی نے چولہا جلتے ہوئے بھی دیکھا ہو؟ حقہ کا تمباکو شہر بھر کی تمباکو کی دوکانوں سے ونگی کے طور اکٹھا کرتا...... چلم کے لیے چنگاریاں' تیرے میرے گھر سے......

نچولہے سے آگ کھینچتے ہوئے' چڑھی ہنڈیا کو بھی سونگھ لیتا۔ مطلب کا سالن ہوتو عین کھانے سمے' کسی نہ کسی بہانہ
نازل ہو جاتا۔ چونکہ سارے محلے والے اُس کے اپنے تھے اور ذا بو بھی...... کوئی بھی مرنے جینے کا مسئلہ ہوتا آخر
کام تو یہی چاچا گا چینا آتا۔"

آپ سوچ رہے ہوں گے یہ چاگا چینا کیا ہے؟ دراصل چاگا' چراغ کی بگڑی ہوئی شکل اور چینا؟ اس
لیے کہتے کہ وہ برص پھلبہری کا مریض تھا۔ اکہرے جسم کا جتنا رقبہ دکھائی دیتا وہ سُرخ و سپید بالکل گوروں کی
طرح لگتا تھا۔ چہرے پہ محض ایک دو جگہ معمولی سے گندمی رنگ کے دھبے باقی تھے جن سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ
اس مرض سے پہلے اُس کی رنگت گہری گندمی رہی ہوگی؟ اس موذی مرض نے اس کے پتلے پتلے ہونٹوں'
مسوڑوں دانتوں کے علاوہ آنکھوں کی پلکوں اور بھوؤں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہوا تھا جس سے اس کا چہرہ
مصنوعی اور خوفناک لگتا۔ بچے تو بچے' بڑے بھی اندھیرے سویرے اُس کا اچانک سامنا ہونے پہ سہم جاتے۔ اسی
سبب وہ زیادہ تر جسم کے حصے اپنے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ڈھانپے رکھتا۔ سچی بات یہی کہ چاگا چینا! بڑی
غیر قدرتی زندگی بسر کر رہا تھا مگر شاید اب اس کا عادی ہو چکا تھا۔ اُس کی ضرورتیں بہت محدود اور خواہشیں
تو شاید تھی ہی نہیں۔ باپ کا چھوڑا ہوا چھوٹا سا مکان...... بیوی کو بیس برس قبل وہ فارغ کر چکا تھا۔ دولڑکے
شادی شدہ کویت میں کام کرتے تھے لیکن باپ سے کوئی سروکار نہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ اُن کی مرنے والی ماں کی
موت کا ذمہ دار یہی ان کا باپ تھا۔ مرنے والی یہ عورت بڑی حسین و جمیل تھی جبکہ چاگا چینا' معمولی شکل و
صورت کا اَن پڑھ بندہ!...... انتہا کا شکی مزاج' ہر لمحہ اپنی خُوبرو چٹی سفید بیوی پہ نظر رکھنے والا...... معمولی کپڑے
کنگھی پٹی بھی نہ کرنے دیتا۔ گھر کی چار دیواری میں یوں ڈال رکھا تھا جیسے کوئی خوبصورت پرندے کو پنجرے
میں ڈال دیتا ہے۔ ظلم کی انتہا کہ وہ اُسے' اُس کے میکے بھی نہ جانے دیتا اور نہ کسی رشتہ دار کو گھر گھسنے دیتا۔ کبھی
سال میں ایک آدھ بار بوڑھی والدہ اور بیوہ بہن اس کے پاس چلی آتی تھیں مگر بہت جلد تنگ پڑ کر واپس لوٹ
جاتیں۔ ان کے جانے کی بڑی وجہ' اس کی ماتگ تانگ کر گزارہ کرنے کی عادت' کپڑوں اور بدن سے اُٹھنے
والے بدبُو کے بھبکے تھے۔

سفید داغ' پھلبہری' برص وغیرہ کوڑھ کی ایک سُست رفتار قسم ہے جو نہایت نامحسوس انداز سے
مریض کو ایک بھیانک نجوت میں بدل کر رکھ دیتی ہے۔ جسم' منہ اور کپڑوں سے انتہائی غلیظ
بدبو خارج ہوتی ہے۔ مریض خود تو عادی ہو جاتا ہے مگر آس پاس والا بڑی ناگواریت محسوس کرتا ہے۔ داغوں
پہ ملنے لگانے والی مرہموں میں چونکہ انتہائی تیز سریع الاثر مفردات شامل ہوتے ہیں جو داغوں سے بدبُودار
مادے' پسینہ کے ذریعہ خارج کرنے کے مُوجب ہوتے ہیں۔ اس طرح برص کی بدبُو' مرہم کی بدبُوؤں سے

Scanned with CamScanner

مل کر تعفن کا طوفان بپا کر دیتی ہے۔ کسی دوسرے انسان کا قریب رہنا یا ایک کمرے میں سونا' بڑا کٹھن ہو جاتا ہے۔ بگڑے ہوئے برص' منہ پاؤں بغل کی گند' سوزاک گند' نسوانی رطوبت اور انسانی بدنیتی کی گند...... یہ بدبوئیں' طبع طبیعت کو تباہ کر دیتی ہیں...... رُوح کو ناشاد اور نفرت کو جنم دیتی ہیں۔

اکثر لوگ اپنی ناسمجھی' عدم تربیت اور بے حسی کی بنا پہ غذا کھانے میں بے احتیاطی برتتے ہیں۔ بڑے بڑے لقمے' نہ بسم اللہ نہ الحمدللہ! صحیح طریقے سے کھانا نہ چبانا۔ پانی پینے کا طریقہ' نہ حلق سے نیچے اُتارنے کی ترتیب...... لقموں کا درمیانی وقفہ اور نہ اندازہ کہ کب کھانے سے ہاتھ کھینچنا ہے۔ میرے بابا' کہا کرتے تھے کہ دُرویشی...... اکلِ حلال کمانا' خود لنگر تیار کرنا' مخلوق میں تقسیم کرنا پھر جو تھوڑا سا خود کھانا اور ہر لقمہ' گھونٹ پہ الحمدللہ کہنا...... سے شروع ہوتی ہے......!

اللہ کریم کے نوازنے کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ کسی پیشی گواہی کی مد میں جا کا چینا کچہری گیا ہوا تھا۔ واپسی میں دیر ہو گئی' بھوک سے بے دَم...... کھیسہ میں کوئی دھیلہ ٹکا ہوتا تو وہیں کہیں دال دلیہ کر لیتا۔ تیز تیز قدم اُٹھائے کرشن نگر کے چھوٹے راستہ پہ ہو لیا کہ گھر جلدی پہنچ کر کچھ کھانا پینا کرے۔ کرشن نگر' موٹے موٹے دھنوان کاروباری ہندو رہتے تھے۔ مندر' دھرم شالے' بھون اور معاشی آسودگی اِدھر ہی نظر آتی تھی۔ وہ اِدھر کی ایک کشادہ سی گلی سے گزر رہا تھا۔ بھوک' گرمی کی بنا پہ سر چکراتا ہوا محسوس ہوا۔ دائیں جانب' جھکے چھجے والی ایک وید کی دکان دکھائی دی۔ دَم دُرستی کی خاطر وہیں تھڑے پہ بیٹھ گیا۔ ہندو وید جی کسی پستک میں مگن تھے۔ اس نے ہلکی سی کھانسی کی تو اُن کا دھیان اس کی جانب ہوا!

نگاہ جو پتھر کے کلیجے کے اندر بھی اُتر جاتی ہے وہ ہر کسی کے پاس نہیں ہوتی۔ اللہ کریم کے خاص بندوں کے پاس ہوتی ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو خدمتِ خلق کے لیے وقف کیا ہوتا ہے۔ وہ نفس کے غلام نہیں ہوتے...... تفکر' تدبر' تحمل اُن کا وطیرہ اور راضی برضا رہنا' ان کا خاصہ ہوتا ہے...... سرنگوں رہتے ہیں' مذہب مسلک' رنگ و نسل کی آڑ لے کر انسانیت کا استحصال نہیں کرتے۔ تنگ نظر' متشدد' انتہا پسند نہیں ہوتے......!

زمانہ دیدہ' چشم کشیدہ اس بوڑھے وید کا بظاہر پیشہ طبابت دکھائی دیتا تھا...... مگر اندر بھیتر وہ ایک مہان رشی تھا۔ دُنیا بھر کے معقول منقول علوم...... پُراسرار بدیائیں' پرتھوی آکاش کی شکتیوں شانتیوں کی جانکاری اور مختلف دین دھرموں شاستروں کتابوں پہ گہری دسترس بھی......!

جب کسی سنار' جوہری پارکھ کے پاس سونا چاندی' ہیرا موتی لایا جاتا ہے تو وہ پہلی نظر میں ہی اصل نقل ملاوٹ کھوٹ کھنکیو کا اندازہ کر لیتا ہے۔ اس کے لیے جانچ پڑتال' کَسْ کسوٹی' تاؤ تلاؤ تو محض اتمامِ حجت ہوتا ہے۔ اِسی طرح طبیب حاذق بھی مریض کا چہرہ دیکھ کر ہی اُس کے مرض کا اِدراک حاصل کر لیتا ہے۔ اس

Scanned with CamScanner

صاحبِ نظر وید جی کو جانے کیا نظر آیا' یا اس کی دگرگوں حالت پہ دیا آئی؟ اپنے سیوک کو کہہ کر کچھ جل پانی کرایا۔ کچھ دیر بعد گاجر کے مربہ کی پھانک کھلائی۔ جب اس کے کچھ سدھ بدھ قائم ہوئے تو بڑی رسان سے پاس بٹھا کر پوچھا۔

''بیٹا! کیا دھندہ کرتے ہو......؟''

اس نے بتایا۔ ''بس اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہوں۔ بیوی بچوں سے فارغ ہوں۔ سفید دھبوں کی اس بیماری نے عاجز کر رکھا ہے۔ پسینے سے چھوٹنے والی بدبو کی وجہ سے کوئی قریب نہیں پھٹکتا۔ آپ حکیم اور دیالو ہیں' میری اس بیماری اور بیکاری سے چھٹکارا دلا دیجیے۔''

وید جی نے بڑی تسلی سے اس کی بات سُنی...... پوچھا۔

''تمہارے آس پاس کوئی ایسا نرش...... جسے تمہاری بدبُو خوشبو محسوس ہوتی ہو' تم سے محبت کرتا ہو؟''

اس غیر معمولی سے سوال پہ اپنی آنکھیں جھپکاتا سا رہ گیا۔ جب کوئی جواب بن نہ پڑا تو بولا۔

''میں کچھ سمجھا نہیں......؟''

''تم نے بتلایا کہ تمہارے بیوی بچے تو ہیں نہیں...... اب میں جاننا چاہتا ہوں تمہارے ہاں کوئی ایسا' اپنے بیگانوں میں سے' جس کا تم سے من ملتا ہو' تمہیں اپنا سمجھتا ہو؟''

کچھ دیر اپنے اندر باہر جھانکتا ہوا بولا۔

''ایسا تو کوئی نہیں...... بس کچھ محلے دار' پرانے جاننے والے' جن کے میں کام آتا ہوں اور وہ میرا بھی خیال رکھتے ہیں۔ ہاں' ایک ایسا لڑکا ہے جو میری بڑی عزت کرتا ہے۔ بیمار پڑوں تو دوا دارو بھی لا دیتا ہے۔ اُسے شاید مجھ سے بدبُو نہیں آتی...... مجھے یاد ہے ایک بار وہ مجھے سہارا دے کر حکیم جی کے پاس لے گیا۔ میں نے یونہی کہہ دیا۔ تمہیں مجھ سے بدبُو آئے گی مجھے اس طرح مت تھامو...... مجھے یاد ہے اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں' مُنہ سے تو کچھ نہ بولا مگر میری کمر کے گرد گرفت اور مضبوط کر لی۔ ہاں' ایک اور بات بھی یاد ہے۔ میری کمر میں چٹے داغوں پہ زور سے کھجلی چھڑی ہوئی تھی۔ وہاں تک ہاتھ پہنچ نہ رہا تھا۔ ایسی بے چینی ہوئی کہ دیوار پہ لگے سوکھے اُپلوں سے کمر رگڑ رہا تھا۔ وہ کہیں سے اِدھر آ نکلا میری حالت دیکھ بھاگا ہوا آیا۔ کھینچ کر پرے کیا۔ کمر سے خون کی بُوندیں ٹپک رہی تھیں۔ اپنی قمیص کھینچ کر اُتاری' میری کمر صاف کی اور ہولے ہولے سہلانے لگا۔ بس' اُس دن میں نے فیصلہ کر لیا۔ خودکشی نہیں' میں جیوں گا۔

وید مہاراج! بس' پوری دُنیا میں صرف یہی ایک انسان ہے' جس کو مجھ سے بدبُو نہیں آتی۔ یہی میرا دوست ہے' اُسی سے مجھے محبت ہے۔ اس کا نام یحییٰ ہے۔ پٹھان ہے۔''

Scanned with CamScanner

''یہ بھلا مانس کون ہے' کیا کار کرتا ہے؟''

''ہمارے محلے کا ایک شرارتی لڑکا ہے۔ اسکول جاتا نہ کوئی کام کرتا ہے۔ آوارہ گردی' چھوٹی موٹی چوریاں' ہر وہ حرکت جو کسی نکمے نچلے اور ندیدے بچے میں ہو سکتی ہے' پر اس میں عقل نقل' ذہانت اور ادب خدمت بہت زیادہ ہے۔ فقیروں درویشوں ملنگوں کی صحبت میں اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ جو بھی ہے میری نظروں میں ایک مہان پُرش ہے۔ مگر آپ یہ سب مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

وہ ایک شیشے کی برنی سے پیلے رنگ کی مرہم دکھاتے ہوئے بولے۔

''یہ ایک نایاب قیمتی اور انتہائی پُر اثر مرہم ہے جو پیلے رنگ کے مخملی سانپوں کی کینچلی اور سرسوں کی کونپلوں کے ملاپ سے بسنت رُت میں ہی بنایا جاتا ہے۔ اس کی تیاری میں چاندی کے سکے نہیں سونے کی اَشرفیاں لاگت آتی ہے۔ یعنی سپیرے سانپ کے وزن برابر' سونا اُٹھاتے ہیں۔

مزید انکشاف کرتے ہوئے بتانے لگے۔ ''اس جادوئی مرہم کا سب سے بڑا چمتکار یہ کہ اس کا استعمال' صرف ایک بار کیا جاتا ہے۔ بسنت رُت میں چندرما کے گھٹاؤ کے آخری دنوں' پھوٹی سرسوں کے کھیت میں بیٹھ کے کوئی ایسا مخلص' اس مرہم کو مریض کے سر پر لگائے' جو بد بو اور کراہت کو انتہائی حد تک برداشت کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔ پھر دَم' پو پھوٹتے نئے' سرسوں کے پتّوں سے سر یہ صاف کر کے نہلا دے۔ اگر مرض دائیں بازو' ہاتھ ہونٹوں سے شروع ہوا تھا تو سورج کے نکلنے تک سر یہ صاف ہو کر اپنے اصل رنگ پہ آ جائے گا اور پھر کبھی اثر انداز نہ ہو گا' اگر بائیں جانب سے شروع ہوا اور نوّے فیصد یا زیادہ اثر پذیر ہو چکا ہے تو پھر شفایابی کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ تمہاری قسمت اچھی ہے کہ بسنت بہار شروع ہو چکی ہے۔ یہ مرہم لے جاؤ اور اپنے اُسی ہمدرد دوست کو آمادہ کرو کہ وہ تمہارے سر پہ اچھی طرح مل دے پھر اگر تمہارے نصیبوں میں تندرست ہونا لکھا ہے تو اچھی بات! اگر نہیں تو اور بھی اچھی بات......؟''

چانے چینے نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھ لیا۔ ''بھلا تندرست نہ ہونے میں کونسی اچھی بات ہو گی؟''

''جب کوشش چھتا کے بعد بھی کسی کار میں کامیابی نہیں ملتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مالک کا کوئی اپنا اور فیصلہ ہے۔ جس میں بندے کے لیے کوئی بہتری ہوتی ہے۔''

چانے چینے نے مرہم کی ڈبیا کو یوں دیکھا اور پکڑا جیسے اس میں تریاق نہ' کوئی پدم ناگ ہو...... ہکلاتے ہوئے بولا۔

''مہاراج......! میں تو دمڑی کی ڈبیا ماچس خریدنے کے اہل نہیں ایسی قیمتی اور نایاب مرہم حاصل کرنے کے لیے پیسے کہاں سے لاؤں گا؟ اور پھر اس مرہم کے لگانے کی اتنی احتیاطیں؟...... وہ میرا دوست

بچے' لاکھ میرا ہمدرد سہی مگر ہے تو اک انسان! اپنے مطلب کی خاطر اُسے ایسی کڑی آزمائش میں ڈالنا' کچھ اچھا نہیں لگتا۔""" آپ نگاہ دھیان والے ہیں' اندر بھیتر جھانک لیتے ہیں' میرے جثے پہ ایک چپہ جگہ ایسی نہیں جو سفید داغوں سے خالی ہو۔ حتیٰ کہ تمام بال پلکیں ابرو سفید اور آنکھوں کی پتلیاں کرنجی رنگت اختیار کر چکی ہیں۔ اسی لیے سب مجھے چینا کہتے ہیں۔ کبھی آئینہ پہ نظر پڑ جائے تو مجھے اپنا آپ ایک باسی سنگھاڑا مچھلی کی طرح جاپ پڑتا ہے۔ یہ بغیر چانوں والی سنگاڑا مچھلی اور سفید سانپ مجھے زہر لگتی ہیں۔ بیوی میرا ساتھ چھوڑ' اللہ کے پاس چلی گئی...... بڑے بچے علیحدہ ہو گئے۔ چھوٹوں کو ننھیال والے لے گئے' گھر میں جھاڑو پھر گئی...... در و دیوار پہ جالے لٹک گئے۔ کئی بار ریل کی پٹڑی پہ لیٹنے کا خیال آیا...... مگر نہ جانے کیوں عمل نہ ہو سکا' جیسے کوئی نادیدہ طاقت مجھے پکڑ لیتی ہے۔"

مہاراج! اَب میری یہ حالت ہے کہ محلّے داروں کے ٹکڑوں پہ پڑا ہوں۔ اس بیماری کی وجہ سے کہیں ملازمت بھی نہیں کر سکتا۔ آج میں کچہری ایک جھوٹی گواہی دینے کے سلسلہ میں آیا تھا۔ خدا کو حاضر ناظر اور قرآن پہ ہاتھ رکھ کر میں نے جھوٹی گواہی دی۔ صرف اور صرف تین روپوں کی خاطر!" چاغے چینے نے تین روپے کھیسہ سے نکالے وید جی کے آگے رکھے۔ گھگھیاتے ہوئے فریاد کی۔ "یہی کچھ میرے پلے ہے...... ان کی جتنی دوا آتی ہے دے دیں۔ میرا من کہتا ہے میرے روگ کا اتم بھوگ آپ کے کرم کرپا سے ملے گا۔"

وید جی نے کمال تحمل سے اُس کی مختصر طویل رُوداد سُنی...... گہری نظروں سے اُسے تولتے ہوئے گویا ہوئے۔

"لاکھ جتن کر ہارو' لیکھوں کا لکھا نہ ٹلے۔ کیوں جتن اوش ہے۔ یہ طلسمی مرہم سنبھالو اور جیسے بتایا ویسے ہی اپنے سر پہ لگواؤ...... دیکھتے ہیں کیا چمتکار ہوتا ہے؟...... اور ہاں' مرہم سے داغ دھبے جاتے رہیں تو اگلے روز یہاں پہنچ جانا۔ اگر داغ دھبے اور گہرے ہو کر پھیل جائیں یعنی مرض ختم ہونے کی بجائے' مزید بڑھ جاتا ہے تو اگلے ماہ' چندرما کی بڑھوتی کے ساتویں دن' جو شکروار ہوگا' اسی سمے اِدھر میرے پاس پہنچ جانا۔ بقیہ بات' تب ہوگی۔"

چاغا چینا' مرہم لے کر میرے پاس آیا...... ساری بات بتائی۔ اس کی رام کہانی سُن کر نہ تو مجھے کوئی تعجب ہوا اور نہ میں نے کوئی توجہ دی۔ وہ کہتا رہا اور میں بڑی بے دلی سے سُنی اَن سُنی کرتا رہا کہ ایسی حرکتیں اُس کا روز مرہ تھیں۔ میری سرد مہری محسوس کرتے ہوئے تپ کر کہنے لگا۔

"یار! میں اتنی زبردست بات بتا رہا ہوں اور تم یوں اُکھڑے اُکھڑے سُن رہے ہو جیسے میں تمہیں کسی فضول سی فلم کی سٹوری سُنا رہا ہوں۔"

میں نے اُس کی خفگی کے قطع نظر' اسی لاپروائی سے جواب دیا۔

Scanned with CamScanner

''گواہی اور کچہری کی حد تک تو مَیں نے بات توجہ سے سُنی' مگر جب اس ترویدی وید کا ذکر آیا تو میری دلچسپی ختم ہو گئی۔''

بھنک کر پوچھنے لگا۔

''اُس کی وَیدی نے تمہاری دلچسپی ختم کر دی یا اُس کے ترویدی ہونے نے......؟''

میرا موڈ کسی وجہ سے خراب تھا۔ مَیں نے اسے آڑے ہاتھوں لینے کی ٹھانتے ہوئے پوچھا۔

''تم اس شہر سیالکوٹ کے کسی مشہور حکیم طبیب کو جانتے ہو؟''

اُس نے احمقوں کی طرح دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''حکیم خادم علی' لالہ بیلی رام اور اپنے سبزی بازار والے حکیم صادق......!''

''بالکل ٹھیک! چاچا جی! ان کے علاوہ بھی اس شہر خوبی و خرابی میں کئی اور وید حکیم ڈاکٹر ہیں۔ ہندو مسلمان عیسائی اور سکھ بھی' لیکن ان کے درمیان ایک ایسا بندہ بھی ہے جو بندہ ہو کر بھی بندہ نہیں فرشتہ لگتا ہے۔ ڈاکٹروں حکیموں ویدوں سنیاسیوں رشیوں سے بڑھ کر کوئی مسیحا...... ہندو' مسلمانوں' سکھ عیسائیوں کی مخصوص محدود سوچ فکر سمجھ سے آگے کی ذہنیت و ظرف کی اِک ہستی؟...... تم اُس راستے سے اکثر گزرے ہو گے۔ ہمارے محلّے سے کچہری جانے کا شارٹ کٹ راستہ پورن نگر سے نکلتا ہے۔ کھیت ختم ہوتے ہی دھرم شالہ اور بازار دکھائی دیتے ہیں۔ بازار میں رام دیال جج کی کوٹھی سے پہلے ہر دوار بھون ہے۔ اس کے نیچے کی سات دوکانوں میں سے ساتویں دوکان کے باہر برآمدے میں دھوتی پہنے برہنہ گوتھلا سا انسان نما اِک عجوبہ' لکڑی کے تخت پہ براجمان ہوتا ہے۔ اُدھر سے گزرنے والا' چاہے نہ چاہے اُسے دیکھنے پہ ضرور مجبور ہوتا ہے۔ اُس کی پشت پیچھے اِک دوکان دکھائی دیتی ہے غور سے دیکھنے پہ بھی پتا نہیں چلتا کہ یہاں بکتا کیا ہے یا ہوتا کیا ہے؟ اس کی ہیئت کذائی اور دکھائی دینے والے اجزائے قدیمہ اور جدیدہ سے کچھ پلّے نہیں پڑتا۔ دیکھنے والا اپنے اندر باہر کی معاملت سے اگر کچھ نتیجہ حاصل کر لے تو وہ اس کی باطنی بصیرت ہے۔ کسی دائمی بیمار کو وہ اُوشد حالیہ دکھائی دے گی۔ بے آسرا کو آشرم' بھوکے پیاسے کو پرشاد خانہ...... جیون بتیا کی کامنا والوں کو شمشان گھاٹ' مَن مات والوں کے لیے سنگسات...... انا الحق کہنے والوں کے لیے مقتل!...... دُنیا جہاں کی تمام خوشبوؤں کو آپس میں ضم کر دیا جائے تو وہ یک رنگ اور بے باس ہو جاتی ہیں پھر کسی ایک خُوشبو کو دیگر خوشبوؤں سے جُدا کرنا ممکن نہیں رہتا۔ کسی کا رنگ خیالا' کوئی صاف شفاف' کھارا کوئی میٹھا بھاری تو کوئی ہلکا...... زہریلا اور کوئی شفا بار' بابرکت اور کوئی بے برکت...... وشال ساگر میں شامل ہوتے ہیں تو سارے باہم شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ مَن و تُو کے تمام تلخ و ترش تر دّد تمام ہو جاتے ہیں۔ یکتائی اِک آزاد سا آزار اور دُوئی اِک پابندی مُکان......!''

Scanned with CamScanner

جانا چھینے نے اس تیکھی گفتگو سے اُوبا کر پہلو بدلنے شروع کر دیے تھے۔ منہ سے کچھ کہنے بولنے کی جرأت کہاں سے لاتا۔ اُس کی بے چینی محسوس کر کے مَیں نے خود ہی موضوع کو تبدیل کرنا مناسب جانا۔

''اچھا بتاؤ' یہ مرہم کب لگوانی ہے؟''

کچھ آسانی محسوس کرتے ہوئے بولا۔

''یار! مرہم تو آج رات ہی لگانی چاہیے...... ورنہ ابھی ہوں کہیں کام اور خراب نہ ہو جائے۔ اَب یہ تمہاری باتیں سن کر مَیں اور پریشان ہو گیا ہوں۔ ایک بات تو بتانا بھول گیا' ویدجی نے جو شربت پلایا' ایسا میٹھا خوش ذائقہ شربت پہلی بار پیا...... جسم میں جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ اک دم تازگی طاقت کا احساس ہوا بھوک پیاس سب غائب...... ایسی تاثیر توانائی والا شربت ہمارے حکیموں' عطاروں کی دکانوں سے کیوں نہیں ملتا؟''

''تم نے کبھی شربتِ دینار یا شربتِ اشرفی پیا ہے؟''

وہ بھاڑ سا منہ کھولے مجھے تکنے لگا جیسے مَیں نے کہہ دیا ہو کہ تم نے کبھی پارے یا گندھک شورے کا شربت نوشِ جان کیا ہے؟...... بمشکل پوچھنے لگا۔

''اس کا مطلب ہے کہ ڈالروں اور پونڈوں شلنگوں کا شربت بھی ہوتا ہوگا؟ مَیں نے پہلی بار تم سے ان شربتوں کے نام سنے ہیں۔ صندل بزوری' انار' گلاب الائچی کے شربت پیئے ہیں مگر ویدجی والے شربت کی بات کچھ اور ہے۔''

''اس لیے کہ ویدجی آیورویدک کے مہان ویدی ہیں۔ ان کے پاس آیورویدک کی گیان شکتیوں کے علاوہ اور بہت سی بدیاؤں کی شکتیاں بھی ہوتی ہیں۔ ایسی شکتیاں' یوگیوں منیوں کے ہاں ہی ہوتی ہیں اور ایسے مہان منش' خال خال ہی کہیں ہوتے ہیں اور اگر کہیں ہوتے ہیں تو اپنی پہچان نہیں کرواتے ہیں۔ بستیوں شہروں میں اُن کا وجود نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ بَن جنگلوں پہاڑوں میں اپنی تپسیا ریاضت میں جُتے رہتے ہیں۔ مَیں حیران ہوں کہ تمہاری اُن سے مٹھ بھیڑ کیسے ہوگئی؟...... کہاں راجہ بھوج' کہاں گنگوا تیلی...... مَیں اسی وجہ سے تمہاری یہ ویدجی والی کہانی' کوئی فلمی سٹوری سمجھ کر نظرانداز کر رہا تھا۔''

ہلکا سا غصہ دکھانے کے بعد پوچھنے لگا۔

''تم ویدجی کے بارے اتنا کچھ کیونکر جانتے ہو اور یہ اَوکھی اَوکھی باتیں جو مجھے ابھی بتائی ہیں کیا اُن سے سیکھی ہیں؟ مَیں نے تو تمہیں کبھی اُن کے یا کسی وید سنیاسی رِشی کے پاس بیٹھے نہیں دیکھا؟''

مَیں نے جواب دیا۔ ''ہم ظاہری باطنی' آپس میں ایسے قریب نہیں ہیں جو مفصل ایک دوسرے کو جانتے سمجھتے ہوں۔ تمہارے سامنے ہی ہے کہ ایک گھر میں ساتھ رہنے والے' ایک ماں باپ کی اولاد' ایک

Scanned with CamScanner

دوسرے کے بارے صحیح سے سب کچھ نہیں جانتے ہوتے۔ ہم تو محض محلے دار ہیں جو پرانے بزرگوں کے وقتوں سے ایک دوجوں کا دید لحاظ رکھتے ہیں۔ ویسے تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں جب سیالکوٹ میں موجود ہوتا ہوں تو ہر روز اُن کے درشن اور بھوجن کے لیے پورن نگر کا چکر ضرور لگاتا ہوں۔ میں انہیں کب سے جانتا ہوں' اُن سے کیا کچھ سیکھا پڑھا اور سمجھا' وہ اصل میں کیا ہیں؟ یہ سب کچھ جاننا تمہارے لیے ضروری نہیں۔ البتہ ایک بات ضرور تمہیں معلوم ہونی چاہیے کہ وہ دھارمک شاستروں' پرانی پستکوں' پرانوں' ودیاؤں اور ارضی افلاکی پراسرار علوم کے مہا گیانی' ودیالو اور برہمچاری ہیں۔ پریوار تو ہے مگر کوئی پتنی یا سنتان نہیں۔

اُن کے سورگباشی پتاجی ہردوار کے مہان پنڈت تھے۔ بوڑھے ہو گئے مگر اولاد نرینہ سے محروم۔ علاج معالجہ' جھاڑ جنتر دکھشنا سے جب کوئی آس نہ بندھی تو کسی مسلمان کے کہنے سننے پہ بیس کوس دورے کلیر شریف صابر پیا کے مزار پہ پہنچا۔ آدھا سر نہر کے پانی میں ڈبوئے پراتھنا کی' منت مانگی' سنتان کے لیے بنتی کی...... ہردوار کے پنڈتوں پجاریوں کا طریقہ ہے کہ وہ اپنا آدھا سر گنگا کے پانی میں ڈبو کر پراتھنا کرتے ہیں۔ یہی انداز اس نے کلیر شریف کی نہر میں بھی اپنایا۔ رات گئے اپنی پراتھنا ختم کی...... بقیہ رات کا وقت بتانے کی خاطر منہ سر لپیٹے دربار کے صحن میں لیٹ گیا۔ سپنے میں دیکھتا ہے اس کی گود میں ایک پوٹلی گری ہے۔ آدھی ریشم اور آدھی سوت کے دھاگوں کی۔ اندر سے گوشت پوست کا ایک پتلا برآمد ہوتا ہے۔ مردانہ مگر لباس اور آرائش زنانہ...... غیب سے آواز آتی ہے۔ ''نہر کے پانی سے باہر رہ کر بات کرتا تو یہ کچھ نہ ہوتا۔ تو نے جو طریق اپنایا تجھے ویسے ہی ملا۔ اپنے پورب اوڑ پانستر کوس' پورن نگر میں بسر کرو!''...... ہوش برقرار ہوئے تو دنیا ہی بدل چکی تھی۔ واپس ہردوار پہنچے' مسلسل کئی مہینوں یہی سپنا دکھائی دیتا رہا۔ آخر اپنی پتنی کو تیار کیا اور چپکے سے اِدھر نکل آئے۔ کھوجتے کھوجتے جب پورن نگر تک پہنچے تو ان کی پتنی امید سے تھی...... پنڈت جی کی اپنی یہ حالت کہ وہ آدھے برہمن اور آدھے مسلمان...... ہندوؤں مسلمانوں کے تمام رسوم و تہوار مناتے۔ دونوں مذاہب والی آپس داری' رواداری برقرار رکھی...... اختلافی بھید بھاؤ کو کبھی خاطر میں نہ لائے۔ صابر پیا کا لنگر سدا جاری رکھا۔''

اللہ کے سچے اور مخصوص بندوں کے خواب بھی سچے ہوتے ہیں۔ پنڈت جی نے بظاہر اپنا دھرم بدلا اور نہ نام...... سر پہ چٹیا اور گلے میں جینؤ' ماتھے پہ تلک پاؤں میں کھڑاویں...... دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ کٹر ہندو براہمن ہیں مگر ذرا ٹٹولو تو اندر سے جھٹ سے ایک مومن نکل آتا۔ مقابل میں ہندو مسلمان تلاش نہ کرتے انسان دیکھتے۔ انہوں نے دھرم شالے مندر اگر بنوائے تو مدرسے اور مسجدیں بھی تعمیر کروائیں۔

جب دیہانت ہوا تو وہی گرونانک جی والا قضیہ اٹھ کھڑا ہوا...... جلائیں یا دفنائیں؟...... ہندوؤں کی

Scanned with CamScanner

اکثریت تھی انہوں نے ارتھی اُٹھوائی اور شمشان گھاٹ لے گئے۔ منوں چندن کاٹھ اور دیسی گھی سے چتا کو آگ دکھائی۔ لکڑی اور گھی اتنا کہ دس ارتھیاں پھول بن جاویں...... پر ادھر ایسی اَن ہونی ہوئی کہ جس نے سُنا منہ میں اُنگلیاں داب لیں۔ ناف سے نیچے کا جسم آگ کھا گیا اور اُوپر صحیح سلامت' بالکا سا سینک تک نہ لگا۔ نئے سرے سے تمام رسومات ہوئیں' بڑے بڑے بھاری بچاری اور پنڈت اکٹھے ہوئے۔ ہون ہُوا' اشلوک پڑھے گئے۔ پہلے سے زیادہ لکڑی گھی جلایا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ باقی کا حصّہ اَب بھی سلامت رہا۔ تب ان وید جی نے' جن کی عمر اُس سے بمشکل چند برس تھی۔ پنڈتوں براہمنوں کو اپنا سپنا سنایا کہ پتا جی سورگباشی کا باقی جسم جلایا نہ جا سکے گا۔ اس کو مسلمانوں کے طریقہ سے دفن کرنا پڑے گا۔ ہندوؤں میں اشتعال پھیل گیا۔ کوئی کچھ کہے اور کوئی کچھ۔ آخر فیصلہ ہوا کہ ہردوار اور سومناتھ سے فیصلہ لیا جائے۔ اُدھر سے فیصلہ آیا کہ زمین میں گڑھا کھود کر چتا جلائی جائے اور جلانے کے لیے لکڑی گھی کی مقدار بڑھا دی جائے۔ اگر ارتھی پھر بھی نہ جلے تو اسی گڑھے کی قبر میں دفنا دیا جائے...... یہی کیا' لیکن وہی کہ آگ نے بقیہ مُردہ جسم کا بال تک بیکا نہ کیا۔ تب مسلمان آ گئے اور غسل دے کر کفنایا' نماز جنازہ پڑھی اور اسی گڑھے کی قبر میں دفن کر دیا...... یعنی جسم کا جو حصّہ کلیر شریف کی نہر میں پانی میں ڈوبا رہا وہ جل گیا جو باہر رہا وہ دفن ہُوا...... اس واقعہ سے ہندوؤں مسلمانوں میں اک کھلبلی سی مچ گئی۔ کئی ہندو مسلمان ہو گئے...... ان کی قبر پہ مسلمانوں نے مزار بنا دیا اور چتا کی جگہ ایک مندر......!"

چاچا چینا' کچھ ایسی محویت سے سُن رہا تھا کہ جیسے وہ جان سے گزر چکا ہو اور میں بھی سنانے میں یوں مگن کہ وقت گزرنے کا خیال ہی نہ رہا۔

کہنے اور سُننے کا بھی کوئی ماحول بنتا ہے۔ کچھ باتیں' کام اور فیصلے' بروقت کرنے کے نہیں ہوتے' کر بھی گزریں تو اثر پذیر نہیں ہوتے۔ تجربہ بتاتا ہے موسم کا پھل' جوانی کی کمائی' شادی اولاد' صحیح وقت پہ عمل اور فیصلہ' بہتر نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ ہر پَل ساعت سماں' اپنے اپنے مخصوص سواد' سو سلوک رکھتا ہے۔ وقت کی راگنی اور بے وقت کا شور...... وقت کی زبان' تیور تقاضا سمجھنے والا ہی تائیدِ غیبی کا سزاوار ہو سکتا ہے۔

ایک لاڈلے بیٹے نے باپ سے ہاتھی کی فرمائش کی۔ ہاتھی بان' گلی گلی آوازے لگا رہا تھا۔ ٹکے کا ہاتھی' ٹکے کا ہاتھی لے لو...... مفت ہی سمجھو' ٹکے کا ہاتھی۔ بچے نے ضد کی کہ ہاتھی بہت سستا مل رہا ہے۔ تنگدستی کے مارے باپ نے بچے سے کہا۔" ٹکے میں بھی ہاتھی مہنگا ہے۔ آج کل سردی زوروں پہ ہے' ہاتھی جاڑا جلدی کھا جاتا ہے۔ موسمِ بہار میں اچھا سا ہاتھی لے دوں گا۔" بچہ بچارا' باپ کی بات' بہانے میں آ کر صبر کے سنتوکھ پی کر کھلے موسم کا انتظار کرنے بیٹھ گیا۔ وقت ہو گزرا...... قلاش باپ کے حالات پہ موسمِ بہاراں نہ اُترنا تھا نہ اُترا......

Scanned with CamScanner

اچانک وقت نے انگڑائی لی حالات و معاملات میں خوشگوار تبدیلی آ گئی۔ نبھانے دن لوٹ آئے' ہاتھ کشادہ ہو گیا۔ روپیہ پیسہ کی ریل پیل ہو گئی۔ ایک دوپہر' باپ بیٹا بیٹھے گلابی سردیوں کا لطف لے رہے تھے۔ گلی میں کوئی آواز ہ لگا رہا تھا۔ "ہاتھی لے لو' ہاتھی! آسام کا سفید سدھایا ہوا ہاتھی۔ پکے پورے دانت' ڈیچی کی زابو تانت' سونڈ کی سیدھی آنت' نہ کانت نہ بھانت؟ ہاتھی جیون بھر کا ساتھی"...... بیٹے آواز ہ سُن کر کسمسایا تو ضرور مگر منہ سے کچھ نہ بولا کہ جاڑے کا موسم جھنجھنیا ہاتھی سردی کھا جاتے ہیں...... وہ سُنی اَن سُنی کر رہا تھا۔ اِدھر باپ کی بھاری جیب میں روپہلی سِکّوں کی کھنکھناہٹ اُبھری۔ بیٹے سے کہا' ذرا لپک کر پوچھو ہاتھی کن داموں بیچ رہا ہے۔ وہ بھاگا بھاگا گیا لیکن منہ لٹکائے واپس لوٹا۔ باپ نے وجہ دریافت کی تو بولا۔

"وہ ہاتھی ہمارے کام کا نہیں ہے۔"

"کیا بوڑھا ہے کمزور یا بے ڈھبا ہے؟" باپ نے متردد ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ہاتھی اچھا ہے مگر دو عیب ہیں ایک جاڑے کا موسم کہ ہاتھی سردی کھا جاتا ہے۔ دوسرا عیب' ایک لاکھ روپیہ' جو اس کے دام ہیں۔" وہ مزید بتانے لگا۔ "پچھلے برس بھی یہی آدمی' ہاتھی بیچ رہا تھا۔ وہ ہاتھی' اس ہاتھی سے بھی زیادہ تنومند اور خوبصورت تھا مگر قیمت ایک ٹکا تھی۔ ابا! پانچ لاکھ روپیہ بتا رہا ہے۔"

باپ زانو پہ ہاتھ مار' کھلکھلا کر ہنسا۔ لاکھ روپوں کا توڑا ملازم سے اُٹھوایا' بیٹے سے کہا۔

"فوراً جا کر ہاتھ خرید لو۔ ایسا سستا ہاتھی پھر ہاتھ نہ لگے گا۔"

بیٹا حیران و پریشان باپ کو سوالیہ نظروں سے تکنے لگا' ہمت کر کے پوچھ بیٹھا۔

"ٹکے کا ہاتھ تو مہنگا اور آج لاکھ کا ہوا تو سستا...... سرد موسم بھی آڑے نہ آیا؟"

باپ نے تُرت جواب میں کہا۔

"ساری 'سمیا' سمے کے سبھاؤ کی ہے۔ جاؤ' ہاتھی خرید لو......!"

لوہا گرم ہو' ٹہنی ڈنٹھل نرم ہو...... آنکھ میں شرم ہو' سر پہ دستِ کرم ہو تو سب موسم' موسمِ بہار اور سب ہاتھی' ساتھی ہوتے ہیں۔ لوہار خوب جانتا ہوتا ہے کہ سرخ رو تاپ کھائے لوہے کو کن ساعتوں میں اپنی منشا کے مطابق ڈھالنا ہوتا ہے۔ یہی سمان ساعتیں' باغبان اور دہقان دھیان میں رکھتے ہیں۔!

● عجب پریشاں ہے گفتگو میری......!

ملائیشیا کے دور افتادہ ایک گاؤں میں میرا ایک زراعت پیشہ بچہ رہتا ہے۔ بڑے عریض و وسیع

Scanned with CamScanner

کھیت کھلیان' سرسبز مرغزار' تالاب' آبجوئیں' ثمر بار باغات' مویشیوں کے باڑے اس کی ملکیت میں ہیں۔ اُس کا اصل شوق' نباتات پہ تجربات اور تحقیقات کرنا ہے۔ وہ ہمہ اوقات' اپنی تجربہ گاہ اور کھیتوں میں جڑی بُوٹیوں سے جُڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ درختوں' پودوں بھانت بھانت' قلموں کونپلوں' جڑوں جھاڑوں بیجوں کی اقسام' نسل واصل سے یوں واقف جیسے ہمارے ہاں' پشتینی میراثی ہوتے ہیں جو پچھلی کئی نسلوں کے شجرے ازبر رکھتے ہیں۔ کھادیں' گل' مختلف توڑوں جوڑوں سے پودوں' پھل پھولوں اور جڑی بوٹیوں کی نت نئی اقسام بھی دریافت کرتا رہتا۔ انہی کوششوں تجربوں کے نتیجہ میں اُس نے زعفران' قہوہ' انجیر' زیتون اور کالے گلاب کی چند ایک قسموں پہ تجربات کیئے۔ بہت حد تک کامیابی بھی حاصل کی۔

بہت عرصہ پہلے اس کے بے حد اصرار پہ مجھے وہاں ملائیشیا جانا پڑا۔ دراصل وہ مجھے اپنی کامیابیاں اور فارم ہاؤس دکھانا اور اپنے بوڑھے نابینا باپ' جو کینسر کا مریض تھا' کے لیے دُعا اور دَوا کرانا چاہتا تھا۔ ہمارے آپس کے تعلقات کا دَورانیہ قریب قریب دس سال پہ محیط تھا۔ کسی آسودہ اوقات زمانہ میں' مجھ سے کچھ عربی رسم الخط میں خطاطی سرزد ہوگئی تھی۔ احباب کے اصرار پہ جب یہ سلسلہ دراز ہوا اور ایک اچھا خاصا کام اکٹھا ہوگیا۔ تب احباب نے ہلکی سی پبلک نمائش کا اہتمام بھی کردیا۔ یہ میری خطاطی کی نمائش مقامی سطح پہ تھی۔ جسے فنی اعتبار سے کوئی پذیرائی نہ ملی...... چلو! دوست خوش ہوگئے اور مجھے بھی کچھ نام اور دام مل گئے۔ انگریزوں اور پاکستانیوں نے میرا کچھ کام خرید لیا تھا۔ ان خریداروں اور قدر شناسوں میں ایک "عقل کا اندھا" یہ ملائیشین ماہر نباتات بھی تھا جس نے میری ایک سورہ الکوثر والی چھوٹی سی پینٹنگ' بڑے داموں خرید لی تھی۔ میرے فن کی خوب تعریف کرتے ہوئے میری جانب دوستی کا ہاتھ بڑھا کر کہا۔

''آپ کی خطاطی کے انداز نے مجھے ایک نئی راہ سجھائی ہے۔ ایک ایسا آئیڈیا ملا جس سے مَیں بہت سا کام کرسکتا ہوں۔''

اپنی اس پذیرائی پہ مجھے تعجب بھی ہُوا کہ فنی حوالے سے میرے کام میں مزید بہتری اور معیار کی گنجائش بہرطور موجود تھی جس کا مجھے احساس بھی تھا۔ اس معاملہ میں' مَیں پورا پورا اکمیذ الرحمان تھا...... لہٰذا مَیں اِس ملائیشین کی طرف سے ملنے والی پذیرائی اور پیسوں کو نعمتِ غیبی جان کر ڈکار گیا۔ مجھے کیا علم کہ یہ اُدھیڑ عمر ملائیشین' میری جان کو ہی آجائے گا۔

وہ انگلینڈ میں اپنے بیٹے کے ہاں آیا ہوا تھا جو بریڈفورڈ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھا۔ دونوں میرے ریسٹورنٹ کے قریب ہوٹل میں رہتے تھے اور اکثر رات کا کھانا میرے ریسٹورنٹ میں کھایا کرتے۔ مسلمان ہونے کے ناطے' رسمی سی علیک سلیک ہوئی۔ دو چار ملاقاتوں میں احساس ہوا کہ عبدالحنان تمیمی' ایک مخلص'

Scanned with CamScanner

بے پناہ صلاحیتوں کا مالک' دردمند مسلمان ہے۔ پشتینی ثروت مند اور ہمیشہ درویشوں فقیروں کی صحبت اختیار کرنے کا آرزومند رہتا ہے۔ بہت جلد ہم دونوں نے اِک دوجے کو کھوج لیا تھا۔ میرے ریسٹورنٹ کے اندر دیواروں اور مختلف نمایاں جگہوں پہ میری مصور خطاطی کے طغرے بڑے زیبائی سے آویزاں تھے کہ اندر موجود ہر فرد کو دعوتِ نظارہ دیتے تھے۔ ایسے غیر مسلم افراد' جو عربی رسم الخط سے آشنا نہ بھی ہوتے' محظوظ ہوئے بغیر نہ رہتے اور انہیں سمجھنے کی خاطر' مجھ سے رجوع کرتے۔

عبدالحنان تمیمی بھی میرے فن پاروں کی تعریف کرتے نہ تھکتا تھا۔ جانے میرے مَن میں کیا سمائی' میں نے اُسے اپنے گھر' عشائیہ پہ مدعو کرلیا۔ یہاں مجھے اِس کی وارفتگی کا اِک حیران کر دینے والا مشاہدہ ہُوا۔ کھانے کے بعد ہم ڈرائنگ روم میں آ گئے تاکہ ریلکس موڈ میں بیٹھ کے ہلکی پھلکی گفتگو کر سکیں۔ ادھر اُس دیوار پہ میرا ایک مستطیل طغرا' جس پہ کلمہ طیبہ کچھ اِس انداز سے لکھا ہُوا تھا۔ جیسے سبزے کی باڑ پہ قدرتی طور پہ اُگا ہو۔ شاخسار' پتے' کونپلیں' غنچے سب کچھ ایسا قدرتی کہ کہیں بھی یہ گمان نہ ہوتا کہ توڑ مروڑ یا کاٹ چھانٹ کر بنایا گیا ہے' ایسے غیر معمولی فن پارے جو عام ڈگر سے ہٹ کر وجود میں آتے ہیں۔ یقیناً وہ تائیدِ ایزدی کے بغیر ممکن نہیں ہوتے' کبھی کبھی دکھائی دے جاتے ہیں۔ جانے کب اور کس طرح سے یہ طغرا مجھ سے بن پایا تھا۔ بعینہٖ جیسے مجھ سے کچھ ایسی تحریریں قلم زد ہو جاتی ہیں کہ میں قسم اُٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے نہیں لکھیں لیکن میں اپنا نام دھرنے پہ خود کو مجبور پاتا ہوں۔

اس جگہ لانے کا مقصد' چائے کافی اور ہلکی پھلکی گپ شپ تھا مگر معاملہ بالکل اُلٹا ہو گیا۔ وہ منہ وا کیئے' بت بنا طغرے کو دیکھنے لگا جیسے کوئی ایسا شہکار دیکھ لیا ہو جس کی نظیر کہیں اور نہ ہو۔ اُس کی میری خطاطی سے وارفتگی کا اندازہ تو مجھے تھا لیکن ایسی بھی شیفتگی کیا؟...... میرے دل میں خیال آیا' یہ شخص یا تو کوئی سنکی ہے یا پھر اِسے مجھ سے کوئی مطلب ہے جو بے جا تعریف کر کے مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن فوراً بعد' میری یہ بدگمانی دُور ہو گئی اور شرمندگی بھی کہ ناحق' اِس معصوم ذی الحِس انسان پہ شبہ ہُوا۔

بعض حد سے بڑھی ہوئی عقیدتیں' محبتیں' نفرتیں' احتیاطیں' اعتقاد' اعتماد' بے تکلفیاں وغیرہ بڑی دُکھن دیتی ہیں۔ اسی طرح بے سوچے سمجھے' جانے کی بدگمانیاں' خوش فہمیاں بھی پریشانیاں اور پچھتاوے کا باعث بن جاتی ہیں۔ انسان اپنے محدود فہم و گمان پہ بھروسہ دھرتے ہوئے یکطرفہ فیصلے کرنے میں بڑی عجلت دکھاتا ہے۔ سمجھ آنے پہ پھر اتنی ہی تیزی سے واپس پلٹتا ہے اتنی دیر میں نتائج کی سرسوں پک کر کوہلوں میں پِڑ جاتی ہے۔ تجربہ میں آیا کہ جو افراد' مول تول' عہد باندھنے' دوستی دشمنی' کوئی فیصلہ کرنے' رائے قائم کرنے' نتیجہ اخذ کرنے جلدی بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ بہت نقصان اُٹھاتے ہیں۔ تدبّر اور تفکّر' دونوں الفاظ پہ تشدید واقع ہے جو یہ

اشارہ دیتی ہے کہ کم از کم دو سو مرتبہ سوچو پھر کوئی فیصلہ کرو۔ جلدی کام شیطان کا...... کہتے ہیں کسی کو دوست کہنے سے پیشتر اُس کے ساتھ کم از کم پانچ سیر نمک کھاؤ۔

ابلیس سے بھی کچھ اسی نوعیت کی خطا ہوگئی تھی۔ سہو نسیان تو بشریت کے تقاضے ٹھہرے' قدسیوں کے نہیں مگر مشیت الٰہی سے کیا بعید......؟

میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ میں تحمل اور بردباری سے وظیفہ ہائے زندگی ادا کروں مگر دو کام ایسے ہیں کہ میں اُن کی ادائیگی میں پرلے درجہ کا جلد باز اور بے صبرا واقع ہوا ہوں۔ حالات اور رزق پانی' اگر میرے سفر کا ہلکا سا اشارہ دے دیں یعنی ایک فیصد بھی اگر شائبہ ہو جائے تو باقی ننانوے فیصد انتظامات میری طرف سے خود بخود ہو جاتے ہیں۔ صبح لنڈے بازار سے سردیوں کے کپڑے خریدنے کا پروگرام ہوتا ہے مگر لنڈا' لندن میں بدل جاتا ہے' لندن کے ٹکٹ کٹ جاتے ہیں اور میں ائیر پورٹ پہ ہوتا ہوں۔ اچھرے کو آسٹریلیا بنتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ انارکلی بازار اجمیر شریف کا رُوپ دھار لیتا ہے۔ کہنا یہ کہ میرے اندر باہر کے سفر میں انتہائی سرعت اور عجلت لکھی گئی ہے۔ دوسرا کام یہ کہ اپنے یا بیگانے کی خاطر اگر کوئی فلاح و بہتری کا کام برابر آ جائے تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا' میری حد درجہ کوشش ہوتی ہے فوراً سے پہلے اُس کا کام ہو جائے۔ آپ یقین کریں چند دنوں کی محدود' مدت میں تین تین شادیاں ظہور پذیر ہوئیں۔ میری عجیب سی کلپن منی' جب تک پیش نظر مسئلہ' حل نہ ہو جائے' مجھے چین نہیں پڑتا۔ فرمایا گیا' نیکی کے کام' کسی کی بہتری کے لیے کوئی عمل' بالغ بچوں کے نکاح' مردے کو دفنانے میں' بھوکے کو کھلانے میں جوان بچی کے نکاح میں دیر نہ کرو...... پتا نہیں پھر توفیق ملے نہ ملے' فوراً کمربستہ ہو جاؤ۔"

چانا چینا' میری بے محل اور بے تکی گفتگو سے بے مزہ ہوتے بولا۔

"تم نے دو کام بتائے ہیں جن میں تم جلدی کرتے ہو اگر ایک چھوٹا سا میرا یہ مرہم لگانے والا کام بھی اپنی اسی عجلت سے کر دو تو تیرا بڑا احسان ہوگا۔ اگر میں یہ مرہم خود اپنے تمام جسم پہ لگا سکتا تو ویدجی کبھی نہ کہتے کہ تم اپنے کسی ایسے جاننے والے سے مرہم لگواؤ جو انسان دوستی کے حوالے سے تمہارے قریب ہو۔ جسے تمہارے جسم سے بدبو نہ آئے۔ تمہیں اللہ کی مخلوق سمجھتا ہو۔ ایسا بندہ' جس کے رُوبرو تم اپنا جسم تو کیا' دل اور رُوح تک کھول سکو۔"

میں اُس کے چہرے کی جانب ہٹ ہٹ تک رہا تھا...... سوچنے لگا' چانے چینے جیسا اَن پڑھ اور اُجڈ آدمی' ایک بار ویدجی جیسے گیانی دھیانی سے مل کر کیا آیا کہ اُس کے رَویّہ اور گفتگو میں ایک واضح تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ سچ ہے کسی اندر باہر سے اُجلے انسان کے پاس ایک لمحہ بیٹھنا' صدیوں کی بیہانہ ظلمتوں کو چندیا دیتا

Scanned with CamScanner

ہے۔گلستان کے قریب سے گزرو تو مشامِ جاں معطر ہو جاتی ہے۔قلب و قواء میں طراوت دوڑنے لگتی ہے۔ رُوش رَوَیہ میں رَسان پیدا ہوتی ہے جبکہ کمیلا مذبح یا رُوڑی ڈھیر کا راستہ...... 'دُھندلاہٹ ڈھوک اور دم ذابہ پیدا کرتا ہے۔

''کس سوچ میں پڑ گئے......؟'' وہ مجھے یوں گم صم سا پا کر پوچھنے لگا۔

مَیں نے اُس کی جانب نرمی سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''سوچ رہا ہوں کہ وَید جی سے محض ملنے سے ہی تم میں ایسی نمایاں تبدیلی آ گئی ہے۔اُن کے مکمل علاج سے پتا نہیں کیا کچھ ہو جائے؟''

''کچھ ہوگا تو تب جب تم مرہم لگاؤ گے۔مَیں کپڑے اُتارتا ہوں تم اللہ کا نام لے کر مرہم ملو۔''

مَیں تذبذب میں پڑ گیا۔کیا کروں کیا نہ کروں؟ بظاہر یہ مرہم لگانے کا کام نہ تو کوئی مشکل تھا اور نہ کوئی ایسی وجہ کہ انکار کر سکوں...... اس سے خاصی بے تکلفی یاری دوستی تھی۔مَیں اُسے تمام بشری قباحتوں کے باوجود ایک مخلص اور بھولا بھالا' بے ضرر انسان سمجھتا تھا۔یہ جانتے ہوئے کہ جس میں اخلاص ہو اُس کی ایک سو ایک کمزوریوں کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ایک وفادار 'کتا' کئی منافق' مطلب پرست دوستوں پہ بھاری پڑتا ہے۔اگر زیورِ تعلیم' کسی کے ظاہری باطنی' انسانی اخلاقی' مادی اور روحانی خدوخال' محاسن و معاملہ کو نکھارنے سے عاجز ہو تو ایسے الزام سے بہتر وہ اَن پڑھ غیر متمدن سیدھا سادہ فرد ہے جو کسی کا بُرا نہیں سوچتا...... ہر ایک کو اپنے سے بہتر انسان گردانتا ہے۔کسی کے کام آنا اپنی سعادت سمجھتا ہے...... تکبر و تفاخر' رشک و حسد کے معنی تک نہیں جانتا بس......! اسی طرح کی کچھ اَدائیں تھیں جو جاناں چینے کا وَصف تھیں اور مَیں ان کی خوب پہچان رکھتا تھا۔

''یار! تم کہاں پھنس گئے ہو؟ جلدی سے مرہم ملو...... عشاء کی نماز بھی ہو چکی اور تم ابھی تک باتوں کے گالڑ دوڑا رہے ہو؟''

غرض مند دیوانہ ہوتا ہے......اُس کے پیشِ نظر صرف اور صرف اپنی غرض ہوتی ہے وہ محض رُوبرو دیکھتا ہے باقی پانچ اطراف اغماض برتتا ہے اور چارہ ساز' کسی چارا کاٹنے والے کو نہیں کہتے...... چہار دانگ عالم اِس کے تصرف میں ہوتے ہیں۔

وَید جی بھی ایک چارہ ساز کے منصب پہ فائز تھے۔ایسے منتخب لوگوں کو وَلی قطب بھگت گیانی' فقیر درویش' رِشی مُنی' دھرماتما' اَبدال' صوفی' سالک مجذوب وغیرہ یا جو بھی کوئی اپنی زبان بیان یا سمجھ سے کہہ لے لیکن بنیادی مَسلک و مَناصب سب کے ایک ہی ہیں' بس آگے دین دھرم کی تاویلیں اور اکائیاں مختلف ہیں۔

Scanned with CamScanner

تعصب تمرّد اور تنفر کی عینک اُتار کر دیکھا جائے تو سب ایک ہی رب کے بندے دکھائی دیتے ہیں۔ کائنات اور فطرت کے رازوں کے طالبعلم خوب جانتے ہیں کہ قادرِ مطلق کی حقانیت وحدانیت، جوہرِ انسانیت، تفکیریت اور تسلیم ورضا ہی اصل عناصر ہیں جن سے بشریت کے معنی ومقاصد وضع اور واضح ہوتے ہیں۔

اَتا وَلا تو باولا ہوتا ہے۔ میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا!

''ہر کام کا اِک وقت اور ہر وقت کا بھی اِک کام ہوتا ہے۔ مجھے سخت نیند آ رہی ہے اور تم بھی تھکے تھکے دکھائی دے رہے ہو۔ جاؤ، تم بھی سو جاؤ، یہ وقت مرہم لگانے کا نہیں......''

اصل میں میں مرہم لگانے سے گریز کر رہا تھا۔ اگر میرے مرہم لگانے سے افاقہ ہو گیا تو وید جی کی جے جے کار...... اور اگر فائدہ نہ ہوا تو مجھے لعن پھٹکار کہ میں ہی منحوس لعنتی تھا۔ ظرف وحرف، فہم وفکر کے کوتاہ سے نیکی بھلائی بھی سوچ سمجھ سے کرنی چاہیے کہ اِدھر بدگمانی اور شک وشبہات کچھ فراواں ہوتے ہیں۔

وہ جھنجھلا کر کہنے لگا۔

''یار! دو گھنٹے سے مرہم لگانے کے چکر میں اِدھر بٹھا رکھا ہے۔ اَب کہتے ہو کہ مرہم نہیں لگانی، نیند آ رہی ہے۔''

''مرہم لگوانی ہے مگر کون سے دن، یہ تو بتایا ہو گا؟''

یاد کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے کچھ یاد تو نہیں، مرہم دی تو لگانے کے لیے ہی ہے اور جب لگانی ہی ہے تو آج سے ہی شروع کیوں نہ کی جائے۔''

''...... اور اگر آج کی بجائے کل لگائی جائے تو کیا حرج ہے، بلکہ کچھ بہتر ہی ہو گا۔ کل بدھ وار ہے، سنا نہیں ''بدھ، کام سدھ'' ...... اچھی طرح نہا دھو بھی لینا، کچھ سفید سوتی کپڑا، چادر اور صفائی کے لیے...... مچھلیوں، مکھیوں، مچھروں کے لنگر پانی کا بندوبست بھی......!''

''یہ مچھلیوں، مکھیوں، مچھروں کی بات سمجھ میں نہیں آئی؟''

''ضروری نہیں ہر اِک بات سمجھ میں آئے...... یہ مچھلیاں، مچھر، مکھیاں وغیرہ اس نامراد مرض برص کے لاحقہ ہیں۔ ایک حد تک یہ تینوں چیزیں اِس مرض کی وجہ بھی ہو سکتی ہیں۔ اگر ہم اِن کی مضرت سے بچ پائیں اور ان کے لنگر پانی کا کچھ خیال کر لیں تو میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی بُرائی ہے۔''

وہ ہکا بکا سا میری انوکھی سی باتیں سن رہا تھا...... بگلے سی لمبی گردن اُٹھائے، تھوک سے حلق تر کرتے ہوئے منمنایا۔

Scanned with CamScanner

''یار! یہ تم کس طرح کی باتیں کر رہے ہو؟ اس سے پہلے ایسی نپی تُلی باتیں تمہارے مُنہ سے کبھی نہ سُنی تھیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے' تم وہ نہیں جو پہلے تھے؟''

مَیں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''مَیں تو جا رہا ہوں گھر...... تمہیں تو کوئی پُوچھنے پاچھنے والا نہیں' پر میری پٹائی ہو جائے گی اور ہاں' تم نے صحیح کہا کہ مَیں آج کچھ مختلف دکھائی دے رہا ہوں۔ ایسا ہی ہے' عمرِ رواں کا ہر گزرا ہوا لمحہ' اگلی ساعت میں مُعطّل ہو جاتا ہے...... عہدِ ماضی' دُھندلکے میں کہیں ڈوب جاتا ہے۔ سنجیدہ بڑھاپا' مست جوانی کے بے ہنگم قہقہوں کا مفلوج مکافات ہوتا ہے۔ تبدّل کا یہ موسم' سدا بہار' سدا رنگ...... یہی زندگی کا محور' مقصد و مقصدر ہے۔ آخر ہر کسی کو یہ سیر ذاتی ہوتی ہے۔ کیونکہ فطرت اور مقدرت' بہر طور مقدم ہے۔''

مَیں نے جاتے جاتے' آج شب کی کشمکش تکلّم کا آخری تیر بھی پھینک ہی دیا۔

''جا نے چھینے! اُٹھو گھوڑے گدھے بیچ کر سکون سے سو جاؤ۔''

اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا۔ مَیں یہ جا وہ جا......!

فوراً تارزن چوکیدار' ہماری گلی کا چکر لگا کر قصائیوں کے محلّے کی جانب بڑھ چکا تھا۔ ''جاگدے رہنا'' مانوس آواز کی بازگشت سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ کس گلی کوچے یا سڑک پہ ہے۔ مَیں چونکہ کُتّے بلّی چمگادڑ کی مانند' رات ٹوٹ ٹوٹ ہونے والا جانور تھا اس لیے گھر والوں سے الگ ہی کھٹولا ڈالتا...... وہ نیچے صحن میں ہوتے اور مَیں اُوپر کوٹھے پہ تارے گنتا رہتا۔ نیچے سونا اُن کی مجبوری تھی' عشاء پڑھ کر تسبیحات کے بعد وہ سرِشب ہی بستروں پہ پڑ جاتے کہ فجر کی اذان سے پیشتر بیدار ہونا اُن کا معمول تھا جبکہ میرے معمولات میں' دن بھر کے کُتّے خصّی کے علاوہ آدھی رات تک' دوستوں یاروں کے ساتھ آوارہ گردی' فلم کے آخری شو کا نے بجانے اور دیگر ناقابلِ بیان شغل و شرابا میں وقت اور نیند کا زیاں کرنے کے بعد' گھر میں سیدھے راستے سے داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا مَیں دیوار پھلانگ کر یا ہمسایوں کی چھتوں سے ہوتا ہُوا اپنے کوٹھے پہ پہنچ جاتا...... اِک نظر نیچے صحن میں خرّاٹے توڑتے ہوئے والدین اور ہمشیرہ پہ ڈال کر اپنے ٹیڑھے میڑھے کھٹولے پہ لیٹ جاتا......

کھاٹ بڑی ہوتی ہے چھوٹے بڑے سب لیٹ بیٹھ سکتے ہیں' کھٹولہ چھوٹی کھاٹ ہوتی ہے۔ تنگ مختصر سی...... چھوٹے بچّے' لڑکے بالے' اس پہ خوب آسودگی محسوس کرتے ہیں۔ ہم دونوں بہن بھائی کے الگ الگ کھٹولے تھے۔ بہن والا قدرے ہلکا باریک بُنائی والا اور چاروں کونے پائے قائم' جبکہ میرے والا میری طرح بے ڈھبا' اُدھڑا' اُدھڑا اور چاروں پاؤں کا کھینچو' تین پائے اگر فرش پہ ٹکے ہیں تو چوتھا اُٹھا ہُوا' گویا

Scanned with CamScanner

چاروں پائے ٹکانا اُس کی خُو میں ہی نہ تھا۔ پایوں کی چولوں میں کچھ خلائیں واقع ہوئی تھیں اور کچھ کُجیاں بھی کہ بیٹھتے' کروٹ بدلتے یا اُدوانے بچھاتے' کھسکتے' ان سے کچھ غیر مانوس' یبوست میں ڈوبی ہوئی کراہیں اُبھرتی تھیں......"

سیانے عمر چشیدہ بُوڑھے خُوب سمجھتے ہیں کہ ٹُوٹتی رات' کھٹمل چارپائی کی چرچراہٹ' بھوتری بلیوں کی غُرغُراہٹ' بے دانت مائیوں کی بڑبڑاہٹ' کچی سڑک پہ کسی چھکڑے کی گڑگڑاہٹ' دمِ ساہ کے مریض کے کھانسنے کی کھڑکھڑاہٹ کیسی بدمزگی اور کوفت پیدا کرتی ہے......

ہمشیرہ اپنا کھٹولہ مجھ سے بچا کر رکھتی تھی...... سہیلیوں کی آمد پہ اُن کی خاطر تواضع اور کبھی کبھار لکھنا پڑھنا کاڑھنا پرونا بھی ہو جاتا۔ ضرورت نہ ہوتی تو اِسے باورچی خانہ کے پہلو میں دیوار کے ساتھ آسودہ کر دیتی۔ یہی وجہ کہ کھٹولہ موسموں اور میرے دستبرد سے بچا ہُوا تھا۔ میرے کھٹولے کے نصیب' میری طرح تھے۔ کوٹھے پہ تین فٹ اُونچے پردے والی اجابت گاہ کے ساتھ پہلو پہ پڑا یا بچھا رہتا۔ دونوں صُورتوں میں اس کی حالت ویدنی ہوتی...... اس کے بازو رانیں تانگیں گوڈے گٹے تمام کسی اَبدال کے وظیفہ ہائے شب و روز کی مانند چیدہ و دریدہ دکھائی دیتے۔ اس کے چہار پائے چوب میں سے ایک تو ازل سے ہی لنگ تاز تھا کہ کسی طور فرش پہ کھوہ جمانہ پاتا۔ باقی تینوں بھی ضعف ہائے پیرانہ سالی اور گھریلو خستہ حالی سے شکوہ سنج تھے۔

ناک کو اُلٹا پڑھو تو کان ہوتا ہے۔ کان تین طرح کے ہوتے ہیں یا ہوتی ہیں۔ سودمند کان وہ ہوتی ہیں جن سے معدنیات برآمد ہوتی ہیں' از قسم ہیرے جواہرات' تیل گیس' کوئلہ' سونا چاندی' تانبا' نکل جست' پارہ' ابرق' پلاٹینم' لوہا' نمک وغیرہ اس کے علاوہ ایک اور کان ہوتا ہے جو اِنسانی جسم کے اُوپر والے خطہ میں پایا جاتا ہے۔ اس میں ٹیڑھی میڑھی تنگ و تاریک غاریں' خاردار جھاڑ جھنکاڑ اور نوبے بنے ہوتے ہیں۔ دیگر کانوں کی طرح اِس کان سے معدنیات کی بجائے ''کاندنیات'' نکلتی ہیں بلکہ اِنہیں مختلف ننھے منے اُوزاروں سے زبردستی کھرچ کھرچ نکالا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ان برآمدات سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پیپ' خشک بھوسی' جمے ہوئے سڑے ہُمک ہلدی جیسی پیلی پیلی مروڑیاں' کبھی کہیں خنوط شدہ مچھر' مکھی' بِھڑ بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ سڑے بُجھے بال اور کن کھجورے بھی پائے جاتے ہیں۔ کچھ کان کن ٹائپ کے لوگ عادتاً بھی کسی تنکے' ماچس کی تیلی' کیل کانٹے...... کچھ نہ ملے تو کاغذ پنی کی پھریری سے ہی کان کنی شروع کر دیتے ہیں اِس اُمید پہ کہ کوشش جستجو کرنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ مگر کان کے ''پردہ بکارت'' کو مخدوش کرنے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں کر پاتے۔ ویسے کُہنہ مشق پیشہ ور ''کن میلئے'' کا کمال ہُنر کہ وہ آپ کے کان کے غار سے صدیوں پرانے وہ جانور بھی آپ کی آنکھوں کے سامنے نکال سکتے ہیں کہ جن کا ذکر اَساطیری قصّے کہانیوں اور جن کے اُدھورے ڈھانچے

Scanned with CamScanner

عجائب خانوں میں پڑے ملتے ہیں......

آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ یہ انسانی کان اور بھی کئی کام آتا ہے۔ مثلاً بزرگ اور سکول کتب کے اُستاد انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے بڑھے ہوئے ناخنوں کی چٹکی سے چھید نے تو بہ استغفار کرنے، مسوسنے، اینٹھنے اور مرغا بن کر پکڑنے کے لیے بھی موزوں ثابت ہوا ہے۔

لوکی آکھدے بالناتھ جوگی دل جاندا اے پار لنگا وندا

اپنے بلاّ چوگیاں والے باوا بالناتھ کے جوگ کا سارا زور ہی کانوں پہ تھا۔ وہ اپنے چیلوں کی پہلی تربیت ہی کانوں کی لوویں چھید کر موٹے موٹے بالے پہنوا کے کرتا تھا۔ رانجھا بیچارے کے ساتھ بھی یہی ناروا سلوک کیا گیا۔ ہیر کے شوق اور عشق میں اچھے خاصے کان پھڑوا بیٹھا اور شاید بالناتھ کی نسبت سے ہی کانوں کی منڈروں کو "بالے" کہا گیا ہوگا؟

بات میرے عجیب الجثت کھٹولے سے شروع ہوئی تھی کہ میں رات کے کسی بھی پہر کوٹھے ناپتا، دیواریں پھلانگتا ہوا، دبے پاؤں کوٹھے پہ پہنچ کر اپنے جیسے اس کھٹولے پہ دراز ہو جاتا...... پہلے تو یہ میرے وجود کو سہارتے ہی دو چار دردناک قسم کی چیخیں نکالتا۔ میں دم سادھ کر اسے احساس دلانے کی ناکام جستجو کرتا کہ میں کیا میرا وجود کیا؟ میں ایک بار پھر دم سادھ لیتا۔ سنا ہے دم دبا لینے سے بے وزنی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ملنگ کھٹولے کے ساتھ شروع سے ہی ایسے ہوتا رہا۔ مجھے نہیں یاد کہ کبھی اس کی مرمت یا بان کی نئی بُنائی ہوئی ہو نیا سیرو پایہ ڈالا ہو۔ سردی گرمی برسات...... کوٹھے پہ ہی بیت الخلا کی دیوار سے لگا رہتا۔ کوٹھے ٹیپیاں بلیاں، چھپکلیاں کرلیاں بِھڑیاں کھٹمل پسو اور دیگر حشرات الارض وغیرہ اور چوہوں کے لیے یہ ایک آشرم کا مقام رکھتا تھا۔ یہ میرے لیے محض استراحت و راحت کا سامان ہی نہیں بلکہ جھولنے کے لیے جھولا بھی تھا۔ پاؤں گنجے انگلیوں کی خارش مٹانے کے لیے اس کے اُلجھے کھردرے بان کی رسّیاں بڑی مہربان ثابت ہوتیں۔ اصل چیز اس کی ازلی کان تھی...... کان اُس ٹیڑھ کو کہتے ہیں جو گرم سرد موسموں، دھوپ بارش میں پڑے رہنے کی وجہ سے کھاٹ کھٹولے میں پڑ جاتی ہے۔ کان پڑی چارپائی کھٹولے کھاٹ کے چاروں پاؤں، بازوؤں، رانوں میں ایسا نفاق ہوتا ہے کہ کسی کا منہ مزاج ایک سا نہیں رہتا۔ جغرافیہ الجبرا ایسا عجیب و غریب کہ چارپائی کسی پہلے دور کے خلائی جہاز کی بیڑی کا ادھڑا ہوا کوئی ڈھانچہ دکھائی دیتی ہے۔

کمر میں پڑی چک، گردن کا بل...... مرکز سے ٹلی ناف، جبڑے کے تکلے کی ٹیڑھ اور چارپائی میں پڑی کان، ہر کوئی ایرا غیرا نتھو خیرا ٹھیک نہیں کر سکتا۔ الٹی پیدائش والا یا جس نے کنجی عورت کے صرف بائیں پستان سے دودھ چکھا ہو۔ چاند گرہن کی پہلی منزل کا پیدائشی...... میرا نہیں خیال کہ میرے اس نادر روزگار کھٹولے کی

Scanned with CamScanner

کان مُنقذ کر دیا لا اصحابِ خاص بھی نکال سکتے کہ کچھ روگ' لا دوا اور کچھ لوگ ایسے بے حیا' بے ہدایتے ہوتے ہیں کہ کوئی مسیحا' حکمت' دُعا اور دَم درود ان پہ اثر انداز نہیں ہوتے' اگر ایسا ہوتا تو ہمیں اپنے قرب و جوار میں کوئی شیطان' ابوجہل' یزید' رُشدی اور ملعون دکھائی نہ دیتے۔ بس اللہ کی مشیت ہی ہوتی ہے وہی علیم و خبیر ہے۔ انسان تو نری اپنی بودی عقل اور ناقص علم کے اندازے لگاتا رہتا ہے۔ اس کی کان نکالنا میرے بس میں نہ تھا۔ کوشش بسیار کے باوصف میں ناکام رہتا تھا۔ یہی کر سکتا تھا کہ اس کی اُٹھے ہوئے پائے کے نیچے اینٹ پھنسا دیتا۔ جب چند ایک بار اس نسخہ کو آزمایا تو شدت سے احساس ہُوا کہ کھٹولے کی غنودگی اور حالتِ جذب کی کیفیات میں تعطّل سا پیدا ہو جاتا ہے۔ کروٹ بدلتے' اُٹھتے بیٹھتے "آہ بھرنے" پہ جھلنگی کان والی حالت سے جو "جوابِ آں غزل" آتا تھا۔ اینٹ رکھنے سے وہ مفقود ہو گیا ہے۔ نہ آہ نہ فریاد.............. ہچکی نہ کوئی سسکی.............. میں نے اینٹ دینی چھوڑ دی۔ کئی روز بیتے اُدوائن بھی نہ کستا کہ تناؤ پیدا ہو جاتا.............. جھلنگا ختم ہو جائے تو پیٹھ فرش سے مس نہیں ہوتی.............. انگریزی کا "V" بن کر سونے کا مزہ وہی جان سکتا ہے۔ جسے زندگی میں بھی وی وی آئی پی پروٹوکول حاصل ہُوا ہو؟ وی آئی پی پروٹوکول تو اکثر لوگوں کو بھی نہ کبھی مل ہی جاتا ہے۔

ملنگ لوگوں میں نارزن بابا بھی تھے۔ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے تہی گزران کرتے تھے۔ وہ بھی جھلنگے پہ راحت محسوس کرتے تھے۔ جھلنگی کھاٹ یا جھلنگے میں لیٹنے سے پیٹ نہیں نکلتا۔ بھوک میں کم غذا کی ضرورت پڑتی ہے۔ گردے' مثانے' معدے کا فعل بہتر ہو جاتا ہے۔ عاجزی انکساری اور عبادت میں دل لگتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میرا یہ ملنگ کھٹولا میرا ندیم' استاد اور رازدار بھی تھا۔ مجھے تو کبھی اُس کا کوئی حق ادا کرنے کی توفیق نصیب نہ ہوئی مگر اس نے اُس وقت تک میرا دَم بھرا' جب تک میں اُسے دریدہ دریدہ' خمیدہ خمیدہ' لرزیدہ لرزیدہ چھوڑ کر مناکحت کے بندھن میں جکڑا نہ گیا۔ ویسے بھی اُس کی حالت اب میرا ساتھ دینے کی نہ رہی تھی۔ میں آوارہ گردی کے کسی لمبے ٹور پہ تھا۔ گھر میں گاؤں سے مہمان اُترے' اُن کے ہمراہ کچھ شیطان بچے بھی تھے۔ دو دنوں کے بعد جب لَوٹا تو میرا کھٹولا' اُڑن کھٹولا بن کر کہیں غائب ہو چکا تھا۔ باقیات میں کچھ بوسیدہ سے ٹیڑھے ڈنڈے رہ گئے جو اِدھر اُدھر کہیں کام آ گئے۔

چارنے چھینے سے جان چھڑا کر میں اپنے کوٹھے پہ پہنچ آیا تھا۔ اِک اُچٹتی سی نظر نیچے صحن میں گھر والوں پہ ڈالی اور کھٹولا سیدھا کر کے اس میں اُتر گیا۔

میری عادت تھی کہ میں سونے سے پہلے آیت الکرسی' تیسرا کلمہ ضرور پڑھتا تھا اور اگر کبھی اُوپر سے کوئی اشارہ لینا ہوتا تو وظیفہ چہل کاف کی اوّل منزل بھی پڑھ لیتا۔ اس سے یہ ہوتا کہ کوئی نہ کوئی اشارہ مل جاتا۔ آپ اسے استخارہ کی ایک صورت بھی کہہ سکتے ہیں۔ کچھ دیر تک میں خالی الذہن ہونے کی ناکام کوشش کرتا رہا کہ

کچھ دیر کے لیے ہی سہی' اونگ کی جھپکی لے لوں ...... پر تو یہ کیجئے' مجھے نیند اور نیند کو مجھے تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اتفاق سے اگر ہم دونوں ایک دوسرے کو کھوج بھی لیں تو باہمی افہام و تفہیم میں کوئی نہ کوئی پھڈا پڑ جاتا ہے۔ اسے نمٹاتے نمٹاتے ہم دونوں کی وہ حالت ہو جاتی ہے جو کبھی اس شعر کے خالق کی ہوئی ہوگی ...... ؎

اک سمت ہے شب کی تاریکی اک طرف غم کا سناٹا
میں شکر کے سجدے کرتا ہوں جب رات بسر ہو جاتی ہے

شبِ فراق اور شبِ وصال ...... ایک دُوری' دُوسری حضوری ...... پہلی میں ایک اور دوسری میں دو ...... دونوں میں مشترک بیداری ...... شبِ فراق میں جو غافل ہُوا تو وظیفۂ عشق میں مسِ خام ہُوا' اور شبِ عروس میں جو سویا وہ ناکام اور بدنام ہُوا ...... ایک اور شبِ بیراگ بھی ہے جو مجھ ایسے ''شب دیدہ'' کا مقدر ہوتی ہے۔ ایسی شب' جس میں جاگنا' جان سوزی اور سونا' سکرات ...... شب خیزیاں اپنی تمام تر عشوہ گری سے جلوہ فگن ...... خموشیوں کو ایک سرمدی زبان مل جائے ...... کائنات' اِک چکر لینے والے پنگوڑے کی طرح گھومنا شروع ہو جائے۔ چھپی ہُوئی مخلوقات' حجاب سے باہر نکل آتی ہیں۔ عام حالات جو نظر نہیں آتا وہ دکھائی دے۔

پنگوڑے کے کنویں کی قبر میں' مَیں دھیرے دھیرے یوں اُترتا چلا جاتا جیسے خشک دلدل میں کوئی جانور غرق ہوتا ہے۔ ڈھیلے' اُدھڑے لٹکے اور چھدرے بان کا جھلنگا' میرے وجود کو اپنے اندر تحلیل کرتا ہُوا میری پیٹھ' تحت الثریٰ سے ٹکا دیتا۔ ریڑھ کی ہڈی کے سلسلہ کا ایک انت کھوپڑی کے پیچھے گدی تک اور دوسرا پیٹھ کی ہڈی تک' جدھر سے چُوکلے کا دوشاخہ شروع ہوتا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کے اُوپر والے سرے کی نوکدار نلکی دماغ کے صدر دفتر میں گھسی ہوتی ہے جبکہ نیچے والی نلکی مثانہ تک جدھر سے مردانہ عضو تناسل شروع ہوتا ہے یہ علاقہ پیٹھ کا ہوتا ہے۔ ایک جانب کھوپڑی دماغ' دوسری جانب پیٹھ ...... مقابلہ میں اگر پیٹھ پُشت زمین سے چھو جائے تو شکست ہو جاتی ہے۔ پیٹھ پہ وار سہنا بزدلی کی دلیل ہوتا ہے۔ پیٹھ دکھانا' بے وفائی اور کسی کی طرف پیٹھ کرنا بے اَدبی ...... پاگل کتّا کاٹ لے یا آتشک سوزاک جیسے خبیث و غلیظ اَمراض میں اسی پیٹھ پہ جب لمبے لمبے ٹیکے ٹھکتے ہیں تو نانی یاد آ جاتی ہے۔'' ماں کے بطن میں نامکمل بچّے کا سر اور پیٹھ ہی نمایاں ہوتے ہیں۔ سکول میں مرغا بننے کی سزا ملے تو پیٹھ اُونچی اور سر نیچا رکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ چُست تن کی بوتل میں ثابت انڈا ...... عورت کا سینہ دبا ہُوا ہو تو اُدھوری ہوتی ہے۔ مرد کے چوتڑ سرین' واضح نہ ہوں تو اس کی چال میں مردانہ پن پیدا نہیں ہوتا' وہ از قسم مخنث لگتا ہے۔ قطرۂ نیساں سیپ کی کوکھ میں پیٹھ کے بل گرے تو وہ لُولوئے لُوامع بنتا ہے اور ایسی وضع قطع کا حامل ہوتا ہے جو اُسے یکتائی عطا کرتی ہے۔ اَب یہی قطرۂ مار سیاہ کے منہ' دوشاخہ کے درمیان اُلٹے پہلو پڑتا ہے تو زہر ہلاہل کا موجب بنتا ہے۔

Scanned with CamScanner

فقط دَرویشی، نیستی و ناداری......!

مقسوم میں جو لکھا ہوتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ خدا اگر چاہے تو سب کچھ بدل بھی جاتا ہے...... جو اللہ کریم کی مان کر چلتے ہیں' اللہ کریم و رحیم اُن کی بھی مان لیتا ہے...... اُن کی دُعاؤں' التجاؤں کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ میرے مشاہدہ میں بار ہا ایسا ہُوا کہ نصیب میں اولاد نہیں...... کسی کی اطاعت خدمت نہیں۔ صالحیت و قبولیت نہیں...... آسودگی و سکون نہیں...... دین و دُنیا کی دانش و دلچسپی نہیں یا علم سمجھ نہیں...... صحت و تندرستی نہیں تو کسی اللہ والے سے دُعا کروائی تو مالک کل نے وہ کچھ عطا کر دیا جو نصیبوں میں نہ تھا یا سائل کسی بھی طور اس کے اہل نہ تھا اور یہ بھی کہ محض محنت کوشش شوق یا وسائل بھی کبھی کبھی اپنے منطقی نتائج کے برعکس انجام دکھا دیتے ہیں...... "جتنی محنت اُتنی دولت"، "جیسی کوشش ویسی بخشش"، "ڈھیر چاہت انبار محبت"، "جیسی کرنی ویسی بھرنی"...... "جیسا راجہ ویسی پرجا"، "خندی دیوی بھڑوا پجاری"، "جیسے گانے والے ویسے ہی سننے والے"، "جیسا بُوت ویسا بھوت" اور ان جیسی سیکڑوں ضرب الامثال' کہاوتیں اکثر بری طرح غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اکثر بڑے بوڑھوں نے جو دانش بھری باتیں نصیحتیں کی ہیں وہ شاید اساطیری مزاج' ماحول اور انسانی سائیکی کے مطابق تھیں...... فی زمانہ تو ان کی ساری کیمسٹری ہی بدل کے رہ گئی ہے۔ پُرانے فرج' ٹیپ ریکارڈرز کیمرے' ٹیلی وژن' گھڑیوں کی طرح سب کچھ آؤٹ آف ڈیٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ ماسوائے قدرت و فطرت کے لگے بندھے نظام' جن میں تبدیلی لانا انسانی بس کی بات نہیں۔"

مَیں پرانے وقتوں کا ایک بہت ہی بوسیدہ عُمر رسیدہ بُوڑھا ہوں...... دُنیاوی پڑھائی تو ہوئی نہیں ماسوائے اُس عوامی تعلیم' لڑائی جھگڑے گالی گلوچ' چغلیاں' چوریاں شرارتیں یا پھر تھوڑی بہت عربی فارسی جو بغیر کسی مکتب سکول کے گلی کوچوں تھڑوں سے ہی خود بخود مل جاتی تھی۔ مجھے جو بھی علم عقل' فن و ہنر' فقیری درویشی نصیب ہوئی وہ تمام کی تمام وہبی تھی یا یہ سب کچھ میرے اندر ہی فیڈ تھا۔ بس' کھرچ کھچاڑ کر ید مرید کر نکالنا پڑا۔ یہ فقیری دَرویشی کیا ہے؟ مَیں خود بھی نہیں جانتا۔ بس سُنا دیکھا تھا کہ یہ فقیر اور فلاں درویش ہے ان کی اصل نسل کیا ہوتی ہے یہ معلوم نہ تھا؟ وہ جو کہتے ہیں کسی پہاڑی علاقہ میں ایک غریب کمہار کو مٹی کی تلاش میں کھدائی کرتے ہوئے ایک ہیرا مل گیا وہ کیا جانے یہ کیا ہے؟ بس ایک خوبصورت ملائم پتھر روڑہ جان کر رسی میں باندھا اور اپنے گدھے کے گلے ڈال دیا۔ اس قیمتی جواہر کی چمک دمک ایسی تھی کہ اندھیری رات میں گدھے کے تھان پہ روشنی کا ایک لہرا سا رہتا۔ رات کو اکثر اُس کا اُدھر جانا ہوتا' ہلکی ہلکی روشنی بھی دیکھتا' چونکہ اُس کے

Scanned with CamScanner

اپنے اندر اندھیرا تھا اس لیے کبھی جان نہ پایا کہ یہ ہلکی ہلکی روشنی کہاں سے پھوٹ رہی ہے؟...... ''مرے پہ سو درّے'' کے مصداق یہ بھی کہ جہالت اور غربت اس کا مقدر بن چکی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا ایک نایاب بیش قیمت ہیرے کا مالک ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی اگلی نسل تک تنگدستی' بے نصیبی اور بے علمی کی دلدل میں دھنسا رہا۔

مقدر کا سکندر ہر کوئی نہیں ہوتا...... اور نہ ہی ہر کوئی گھوڑا' سکندر کا گھوڑا ہوتا ہے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کوششیں محنتیں' عقلیں علم' عبادتیں ضداقتیں ریاضتیں اور ان کے ساتھ مقدر' مقسوم' نصیب قسمت تقدیر وغیرہ سب کچھ حقیقت ہونے کے باوجود انہیں امرِ حقیقت کہنے میں تامل محسوس ہوتا ہے کہ میں نے ان کے منطقی انجام بدلتے دیکھے۔ بُرے' اچھے ہو گئے' بڑے بڑے کھرے' انتہا کے کھوٹے ثابت ہوئے اور نکمّے نامور نکلے...... اَن پڑھ پھوہڑ پرلے درجہ کے غیر کاروباری ذہن رویوں والوں کو کمال کامیاب تاجر دیکھا اور یوں بھی کہ نچلے طبقے کے جھلے اور مسخرہ مزاج لوگ' وقت کی مشہور' حسین امیر اور اعلیٰ سوسائٹی کی صفِ اوّل خواتین کے التفات کا مرکز بھی بنے۔''

چشمِ فلک نے غیر معروف' معمولی تعلیم کے حامل' غلام ابنِ غلام' دہقانوں' صحرانشینوں' بدوؤں' شتربانوں' چرواہوں سپہ گروں کو وقت کا حاکم' میرِ سلطنت' ناظم سجادہ' بزرگ قبلہ گاہ' فقیہِ مملکت' مفتی اعظم کے مناصب پہ متمکن بھی دیکھا۔ ایسے بھی جنہیں مانگے کوئی بھیک نہ دے' قریب سے گزریں تو اشراف کی جبینوں پہ شکنیں اُبھر آئیں...... بات کریں تو تھوک پھینکیں' وہ ملک و قوم کے لیڈر بن گئے اور چور قطب بنا دیے گئے۔ یہ سب نیرنگیٔ قدرت ہے' اس کارخانہ رنگ و بُو صنعتِ ہست و بُود میں اس طرح کی ہونیاں اَنہونیاں ہمہ وقت جاری و ساری رہتی ہیں' مالکِ کُل بے ہمتا ہے کسی کے روبرو جوابدہ نہیں' جو چاہے سو کرے۔ اُلٹی کو سیدھی اور سیدھی کو اُلٹا بنا دے۔''

قضا و قدر' مقدر و مقسوم' ثواب و گناہ' ازل و ابد' حشر و نشر' نور و بشر' زیر و زبر' حیات و ممات' قبر و برزخ' جنت و دوزخ' جزا و سزا' فقیری درویشی وغیرہ' بے شمار معاملے' سلسلے' نکتے فلسفے اسرار بھید ایسے ہیں جن کے بارے میں خدا اور اُس کی برگزیدہ ہستیوں کے علاوہ کوئی جن و بشر کما حقہٗ طور پہ سمجھ نہیں سکتا...... عام انسان' بتقاضۂ بشریت' ایسی فہمیت و ادراکیت کا اہل ہی نہیں کہ اس کے اجزائے ترکیبی میں گل تراب کی اضافیت' اُس کی باطنی شفافیت کو سمجھ اور جان سکے! لیکن کوزہ گر خالق و مالک اپنی کمال مشیت سے کبھی کوئی ایسی نفیس و لطیف مشک بیز گل بھی وجود میں لے آتا ہے جس سے جو اعلیٰ ظروف منصۂ شہود پہ آتا ہے وہ اُس کے راز دانوں میں ہوتا ہے۔

میں جس ابتدائی دور کی بات کرنے جا رہا ہوں وہ میری ''توں فقیری تے دو پہریں دھواں'' کا

Scanned with CamScanner

زمانہ تھا کہ میں خود کو فقیر درویش کہلوانا دکھانا پسند کرتا۔ حال خلیہ‘ طعام وقلیہ...... قال وقیل‘ منطق دلیل...... مرام ونیل‘ قصد وکلیل یعنی ہر طور وا تمام یہی خواہش رہتی کہ میں دوسروں سے علیحدہ دکھائی دوں...... لوگ میری عزت کریں‘ اہمیت دیں‘ مجھے دُنیا سے علیحدہ‘ پہنچا ہوا کرنی بھرنی والا فقیر درویش سمجھیں۔

ابہام سے لتھڑی‘ اَدَق بدق بے سروپا باتیں کرنا میرا وطیرہ تھا لیکن کسی کو دھوکہ دینا‘ کوئی مفاد مقصد یا مال پانی بٹورنا مقصود نہ تھا...... چونکہ آوارہ گردی میری سرشت میں شامل تھی۔ گھر اور اپنے شہر سے زیادہ تر باہر ہی بھاگا رہتا لیکن میری منزل ہمیشہ کسی پیر فقیر کا ڈیرہ‘ مزار‘ حجرہ مکتب ومدرسہ‘ عرس قوالی میلہ وغیرہ ہی ہوتی کہ ایسی تقریبات اور مقامات‘ محافل ومجالس میں میرا جی خوب ٹکتا تھا۔ پاک وہند کا کوئی قابل ذکر‘ دید کے قابل مزار مقبرہ میلہ عرس شہر قلعہ باؤلی نقلہ بنہ ایسا نہ ہوگا جدھر میں نہ پہنچا اور وہاں سے کچھ فیض وفکر لے کر نہ آیا۔ کچھ ایسے مزار ودربار‘ ارضی وفلکی‘ بحری وصحرائی کوہستانی مقامات وطبقات اور کفن گودڑی گلیم ولنگوٹ بردار ہستیاں یوں بھی کہ میرے لیے ظاہری باطنی اسباب ایسے پیدا ہو جاتے کہ میں اندھیراتے کے مریض کی مانند اُٹھتا اور کوئی بھی رُخ پکڑ لیتا۔ کسی زادِ راہ کی فکر‘ نہ وقت پہر‘ دن رات کا تعین...... کہیں سے اجازت نہ کسی کا ڈر خوف......؟

پاک وہند میں قدیمی قلعوں کی کمی نہیں‘ ان میں اکثر قلعے عالمگیر شہرت واہمیت کے حامل ہیں۔ زیادہ تر اُن علاقوں‘ جو عسکری اہمیت رکھتے یا کسی سلطنت کے دارالخلافہ تھے‘ قلعے موجود تھے۔ تاراگڑھ‘ اجمیر‘ لاہور‘ آگرہ‘ جے پور‘ گولکنڈہ‘ بہاولپور‘ ملتان‘ رہتاس‘ دراوڑ‘ منگلا‘ جودھ پور‘ جیسلمیر‘ سیالکوٹ‘ ملتان وغیرہ...... ہر قلعہ اپنی تاریخی حیثیت واہمیت کے ساتھ اپنی کچھ ماورائی اقلیدس‘ ارضی وافلاکی تنجیم وتقویم‘ جغرافیائی تشرفات وترجیحات کے علاوہ کچھ روحانی تصرفات کے حامل بھی ہوتے ہیں۔ شاید ہی کوئی قلعہ ایسا ہو جس میں کسی اللہ کے بندے‘ ولی قطب شہید کا مزار نہ ہو۔ مسلمانوں پہ ہی کیا موقوف‘ اچھے‘ نیک‘ رَب رَب کرنے والے تو ہر دین دھرم میں ہوتے ہیں۔ ایسے قلعے جو ہر لحاظ سے غیر مسلموں کے تصرف وتسلط میں رہے وہاں بھی اللہ کے ولیوں کے ٹھکانے‘ استھان‘ مزار‘ سادھیاں موجود ہیں اور بلا امتیاز وتخصیص مرجع خلائق ہیں۔

زیادہ تر لوگ پاک قلعوں میں سیر تفریح کی غرض سے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ جنہیں تاریخ سے دلچسپی ہوتی ہے وہ تاریخی حوالوں سے انہیں دیکھتے ہیں۔ اَب زمانہ بدل گیا‘ قلعے تفریح گاہوں‘ پارکوں‘ لائٹ اینڈ ساؤنڈ شو‘ مشاعروں اور غیر ملکی وفود کی دعوتوں کے لیے مخصوص ہو کے رہ گئے ہیں۔ کئی قلعوں محلوں اور حرم سراؤں کو پانچ پانچ ستارہ ہوٹلوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ جہاں دادودہش‘ عیش وعشرت کے سبھی لوازمات مہیا ہوتے ہیں۔ پَر ہمارے وقتوں میں یوں نہ تھا...... قلعوں میں جاتے ہوئے خوف محسوس ہوتا تھا۔ سامانِ حرب‘

فیل خانے' بارود خانے' عقوبت خانے' مچانیں' فصیلیں برج' منجنیق' توپیں' تیز آبے' زرہیں' آتش گولے وغیرہ نمایاں ہوتے تھے۔ گزشتہ جنگوں کے آثار بھی جنہیں ہم آنکھیں پھاڑ پھاڑ تکتے تھے۔

قلعہ کے رقبہ کے حساب' اندر مسجدیں' مندر' گوردوارے' گرجے بھی کہ افواج میں ہر مذہب وملت کے افراد ہوتے جو ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر برسرِ پیکار رہتے...... اسی مناسبت سے قبرستان' شمشان بھی' کچھ نمایاں نشانیاں اور قبریں بھی کہ زندہ اور روشن قومیں اپنے محسنوں شہیدوں کے احسانوں قربانیوں کو فراموش نہیں کرتیں۔

میرا کسی قلعہ میں جانے کا بڑا مقصد' توپیں' تلواریں' گولہ بارود دیکھنا نہ ہوتا' یہ ہتھیار ہی تو ہیں جو صرف خوف وہراس اور جاں کو جسم سے علیحدہ کرنے کے کام آتے ہیں۔ بصارت وعقل' احساس اور سپاس سے عاری محض شہر اور بستی بستی برباد کرنے کے سامان...... دُنیا میں کوئی ہتھیار ایسا ایجاد نہیں ہُوا جو ہلاکت آفرین نہ ہو' جو جاندار کا دُشمن نہ ہو...... بے بصیر اور بے وفا نہ ہو۔

میں تو قلعوں کی بلندیوں' اونچی فصیلوں' برجوں' کنگروں پر پہنچ کر بہت نیچے ٹھٹھرے ٹھہرے پانی کی بھری خندق کو دیکھتا...... پاس سے گزرتے ہوئے سہمے سہمے دریا کو دیکھتا یا پھر پہاڑی دروں' گہری کھائیوں گھاٹیوں اور نیچی اونچی بل کھاتی تنگ گزر گاہوں پگڈنڈیوں کو دیکھتا اور میری چشم حیرت وتصور اُن ہزاروں انسانوں کو دیکھتی جن کا پیشہ محض سپاہ گری ہوتا اور اپنے جیسے انسانوں کے ہاتھوں پتھروں' کھولتے تیل وپانی' تیروں کی بوچھاروں' بارود کے گولوں کی زد میں آ کر مارے جاتے ہیں۔

میں کسی قلعہ میں پہنچ کر سب سے پہلے باؤلی تلاش کرتا جو کسی قلعہ کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے...... پہاڑی قلعوں میں باؤلی کم ہی ہوتی ہے کہ پانی نہیں ہوتا' ہوتا بھی ہے تو بہت ہی نیچے پھر سخت پتھر راہ مارتے ہیں۔ ایسے قلعوں میں پانی ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔ اگر باؤلی ہوتی ہے تو کمال کی ہوتی ہے...... دُنیا میں کوئی ایسی جگہ دیکھنی ہو جو آپ کو اپنی ذات کی سیرت اور باطن کی بصیرت کھوجنے میں مدد دیتی ہے تو وہ باؤلی ہوتی ہے اور جو جوگ جگانا چاہتا ہو وہ کہیں پہاڑی قلعہ کی کسی بھاگ بھری جھاگ بھری' باؤلی کی تلاش کرے اور اس سے بھی آگے جو کسی اندھی اور ٹھنڈی آگ یعنی فقیری بھگتی جاننے سمجھنے کا متلاشی ہو وہ کہیں دُور دراز کسی ویران پہاڑی قلعہ کی ایسی باؤلی ڈھونڈے جو جنم جنم کی بانجھ ہو...... بانجھ باؤلی وہ ہوتی ہے جسے کھودتے کھودتے پاتال تک اُتر جاؤ مگر وہ بے حساب محنت' کئی جانوں کی بلی لینے کے بعد بھی گیلے پانی کا ایک قطرہ تک نہ سونگھائے...... ایسی "میرا بائی" سی باؤلیاں پاک وہند میں صرف تین ہیں جن کے نامۂ اعمال میں اُن وقتوں کے حساب' لاکھوں کے صرفے' بے حساب محنت مزدوری اور کئی محنت کشوں کی جانی قربانیاں اور سیکڑوں اونٹوں

Scanned with CamScanner

کی قدامتوں کی کھدائیاں لکھی ہیں مگر اک قطرۂ آبِ لبِ آرزو و جستجو کو نصیب نہ ہو سکا۔

کہا تو یہی جاتا ہے کہ محنت کوشش' صبر و صداقت رائیگاں نہیں جاتے مگر ایسا کبھی کبھی کہیں ہو بھی جاتا ہے۔ باغ ذخیرے کے سارے شجر' ثمر بار نہیں ہوتے کوئی ٹنڈ منڈ بھی رہ جاتا ہے...... بانجھ بھی ایسے ہی سنت منت ہوتے ہیں اور کئی کنویں ایسے بھی کہ لمبی کھدائی کے بعد بھی نچلو بھر پانی تک رسائی نہ ہو۔ مل بھی جائے تو آبِ حنظل کی طرح کا' بشر چکھے اور نہ شتر منہ رکھے' کڑوا بدمزہ پیٹ میں پیچ ڈالنے والا......!

قدرتی بانجھ عورت اور مخنث نامرد' چاند سورج گرہن کے سے اور اُلٹا پیدا ہونے والا' ماں کے پیٹ سے پورے دانت لے کر جنم لینے والا' مسکراتے ہوئے پیدا ہونے والا' مردہ جسم سے زندہ پیدا ہونے والا' قبرستان مرگھٹ میں اور پیدائشی کالی زبان والے بچے' حرام مکروہ جانور کے کجاوے' اُلٹے پانی میں رواں کشتی' ابرق اور سنگِ حدید کی کانوں کے قریب کے پیدائشی' عقوبت خانے میں پیدا ہونے والے بچے...... ایسے تمام افراد' ابنارمل ہوتے ہیں' ان کی جسیں غیر معمولی ہوتی ہیں۔ اکثر کسی عامل کے آگے معمول کے طور ہوتے ہیں' میڈیم کی حیثیت سے کام کرنے کی بے پناہ صلاحیت ہوتی ہے' زیادہ تر منفی رجحانات اور طاغوتی استعانتوں کے زیرِ نگیں رہتے ہیں۔ انہیں ایسی غیر مرئی ہستیاں بھی دکھائی دیتی ہیں جو عام نارمل انسان کے لیے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ان چیدہ علیحدہ سے لوگوں کو بھوت پریت سے نہ تو خوف آتا ہے اور نہ انہیں کوئی پُراسرار مخلوق سمجھتے ہیں۔ طرفین ایک دوسرے کی سائیکی کیمسٹری سے خُوب واقف ہوتے ہیں۔

عجیب سی بات کہ اِن جداگانہ سے افراد میں دس بارہ فیصد ایسی بھلی نیک خو ہستیاں بھی مشاہدہ اور تجربہ میں آئی ہیں جو اِن سے یکسر مختلف ہوتی ہیں اُن کا رُجحان و میلان منفی رویوں کے برعکس مثبت ہوتی ہے' وہ بائیں جانب کی بجائے دائیں طرف جھکاؤ میں آسانی محسوس کرتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے چوروں ٹھگوں کے گھرانے میں کوئی دانہ مولوی یا حافظ بھی نکل آتا ہے یا پیشہ ور رہزن لٹیروں کے ہاں کا کوئی فرد تبلیغی جماعت والوں کے ساتھ جُڑ جاتا ہے۔ اللہ کریم جسے چاہے ہدایت دے دے اور جسے چاہے قعرِ ذلت میں دھکیل دے۔ بیشک وہی مالکِ مطلق ہے' کسی کا ثمر بار یا بانجھ ہونا بھی اُسی کے اختیار میں ہے۔

ثمر مندی اور بانجھ پن کو میں نے اپنے اردگرد کی ہر اُس چیز میں محسوس کیا ہے جو مخلوقات میں شامل ہے۔ کسی بھی شے کو جاننے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ درمیانی فاصلہ کم کر کے نطقی' افہامی تفہیمی' فکری ذہنی تعلق پیدا کیا جائے۔ تعلق دو علیحدہ علیحدہ جزیروں کو آپس میں ملانے والا پُل ہوتا ہے۔ جب ہم کسی حد تک تعلق اُستوار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اگلا مرحلہ تعلق میں استحکام پیدا کرنے کا ہوتا ہے۔ جس طرح ہر شادی شدہ جوڑے کے ہاں اولاد کا پیدا ہونا ضروری نہیں ہوتا کہ ایک سو ایک وجوہات میں کوئی ایک وجہ بھی ہو

Scanned with CamScanner

سکتی ہے۔ اسی طرح ہر تعلق کے لیے بھی ضروری نہیں کہ وہ ثمر بار ہو...... تعلق بانجھ بھی ہوتے ہیں' سو برس تک دوستی تعلقات رہتے ہیں مگر کیا مجال جو ایک ذوبے کے لیے بھی نمو مند رہے ہوں۔ ستر برس تک ازدواجی زندگی بسر ہو جاتی ہے' نصف درجن بچے بھی نکل آتے ہیں مگر اصل مسئلہ تو میاں بیوی کے درمیان ذہنی فکری مزاجی بانجھ پن دور کرنے کا ہوتا ہے۔ محض بچے بنانے کا نام تو شادی نہیں...... ذہنی فکری مزاجی میلان کی شادکامی کا نام شادی ہوتا ہے۔

آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے ہر شے ہر عمل' فیصلہ' نتیجہ' یا بارآور ہے یا پھر بانجھ......! یہ الگ بات کہ انسان اپنے فہم و ادراک' اندر باہر کے حساب سے بارآوری اور بانجھ پن کو کتنا محسوس کرتا ہے یا سمجھ پاتا ہے......؟

جب بارآوری اور بانجھ پنے کے مابین فرق کی سمجھ سوجھ تھی تو اپنی ہر حرکت عمل فیصلہ' نتیجہ راست اور صائب لگتا تھا...... کامیابی کو اپنی عقل محنت اور صحیح فیصلہ کی مرہون منت سمجھتا اور ناکامی کو "نصیب میں نہ تھا" یا پھر دوسروں کے سر پہ ڈال دیتا۔

دیگر انگنت عوامل کی طرح اکثر اسفار بھی بانجھ ہوتے ہیں...... میں اپنی نام نہاد فقیری درویشی کے زعم میں اک خاصا لمبا عرصہ بانجھ قسم کے سفر کرتا رہا اور یہی سمجھتا رہا کہ یہ میری درویشی کا ایک ضروری حصہ ہیں...... یہ سلسلہ شاید کبھی نہ تھمتا یا نہ جانے کون سا غلط یا صحیح رخ اختیار کرتا اگر مجھے ایک مرد درویش سے واسطہ نہ پڑتا......!

● مجھ سے پہلے اس گلی میں میرے افسانے گئے......!

میں ایک ایسے ہی لاحاصل سفر کی حالت میں تھا...... ملک شہر' سرحدیں' پاسپورٹ امیگریشن ویزے وغیرہ تو سو پچاس برس پہلے بھی تھے مگر ایسے نہ تھے جیسے اب ہیں...... پاسپورٹ ویزے کے بغیر کسی دوسرے ملک کا سفر قدرے مشکل ضرور تھا مگر ناممکن ہرگز نہ تھا...... کسی بھی ملک کی سرحد کو ذرا سی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ آسانی سے پار کیا جا سکتا تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں زیادہ سے زیادہ سرزنش ہوتی یا پھر دو چار روز حوالات میں رکھ کر چھوڑ دیا جاتا' بس!...... انسانوں کی اسمگلنگ' منشیات یا ادھر کا مال اُدھر اور اُدھر کا اِدھر والا سلسلہ عام نہ تھا' کہیں خال خال ایسے واقعہ سننے آتا تھا۔

میں جب پہلی بار یورپ گیا تو پاسپورٹ نام کی جو چیز مجھے ملی اُس پہ چہرہ تو میرا تھا مگر دھڑ کسی اور کا کرفٹ پاتھ پہ ڈبا کیمرے والے کوٹ ٹائی والا نگیٹو پہلے ہی تیار کر کے سٹاک رکھتے تھے۔ تصویر دیکھ کر اندھے

Scanned with CamScanner

کو بھی پتہ چل جاتا'' چہرہ میرا باقی اُن کا...... ''امیگریشن آفیسر سب کچھ جاننے کے باوجود مسکرا کر ویلکم کہتے تھے۔

ایران کا بارڈر تو میں نے اپنے جیسے دیگر پندرہ ساتھیوں کے ہمراہ دن کے اُجالے میں یوں پار کر لیا تھا جیسے شیمپو سے دھوئے ہوئے بالوں میں سے کنگھی گزر جاتی ہے۔ ہمارے ساتھ تین عدد بلوچی گدھے اور دو خچر' جن پہ ہمارا سامان لدا تھا۔ ساتھ وہ مال بھی جو ہم پاکستان سے اس غرض سے ساتھ لے جا رہے تھے کہ کچھ زادِ راہ نکل آئے گا۔ ایران پہنچتے ہی ہم پہلے پڑاؤ پہ ہی تتر بتر ہو گئے۔ کچھ ساتھیوں کو اُن کے دوست رشتہ دار ساتھ لے گئے اور باقیوں کو ان کے ایجنٹ' جن سے ترکی کا بارڈر پار کرانے کا ٹھیکہ ہو چکا تھا..... ایک میں اور ایک میرے جیسا فقرا..... ہم دونوں ایک کھلی سی ویران جگہ پہ یوں رہ گئے تھے جیسے کوئی کچھ کھا پی کے' خالی لفافے چھلکے ڈبے پھینک دیئے جاتے ہیں۔ سفر اور پھر اس قسم کے غیر قانونی سفر میں پریشانی مصیبت میں تو سب ایک دوسرے کے غمخوار ہوتے ہیں' جونہی کسی ایک کو اپنی بہتری ہوتی دکھائی دو نیوں بے تعلق ہو جاتا ہے جیسے کبھی کوئی راہ و رسم ہی نہ رہی ہو..... ٹھیک ہے بشری تقاضہ ہے کہ وہ موقع شناس' مطلب پرست اور خود غرض ہوتا ہے۔''

ہم دونوں ایک ایک کپڑوں کا تھیلا اُٹھائے' بھوکے پیاسے کوئی شناسا چہرہ' کوئی کھدرا' آسرا ڈھونڈ رہے تھے..... اوپر سے پکڑے جانے کا خوف..... جب یہ سارے عذاب نازل ہوں تو حاجات ضرور یہ کے یاد رہتیں ہیں؟..... لیکن میں بچپن ہی سے پیٹ' مثانے اور کردار کا کمزور ہوں..... حالت وصورت کوئی بھی ہو' یہ میری تینوں کمزوریاں کبھی دب کے نہیں رہتیں۔ کوئی اخلاقی قانونی' دینی دُنیاوی تقاضہ' ضرورت مجھے ان کے آگے قدغن لگانے پہ مجبور نہیں کر سکتی۔ جب کسی چیز پہ بس ہی نہ چلتا ہو تو بندہ بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔

''یار نوید! مجھے زوروں کا پیشاب لگا ہے۔ آس پاس کوئی اوٹ جگہ دکھائی نہیں دے رہی..... اب کیا کروں.....؟''

پیشاب کی شدت روکنے کے میرے پاس دو ہی طریقے ہیں۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا لیتا ہوں یا پھر اُلٹا ہو کے لیٹ جاتا ہوں..... اس سے یہ ہوتا ہے اندر مثانہ میں پیشاب ادھر اُدھر پھیل کر اپنی سطح برابر کر لیتا اور شدت کم ہو جاتی ہے اور یہ کچھ نہ ہو تو قطرہ قطرہ خارج ہو جاتا ہے۔ ٹانگیں' شلوار پوری طرح بھیگتے نہیں..... کچھ عزت رہ جاتی ہے۔

میں ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے' ناف پہ دونوں ہاتھ رکھے' پیٹ مسوس رہا تھا کہ سامنے ایک وردی والا سپاہی آتا دکھائی دیا۔ مجھے تو پیشاب کے علاوہ کچھ اور سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ نوید ہشیار نکلا' وہ طرح دے کر بغلی گلی کی جانب نکل گیا۔ وہ سپاہی نما شخص اپنی رفتار چلتا ہوا میرے قریب سے گزرنے لگا تو میں نے نتائج سے

Scanned with CamScanner

بے نیاز ہوکر اُسے السلام علیکم کہا...... اُس کے وعلیکم السلام سے پہلے ہی میں نے اُسے اِشارہ سے سمجھایا کہ مجھے بیت الخلاء کی تلاش ہے...... وہ شریف آدمی تھا یا کوئی سرکاری کارندہ؟ جو بھی تھا مگر ہمارے ہاں کی طرز کا نہیں تھا۔ اُس نے مجھے ہاتھ سے اپنے پیچھے کا اِشارہ دیا۔ تھیلا اُٹھائے مَیں اُس کے پیچھے لگ گیا۔ بالکل یُوں ہی جیسے وہ بڑا بھولا بھالا سا سکھ کسی ریس میں حصّہ لے رہا تھا۔ ریفری نے کہا' وہ جو سامنے سرخ روشنی دکھائی دے رہی ہے اُس کو ہاتھ لگا کر آنا ہے۔ ریس شروع ہوگئی' کچھ دیر بعد سب واپس آ گئے مگر اُن میں سے وہ سکھ دوسرے روز ریفری کی تلاش میں ہانپتے ہوئے اُس کے گھر پہنچ گیا۔ ریفری نے حیران پریشان ہوتے پوچھا' تم کہاں تھے؟ جواب میں بتایا۔ تم نے لال بتی کو ہاتھ لگا کر آنے کو کہا تھا۔ مَیں لال بتی والے ٹرک کو ہاتھ لگا کر پشاور سے واپس آ رہا ہوں۔

مَیں بھی اُس سکھ کی طرح' اِس'' ایرانی ٹرک'' کے پیچھے لگ گیا تھا۔ جو مجھے کسی'' جائے ضرورت'' کی جانب کشاں کشاں لیے جا رہا تھا مگر وہ'' مقامِ مُوترم'' ہنوز کہیں نظر نہیں آ رہا تھا...... سچ ہے کہ......

موت نہ ویکھے عمر نوں' عشق نہ ویکھے ذات
نیند نہ ویکھے بستر نوں' بھکھ نہ ویکھے ماس

یہ پیٹ اور مثانے کے'' اندراج واخراج'' نہ تو کوئی مقام دیکھتے ہیں اور نہ کوئی موقع محل؟ شاہ کا حکم چلتا ہے نہ فقیر کی اِلتجا کچھ اثر کرتی ہے۔ ناف پہ لعاب لگانے سے سکون ملتا ہے نہ ہاتھوں کے دونوں انگوٹھے دبانے سے نکلی ہوئی بات دبائی جا سکتی ہے۔ جس طرح ہونی ہو کر رہتی ہے ایسے ہی یہ دونوں'' نظام'' بھی اختتام ہو کر رہتے ہیں۔ وہ'' ایرانی ٹرک'' جس کی لال بتی کے پیچھے مَیں لگا ہوا تھا اپنی زور رفتار میں رواں دواں تھا۔ اِس نے کسی لمحہ بھی پیچھے نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ ایک سڑک کراس کی پھر ایک چوک آیا جس کے درمیان ایک فوارہ پانی اُچھال رہا تھا۔ بس' پانی دیکھتے ہی میری شلوار بھی پانی پانی ہوگئی۔ پہلے تو کچھ کنٹرول کرنے کی ناکام کوشش ہوئی پھر جب قطرے' ٹپکی سی نل پریشر دھار میں تبدیل ہو گئے تو مَیں نے بھی پران ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ اَب مَیں سڑک کنارے ایک کونے میں لگا' ناف سے نیچے ٹخنوں تک شرابور کھڑا تھا۔

کھانا پینا پیٹ میں اُتار کر جو آنند حاصل ہوتا ہے اور بعداً دیر بدیر اُنہیں پیٹ اور مثانہ بدر کر کے جو بھرپور طمانیت حاصل ہوتی ہے اُس کا جواب نہیں ہوتا۔ ثابت ہُوا کہ لذت' لُطف' طمانیت' سکون' فرحت' مزہ وغیرہ کے کوئی نپے تلے پیمانے نہیں ہیں۔ قدرت نے اِس کائنات کی ہر حرکت میں برکت رکھی ہے اور وہ ہر عمل' جس کا رشتہ زندگی سے جُڑا ہوا ہے اُس میں انبساط و اِلتفات کی لہریں دوڑا دی ہیں۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ اِنسان اپنی شعوری اِدراکی' بے بساطی کی بنا پہ اُنہیں کماحقہ طور پہ سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ مگر اللہ کریم جسے

Scanned with CamScanner

چاہیں عطا بھی کردیتے ہیں......

میرے گروپ کا آخری ساتھی نوید بٹ تو اس سرکاری کارندے کو دیکھتے ہی بھاگ نکلا تھا...... اَب میں نے اس سرکاری کارندے کی جانب دیکھا جو مجھے کسی بیت الخلاء کی جانب لے جارہا تھا۔ وہ اپنی ہی رفتار اور بے نیازی سے کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں تھا۔ وہ شاید بھول چکا تھا کہ اُس نے کسی ''سکھ'' کو اپنی لال بتی کے پیچھے لگایا ہوا ہے؟ خس کم جہاں پاک پڑھا کر ٹانگیں پھیلا کر ٹہلنے لگا کہ کسی طور گیلی شلوار خشک ہو جائے...... پیشاب کی بدبو بھی ایک الگ مسئلہ تھا جو شلوار بدلنے اور ٹانگیں دھونے سے ہی حل ہوسکتا تھا۔

سڑک کے درمیان مجھے ایک پتلی سی آبجو دکھائی دی' دو رویہ میوے کے درختوں کے بیچوں بیچ' صاف شفاف' آئینہ صفت آبجو...... جیسے جنت کی کسی کنج میں ننھی سی نہر...... جو بہشت کے طیور شیریں مقال وخوش جمال کی حمام وآئینہ بندی کے لیے قدرت نے بنائی ہو۔ پانی وہ بھی بہتا ہوا صاف شفاف' قدم خود بخود اُدھر اُٹھ لیے...... تھیلا' پاس گھاس پہ دھرا اور آبجو میں اُتر گیا۔ اندر بیٹھنے پہ معلوم ہوا کہ پانی ایسا گہرا نہیں البتہ یخ ضرور ہے۔ خوب مل کر شلوار ٹانگیں صاف کیں اس دوران محسوس ہوا کہ فٹ پاتھ' سڑک پہ لوگ مجھے عجب خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ پہلے تو کچھ سمجھ نہ آیا لیکن سمجھ اُس وقت آیا جب وہی سرکاری کارندے' جس سے میں نے بیت الخلاء کی بابت پوچھا تھا' میرے سر پہ آ کھڑا ہوا......''

فارس والوں اور فرانس کے باشندوں میں ایک بڑی کھری خرابی ہے کہ کسی غیر ملکی سے اپنی قومی زبان کے علاوہ بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے۔ اچھی بات ہے مگر کیا ضروری ہے کہ کوئی سیاح اُن کی مادری زبان سیکھ کر آئے؟...... کم ازکم گزارے لائق تو کسی اجنبی سے انگریزی میں بات کر لینی چاہیے...... فرانسیسیوں کی تو بہت سی عادات' روزمرہ اور روایات ایسی ہیں جو غیر ملکیوں کے لیے پریشانی پیدا کرتی ہیں' مگر اُن کی شائستگی لہجہ حلاوت' دھیماپن اور سجاؤ ایسا لبھاؤ والا ہوتا ہے کہ مخاطب اپنی پریشانی بھول کر اُن کے اخلاص واخلاق کا گرویدہ ہوجاتا ہے۔ یہی حال ایرانیوں کا ہے وہ بھی غیر ملکیوں سے ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ وہ اپنے شاندار ماضی اور سنہری تاریخ پہ فخر محسوس کرتے ہیں اور اپنی قدامت پرستی' علم وفنون اور روایات کو اعلیٰ تر سمجھتے ہیں...... اس میں شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں کہ یہ دونوں ملک' بلاشبہ اپنی تہذیب وتمدن' علم وادب' صنعت وحرفت' خاص طور پہ فنون لطیفہ کے حوالے سے بھی درخشاں روایات کے امین رہے ہیں۔

ان دونوں قابلِ فخر ملکوں کی کئی ایک قدریں مشترک ہیں...... مثلاً علم وفنون کے ٹھنڈے میٹھے چشمے اِدھر سے پھوٹے...... ثقافت وتہذیب' ادب وشعر' مصوری' صنم تراشی' زبان وبیان کی چاشنی اور سحر انگیزی' دُنیا کے بہترین لذیذ ترین کام ودہن کے لوازمات ومشروبات ملبوسات وپیراہن کی جدت طرازی......

Scanned with CamScanner

حُسن و جمال کی فتنہ سامانی' چشم و اَبرو کا کل میں شب تار کی سیاہی..... گُل و اثمار' تمثیل و ڈراما' ایجاد و اختراع وغیرہ..... ان دو ممالک کی آرٹ گیلریاں' عجائب گھر' اسلحہ خانے' لائبریریاں' گلستان و مرغزار' قصر و کاخ' عندلیب و زاغ' نکہت و نُور' سیب و انگور' شاہ و شاہراہیں' اُمراء و اشراف' جوہری و صراف..... اور بھی بہت کچھ؟

وہ سرکاری کارندہ' بظاہر تو یہی کچھ لگتا تھا میرے سر پہ کھڑا ہاتھ ہلا ہلا کر بڑی ٹھیٹ فارسی میں مجھے کوئی بھاشن دے رہا تھا..... مَیں کیا سمجھوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ انداز ے اور اُس کی جسمانی حرکات' خاص طور ہاتھوں کی شاعری سے یہی محسوس ہوتا تھا کہ وہ میرے اس طرح ''بیچ کھیت'' نہانے سے خفا ہے اور مجھے آبجو سے باہر نکلنے پہ مُصر ہے۔ میرا کام تو ہو چکا تھا بھلا مجھے پانی سے باہر نکلنے میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟ مَیں جَھپک سے باہر نکل آیا' حالت یُوں کہ نیچے پوری شلوار پانی سے شرابور اور ٹانگوں سے لپٹی ہوئی۔ آتے جاتے لوگ دیکھ دیکھ حیران ہو رہے تھے لیکن اصل حقیقت سے تو کوئی بھی واقف نہ تھا کہ میری مجبوری کیا تھی۔ وہ سرکاری کارندہ' ابھی تک خاموش نہ ہُوا تھا' مسلسل وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ نُطق سے زیادہ' اُس کے ہاتھ اور چہرے کے اُتار اُو چڑھاؤ کام کر رہے تھے۔

ظاہر ہے کہ میری ''پاکستانیت'' تو سب پہ واضح ہو چکی تھی اس نسبت سے مَیں اُن کی نظر میں رعایت کا بھی مستحق تھا۔ فرد ہو یا ملّت و قوم' ان کا عروج و زوال' مذہب مسلک' جغرافیائی یا نسلی بنیادوں پہ قائم نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی جائے تو مستحکم نہیں ہوتا..... قوموں کی کامیابی' ان کی اخلاقی' فکری' علمی سوچ اور رو رواں وقت کے تقاضوں کے مطابق خُود کو ڈھالنے' معیشت کا قد بالا رکھنے میں مضمر ہوتی ہے۔ ''جیو اور جینے دو' جیسے زندگی آمیز فلسفہ پہ عمل پیرا ہونے' دوستی' رواداری' تجارت و سفارت کو فروغ دینے سے ملتی ہے۔

کہنے کو تو ہم آزاد ہیں مگر آزادی محض قفس سے آزاد ہونے سے تعبیر نہیں ہوتی۔ آزادی اور خودی کے معنی ہم شاید جانتے ہی نہیں اور نہ ہی کوئی لغت ان الفاظ کے باطنی مطالب کا صحیح سے سراغ دیتی ہے کہ اسے بلا کے ذہین فطین اور علمی لسانی لوگ ترتیب دیتے ہیں..... ان کے ہاں علم و فضل کی فراوانی ہوتی ہے۔ مگر کچھ حرف و لفظ اور لوگ' ان پیشہ ور دانشوروں اور ماہر تدرّس و تعلم سے کئی صحیفے اور صفیں آگے ہوتے ہیں..... قلندر' درویش' صوفی' بھگت..... جو مکتب عشق اور کوچہ ملامت کے طالب عشق اور دریوزہ گر ہوتے ہیں..... آزادی اور خُودی کی ''دلآرام'' فقط ان کے رُوبرو ہی اپنا گھونگھٹ اُلٹتی ہے۔

عشق نہ ہو تو نہ علم ہے اور نہ عمل اور عقل بے چاری تجل تجل دُور بیٹھی آنکھیں نچا رہی ہوتی ہے کہ اُس کی کوئی دلیل منطق فلسفہ سنتا ہی نہیں۔

Scanned with CamScanner

علم، عمل اور عقل کے سات سات سمندر ایک ہی گھونٹ میں اُتارے جائیں تو عشق والی "عین" بلکی سی "شق" ہوتی ہے..... آزادی (اگر اس کے باطنی معنی کسی پہ القا ہو جائیں) تن کی، من کی..... ذہن کی یا فکر کی سوچ اور سمجھ کی..... اظہار کی، گفتار کی..... شخصی آزادی یا بشری آزادی..... اسی آزادی کے جوہر سے خودی کے سوتے ہرے ہوتے ہیں اس میں رَس پیدا ہوتا ہے..... طاقتِ پرواز پیدا ہوتی ہے، سرِ نہاں کا راز کھلتا ہے۔

بات آزادی کی تھی کہ ہم الحمدللہ آزاد ہیں، جس فرد یا قوم سے اُس کی عزتِ نفس چھین لی جائے..... اُس کے بنیادی اور انسانی حقوق سلب کر لیے جائیں، انصاف کا حصول، شجرِ ممنوعہ بنا دیا جائے..... بد دیانتی، رشوت، اقربا پروری، ڈاکے قتل اغواء، پولیس مقابلے روزمرّہ بن جائیں۔ گھر، قلعوں میں تبدیل ہو جائیں..... خاردار رکاوٹیں، سیکورٹی کیمرے، مسلح چوکیدار، ناکے، پولیس کی تلاشیاں..... قدم قدم پہ سکریننگ مشینیں..... اللہ کے ولیوں کے مزاروں پہ دھماکے..... ناکہ بندیاں فرداً فرداً تلاشیاں..... کیا یہی ہماری آزادی ہے؟.....

برٹش راج میں تو ایسا نہ تھا، کہیں ایک قتل ہو جاتا یا کسی بے بس پہ ظلم ہوتا تو لال آندھی اُمنڈ آتی تھی..... تیز تند جھکڑ، ہوا ورلے چلنا شروع ہو جاتے، ہر کوئی اپنی جگہ سہم ڈبک جاتا..... ہم بچے بالے ڈر کے مارے ماؤں کی بغلوں میں سمٹ جاتے..... استغفار پڑھی جاتی، قیامت کے قرب کی نشانی سمجھی جاتی..... آج ہماری اخلاقی انسانی آزادی کا یہ عالم کہ روزانہ درجنوں بے گناہ معصوم انسان دہشتگردی کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں..... لال آندھی تو کجا، ہلکی سی آہ نہیں نکلتی..... اُدھر خوفناک دھماکہ ہوتا ہے اِدھر ہم خبرناک قہقہے لگا رہے ہوتے ہیں..... قتل و غارت دہشتگردی کی آزادی نے ہم سے لفظ آزادی کے معنٰی چھین لیے.....

اُس مردِ آزاد نے بے طرح کی سنانے کے بعد ایک بار پھر مجھے اپنی "لال حق" کے پیچھے لگا لیا.....
میں اُس سے پیچھا چھڑا کر نوید بٹ کی طرح اِدھر اُدھر کہیں کھسک لیتا مگر چاہنے کے باوجود ایسا نہ کر سکا۔ ایک مقناطیسی کشش تھی جو مجھے اُس کے پیچھے پیچھے چلنے پہ مجبور کر رہی تھی..... وہ پھر اُسی اپنی پہلی روش پہ ہی چلا جا رہا تھا..... بے خیالی میں اپنے ہاتھ لہرا لہرا کر جانے کس سے مخاطب تھا۔ میں اندر سے ڈرا ہوا بھی..... ! ایران کا بارڈر کراس کرنا کوئی اتنا بڑا جرم بھی نہ تھا۔ ہر روز صبح و شام ہزاروں لوگ اِدھر اُدھر آتے جاتے رہتے تھے..... کچھ پھیرے باز اسمگلر، کچھ سیر سپاٹے کے شوقین اور کچھ ایران سے آگے ترکی یونان یورپ کے چکر میں۔

میں بھی آگے ترکی، یونان اور پھر یورپ سلپ ہونے کے چکر میں اس بھگوڑوں کے گروپ میں شامل ہوا تھا..... یہ بھی کیا زمانہ تھا کہ انسان، انسان کا دم ساز ہمدرد اور ساتھ دینے والا تھا۔ اغواء برائے تاوان، قتل و غارت، دہشت گردی کا تصور تک نہ تھا..... دو دو سال گھر نہ پلٹو تو ماؤں کو تسلی رہتی۔ اندھیرے سویرے

Scanned with CamScanner

سب محفوظ تھے۔ دیس پردیس سب اَمن شانتی...... مسافر بے کھٹکے سفر کرتے...... مسافر نواز بہتیرے تھے۔ آؤ بھگت ہوتی...... کھیتوں باغوں ذخیروں والے کھلانے پلانے بل سیوا میں اپنی عزت سمجھتے تھے۔ کنوؤں کا پانی ٹھنڈا میٹھا اور ہر چیز میں خیر و برکت...... تھوڑے میں بسر اوقات ہو جاتی تھی۔

یہ ایرانی گھن چکر پھر میرے آگے اور مَیں پیچھے کہ مَیں تیز رفتار و گفتار نہ تھا وہ تو جیسے زمین پہ چل نہ رہا ہو پھسل رہا ہو اور خود کلامی؟ کہ جیسے اُس کے ساتھ کوئی نادیدہ مخلوق بھی چل رہی ہے جس سے وہ بحث رہا ہے...... اشارے کنایئے' صوت کا زیر و بم' اعضائی حرکت...... اس دَوران اُس نے حسبِ سابق اک نظر بھی مُڑ کر نہ دیکھا کہ یہ مزِل لیلا پیچھے پیچھے آ بھی رہا ہے یا پھر کہیں غائب ہو کر مُوتنے بیٹھ گیا ہے؟

بیٹھنے' کھڑے ہونے' لیٹنے سونے کی مانند چلنے دوڑنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اس کے آگے وہ سرحد ہوتی ہے جس کے پار جانے کے لیے انسانی قوے عاجز ہوتے ہیں۔ چلتے چلتے بلکہ نیم بھاگتے ہوئے میرے پاؤں جواب دے رہے تھے۔ مگر مَیں اُس کا ساتھ دینے پہ خود کو مجبور پاتا تھا کہ ناتواں جان کر میرا تھیلا' اُس نے اپنے بے ہنگم کاندھے پہ لٹکا رکھا تھا۔ خدا خدا کر کے منزل پہ پہنچ ہی آئے...... میری حیرت دو چند ہو گئی جب مَیں نے خود کو از منہ قدیم کی طرز کے ایک ایسے گھر کے سامنے پایا جو کسی طور بھی ایرانی طرزِ تعمیر کا حامل نہ تھا...... لگتا تھا بلوچی سندھی اور پنجابی اندازِ تعمیر کی یکجائی سے اسے بنایا گیا ہوگا۔ پرانی ریتلی خشت سے بنی ہوئی بوسیدہ دیواریں' جن کی کوئی کل سیدھی نہ تھی۔ انتہائی دراز دروازے جو امتدادِ زمانہ سے اپنی اصل حالت پہ قائم نہ رہ سکے تھے...... نیز ھے اور اُونچے نیچے کواڑ اور پُرانی طرز کے تانبے کے میخ مُورے اور قفل سنگے' باہر دروازے پہ دو تین مزِل سی بکریاں' جن کے تھنوں پہ غلاف چڑھے تھے' اپنے کچھ میمنوں کے ہمراہ بیٹھی تھیں۔ جو بھی تھا اور مَیں جدھر بھی تھا ایک گونا اطمینان یہ ہُوا کہ چلو چلنے سے تو جان چھوٹی! مکان کہہ لیں یا کوئی حجرہ' صدر دروازہ کے عین اُوپر وسط میں سنگِ سیاہ کا ایک طغرہ آویزاں تھا جس کی خستہ حالت اور قدیم فارسی میں ایک رُباعی کندہ تھی...... مَیں چونکہ فارسی پڑھنے سمجھنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا اس لیے محض تکنے کی حد تک ہی رہا۔ ویسے بھی وہ پتھر ایسا خستہ اور دگرگوں حالت میں تھا کہ اچھے سے اچھا فارسی خواں بھی شاید پڑھنے سے عاجز رہتا۔ جب قدرے ہوش ٹھکانے لگے تو دو احساس بیک وقت پیدا ہوئے۔ ایک شدت کی بھوک' دوسرا' یہ مجھے یہاں کیوں لایا ہے؟...... اگر یہ سرکاری کارندہ ہے اور اس کا کام غیر قانونی لوگوں کو پکڑنا ہے تو اسے مجھے کسی پولیس تھانے لے جانا چاہیے تھا۔ مگر یہ جگہ پولیس تھانہ ہے نہ کوئی اور سرکاری دفتر؟...... یہ جگہ یا تو اس کا گھر ہے کیونکہ اس میں اور اس گھر میں بس گوشت پوست اور پرانی اینٹوں پتھروں کا ہی فرق تھا۔

وہ مجھے کھلے سے ہاتھ کے اِشارے سے پیچھے آنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ نہ بھی دیتا تو مَیں نے کونسا

Scanned with CamScanner

کہیں اور جاتا تھا؟ دروازہ وا اس نے خاصا زور لگا کر وا کیا تھا۔

پرانی کھاٹ اور ہنڈا ہوا در...... انہیں چھیڑیں تو اچھا بھلا واویلا کرتے ہیں۔ اسی طرح پرانے بجھے حقے کی گڑ گڑ اور عمر کھائے بوڑھے کی بڑ بڑ دونوں کی ایک سی ہی چڑ چڑ ہوتی ہیں...... دونوں ٹھنڈے پڑنے پہ بھی گرم رہتے ہیں۔ کانسی کے چھنے کی مانند دونوں کی گڑ گڑاہٹ اور بڑ بڑاہٹ کا صوتی آہنگ کچھ لمحوں تک گونجتا رہتا ہے...... "بڈھی زن تے پرانی گنڈ نر نرکھاون خصماں دے بنڈ۔"

زمانوں سے ایک مٹکے محور پہ گڑے پتوں کی چرچراہٹ ہمارے گزرنے کے بعد بھی گونجتی رہی...... گونج اور گونج میں فرق کاف اور گاف کے علاوہ دکھائی دینے اور دکھائی نہ دینے والے پروں کا بھی ہوتا ہے...... ایک جھانپا کا نپا لگا دینے والی کرلاہٹ ایسا دکھائی نہ دینے والا وجود جو صرف سایہ ہو۔ جیسے دبی ہوئی سنسناہٹ جو روح میں اُترتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور کپکپاہٹ جو ظاہری باطنی اعصاب میں کھنک سی طاری کر دیتی ہے......

اندر داخل ہوتے ہی تیز کی کچھ کرلاتی کونجیں میرے سر پہ سے پھڑپھڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

باطن ہمیشہ اپنے ظاہر سے مختلف ہوتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ظاہر اور باطن ایک ہونا چاہیے وہ فطرت کے اُصولوں سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ سیدھا اور اُلٹا بھی ایک سا نہیں ہو سکتا؟ "اندر اور باہر" یہ دونوں لفظ اپنے صوت سے ہی اپنا تضاد واضح کر دیتے ہیں...... یہ الگ اَمر ہے کہ کوئی ظاہر میں اصل ہے اور کوئی باطن میں کھرا؟...... کہنے کو کہا جا سکتا ہے کہ سونا اندر باہر سے سونا ہی ہوتا ہے یعنی اُس کا ظاہر باطن ایک...... یہ سونے کی مالیاتی حیثیت ہے جسے باطن کہتے ہیں تو اُس میں ماورائی کیفیات اور خفی اثرات وتشرفات یا منفرات بھی ہوتے ہیں جو بادی النظر میں بشری بصیرت و ادراک سے کہیں بالا ہوتے ہیں۔

ظاہر میں تو یہ زمانہ قدیم کی معمولی چھوٹی سی سرائے یا کسی دہقان کی حویلی دکھائی دیتی تھی اور جس کی خستہ حالت اس اَمر کی غماز بھی کہ اس سے متعلقہ لوگوں نے اسے خدا کے آسرے پہ چھوڑ رکھا ہے۔

ڈیوڑھی پار کر کے جب سامنے نظر دوڑائی تو ایک اچھا خاصا صحن تھا...... دو چار پرانے درخت اور ایک ساتھ بنے ہوئے حجرے۔ ویسے ہی جو بغداد شریف پیراں پیر عبدالقادر جیلانی سرکار کے مکتب میں بنے ہوئے ہیں۔ قدرے پھیلے ہوئے ایک درخت کے نیچے چٹائیوں پہ کچھ درویش نما پیر و جواں مؤدب بیٹھے تھے۔ روبرو موٹے سے نمدے پہ ایک بزرگ گفتگو فرما رہے تھے...... ارد گرد کچھ مور بھی دکھائی دیئے۔ ایسے خوبصورت مور میں نے پہلی بار یوں آزادی بے فکری سے ٹہلتے دیکھے...... اِدھر اندر کی فضا اپنے ظاہر سے اس قدر مختلف ہوگی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا؟ اسی ظاہر و باطن کی اُدھیڑ بُن میں پھنسا ہوا میں بھی سرکاری کارندے کے ساتھ پچھلی صف میں بیٹھ گیا۔ میر محفل نے اک نظر ہمیں دیکھا۔ مثنوی رومی کا درس وہی قدیم فارسی کا سکہ بند لہجہ!......

Scanned with CamScanner

لگتا تھا مولینا جلال الدین رُومی کا زمانہ لوٹ آیا ہے۔ جیسے کہنے والے ویسے ہی سننے والے' وہی ماحول' حفظِ مراتب' اَدب واحترام بھی وہی...... علم حاصل کرنے کی وہی جستجو' وہی ذوق وشوق' محنت خدمت......!

عہدِ عتیق کے اساتذہ' فقہا' علما' آئمہ کرام میں خُوئے دلنوازی فروزاں ہوتی تھی...... فروغ علم کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہوتے تھے۔ منفعت کے لیے نہیں اپنی مغفرت اور اللہ کی رضا کی خاطر علم کی روشنی پھیلاتے۔ خاکبازی کا نہیں' خداشناسی کا سبق پڑھاتے...... عطارؔ' حافظؔ' سعدیؔ' رُومیؔ و رازیؔ' جامیؔ' غزالیؔ کی راہ و رسم پہ ڈالتے تھے......''

مَیں اِک گونا استعجاب واضطراب سے انہیں سُننے لگا...... مَیں سُننے کی استعداد میں تو تھا مگر سمجھنے کے ادراک سے تہی تھا۔ وہ جو کہتے ہیں کہ قرآن پڑھنا نہ آتا ہو تو حروف والفاظ پہ اُنگلی پھیرتے ہوئے سطر سطر آگے بڑھتے جاؤ...... اللہ کریم حُسنِ نیت اور جو ہرِ اخلاص کو دیکھتا ہے۔ مَیں بھی اسی فلسفے کے تحت' تہہ دل سے سُن رہا تھا' کیا عجب اللہ کریم اس کے حُسنِ معنٰی سے دل منوّر کر دے۔!

ایسا ہی ہُوا' یوں لگا جیسے ایک ایک لفظ' شعر' سراپا تصویر وتسلیم بن کر میرے اندر اُبھر رہا ہے...... وہ صاحبِ ارشاد تھے۔ اللہ کریم جسے یہ مرتبہ ومنزل عطا کرتا ہے اُسے اثر پذیری اور جذب وجمال سے بھی معمور فرماتا ہے۔ وہ قلب وسماعت کو اپنے حُسنِ بیاں سے مسخر کرتا چلا جاتا ہے۔ ضروری نہیں ٹھہرتا کہ سامع' ذی علم اور بالغ شعور بھی ہو؟...... ظاہر تو محض سنتا ہے جبکہ باطن خُوب سمجھتا ہے......

بدیر مجلس برخاست ہوئی تو چند احباب کے علاوہ سب اَدب واحترام واجب کرتے ہوئے رُخصت ہوئے...... ساتھ ہی قہوہ کچھ دیگر ماکولات بھی پیش ہوئے۔ ان سے فراغت پائی تو بزرگ نے توجہ فرمائی۔

''ہاں بھئی' کتھوں آیا ایں' تے کتھے جانا ایں......؟''

اُن کی زبان سے ٹھیٹ دیہاتیوں' پنجابیوں والی زبان سُنی تو اپنے کانوں پہ یقین نہ آیا۔ مَیں تو انہیں کوئی اجل عالم' فقیہی' مفتی' مدرسی قسم کی کوئی ہستی سمجھ رہا تھا اور یہ بھی کہ یہ اہلِ فارس میں سے ہیں۔ پنجابی کے جس لہجے میں اُنہوں نے مجھ سے بات کی وہ خالص پنجابی کے علاوہ کسی اور سے ذرا کم ہی ممکن ہے۔ ابھی مَیں ورطۂ حیرت سے باہر نہ نکل پایا تھا کہ اُس سرکاری کارندے نے ایک اور دھماکہ کر دیا۔ میرے کوئی جواب دینے سے پہلے وہ انہیں بتانے لگا۔

''بابا! اے پرُوہنا وی نواں آیا اے۔ دُوجے تے ایدھر اُودھر ہو گئے نے' پر اَے چڑی دا بوٹ میرے ڈاہے چڑھ گیا اے...... ایدا موٹر نکل گیا سی...... تہجے نئے نوے چ وڑکے نہان دھون کر ریا سی کہ مَیں ایدھر لے آیاں واں......!''

Scanned with CamScanner

اُس کے بھی پنجابی ہونے کے انکشاف پہ میرا ایک بار پھر مُوتر نے کو جی چاہا...... الٰہی! ظاہر اور فی الوقتی رویے بھی کتنا بڑا تضاد ہوتے ہیں۔ ابہام کی کیسی بڑی فضا قائم کر دیتے ہیں۔

مَیں ایسا ہی کچھ سوچ وبچار کر رہا تھا کہ بزرگ بڑی رسان سے پھر لب کُشا ہوئے۔

''اوئے علی شیرا! نصیباں والے ای پھڑے جاندے نے...... تے جنہاں دے پلّے کُجھ نہیں ہوندا' اوکھکھاں وانگوں اُڈ جاندے نے۔''

اَب وہ پھر مجھ سے مخاطب تھے۔

''ہاں پُتّر! توں کون ایں تے کِتھوں آیا ایں تے کِتھے جاناایں؟''

اَب مَیں کیا بتاتا' مَیں کون ہوں' کہاں سے آیا اور کدھر جا رہا ہوں؟ میری تو بِتّی ہی گم ہوگئی ہوئی تھی...... ہڑ بڑا نگ میں مُنہ سے نِکلا۔

''مَیں اِک دَرویش ہوں...... سیالکوٹ سے آیا ہوں' مگر پتا نہیں کہ جانا کہاں ہے؟''

میرا جواب سُن کر ہلکا سا تبسّم فرمایا پھر چہرے پہ دُھندلا سا غبار آیا...... بڑی متانت سے فرمایا۔

''فقط دَرویشی نیستی و ناداری......!''

اُن کا یہ فارسی پرندہ بھی میرے سر پہ سے زنّانے سے اُڑ گیا۔

یہ فارسی اور عربی بڑی ثقہ زبانیں ہیں۔ انہیں پڑھے سمجھے بغیر عُلومِ قدیمہ اور جدیدہ میں دَرک حاصل کرنے کا تصور بھی عبث ہے کہ آسمانی عرشی علمی فضیلت وجلال عربی عبرانی میں ہے جبکہ اَرضی فرشی عُلوم و اَدب اور لطافت و جمالت' فارسی میں ہے...... پُرانے لوگوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت فارسی عربی سے ہی شروع ہوتی تھی۔ اس کے بعد دیگر مروجہ اور علاقائی زبانیں اور عُلوم کی تعلیم شروع ہوتی۔ عربی فارسی' ریاضی منطق' عروض صرف و نحو' خطاطی خُوش نویسی' حکمت وموسیقی' شعروشاعری' تن سازی پہلوانی وغیرہ یہ سب عُلوم' ہنروفن' نصاب میں شامل ہوتے تھے۔''

''فقط دَرویشی نیستی و ناداری'' والی بات چونکہ میری سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ فارسی میں تھی اور میرے لیے یہ جاننا مشکل تھا کہ وہ مجھے کیا سمجھانا چاہتے ہیں؟ حقیقی دَرویش میں دیگر خُوبیوں کے علاوہ ایک کرامت یہ بھی ہوتی ہے کہ آپ جو بھی سوچ رہے ہوتے ہیں یا دل میں لیے ہوئے بیٹھے ہیں' سوال کوئی اعتراض' بُغض' بُرائی یا بہتری' اُسے اس کا پورا پورا اِدراک ہوتا ہے یہ الگ بات کہ وہ ظاہر کرے یا نہ کرے۔

میری اس ''فقط دَرویشی نیستی و ناداری'' والی نہ سمجھ سکنے والی بات کو بھی اُنہوں نے پالیا تھا۔ بڑی سلیس اور شستہ اُردو میں سمجھانے لگے۔

Scanned with CamScanner

''سنو بچے! درویشی اپنا حلیہ بگاڑنے' بال ریش بڑھانے یا دردر بھٹکنے کا نام نہیں اور نہ درویش اپنے منہ سے خود کو درویش کہنا پسند کرتا ہے...... جو درویشی' ظاہریت کا احساس پیدا کرے اور خواہش پروان چڑھائے کہ لوگ' اسے درویش سمجھیں اور اہمیت دیں اُس کا رزق آسمان سے اُترے گا اور وہ کھائے گا!...... بس یہی نیستی و ناداری ہے۔''

نماز کا وقت آ گیا تھا...... اپنے اسی مرید سے' جسے میں اپنے حساب سے سرکاری کارندہ سمجھ بیٹھا تھا' تاکید کرتے ہوئے فرمایا۔

''علی شیر! ایس بلونگڑے درویش دا' زبن کھان پین تے سون دا اچھا جیا بندوبست کر...... ایہنوں بھک وی لگی ہوی اے...... تے تھکیا ہویا وی اے......'' اتنا کہہ کر وہ پائیں دراندے سے ہوتے ہوئے اپنے حجرے میں چلے گئے۔''

علی شیر سرکاری کارندہ تو نہ نکلا البتہ اللہ کا کارندہ اور پنجاب کا پُوت ضرور نکلا...... یہاں پھر واضح ہُوا کہ ظاہر اور باطن ایک سے نہیں ہوتے۔ پہلے میں کہا کرتا تھا' تصویر' تحریر' تقدیر بڑا دھوکا دیتی ہیں...... ایسا مکمل اور پُریقین دھوکا کہ اگر بندے کے سامنے ان کا دھوکہ' کسی بھی طرح کھل جائے تو انسان کوئی انتہائی قدم بھی اُٹھا سکتا ہے۔ تب میں نے تصویر' تحریر اور تقدیر کے ساتھ ظاہر کو بھی شامل کر کے ان کی تعداد چار کر دی۔

''چل کا کا اُٹھ' کُج کھا پی تے فیر آرام کر لئیں...... رات کُفتاں دی نماز بعد' بابا جی دی مجلس چ فیر بیٹھاں گے۔''

اس ''ظاہر'' نے مجھے کتنے بڑے دھوکے میں رکھا...... جبکہ میں اسے خفیہ کا کوئی سرکاری آدمی سمجھ رہا تھا۔ ایران' پاکستان' ہندوستان یا کوئی بھی ملک ہو۔ سرحدی شہروں علاقوں میں خفیہ کے کارندے موجود ہوتے ہیں جو غیر قانونی سرحد پار کرنے والوں پہ کڑی نظر رکھتے ہیں۔ جب یہ مجھے ملا' میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا یہ پاکستانی اور پنجابی بھی ہو سکتا ہے۔ ایرانیوں کی اپنی ایک الگ پہچان ہے...... اُن کی گفتگو کا لہجہ' عادات و خیالات' جسمانی حرکات' ملی اور مسلکی رویے' فرانسیسیوں' جرمنوں کی طرح ''من حیث القوم اپنی برتری کا احساس' اپنی تہذیب روایات ثقافت' اپنے اکابرین شاہوں اور دیگر اہل فن و ہنر پہ حد درجہ ناز اور افتخار' ایرانیوں کو ایک الگ اور خاص سی شناخت کے حامل بنا دیتے ہیں۔

منجملہ مجھے ایرانی باشندے' اُن کے طور طریق...... رہن سہن' شہر' کوچے گلیاں' ان کے نام اچھے لگتے ہیں۔ صاف ستھرے' گورے چٹے' سیاہ ابرو و کاکل' دراز قد...... مجھے تو بغداد' دمشق' یوروشلم' قرطبہ' دہلی' لاہور کی گلیاں بھی اچھی لگتی ہیں' انگوروں کی بیلوں سے ڈھکی ہوئی گلیاں کوچے...... اسی طرح تاشقند' سمرقند' بخارا کے

Scanned with CamScanner

کوچہ و بازار...... مکلی' کھوڑ' میانی' منگو' جیسلمیر کے قبرستان بھی...... کوہ قاف' جھیل سیف الملوک' اسکاٹ لینڈ کا لیک ڈسٹرکٹ' بیکانیر' صحرائے گوبی...... نیلم سندھ جمنا...... مجھے مہوے کے پیڑ' چندن کے جھاڑ بھی اچھے لگتے ہیں جن سے سانپ لپٹے مدہوش پڑے ہوتے ہیں کھٹے میٹھے جنگلی بیر' کالا شہتوت' گزری گزرک بھی اچھی لگتی ہے۔ گلدم اور کالی چمکیلی پھرتیلی تیتری بھی بھلی لگتی' جس کی حرکات رفتار پہ نظر نہیں ٹھہرتی...... بھیڑوں کے نوزائیدہ میمنے تو بہت اچھے لگتے ہیں۔ کالی کٹیلی آنکھیں...... گدرائے ہونٹ' گڑھے پڑے گال' جڑے ہوئے ابرو' گھنگھریالے بال...... تنگ پائجامہ اور سلوکہ بھی اچھا لگتا ہے۔ گریٹا گاربو' سرلارنس اولیور' صوفیہ لورین' جینا لولو برجیڈا' انتھونی کوئین' بلراج ساہنی' کنہیا لعل' مینا کماری' نوتن بھی اچھی لگتی ہیں...... نارمن وزڈم' چیپلن' منور ظریف' لہری' نور محمد چارلی اور گوپ کا میں دیوانہ تھا...... مجھے تو الفرڈ ہچکاک اور کے آصف اور کمال امروہوی بھی اچھے لگتے...... چکوال کی ریوڑیاں مونگ پھلی بھی اور حافظ آباد کا کھدر مجھے بہت بھاتا ہے۔

مجھے باہر سے کم اور اندر سے زیادہ سادہ' بے وقوف اَن پڑھ جاہل لوگ تو بہت ہی بھلے لگتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ ایسے لوگ قدرے فربہی مائل ہوتے ہیں۔ ان کی توند شریف باہر نکلی ہوئی اور ہونٹ موٹے ہوتے ہیں۔ ان کی کھلی کھلی سچ بولتی آنکھوں میں بلا کی معصومیت ہوتی ہے لیکن اگر یہ گائیڈ یا داستان گو نہ ہوں۔

میرے اندر سے اس ''سرکاری کارندے' خضر صورت' الیاس صفت' ایرانی سیرت اور پاکستانی طینت انسان کے لیے خود بخود ایک نام اور مقام نکل آیا کہ میرے منہ سے بن سوچے چاچا علی شیر نکل گیا...... جب میں نے اُسے اس نام سے پکارا' وہ آگے آگے اپنے فربہ تن و توش کے ساتھ لڑھکتا جا رہا تھا اور میں کسی کٹے کے بھوکے پلے کی مانند اُس کے پیچھے پیچھے کہ دالان پار کرتے ہی میرے منہ سے ایسا نکل گیا تھا...... اُس نے یوں پلٹ کر میری جانب دیکھا جیسے میں نے پیچھے کمین گاہ سے اس پہ وار کر دیا ہو۔ ظاہر ہے اُس کی اچانک پلٹ سے میں گھبرا سا گیا...... سمجھ میں نہ آیا مجھ سے ایسی کون سی بھول ہوئی جس کی پاداش میں چاچا علی شیر نے کسی بھوکے شیر کی مانند کھا جانے والی نظروں سے مجھے دیکھا...... لیکن اگلے چند لمحوں میں اُس کا چڑھا ہوا پارہ یکدم نیچے گر گیا۔ وہ خود پہ قابو رکھتے ہوئے بولا۔

''یار! توں نے تے میری جان ای کڈھ لئی اے......!''

میرا ایک بار پھر حیرت سے منہ کھل گیا کہ مجھ سے اس کی جان نکالنے والی کون سی حرکت سرزد ہو گئی ہے؟...... وہ میری پریشانی میرے چہرے سے پڑھتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''اوئے میرا مطلب اے ایڈے پیار تے لاڈ نال میتوں چاچا علی شیر آکھ کے سدیا ای کہ میری جان ای کڈھ لئی آ......!''

Scanned with CamScanner

گل و بلبل، شعر و نغمہ، لب و عارض، چشم و مژگاں، چتون و ابرو، کاکل و قامت، جلال و جمال کی سنہری سرزمین ایران میں گو میرا پہلا دن تھا لیکن رات، گنج زرویش میں مجھی بستر پہ لیٹے ہوئے یہی محسوس ہوا میں صدیوں سے ادھر مقیم ہوں...... میرے علم و بصیرت میں ایک نئی چوند پیدا ہوئی، ظاہر و باطن کی نئی جہتیں سمجھ میں آئیں۔ میں جیسے کڑی دھوپ سے نکل کر گھنے سائے میں پہنچ گیا تھا۔

سیالکوٹ سے لاہور، سکھر، حیدرآباد، بنی سے ہوتے ہوئے کوئٹہ ادھر کئی دن کا قیام بے طعام و آرام، پھر اک طویل بلوچستان کا سفر جو بالآخر ایران کی سرحد تفتان پہ اختتام پذیر ہوا...... یہاں وہی روایتی سرحد پار کروانے والے ایجنٹوں کی سرد رویاں، جھوٹ سچ، وعدے، دو نمبریاں، ٹریلر فلمیں کہانیاں...... سونا نہ جاگنا، ہر وقت بے یقینی کی کیفیت، ایمرجنسی...... روزمرہ کی بنیادی ضرورتیں منہ لٹکا کے کہیں غائب ہو گئی ہوتی ہیں۔ ہر اجنبی اپنا اور کبھی پرایا لگتا ہے!

مسافرت، جو نقل مکانی جو کسی معاشی اخلاقی اور انسانی معاملت کی وجوہ پہ اختیار کی جاتی ہے، وہ سعادت ہوتی ہے اور جو غیر قانونی، چور، اسمگلر کی حیثیت سے چھپ چھپا کر ہوتی ہے وہ خوف ابتذال اور انسانی اخلاق جرأتوں قدروں کی قاتل ہوتی ہے۔ ذرا غور کریں، جنگل میں شیر، فضا میں شہباز اور سمندر میں شارک اپنی روزی رزق کے لئے حصول کے لیے کیسے آزادانہ رویے راستے اختیار کرتے ہیں جبکہ ان رویوں کے پیچھے محض طاقت ہی نہیں بلکہ اخلاقی قوت بھی موجود ہوتی ہے اور ایسے آزادانہ رویوں اور اخلاقی جرأت و جذبے کا گدھ گدھے اور گیدڑ میں فقدان ہوتا ہے۔ یہی حال نیوز چوہے چام چڑک اور چھپکلی کا ہوتا ہے۔ گم راستوں، رات کے اندھیروں، اپنی جانیں جوکھم میں ڈالے، غیر قانونی طور پہ جو لوگ تجارت کرتے ہیں وہ اسمگلنگ کے زمرہ میں آتی ہے اور جو لوگ اس طرح ادھر اُدھر آتے جاتے ہیں، وہ انسانی اسمگلنگ ہوتی ہے۔ دُنیا میں اب ایسی غیر قانونی آمد و رفت برداشت نہیں کی جاتی۔ سیدھے سیدھے گولی مار دی جاتی ہے یا پھر غیر معینہ مدت کے لیے جیلوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

نیند ایک ایسی نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ نیندیں بھی مختلف ہوتی ہیں، سچی اور جھوٹی بھی، پوری اور اُدھوری بھی...... سینڈریلا سلیپنگ بیوٹی والی اور جوج ماجوج والی بھی...... سسّی والی بھی اور مرزا جٹ والی بھی...... سانپ والی اور خرگوش والی بھی...... شب زندہ والی بھی اور پہلوئے یار والی بھی...... مجاہدوں اور چوکیداروں والی بھی، ٹرک ڈرائیوروں والی بھی اور ہوائی جہاز کے پائلٹوں والی بھی...... مولوی ملاؤں جیسی بھی اور گورکنوں والی بھی...... طالبعلم والی بھی اور مُعلم والی بھی...... ہجر کی آگ میں سینکنے والی بھی اور شب وصل والی بھی...... بیمار پیرانہ والی بھی اور اولاد نرینہ والی کی بھی...... بچے جوان بوڑھے، شادی شدہ اور غیر شادی

والے کی نیند...... سائیکل' کشتی' گدھا گاڑی' بیل گاڑی' ریل گاڑی' بس کار' جہاز' سمندری جہاز' گھوڑے گدھے اور اُونٹ ہاتھی پہ سواری والی نیند' اسی طرح مسافر کی نیند بھی...... ایک وہ جس کی کوئی منزل ہے ایک وہ جس کی منزل کا کوئی نشان نہیں......!

نیند' جسے موت صغیرہ بھی کہتے ہیں۔ نیند جو سولی پہ بھی آ جاتی ہے...... جو بستر تکیہ' مٹی کنکر پتھر کیچڑ کچھ بھی نہیں دیکھتی' جب آتی ہے تو بس آ ہی جاتی ہے۔ میں نے بچوں کو چلتی بھینس کے اُوپر بے سدھ سوتے دیکھا ہے۔ صحراؤں تھلوں میں قطار در قطار اُونٹوں کا قافلہ رواں دواں ہے' بھیگی ہوئی صحرائی رات کا جادو اُترا ہوا ہے...... شتربان مزے سے اُونٹوں پہ محملوں میں میٹھے میٹھے خراٹے توڑ رہے ہیں۔ جنہوں نے کبھی اُونٹ پہ لمبا سفر کیا ہو وہ خُوب جانتے ہیں کہ اُونٹ پہ محض کچھ دُور تک بیٹھنا ہی کس قدر مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ طویل سفر کرنا؟...... اُونٹ پہ سفر کرنے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کے مہرے سٹین لس سٹیل کے ہونے چاہئیں' عام بھربھری ہڈی کے مہرے تو ایک گوٹھ سے دوسری گوٹھ تک کے سفر میں کام آ جاتے ہیں۔ اُونٹ پیچھے ہچکولے کر جو آگے کی طرف دھکولا لیتا ہے تو عام مہرہ' دوسرے مہرے سے اپنا تعلق کمزور ہوتا محسوس کرتا ہے۔ برسبیلِ تذکرہ' اب تو شطرنج کے مہرے بھی پہلے والے نہیں رہے......!

میں نے پہلی بار جو شطرنج کے اسباق لیے اور پھر جس بساط پہ اپنے شاطر اُستاد کو بہا تگ دہل پیچ کھیت شہ مات دی' وہ اتنی قدیمی اور ایسی تھی کہ نہ تو پتا چلتا کہ یہ کس میٹریل کی بنی ہوئی ہے اور نہ اس کے مہروں کی شناخت ہوتی؟ بس اندازے سے ہی اندازہ کرنا پڑتا تھا کہ یہ پیادہ' فیلہ' گھوڑا یا فرضی اور شاہ ہے۔ شاہ اور فرضی کی کچھ شناخت اُن کے قدو کاٹھ اور تاج تمغہ سے ہو جاتی اور باقی اُن کے قدرے بچے کھچے رنگ رُوپ سے کہ یہی دو ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی ''نشست برخاست'' دوسروں کی نسبت کم ہوتی ہے؟ بساط کا یہ عالم کہ خانے' خانہ براندازی کا نقشہ ہیں۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں نے لڑ لڑ' بھڑ بھڑ پورا بساطی میدان ہی چوپٹ کر دیا ہوا تھا...... بس' اندازے سے ہی مہرہ آگے پیچھے یا دائیں بائیں چلانا پڑتا تھا۔ یہ لکڑی کی بڑی سی بساط' ایک چوبی تپو کے پہ ہمارے ایک رشتہ کے تایا جی کی بیٹھک میں موجود رہتی...... ہم نے شاذ ہی اسے کبھی آرام کرتے یا بیکار پڑے دیکھا ہو؟ صبح دوپہر شام اور رات گئے تک پانچ دس نکمے وَیلے مصروف بزرگ! اس پہ نبرد آزما رہتے تھے۔ حقہ اور سبز چائے چلتے رہتے' گھنٹوں بغلوں اور گوڈوں میں سر دیئے' چالوں پہ غور ہو رہا ہے...... انگلی بغلی بھی اپنے اپنے تئیں اندازے قیافے لگا رہے ہیں...... کانا پھوسیاں...... مشورے' ٹھنڈی آہیں اور گرم سانسیں......!

آپس کی چالیں بُری طرح پھنسی ہوئی ہیں' گھوڑے کام آ رہے ہیں نہ ہاتھی کے ہاتھ کی بات رہی۔

Scanned with CamScanner

پیادوں کے پَر جلتے ہیں...... رُخ بھی بے رُخی دکھا رہے ہیں۔ شاہ بے چارہ مجبور خانۂ فرنگ' رنگوں میں محبوس ہے۔ وزراء' سر جھکائے بے بسی کی تصویر بنے ایستادہ ہیں۔"

ہم بچے لوگ دُور کھڑے بیٹھے اِن 'بڈھوں' جن کے لیے راوی چین ہی چین اور گنجفہ' تاش چوسر اور شطرنج لکھتا ہے' کو حیرت اور استہزاء بھری نگاہوں سے دیکھا کرتے...... کیا خبر تھی کہ اِک وقت ہم بھی اِن علتوں کا شکار ہو جائیں گے بلکہ بڑے بڑوں کے ناک کاٹیں گے۔؟

بات' نیند کی چلی تھی اور میں بھٹکتے بھٹکتے کدھر سے کدھر نکل آیا؟ چاچا علی شیر' شروع شروع میں مجھے اُول جلول سا لگا تھا۔ مجھے قطعی اندازہ نہ تھا اِک وقت ایسا بھی دیکھوں گا کہ اس سے بھی کئی ہاتھ آگے نکل جاؤں گا۔ سیانے کہتے ہیں کہ خود کو دوسروں سے بہتر نہ کہو' کہتر کہو کہ کیا عجب جس کو تم کمتر سمجھتے ہو...... وہ تم سے بھی بہتر ہو جائے...... کسی پہ مت تھوکو' ایسا نہ ہو تھوک پلٹ کر خود اپنے منہ پہ آ پڑے۔"

پہلی رات میں مسافت کی نہیں' نصیحتِ صالح کی گود میں سویا۔ ایسی میٹھی گہری پُرسکون نیند' ماں کی گود میں' گُزری گود میں یا پھر گور کی گود میں ہی میسر آ سکتی ہے۔؟

میں عشاء کی نماز باجماعت اور بابا جی کی مجلس کے بعد سونے کی غرض سے اُٹھ آیا۔ چاچا علی شیر نے میرے لیٹنے کا انتظام اپنے ہی حُجرے میں کیا تھا۔ چٹائی پہ لیٹ کر چاہیے تو یہ تھا کہ خرّاٹے لینے لگتا مگر تھکاوٹ کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دُور تھی۔ رہ رہ کر اُن کی گفتگو یاد آ رہی تھی کہ وہ کتنی آسان گفتگو کرتے ہیں' کہیں بھی اپنی علمیت کا احساس ہونے نہیں دیتے۔ سمجھانے کا انداز ایسا سہل اور من موہنا کہ سُننے والے فرحت آسانی اور دلچسپی محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنی بات' کسی پہ ٹھونسنے کی ہرگز کوشش نہیں کرتے بلکہ اختلافِ رائے کا احترام کرتے ہیں...... خطاب کا انتہائی مختصر دورانیہ بڑے خوشگوار اثرات چھوڑتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے سے چھوٹوں یا کم علم لوگوں میں کم علمی یا احساسِ کمتری پیدا ہونے نہیں دیتے بلکہ نہایت رسائی سے اُنہیں مطمئن کرتے ہیں' اُن کی عزتِ نفس کا بے حد خیال رکھتے ہیں۔"

نیند تب اُلٹتی ہے جب نیند کے سکون سے بڑھ کر کوئی اور سُرور آپ کو مسخر کیے ہوئے ہو۔ میں ابھی تک مجلس کی گفتگو اور اُن کی سادہ مگر مسحور کن شخصیت کے زیرِ اثر تھا۔ نیند کی کوشش میں جب چند بار کروٹیں بدلیں تو چاچا علی شیر کسمسایا۔

"سو جا' سویرے جلدی اُٹھنا پیندا اے......!"

"چاچا! نیند نئیں آوندی...... بابا جی دی مجلس وچوں اُٹھ کے بڑی آیاں' لگدا اے نیندراں ای گوا

Scanned with CamScanner

آیاں آں......!''

چاچا دوسری جانب سے میری جانب کروٹ بدلتے ہوئے بولا۔

''سبحان اللہ! میریاں نیندراں تے ست وریاں بعد گواچیاں من' تے توں ستاں گھنٹیاں چ ای گوا بیٹھا ایں...... بڑی شتابی پینڈ امار یا ای......؟''

چاچا کی گنجی بات کا میں کیا جواب دیتا...... بس خجل ہو کے پوچھ بیٹھا۔

''چاچا! اے ستاں وریاں دی کی گل اے......؟''

جانے کیا سوجھی کہ چاچا اُردو میں شروع ہو گیا۔

''پتر! سات برس پہلے کی بات ہے میں اُس وقت فُل جوان تھا۔ سات جماعتیں پاس کر کے میں نوکری کی تلاش میں لگ گیا کہ گھر کے حالات بہتر نہ تھے' اپنے آبائی شہر وزیر آباد میں چاقو چھریوں کے کارخانہ میں ملازمت کی مگر یہاں میرا دل نہ لگا۔ میں کراچی چلا آیا' رہنے کو جگہ نہ کوئی واقف کار' بڑی تنگدستی سے وقت گزر رہا تھا۔ اتفاق سے سید عبداللہ شاہ غازی کے مزار پہ ایک نیک خو ایرانی سے مُلاقات ہوئی۔ یہ ان کا عقیدتمند تھا' ہر نوچندی جمعرات یہاں حاضری دیتا' لنگر تقسیم کرتا۔ رہتا یہ ایران میں تھا مگر اس کا ایک چائے کا کیفے پاکستان چوک میں بھی تھا۔ اللہ نے اس کے دل میں میرے لیے ہمدردی ڈالی اور اس نے اپنے ایرانی کیفے پہ مجھے کیشئر کی نوکری دے دی۔ اس طرح کراچی میں میرے قیام طعام اور معاش کا مسئلہ حل ہو گیا۔ میں نے خوب جانفشانی سے کام کیا...... کیفے کا کاروبار خوب چلنے لگا۔ میرا ایرانی سیٹھ مجھ سے بہت خوش تھا۔ ایک وقت آیا کہ سیٹھ نے ایک اور ہوٹل خریدا اور سارا کاروبار میرے حوالے کر دیا۔ اب میں بھی مطمئن اور خوشحال تھا۔ میری سب سے بڑی خوشی یہ تھی کہ میرے دونوں' حقیقی اور مجازی مالک مجھ سے خوش ہیں...... محنت' ایمانداری اور وفاداری نے مجھے رنگ لگا دیا۔''

ایک شروع کی بات بتانا بھول گیا۔ جب میں پاکستان چوک والے کیفے میں کام کرتا تھا وہاں آدھی رات کے وقت ایک مجذوب سے بزرگ چائے پینے آیا کرتے تھے۔ چائے وہ ہمیشہ اپنی مٹی کی کنوری میں ڈال کر پیتے تھے۔ کنوری وہ اپنے ساتھ لاتے...... اس کنوری کو چھوٹا سا کلہڑ بھی کہا جا سکتا ہے۔ دیر بدیر جب تک اُن کا جی چاہتا کیفے میں جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے' ایک دو مرتبہ چائے پیتے پھر بل چکانے کے لیے' میرے پاس کونٹر پہ آتے اور بل چکا کر خاموشی سے چلے جاتے۔ اب اُن کا بل ادا کرنے کا انداز بھی ملاحظہ فرماؤ۔ وہ چائے کا بل' جو بمشکل دو چار آنے ہوتا...... سکہ رائج الوقت کی بجائے مٹی کی کنوری کی صورت میں ادا کرتے' جس میں وہ کیفے کے شیشے کے گلاس سے انڈیل کر نوش فرماتے تھے۔ پہلی مرتبہ جب انہوں نے پیسوں کی

Scanned with CamScanner

بجائے مٹی کی کٹوری دی تو حیران ہونے کی بجائے مَیں پریشان بھی ہُوا کہ ان سے پیسوں کا تقاضہ کروں یا پھر کٹوری قبول کرلوں...... میرے اندر کے کسی چھوٹے بڑے نے چشم زدن میں کٹوری کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ کٹوری کو یک نظر دیکھنے کے بعد' نیچے دراز میں رکھ دیا اور اپنی جیب سے دو نئی نکال کر خود ادائیگی کر دی۔ میرے ایرانی سیٹھ کی جانب سے مجھے اجازت تھی کہ میں اپنے مہمانوں کی خاطر داری' کیفے کے حساب میں کر سکتا ہوں مگر مَیں نے ایسا کبھی نہ کیا۔ میرا ادھر کراچی میں اوّل تو کوئی ایسا دوست یا عزیز نہ تھا جس کی خاطر داری مَیں کیفے کے حساب میں کرتا' دوم اگر کبھی کسی سے مجھے ایسا سلوک کرنا بھی پڑتا تو مَیں اپنے پلّے سے پیسے ڈال دیتا تھا۔''

اَب یہ کٹوریوں والا اِک روز مرّہ بن چکا تھا۔ جب دراز کٹوریوں سے بھر جاتا تو مَیں اُنھیں احتیاط سے اُٹھا کر اُوپر چھت پر اپنے کمرے میں لے آتا اور ایک بوری میں جمع کرتا رہتا۔

میرے ساتھی' بیرے باورچی' ممبل مین چوکیدار سب جانتے تھے کہ مَیں اُس مجذوب بابے سے کیا سلوک کر رہا ہوں اور نہ ہی کبھی کسی نے اس موضوع پہ مجھ سے کوئی بات کی اور نہ مَیں نے کسی سے اِس بابے کے بارے پوچھا کہ کون ہے' کیا کرتا ہے...... ؟ یہ کٹوریاں کہاں سے لاتا ہے یا رات کے اِس مخصوص پہر میں ہی کیوں آتا ہے؟

اِس قسم کے اصلی نقلی بابے تو ہر دور میں اور ہر جگہ ہوتے ہیں...... معاشرے کا حصہ ہیں۔ یہ جو بھی ہیں جیسے بھی ہیں' ہم ان کا احترام کرنے پہ خُود کو مجبور پاتے ہیں۔

ایک اور بات' جس پہ حیران ہُوا جا سکتا ہے کہ اِک خاصا عرصہ اِسی شُغل میں بسر کرنے کے بعد بھی کبھی ہمارے درمیان ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہ ہُوا...... وہ تو کبھی بات کرتے ہی نہ تھے مگر مَیں بھی اُن کے سامنے ایک بہت بڑا گونگا تھا۔ معلوم ہوا کہ تعلقات اندر کے ہوں یا باہر کے' ان کے استحکام کے لیے زبان کلام' افہام و تفہیم شرط نہیں ٹھہرتا......!

ہر اَمر کے کُھلنے کا ایک وقت ہوتا ہے' دیکھنا یہ ہے اَمر کیا ہوتا ہے؟...... اَمر وہ رضا یا مشیّتِ الٰہی ہے جو مالکِ کُل کی جانب سے ''کُن'' کی صورت اُترتا ہے۔ ہَوا چلتی ہے تو پیڑ پودے لہلہاتے جُھومتے ہیں...... بہار آتی ہے تو قُمریاں عندلیب نغمہ سنج ہوتے ہیں' چاند میں چودہ چاک پڑتے ہیں تو جوالا مکھی چٹون چڑھاتی ہے۔ اَبرِ نیساں نسبت کرتا ہے تو صدف میں صدق اُترتا ہے۔

یہ اَزل اَبد' حشر نشر' جزا سزا' جنت دوزخ' زندگی موت' عزت ذلت' یہ سب کیا ہے...... اَمرِ رَبی!''

کچھ دیر اُس نے چُپ سادھ لی پھر چٹائی سے اُٹھ کر پیچھے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا...... عجیب

Scanned with CamScanner

سی پُراسرار نگاہی سے تکنے لگا۔ کچھ دُور کونے میں استادہ صندل کی لکڑی کا کھڑا مشعل دان' جو ایک بڑے سے کشکول سے مشابہ تھا' نیم روشن تھا...... پچھلے اَدھ کھلے دریچے سے ہوائے اوّل شب کے ہلکے ہلکے ہلکورے مشعل کی سوختہ جاں لَو سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے' زیتون کے عنبریں روغن کی مقدس مہک سے شب خانہ درویش دَہکا ہُوا تھا...... لگتا تھا چاچا علی شیر' اپنی جون بدل رہا ہو...... اُس کا چہرہ' اب وہ پہلے سا نہ تھا۔ آنکھیں مشعلوں کی مانند روشن...... بشرے کے خدوخال' خالی خالی سے' جیسے وہ معلوم و معدوم کی کسی منزل کا مسافر ہو؟ رات اور اس کی رُوداد تارتو خود اِک بحرِ سیاہ ہوتی ہے اور جو اس کے ڈسے ہوئے ہوتے ہیں وہ روتے ہیں نہ سوتے ہیں...... کہتے ہیں'' سانپ کا ڈسا سوئے اور بچھو کا کا نا روئے......!''

خاموشی بڑی قاتل چیز ہوتی ہے...... اُس وقت تو وہ مزید مہلک ہو جاتی ہے جب کوئی اہم اور رَواں بات اُدھوری چھوڑ کر بندہ اِک ڈرا دینے والی چُپ سادھ لے...... سانسوں کی دُھنکنی رُوئی چیخنے والے دُھنک تُونے کی طرح تُومڑ تُومڑ چل رہی ہوتی ہے کہ سُننے والا اپنی سارنگی سارنگی کے تار ٹوٹنے پہ تلملا اُٹھتا ہے۔

مذہبی اخلاقی روحانی درس' خطاب' تکلیم وغیرہ معاملے ہیں۔ سامعین اپنے آپ کو خشوع و خضوع سے سُننے پہ مجبور پاتے ہیں...... خموشی محویت سنجیدگی کا پاکیزہ سا ماحول ہوتا ہے اور جنہیں دُنیاوی منفعت' شہرت عزیز ہوتی ہے وہ اپنے لحن' خطابت ترنم' زود گوئی سحر بیانی کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں اور موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنے شوق پیشہ کی خوب مشق و ریاض کرتے ہیں۔ یہ معرفتِ ارض و غرض کے علم و عمل کے بندے ہوتے ہیں......''

مجرد درویش' فقیر کی کُلّی' مکتبِ عالم صدق' بار گہ وَلی اور کسی صدیق صُوفی کی صَف پہ نہ تو شوکتِ لفظی ہوتی ہے نہ لچھے دار گفتگو' جھلاوہ نہ پھیلاؤ...... ابہام و اتہام کی بھی کوئی تہہ نہیں ہوتی...... کم نہ بیش' جزوقتی نہ ہمیش...... پکّا ناپ تول' ڈنڈی نہ جھول!...... صُوفی دَرویش' ٹپک ٹپک بُوند' ابرِ رحمت ہوتا ہے...... سیلاب بلا' ناگہانی قضا یا کسی بیسوا کی عشوہ اَدا کی مانند نہیں...... جو سِفلی اور نفسانی جذبات انگیخت کر کے بندے کو حیوانِ محض بنا دیتے ہیں۔ وہ تو سِیلی سِیلی فضائے نیم شبی' جھونپڑے کے سوراخ سے جھل مِل کرتے روشن قطبی تارے کی طرح ہوتا ہے' جو رُوح کو منوّر کرتا ہے۔ جس کی تنویر سے قلب و جان جلا اور بھٹکے ہوئے راہ پاتے ہیں...... ناقوس شور مچاتا ہے' کانوں کے پردے پھاڑتا ہے۔ فانوس' آنکھوں میں خیرگی اور چُوند پیدا کرتا ہے۔ نَے کی لَے اور تنبورے کی تُن تُن میں تمیز بڑی واضح ہوتی ہے۔

چاچا کو تو جیسے چُپ لگ گئی تھی...... جب سے میری اُس سے ملاقات ہوئی' تب سے مَیں نے اس کے تین چار رُوپ تو دیکھ لیے...... اب اور کتنے رُوپ دیکھنے تھے' اِس کے لیے مَیں پوری تیاری میں تھا۔ ایران کے

Scanned with CamScanner

سرحدی شہر میں پہلی رات' پچھلی کئی راتوں کے ساتھیوں میں کوئی بھی تو ساتھ نہ تھا۔ سب اپنی اپنی کینچلی کے بے ضرر سانپ تھے۔ عام سانپ سال بھر میں ایک بار اپنا لباس' کینچلی ضرور تبدیل کرتا ہے..... یہ اُس کی جسمانی ضرورت ہوتی ہے۔ تنگ کٹے پھٹے' ٹیڑھے میڑھے راہ راستوں' درختوں اور پودوں' چھوٹے موٹے جانوروں پرندوں کے بچوں اور انڈوں کی تلاش میں اُسے بڑی تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ اس کٹھے کٹھن میں اُس کی کھال خشک پڑ کر تڑخنا شروع ہو جاتی ہے۔ سانپ کو اُلجھن ہوتی ہے' وہ اس سے جان چھڑانے کے چکر میں تنگ سوراخوں جھاڑیوں سے گزر کر اُتار دیتا ہے۔ دُنیا بھر میں سانپوں کی سیکڑوں اقسام ہیں جن کا تفصیلی بیان اس وقت مقصود نہیں..... اس ضمن میں عام اور چند خاص سانپوں کی بات کرتے ہیں..... یعنی بے ضرر اور ضرر پہنچانے والے۔ کھیتوں باڑوں گھروں' کھپریلوں چھتوں ذخیروں اور سمندروں دریاؤں جھیلوں جنگلوں والے ننانوے فیصد سانپ بے ضرر اور انتہائی ڈرپوک ہوتے ہیں۔ رنگ و شباہت طوالت مختلف ہوتی ہے۔ یہ انسان سے انتہائی ڈرتے اور بھاگتے ہیں جتنا انسان ان سے ڈرتا بھاگتا ہے۔ ان کی غذا چوہے' پرندے' ان کے انڈے بچے' مینڈک' چھپکلیاں' گائے بھینسوں کا دودھ ہوتا ہے..... کچھ بھی نہ ملے تو مہینوں زندہ رہ سکتے ہیں۔ سانپ کوئی بھی ہو نسل کا یا بے نسل اچھا بُرا..... کچھ عادات خصلتیں سب میں ایک سی ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی اچھی چیز اس میں صبر ہے۔ یہ درویشوں فقیروں جوگیوں کی طرح ایک جگہ پڑا نہیں رہتا۔ ہر طرح کے حالات موسم میں جینا جانتا ہے۔ کسی کو بلاوجہ ضرر نہیں پہنچاتا۔ انتہائی بھوک اور مجبوری کے تحت ہی کوئی انتہائی قدم اُٹھاتا ہے۔ پہاڑ صحرا میدان جنگل پانی' گھاس پھونس' درخت ٹہنیاں جو بھی ہو وہاں گزارہ کر لیتا ہے۔ سُست الوجود' بینائی اور سماعت کا کمزور لیکن بلا کا زُود حس اور سریع الحرکت.....!

سانپوں کی ایک آدھ قسم اُڑ بھی سکتی ہے۔ جیسے مرغی بطخ شتر مرغ وغیرہ کہ ضرورت کے تحت کچھ وال ولیا کر لیتے ہیں۔ سانپ کے اُڑنے سے مراد وہ حرکت ہے جو وہ انتہائی مجبوری میں جمپ کی صورت کرتا ہے۔ کچھ سانپ' پچکاری کی صورت اپنے منہ سے زہریلا اور لیس دار لعاب اپنے شکار یا دُشمن پہ پھینکتے ہیں جس سے مقابل کی بینائی اور مدافعت کی قوت متاثر ہوتی ہے۔ سانپ اپنے لچکیلے نرم اور سکڑنے پھیلنے والے جسم کو موقع محل کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سانپ اور چور کو ہر شے راستہ دے دیتی ہے۔ سانپ پہلا خزندہ جانور ہے جس کے ذریعہ ابلیس نے جنت تک رسائی حاصل کی' حوّا اور آدم کو بہکایا اور وہ ممنوعہ دانہ گندم کھانے پہ راغب ہوئے تھے۔ دُنیا کے قریب قریب تمام مذاہب میں سانپ کو اہمیت حاصل رہی..... کچھ ایسے بھی جو اسے دیوتا کا درجہ دیتے ہیں' اس کی پُوجا کرتے ہیں۔ پاؤں' کانوں ہاتھوں گردن کے بغیر واحد رینگنے والا کیڑا جس کی زبان دوشاخہ ہوتی ہے اور کھائے پیئے بغیر مہینوں زندہ رہ سکتا ہے..... اس میں سریت اور مقابل کو مسخر

Scanned with CamScanner

کرنے کی خداداد صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ اس کی بے پلک آنکھوں میں بے پناہ تنویمی قوت اور سحر ہوتا ہے"۔

کائنات کا واحد جانور جو جنم سے لے کر آخری وقت اور بعد نابود ہونے تک آنکھیں کھلی رکھتا ہے۔ ایسا جانور' جسے جنم دینے والی ماں' پیار سے چاٹنے کی بجائے چٹ کر جاتی ہے...... یعنی سیکڑوں بچوں میں سے جو سانپ' ماتا کی وحشت ناکی سے کسی طور بچ نکل کر ادھر اُدھر ہو جاتا ہے وہی مستقبل کا سانپ ہوتا ہے۔ سانپ اور کانپ...... سانپ کے لس لس جسم کا تصور کھینچتے ہی دل مسوسنے اور کانپنے لگتا ہے۔ بے ضرر ہو یا زہر بھرا' سانپ سانپ ہی ہوتا ہے۔ چور اور سانپ کی دہشت تو مشہور ہے۔ یہ لہریے لیتا ہوا چلتا ہے' ہیجڑا اور سانپ اپنی چال' عاشق اور فقیر' اپنے حال...... عالم اور جاہل اپنی قال سے پہچانے جاتے ہیں۔ سانپ' ماچس کی تیلی کی موٹائی لمبائی سے لے کر شہتوت کی گیلی کی اُٹھائی تک کا ہوتا ہے۔ سب سے چھوٹا' زہر اور ہلاکت میں بڑا ہوتا ہے...... سرسری نظر' دیکھنے سے دکھائی نہیں دیتا کہ جدھر ہوتا ہے اُدھر کے مطابق خود کو رنگ رُوپ دے لیتا ہے۔ اس چھوٹے مگر اسرار و ہلاکت آفرینی میں بڑے اس سانپ کے قصوں کہانیوں' پُراسرار واقعات سے اساطیر بھرا پڑا ہے۔ خاص طور پہ ہندو متھالوجی تو ناگ ناگنوں کے گُنوں پُنوں سے جل تھل ہے۔ اس کے مقابل جو بڑے بڑے اَفعی اَجگر اَژدھے وغیرہ تو بیچارے محض دھرتی کا بوجھ ہوتے ہیں۔ جھیلوں دلدلوں' جنگل بیلوں میں تھل کے تھل پڑے رہتے ہیں۔ انتہائی بھوک میں کہیں ہلتے جلتے ہیں' وافر گوشت پوست کی صورت میں جو بھی گرفت میں آ جائے' سالم ہی نگل جاتے ہیں۔ چاہے جسامت قدامت میں وہ' ان سے دوگنا چوگنا بڑا اور وزنی ہی کیوں نہ ہو۔ ان میں ہلاک کر دینے والا زہر نہیں ہوتا۔

کچھ مخصوص مشہور' مقہور و مسموم سانپ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے بھی جن کا ڈسا ہوا بہت جلد موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے لیکن بروقت علاج کرنے سے بچ بھی سکتا ہے۔ یوں بھی کچھ سانپ ہوتے ہیں کہ اُن کے شکار کا رنگ نیلا یا سیاہ پڑ جاتا ہے' وہ بڑی اذیت کی موت سے دوچار ہوتے ہیں لیکن دو چار دن نکال جاتے ہیں۔ ایسے بھی جو ڈو جا سانس نہیں لینے دیتے۔ ایک ظالم مگر انتہائی خوبصورت سانپ ایسا بھی پایا جاتا ہے کہ مارگزیدہ' آہستہ آہستہ گلنا سڑنا شروع ہو جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں نیلے پانی کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

مختلف سانپوں اور مختلف زہروں کے مختلف اثرات ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک دَم گہری نیند کا طاری ہو جانا' مسلسل ہنسنے کا دورہ پڑ جانا...... روتا چلا جانا' ناک منہ آنکھوں کانوں اور پیشاب پاخانہ کے راستوں سے خون کا جاری ہو جانا...... بخار اور ٹھنڈے پسینے کا اخراج' ہذیان بکنا' گہری غنودگی وغیرہ۔

دُنیا بھر کی عجیب و غریب' سمجھ میں آنے والی اور سمجھ میں نہ آنے والی کہانیاں قصے واقعات' سانپوں

Scanned with CamScanner

سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کے منکے، کینچلی، دانت، ریڑھ کی ہڈی، اس کا گوبر، موت، انڈے، گوشت، ہر چیز جو ان سے منسوب ہے پُراسرار حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ سپیرے اور عطائی حکیم، دو نمبر پیر فقیر طرح طرح کے قصے اور من گھڑت کرامات ان سے جوڑ کر خوب دولت بٹورتے ہیں؟

● عاشق بھور فقیر تے ناگ کالے......!

سو برس بعد سانپ اپنی ہیئت بدلنے پہ قادر ہو جاتا ہے۔ اَن دیکھے زمین میں چھپے خزانوں پہ سانپوں کا پہرہ ہوتا ہے۔ یتیموں، بیواؤں اور مظلوم لوگوں کے مال و زر کی حفاظت پہ معمور ہوتے ہیں۔ قبر میں خائن، ظالم، سود خور اور یتیموں مظلوموں کا حق کھانے والے مُردوں کی چھاتی پہ سوار ہو کر ڈنگ مارتا رہتا ہے۔ حاملہ عورت اور معصوم بچوں کو سانپ نہیں کاٹتا بلکہ اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ اپنی جُون بدل کر مرد، عورت یا کسی جانور کا رُوپ لے لیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ایسی بے شمار جھوٹی سچی کہانیاں حکایتیں مشہور ہیں۔ "وقت کے ساتھ ساتھ انسان نے علم و ہنر کے ہر شعبہ میں اتنی ترقی اور جانکاری حاصل کر لی کہ چشمِ حیرت پھیل کر کشادہ ہو گئی ہے۔ لگتا ہے کہ سانپ کا خوف، پُراسراریت اور اس کے متعلق مافوق الیقین حکائتوں باتوں کا اَب وقت اور تحقیق نو نے قلعی کھول دی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ سانپ پہ ہی کیا موقوف، اس سے کہیں زیادہ اور مہلک زہر تو انسان اور دیگر مخلوق میں موجود ہے۔ سانپ تو ایک لذیذ مہنگی ترین غذا کے طور مقبول ہے۔ اس کا گوشت مقوی اور لذت میں یکتا ہے۔ بڑے بڑے جدید فارموں میں اس کی سائنسی بنیادوں پہ پرورش ہوتی ہے۔ شوربا اور گوشت قیمہ، بند ڈبوں میں بکتا ہے۔ ہزاروں ہوٹل ریسٹورنٹ، ٹیک اَوے مختلف ڈشیں بناتے ہیں۔ لوگ مزے لے کر تکا تک، یخنی قورمہ کباب نوش جان کرتے ہیں۔ اس کے زہر سے قوت بخش دوائیں اور ویکسین تیار ہوتی ہیں۔ مختلف بیماریوں میں اس کا زہر کارتریاقی کرتا ہے۔ اس کے نرم گرم قیمتی پوست سے جوتے، پرس، بیلٹ اور لباس دستانے ڈیزائن ہوتے ہیں۔ غرضیکہ سانپ کی سریت اَب جاذبیت اور طمانیت میں بدل گئی ہے۔ پہلے سانپ مارے جاتے، اَب پالے اور کھائے جاتے ہیں۔

خوف ڈر کیا ہوتا ہے؟ تحیّر بے علمی اور گریز جب منجمد ہو جاتے ہیں تو انسانی دماغ کے بائیں انتہائی جانب کی ایک ارتباتی نس سکڑ جاتی ہے۔ یہ سکیڑ اور سکتہ، خوف ڈر اور لرزہ پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں...... ماہرین نفسیات خوب جانتے ہیں کہ انسانی جبلیات کے سکیڑ اکھیڑ اور اتھل پتھل سے کیسی کیسی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک معصوم بچہ جو سانپ کی دہشت، سریت، پُراسراریت اور اس کی ماورائی حیثیت سے واقف ہی

Scanned with CamScanner

نہیں۔ وہ سانپ سے بالکل نہیں ڈرتا' بلکہ کئی بچے خطرناک سانپوں سے کھیلتے پائے جاتے ہیں۔ جو بھی ہو جائے مگر سانپ' سانپ ہی ہے۔ وارث شاہ نے یونہی نہیں کہہ دیا...... ؎

عاشق بھور فقیر تے ناگ کالے

بناں منتروں نمول نہ کیلئے نی

جس طرح بشر اور انسان میں بنیادی بُعد تو کوئی نہیں صرف جفاتی خوبی ہی ان کے مابین اک حد فاصل قائم رکھتی ہے۔ اسی طرح سانپ اور ناگ میں بھی تفاوت ہے۔ ناگ بھی سانپ ہوتا ہے مگر ہر سانپ' ناگ نہیں ہوتا...... بے ضرر' یعنی چوہے چوزے کھانے والے سانپ' سر نیوکرر کھتے ہیں اور زمین پہ یوں بچھ کر چلتے ہیں جیسے کوک بھر کر چلنے والی بچوں کی کھلونا ٹرین چلتی ہے...... جبکہ ناگ زمین سے خاصا اُونچا ہو کر چلتا ہے اور سر اوپر اُٹھا کر رکھا ہے۔ ناگ کا پھن ہوتا ہے ویسے ہی جیسے بھینس کا تھن ہوتا ہے...... تھن سے یاد آیا کہ کچھ چینڈ وقسم کے سانپوں کو گائے بھینس کا دُودھ چسکنے کا چسکا پڑ جاتا ہے۔ اسی طرح بھینسوں گایوں کو بھی سانپوں سے دُودھ چسکوانے کا لپکا لگ جاتا ہے۔ اس علت عادی سانپ اور گائے بھینس وغیرہ پھر کسی اور کام کے نہیں رہتے۔ سانپ اپنی خوراک کی تلاش میں تالاب جوہڑ نہر پہ پڑا رہتا ہے کہ کوئی دُودھیل جانور ادھر آ اُترے۔ ایسی گائے بھینس بھی پھر کسی انسان کے ہاتھوں دودھ نہیں اُتارتی۔ یہ بالکل کسی منشیات کے عادی کی طرح ہی ہے جب تک اُسے اُس کی خوراک نہ ملے وہ ٹوٹا' روٹھا سا رہتا ہے۔ اس کیفیت کو ٹھیٹ بول چال میں ''تروڑک'' کہتے ہیں۔

● کون کہتا ہے محبت کی زباں ہوتی ہے......!

آنجہانی جگجیت سنگھ اندر باہر سے بہت خوبصورت' سُریلا' رسیلا فنکار اور انسان تھا۔ غزل گائیکی میں مہدی حسن' غلام علی کے علاوہ بھی دو ایک بڑے نام ہیں مگر سُر' شعر' تلفظ اور ادائیگی کا جو انوکھا انداز اور سجاؤ اُس کے ہاں تھا اُس کا جواب نہ تھا۔ کلام محسوس کر کے پڑھتا اور گاتا تھا...... کنور راجندر سنگھ بیدی بھی خالص سکھ ہونے کے باوجود لیلائے اُردو کا عاشق تھا...... گلزار بھی سکھ ہے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں نہ ہوئے یہ سوہنے سکھ میر درد غالب کے دَور میں؟...... سکھوں کے منہ سے پنجابی ہی پھبدی اے...... اُردو بولتے ہوئے تو مجھے دہلی والے بھی گوپالے لگتے ہیں۔ گلزار کہیں غزل گائیکی کی گلی میں دو چار نکے گلی ڈنڈے کے مار لیتا تو جگجیت بن جاتا اور اگر جگجیت' سوئے شعر و سخن کی جانب آ نکلتا تو مکمل گلزار ہوتا......!

Scanned with CamScanner

میری جگجیت سنگھ سے خُوب بنتی تھی اور اگر ایک آدھ معاملہ میں نہیں بنتی تھی تو بننا بھی نہیں چاہیے تھی کہ میرے ہاں اعلیٰ ذوق وظرف کی بے حد کمی واقع ہوئی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ پینے والی رقیق شے کو دقیق نہیں ہونا چاہیے۔ تلخابوں کے لیے خانہ خرابوں کی کمی کسی دور میں بھی نہیں رہی۔ مے ارغوانی کو آبِ سلطانی کی مانند تلخ اور جاں سوز نہ ہونا چاہیے...... اُسے تو باغِ بہشت کی کسی نہر کے آبِ روحانی کی طرح رُوح افزا اور شربتِ خُوبانی جیسا خُوبیوں خوبصورتیوں خوشبوؤں کی طرح خوش انجام ہونا چاہیے۔"

انسان چاہنے کو تو بہت کچھ چاہتا ہے۔ اپنی پسند ناپسند دوسروں پہ بھی تھوپنا چاہتا ہے۔ ٹھوکر ٹھیس تو برداشت ہو جاتی ہے مگر وقتاً فوقتاً اُٹھتی ہوئی ٹیسیں ہلکان کر کے رکھ دیتی ہیں۔ جگجیت سنگھ میں سہہ لینے برداشت کرنے اور دَم نکالتی ہوئی ٹیسوں کو مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہہ لینے کی لامتناہی قوت تھی۔ وہ ایک پربت کی طرح اُوالعزم اور مضبوط فنکار تھا۔ اشعار کے بین السطور مخفی معنی ومحاسن کو سمجھا سمجھا اور بتا بتا کر سجانے میں اُسے اِک خاص کمال حاصل تھا۔

چترا سنگھ جنھیں میں احترام اور دُلار سے بے بے وَتی کہتا تھا، بڑی دلآویز شخصیت اور پُرکُل سُروں کے بہاؤ کا نام ہے۔ اس کی کسی بھگت کے کاسہ ی آنکھوں میں راگ ہڈیا کی دان پڑی دکھائی دیتی ہے۔ جب یہ دونوں مہان فنکار اِک دُوجے کی سنگت میں بہلاوے لے لے کر گاتے، لگتا ہے کا دھارا تھم سا گیا ہے۔

ان دونوں کے فن، شخصیت کی بابت بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ سردست مَیں ان کا حوالہ لے کر کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ جگجیت کے علم میں تھا کہ مَیں پاکستان میں موجود ہوں۔ اکثر ٹیلیفون پہ ہیلو ہیلو ہو جایا کرتی تھی۔ ایک روز اچانک اُس کا فون آیا کہ فلاں تاریخ کو چندی گڑھ میں ایک خاص تقریب میں گانے کا پروگرام ہے۔ بڑے بڑے لوگ محفل میں موجود ہوں گے، تم بھی آ جاؤ تو مجھے بھی کچھ ڈھنگ رنگ سے سنانے کا موقع مل جائے گا۔"

کال بڑی مختصر تھی جیسے وہ عجلت میں ہو اور مجھے محض مطلع کرنا مقصود ہو...... مَیں سوچ میں پڑ گیا کہ اُس نے کچھ تفصیل سے بتایا ہی نہیں۔ جو تاریخ اور دن اُس نے بتایا تھا اُس میں چھ سات دن ابھی باقی تھے۔ سوچا، چلو! ایک دو روز میں اُس سے تفصیل سے بات ہوگی تو اُدھر جانے کا پروگرام بنالیں گے۔ دو چار روز آگے کھسکے تو مَیں مصروفیت میں بھول ہی گیا کہ جگجیت سے کوئی بات ہوئی تھی۔ اچانک ایک روز دوپہر کو پھر ٹیلیفون کھڑکا، جگجیت بول رہا تھا۔

"بابا جی! اُسی اجے اَپڑے ہی نہیں...... تہاڈی بے بے وَتی پُچھ رہی تھی...... دسو کدوں پہنچ رہے او؟" مَیں نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

Scanned with CamScanner

''یار! مَیں تو بھول ہی گیا تھا کہ انڈیا پہنچنا ہے۔ تم نے بھی تو اُس دن سرسری سی بات کی تھی' کچھ تفصیل سے تو بتایا ہی نہیں تھا...... اب بتاؤ' کہاں پہنچنا ہے اور کب؟...... ادھر سے کسی چیز کی ضرورت ہو تو لیتا آؤں۔ اور ہاں! بے بے جی سے بھی پوچھ لینا کہ لاہور سے کچھ منگوانا تو نہیں......؟

وہ جل ترنگ کی طرح چھڑا......!

''وعدہ کرو کہ جو کہوں گا وہ لیتے آئیں گے؟''

مجھے کیا علم کہ وہ کیا کہے گا؟ پاکستان سے اُس زمانے میں پاکستانی کولڈ ڈرنک' گھوڑا بوسکی' پشاوری ہرا پستہ' لاہوری مٹھائیاں' لاہوری نمک' نمک سکڑا وغیرہ ہی سوغات کے طور پہ اُدھر لے جایا کرتے تھے...... یا کوئی پاگل' پاکستانی زمین مٹی...... پانی' توت' شہتوت' سوہانے کی پھلیاں' کچنار وغیرہ کی بھی فرمائش کر دیا کرتے تھے۔

ماں' وہی نہیں ہوتی جو اپنی کوکھ سے جنم دیتی ہے...... وہ بھی ماں ہوتی ہے جو اپنی مٹی کی مہک سے آشنا کر کے بچے کو زندگی کی حقیقی خوشبو سے آشنا کرتی ہے' اپنے سینے پہ لٹا کے' اپنی گود میں بٹھا کے پروان چڑھاتی ہے پھر اُنت سے اپنی آغوش کشادہ کر کے اَبدی لوری سناتی ہے۔ پھر ماں اپنا رُوپ بدل کے مادرِ علمی بھی ہوتی ہے...... زیورِ تعلیم و تربیت سے سجا بنا کر اُسے دُنیا میں کامران و کامیاب بناتی ہے...... جو چیز آپ کے نیچے اُوپر' دائیں بائیں' آگے پیچھے موجود ہے وہ آپ کے لیے ہے۔ یہ سب کچھ ماں کے رُوپ ہیں...... اس کا محض نام ماں ہی نہیں اس کے تو اتنے نام ہیں کہ تصور میں اُتارنا مشکل ہیں......!

یہ تعلق' ربط' راہ و رسم' اُنسیت' پیار' محبت' عقیدت' یگانگت' اُلفت اور عشق' یہ آذرِ فطرت کی صنم سازیاں ہیں...... نفس کے بندر کی اُلٹ بازیاں ہیں...... رنجہ جالیاں اور کبھی چک قاشیاں ہیں...... عطاریاں ہیں' بایزیدیاں' سعدیاں ہیں' رُومیاں ہیں اور رازیاں ہیں......!

''بھائی! بولو کیا چیز چاہیے؟...... جلدی کرو' ایسا نہ ہو کہ لائن کٹ ہو جائے......؟''

''پہلے وعدہ' پھر بتاؤں گا کیا لانا ہے......؟''

دُنیا کے مال اسباب کی تو اُس کے ہاں کمی نہ تھی...... گاڑی' فلیٹ' روپیہ پیسہ' اولاد' خوبصورت بیوی' عزت شہرت اور شراب!

وہ یوں بول رہا تھا جیسے کوئی جرم کر رہا ہو۔

''میرے لیے بی بی پاک دامناں کے احاطہ کی مٹی اور قبروں کے اُوپر درخت کے چند پتے لیتے آئیے گا۔''

ٹیلیفون بند ہو گیا' جبکہ میں کھل گیا'...... سر یا نس کھل جائے تو لہو نکلتا ہے' قسمت کھل جائے تو وہ

Scanned with CamScanner

کچھ ملتا ہے جس کی اُمید نہیں ہوتی......؟

لندن کی ایک شبینہ محفل میں جس میں سلطے آغا' اس کے والدہ' والد' محمود سپرا' ضیاء سرحدی' سحاب قزلباش' ساقی فاروقی' ابن انشا اور دیگر چیدہ چیدہ فلمی اور غیر لوگ موجود تھے۔ نور جہان بھی وہاں رونق محفل تھی...... بات ہندوستان کے دورے کی ہو رہی تھی کہ نور جہان بطور خاص وہاں گئیں۔ نوشاد صاحب' دلیپ کمار' شبانہ اعظمی اور بہت سی قابلِ ذکر فلمی ہستیوں کی موجودگی میں نور جہاں کو سراہا گیا۔ ان سے پرانے گیت سنے گئے۔ غیر ارادی طور پہ کسی نے میڈم سے پوچھ لیا۔

''میڈم! ''مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ'' اور'' آواز دے کہاں ہے دُنیا میری جواں ہے'' کی حد تک تو ٹھیک تھا۔ یہ پنجابی گیت'' ساڈوں نہر والے پل تے بلا کے'' ہندوستان اور ایسے بڑے کتنی لوگوں کی محفل میں سنانا مناسب تھا؟''

نور جہان نے چند ثانیے ناگواری سے گھورتے ہوئے جواب دیا......

''پہلا گیت'' آواز دے کہاں ہے'' برسوں پہلے مَیں نے گایا...... نوشاد صاحب نے بڑی محنت کی۔ اللہ نے عزت دی اور یہ گیت آج بھی پہلے کی طرح ہی پذیرائی حاصل کر رہا ہے۔ یہ یہاں کے لوگوں کا حق تھا کہ مَیں گاؤں۔ باقی رہی فیض صاحب کی غزل اور دیگر پنجابی گیت تو یہ میرے ملک کے ہیں' ان کی کمپوزیشن اتنی آسان نہیں اور نہ ہی انہیں گانا ایسا سوکھا ہے...... مَیں نے ان گیتوں کو پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ موسیقی میں ہم آج بھی آپ سے کئی منزلیں آگے ہیں......!''

نور جہان نے اپنی دھرتی ماں کو ایسا خراج تحسین پیش کر کے ایک خوبصورت مثال قائم کی۔

اوپر کہیں سانپ کے لیے سو برس کی قدغن ٹھہری لیکن کچھ بندے ایسے بھی کہ جب چاہیں اپنا سروپ بدل لیں اور وہ جو بھی رُوپ دھار لیں تو ایسا لگے کہ یہی ان کا اصل چہرہ ہے۔

دُنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جو پیدا ہو گئے پھر کوئی اور ان جیسا پیدا نہ ہُوا اور نہ ہو گا...... بڑے بزرگ اور روحانی ہستیوں سے قطع نظر جو ہم لوگ پیدا ہوئے اُن میں نور جہان نمایاں ہے۔ اس کے نمایاں' درخشاں ہونے میں اس کے نام کام اور چام کا بڑا عمل دخل رہا۔ اگر اس کا جنم پتری والا نام اللہ وسائی ہوتا اور گانے کے کام کی بجائے وہ کوئی اور عورتوں والا کام کر لیتی اور اس کا سراپا' عام عورتوں کی مانند کھڑ پنچو ٹائپ کا ہوتا تو کون جانتا کہ ملکہ ترنم نور جہاں بھی کوئی ہستی ہے؟...... میرے ایک چینڈ و بچے نے اپنے ایک سکول کے ساتھی کا قصہ سنایا۔ جس کو سوال دیا گیا کہ ملکہ نور جہاں اور جہانگیر کی بابت سیر حاصل مضمون لکھو۔ اس

Scanned with CamScanner

نے قصور سے کلکتہ ممبئی اور پھر لاہور تک کے تمام حالات لکھے۔ ''پنڈ دی کڑی' مرزا صاحباں' مرزا غالب' انارکلی' جگن وے' گلنار' پانڈے خان اور دیگر تمام فلموں کے بارے بہت کچھ تحریر کیا اس کی مصدقہ' غیر مصدقہ شادیوں کا ذکر بھی تفصیل سے تحریر کیا...... گالم گلوچ مار کٹائی' ہاتھا پائی کی تمام فتوحات لکھیں...... جہانگیر کے بارے لکھا کہ اس سیالکوٹی' جس کے مکھڑے پہ کالا کالا تِل تھا...... جگن وے میں اس کا ہیرو تھا...... بلکہ اتنا کچھ اور ایسا کچھ لکھا کہ نور جہان اگر پڑھ لیتی تو یہ ضرور کہتی...... ''ہا میں نی میں اے جی وی آں......؟''

نور جہان ایک فاتح عورت تھی لیکن وہ عورت کہاں اور کب تھی؟ محض نسوانی اعضا، خدوخال اور اُن کی فعالیت تو کسی عورت کے مکمل ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں۔ ارباب نشاط کے ہاں عورت' نوٹ چھاپنے والی مشین کا نام ہے۔ گڑیاں کھیلنے کے دنوں میں اسٹیج پہ پہنچ گئی تھی' پہلے دن اسٹیج پہ پاؤں دھرتے ہی اُس کے اندر کی عورت' منہ چھپائے باہر نکل گئی' پھر آخری سانسوں تک وہ اپنے اندر کی کھوئی ہوئی عورت کو تلاش کرتی رہی...... مگر مردوں کے گدلے جھوسے میں کسی بچی کے ناک کی تیلی اور حرص و ہوس کے گھنے جنگل میں پھنسی ہوئی ننھی تتلی بھی کبھی باہر نکل سکتی ہے؟...... وہ بہادر مرد کی طرح تھی...... عورت' جب کنبے کی کفالت کرتی ہے تو وہ بہادر مرد ہوتی ہے اور عورت کی کمائی کھانے والے مرد' عورت ہوتے ہیں نہ مرد' بلکہ وہ تو ہیجڑے بھی نہیں ہوتے......!

نور جہان' بچپن سے اپنی گواچی ہوئی عورت' اور عہد شباب میں اپنے شوہروں کو تلاش کرتی رہی مگر یہ سارے نام نہاد شوہر' اُس کی بچی کچی عورت کو بھی خراب کرتے رہے......

غیر فطری موت لینے والوں کی آتماؤں کو سکون نہیں ملتا' وہ بھوت پریت بدروح میں تبدیل ہو کر اپنا انتقام لیتی ہیں۔ گواچی ہوئی عورتوں میں اکیلی نور جہان ہی نہیں تھی...... مینا کماری' مدھو بالا' مینا شوری' نادرہ' نگار سلطانہ' سلمیٰ آغا' بیگم پارہ وغیرہ بھی تھیں ان اداکاروں کی جیون کتھا قریب قریب ایک سی ہے...... آغاز بھی اور انجام بھی...... ان دُکھی آتماؤں نے جس مرد کا ہاتھ پکڑا اُسے مس خام سے کندن بنا دیا...... مگر یہ تمام خود بکھری ہوئی مٹی کی مانند بے خانماں ہی رہیں اور بڑا عبرت ناک اور حسرت ناک انجام لے کر اس جہاں سے رُخصت ہوئیں یا ہونے والی ہیں۔

متذکرہ بالا تمام عورتیں بچپن ہی سے ٹوٹ چکی تھیں۔ جب کوئی عورت اپنے بچپن میں ٹوٹ جاتی ہے تو وہ پھر کبھی نہیں جڑتی...... دوسروں کے لیے وہ سونے کی چڑیا ثابت تو ہوتی ہے مگر اپنی ذات کی دُشمن...... دوسروں کو روشنی دے خود بجھ جاتی ہے۔ اتفاق کہہ لیں یا جو بھی سمجھیں' میرا ان خواتین سے کسی نہ کسی طور واسطہ رہا' سوائے سلمیٰ آغا کے......!

Scanned with CamScanner

بات نور جہاں سے آگے بڑھی تھی۔ بے شمار بشری کمزوریوں، علمی فکری کوتاہیوں کے باوجود وہ ایک گریٹ گانے والی اور ایک دل پذیر عورت اور گلیمرس شخصیت تھی۔ میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ اگر اس میں یہ کمزوریاں نہ ہوتیں تو وہ کبھی نور جہان نہ ہوتی؟

نام کے اثرات، خاندانی فنی وراثت، بابا بلھے شاہ کی عنایت، ذاتی کوشش وریاضت، قصور کی مٹی کی خاصیت، مختار بیگم کی دُعا، اُستاد غلام محمد کی محنت اور سید شوکت حسین رضوی کی صحبت وتربیت اور سب سے اہم محرکات، جنہوں نے قصور کی اللہ وسائی کو نور جہان بنایا وہ اس کی ہتھ چھٹ، منہ پھٹ طبیعت...... کھری کھری سنانے کی عادت، اُوبڑ اور اُجڈ پن، بے علمی اور گھرانوں والی روایتی بولی ٹھولی اور ہر طرح کی بے راہ روی۔ یہ سب اچھائیاں بُرائیاں ساری زندگی اُس کے ساتھ ساتھ رہیں۔ ان کے بغیر نور جہان کا تعارف ہی مکمل نہیں ہوتا...... اور نہ ہی بشریت کا؟ اَب اس کو کیا کہیے کہ کچھ بلغی مزاجوں کو تلخی ہی راس آتی ہے۔ عدم، قتیل، فیض، منیر نیازی، جوش وجگر، مجاز، فراز...... ان تمام کو تلخی ہی راس تھی۔ ان کی تلخی پسندی کے قطع نظر ان کے سخن کی شیریں مقالی پہ کسے کلام ہوسکتا ہے......؟

اَب وہی بات ظاہر و باطن کی...... یہ کبھی ایک سے نہیں ہو سکتے۔ میرے پاس سیکڑوں ایسی مثالیں موجود ہیں، کچھ شنیدن اور کئی ایک کا میں خود شاہد ہوں۔ نور جہان جیسی دردمند اور منکسر خاتون بھی میری نظر سے نہیں گزری...... پیروں فقیروں سے بے پناہ عقیدت، اَدب و خدمت میں لامثال...... حفظِ مراتب کی پوری...... وہ اپنے ہر ملنے والے کی طبیعت، اوقات کے مطابق برتاؤ کرتی...... کیسی عجیب بات کہ ایک طرف تو وہ وقت کے حاکم کو جوتی کی نوک پہ رکھتی اور دوسری طرف ایک عام سے لڑکے کے جوتے اپنے ہاتھوں سے صاف کرتی تھی۔ یہ اُس کی عظمت اور محبت کا اعجاز تھا......؟

عظیم فنکار کبھی نارمل نہیں ہوتے۔ تلوّن مزاجی اُن کا وطیرہ ہوتی ہے۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ، اُن کے بول بھاشا کا بھی کوئی پاسا سیدھا نہیں ہوتا۔ جو منہ میں آیا نکال دیا، جو دل میں ہُوا اُچھال دیا۔ کوئی بُرا لگا تو اُس کی بھد اُڑا کر رکھ دی، کوئی اچھا لگا تو اُس کی سیج سجا کر رکھ دی!

میں موسیقی کے فن کی فیلڈ میں اُم کلثوم سے بڑا متاثر تھا۔ عرب دُنیا جس کی دیوانی تھی وہ اپنی زندگی میں ہی لیجنڈ کا درجہ حاصل کر چکی تھی...... اُس کی محفلوں میں شاہ فاروق جیسے لوگ کئی کئی گھنٹے کھڑے ہو کر سنا کرتے تھے۔ اُس کی شخصیت حیثیت کسی ملکہ سے کم نہ تھی...... اُس کے رسیلے زمزموں کے آگے وقت کی دھڑکنیں بھی رُک جاتی تھیں اور آج بھی وہ اپنے لازوال فن میں زندہ ہے۔ دوسری عورت الزبتھ ٹیلر تھی، وہ واقعی کلوپیٹرا تھی...... اُس کی اداکاری، اُس کا حُسن بے مثال، اُس کے پورے سراپے میں ایسے طلسم تھے کہ وقت کے

Scanned with CamScanner

بڑے بڑے قیصر اور انطونی اُس کے آگے پانی بھرتے تھے۔ اُس کے شوق' اُس کا ذوق' اُس کی پسند' تلوّن مزاجی' اُس کے عشق' اُس کی شادیاں' ہیرے' جہاز' تحفے' شوبز' ملبوسات...... دُنیائے فن وحُسن میں ایسی مکمل فنکارہ اور عورت پھر کبھی پیدا نہ ہوگی۔ تیسری ہستی نور جہان! اللہ نے اسے نور کا گالا دیا...... بابا بلھے شاہ نے اس میں جاگ لگائی...... وہ اک دیوی تھی۔ ہم کم سوادوں نے اس کی قدر نہ کی...... اُس کی ظاہری خامیوں پہ نظر رکھی۔ اُس کی باطنی بالیدگیوں سے چشم پوشی کی...... ملامتی یہی تو ہوتے ہیں؟

مکہ مکرمہ میں ملکہ ترنم کا پیغام ملا...... بھاگا بھاگا پہنچا۔ نور جہاں' اداکار یوسف خان کے ساتھ حج کے لیے آئی ہوئی تھی۔ اُن دونوں کا یہ پروگرام انتہائی خفیہ تھا...... ظاہر ہے کوئی خاتون فریضۂ حج کی غرض سے کسی نامحرم کے ساتھ تو نہیں آسکتی۔ اداکار اقبال حسن مرحوم بھی اپنی پھوپھی کے ساتھ حج کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ میں نے اقبال سے پوچھا۔

"یہ کیا چکر ہے' کیا نو سو چوہے پورے ہو گئے ہیں......؟"

ظاہر ہے میں مذاق کے مُوڈ میں تھا۔ وُہ حسبِ عادت قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"خان صاحب' تو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں...... اَب میڈم کا پالا کسی نیوبے سے نہیں چیتے سے پڑا ہے...... دیکھتے جایئے' اللہ خیر کرے گا!"

قصوری بلی اور لاہوری چیتے کا قیام ایک بڑے ہوٹل میں تھا۔ وہ حرم میں بھی آتے تو بڑا چھپ چھپا' میڈم تو کسی طور خود کو حجاب میں چھپا لیتی پر خان صاحب تو چھپ نہیں سکتے تھے۔ وہ آنکھوں میں عینک' سر پہ رومال دھر کر بچنے کی کوشش کرتے۔ اس کے باوجود وہ دونوں پہچان لیے گئے۔ اَب علاج یہ نکالا کہ وہ رات کو نکلنے لگے...... مگر خوشبو یا بدبو کا اندھیرے اُجالے سے کیا واسطہ' وہ تو اپنا آپ دکھا کر رہتے ہیں۔ اَب میں نے اُنہیں ایک طریقہ بتایا۔ حرم شریف میں ایک ایسا مقام بھی ہے جدھر عام لوگ نہیں پہنچ پاتے۔ میں بھی اکثر اُن کے ساتھ اِدھر آ جاتا۔ ایک دو نمازیں ادا کر کے اُسی راستے نکل آتے۔ ایک روز خان صاحب کسی وجہ سے نہ پہنچے۔ میں اقبال حسن اور میڈم اپنے اپنے شغل میلے میں لگے ہوئے تھے۔

انسان بھی کیا چیز ہے؟ نہ یہ میٹھا ہم کر کھا سکتا ہے نہ چیکا۔ اس کو ہر وقت اول بدل چاہیے ہوتی ہے۔ خاص طور پہ جب یہ عبادت میں بیٹھا ہو تو اس کے اندر عجیب سی کیفیت ہوتی ہے۔ شیطان اس کو انگیخت کرتا رہتا ہے۔ کبھی زبردستی محسوس کرتا ہے کہ مجھے پیشاب لگ رہا ہے۔ ٹانگ سُن ہو رہی ہے۔ بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے...... غرضیکہ کوئی نہ کوئی بہانہ بکھیڑا گھڑ ہی لیتا ہے۔ خود کو خوب لٹائے چھپائے بڑی نیک پروین بنی میڈم تسبیح

Scanned with CamScanner

کر رہی تھی۔ میں پرانا پاپی بھی پڑھنے پڑھانے کا سوانگ رچائے بیٹھا تھا۔ میڈم نے اقبال حسن کو آبِ زم زم لانے کا کہا۔ وہ لے کر پہنچا تو دو گھونٹ پی کر بولیں۔

''بابا! جی چاہتا ہے کہ باقی حیاتی یہیں پہ بسر ہو جائے......!''

میں نہ جانے کس موڈ میں تھا' جواب میں کہا۔

''کام کی حیاتی تو وہ تھی جو اسٹوڈیو اور گاتے ناچتے گزر گئی۔ اب باقی کیا بچا رہ گیا ہے جسے یہاں گزارہ جائے..... ویسے ایک بات جاننا چاہتا ہوں' آپ یہاں اللہ کے گھر بیٹھی ہیں۔ سچ سچ بتایئے' یہ یوسف خان اور رجّ والی حرکت کیا ہے......؟''

میڈم کو تو جیسے چُپ لگ گئی' کوئی جواب دینے کی بجائے وہ بھری آنکھوں سے خانہ کعبہ کی طرف دیکھتی رہیں۔ چادر سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولیں۔

''حرام خوروں سے جان چھڑانا چاہتی ہوں..... ماں جائے' پیٹ جائے..... رشتہ دار' کنبے والے' دُنیا والے کوئی بھی تو نہیں جو مجھے میری کھوئی ہوئی عورت کو واپس دلا سکے..... یہی فریاد لے کر یہاں حاضر ہوئی ہوں..... دیکھئے' مراد ملتی ہے یا بے مراد واپس لوٹتی ہوں۔''

وہ اندر سے ایک معصوم بچی تھی..... بلکہ گونگے' اندھے بہرے' پولیو زدہ بچوں کا ایک ہجوم غفیر اس کے اندر پناہ گزیں تھا۔ اُس کی گائیکی ادائیگی غور سے دیکھیں سُنیں تو یہ بات آپ کی سمجھ میں بھی آ جائے گی۔

ہوا کے آوارہ جھونکے کی طرح کدھر سے کدھر نکل آئے..... نہ زمن وزماں کی حد نہ جنس وجاں کی کوئی قید..... قلم کا گھوڑا' جدھر منہ ہوا چل دوڑا..... وادیِ مہران ہے تو کہیں ارضِ ایران ہے..... سانپ سنپولے ہیں تو کہیں شہباز و ممولے ہیں۔ گھر کی گاڑی ہو تو سرپٹ دوڑنے پہ کیوں کر بھاری ہو۔

تجیت سنگھ نے پھر اپنی بات دُہرائی۔

''بابا جی! جو کہوں' وہ لے آئیں گے نا......؟''

اُس کی فرمائش سُن کر جھٹکا تو ضرور لگا مگر یہ کوئی ایسی بات بھی نہ تھی جو ایسی ہو کہ سن کر آدمی سُن ہو جائے..... میرے ہاں کرنے پہ مطمئن ہو کر اُس نے کال کاٹ دی۔

بات کٹ جائے یا ٹیلیفون..... لگتا ہے کسی نے شہ رگ کاٹ دی ہو۔ میری سوچ ہی کچھ ایسی ہے۔ میں کہتا ہوں قتل کرنا اگر لازم ہو بھی جائے تو کم از کم آداب اُنگلی تو ملحوظ خاطر رہیں۔ جوڑنا ہو یا توڑنا' بنانا ہو یا بگاڑنا' سلیقہ قرینہ تو بہر طور پیش نظر ہونا چاہیے..... آخر اخلاق مندی اور معاشرتی طور طریقے بھی تو کوئی چیز ہیں؟

Scanned with CamScanner

مثلاً ہم نے اپنی پیاری بیوی کو شاپنگ یا کسی کے ہاں دعوت میں ساتھ لے کر جانا ہے تو کیا ضروری ہے کہ ہم غاروں پتھروں کے دور کے آدمی کی طرح اُسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے بیچ بازار لے کر جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ انداز دلبری اُس دور کے معاشرتی اخلاقیات کے مطابق ہو۔ ہر دور کے اپنے اخلاقی روایتی تقاضے ہوتے ہیں......!

اس حوالے سے آپ چنگیز خان ہلاکو خان کی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ وہ تو کوئی ایسے پرانے زمانوں کے نہیں تھے اُن کے ہاں قتل گری کا قرینہ سلیقہ کیونکر نہ آیا؟ دونوں حضرات ذات واوقات کے بڑے قصاب تھے۔ اُن کے آبا و اجداد ڈانگا سوروں پہ ہاتھ صاف کیا کرتے تھے...... یہ پیشہ ور قاتل تھے۔ مغلوں کو صبح دم "نوم شبی" سے بیدار کرنے کے لیے مطربائیں مغنی راگ وارثے کا راگ ساز ستار میوزک چھل نجلا کر عنبر وعود سونگھا کر عالم ہوش میں لانے کی جرأت کیا کرتے تھے۔ چنگیز و ہلاکو کی صبح بیداری بیس پچیس تنومند باکرہ و فاسقہ مرد و زن اور بچگان معصومہ کے قتل مقاجات سے ممکن ہوتی۔ جب تک اُن کے نتھنے چہروں پہ خون ناحق کے چند چھینٹے نہ پڑتے اُن کے ہوش کا مل بہونے وانہ کرتے...... تم قتل کرے ہو کہ کرامات کرے ہو؟...... والی بات ہونی چاہیے!

قتل کرتا ہو یا قتل ہوتا ہو...... دوستی کی ابتداء اور انتہا دیکھنی ہو تو...... امام العاشقین صالحین صوفی حسین بن حلاج کے قتل اُن کے قاتلوں اور اُن کے ہمدم دیرینہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ پورا نور کٹ رہی ہے اور وہ مزے لے رہے ہیں...... دیکھنے والے چیخ رہے ہیں۔ آہ و بکا ہو رہی ہے...... اور وہ ہنس ہنس کے کہہ رہے ہیں اب مزہ آ رہا ہے......!

گلوٹین اور گلا کٹنے والے کو خبر تک نہیں ہوتی اور قصہ تمام ہو جاتا ہے؟

ٹیلیفون بھی اچانک آ جائے تو میرے جیسے مجہول کو گلوٹین سے گلا کٹنے کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح کی بہت سی اذیتوں سے دوچار ہوتا رہتا ہوں...... اور جب تک ہوں ہوتا رہوں گا۔ جگجیت سنگھ اور ایک ایسی ہی ایک "عارفانہ سی حرکت" جناب قبلہ گاہی حسن نثار صاحب سے بھی سرزد ہوئی۔ ایک کالم کے نفس مضمون کے سلسلہ میں ٹیلیفون پہ بات ہو رہی تھی مجھے کچھ اختلاف تھا...... محترم محسن نثار......! میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا...... ان کی تحریر انداز اور جرأت اظہار کا مداح ہوں...... مگر اس کے ساتھ ساتھ میں انہیں ایک بشر بھی مانتا ہوں اور بشر اپنی کجیوں کمزوریوں کے ساتھ ہوتا ہے...... ایسی چند چیزیں ان کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں...... میں کہتا ہوں اگر خامیوں میں بھی خوبصورتی اور کچھ انفرادیت پیدا کر لی جائے تو وہ خوبیوں کے قریب ہو جاتی ہیں۔ اُن کے مزاج میں نخوت اور انا پرستی کچھ زیادہ ہے...... زعم علمیت کا توازن بگڑا ہوا ہے......

Scanned with CamScanner

گفتار و اظہار میں قطعیت آ جاتی ہے۔ وہ متفق کم ہوتے ہیں...... اُن کے دور تک بال' عینک' آنکھیں ہونٹ' بات کرنے اور بیٹھنے کا انداز' بالکل جاگیردارانہ ہے جبکہ اندر سے وہ ایسے نہیں ہیں...... اپنے انسانی' پیشہ ورانہ' فکری اور تسبا کو نوشی کے زاویوں میں وہ بالکل سرور سکھیرا اور کچھ کچھ عطاء الحق قاسمی ہیں۔ اُن کے ہاں اُٹھنے بیٹھنے والے بھی' اُن جیسے بہت اُوپر تک پڑھے لکھے اور حیثیت والے لوگ ہوتے ہیں۔ مجھ ایسا تھرڈ کلاس 'بُدھا' جاہل اُن کی رینج میں نہیں آتا۔

بات کر رہا تھا کہ میری اُن سے ٹیلیفون پہ بات ہو رہی تھی۔ مجھے اُن کے کالم کے ایک فقرے پہ اختلاف تھا۔ میرے عرض کرنے پہ وہ مجھ سے متفق نہ ہوئے۔ یہاں تک ٹھیک رہا' بات بگڑی تب' جب اُنہوں نے انتہائی بے دردی سے میرے اعتماد' خلوص اور عقیدت کا گلا کاٹ دیا...... یعنی بغیر کچھ کہے گفتگو کو کوئی بہتر موڑ دیئے بنا ٹیلیفون کاٹ دیا۔ سب جانتے کہ اس طرح کے برتاؤ کے دو مطلب ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی بکواس بند کرو' میرے پاس اَنٹ شنٹ سننے کے لیے وقت نہیں۔ دوسرا یہ کہ آئندہ ٹیلیفون کر کے میرا وقت برباد مت کرنا۔ چلیئے! میں ہی غلط اور جاہل تھا...... مگر آپ تو نہ تھے۔ علم' تحمل' تدبر اور تفکر سکھاتا ہے...... چھوٹوں اور کم علموں اور کم اوقاتوں سے بردباری سے نبٹنے کہ حسن بصری کو ان کا تحمل اور عجز کا تحمل لے چڑھا اور حسن بن صباح کو اس کا علمی سیاسی اور مجلسی تفاخر لے بیٹھا......!

پچھلے دِنوں' قدرت کو کیا منظور تھا...... 'مخدومی عطاء الحق قاسمی کے پروگرام'' بہ زبان قاسمی'' کا الحمراء میں اہتمام تھا۔ پہلی صف میں صرف دو نشستیں خالی تھیں۔ ایک پہ مجھ ایسے' پچھلی صفوں پہ بیٹھنے والے کو بحکم قاسمی صاحب بٹھا دیا گیا' ساتھ والی ہنوز خالی تھی...... سوچ رہا تھا' اللہ کریم کسی متوازن سے بندے کی ہمسائیگی نصیب فرمانا...... دُعا کا پنچھی ابھی سینے کے قفس سے اُڑنے بھی نہ پایا تھا کہ قیمتی گرم شال' شانے پہ ڈالے ایک '' ادب اور میڈیا کا وڈیرا'' میرے ساتھ والی نشست پہ فروکش ہُوا...... یہ میرے بزرگ' حسن نثار صاحب تھے...... دِل بلیوں اُچھل رہا تھا...... یہ کیا ہُوا؟...... میں تو ان سے ناراض ہوں...... ان کو علم ہے کہ اُنہوں نے ٹیلیفون کیسے پٹکا تھا!

کمی کمین اور اَن پڑھ جاہل لوگ تو چھتی پھوٹی پھیکی پھٹ کی مانند ہوتے ہیں۔ اشراف' پڑھے لکھے تہذیب دار' وائٹ گولڈ کی چھری کی طرح ہوتے ہیں...... یہ چھری نیچے ہو یا اُوپر اور نہ بھی ہو تو کچھ فرق نہیں پڑتا...... گدھوں گھوڑوں کے آگے ڈالنے والی پھٹ' اپنی اوقات میں ہی پھٹ جاتی ہے۔

میں نے سر نیوڑ کر سلام کیا' جواب میں مسکراہٹ جلیبی کر لی گئی۔ حال احوال پوچھے گئے...... یوں لگتا تھا کہ بزرگوار' بصرے کا چکر لگا آئے ہیں۔ میں اُن کی بغل میں' بغلی بچہ بنا بیٹھا تھا۔ نکوٹین کی مہلک بدبُو کی

Scanned with CamScanner

بجائے کسی بغیر الکوحل کی خوشبو کے لیرے مجھ سے شناسائی پیدا کرنے کی کوشش میں تھے۔ میرا تجربہ ہے کہ جو شخص زیادہ اور تیز خوشبو میں استعمال کرتا ہے وہ انتہا کا سونے باز ہوتا ہے۔ مگر ان کے ہونٹوں اور چہرے کی سُرخی سے اندازہ ہوتا تھا کہ باباجی نے سونے بازی کم کردی یا چھوڑ دی ہے۔

عہدِ حاضر کے میرے کچھ بزرگ ایسے ہیں جن کے بارے مجھے یقین ہے کہ وہ جیتے جی اِس کارِخرابی سے خلاصی حاصل نہیں کر پائیں گے۔ ان میں عطاء الحق قاسمی سرِفہرست ہیں وہ مجھ سے ملنے سے اس لیے کتراتے ہیں کہ میں اُن کی تمباکونوشی سے مضطرب ہوتا ہوں۔ کبھی انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا ہوں تو خجالت چُھپاتے ہوئے دُعا کا کہہ کے آخری سوٹا کھینچ کے باقی کا پھینک دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے مرحوم بھائی کا تمباکونوشی کے ہاتھوں انجام دیکھ لیا ہُوا ہے۔ دوسرے نمبر پہ مرحوم خالد احمد تھے' احسن نثار' سرور سکھیرا' مستنصر حسین تارڑ' قاضی احمد وغیرہ...... کبھی کبھی سوچتا ہوں ان سب بزرگوں کو اکٹھا کروں اور کہوں تم بڑے قیمتی اور نادر لوگ ہو...... موجودہ اور آنے والی نسلوں کو تمہاری بڑی ضرورت ہے...... خود پہ اپنے بیوی بچوں پہ رحم کرو...... پھر جب اپنی اوقات پہ نظر پڑتی ہے تو چُپ سادھ لیتا ہوں۔ واللہ! ہم تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے......!

قاسمی صاحب کا پروگرام' ہر لحاظ سے بہت کامیاب تھا۔ انہوں نے اپنی چیدہ چیدہ تحریریں بڑے اَحسن انداز سے پڑھیں اور حاضرین سے خوب داد سمیٹی۔ پروگرام ختم ہوا تو میں مبارکباد پیش کرنے اسٹیج کے پیچھے پہنچا تو وہ اپنے پروانوں کے نرغے میں بُری طرح پھنسے ہوئے تھے اور ایک سگریٹ اُن کے ہونٹوں کی گرفت میں سُلگ رہا تھا۔

میں اس پروگرام کو ایک اور حوالے سے بھی کامیاب سمجھتا ہوں کہ نثار صاحب اور میری صلح ہوگئی۔ ہم خوب دل کھول کر اک دوجے سے باتیں کرتے رہے اور بطورِ خاص' میں نے اس خوشی کا اظہار کیا کہ آج میں آپ کے قدموں میں بیٹھا ہُوا ہوں' میرے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے...... لکھنے لکھانے اور میری عزت و شہرت میں آپ کا قابلِ قدر حصہ ہے......؟

موسیقار' گائیک اور ایک خوبصورت دل و دماغ کے مالک سردار جگجیت سنگھ کی بات بیچ میں لٹکی رہ گئی۔ بھول ہی جاتا اگر اِس میں بی بی پاک دامناں کے ذرکی مٹی اور قبروں کے اُوپر چھتر چھاؤں والے سیکڑوں برس پرانے درختوں کے پتوں کی بات نہ ہوتی...... ہم لاہور میں رہتے ہیں' دن میں کئی بار وہاں حاضری زیارت کے لیے جاسکتے ہیں...... جاتے بھی ہیں مگر ہم نے تو کبھی اُدھر کی خاک مٹی یا درختوں کے پتوں کے بارے میں

Scanned with CamScanner

نہیں سوچا اور نہ کبھی اِن کی ضرورت محسوس کی یا یہ کہ کس مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟ سچ ہے کہ دُوری میں حضوری کی طلب پیدا ہوتی ہے۔ آنکھوں کے ساتھ ہی ناک ہے مگر دِکھائی نہیں دیتا۔ اِتنی قربت اور ایسی دُوری؟...... مکّہ اور مدینہ شریف میں کئی ایسے لوگ موجود ہیں جو پیدا بھی اُدھر ہی ہوئے' بوڑھے بھی ہو لیے مگر کبھی زیارت' سلام کے لیے اندر جانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ایسے بھی سیکڑوں ہزاروں کوسوں سے کشاں کشاں دوڑے چلے آتے ہیں۔ اپنے اپنے نصیب اور توفیق کی بات ہے......؟

ہنوز مَیں اسی گھمسن گھیری میں پھنسا ہوا تھا کہ ایک بیکھ کو بی بی پاک دامناں کے دَر سے ان چیزوں کی ضرورت کیونکر پیش آئی؟...... میرے پاس اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ مَیں اُس کی مطلوبہ اشیاء حاصل کروں اور واہگہ کراس کر کے اُس تک پہنچاؤں اور پھر جاننے کی کوشش کروں کہ یہ اشیاء حاصل کرنے کا' اس کا کیا مقصد تھا؟

دَرویش کے لیے مشرق مغرب' شمال وجنوب اور تحت الثریٰ سے فلک الافلاک تک کی مسافتیں' اڑھائی قدم سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ میرے اللہ کریم کے کرم وفضل اور میری پہلی مرشد چاچی کی دُعا برکت سے مجھ عاجز گنہگار کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ اس بارے مَیں ''پیار رنگ کالا'' میں تفصیل بیان کر چکا ہوں۔ اس سائنسی دَور میں اس بات کو بیان کرنا دیوانے کی بڑ سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھتا' لیکن یہ بھی حقیقت ہی ہے۔ اللہ کریم جو چاہیں ہو جاتا ہے اور دُعا تو اَنہونی کو ہونی میں بدل دیتی ہے...... کھوٹے کھرے اور چھوٹے بڑے ہو جاتے ہیں...... چور قطب بن جاتے ہیں...... گو وہ ڈوبی چاڑ نیچے نار اُوپر پہاڑ...... 'کنجری داتا کے وانہ یار...... 'یو وہ ماؤ وسا کھ تے باڑ...... 'کدی جت تے کدی ہار دھوبے درزی مستری لوہار...... 'مراثی مصلی چنگڑ چمیار...... 'تیلی میلی کی کمہار...... 'نانک دُکھی سب سنسار جگ میں جیون تھوڑا کون کرے جنجال...... 'چل سو چل ایہو پکی گل......

کی لبھناں ایں زیراں زبراں توں
کیوں ڈرنا ایں ڈونگھیاں قبراں توں
اِک دن اوتھے جاناں اے
تینوں خاص ٹھکانا لانا اے
پڑھو لاالہ الا اللہ محمد ''پاک'' رسول اللہ

''پیار رنگ کالا'' میں اُس دیہاتی بزرگ کے بارے تو پڑھا ہوگا...... جو کلمہ طیبہ ''پاک'' کی اضافت سے پڑھا کرتا تھا۔ باباجی نے سمجھایا کہ کلمہ پاک صحیح طریقے سے پڑھنا چاہیے...... کسی صورت اِس میں کمی بیشی

Scanned with CamScanner

جائز نہیں۔ بیند و بزرگ نے لاکھ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ پریشان ہو کر کہنے لگا۔ "باباجی! میرے مُنہ توں سوہنے نبی داناں پاک لایاں بناں نکلدا ای نئیں...... میں کی کراں؟" ...... یہاں علم' منہ دیکھتا رہ جاتا ہے اور اخلاص و عشق بازی مار جاتے ہیں!

عجب منطق ہے لاعلمی سے غلط میں بھی اخلاص شامل ہو جائے تو صحیح سے زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے اور اگر صائب میں تکنیک کی صعوبت ثبت ہو جائے تو نہ صحیح نہ غلط' کچھ بھی تو نہیں رہتا۔

نہ ہو عشق تو مسلماں......؟

علی الصباح بی بی دامناں حاضری دی اور مطلوبہ اشیاء لے کر سیدھا واہگہ پہنچا...... جتنی دیر میں پرانی انارکلی سے نئی انارکلی "دہلی مسلم ہوٹل" "مہاراج کھتک کے" "دربار" تک پیدل پہنچا جا سکتا ہے' میں اس سے بھی کم وقت میں اٹاری سے باہر نکل کر گاڑی میں بیٹھ کر چندی گڑھ روانہ ہو چکا......؟

یہ وہ بھلا وقت تھا جب دونوں ملکوں کے درمیان ایسا تناؤ کھچاؤ نہ تھا جیسا آج کل ہے۔ دونوں اطراف کے لوگ آسانی سے ویزہ حاصل کر کے آتے جاتے رہتے تھے۔ مشکلیں کم' آسانیاں زیادہ تھیں جبکہ میرے لیے راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ پاکستانی پاسپورٹ کے علاوہ برٹش پاسپورٹ بھی تھا' جس پہ ویزے کی ضرورت نہ تھی۔ دونوں اطراف کا عملہ بڑی محبت مروّت سے پیش آتا اور فقیر سے دُعائیں لیتا۔

امرتسر' میری محبت ہے' لاہور میرا عشق' سیالکوٹ میرا جنوں اور باقی خدا کی خدائی میرا مکتب......!

کئی تیگ بِتانے کے بعد بھی میں "ہونے نہ ہونے" کے مرحلے پہ ہوں۔ قویٰ اعضا' بشری تقاضے اندر باہر کے کھرے کھوٹے' دُنیاداری' صحت بیماری' کاری بے کاری دیکھ اور محسوس کر کے گمان ہوتا ہے کہ بشر ہوں' پر میرے طور طریقے' سوچ بچار' خواب و خیال' انداز و افکار' نظر و نگاہ' حرکات و ادا' آمد و رفت' خصائل و وسائل' شدومد' ضرب و زد' تعلق و تملّق' بشرانہ سے نہیں لگتے بلکہ لگتا ہے کہ میں دو چار بلکہ کئی ایک مختلف مخلوقات کا کاک ٹیل ہوں' مجھے خوب بلا جلا کھڑ کا کر ایسا گاڑھا ملغوبہ بنا دیا گیا کہ ہر اک کی الگ پہچان ختم ہو گئی ہے۔

کبھی کوئی جن اندر سے جھانکنے لگتا ہے' کبھی کوئی پری' پر پھیلائے میرے شانوں پہ سے باہر نکل آتی ہے۔ کبھی درویش فقیر' علی علی کی جلی لگاتا ہُوا' سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ کبھی کوئی بھگت' تپس کاری الکھ نرنجن کا نرسنگھا جگاتا ہُوا پاس سے گزر جاتا ہے۔ کبھی کوئی صوفی سائیں اور کبھی کوئی سیّد آ رائیں؟...... جدھر میں کبھی جسمانی طور پہ گیا ہی نہیں' اکثر اُدھر رُدھرا ہوتا ہوں۔ جسے کبھی دیکھا بھالا ہی نہیں' وہ میرا شناسا نکل آتا ہے۔ ایسے ایسے شعر' قول' مقولے' نُسخے' فارمولے' ترکیبیں' نکتے اور منظر' دماغ کی سکرین پہ اُبھر آتے ہیں جن تک میری علمی بصیرتی یا کسی طور کبھی رسائی ہی نہیں ہوئی۔ اکثر جاگے اَن جاگے' کھلی یا بند آنکھوں' چلتے یا اُڑتے' تصور میں یا

Scanned with CamScanner

تخیل میں ایسے موجود نا موجود مقامات تک پہنچ جاتا ہوں پتا نہیں وہ صفحۂ ہستی پہ موجود بھی ہیں یا نہیں۔ بالشتیے بونے بڑے بڑے حد نگاہ تک بلند نساجنّ جنات پہاڑوں سے پھیلاؤ والے زحل ارض و افلاک یہ "اوتار" فلم آج بنی ہے میں ایسے اُڑنے والے گھوڑوں لمبی دُموں بچھی آنکھوں پھیلے ناکوں اور ہوا میں تیرنے والی مخلوق اور ایسے پھیلے ہوئے درختوں بجھتے جلنے والے پھولوں قوسِ قزح کے جھولتے جھولوں باتیں کرنے والے خوش رنگ طیور کو اپنی کھلی آنکھوں سے کئی بار دیکھ چکا ہوں اُدھر جا چکا ہوں...... جب مجھے پہلی بار بضد اصرار اس فلم کو دکھایا گیا تو کچھ بھی میرے لیے اَن دیکھا نہ تھا بلکہ کئی چیزوں کی نشاندہی میں نے خود کی......!

لگ بھگ پچاس پچپن برس پرے کی بات یاد آ گئی...... اس یاد سے بھی ایک اور بات یاد آ گئی کہ میری یہ یادداشت بھی اک طرفہ عجوبہ ہے...... شعر کا ایک مصرعہ حاضر مصرعہ ثانی غائب...... آدھا نام یاد ہے باقی بھول گیا۔ اسی طرح سسرالی رشتہ داروں کی پہچان نام ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ ایک شخص بڑے خلوص اور اپنائیت سے بغلگیر ہو رہا ہے مصافحہ کر رہا ہے اور میں بھونڈوں کی طرح اُسے دیکھ رہا ہوں کھسیانی سی مسکراہٹ سے اُس کا حال احوال پوچھ رہا ہوں۔ کسی ایسے موقع کی تلاش میں ہوں کہ خود اپنا تعارف کرا دے یا مجھے کچھ اس کی بابت کچھ یاد آ جائے؟ پر توبہ کیجیے کہ کچھ یاد آ جائے۔ خوب باتیں ہو رہی ہیں بیوی بچوں صحت طبیعت سیاست ریاست دہشت گردی مہنگائی بجلی گیس پانی سب موضوعات چل رہے ہیں اور ادھر اپنا دماغ بھی چل رہا کہ آخر یہ حضرت ہیں کون؟...... اب میں اپنی اصلیت پہ اُتر آتا ہوں۔ باتوں باتوں میں اُسے گھیر گھار کر کسی ایسے مقام پہ لانے کی کوشش کرتا ہوں جہاں سے مجھے اُس کا کچھ اتا پتا یا کم از کم نام مجھ سے تعلق رابطے کا کوئی سراغ مل سکے۔ اسی کشمکش میں اگر دماغ کی رگ کھل گئی تو پتا چل جاتا ہے کہ یہ کون ہیں...... نہیں تو گھنٹہ بھر مغز ماری اداکاری کے بعد وہ اپنی راہ اور میں اپنے راستے...... بخدا! لینا دینا بھی یاد نہیں رہتا...... اکثر سامان بندھوا کر باہر نکلنے کی کرتا ہوں تو دوکاندار مجھے ادائیگی کا کہہ کر شرمندہ کر دیتا ہے۔

ایک شریف انسان جو مرغیاں کاٹتا تھا کہ اصلی دیسی چنڈ و مرغی اُسی کے ہاں سے دستیاب ہوتی تھی۔ میں اُس کا مستقل گاہک...... وہ بھی میری قدر کرتا اور اچھی سے اچھی نرم "چوزہ" میرے لیے ذبح کرتا...... غریب شریف آدمی رزق حلال پہ یقین رکھنے والا۔ ایک روز صبح صبح وہ میرے ہاں آیا...... سلام دُعا کے بعد انتہائی عاجزی انکساری سے گویا ہوا......

"آپ سے اجازت اور دُعا لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

میں نے خوش ہو کر پوچھا۔

Scanned with CamScanner

فرمائیے......!

''بہت عرصہ سے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کی تمنا تھی۔ اللہ نے قبول فرمالی ہے۔ سب انتظامات بھی ہو گئے۔ بس کچھ ٹکٹ کے پیسوں میں کمی واقع ہے۔ سوچا اللہ رسول کے بلاوے پہ جا رہا ہوں۔ جاتے ہوئے آپ سے اجازت اور دُعا لے لوں اور کچھ......!''

''کچھ'' کے آگے وہ خاموش ہو گیا۔ میں سمجھ گیا...... اُس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ٹکٹ کے پیسوں میں کمی ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے بتائیے؟...... اللہ مسبب الاسباب ہے۔''

وہ سر جھکا کر بولا۔

''بابا! سب کچھ ٹھیک ہے میں کبھی زبان پہ نہ لاتا...... مگر اب مجبوری سے کہنا پڑا کہ آپ کی جانب میرے کچھ پیسے نکلتے ہیں۔ اگر اُس کی ادائیگی فرما دیں تو میری یہ ٹکٹ کی رقم والی پریشانی دُور ہو جائے گی۔''

میں نے بڑی حیرانی سے اُس کی یہ بات سُنی۔

''میری طرف کچھ پیسے نکلتے ہیں؟...... بھئی میں کچھ سمجھا نہیں...... ذرا وضاحت کر دیں تو میرے لیے آسانی ہو گی؟''

''بابا! آپ اکثر ادائیگی کرنا بھول جاتے تھے...... اور میں آپ کی حیا کرتا تھا۔ پلٹ کر کہتے ہوئے زبان پہ گرہ پڑ جاتی تھی۔ یہی سوچ کر خاموش ہو جاتا...... کوئی بات نہیں میرا حق ہوگا تو مل جائے گا۔ اللہ کے خزانے میں جمع ہو رہے ہیں...... انشاءاللہ! منافع کے ساتھ مل جاویں گے۔''

مجھ پہ گھڑوں اوس پڑ گئی...... میں نے اپنی کوتاہی اور بھول جانے کی عادت پہ لعن طعن کرتے ہوئے انتہائی شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے پوچھا!

''بھائی! میں نے کبھی ادائیگی بھی کی یا ہر بار یوں ہی مرغی لے کر چلا آتا تھا......؟''

جواب دینے کی بجائے اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی کاپی نکال کر میرے سامنے لاتے ہوئے اٹک اٹک کر بتانے لگا......؟

''دو برسوں کے اوپر کا حساب اللہ کی گواہی سے لکھا ہے۔ آپ خُود دیکھ لیں؟'' ساتھ ہی ہاتھ جوڑ کر روہانسا سا بولا۔ ''بابا جی! خدا گواہ ہے میں آپ سے اپنا حساب چُکتا کرنے نہیں آیا...... دُعا لینے آیا ہوں اور یہ بھی کہ حج عمرہ کی توفیق ہو تو واجب ہے اگر توفیق نہ ہو تو قرض اُٹھا کر جائز نہیں۔ کئی روز سے اسی مخمصے میں رہا کہ آپ سے کہوں یا نہ کہوں؟ پھر یہی مناسب لگا کہ آپ کو یاد دلاؤں کہ آپ کی طرف کچھ ادائیگی کرنا باقی ہے۔ اس میں یہ بات بھی تھی کہ آپ بھول جاتے ہیں آپ کو یاد دلانے سے آپ پہ بھی کسی کا بوجھ نہیں رہتا۔''

Scanned with CamScanner

اُس ایسی حقیقت افروز باتیں سُن کرمیں اندر ہی اندر بہت شرمندہ ہوا اور خوش بھی کہ اس دورِ نا آسودہ میں بھی ایسے متوکل انسان موجود ہیں....... سچ ہے جس نے اپنے رَب پہ توکل کیا' وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہا۔

اُس کی چیتھڑا سی کاپی' جس پہ اصلی دیسی چینڈو مرغیوں کے خُون اور بیٹوں کے دھبے' نا گواری بُو رچی بسی تھی....... اِس وقت میرے رُوبرو ایک ایسی مقدس دستاویز کی صُورت دھری تھی جس میں توکل تقویٰ' تفہیم تقدیری اور تسلیم تمامی کے تمام تر تصفیے تفصیل تھے۔ باقی کی رُوداد لکھنے کی ضرورت نہیں....... صرف اتنا کہ وہ دیسی مرغیوں والا اپنی منزل پہ پہنچ گیا۔ کہنا یہ کہ اللہ کریم کی جانب سے ہر حرکت میں برکت ہوتی ہے' کسی کی سمجھ میں فوراً آ جاتی ہے اور کوئی اک خاص وقت پہ اُسے سمجھ پاتا ہے۔

اللہ کریم نے اپنے خلیفہ نائب آدم کو "احسنِ تقویم" تخلیق فرمایا۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں بڑی خاص حکمتیں مصلحتیں صلاحیتیں رکھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ متضاد عناصر مثلاً خود غرضی' تلوّن' ضد' حسد' غرور' خود پسندی' عُجلت' طمع' لالچ' حرص' نمایاں ہونے کی خواہش....... انہی عناصر کو عناصرِ حاضر اور غائب ہونے کی صلاحیت بھی عطا کر دی۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی مرئی اور غیر مرئی قوتوں کو بھی اس کے دائرہ دسترس میں کر دیا لیکن کچھ استثنائی صُورتوں کے ساتھ....... مالک و خالق نے نظامِ ہست کو رَواں دَواں اور خیر و شر میں توازن رکھنے کی خاطر' انسانوں میں کچھ الگ سے بندے بھی خلق فرمائے۔ اسی حساب سے اُنہیں عام بندوں کی فہامت استقامت سے ماورا تفہیم و تحلیل تفویض فرمائی....... اُنہیں بصارت' نطق' سماعت اور بشارت سے تہذیب کیا....... یہ لوگ اللہ کے ولی' غوث' قطب' اَبدال ہوتے ہیں۔ جس طرح بڑے لوگوں کے ہاں چوکیدار پہرہ دار نوکر چاکر ہوتے ہیں اسی طرح اِن کے آگے بھی سالک' عالم فاضل' عابد عارف حافظ محتسب قاضی مُفتی پیر وغیرہ۔ یہ اللہ ھو کی لڑی میں پروئے دانے موتی ہوتے ہیں۔ دُنیا کا روحانی نظام درجہ بدرجہ اِن کے رُوبرو ہوتا ہے.......؟

قطع نظر اِن سب کے کچھ نظر ہو بھی....... فقیر دَرویش' مجذوب' صُوفی' سَنت' ملنگ....... سب اس راہ کے مسافر!....... مگر دَراہٹ کے کچّے پہ چلتے ہیں۔ کہ کچّ اور پک بھی چلنے اور چکھنے کے لئے ہوتے ہیں۔ گاڑی کے ایک دو پہیے اگر پکّے سے کچھ پہ اُتر جائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ گاڑی سے الگ ہو گئے' اسلام آباد تو وہ بھی پہنچ جائیں گے۔ راستہ کچّا ہو یا پکّا قافلہ گزر ہی جاتا ہے....... اور قافلہ ایسے کاروان کا نام ہے جس میں کمزور' توانا' مرد و زن' بوڑھے بچے....... گدھے گھوڑے اُونٹ سب ہی شامل ہوتے ہیں لیکن منزل سب کی ایک.......! اِن سے بھی آگے کچھ اور کھے کھانے بھی ہوتے ہیں۔ گلی گلی' نگر نگر رُلنے والے رَمتے جوگی' چُپ سائیں' ملامتی فقیر دَرویش' ٹھور نہ ٹھکانا' اپنا نہ بیگانہ' جورو نہ بچے' جھوٹے نہ سچے' ٹکے نہ کچے....... جدھر کی ہوا

Scanned with CamScanner

چلی چل دیئے نشاں نہ کوئی منزل...... یہ بڑے قیمتی اور گنی ہوتے ہیں۔

اُمرتسر' جلیانوالے باغ کے باہر تجیت سنگھ کی بھجوائی ہوئی گاڑی کھڑی تھی۔ ایک موٹا سردار میری راہ دیکھ رہا تھا۔ اُسے شاید مجھے لے کر چنڈی گڑھ جانے کی جلدی تھی۔ مگر میں نے اُس سے آدھ گھنٹے کی مہلت لے لی۔ دربار صاحب حاضری دی۔ پھر اُسے ساتھ لے ہال بازار پہنچا' قاضی صاحب کے والد صاحب والی مسجد اور قبرستان گیا' فاتحہ پڑھی اور چنڈی گڑھ نکل پڑے۔

چنڈی گڑھ کے نواح میں ایک وسیع و عریض خوبصورت فارم ہاؤس کے دروازہ پہ بڑے بڑے جغادری قسم کے سونڈ بونڈ سرداروں کا مجمع لگا تھا۔ فارم ہاؤس کا بڑا سا گیٹ پھولوں سے آراستہ تھا۔ بڑے تپاک سے میرا استقبال ہوا...... تجیت سنگھ پتا نہیں کیا کچھ میرے بارے بتا رکھا تھا۔ یہ سب لوگ مجھے کوئی روحانی شخصیت سمجھ کر میرے آگے پیچھے بچھے جا رہے تھے۔

ذرا تنہائی نصیب ہوئی تو تجیت نے پہلا سوال جو مجھ سے پوچھا وہ بی بی پاک دامناں کی مٹی اور پتوں کا تھا۔ میں نے زبانی کوئی جواب دینے کی بجائے پیکٹ نکال کر اُس کے ہاتھ تھماتے ہوئے کہا۔

''مہاراج! معلوم ہوتا ہے آپ نے مجھے اِس مٹی اور پتوں کی خاطر یہاں بلایا ہے؟''

وہ قدرے سنجیدہ سا ہو کر بولا۔

''خدا لگتی تو یہی ہے کہ میں نے آپ کو اِسی لیے یہاں پہنچنے کا کشٹ دیا ہے۔ ویسے یہ پوتر مٹی اور پتر تو کوئی اور بھی مجھے یہاں پہنچا سکتا تھا...... مجھے دراصل آپ کی بھی یہاں ضرورت تھی۔''

''تم نے تو مجھے موسیقی کے پروگرام کا بتایا تھا...... کیا اِس کے علاوہ بھی کوئی خاص کام تھا؟''

''ہاں' تفصیل سے باتیں پروگرام کے بعد علیحدگی میں ہوں گی۔ فی الحال آپ ذرا آرام کریں' غسل اشنان کر کے تازہ دم ہو لیں اور میں بھی ذرا ریہرسل میں بیٹھ رہا ہوں۔ باہر حویلی میں سازندے میرا انتظار کر رہے ہیں۔''

''جے جے ونتی کدھر ہے......؟''

''وہ لدھیانے گئی ہے' دوپہر تک آ جائے گی۔''

''ایک اور سوال' یہ موٹے موٹے سونڈ بونڈ سردار کون ہیں؟ مجھے تو لگتا ہے یہ لوگ کہیں کینیڈا وینیڈا میں سیٹل ہیں؟''

''ہاں' یہ میرے رشتہ دار بھی ہیں اور عاشق بھی' جب اِدھر آتے ہیں دو چار روز مجھے زبردستی باندھ کر

Scanned with CamScanner

اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔" وہ اُٹھتے ہوئے کہنے لگا۔" باقی باتیں بعد ......!"

گرمی اور لو...... وہ بھی چندی گڑھ کی' گو ادھر گرمی سے بچاؤ کے بڑے پکے انتظام تھے مگر گرمی تو اپنا آپ دکھا کر رہتی ہے۔ اشنان کا موڈ نہ بنا' ہاتھ منہ دھویا' ہلکا پھلکا جل پان کیا اور لمبا پڑ گیا۔

سردار حضرات کے ہاں جو سو خرابیوں کی ایک خرابی پائی جاتی ہے وہ ہے خوشی کے موقعوں پہ پینا پلانا...... خیر اس کو بھی کسی حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن پینے کے بعد جو ہڑبونگ مچاتے ہیں وہ کم از کم میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔ سکھ بوتل اندر کرنے کے بعد اپنا آپ باہر نکال دیتا ہے...... یہ بھی ایک لحاظ سے ان کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے۔ ویسے بھی سیدھا سادا' من کا کھرا آدمی اپنے اندر کوئی ایسی چیز نہیں رکھتا جو بدبو یا اٹھن پیدا کرے...... جو شراب پی کر سنجیدہ یا چپ سادھ لیتے ہیں' مدہوش پڑ جاتے ہیں انھیں شراب کی بجائے دس بارہ نیند کی گولیاں نگل کر لیٹ جانا چاہیے......!

یہ فارم ہاؤس والے سردار صاحبان' یہاں کے کھاتے پیتے زمیندار تھے' کینیڈا میں بھی کاروبار...... پڑھے لکھے' وقت زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلنے والے لوگ...... سرکار دربار میں بھی تعلقات اور سب سے بڑی بات کہ جگجیت سنگھ کے یار اور گائیکی کے عاشق......!

بڑے وسیع تر انتظامات کے ساتھ شاندار طریقے سے پروگرام ترتیب دیا گیا۔ سرداروں کی شان بان' گاڑیوں اور ان کے تیوروں سے پتا چلتا تھا کہ یہ تمام یہاں رئیس متمول اور اثر رسوخ والے لوگ ہیں۔ قیمتی قالین' سپید براق چاندنیاں' گلدان' گدے تکیے اور گیندے کے پھولوں کے پرے کے پرے' لگتا تھا یہ پروگرام بسنت بہار میں پھوٹی سرسوں کے کھیت میں ہو رہا ہے۔ سٹیج کے پیچھے گھنے سرو کے درخت عجب بہار دکھا رہے تھے۔ کچھ پرے نیلے پانی سے بھرا سوئمنگ پول تھا جس میں ہزاروں کی تعداد میں پیلے پیلے گلترے مالٹے سفید کمیوں کے پھول...... نیچے سبزے پہ روشنی پھینکتے ہوئے برقی قمقمے...... لمبی لمبی گردنوں والے راج ہنس اور سفید مور...... عجب نظر نواز منظر تھے کہ نظریں بار بار اُدھر اُٹھتی تھیں...... پیلے پیرہن اُوپر سرخ کمر بند اور پگڑیاں...... ایک سی عمر و کاٹھ والے ساقی...... شراب ساری ولائتی تھی۔ ووڈکا' شیواز' واٹ 69' جانی واکر' وائٹ ہارس...... برف کی ڈلیوں سے جل تھل قابیں......!

مجھے سٹیج کے عین سامنے ایک آسودہ سے گدے پہ بٹھایا گیا...... میرے ارد گرد سب داڑھیوں والے سردار' جن کے درمیان میں بھی ایک سردار ہی لگ رہا تھا...... جگجیت سنگھ اور جے ونتی چترا سنگھ اپنی اپنی جگہ پہ بیٹھ گئے۔ سازندوں نے سُر ملائے اور پروگرام شروع ہو گیا۔

رات کی اپسرا نے اپنی عنبریں زلفیں کھول دیں اور دخترِ انگور نے اپنی تھلی اُتار دی تھی ——

Scanned with CamScanner

کون کہتا ہے محبت کی زباں ہوتی ہے
یہ حقیقت تو نگاہوں سے بیاں ہوتی ہے

اس فسوں کی جوڑی نے چنچل نظروں کی ایسی پونچھیں لڑائیں کہ نشہ چڑھ گیا...... کیا سرور'مدہوشی' نشہ' کیف' کیفیت' خمار صرف بوتل والی شراب سے ہی حاصل ہوتے ہیں؟ کیا ہونٹوں سے پینا ضروری ہے؟ کیا منہ سے محبت کا اقرار کرنا ضروری ٹھہرتا ہے؟...... کیا اس کا تلخ اور بدمزہ ہونا بھی ضروری ہے...... کیا سرور'نشہ سماعت اور بصارت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا؟...... پینے کے علاوہ کیا کچھ کھانے سے بھی کیف حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں...... کیا پینے کھانے' سننے یا دیکھنے کے بعد بہکنا بھی لازم ٹھہرتا ہے یا سب ڈرامے ہوتے ہیں؟ اس سے زیادہ حماقت اور بدذوقی کیا ہو سکتی ہے کہ پینے سے پہلے آدمی ہوش میں ہو اور پینے کے بعد بے ہوش و خرد ہو جائے......؟

خوش ذائقہ' قوت بخش' تروتازہ اللہ کریم کی نعمتوں کو گلا سڑا' اس کا ست مار کر خوب غلیظ' بدذائقہ کر کے پی جانا اور کہنا مجھے نشہ چڑھ گیا' سرور آ گیا...... اس سے بڑا دھوکہ' جھوٹ' خود فریبی اور گمراہی بھلا اور کیا ہو سکتی ہے؟ سکھ بادشاہوں اور مسلمان شہنشاہوں پہ کیا موقوف دُنیا میں زندہ انسانوں کا ایک بڑا حصہ اسی خبیث علت کا عادی ہے۔ کوئی کس کس کو سمجھاتا پھرے......!

سرسوں کا گھوٹواں ساگ' مکھن کا پیڑا' مکئی کی روٹی اور لسی کا چھنا...... ایسا سرمدی سرور اللہ اللہ...... نشہ تو کنویں کا ٹھنڈا تازہ پانی پی کر بھی ہو جاتا ہے۔ باسی روٹی لسوڑوں کے اچار سے بھی ہو جاتا ہے۔ میں اپنی بات کرتا ہوں' کوئی حسب حال شعر' اچھا فقرہ' جملہ...... خطاطی کا کوئی شہ پارہ...... کوئی انوکھا بامعنی نام بھی مجھے بے خود کر دیتے ہیں۔ اذان سن کر میں سن سا ہونے لگتا ہوں...... آنکھیں' کاٹ دار ہونٹ' کھڑی گھوڑی والا ناک' آپس میں پیوست ابرو' جبڑے کی بناوٹ' عید میلادالنبیؐ پہ کسی پہاڑی کی سجاوٹ...... ہریسے حلیم کی گھلاوٹ' شامی کبابوں کی بناوٹ...... یہاں تک کہ کسی سفر کی تھکاوٹ بھی مجھے نڈھال کر کے نشے کی کیفیت سے دوچار کر دیتی ہے۔''

میں تو کسی کو روتے ہوئے دیکھ لوں تو اپنے آپ میں اُتر جاتا ہوں۔ نشہ بڑا بودا اور بازاری لفظ ہے۔ مستعمل ہے اس لیے کبھی زدِ زبان آ جاتا ہے' ویسے اُم الخبائث کے لیے یہی مناسب رہتا ہے......

یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں...... ایسے گھٹیا شرابی کو دو جوتے لگا کر جواب میں کہنا چاہیے...... یار ''مجھے بھی معاف کرو میں غصے میں ہوں''...... اللہ سمجھے اس چاچو غالب اور تایا جوش کو ناس مار کے رکھ دیا شراب اور شاعری کا...... ان خدائی مارے بڈھوں کے شعری دیوانوں کو کبھی نچوڑ کر دیکھیں ایک آدھ کلبر کچی پکی اب

Scanned with CamScanner

بھی نچُڑ نکلے گی......!

بستی نظام الدینؒ میرا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ چاچو کا نیو بارہ چونک راؤ مارتا ہے مُڑ تا اِدھر بھی جھانک لگا لیتا ہوں۔ پچھلی بار جب میں اور رحیم خان' چاچو کے مزار سے ملحقہ بازار سے گزر رہے تھے تو رحیم خان کہنے لگا۔

''باباجی! اِدھر قصائیوں اور کبابیوں کی دوکانیں بہت ہیں؟''

بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''پیارے بھیا! جیسا باپ ویسا بیٹا' جیسی بھابی ویسا جیٹھ...... کچھ سمجھے؟ یہ جو سامنے نوشہ میاں لیٹے ہیں' ناں! قیمے اور کباب کی دکانیں بھتیجے ان کی خاطری ہیں۔ پُھول پتی کی دکانیں آگے ہیں۔ جدھر جس چیز کی کھپت ہوتی ہے اس کی دکانیں بھی اُدھر ہی ہوتی ہیں۔''

اِدھر چندی گڑھ میں چاچو کے بھانجے بھتیجے اپنے چاچو تاؤ والے شغل میں مشغول تھے۔ محفل سہ آتشہ تھی' شراب کباب اور رباب......؟

بھیگی رات کی رُت میں چترا سنگھ کوئی پنجابی لوک گیت گا رہی تھی' کچھ چنچل سے سکھ حضرات بدمستی میں بھنگڑا ڈال رہے تھے اور میں اپنے اندر کی چکی چلائے پسائی کرتے سوچ رہا تھا ہر اک کا اپنا رانجھا اور اپنی اپنی ہیر ہوتی ہے۔ کسی کے ٹھوٹھے میں دال اور کسی کے کھیر ہوتی ہے...... کوئی سُکھ پال ہوتا ہے اور کوئی بلبیر ہوتی ہے۔ پھر دل میں آئی...... تجگیت تو پیشہ ور گویا ہے وہ تو دن رات اسی طرح کی محفلیں سجاتا رہتا ہے...... مجھے اچھی طرح سمجھتا بھی ہے پھر کیا ضروری تھا کہ پاکستان سے فوری آرڈر پہ بُلا کر اِدھر ماڈھو بنا کر بٹھا دیا...... اور محفل موسیقی بھی وہی سکھوں کے مزاج والی...... پھر دھیان بی بی پاک دامناں والی مٹی اور پتوں کی طرف گیا۔ جب کچھ پلّے نہ پڑا تو آنکھیں نیم وا کر کے اُونگھنے لگا۔

یہ نیم آنکھوں والی اُونگھ بھی بڑی منافقاناں اور مشرکاناں ہوتی ہے۔ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں...... والی بات ہوتی ہے۔ اس منافقت میں پڑا ہوا بندہ ناکام اداکاری کرنے کی کوشش میں بڑا بھونڈا دکھائی دیتا ہے...... خوامخواہ مسکرائے گا' پہلو بدلے گا' ہونٹ ہلائے گا...... آنکھیں یوں رکھے گا جیسے عالمِ کیف میں ہو...... اس فضول اداکاری میں پڑنے سے تو لاکھ بہتر ہے ہر مصلحت کو جُوتی کی نوک پہ رکھے پاؤں پسارے اور بیچ کھیت لمبا پڑ جائے...... شاید میں ایسا نہ کر سکتا تھا کہ دُولہا' مہمان خصوصی' میرِ محفل' پیر صاحب' باباجی اور کوئی حسین صُورت...... یہ کسی طور بیچ محفل خرّاٹے نہیں لے سکتے ان کو بہر طور کوئی نہ کوئی منافقانہ رَویہ اختیار کرنا ہی پڑتا ہے۔ متذکرہ بالا لوگوں کی ان منافقانہ حرکات اور عیارانہ طور طریقوں کو میں نے بڑے غور اور اہتمام سے دیکھا ہے۔ ویسے آپ ناظرین ٹیلیوژن کی سکرین پہ پارلیمنٹ اسمبلیوں کے اجلاس

Scanned with CamScanner

میں بڑے بڑے سیاستدانوں کو خزانے توڑتے دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ بیچارے بڑے مظلوم مقہور قدرت کی طرف سے سزا یافتہ' معتوب لوگ ہوتے ہیں۔ جب سونے کا وقت ہوتا ہے جاگتے ہیں اور جاگنے کے وقت سونے پہ مجبور ہوتے ہیں۔ شوگر' بلڈ پریشر' دل کی دھڑکن' کثرتِ بول' بواسیر' اندھراتا' خلجان کے علاوہ بھی کچھ پرائیویٹ عارضوں میں مبتلا' یہ فارغ لوگ' بدقسمتی سے ہمارے رہبر ہوتے ہیں۔

سکھوں کے میلے ٹھیلے میں' "دی اینڈ" اس وقت تک نہیں ہوتا جب دو چار گرنہ پڑیں' ہسپتال نہ پہنچیں' سالیا' تیری ماں بہن نہ ہو...... پولیس تو ویسے ہی ست سری اکال کہنے پہنچ جاتی ہے اور ایک آدھ بوتل کے ساتھ واپس چلی جاتی ہے۔ گرمئی محفل جو سکھوں کی پارٹیوں میں پیدا ہوتی ہے وہ کہیں اور نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ زندہ لوگ ہوتے ہیں۔"

گورو داس پور' لدھیانہ' امبرسر' چندی گڑھ کی ٹھیٹ پنجابی کا تڑکا' چینڈ و خالص گالم گلوچ کا چسکا...... دیسی دارو کا مٹکا' کسی کا خوف نہ کھٹکا...... زندگی کی رگ رگ سے خوشیاں مستیاں نچوڑنے والے یاروں کے یار' موج بہار' پیار ہی پیار...... خدا خدا کر کے یہ کفر اس وقت ٹوٹا جب اچانک تیز ہوا نے جھکڑ کی صورت اختیار کر لی...... تمبو قناتیں اڑنے سے پہلے ادھر سے مخمور پرندے بھی اڈاریاں بھرنے لگے...... پنڈال خالی ہونے سے پہلے مجھے قریب ہی ایک شاندار مہمان خانے میں پہنچا دیا گیا...... کچھ دیر بعد جگجیت کا پیغام بھی "میں کپڑے تبدیل کر کے پہنچ رہا ہوں......" اس دوران میں بھی واش روم سے فارغ ہو کے بیٹھا ہی تھا کہ کھانے کے ساتھ جگجیت بھی پہنچ آیا...... وہی دیہاتی سا کھانا' دال مکھن توے کی روٹیاں' اچار اور کچھ میٹھا...... جو بھی تھا ضرورت کے مطابق پیٹ میں اتارا...... اللہ کا شکر ادا کیا۔ اتنے میں چائے بھی پہنچ گئی۔

جگجیت شرارت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

"اچھا تو بابا جی! آپ نے اپنا کام دکھا دیا......؟"

"کیسا کام......؟"

"یہی جھکڑ آندھی والا......!"

"سبحان اللہ! جگجیت سنگھ جی! اگر میں ایسے چمتکار دکھانے کے اہل ہوتا تو ادھر صرف آپ کی محفل ہوتی' یہ ہنگام ناؤ نوش نہ ہوتا...... آپ تو خوب جانتے ہیں کہ اچھائی اور برائی یا گناہ ثواب اور ظلم واحسان کے بھی کچھ مخصوص اوقات ہوتے ہیں۔ وقت ختم ہو جائے تو گرجے مندر مسجد گوردارے بھی کچھ دیر کے لیے بند کر دیے جاتے ہیں تاکہ صفائی ستھرائی بھی ہو جائے اور بھگوان کرتار خدا اور یسوع مسیح کو کچھ ریلیکس مل جائے۔ شراب خانے' جوئے خانے' قحبہ خانوں پہ کلوز کا بورڈ لگ جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا کتنے بڑے بڑے پڑھے

Scanned with CamScanner

لکھے' صاحبِ حیثیت لوگ آپ کی محفل میں شامل تھے اور جب توازن آؤٹ ہو گیا...... بے ہودگیاں' خرمستیاں اور لڑائی جھگڑے ہونے لگے تو وقت ختم ہو گیا۔ اَب بتایئے؟ اِس سارے افسانے میں 'میں' کہاں ہوں؟...... مذاق چھوڑیں 'میں' نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ وہاں بی بی پاک دامناں' آپ کا سلام بھی عرض کر دیا تھا۔ اَب مزید حکم......؟''

میری بات ختم ہوئی ہی تھی کہ دروازہ کھلا اور ایک کھلے ماتھے' موٹی موٹی بولتی آنکھوں والا خوبرو سکھ بچہ اجازت طلب کر کے اندر داخل ہوا...... ست سری اکال کہہ کر میرے گھٹنے چھوئے اور اُلٹے پاؤں کمرے سے باہر چلا گیا۔

''بابا! یہ میرا عزیز بلونت سنگھ ہے میں اِسے بلو نگڑا کہہ کر مخاطب کرتا ہوں۔ اس نے آسٹریلیا سے ماسٹر کیا ہوا ہے' اکلوتا لاڈلا اور بے حد خود سر' اپنی کرنے والا' دماغ میں جو بیٹھ جائے وہ کر گزرتا ہے۔ خاموش زیادہ رہتا ہے...... کوئی یار بیلی بھی نہیں......''

تجگیت اِتنا بتا کر خاموش ہو گیا اور عجیب عقیدت بھری نظروں سے میری جانب تکنے لگا۔ ایسی ٹکٹکی باندھی جیسے پتھر سِل ہو گیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر اس نے آنکھ نہ جھپکی۔

عقیدت صاف نگاہ نہیں رکھتی...... اِسے ایک کی بجائے دو بلکہ اس سے آگے کئی سو دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے بھی کہیں لکھ چکا ہوں میرے بابا جی نے مجھے نصیحت کی تھی' بیٹا! فقیر درویش کو دو چیزیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ ایک عقیدت' دوسرا زُعم...... جو ان سے خود کو بچا گیا' وہ گیانی...... اور جو ان میں پھنس گیا وہ محض دھیانی!...... یہ گیانی اور دھیانی والی رمز اُس سمے تو سمجھ نہ سائی...... بعد جب سمجھ آئی تو خوب آئی......!

بادشاہ ہو یا درویش...... دونوں کو یہی دونوں جلا بخشتی ہیں یا پھر جلا کر راکھ کر دیتی ہیں...... بادشاہ کو اُس کے خوشامدی' مصاحب' مشیر مار گرا کر رکھ دیتے ہیں اور درویش کو اس کے ناعاقبت اندیش چیلے چانٹے' اُس کی تعریفیں کر کے' ہاتھ پاؤں چوم چاٹ' غیر ضروری اَدب و آداب سے اُس میں زُعم اور گھمنڈ پیدا کرنے کے موجب بنتے ہیں۔

جیسے تجگیت نے مجھے مسکراتے ہوئے کہا' یہ ہیری آندھی آپ نے لائی ہے' میرا جواب تھا کہ ہر اچھی بُری چیز' گناہ و ثواب' حرکت برکت کے سمے کی ایک حد ہوتی ہے اُس کے بعد کوئی صورتِ حال ایسی پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ کام بند ہو جاتا ہے۔

تجگیت کی بات سے میں اس زُعم میں مبتلا ہو سکتا تھا کہ واقعی اس آندھی کا آنا اور محفل کا تتر بتر ہو جانا میری کرامت ہے...... مگر میرے بابا جی کی دُعا نصیحت مجھے بچا گئی۔

Scanned with CamScanner

جگجیت سنگھ ابھی تک میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ جیسے وہ مجھے کوئی پیغام پہنچانا چاہتا ہو جو وہ اپنی زبانی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا یا پھر وہ کوئی ایسا ڈھنگ تلاش کر رہا تھا کہ وہ اپنا مافی الضمیر احسن طریقے سے بیان کر سکے۔ میں نے اوب کر کہہ دیا۔

''ہاں جی! آپ کچھ اس بلونگڑے کے بارے میں بتا رہے تھے؟''

وہ ایک ٹھنڈی لمبی سانس لیتے ہوئے واپس آیا۔

''بابا جی! اس ٹھوڈسر بلونگڑے نے دو سال قبل ایک لڑکی سے شادی کر لی جس کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہیں جانتا کہ وہ کون ہے' کس خاندان اور دھرم سے ہے۔'' قدرے خاموشی کے بعد پھر بتانے لگا۔'' یہ فارم ہاؤس اور اس کے اردگرد لمبی چوڑی جائیداد کا وہ اکیلا وارث ہے۔ یہ پروگرام دو وجوہات کی بناء پہ تشکیل دیا گیا۔ بڑی وجہ آپ کو ادھر بلانا اور اس بلونگڑے کے بارے ڈالینا اور دوسری وجہ کچھ موج میلہ کر کے اس کا دل بہلانا اور آپ سے اس کی ملاقات کرانا تھی۔ آپ نے دیکھا وہ آیا اور آپ کے چرن چھو کر باہر چلا گیا۔ وہ کسی سے بھی نہیں ملتا' ماتا پتا کا بُرا حال ہے۔ بہنیں بھائی کے حال پہ رو رو کر پاگل ہو گئی ہیں۔''

میں نے ہاتھ کے اشارے سے جگجیت کو مزید کچھ بتانے سے روکتے ہوئے پوچھا۔

''آپ نے مجھے ادھر اسی کارن بلایا ہے......؟''

''جی اپنے بڑوں بزرگوں کو بچے اسی وقت یاد کرتے ہیں جب اُن سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا یا کوئی راستہ نہیں ملتا۔''

''جگجیت جی! آپ سمجھتے ہیں کہ میں اس سلسلہ میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں؟''

''سمجھ کر ہی تو بلایا ہے......!''

''میرے اپنے دو بچے سخت بگڑے ہوئے ہیں' اجازت دیں تو میں اُن کو آپ کے پاس سیدھا ہونے کے لیے بھیج دوں؟''

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''ضرور بھجوا دیں...... میں گروکی کرپا سے دو چار مہینوں میں ہی اُنہیں گانا سکھا دوں گا' ویسے

منجیاں ٹھوکن بیڑھیاں والے

لٹھے گئے گوڈے نہیں چڑھا سکدے

جو میں کر سکتا ہوں حاضر ہوں اور جو آپ کے ذمہ ہے وہ آپ کریں گے۔''

میں نے اُس کے اس نرالے استدلال پہ قربان ہوتے ہوئے سوال کیا۔

Scanned with CamScanner

''بلونت' ذرنک سموکنگ کرتا ہے......؟''

''زبردست نفرت...... اس معاملوں میں وہ پکا مومن ہے۔ بابا جی! آپ حیران ہوں گے کہ وہ پانچ چھ ورے آسٹریلیا میں رہا' کبھی کوئی شکایت نہ آئی۔لڑکیاں کڑیاں تُوں بھی کبھی بُری اکھ نال نہیں ویکھیا...... ہاں' ایک بات تو بتانا ہی بھول گیا' آسٹریلیا جانے سے پہلے اس کی منگنی اپنے رشتہ داروں کی ایک خوبصورت پڑھی لکھی کڑی سے ہوگئی تھی' اس میں اُس کی پسند بھی شامل تھی۔ آسٹریلیا سے واپسی پہ شادی کا پروگرام بھی تھا۔ اس کی شادی کا سُن کر اس کی منگیتر نے دو دفعہ خودکشی کی کوشش کی' وہ اس سے بڑا پیار کرتی ہے۔ بیچاری رُو رُو کے جھلی ہوگئی ہے۔''

''اچھا ایک بات کا جواب دو' بلونت مجھ سے اکیلے بیٹھ کر بات کرنا پسند کرے گا؟''

''وہ تو آج محفل میں بھی نہیں بیٹھا' بس! دو چار منٹ بیٹھا پھر اُٹھ کر اندر چلا گیا۔ بڑی مشکل سے میں نے آپ کو ست سری اکال کہنے کی حد تک تیار کیا تھا۔ کوشش کر کے دیکھ لیتا ہوں ہوسکتا ہے مان جائے۔ دراصل وہ اس غلط فہمی میں ہے کہ ہم سب اُس کی بیوی کو اُس سے چھیننا چاہتے ہیں۔ اُس کی ایک سال بیٹی بہت پیاری ہے' اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتا ہے۔ ہروقت اُس کو اُٹھائے رہتا ہے۔''

میں نے ایک اور سوال پوچھا۔

''وہ علیحدہ رہتا ہے یا ماتا پتا کے ہمراہ......؟''

''بابا جی! وہ اسی فارم کے دوسرے کنارے پہ علیحدہ رہتا ہے۔ وہ نہ ادھر آتا ہے اور بیوی بچی کو آنے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی بیوی اور بیٹی آج تک اپنے سسرال والوں کے سامنے نہیں آئی اور نہ ہی وہ کسی کو اپنے ہاں آنے دیتا ہے۔ ایک دفعہ اس کے ماتا پتا نے زبردستی جانے کی کوشش کی تو اُس نے فارنگ کر دی' اپنے پاؤں پہ گولی ماری' خودکشی کی دھمکی دی۔ اس واقعہ کے بعد کوئی بھی اُس سے ملنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اپنے پریوار کے کسی فرد سے ملتا ہے۔ ایک ہی بچہ ہے' پریشانی میں ہے۔ اس کے پتا نے درخواست کی تھی کہ میں آپ کو یہاں آنے کی دعوت دوں اور بلونت کے سلسلہ میں آپ سے بات کروں۔''

''مٹی اور پتے منگوانے کا مقصد......؟''

''میں نے بھی پوچھا تھا کہ ان کو کیا کرنا ہے۔ بتایا کہ سُننے میں کسی مسلمان پیر فقیر نے بتایا کہ وہاں سے یہ چیزیں منگواؤ' ان سے یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ پر اُس پیر فقیر نے ان کے استعمال کا طریقہ نہیں بتایا۔ اَب ان کا استعمال آپ بتائیں گے؟''

میرے منہ سے خود بخود سُبحان اللہ نکل گیا اور ہنسی بھی کہ اس دُنیا میں کیسے کیسے خوش فہم لوگ موجود

Scanned with CamScanner

ہیں۔خود بخود ہی فیصلے کر لیتے ہیں۔میں نے انہیں پچکارتے ہوئے کہا۔

''مہاراج! میں آپ کو کیا کہوں' آپ بھولے بادشاہ ہیں۔بلند پایہ مُغنّی بھی موسیقار بھی اور ایک اچھے دردمند انسان بھی۔بھلا یہ تو سوچیں' جس کام کو آپ میرے شانوں پہ ڈال رہے ہیں کیا میں اس اہل ہوں؟ میں تو دُعا کر سکتا ہوں'اے سب انسانوں' دھرموں کرموں کے مالک! نیتوں دلوں کا حال جاننے والے کرم کر' رحم اور فضل کا معاملہ کر' دُکھیوں کے دُکھ دُور فرما' بیماروں لاچاروں کو شفا عطا کر...... جگجیت جی! میں بس یہی کر سکتا ہوں' مجھے اجازت دیں میں ذرا اجمیر شریف اور کلیر شریف سلام کر کے واپس لاہور پہنچوں۔''

وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

''بابا جی! ابھی تو آپ نے میرے ساتھ ممبئی جانا ہے۔ماہم شریف اور حاجی بابا سرکار...... لیکن جب تک بلونت کا کے کا مسئلہ حل نہیں ہوتا...... نہ میں کہیں جا سکتا ہوں نہ آپ!...... یہ ایک سِکھ کی ایک مسلے سے بِجھ جوڑی......!''

کالج یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے لڑکے' جس طرح پڑھائی کے ساتھ ساتھ کسی کلاس فیلو لڑکی سے دوستی کرنا ضروری سمجھتے ہیں' میں سمجھتا ہوں اسی طرح کسی اچھے انسان کا' جو زندگی کی یونیورسٹی میں ہے اُس کے لیے کسی خالص سِکھ سے دوستی بڑی ضروری ہے۔میں نے یہ نکتہ بڑے مشاہدے اور گہرے تجربے سے پایا ہے۔

میرا ایک بچہ جو کوئی کاروبار کرنا چاہتا تھا مجھ سے کاروبار میں شرطیہ کامیابی کے لیے کسی نصیحت مشورے کا طلبگار ہُوا میں نے فوراً اُسے مشورہ دیا۔کاروبار شروع کرنے سے پیشتر کسی شیخ کے ہاں سال دو سال ملازمت کرلو پھر کسی کام میں اُنگلیاں ڈالنا۔ انشاءاللہ پانچوں گھی میں ہوں گی...... ایسا ہی ہُوا وہ مون مارکیٹ میں ایک شیخ صاحب کے ہاں ملازم ہوگیا۔وقت ہوگزرا میں کسی چیز کی تلاش میں مون مارکیٹ گھوم رہا تھا۔اچانک وہی بچہ' جو روزانہ حاضری دیا کرتا تھا بچوں کے ملبوسات بیچتا ہوا دکھائی دیا...... وہ اڑھائی برس میں وہ کافی بدل چکا تھا۔جسم پہ گوشت' آنکھوں میں چربی' ہونٹوں پہ مونچھوں کے اضافے کے باوجود میں نے اُسے پہچان لیا۔اِسی اثناء وہ بھی مجھے دیکھ چکا تھا۔بڑی ڈھٹائی اور کھلے ڈھلے انداز میں وہیں دوکان سے ہی آوازہ لگایا۔

''آؤ آؤ' بابا جی! اے تہاڈے بچے دی دوکان اے...... بڑی رحمتاں نے' تساں دی دُعا اے۔''

ماشاءاللہ' ماشاءاللہ کہتے ہوئے میں اُس کی دکان پہ جا کھڑا ہُوا۔وہ کچھ گاہکوں سے نپٹ رہا تھا۔فارغ ہُوا تو چائے بوتل کا پوچھنے لگا۔میں نے شکایت کے انداز میں کہا۔

Scanned with CamScanner

''یار! پہلے تو روزانہ ملاقات کے لیے آجاتے تھے۔ دو سال ہو گئے تمہاری شکل دیکھے ہوئے؟''

معافیاں سرکار معافیاں...... کاروبار وچ پے گئے آں' تُساں ای تے مشورہ دتا سی' کاروبار کرنا ہے تو کسی اصلی شیخ دا شاگرد بن جا...... سرکار ہنڈرڈ پرسینٹ عمل کیتا اے...... سال پورا کام سکھیا اے تے اگلے سال دوکان اپنی کرلئی اے' رحمتاں ہی رحمتاں نے...... ہور سناؤ' کوئی ٹھنڈا گرم......؟''

میں مزید ترقی کی دُعائیں دیتا ہوا آگے بڑھنے لگا تو پیچھے سے ہانک لگا کر کہنے لگا۔

''باباجی! تاتم ملیا تے میں لاواں گا چکر......!''میں مزید آگے بڑھ گیا تھا پھر آواز آئی۔''باباجی! کوئی ہور اچھی جئی نصیحت مشورہ؟''

میرے منہ سے اچانک نکل گیا۔

''بیٹا! اب پٹھانوں سے کاروبار کرنا سیکھو...... ایک پٹھان کرائے پہ دکان لیتا ہے سال بعد پوری مارکیٹ میں نسوار ہی نسوار ہوتی ہے۔''

سکھوں کے اُصول' گولڈن ٹمپل کی طرح بڑے سنہری ہوتے ہیں۔ لدھیانے سے لندن یا فیروز پور سے فرینکفرٹ' امریکہ' افریقہ جہاں بھی چلا جائے وہ سکھ ہی رہتا ہے' نہ اپنا کھانا پینا بدلتا ہے نہ کچھا کنگھا کڑا کیس تے کرپان بدلتا ہے...... دارو شراب' مجبوراً بدلتا ہے کہ وہاں دیسی' ٹھرّا نہیں ملتی...... اپنی گفتگو گالیاں بھی نہیں بدلتا...... ذات برادری بھی چینج نہیں کرتا۔ حماقتیں اُولیاں جلولیاں ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں کہ زندگی میں بے ساختہ خوشیاں انہی سے ہوتی ہیں۔ سکھوں کی آنکھیں روشن اور دانت سفید کہ پان بیڑا سگریٹ بیڑی نسوار گٹکا استعمال نہیں کرتے' باقاعدہ داتن پھیرتے ہیں۔ ان کے ڈولے بڑے سڈول' ایڑی گٹے گول ہوتے ہیں۔ سر ڈاڑھی کے بالوں تک بات بنی رہتی ہے باقیوں کی تعداد مخفی رہتی ہے۔''

فوج پولیس میں بھرتی کے لیے جائیں تو ان کے فزیکل ایگزامینیشن نہیں ہو سکتے' فارمیلیٹی پوری کرنے کے لیے ہوں بھی تو اوپر اوپر سے' کچّا کچھا نہیں اُتارا جاتا...... خاص طور پہ ان کے میڈیکل کے لیے کوئی پرانا سکھ ڈاکٹر ہی ہوتا ہے۔ سکھ مردوں کو اپنڈکس کی شکایت بھی نہیں ہوتی کہ آپریشن سے پہلے بالوں کی صفائی رگڑائی ضروری ہوتی ہے جو کسی اوزار آلے پوڈر کیمیکل سے ممکن نہیں ہوتی...... دو چار کیسوں میں وہی طریقہ آزمایا گیا جو جَوی کے کھیتوں میں فالتوں جڑی بوٹیاں جلا کر تلف کرنے کے لیے کیا جاتا ہے مگر نتائج بے حد خوفناک نکلے۔ اپنڈکس نکالنے کی بجائے چوتڑوں پہ سے کھال نکال کر پیوند کرنی پڑی۔

سُنی سنائی بات ہے کہ کسی اُجڈ دیہاتی نے غلطی سے بُو بکرا خرید لیا...... پہلی رات' دیگر جانوروں کے ساتھ اُسے بھی باڑے میں باندھ دیا...... صبح جو دیکھا' بکرے کے سوا' تمام جانور فوت ہو چکے تھے' بڑے

Scanned with CamScanner

بوڑھوں سے تفتیش کروائی تو پتا چلا کہ یہ بُو بکرا ہے۔ اس کی بُو برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے مرگئے ہیں۔ دیہاتی نے اُسے اونے پونے بیچنے کی کوشش کی مگر ایک سردار صاحب کے علاوہ کوئی اور خریدار نہ ملا۔ سردار صاحب نے بھی جو قیمت لگائی وہ اصل خرید سے بھی آدھی تھی۔ مجبوراً بکرا بیچنا پڑا' سوچ دیا۔ سردار صاحب پیچھے پیچھے باندھ کھینچ کراسے اپنے گھر لے گئے۔ غریب آدمی تھا۔ باڑہ وازہ تو کوئی تھا نہیں' اپنے ہی جھونپڑے میں اپنی کھاٹ کے ساتھ باندھ دیا۔ جاڑوں کے دن تھے' جھونپڑے کا دروازہ ایئر ٹائٹ کرکے سردار جی سو گئے۔ صبح جو اُٹھے' دیکھا بکرا زبان نکالے چل بسا ہے...... اسی دوران بوڑھا ہمسایا کسی ضرورت سے ادھر آ نکلا...... صورت حال دیکھی پوچھا۔

''یہ کیسے ہُوا......؟''

سردار صاحب بولے۔

''چاچا! میرا خیال ہے سردی چڑھ گئی اے......!''

بوڑھے نے اپنے تجربے سے بتایا۔

''پتر! سردی نہیں چڑھی' تیری بُو چڑھی اے...... اسے اپنی کھاٹ سے دُور باندھنا تھا' تازہ ہَوا کا بھی خیال رکھنا تھا۔''

سکھ بولا۔

''چاچا! اے خود بو بکرا تھا...... اسے دوسرے کی بُو خوشبو سے کیا لینا دینا؟''

بوڑھے نے کھانستے ہوئے جواب دیا۔

''پتر! غیرت بندیاں وچ ای نہیں جانوراں وچ وی ہوندی اے؟''

سرداروں' پٹھانوں اور ان کے بعد دیہاتیوں پینڈووں کے لطیفے بڑے مشہور ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ان سکھوں پٹھانوں دہقانوں کی ہردلعزیزی کی وجہ سے ہے۔ انسان ایسے ہی تو نہیں کسی کو یاد کرتا' ذکر کرتا یا اُس سے منسوب کوئی واقعہ قصّہ سناتا...... لطیفے کے پیچھے اک زندگی' اک سبق' چُھپا ہُوا کوئی مشورہ نصیحت ہوتی ہے۔ جیسے کسی بچّے کو کونین کھلانی ہو تو بڑی مشکل پڑتی ہے۔ کونین کڑوی ہوتی ہے' معصوم بچّے کڑواہٹ برداشت نہیں کر پاتے...... اس حساب سے شوگر کوٹیڈ کونین دیتے ہیں۔ وہ خوشی خوشی نگل لیتے ہیں۔ ہمیں سکھ اور پٹھانوں کے ساتھ ساتھ پینڈووں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ وہ دانش' ہنجیت اور مسکراہٹیں فراہم کرنے کی موجب بنتے ہیں۔

اچھے بُرے کہاں نہیں ہوتے' سفید بھیڑوں میں دوچار دانے' بھائی کالی بھیڑوں کے بھی نکل آتے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ یہ عین فطرت کے اُصولوں کے تحت ہے۔ ملائکہ میں بھی تو ایک نالائق نکل آیا۔ سکھ من حیث الانسان ' قوم ' دوست ' کاروباری ساتھی بہت خوب ہیں۔ میرے بہترین دوستوں اور بچوں میں بہت سے سکھ شامل ہیں۔ جن سے مجھے کبھی کوئی شکایت نہیں پہنچی۔ مَیں بابا جی گورونانک کو بہت مانتا ہوں۔ میرے بچپن کا کچھ حصّہ اُن کی گود میں سو کر گزرا ' مجھے اُن کی زیارت ہوئی...... فیض حاصل ہوا ' اُن کے ہمراہ سفر کی سعادت نصیب ہوئی۔

تجگیت سنگھ سے یاری ' بھائی بندی ' ارادت کی دیگر وجوہات موسیقی ' انسان دوستی ' اُردو سے عشق ' اپنی روایات سے پیار اور اُس کا سکھ ہونا بھی شامل تھا۔ وہ جب بھی یورپ پہنچتا ' مجھے ضرور ملتا۔ اکثر میرے ہاں ٹھہرتا...... اور جب مَیں انڈیا آتا ' ہم مل کر خوب خوش ہوتے ' گوردوارے اور مزاروں پہ جاتے ' محفلیں جماتے اور خوب باتیں بھی ہوتیں۔ مَیں پیری مریدی نہیں کرتا لیکن وہ مجھے اپنا گرو ' بابا مانتا تھا اور ہمیشہ مجھ سے آشیرباد لیتا رہتا۔ اللہ کریم اُسے اگلے جہان میں آسودگی دے بڑا اچھا انسان اور کمال کا فنکار تھا۔ غزل گائیکی میں اُس کا ایک منفرد انداز تھا۔ اُردو زبان پہ اُس کے بڑے احسان ہیں اور اُردو کا بھی اس پہ بہت سا قرضہ؟

تجگیت سنگھ مجھے دھمکی دے کر چلا گیا ہے۔ مَیں تنہائی میں بستر پہ نیم اکڑوں بیٹھا اُس کی دھمکی کی جزویات پہ غور کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ مَیں اِس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے تو اپنی اصلی اوقات کا علم ہے۔ مَیں کیا ہوں ' کس جوگا ہوں؟! لوگوں کا کیا ہے وہ تو عقیدت میں اندھے ہوتے ہیں...... اُن کو کسی چیز سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ اُن کا بس مسئلہ حل ہونا چاہیے۔ اِدھر بھی یہی معاملہ تھا کہ نہ مَیں بلونت سنگھ کو جانتا ہوں نہ اُس کے پریوار کو ' منگیتر اور پُراسراری موجودہ بیوی اور بچی کو ' جس کے بارے مجھے بتایا گیا کہ وہ کسی نہ سمجھ میں آنے والی بیماری کا شکار ہے...... اور یہ بھی کہ بلونت سنگھ اِدھر ہی کہیں آس پاس ' بیوی بچی کے ساتھ رہتا ہے لیکن کسی کو اُس کی رہائش کی جانب جانا تو ایک طرف نگاہ اُٹھانے کی بھی ہمت اور اجازت نہیں...... اُس کی پہلی معصوم اور خوبصورت سی منگیتر ' جو اُس کی اپنی پسند بھی تھی ' دوبارہ آتما ہتیا کی کوشش کر چکی ہے اور اُس کے پیار اور بے وفائی میں نفسیاتی مریضہ کی مانند جیون بسر کر رہی ہے۔

بلونت سنگھ بڑا ہیبا اور خاموش طبع نوجوان...... ! کسی قسم کی کسی علت ' نشہ کا عادی نہیں۔ ملنا ملانا بھی نہیں ' نہ وہ عام نوجوانوں کی طرح لڑکیوں ' میوزک ' سیر سپاٹے ' لڑائی بھڑائی ' آوارہ گردی سے دلچسپی رکھتا ہے...... سکھ بچہ ' بالشت بھر کا سنپولیا ' چنکارا ہرن کا بچہ ' خرگوش ' گدھے ' ہاتھی اور بکری بلی کے بچے ' بڑے ننھے اور من موہنے ہوتے ہیں۔ آنکھوں اور دل میں کھب جاتے ہیں۔ انہیں دیکھ اور قریب محسوس کر کے اِک انوکھی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ مگر یہ بلونت سیہاں کوئی ایسا بھی ننھا منا گول مٹول سا بچہ نہ تھا جسے گود میں بٹھا لیا جائے یا اُس کا گھوڑا بن

Scanned with CamScanner

کر سواری کرائی جائے۔ وہ تو سرو کے بُوٹے کی طرح لمبا تڑنگا' نوبلی عمر کا ایک پڑھا لکھا جوان رعنا تھا۔ سیاہ غزالی آنکھیں نجڑے ہوئے یونانی انداز کے اَبرو' یاقوتی اُبھرے اُبھرے ہونٹ' مردانہ دہانہ اور جھگوال کا ندھے جو اس کی سکندر بختی' ارادے کی پختگی' فیصلے میں قطعیت اور جمال جلال کے مظہر تھے۔ تبت دار ڈھلوانی ماتھا' چوڑی کنپٹیوں کے اُبھار' سر کی ضلاحتی بناوٹ اور بالوں کا قدرتی انداز...... اُس کا مونا سکھ ہونا اس بات کی علامت تھا کہ وہ نئے زمانے کے ساتھ نئے انداز سے چلنا چاہتا ہے؟

کیس اور داڑھی اُسے رکھنے چاہئیں جنہیں اچھے لگیں' اُن کی شخصیت کا حصہ لگیں...... اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جنہیں داڑھی رکھنی چاہیے وہ پرہیز کرتے ہیں اور جن کی داڑھی ہوتی ہے وہ یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے انارکلی سے بیس روپے کی نقلی داڑھی خرید کر لگالی ہے۔ لباس' ٹوپی جوتے' داڑھی مونچھیں' بالوں کی تراش اگر آپ کی شخصیت حیثیت سے مطابقت نہیں رکھتی تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ آپ شعار زندگی سے واقف نہیں اور نہ ہی تعلیم و تمدن سے آپ نے کچھ سیکھا ہے۔

رات کی ہنیری آندھی اور بعد کی ہلکی سی پھوہار نے رُت گدرا دی تھی۔ ویسے بھی چندی گڑھ کی شامیں شاندار اور راتیں بھیگی بھیگی ہوتی ہیں جو قدرے اُمس پیدا کرتی ہیں۔

● سمے کی سمیا......!

مجھے چاہیے تھا کہ کر سیدھی کر لیتا مگر بلونت سنگھ کے قصّے نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہوا تھا۔ نیند کی دیوی سے تو تب "آئی لو یُو" ہوتی ہے جب مکمل خالی الذہن ہو کر بدن کو ڈھیلا چھوڑ دیں اور بستر کے ساتھ بستر بن جائیں اور اگر آپ کے دماغ کی گراریاں کہیں اور پھنسی ہوئی ہیں یا خیالات کے بُلبلے بن رہے ہیں پھوٹ رہے ہیں تو نیند کسی اور کے ہاں چلی جائے گی جس نے صبح سویرے بچوں کی روٹی پیدا کرنے کے لیے کسی مزدوری پہ کھڑا ہونا ہے۔ مجھ ایسے نکھٹو کے ہاں نیند پہلے کون سے لمبے ڈیرے ڈالے پڑی رہتی ہے' بس دو چار گھڑی اِک جھپک ہوئی پھر' پھر ہو گئی۔

واش روم جانے کی حاجت ہوئی...... جو باہر برآمدے کے انتہائی کونے پہ واقع تھا۔ باہر نکلا' آسمان پہ چھدرے چھدرے بادلوں کے ٹکڑے' ہلکی ہلکی ہوا کا مجھے چھو کے گزرنے والا جھونکا یقیناً کسی چنبیلی کے پودے سے چھیڑ خانی کر کے آیا ہوگا' بھینی بھینی مہک نے مجھے سرشار کر دیا تھا...... باتھ روم والی ضرورت بھول گئی اور میں وسیع میدان کی طرف نکل آیا۔ یہ وہی جگہ تھی جدھر گئی رات کی محفل جمی تھی...... بیشتر بھاری سامان ابھی

Scanned with CamScanner

اِدھر ہی پڑا تھا۔ میں یہاں سے گزر کر اُس طرف ہو لیا' جدھر کچھ گھنے درخت اور ایک بڑا سا تالاب دکھائی دیا۔ یہ تالاب شاید مچھلیوں کے پالنے کے لیے تھا۔ دائیں طرف بڑے بڑے لکڑی کے ڈربے دکھائی دیے' ان میں مُرغیاں مُرغابیاں یا تیتر بٹیر ہوں گے۔ ان کے کنکنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان آوازوں میں ایک آواز ''سبحان تیری قدرت'' کے مشابہ تھی یقیناً یہ کوئی کالا تیتر تھا جو اس صبح گاہی میں اپنے مالک و خالق کی حمد میں رطب اللسان تھا۔ میں مزہ لینے کی خاطر قریب آ گیا۔

چرند ہوں یا پرند کوئی بھی جانور اپنے مالک و خالق کی حمد و ثناء سے غافل نہیں رہتا۔ وہ علی الصبح بیدار ہو جاتے ہیں' ہم سمجھتے ہیں چڑیوں کووں نے صبح صبح کیا شور مچا رکھا ہے؟ چوں چوں...... کائیں کائیں' چہچہانا سخت ناگوار گزرتا ہے۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ یہ تمام اپنے مالک کی حمد و ثنا کر رہے ہوتے ہیں......

پرندوں میں کالا کوا موذنِ اوّل ہے...... سب سے پہلے وہ بیدار ہو کر حمد و توصیف میں مشغول ہو جاتا پھر کالا تیتر!...... آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں ان کے ساتھ لفظ کالا کیوں لکھ رہا ہوں۔ کوے تیتر کالے ہی ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک غور طلب نکتہ ہے صاحبانِ فہم و ذکاء کے لیے۔

کچھ دیر میں ان ڈربوں کے پاس کھڑا رہا پھر آگے بڑھنے لگا تو ایک کالا سا کتا' جانے کدھر سے اِدھر پہنچ گیا...... اُس کی سیاہ چشمِ نیم ملگجے میں بھی سیاہ آنسوؤں کی مانند جھلکیں مار رہی تھی۔ وہ بے کھٹکے میرے پاس پہنچ کر میرے پاؤں چاٹنے لگا...... ہلکے ہلکے چکّے بھی مارے۔ چکّے' کتے کا لاڈ پیار ہوتا ہے' وہ پنڈلی پہ جبڑا رکھ ہلکا سا دباتا ہے پھر چھوڑتا ہے پھر دباتا ہے۔ اپنے پیار کے اظہار کے لیے اُس کے پاس یہی طریقہ ہے۔

اپنے بچے رحیم اللہ خان کے گاؤں جب بھی جانا ہوتا ہے تو اُن کا کالا کتا کالو بھی مجھے دیکھتے ہی دوڑ لگاتا میرے پاس پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ ہوتا ہے اور میرے پاؤں پنڈلیاں اور چکّے۔ گھر والے کہتے رہتے ہیں ہٹاؤ کالو کو' بابا جی کے کپڑے پلید کر رہا ہے۔ میں اُنہیں منع کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ پیار پلید نہیں کرتا' بلکہ پلیدی صاف کرتا ہے۔

میں کہیں بھی پہنچوں کچھ ''کالو'' میرے پاس ضرور پہنچ جاتے ہیں۔ جیسا کوئی ہوگا ویسے ہی اُس کو یار' واقف کار بھی ملیں گے......

کند هم جنس باهم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

یہ خوبصورت کتا کہاں سے آیا؟...... جواب بھی خود ہی نکل آیا۔ اِنہی فارم والوں کا ہوگا۔ کتوں کے معمول میں ہوتا ہے کہ صبح صبح ہلکی پھلکی ورزش' حاجت و فراغت کے لیے باہر نکل آتے ہیں...... اِدھر سونگھ' اُدھر

Scanned with CamScanner

پنجے مار..... ٹانگ اُٹھا کر موتنا' کسی پرندے کے پیچھے پڑنا' غرانا' بھونکی لگانا وغیرہ۔ تھوڑی دیر تک وہ میرے آگے پیچھے لاڈیاں مستیاں کرتا رہا پھر اچانک ایک طرف بھاگ نکلا' یوں جیسے اُسے کوئی کام یاد آ گیا یا کسی نے بُلایا ہو۔ ایسی بھاگم بھاگی کتے عموماً کسی خرگوش موش کے لیے ہی کرتے ہیں۔

جس جانب اس کالو کا رُخ تھا اُدھر کچھ پیڑ درخت دکھائی دیے شاید کوئی چھوٹا موٹا باغ باغیچہ تھا یا پھلدار درختوں کا ذخیرہ؟...... غیر ارادی طور پہ میں اُدھر ہو لیا۔ فطری امر ہے کہ جب انسان اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہوتا ہے اس دوران اُسے کہیں روشنی کی کرن دکھائی دیتی ہے تو بلا ارادہ اُدھر کا رُخ اختیار کر لیتا ہے یا وہ کسی ایسے لاینحل مسئلے میں پھنسا ہوتا ہے جس سے نکلنا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ ایسے میں فطرت اِسے ایسی کسی راہ پہ ڈال دیتی ہے جو اس کے لیے انجان ہوتی ہے پھر اسی عجائب وغرائب میں سے مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکل آتا ہے۔ بُرے موسم' بارش' برف باری میں پائیلٹ اپنی کارکردگی کو فی الوقت موقوف کر کے' جہاز کو آٹو پائیلٹ کے سپرد کر دیتا ہے۔ آٹو پائیلٹ' زمینی رہبری کی مدد سے جہاز کے لینڈنگ سسٹم کو اپنے کنٹرول میں لے کر جہاز بحفاظت لینڈنگ کروا دیتا ہے۔ اس دوران پائیلٹ کا اپنا کوئی رول نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اپنے آگے دائیں بائیں کچھ دیکھ سکتا ہے۔ نامساعد حالات اور بے یقینی مایوسی کی کیفیت میں' فطرت قدرت ہی ہوتی ہے جو آٹو پائیلٹ کا کردار ادا کر کے صحیح لینڈنگ یا ٹیک آف کرا دیتی ہے۔

کالو تو اپنی رَو میں بھاگتا ہوا کہیں غائب ہو چکا تھا اور میں اپنی دُھن میں خود کو دھکیلتا ہوا' اس جگہ تک آ پہنچا جدھر کانٹے دار تار اور لکڑی کی ایک مضبوط سے باڑ نے آگے بڑھنے کے لیے رُکاوٹ پیدا کر رکھی تھی۔

صُبحگاہی کے دُودھیائی ملگجے میں برکت پڑ چکی تھی اور میں ایک سیکورٹی گیٹ کے باہر آویزاں ایک بورڈ کو پڑھ رہا تھا جس پہ گورمکھی ہندی اور انگریزی میں خبردار کرتے ہوئے لکھا تھا: "یہ جگہ' جس کے گرد پیلے رنگ کی دیوار بنا کر حد بندی کر دی گئی ہے..... کوئی بھی فرد' متعلقہ' غیر متعلقہ اس حد بندی کو پار کرنے کی کوشش میں بجلی کے شاک' خونخوار کتوں کے حملے یا کسی گولی کا نشانہ بن جائے تو وہ اپنے انجام کا خود ذمہ دار ہوگا۔ خبردار کر دیا گیا ہے....."

میری تو ہنسی کھسک گئی۔ میں سوچ رہا تھا' آدم اِتنا بڑھا ہو جانے کے باوجود ابھی تک نابالغ ہی ہے' وہ کسی کا انجام کیسے لکھ سکتا ہے؟ آدم' آدم کے پاس آئے تو وہ اس پہ کتے چھوڑ دے' بجلی کا شاک لگوا دے یا سیسے کا سلگتا ہوا ٹکڑا' اُس کے جسم میں داخل کر دینے کا اختیار حاصل کر لے؟

بلّی کے پیارے سے بلونگڑے جیسے بلونت سیہاں کا یہ انتہائی سخت رَوّیہ' سمجھ میں آ جانے کے باوجود

Scanned with CamScanner

میں ہضم نہ کر سکا...... گروؤں اور گرنتھ کو ماننے والے' اپنے اک رب سچے پہ ایمان رکھنے والے...... اک معصوم سی بیار بچی کے باپ کو تو بڑا شفیق اور رقیق القلب ہونا چاہیے نہ کہ وہ ایسا شقیق القلبی' انتہاپسندی اور انسان دشمنی کا مظاہرہ کرے کہ کوئی اُس کے قریب تک نہ پھٹکے...... ایسے انتہاپسندانہ سوچ' رویوں کے حامل افراد' نیم پاگل یا نفسیاتی مریض ہوتے ہیں...... وہ کسی وقت کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ان سے محتاط رہنا بہت ضروری ہوتا ہے کہ زندگی کی ٹوٹی ہوئی مالا تو دوبارہ پہلی سی حالت میں لانا ممکن نہیں ہوتا......؟

ایسے مریضوں کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ پہلی قسم ایسے افراد جو اَبنارمل پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے مراد وہ بچے جو شروعِ حمل ٹھہرنے سے لے کر پیدائش تک نہ خود قرار پکڑتے ہیں اور نہ نو مہینے بدنصیب ماں کو چین لینے دیتے ہیں۔ اس کروٹ' کبھی اُس کروٹ' نیچے کبھی اوپر...... دل پکڑا کبھی کلیجے پہ چڑھے۔ نو ماہ تک زچہ عذابِ مسلسل کی سولی پہ ٹنگی رہتی ہے۔ مرنا چاہے تو مر نہیں سکتی اور جینے یہ بچہ نہیں دیتا۔ آخری دنوں تک نیم مُردہ سی مختلف عوارض کا شکار رہتی ہے۔ اکثر جنم دیتے سمے جیون کی بازی ہار جاتی ہے۔ یہ اس خبیث بچے کا آخری تحفہ ہوتا ہے جو وہ ماں کو پیش کرتا ہے۔

دُنیا کے ظالموں' قاہروں' قاتلوں' انسانیت دشمنوں' آمروں' ڈاکوں ٹھگوں کی تاریخ اُٹھا کر پڑھیں' معلوم ہوگا اُنہوں نے نہ خود چین لیا نہ کسی کو لینے دیا...... اپنی ماؤں کو زندہ کھا گئے' اپنے خاندان کے لیے ننگِ خاندان کہلائے۔ اُن کے مرنے' قتل ہونے پہ کوئی افسردہ نہ ہُوا...... خس کم جہاں پاک کہہ کر آگ یا گڑھے میں ڈال دیا گیا...... یا ایسے مُردودوں نے خود ہی خود کو واصلِ جہنم کر دیا۔ یہ بدروح جب تک زندہ رہتے ہیں ان سے کبھی کسی کو فیض فائدہ حاصل نہیں ہوتا...... تخریب کاری' فساد' فسق و فجور' قتل و غارت' سازش و شرارت ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہوتی ہے۔ جھوٹی نبوت اور خدائی کے دعویٰ دار بھی ایسے ہی فتنۂ عالم لوگ تھے۔ اُن کے انجام سے کون واقف نہ ہُوا؟...... یزید' شمر' ہلاکو خان' چنگیز خان' مسلمہ کذاب' رجل جبل' حسن بن صباح' راسپوتین' ہٹلر' امیر علی ٹھگ......!

سوال پیدا ہوتا ہے ایسے لوگ' ایسا نصیب لے کر دُنیا میں آتے ہیں یا خود بخود ہی پید ہو جاتے ہیں یا پھر پیدا تو صالح سالم ہوتے ہیں بعد میں ماحول تربیت اُنہیں غلط راہ اور منفی سوچ کی طرف دھکیل دیتی ہے؟ یا پھر وہ نطفے اور خمیر میں منفی ارجحانات کے ایسے سالمے لے کر آتے ہیں جو اُنہیں صالحیت راستی بھلائی کی جانب آنے ہی نہیں دیتے۔ یہ بھی کہ اَبلیسی قوتوں یا فلکی استعانتوں کے زیرِ اثر ہوتے ہیں......؟

میرا تجربہ مشاہدہ میری رہبری کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر زیادہ تر ہماری بے علمی' اخلاقی و رُوحانی پس ماندگی محرک رہتی ہے۔ ہر علم اور عمل کے کچھ ضابطے ہوتے ہیں اسی طرح ضابطہ

Scanned with CamScanner

بائے حیات و ممات بھی ہیں۔ قلم تراشتے ہوئے بھی تو کچھ چاقو چھری کی تیاری کرتے ہیں۔ نہاتے دھوتے' کھاتے پیتے' یہاں تک کہ لڑتے جھگڑتے بھی کچھ اہتمام ہوتا ہے۔ اگر ہم احتیاط نہیں کرتے تو وہ عمل ہے اپنی بیوی کے قریب جانے کا؟ شراب سگریٹ چرس بھنگ' پیٹ بھر کر کھانا' بغیر سوچے سمجھے' وقت بے وقت' آمادگی' رغبت بے رغبت ہم جٹ جاتے ہیں...... یہ تو وہی بات ہوئی کہ کھانا دیکھتے ہی پل پڑتے ہیں' بے طرح ٹھونستے ہیں' نہ اچھی طرح چباتے ہیں نہ دو لقموں کے درمیان وقفے کا خیال...... بے طرح پیٹ بھر لیا جائے تو کیا ہوتا ہے۔ معدہ خراب' تے' درد' بواسیر' کھٹے ڈکار' نیند میں بے مزگی...... ''وقت دی نماز تے کویلے دیاں ٹکراں'' سیانے ایسے ہی تو نہیں کہہ گئے یہ بات......!

کوئی وقت رحمانی ہوتا ہے اور کوئی سماں شیطانی ہوتا ہے۔ کوئی بسم اللہ کی ساعت ہوتی ہے تو کوئی استغفر اللہ کا وقفہ!...... اکثر نطفے ایسے کڑنے' بے آسودہ اور بے برکتے لمحوں میں قرار پکڑتے ہیں جب ارض و فلک پہ شیطان اور اُس کے چیلوں پہ شہابیوں کی سنگ باری ہو رہی ہوتی ہے...... وہ بھاگ بھاگ کر شہابیوں سے بچتے ہیں...... کوئی شہابیہ اُن سے ٹکرا جائے تو اُس کا اثر زائل کرنے کی خاطر اِدھر اُدھر اُچھال دیتے ہیں۔ جدھر کوئی اچکا لگ اُدھر ویسا ہی شیطان پیدا ہو جائے گا جس نے یہ اُچھالا تھا۔

پرانے بزرگ کسی صالح مند نیک کو اک نظر دیکھتے اور کہتے۔ ''بسم اللہ دا نطفہ لگدا اے'' کیا مطلب؟......

مطلب یہ کہ جب انسان اپنی نسل کو آگے بڑھانا چاہے تو اللہ سے خیر مانگے...... اُس کا نام لے' بسم اللہ پڑھے' ساعت کی تلاش کرے' رضامندی لے' سنتِ آدم' طریقہ رسول صلعم ذہن میں رکھے تو خیر ہوتی ہے۔ شرابیوں چرسیوں نسوانے بازوں اور محض نفسانی خواہش کی خاطر' بیوی کے قریب جانے والوں کے ہاں اکثر ناآسودہ خاطر بچے جنم لیتے ہیں۔ زندگی بھر بیماری' عسرت' ناہمواری' بے برکتی اور نحوست اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

اللہ کی سلطنت میں' سُنا ہو گا کہ مادر زاد ولیوں نے جنم لیا...... ماں کے پیٹ میں کسی نومولود نے پورا قرآن حفظ کیا۔ کسی نے آدھا اور کسی نے کچھ پارے...... کچھ مادر زاد تحصیل علم کر کے پیدا ہوتے تھے اور مائیں' چکی بھی چل رہی ہے' تلاوت بھی جاری ہے...... ایسی بھی مائیں' شیر خوار کو بن وضو دودھ نہیں پلایا...... باپ کا رزق' برتاؤ' رویے' طور طریق' اخلاق و اخلاص اگر صالح ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ آگے آنے والی نسل کی بہبود بہتری کے لیے اُس نے کیا کردار ادا کرنا ہے تو وہ پھر اول دن سے لے کر پیدائش تک ہر عمل و حرکت میں احتیاط سے کام لے گا۔

پہلے غازی اور مجاہد پیدا ہوتے تھے' عالم و فاضل' حافظ و محدث جنم لیتے تھے۔ کامیاب تاجر'

Scanned with CamScanner

زُبدۃ الحکماء' معلم و مدرس' فقیہہ و قاضی القضاء پیدا ہوتے ہیں کہ اُن کے بڑے اور ماں باپ بھی متوکل' رزقِ حلال کے خوگر اور وظیفہ ہائے حیات کو جاننے والے ہوتے تھے۔ اِس دور میں اکثریت دین و مذہب سے بے بہرہ' اخلاق و انسانیت سے عاری' ملک و ملت خاندان پہ بھاری' نِھوند' نشیئے' جنسی اخلاقی انسانی بے راہروی کا شکار' سدا کے بیمار' بھتہ خور' دہشت گرد' موبائل جھپٹنے والے' اغواء برائے تاوان والے پیدا ہوتے ہیں کہ زیادہ قصور والدین کا...... ماحول اور سوسائٹی اور اپنے میڈیا کا...... جنہوں نے اچھائی بُرائی میں توازن برقرار نہ رکھا۔ سنسنی خیزی' خوف و ہراس اور اپنی فوقیت' اہمیت بڑھانے کی خاطر' بے احتیاطی سے کام لیا۔ جس نے نئی نسل پہ مثبت کی بجائے منفی اثرات ڈالے۔

دوسری قسم کے غیر متوازن بچے' اُن لوگوں کے ہاں اکثر پیدا ہوتے ہیں جو نام نہاد پیروں فقیروں' عاملوں کے ہاں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ تعویذ گنڈے' دَم پھونکے جادو تعویذوں سے اُنہوں نے اپنا بیڑہ غرق کرلیا ہوتا ہے۔ کچھ توہمات میں جکڑے ہوئے لوگ بھی جو ہر کام حرکت میں کوئی نہ کوئی شگون اُٹھاتے ہیں۔ بلاوجہ کی احتیاطیں کرتے ہیں' غیر اللہ' غیر مذاہب کی مافوق الفطرت باتوں کاموں پہ غیر ضروری توجہ دیتے ہیں۔ ایسے گھروں میں ایسے بچے ہوتے ہیں جو روحانی' نفسانی اور اذہانی طور پہ متوازن نہیں ہوتے۔ وہ زندگی بھر منفی رُجحانات کی جانب ہی جُھکے رہتے ہیں!

تیسری قسم میں ایسے لوگ آگئے ہیں جن کے جینز میں ہی یعنی خُونی وراثت میں اُدھورا پن' پاگل پن' عدمِ برداشت' اِنتہاپسندی' خود پسندی اور منتقم مزاجی ہوتی ہے۔ ایسے بچوں کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔ جیسا بیج ہوگا' سارے کھیت کا کماد بھی ویسا ہی ہوگا...... کانٹے میں پودا کیسے اُگ سکتا ہے؟...... بھیڑیے کے ہاں بھیڑ کا بچہ پیدا نہیں ہوسکتا!

چوتھی قسم ایسے کسی انسان کی ہوتی ہے جس کی پیدائش میں انسانی عمل کم اور غیر انسانی دخل زیادہ ہوتا ہے۔ اِس دُنیا کی تماشا گاہ میں ایسے ایسے تماشے واقع ہوتے ہیں کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اس کے دائرہ وہم وگمان' عقل و خرد کے کسی خانے میں وہ بات فٹ ہی نہیں کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً کوئی ایسا فرد جس کا باپ یا ماں' بشر نہیں ہیں۔ اُس کا نطفہ غیر انسانی ہے یا کوکھ کسی عورت کی نہیں' عقل قبول ہی نہیں کرتی...... لیکن ذرا سوچئے کہ آج کل جو کچھ ٹیکنالوجی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے کیا پچاس ساٹھ سال پیچھے ان پہ یقین کیا جا سکتا تھا؟...... یہ سب کچھ محض دیوانے کی بڑ اور مشرکانہ باتیں سمجھی جاتی تھیں۔ مولوی حضرات آج بھی نہیں مانتے کہ انسان چاند پہ اپنے قدم رکھ چکا ہے اور جلد آنے والے وقتوں میں وہاں انسانی کالونیاں آباد ہوں گی۔ بچے سرہالیڈے اور نئے بیاہتا جوڑے ہنی مون کے لیے جایا کریں گے۔"

Scanned with CamScanner

میرے ایک کاروباری بچے نے جو امریکہ میں ایک سرجن ہے ایسے بچے کا قانونی باپ ہے جو اسی کے نطفہ سے ہے لیکن اُس کی منکوحہ بیوی کی کوکھ سے نہیں۔ کوکھ ایسی نامعلوم پیشہ ور عورتوں کی حاصل کی جاتی ہے جو معاوضہ پہ کسی مرد کا نطفہ اپنے رحم میں رکھوا لیتی ہیں۔۔۔۔۔ بچے پیدا کر کے "پارٹی" کے حوالے کر دیتی ہیں' نہ مرد کو علم کہ وہ عورت کون اور نہ عورت کو پتا وہ مرد کون؟۔۔۔۔۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے محض پارٹی یا کلائنٹس ہوتے ہیں' درمیان میں وہ قانونی یا غیر قانونی ادارہ' جو ایسے اولاد کے متمنی جوڑوں کی مدد کرتا ہے جو کسی بھی وجوہ کی بنا پہ خود اولاد پیدا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

"کاجل کوٹھا" میں ممبئی کی ایک لڑکی سنبل سہانی کا خاصی تفصیل سے ذکر ہوا ہے جو "تن کوری" تھی' ایسی لڑکی ہزاروں میں کوئی ایک آدھی نکل آتی ہے۔ جو ساری زندگی خود چین سے رہتی ہے نہ اپنے متعلقین کو سکون سے رہنے دیتی ہے۔ تن کوری عورتیں ہی نہیں بلکہ تن کورے مرد بھی ہوتے ہیں۔ شاید آپ میں سے کسی نے ایسی عورت یا مرد دیکھا ہو یا کہیں سنا ہو۔ میرے مشاہدہ میں تو ایسے کئی مرد عورتیں بچے ہیں جن کے ساتھ اسی نوع کے مسئلے موجود ہیں۔ اس میں ان مریض' بدنصیب افراد کا کوئی دوش نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ بس' کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے۔ اگر کسی کے ہاں اپاہج' اندھا' لولا یا ہیجڑا پیدا ہوتا ہے تو اس میں پیدا ہونے والے کا کیا اختیار؟۔۔۔۔۔ یہ تو مقدر' ماحول' تربیت یا پھر ماں باپ کی بے علمی اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اکثر ابنارمل بچوں کی پیدائش میں یہی عوامل کار فرما ہوتے ہیں اور اس تلخ حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔

جس طرح جسم و اعضاء کی افزائش ہوتی ہے اسی طرح ذہنی' باطنی روحانی قوتوں صلاحیتوں کی نشوونما بھی ممکن ہے۔

دُنیا میں ہر جگہ ابنارمل بچے موجود ہوتے ہیں۔ وہاں کے سرکاری' رفاعی ادارے ہر ممکن اُن کی مدد کرتے ہیں' علاج معالجہ اور سیر و تفریح کی سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔ ستر فیصد ایسے ابنارمل افراد صحت یاب ہو کر معاشرے کا حصہ بن جاتے ہیں جبکہ ہمارے ہاں اکثر ابنارمل افراد کو زبردستی "اللہ والا" پہنچا ہوا ولی سمجھا جاتا ہے۔ انھیں جلیاں مارنے' دھمالوں ڈھولوں اور منشیات پہ لگا کر کمائی کا وسیلہ بنا دیا جاتا ہے۔ اُن سے فرادیں' دُعائیں پھونکیں دَم کرائے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ استغفراللہ۔۔۔۔۔!

میرا واسطہ چند ایسے بچوں اور افراد سے بھی پڑا ہے جن کا باپ یا ماں انسان نہیں تھے۔ غیر انسانی مخلوق' درندے چوپائے' دیگر جانور بھی۔۔۔۔۔ ایسا ہونا ناممکنات میں نہیں' بات نطفہ رحم اور باہمی قبولیت کی ہے۔ درختوں پودوں پھل پھولوں' سبزیوں کی جو قلمکاری ہوتی ہے یہ کیا ہے؟۔۔۔۔۔ آج دُنیا میں نوے فیصد زیادہ پھل پھول' سبزیاں ترکاریاں' درخت پودے' اجناس و غلہ اپنی اصلی قدرتی شکل و حالت' خوبی و خوشبو' افادیت و

Scanned with CamScanner

اثرات میں نہیں۔ پہلے موسموں کی اپنی اپنی سبزیاں اور پھل ہوتے تھے' اب بارہ مہینے سب کچھ دستیاب ہے۔ مصنوعی دودھ' گھی' مکھن' چینی' نمک' ذائقے اور مہک...... بغیر مرغیاں لگاتار انڈے دیتی ہیں۔ انڈے مشین میں رکھو دس منٹ میں چوزے چوں چوں کرتے باہر......!

آسٹریلیا سے تخم کے ٹیکے آتے ہیں' بچھڑے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اپنی پسند کا بچہ حاصل کرنے کے اشتہارات تو اخبارات میں آپ پڑھتے ہی ہیں؟...... گنجے سروں پہ گنے کماد کی طرح بال اُگ رہے ہیں...... چہرے اور خدوخال بدلے جاتے ہیں۔ اصلی دانتوں سے زیادہ مضبوط اور خوبصورت' کبھی نہ خراب ہونے والے دانت داڑھیں' تیچیوں کے ساتھ جبڑوں میں کَسے جا رہے ہیں۔ گردے' پھیپھڑے' جگر پتہ آنتیں...... گِٹے گوڈوں کے چپنیاں' زانو پنڈلیوں کے راڈ...... پسلیاں' ناک اور جبڑوں کی ہڈیاں' معدے اور دل لبلبے کے پائپ نالیاں' دماغ کی وائرنگ...... آنکھوں کے کیمروں کے لینز غدے...... سب کچھ یوں تبدیل ہوتا ہے جیسے پرانی گاڑی کے پُرزے نٹ بولٹ تبدیل ہوتے ہیں۔ اب انسان میں اور کسی گاڑی' ٹیلی وژن' کمپیوٹر' ویڈیو گیم' روبوٹ کے میکنزم میں کچھ فرق باقی نہ ہے۔ درست بھی ہے کہ اُستاد کی بیڑھی شاگرد بھی کبھی نہ کبھی بیٹھتا ہی ہے۔

اب انسانی باڈی کے مکینک' پورا چہرہ یا خدوخال' پرانے اعضا' جسمانی ساخت کو جزوی طور پہ یا مکمل بدل دینے پہ قادر ہیں۔

● نہ عروج اچھا نہ زوال اچھا......!

مائیکل جیکسن اور الزبتھ ٹیلر کو کون نہیں جانتا' ان کی آپس میں گہری دوستی تھی جس کی بنیاد میں چند نمایاں مشترکہ قدریں شامل تھیں۔ پہلی قدر ان دونوں کا شہرۂ آفاق اداکار اور گلوکار ہونا تھی...... دوسری حد سے بڑھی ہوئی خود پسندی' خود آرائی' خود نمائی اور پیشہ ورانہ لحاظ سے خود کو منفرد رکھنا...... تیسری قدر' انتہائی دولت مند ہونا' ہیرے جواہرات' بڑی بڑی جائیدادیں' قیمتی گاڑیاں' مہنگے ترین لباس پرس جوتے اور کتے......!

کتے سے یاد آیا...... ایک بار الزبتھ ٹیلر کسی فلم کی شوٹنگ کے لیے امریکہ سے انگلینڈ پہنچی تو دیگر سٹاف میں اُس کا انتہائی قیمتی پیارا کتا بھی شامل' جو اُس کا ندیم خاص تھا۔ اتفاق کہ تیس ان دنوں کسی بیماری کی وجہ سے انگلینڈ میں کتوں کے داخلہ پہ سخت پابندی تھی۔ یہ لاڈلی ممتاز ترین اور دُنیا بھر کی منہ چڑھی اداکارہ بھی اس کی زد میں آ گئی۔ بات اَنا اور وقار کی تھی...... اُدھر اُس کے کام کے خاتمہ تک انگلینڈ میں موجود رہنا ضروری

Scanned with CamScanner

تھا...... اِدھر محکمہ ہیلتھ کُتّے کی کلیرنس نہیں دے رہا تھا۔ جب پائن ووڈ کی کوئی سفارش بھی کام نہ آ سکی تو ''لِز'' نے ایک ایسا فیصلہ کیا کہ جس کو بھی پتا چلا اُس نے حیرت سے مُنہ کھول لیا۔ اُس نے انگلینڈ کی سمندری حدود سے باہر ایک کروزر پہ خدمت گاروں اور ڈاکٹروں کے ساتھ اپنے پیارے کُتّے کو ٹھہرایا۔ کام سے فراغت کے بعد وہ اُس کے پاس پہنچ جاتی...... اس سارے اِنتظام پہ زرِ کثیر خرچ ہُوا...... مگر لِز نے اپنے محبوب کُتّے کی جدائی برداشت نہ کی...... جبکہ انگلینڈ کی ملکہ اور سلور سکرین کی سدا بہار ملکہ' آپس میں گہری دوست بھی تھیں اور برٹش ہونے کے ناتے' انگلینڈ اِس کا اپنا ملک تھا...... عوام اِس سے محبت کرتے تھے' ریاست سیاست میں اِس کا رسوخ واثر بھی کچھ کام نہ آیا کہ محکمہ ہیلتھ اور امیگریشن ایکٹ درمیان میں تھا۔ اِس واقعہ سے لِز کو بین الاقوامی شُہرت ملی......''

بالکل ایسی ہی حرکتیں مائیکل جیکسن بھی کیا کرتا تھا یعنی ہر وقت تحیّر پھیلاتے رہنا' خبروں میں رہنا۔ ایک اور باہمی قدر' جواہرات' مہنگی اور کسی نہ کسی اہمیت کی حامل جائیداد' پینٹنگز اور دُنیا بھر کے خیراتی رفاہی اداروں کی مالی اعانت کرنا بھی تھی۔ جنس برابر اور مخالف سے جذباتی سلسلے بڑھانے میں بھی ان دونوں نے بڑے بڑے معرکے مارے اور اچھی بُری شہرت سمیٹی...... ایک اور بات جو بازار کی نہیں' راز کی ہے کہ ان دونوں کو''ڈیول جینئیس'' کی قوتوں صلاحیتوں پہ بڑا یقین تھا...... دُنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک میں ایسے شیطانی اور روحانی ادارے' سنٹر موجود ہیں۔ جدھر ان قوتوں سے استفادہ حاصل کرنے کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ باقاعدہ اجلاس' پُوجا پاٹ ہوتی ہے' ابلیسی استعانتوں کو رام کرنے کے لیئے' عجیب وغریب قربانیاں نذرانے پیش کیئے جاتے ہیں کہ جنہیں کوئی دوسرا دیکھ لے تو خوف ودہشت سے نیم پاگل ہو جائے...... زندہ چمگادڑوں کے نرخرے سے خون چُوسنا...... اُلو کی نوکیلی چونچ سے اپنے ماتھے پہ شش گوشہ ستارے کا نشان بنانا' یہاں تک کہ خون نکل آئے...... ایسی فضول توہمات پہ یقین رکھنے والے مرد حضرات' پیشانی' بائیں زانو یا شانہ اور عورتیں' ناف سے آدھی بالشت نیچے یا بائیں پستان پہ بنواتی ہیں۔ ان کے راہب جو ڈیول ڈیڈ یا ڈیول ماسٹر کہلواتے ہیں وہ اس ستارے والے نقش کو پشت پہ ریڑھ کے پہلے مہرے پہ بنواتے ہیں...... کچھ اپنی زبان پہ بھی ٹیٹو بنواتے ہیں۔ خنزیر' اُلو' چمگادڑ' خارپشت اور گال گدھ کے تازہ خون کی ''کاک ٹیل'' جسے وہ بڑے اہتمام سے انسانی کھوپڑیوں کے کاسوں میں تیار کر کے' اپنی ابلیسی ضیافتوں' ریاضتوں میں نوش جان کرتے ہیں۔

ان کا یقین ہے اور ان کے ابلیسی نصاب میں واضح ہے کہ ہر نجس ناپاک چیز میں ان کے لیے مُکتی ہے۔ آنجہانی مائیکل جیکسن اور الزبتھ ٹیلر بھی ان توہمات پہ یقین رکھتے تھے۔ وہ اپنی شہرت دولت اور صحت کی روز بروز افزوزی کا کارن' انہی خرافات اور توہمات کو گردانتے۔ مائیکل جیکسن نے تو اپنے جسم کے پوشیدہ

Scanned with CamScanner

جسموں اور پورے چہرے کی ساخت' کھال' خدوخال' رنگت کی تبدیلی کے دوران اپنے ماتھے کی بڑی ہڈی پہ ایسے ایسے نشان اور متروک زبانوں میں فسوں بھی بنوائے تھے۔ جنہیں شاید وہ خود بھی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ مگر اُسے یقین تھا یہ پُراسرار شبد اُس کی کامیابی میں دخیل ہوں گے۔ اسی طرح الزبتھ ٹیلر بھی اسی طرح کے توہمات کا بُری طرح شکار تھی۔ خاص طور پہ "قلوپطرہ" کی فلمبندی کے دوران اُس کے ساتھ کئی ایک ایسے پُراسرار اور پُرخطر حادثات ہوئے کہ وہ بُری طرح بدحواس ہوگئی۔ اُس کے بس میں ہوتا تو فلم کو ادھورہ چھوڑ کر کہیں بھاگ نکلتی مگر یہ اُس کے جیتے جی ممکن نہ تھا۔ اُس وقت کے لحاظ سے قلوپطرہ کا پروجیکٹ' دُنیائے فلم کا عظیم اور مہنگا ترین منصوبہ تھا۔ جس میں بلا مبالغہ ہزاروں اداکاروں اور سیکڑوں بحری جنگی بیڑوں کے علاوہ ہزاروں لاکھوں ہتھیار' ملبوسات اور دیگر لوازمات شامل کیے تھے۔ مشکل' مہنگی اور دُشوار ترین لوکیشن' جن میں صحرا' سمندر' پہاڑ' دریا' شہر' بستیاں باغات' گلی کوچے...... کچھ اصلی اور کچھ بنائے گئے سیٹ...... ان پہ کثیر صرف اُٹھا تھا۔ صرف قلوپطرہ کے کاسٹیوم پہ ایسا بجٹ تھا کہ ایک علیحدہ فلم بن جائے۔ حق تو یہ کہ الزبتھ ٹیلر نے قلوپطرہ کو اپنے فن سے اَمر کر دیا۔ آج بھی اس مصری ساحرہ کا تصور کھینچتے ہی الزبتھ ٹیلر سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ لگتا تھا کہ یہ اسی کردار کے لیے پیدا ہوئی تھی...... لیکن دو چار جاننے والے ہی جانتے ہیں کہ اس لافانی اور شیطانی کردار کو نبھانے کے لیے اِسے کن کن استعانتوں اور وسیلوں کا سہارا لینا پڑا۔ اگر ہندوستانی' مصری' یونانی اور اسرائیلی مافوق الفطرت قوتیں اور کچھ رِجال طاغوت کی فسوں سازی اس کے ہمراہ نہ ہوتی تو وہ شاید دُنیا کی نمبر ایک اداکارہ' حد درجہ امیر اور حسین ترین عورت نہ ہوتی۔"

اگر آپ نے دیکھا ہو تو یاد کریں مائیکل جیکسن کی ایک کمرشل ریلیز ہوئی تھی۔ جس میں وہ ایک قدیمی فرعون کے دربار میں اُس کی ایک حسین و جمیل بیوی کے سامنے ناچتا گاتا ہے۔ وہ اس کے بے مثال گانے اور رقص پہ ہزار جان سے ایسی فریفتہ ہوتی ہے کہ اُسے اپنا ہوش رہتا ہے اور نہ اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے فرمانروا شوہر کا خیال و خوف...... وہ اس کے نادرِ روزگار فن و ہنر سے متاثر ہو کر دیوانہ وار اس کی جانب رجوع کرتی ہے۔ پاس بیٹھا بادشاہ سب کچھ دیکھ رہا ہوتا ہے وہ معاملہ کی سنگینی کے پیشِ نظر اس رقاص جادوگر کو گرفتار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس رقاص کے پاس ایسی شکتی ہوتی ہے کہ وہ کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔ رقص کرتے کرتے پھرکی کی مانند گھومتا ہے اور نیچے ریت میں غائب ہو جاتا ہے۔"

ایسے اور بھی کئی کھیل' پرفارمنس ایسے پیش کیے جن کے بارے کبھی کسی پرفارمر نے سوچا بھی نہ ہوگا؟ اُس نے جو پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک تبدیلی کروائی وہ کوئی خالی از علت نہ تھی...... اس کے پیچھے بھی اُس کی حد درجہ توہم پرستی اور سفلی شکتیوں پہ زبردست یقین تھا...... وہ ساحریت' مصریت' قدیم

Scanned with CamScanner

فسوں کاریوں اَرضی وافلاکی اَولیائے طاغوت اور دیوی دیوتاؤں کے چمتکاروں کو ماننے والا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ دُنیا کے دائرہ میں رہنے والے اسی دُنیا کی اَرضی روحانیت اور ماورائیت سے ہی بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح تیل اور پانی آپس میں ضم نہیں ہو پاتے اسی طرح مادیت میں پرَویا ہوا بشر بھی لاہوتی معارف سے سیر حاصل فیض یاب نہیں ہو سکتا۔ اُسے وہی کچھ بھاتا اور موافق آتا ہے جو اُس کے خمیر اور اجزائے ترکیبی کے قریب قریب ہو۔

میں نے اُسے امارات کے ایک ننھے منّے سے ملک میں دیکھا۔ جسے ملک تو کیا ایک قصبہ بھی نہیں کہا جا سکتا...... چند ہی بستیاں سے کچھ ہی زیادہ رقبہ کے اس ملک میں وہ اپنے خاندان کے چند چیدہ چیدہ افراد کے ساتھ کچھ دن رات بسر کر رہا تھا لگتا کہ رہبانیت کی جانب رجوع کر چکا ہے۔ لمبا بدوؤں والا قدیمی طرز کا چوغہ ریگستانی طرز کے چپل اور سر کی چادر...... داڑھی مونچھ اور بالوں کی تراش خراش سے تو وہ فارغ تھا کہ یہ سب غیر قدرتی اور بے جان تھے۔ پلاسٹک سرجری کا شہکار نمونہ...... لیکن اب ان غیر قدرتی اور مصنوعی اعضاء و بال و پر...... اس کے لیے ایک عذاب بیم بن چکے تھے۔ بے حسی بے جانی کی کیفیتوں نے اُسے نڈھال کر دیا ہوا تھا۔ اُسے اب شدت سے احساس ہونے لگا کہ بہت جلد وہ ایک شکستہ اور بھیانک سراپے میں تبدیل ہو جائے گا اس کی شہرت اور عزت گہنا جائے گی۔

اُس کی جلد جگہ جگہ سے تڑخنے چٹخنے لگی تھی...... کہیں سے رطوبت رستی اور کہیں سے ناگوار بُو آنے لگتی۔ درد کھجلی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ چھونے سے محسوس ہی نہ ہوتا کہ وہ اپنے جسم کو ہاتھ لگا رہا ہے۔ اب وہ اکثر ایسا ڈیزائن کیا ہوا لباس پہننے لگا تھا جو اُس کے جسمانی، خصوصی طور پہ چہرے کے خدوخال کو نمایاں نہ کرے...... محفلوں اور ایسے اجتماعات میں شرکت بھی نہ کرتا جو دن کے اُجالے یا تیز روشنیوں میں ہوتیں۔

روز بروز اس کی پریشانیوں، غیر ضروری ادویات میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ گولی، پتھر لوہے یا لکڑی پہ تو اثر کرتی ہے...... ریت، مٹی، خس و خاشاک کی باڑ یا کپڑے کے پردے پہ کچھ اثر نہیں دکھاتی کہ آہ کا اثر دکھانے کے لیے قلب و جگر کی ضرورت ہوتی ہے...... اصل استخوان پہ مصنوعی گوشت کا اَستر چڑھوا لینے سے تو کھردری کھال کی کھدری نہیں نکلتی......!

اب تو وہ آئینہ کا سامنا کرنے سے بھی کترانے لگا تھا۔ تب اُس کے ایک قریبی دوست نے جو ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھا، مشورہ دیا کہ اگر تم اپنی عاقبت اور دُنیا بچانا اور کسی نحوست کی بجائے ایک بھلے انسان سا انجام پانا پسند کرتے ہو تو اپنے سفلی عقائد و خیالات سے چھٹکارا حاصل کرو...... خدا نے جس طرح بنایا تھا اگر تم اس پہ قانع رہتے، محض شہرت، دولت اور مقبولیت حاصل کرنے کی خاطر خدائی کاموں میں دخل نہ دیتے تو آج

Scanned with CamScanner

تمہاری ایسی حالت نہ ہوتی' دُنیا کی ہر نعمت اور آسائش پالینے کے باوجود تم خود اپنا سامنا کرنے سے کتراتے ہو...... تمہارا جسم' تمہارا ہوتے ہوئے بھی تمہارا نہیں...... تمہارے اپنے تمہیں عدالتوں میں گھسیٹ رہے ہیں۔ تمہارے خلاف بدمعاملگی اور بچوں کے ساتھ جنسی بدسلوکی کے مقدمات چل رہے ہیں۔ پیشہ ورانہ طور پہ بھی تم مسلسل تعطل اور تھکاوٹ کا شکار ہو۔ تمہارے دوست اور پرانا سٹاف بھی آہستہ آہستہ تمہارا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ مائیکل نے جھنجلا کر کھٹ سے جواب دیا۔

''یہ تم کیسے کہہ رہے ہو؟...... لز میری بہترین دوست ہے' مونس غمخوار اور ہر مشکل میں ساتھ نبھانے والی...... اس کے ہوتے مجھے بھلا کسی اور کی کیا ضرورت ہوگی؟''

مسلمان دوست نے ہلکے سے استہزاء کے ساتھ جواب دیا۔

''تم نے کبھی دو ایسے افراد دیکھے ہیں جو ایک ساتھ ڈوب رہے ہوں؟''

مائیکل نے اُس کے عجیب سے سوال پہ پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''دو ڈوبتے ہوئے افراد کو کوئی تیسرا کیسے دیکھ سکتا ہے؟'' ساتھ ہی فوراً ایک اور سوال داغ دیا۔ ''کیا تم نے دو ایک ساتھ ڈوبنے والوں کو کہیں دیکھا ہے؟''

''ہاں' دیکھ ہی تو رہا ہوں...... پرنس! شاید تم نہیں جانتے کہ دو ایک ساتھ غرقاب ہونے والے پانی سے باہر کیسے بھی گہرے دوست رہے ہوں۔ ڈوبتے وقت بدترین دُشمن ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ دونوں جانتے ہیں کہ آج اِن کا اَنت ایک ساتھ ہے لیکن پھر بھی ہر دو کی کوشش ہوتی ہے دوسرے کے کندھے پہ پاؤں رکھے' اُچھالا لے اور کسی طور بچ نکلے...... مگر دونوں ایسا نہیں کر پاتے۔ کھلی آنکھوں غڑپ غڑپ پانی نگلتے وہ بالآخر تہہ آب بیٹھ جاتے ہیں۔ پانی میں کھولنے کی بجائے اگر پانی سے باہر آنکھیں کھول لیتے تو ایسے بھیانک انجام سے دوچار نہ ہوتے۔''

مائیکل جیکسن نے اپنی آنکھوں کو بھی نہیں بخشا ہوا تھا۔ وہ موقع محل کے مطابق مصنوعی رنگدار عدسے استعمال کرتا تھا۔ اَبرو' مژگان' آنکھوں کی بناوٹ سب کچھ پلاسٹک سرجری کی دین تھا۔ ہاں' آنکھوں کے ڈیلوں کے پیچھے ہلکی سی روشنی اصلی تھی۔ جو حالات و حرکات اور ماہ و سال کے ساتھ ساتھ' ساتھ چھوڑتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ پلکیں جھپکنے پہ بھی قادر نہ تھا' کوشش کے باوجود پوری طرح آنکھیں بند کر لینا اُس کے بس میں نہ تھا۔ سانپ کی مانند آنکھیں کھلی رہتی تھیں۔

دُنیا کا شہرت یافتہ' انتہائی دولت مند اور بے حد متاثر کن گائیکی کا شہزادہ' انوکھی اداؤں اور رقص کے سینکڑوں دلفریب سانچوں میں ڈھل جانے والا امن موہنا' جس سے چند لمحوں کی ملاقات کے لیے سربراہان

Scanned with CamScanner

مملکت اور بڑے بڑے انسان منتظر رہیں۔ اگر ایلوس پر سلے وہ آتشہ تھا تو یہ سہ آتشہ رہا۔ اس کی گائیکی' رقص' انداز' لباس' حال حلیہ' جوتے' رومال' کس کس کی نقل نہ ہوئی؟..... اُس نے اک زمانے کو اپنے پیچھے ڈال رکھا تھا۔ لیکن فطرت سے روگردانی' طاغوتی استعانتوں کی فرسودگیوں' نحوستوں اور غیر اللہ سے معاملت نے اسے زندگی اور برکتوں سے بہت دور دھکیل دیا۔ یہاں تک کہ خاک بوس ہونے کے بعد بھی ازدواجی اور خاندانی بدمعاملگیوں کی بدبو' جائیداد اور لین دین کی پیچیدگیوں اور قانونی اُلجھنوں نے اسے نہیں بخشا۔ اس کی شہرت دولت محبوبیت' فن اور انفرادیت نے اسے کچھ فیض نہ پہنچایا۔ یہی کچھ الزبتھ ٹیلر کے ساتھ بھی ہُوا کہ دونوں کی کہانیاں' شوق وشان ..... شادیاں' خانہ بربادیاں' بے رہرویاں وغیرہ غیر فطرتی اور غیر متوازن تھیں۔

کنواں کا پانی' لاکھ ٹھنڈا میٹھا' صاف صحت بخش ہو اگر اُسے نکالنے والا بوکا' مُردار اور حرام جانور کی کچی کھال سے بنایا ہُوا ہو تو پانی کی ساری خوبیاں' شفایابیاں بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔

مسلمان' عیسائی' یہودی یا کوئی ہندو سکھ ہو عقیدہ کا صحیح ہونا بڑا ضروری ہوتا ہے۔ جب ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ نظام ہستی چلانے والا کوئی موجود ہے۔ کائنات کے پیچھے کوئی مالک وخالق بھی ہے..... ہم اُس کی تخلیق ہیں۔ وہ ہماری ڈوریاں ہلاتا ہے تو ہم حرکت میں آتے ہیں' وہ جب چاہے ہمیں ساکت وجامد کر سکتا ہے تو پھر کسی ایرے غیرے کو اپنا ملجا و ماوا ماننے سے کیا حاصل؟..... خدا کی قدرت کہ اُس مسلمان دوست کی سیدھی سیدھی ریا و رعائت سے پاک باتیں' مائیکل پہ کچھ اثر دکھا گئیں۔ خوش قسمتی ہوتی ہے کہ کسی بھی سٹیج پہ انسان راستی کے راستے گمرہی سے بچ نکلے.....!

سر پہ پڑے صبح وشام یوں کٹ رہے تھے جیسے دو دھاری کٹار' حلقوم سے اندر باہر آئے جائے۔ اُسے اندھیرے میں کسی مہین سی کرن کی مانند ایک بات سُوجھی۔ وہ اپنے خاندان کے چند افراد اور بچوں کے ساتھ امارات نکل آیا۔ میڈیا اور دیگر تشہیری ذرائع سے بچنے کی خاطر اُس نے خاطر خواہ بندوبست کر لیا تھا۔ اپنا معمول کا زرق برق' جدید تراش خراش کا لبادہ اتار کر قدیمی بدّوں کی وضع قطع اختیار کی..... عام لوگوں کے درمیان منہ سر ڈھانپے بڑے سکون سے گھومتا رہتا۔ اُسے ایک گونا تسکین وطمانیت کے احساس نے اپنے حصار میں لے لیا تھا..... وہ ہلکا سا سمجھ پایا کہ گلیمر اور نمائشی دُنیا کے باہر دم سادھے' سادگی اور گمنام رہنے میں جو لطف وانبساط ہے وہی فطری زندگی کے اصل مفہوم کی گرہیں کھولتے ہیں۔

ٹھگنے قد' قبول صورت' عام فہم ووجاہت' محدود وسائل ووضع وقطع' جھجکی سوچ وسکت' قانع وقدامت' نیم خواندہ نحیف ونزار' کم گفتار ورفتار' گمنام کُھن زدہ' بے بساط وبے سوادلوگ..... کالے شالملوکوں کی مانند ہوتے ہیں۔ مٹھاس اور کسالی یوں آپس میں ضم ہوتی ہے کہ علیحدہ نہ کیا جاسکے۔ شکل عقل بھی ایسی کہ بس دانتوں تلے

Scanned with CamScanner

دباتے ہی بنے...... بوری بھر لو یا کھیسے میں ڈال لو' پونے میں ڈبالو یا ٹلی پہ نکال لو...... دانتوں میں پھنسے مسوڑھوں پہ چپکے...... ننھے منے سورجے ' گاجر کے کیل...... امیروں کی امرتیوں سے تو بھلے کہ منگل بازار نہیں کسی جنگل نکل لو' جھڑ بھڑے سے جھولے بھر لاؤ......!

کچے اور پکے کانچ میں بس ایک آنچ کا فرق ہوتا ہے' وہی جو گڑ کی راب اور دانہ دار شکر اب میں ہوتا ہے...... پچھڑے اور سانڈ' مطلقہ اور رانڈ یا پھر مائی بھیروں اور ڈکھڑ مانڈ میں ہوتا ہے۔؟

عقل مت کے مختلف نام اور ستر ہزار کام ہیں۔ اسے ابدال بنتے ہوئے دیر لگتی ہے نہ چنڈال میں تبدیل ہوتے ہوئے پتا چلتا ہے۔ کہیں یہ پی کی پکار تو کبھی عمرو عیار ہوتی ہے...... کہیں یہ ستیزہ کار ہے تو کدھر یہ مال' نیلام سر بازار ہے۔ دیپک راگ بھی ہے اور میگھ ملہار بھی...... اس کے کھلیانوں میں تنے اور گنے ایک ساتھ اُگتے ہیں۔ یہاں نبد و فسوار اک ساتھ چٹختے ہیں۔ کہیں یہ مصلحت کی سان پہ چڑھ کے آبدار ہوتی ہے۔ کہیں یہ منطق کے بان برساتی ہے۔ کمان کے جھکاؤ' دریا کے بہاؤ میں بھی کارفرما ہو جاتی ہے۔

عقل اور عشق میں ہمیشہ ڈوبدو...... ایک دوسرے کو چت کرنے کی ٹھنی رہتی ہے۔ کانٹا بھاری تو کبھی سنگ پہ لرزاں طاری...... اُصول' طور طریقے' قانون قاعدے' فلسفے کلیے قرینے' مقابل کے آئینے...... انگشتریوں کے نگینے...... تلاؤ' بہاؤ' سجاؤ...... کسی میں کبھی بھی یکسانی' ایک سی روانی نہیں رہتی۔ ناگہانی کو سہ لینا' برداشت کر لینا...... اس میں سے کوئی سلامتی کی راہ تلاش کر لینا ہی دانش ہے...... دانش فراست' عقل بینش' حکمت کے آپس میں عجیب سے رشتے ہوتے ہیں جیسے جذب جنوں' عشق و عجز کے مابین تعلق و تفاوت...... گراریوں کے کھانچے آپس میں پیوست و پیہم ہوتے ہیں تو حرکت میں برکت پڑتی ہے۔

مائیکل جیکسن کی عقل کی گراریاں باہم پیوست ہو چکی تھیں۔ وہ جان چکا تھا کہ ڈودھ ڈودھ ہی ہوتا ہے اُس جیسی سفید رقیق کوئی دوسری چیز' ڈودھ کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ ''آواز دوست'' نے اُسے بتا دیا تھا کہ دل' فطرت کی طرف رجوع کرنے سے قرار پکڑتا ہے...... در و دیوار برج مینارے گارے مٹی پتھر پلاسٹک' لکڑی لوہے سے تو بنائے جا سکتے ہیں مگر انسان نہیں...... وہ تو اللہ خالق و مالک کے ہاتھوں سے ہی تشکیل پاتا ہے۔ جو ماں نے جنم دیتے سمے تمہیں جسم و جاں' اعضاء و ادا دی تھی وہی فطرت اور اصل تھی۔ دُنیا کی اشیاء' قبر اور سمندر قبول نہیں کرتے...... مردے کو کپڑے کا کفن دینا...... ہمارا شرعی شعار ہے جو ضروری ہے مگر یہ شہید اور عاشق اس سے چنداں مستثنیٰ کیوں ہوتے ہیں کہ یہ راہ ہی اُولڑی ہوتی ہے۔

''آواز دوست'' نے اُسے سمجھا دیا تھا' دروازہ مکمل بند ہونے سے قبل داخل ہو جاؤ...... ورنہ......؟

مائیکل جیکسن بھی تن گورے مردوں کی ایک ایسی قسم سے تھا جو سراپا اسرار تھے۔ ان کا اوّل بہتر نہ

Scanned with CamScanner

آخر......لیکن یوں بھی مشاہدہ میں آیا کہ بعض تن کورے فرد وزن انتہا کے فطین ذہین اور مخترع ہوتے ہیں۔ ایسے ایسے کارنامے ایجادات اور فن پارے تخلیق کرتے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ وہ اپنی انفرادیت بوالعجیوں محیر العقول عادات خیالات وافکار میں زندہ رہتے ہیں۔ دنیا میں علم وہنر فن وفکر سیاست وریاست عسکریت وفتوحات کے جو کارنامہ ہائے پڑھنے دیکھنے سننے کو میسر ہیں......غور کریں تو ان کے عقب میں ہمیں ایسی ہی نابغۂ روزگار ہستیوں کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جو اپنی شاخ زعفران سی شخصیت وشرف کے سیاق وسباق میں کسی نہ کسی مقام کے تن کورے تھے۔

ان عجوبہ صفات لوگوں کو بنظر غائر دیکھا جائے تو ماضی قریب وبعید میں لیڈروں آمروں میں ہمیں ہٹلر مسولینی مارگریٹ شاہ فاروق ظاہر شاہ قذافی فنکاروں میں الزبتھ ٹیلر مائیکل جیکسن جیکولین مارلین منرو چارلی چپلن الفرڈ ہچکاک آرڈے ہیرن مائیکل کین نگار سلطانہ بیگم پارہ ستارہ گرودت ثریا لتا منگیشکر سلمیٰ آغا...... ادیبوں شاعروں میں برنارڈ شا آسکروائیلڈ آئن سٹائین قرۃ العین حیدر میراجی ن م راشد عصمت چغتائی وحید مراد ساغر صدیقی شاہینہ جمیلہ رزاق استاد امانت علی خان تنویر نقوی عارفہ صدیقی ذوالفقار علی بھٹو ساحر لودھی فریحہ پرویز اسلم پرویز مینا کماری ساحر لدھیانوی سہگل مدن موہن فریدہ خانم جون ایلیا بڑے غلام علی خان صادقین 'چھورام' کے آصف اور نور جہان...... چند ایک اور بھی......یہ سب بڑی عجوبہ ہستیاں کم وبیش حیثیت میں تن کورے تھے۔ یہ بات تو سمجھ میں آ چکی ہوگی کہ تن کوری جنس ایک بالکل علیحدہ "پروڈکٹ" ہوتی ہے جیسے کسی مصنوعات کے سپیشل یا لمیٹڈ ایڈیشن ہوتے ہیں۔

تن کوری شخصیت کی پیشانی کے عین وسط میں ایک گھیرے دار ابھار ہوتا ہے جو ہرگز ہرگز کسی عام شخص کی نگاہ میں نہیں آسکتا......حتیٰ کہ دوسرا تن کورا بھی جان نہیں سکتا۔ اس نشان اور دیگر تن کوری علامات کو کوئی "خاص" ہی پہچان سکتا ہے۔ یہ خاص لوگ دوسرے لوگوں کی طرح گھل مل کر وقت گزارنا اور کسی سے بھی بے تکلفی پسند نہیں کرتے۔ مطلب کی اور حتمی بات کرتے ہیں جس میں رد وبدل کی گنجائش نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ دوستی اور تعلقات کے معاملہ میں بڑے محتاط ہوتے ہیں۔ شادی سے پرہیز یا پھر ایسا فیصلہ کرتے ہیں کہ سننے والے کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرنے لگتے ہیں۔

ایک تن کوری دیکھی ایسی حسین وجمیل کہ پورے علاقہ میں کوئی عورت اس کی ہمسر نہ تھی......چھوٹی ذات سے تھی مگر کئی بڑے بڑے اونچی ذات برادری والے اس کے چکر میں تھے۔ روپیہ پیسہ سونا چاندی مویشی باڑے ہر طرح کی پیشکش اس کے قدموں میں ڈھیر تھیں......بھرپور بے دھڑک ایسی کہ کئی ایک سورے اس نے سیدھے کر دیئے تھے۔ آئے دن کے تماشے سے تنگ آ کر پنچوں نے فیصلہ سنایا کہ وہ ایک ماہ

Scanned with CamScanner

کے اندر اندر کسی مرد سے بیاہ کر لے ورنہ گاؤں چھوڑ کر کہیں چلی جائے۔ اُس نے مجبور ہو کر شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی جات کے ایک انتہائی غریب بچّے سے جس کی عمر بمشکل چھ سات ماہ تھی' گود میں اٹھا کر پھیرے لے لیئے۔ پنچائت نے بچّے سے شادی پہ اعتراض لگایا۔ اس نے جواب میں بچّے کو ننگا کر کے مرد ثابت کیا۔ اپنی مرضی پسند سنائی...... اس شوہر بچّے نے جو اس کی گود میں پڑا' بکری کا دودھ چسک رہا تھا...... پیشاب کی دھار بہا کر اپنی مردانگی کا ثبوت دیا۔

پندرہ بیس برس بعد جب اس کا شوہر بمشکل جوان مرد ہُوا' یہ بڑھیا کھوسٹ بی' اپنے اس ''شوہر بچّے'' کے لیے پوری بیلتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ چند ماہ بعد پھاگن میں اپنے شوہر کو طلاق دے کے پڑوس کی اوشا سے اس کے لگن کی بات چلائے گی کہ دونوں اب آپس میں آنکھوں آنکھوں باتیں کرنے لگے تھے۔

ارضی و افلاکی حساب کے اک خاص سے' اگر دو تن کوروں کا ملن ہو جائے تو کمال کے حادثات ہوتے ہیں۔ اک ڈوبے کی تن کوری جانے بغیر وہ بے پناہ اپنائیت کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک ڈوبے سے تعاون میں پیش پیش اور ہر لمحہ جانثاری میں آگے...... لگتا ہے وہ دونوں اک ڈوبے کے لیے ہی پیدا ہوئے' وہ مر جاتے ہیں مگر الگ نہیں ہوتے۔ اگر دونوں فنکار ہیں تو ایسے کارنامہ ہائے انجام دیتے ہیں کہ اک زمانہ کو اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں۔ اگر رومان پسند ہیں تو عشق میں کوئی تاریخ رقم کرتے ہیں۔ ادیب شاعر ہیں تو اشفاق احمد اور بانو قدسیہ' حجاب اور سید امتیاز علی تاج' عصمت چغتائی اور شاہد لطیف' چترا اور جگجیت سنگھ بن کر نام کماتے ہیں...... اَینار ملتی' ماورائیت' تحیر اچھی بُری شہرت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی...... اور ایسا بھی ہُوا کہ ایک تن کورا' کسی بھی حالات یا وجہ سے کسی غیر تن کورے سے وابستہ ہونے پہ مجبور ہوا تو دونوں ڈوب گئے۔ ایسے گھتائے کہ گن کی طرح کھائے گئے' پر علیحدہ نہیں ہوئے۔ ایک دوسرے کو لے ڈوبے مگر اک ڈوبے کا ساتھ نہ چھوڑا...... یہ خالصتاً ایک نفسیاتی اور ماورائی بشری فطرت و سرشت کا مسئلہ ہوتا ہے۔ جسے شاید کوئی عالم و فاضل' ماہر بشریت و انسانیت ابھی تک کماحقہٗ سمجھ نہیں پائے۔

لارنس آف عریبیہ کا بدنام زمانہ کردار ادا کرنے کے لیے اسٹیج کا اداکار پیٹر اوٹول ہرگز منتخب نہ ہوتا اگر وہ تن کورا نہ ہوتا۔ اس کردار کے لیے سر لارنس اولیور اور رچرڈ برٹن موزوں اور زیرِ غور تھے مگر باوجود خواہش اور کوشش کے یہ کردار حاصل نہ کر سکے تھے۔ حقیقی لارنس آف عریبیہ' ماضی بعید کی دو اہم شخصیت میں سے ایک تھا جو تن کورے تھے دوسری رُسوائے زمانہ شخصیت جاسوسہ ماتا ہری کی تھی۔ اسی شہکار اور بڑی فلم میں ایک اور تن کورا' آئی ایس جوہر بھی شامل تھا جو اُس وقت فلم انڈسٹری کا واحد' تین ایم اے اداکار' ہدایت کار تھا۔ اس کے علاوہ فلم میں تین اور بھی تن کورے تھے۔ سر ایلس گنس' عمر شریف اور ضیاء محی الدین...... گویا اس مشہور زمانہ فلم میں

Scanned with CamScanner

تن کوروں کی ریکارڈ اکثریت شامل تھی جو مثبت نتائج کی متقاضی ہوئی۔

چندی گڑھ کی شبینہ موسیقی کے بعد جگجیت سنگھ نے مجھے اپنے عزیز بلونت سنگھ سے بطور خاص تنہائی میں ملوایا کہ اسی کی خاطر مجھے ادھر بلوایا گیا تھا۔

اس خوبصورت سے نوجوان نے چند لمحوں کی ملاقات میں جو پہلی چیز مجھ سے شیئر کی وہ یہ تھی کہ "میں زحلی تن کورا ہوں" زحلی اور قطبی تن کوری شخصیات اپنے کچھ علیحدہ سے تشرفات کی حامل ہوتی ہیں۔ ایسے ہی جیسے اندھیرے میں جگنو یا شرارہ چمکے۔ زحلی کو شرارہ اور قطبی کو جگنو کی صفات سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔

اسی طرح شمسی' قمری' عطاردی' اسی طرح حملی' قوسی' اسدی' سنبلی' ثوری' جدی' جوزی' یزانی' دلوی' سرطانی' حوتی' عقربی وغیرہ۔

تن کوروں کا موضوع اتنا طویل' عمیق' دلچسپ اور توجہ طلب ہے کہ علوم سری و خفی کے طالبعلم ایک بار تو بھنچے سے اکھڑ جاتے ہیں۔ یہ نصابی اور منقولی علم نہیں' اکتسابی اور سینہ بہ سینہ چلنے والا علم ہے۔ سیکھا بھی نہیں جا سکتا...... مگر اللہ کریم جسے عطا فرما دیں۔ علم الانسان بھی اس موضوع پہ بڑا محتاط و محدود زبان کھولتا ہے۔ یہ علم تو کھولتے ہوئے سیسے کی مانند کہ قریب لگتے ہی جھلسا کر رکھ دے۔ فی الوقت اس تن کورے کی بات کرتے ہیں جو زحلی کیفیات و اثرات کا حامل تھا۔ ایسے زحلی تن کورے کہیں خال خال ہی نظر آتے ہیں جبکہ عام نوعیت کے کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتے ہیں۔ ایسے ہی جیسے عام چوہے کھانے اور دودھ پینے والے سانپ تو گھروں کھروں کھیتوں میں رینگتے مل جاتے ہیں مگر شیش ناگ یا مار سیاہ تو کسی قسمت والے کو ہی دکھائی دیتا ہے ایسے ہی گیدڑ لومڑ لکڑ بگھے تو کھیتوں باڑوں میں ذلیل ہوتے پھرتے ہیں پر افریقن ببر شیر اور بنگال کے باگھ...... افریقہ اور سندر بن کے جنگلات یا پھر کسی چڑیا گھر میں دکھائی دیتے ہیں۔

بلونت سنگھ بھی چندی گڑھ میں اپنے باپ کے چڑیا گھر میں محبوس و مجبور ایک باگھ ہی تھا ویسے بھی سنگھ' ضیغم یعنی شیر ببر کو ہی کہتے ہیں۔ یہ تو کئی طرح سے شیر تھا۔

شیر سا طاقتور اور طمطراق والا طرار جنگلی جانور بھلا اور کون ہوگا؟...... لیکن مشاہدہ یہ بھی دکھاتا ہے کہ شکم کی مجبوری' سن کی معذوری میں اس سے بڑھ کر بزدل' کمینہ اور مکار بھی اور کوئی نہیں ہوتا۔ شیر چیتے پہ ہی کیا موقوف' مصیبت معذوری و مجبوری میں تو حرام اور چوری ڈاکہ بھی کسی حد تک روا ہو جاتا ہے...... بہر طور و طریق' جان ایمان اور ایقان بچانا اولیٰ ٹھہرتا ہے۔

بلونت سنگھ جیسا پڑھا لکھا' جوان رعنا' کھلے ہاتھ پاؤں اور قلب و نظر کا مالک' اکلوتا' بے انتہا دولتمند

Scanned with CamScanner

باپ کی بوڑھی آنکھوں کا تارا...... کیا جو گُم کیسی پتا تھی کہ وہ ایک پوشیدہ پُراسرار اور قیدیوں سی زندگی بسر کرنے پہ مجبور تھا؟...... اپنے پرائے سب اسی کھوج و کوشش میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح اسے اس خوفناک انجانی سی دلدل میں غرق ہونے سے بچایا جا سکے۔ جو اسے ناف تک تو نگل چکی...... لیکن وہ ابھی اس حالت میں تھا کہ کسی طرح بچانے کی کوشش کی جا سکے۔ ظاہر ہے میرا ادھر بلانا بھی اسی سلسلہ کی کڑی تھا۔

ہر شخص دوسرے کے بارے جو رائے، توقعات، سوچ، خوش فہمی یا غلط فہمی رکھتا ہے وہ سَراسَر اس کی تجزیاتی فہامت کی صوابدید پہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی جو اپنے قیاس اندازے، تجربات، مشاہدات کی دُرست سمت تعیّن کرنے پہ قادر ہوتے ہیں۔ شاذ ہی وہ کبھی اپنی بوجھ سوجھ یا صحیح اندازے کے اخذ کرنے میں ناکامی سے دوچار ہوئے ہوں اور ایسے بھی جو اپنی شیخی، بے علمی یا گمان و گھمنڈ میں کچھ ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی اور کسرِ نفسی میں مبتلا ہو کے اَتاؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میرا اندازہ کچھ دُرست ہی نکلا کہ میرے بارے یہ بھولے بھالے کچھ زیادہ ہی خوش فہمی اور عقیدت میں ''چکروتی'' بنے ہوئے ہیں۔ میں سِکھوں کی سیدھی سادی سائیکی، مُوڈ مزاج، موسیقی، مذاق اور مذہب مسلک کی کیمسٹری سے خُوب واقف ہوں۔ یہ میرے بابا گورونانک جی کے ''ناکھیے'' کسی بھی میرے جیسے چکر بازیے کے چکر میں بغیر گھمائے ہی گھوم جاتے ہیں جبکہ ان کو دوست یا دُشمن بنانے میں کچھ زیادہ محنت درکار نہیں ہوتی۔

اَچھوں بُروں کی بھی کبھی کوئی کمی نہیں ہوتی، کمی ہوتی ہے تو ان حقیقت پسندوں اور حق آگاہوں کی جو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اچھائی اور بُرائی، نیکی اور بدی، گناہ اور ثواب یہ سب زندگی کے لازمے ہیں۔ یہ سارے زندگی کے معنی سمجھنے کے مختلف استعارے، اُلٹی سیدھی، دائیں بائیں کی کروٹیں ہیں...... یہ طلوع و غروب ہیں، یہ اندھیرے اُجالے ہی تو ہمیں بتاتے ہیں کہ یہی حیات کہیں ثبات ہے تو کہیں نفی...... حرکت، تبدل سے تعبیر ہے...... جمود و نمود ہے۔ یہی اکائیاں، صیغے، ریاضیات، الجبرے، آڑی سیدھی ڈرائنگیں، فارمولے، فلسفے، اصول، قانون، ضابطے، لائحے لاحقے، اشکال، وضع وضاحتیں وغیرہ...... اس کے ساتھ ساتھ یہ کالے چٹے، علوم و فنون، یہ خرد و جنون، یہ عشق و مشک، یہ تر و خشک، یہ رند و زاہب، عاجز و فاخر، محرم و مجرم، یہ زندیق و زاہد، دارا و سکندر، یہ مسجد و مندر، زیر و حرم، یہ جور و کرم، زہر و تریاق، یہ رستم و ضحاک، یہ سب مشاطۂ گیتی کی بُوالعجیاں ہی تو ہیں......

ہر ذی الحس کی ایک اپنی کیمسٹری اور انرجیکنالوجی ہوتی ہے۔ احساسات، رَوّیے، زندگی برتنے کے رنگ ڈھنگ، اچھائی بُرائی، نیکی بدی کے معیارات، رشتوں ناطوں کی پہچان اور اجنبیت، کرب و بہجت کی بُو خوشبو کا احساس، روزمرہ کے وظائف حیات اور معمولات، ظاہر و باطن وغیرہ اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ ہر زندہ انسان کو بُنیادی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے ڈھب ڈھرا سے من چاہی زندگی بسر کرے۔ اگر کوئی پاؤں کی بجائے سر

Scanned with CamScanner

کے بل چلنے اور کانوں سے سننے کی بجائے دیکھنے کی کوشش میں ہے تو کوئی دوسرا محض اس کی توجہ دو پچھنے یا اپنے تیئں جاننے کی کوشش کرے گا یا زیادہ سے زیادہ کوئی مشورہ دینے کی کوشش کرے گا مگر اُسے زبردستی کوئی روک نہیں سکتا...... یعنی گھوڑے کو کھینچ کھانچ کر دریا تک تو لے جایا جا سکتا ہے مگر کوئی اُسے پانی پینے پہ مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ کام وہ اپنی مرضی سے ہی کرے گا...... الکھ نرنش کی مایا کہیں دُھوپ کہیں چھایا......!

شری بلونت سنگھ ڈھلون اگر ایک ایسی پُراسرار خوامخواہ کی غلط فہمیاں اور خوف پیدا کر دینے والی زندگی بسر کرنے پہ مجبور یا مُصر ہیں یا صورتِ حال ایسی ہے کہ اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تو پھر کوئی دوسرا کیا کر سکتا ہے۔ فلسفۂ سود و زیاں سے سب کو اُز بر ہوتا ہے' پڑھا لکھا ہو یا جاہلِ مطلق...... یہ تو آسٹریلیا سے بزنس مینجمنٹ میں ماسٹر کی ڈگری لے کر آیا تھا......

آئی ایسی موج کہ ساحل ڈوب گیا
ورنہ اپنی کشتی کون ڈبوتا ہے

سپیدۂ صبح' وقفۂ سحر کی سحر انگیزی سے سنگ کر آتش بداماں ہو چکا تھا...... طلوع اور غروب کے وقفے' اَرض و فلک اور مابین...... قوس و قزح' لرزیدہ و دیدہ و صاعقۂ اَبر و باراں کے لہرے جھالے' آفتاب و مہتاب کی کرنوں کے کانپتے' مہ کامل اور شبِ تاب کی سحر انگیز تابانیاں...... اجرامِ فلک کی انجمن آرائیاں...... یہ سب حسین منظر' فطرت کی خوبصورتیوں' دلفریبیوں' سحر انگیزیوں کے چند تحفے ہیں جو ان خوش نصیب متین لوگوں کے لیے ہوتے ہیں جو جانتے ہیں کہ لمحے اپنی محدودیت میں کیسی بڑی وسعتیں سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کمسن اور معصوم ساعتوں کو دسترس میں لے لینا' کتنا انوکھا اور خوشتر ہوتا ہے۔

میرے کچھ بچے جو بال کی کھال کھینچنے میں دلچسپی لیتے ہیں اور ثقہ قسم کے قاری' اَدب کے طالبعلم جو میری کتابوں کی ایک ایک جزویات کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔ پیشہ ور تنقید نگار جو میری کتابوں کی زبان و بیان' تحریر و تکلم' واقعات حالات کا اَزمنہ قدیم وجدید کے تناظر میں تنقیدی' تقابلی یا مطالعاتی جائزہ لیتے ہیں تو معترض رہتے ہیں کہ میرے مضامین و مقالات میں کوئی مسلمہ اسلوب و معیار اور سیدھ پچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کوئی آغاز اپنے منطقی انجام کو واضح نہیں کرتا۔ اِک بلا کی تشنہ لبی قاری کے اعصاب پہ سوار رہتی ہے۔ عجیب شترگاؤ قسم کا اَدب' بابا تخلیق کرتا ہے کہ جسے نہ تو کوئی نام دیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی الزام......!

یہ اپنے لوگ' جو بھی کہتے ہیں صحیح ہی کہتے ہیں۔ صرف میری ایک بات کا جواب دے دیں۔ دُنیا اور زندگی کیا یہی کچھ نہیں؟...... کیا اس کا کوئی اُصول اُسلوب یا سیدھ پچھ ہے؟...... اس شترِ بے مہار و بے محمل کی کوئی کل سیدھی بھی ہے؟...... دُنیا تو شہد کی مکھی کی مانند کہ منہ میں شہد اور ڈنک میں زہر...... اور زندگی......

Scanned with CamScanner

زرنج و راحت گیتی مرنجا دل مش و خرم
کہ آئین جہاں گاہ چنیں گاہ چناں باشد

کہنے والے کہتے ہیں کہ بابا کو سکھوں میں تصوف دکھائی دیتا ہے۔ طوائفیں ہیجڑے بدمعاش چور ٹھگ جیب کترے بے علم جاہل نکمے گنہگار اور آنکھوں تک بُرائیوں اور بدکاریوں میں ڈوبے ہوؤں میں یہ گیانی دھیانی درویش ولی اور پہنچی ہوئی ہستیاں تلاش کرتا ہے۔

سچ ہے مجھے تالاب جوہڑ میں مسکراتے ہوئے کنول اچھے گمراہ اور منزل سے بے خبر دور مسافر بھلے لگتے ہیں...... لٹے بکھرے ٹوٹے ہوئے اُداس پریشان پرندے بیمار اور تباہ حال غربت و افلاس زدہ لوگ عظیم دکھائی دیتے ہیں۔ نئی قیمتی امپورٹڈ لش کرتی گاڑیوں کی بجائے حادثوں کا شکار ٹوٹی پھوٹی کھنکارہ کاروں کے ڈھانچے مجھے آرٹ کے اعلیٰ نمونے نظر آتے ہیں۔

میں نہ تو یاسیت پسند ہوں اور نہ قدامت پرست...... تنگ نظر نہ تنگ دست...... ماضی کے پچھواڑے والی کھڑکی انتہائی ضرورت کے تحت تھوڑی سی کھولتا ہوں...... میں تو حال مست اور جہاں گشت ہوں۔ مستقبل اک بیکار کی کل کل مفروضے ڈھکوسلے جاہلوں احمقوں کی جنت جانب بند روزن کی جھجری...... اندیشہ ہائے دور دراز خوش فہمیوں اور بدگمانیوں کی شکستہ منجنیقوں کا ملبہ...... شاید میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ مجھے بے قاعدہ ''بے فضول'' کچے مجہول قسم اطوار و اعمال کے لوگ محبت بھرے لگتے ہیں۔ کچھ اور ہو نہ ہو اِن میں اخلاص فراواں ہوتا ہے اور اخلاص ہی شرط اوّل ہے بندہ ہونے کی...... ۔

راز والے مجھے صاحب راز مجھے

بلونت سنگھ بھی ایسا ہی کیس تھا۔ ایسے مریض کو نفسیاتی ہرگز نہ سمجھنا چاہئے۔ نفسیاتی عارضے گھر اور باہر کے ماحول اپنوں بیگانوں کے ناروا سلوک سماجی رزیوں اور جذباتی ناہمواریوں کا شاخسانہ ہوتے ہیں۔ ان پہ خاطر خواہ علاج و معالجہ سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ مگر جس نحوست کی خشک دلدل میں یہ نامحسوس سے انداز سے دھنس رہا تھا اس کا تعلق نفسیات سے اور نہ ہی کسی کالے چٹے اِلم یا بھوت پریت سے تھا۔ یہ تو نفسِ حیوانی کی گربھ بدیا کی کارستانی تھی۔ جو بہت کم کہیں دیکھنے میں آتی ہے۔

ایک ہوتا ہے عمل الٰہی اس کے مقلد طالبعلم عامل بارگاہِ صمدیت سے براہِ راست فیض یاب و سرخرو ہوتے ہیں۔ غیر اللہ کے تصور سے تہی...... راضی برضا ہوتے ہیں۔ آزمائش میں ثابت توکل میں کامل استعانت باللہ (اسماء صفات الٰہی) مخلوقِ خدا کی خدمت میں مگن...... اک اُلوہی تنویر ان کے چہروں پہ ضوفگن رہتی ہے۔ یہ ہستیاں ولی قطب غوث ابدال ہوتے ہیں۔''

Scanned with CamScanner

آذرِ اعمال کی فسوں گری......!

عملِ علوی...... اس کے عالم و عامل' اللہ کریم کو تو اپنا پروردگار اور ربّ جلیل مانتے ہیں مگر اجرام و بروج فلکی' تجیمات عرشی' عالمان و عاملان ارضی کے سری علوم اور سحری بابلی و مصری سے استفادہ کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتے...... طاغوتی استعانتوں اور سفلی سحر و فسوں سے اجتناب برتتے ہیں...... نقش' نوچیں' تعویذ' چلے' وظائف اور دیگر مجاہدات' تزکیہ نفس اور رزو ذات کی مختلف مشقیں اور اوراد ان کا وظیرہ ہوتے ہیں۔ یہ علم القرآن' علم جفر' علم قیافہ' علم رمل' دست شناسی' کلام' حساب سنی' توقیت' سرایا' طب و حکمت' کیمیا و سیمیا' اکر و اسماء' جدل و بدیع جیسے علوم سے بھی استفادہ کر لیتے ہیں...... یہ علم مباح ہے اگر اس کا مقصد سلامتی اور اثبات ہے۔

عملِ سفلی! یہ سراسر شیطانی علم ہے...... اول تا آخر روحانیت ارضی و خاکی' ذوات تحتین' اسفل السافلین کا عمل...... اسے ہی کالا علم کہتے ہیں۔ اس کے موجد و مدید شیطان الرجیم اور اس کے مقلدین ہیں۔ کالے علم کو کالی مائی کلکتے والی سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ جو تباہی بربادی' قتل و غارت کی دیوی سمجھی جاتی ہے۔ بدروحیں' بھوت پریت' نساچ' بڈاوے' چڑیلیں' منچل بیریاں' باؤ بتاس' آسیب' سایہ بے دین جن و پری وغیرہ یہ سب اولیائے طاغوت کی استعانتیں ہیں۔

کالا علم یا علم سفلی سیکھنے یا کرنے والا سب سے پہلے اللہ برحق کی ذات کی نفی کر کے ابلیس کو اپنا استاد مددگار مانتا ہے۔ اس کے بعد وہ تمام شیطانی قوتوں پہ ایمان لا کر حرام خورد و نوش' گندگی غلاظت ناپاکی اختیار کرتا ہے۔ جتنا وہ پلید ہوگا اتنا ہی وہ سفلی عمل میں کامیاب ہوگا۔ ان کے سراپے سے انتہائی سڑی ہوئی' جلے مردوں کی بدبو' چہرے پہ خباثت' کراہت اور شیطنت دھری رہتی ہے۔ ان سے آنکھیں دوچار کرنے سے خوف طاری ہو جاتا ہے۔ ان کا آخری وقت بڑا بھیانک اور رولا دینے والا ہوتا ہے۔ اکثر خود کو ہلاک کر لیتے ہیں یا کسی بدروح بھوت کے ہاتھوں جہنم رسید ہوتے ہیں۔ بری طرح کے منشیات کے عادی' عاداتِ خبیثہ کے حامل' دوسروں کی عورتوں کی عزت خراب کرنے' انہیں گمراہی کی جانب لے جانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔"

حرام جانوروں کا لہو اور گوشت' ان کی من پسند خوراک ہوتی ہے' بچھو' سانپ' کرلے' چکور' الو' کوّے' گیدڑ' گوہ وغیرہ سے نہ تو انہیں گھن محسوس ہوتی ہے اور نہ خوف۔ ان کا خون' غلاظت' پر' چونچیں' دانت' آنتیں' ہڈیاں' جنتر منتر تنتر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ گندگی حیض کی غلاظت' جسم کے بال' ناخن' میل کچیل' کپڑوں

Scanned with CamScanner

کی اُترن' ناک کان کا میل' ٹوٹے نکلے ہوئے دانت' جُوٹھا پانی خوراک' عکس تصویر وغیرہ سے جادو ٹونے کرتے ہیں اور اللہ کی مخلوق کے لیے رکاوٹیں پریشانیاں کھڑی کرتے ہیں۔

کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ سفلی عمل سحر' کالا ایلم' جادو بدنظری وغیرہ نیک پاک نمازی حاجی پہ اثر نہیں کرتے' یہ حقیقت نہیں ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی اثر انداز ہوتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ آگ کسی نیک یا ایمان کامل والے کو زک نہیں پہنچاتی' گنہگار بدکار کو جلاتی ہے تو یہ اس کی بے علمی ہوگی؟ آگ کی زد میں جو آئے گا وہ اُس کی مضرت سے بچ نہیں پائے گا۔ رحمانی رحمتوں کے ساتھ ساتھ شیطانی قوتیں بھی موجود ہیں' ان سے انکار ممکن نہیں۔ جن بھوت' بدروحیں' سائے' ٹونے ٹوٹکے سب اثرات رکھتے ہیں۔ نیک ہو یا بد سب ان کی زد میں آ سکتے ہیں مگر جسے اللہ بچالے یا جو کوئی احتیاطی تدابیر اختیار کر لیتا ہو۔ پیر مرشد بھی ان بلّیات سے بچنے کے کچھ طریقے بتاتے ہیں۔ جیسے کوئی ہیضے' زکام یا کسی وبائی اثرات سے بچنے کے لیے احتیاطی ٹیکے لگوا لیتا ہے یا دوا لے لیتا ہے۔

بلونت سیہان' ان مذکورہ بدبلاؤں میں سے کسی کا بھی شکار نہ تھا۔ وہ ناری کے رُوپ میں ایک ایسی چڑیل کا دیوانہ تھا جو دکھائی تو اک عام سی مہیلا دیتی تھی مگر اس کا چتّی والا سبھاؤ عام استریوں والا نہ تھا...... وُہ جو بن رَس نچوڑنے والی ایسی بلا کی مانند تھی جس کی اَمٹ پیاس کبھی نہ بجھے اور نہ اپنے پریمی کو آزاد کرے۔ آزاد کر بھی دے تو وہ اس کی چاہ میں ایسا بے بس ہو جائے کہ مقناطیس سی کشش سا کھنچا ہوا اس کے پہلو میں آ پڑے......

انسان ایک ایسا معاشرتی جاندار ہے جو اکیلا رہنا پسند نہیں کرتا ہے...... خاندان کی صُورت' قبیلوں گروہوں میں مل جل کر رہنا اس کی فطری اور معاشرتی ضرورت ہوتی ہے۔ اَب اِس کی گروہی مجبوریاں' سماجی تمدنی ضرورتیں اور دیگر زندگی کے تقاضے' اس میں مختلف تبدیلیاں اور اُتار چڑھاؤ' سود و زیاں' اچھائی بُرائی کے قطع نظر' وہ ہر وہ قدم اُٹھانے سے گریز نہیں کرتا جو اُسے اِرتقائی منزل کی جانب اُٹھتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح زمانے' تہذیبیں' قومیں' اپنے اپنے تقاضوں کے تناظر میں صدیوں کے فاصلے طے کرتی ہوئیں اپنے اپنے سفر میں رواں دَواں رہتی ہیں۔"

قوموں' مذاہب' تہذیب و تمدن' جنگ و جدال' عقائد و اطوار' علوم' فنون' اَسرار و توہمات اور واقعات و عجائبات پہ نظر ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ انسان نے اگرچہ بے شمار علمی' فکری' فنی سائنسی اور دیگر مختلف شعبہ ہائے حیات میں اِرتقائی منزلیں طے کیں' وہیں یہ بھی اَمرِ حقیقت کہ بہت سارے معاملات مثلاً قضاوقدر' سعد و نحس' اللہ و اہرمن' حیات و ممات' زندگی بعد از موت' طلسمات و توہمات' جن بھوت پریت اور بہت سے

Scanned with CamScanner

دیگر عقائد و علت کی معاملت میں ہنوز از منہ سنگ و سار میں ہی ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔ گو وقت کے ساتھ ساتھ اب بہت کچھ بدل کر رہ گیا ہے لیکن اب بھی کہیں کہیں کوئی ایسا چمتکار دیکھنے اور سننے کو مل جاتا ہے کہ ہندو متھالوجی سے وابستہ کچھ پراسرار حقائق حیوان ناطق اور حیوان محض کی جبلت جنس جنوں خیزی وجذبات پہ لرزاں و اقتاں ہوئے بن رہا نہیں جاتا...... اندازہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے علم تجسس عقل وجستجو کی جس بھی معراج پہ پہنچ جائے اُس کی بنیادی بشری بوالعجیاں کسی نہ کسی طور اپنا آپ ظاہر کیئے بغیر نہیں رہتیں۔''

- ہنو ناری اور وشد ھرناتھ......!

صدیوں قدیمی پران شاستر ہندو متھالوجی یعنی طور و طریق دانش و اُصول قانون قاعدہ کار وکتھا سے بھرے پڑے ہیں۔ دیوی دیوتاؤں کے پرم پریا سنگار و سنگت' بدھ یدھ' کارکرم' بلوان وتروان' نرکھ وسورگ' مہامنش' بھگوان بھگوت' گورو چیلا' پچھم و پورب' نرت کرت' گیت سنگیت' بن بندر' گنگا جمنا اور رام رادھا کے بن بات نہیں بنتی۔ دیگر مذاہب کی ارضی و آسمانی کتابوں میں بھی ازل و ابد اور کائنات کی بند اور کھلی حکائتیں اور تفاصیل لکھی ہیں مگر ہندو مت کے پرانوں شاستروں میں وہ کچھ بھی جو دوسری حاضر کتابوں میں نہیں ملتا۔ ہندو مت بہت پراتامت ہے۔ اس میں قدیمی بدیاؤں کے پرچار کرنہت ہوئے۔ پرش ناری کی باہمی رفاقت اور اس فلسفہ پہ سیر حاصل مواد حاصل ہوتا ہے۔ اس موضوع پہ کئی ایک شاستر ملتے ہیں اور ان کے علاوہ اجنتا الیورا کی غاریں اور کئی ایک مندر عجائب گھر بھی......!

جنسیات ایک مکمل اور اہم علم ہے اور زندہ موضوع...... بے علم لوگ اسے چھیڑتے ہوئے گھبراتے شرماتے ہیں جبکہ یہ ایک بنیادی آگاہی ہے۔ اسے سمجھے جانے بغیر انسانی وجود احیائے حیات موجودات مخلوقات تخلیقات نفی اثبات کو سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ اس موضوع پہ ہم اپنے ہم جنسوں سے بات کرتے ہوئے جھجکتے ہیں۔ کتابوں رسالوں فلموں تصویروں کے علاوہ ہم پالتو اور آوارہ جانوروں پرندوں چرندوں سے بھی سیکھتے ہیں یا پھر کچھ قریبی بے تکلف دوست یاروں کی سیدھی الٹی باتیں حرکتیں بھی ہماری معلومات میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ غرضیکہ کہ ہم ضروری سیکھے جانے والی تعلیم سیدھے طریقے کی بجائے اُلٹے طریقے سے حاصل کرتے ہیں جس کا نتیجہ زیادہ تر بے راہروی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

دینی اور دُنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ مناسب اور سہل طریقہ سے اسلامی شعار اور طہارت کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بچوں کو جنس کی تعلیم بھی باہم پہنچانی چاہیے۔ تاکہ وہ غلط ہاتھوں میں پڑ کر بے راہروی نہ

Scanned with CamScanner

اختیار کر سکیں۔ میرا مشاہدہ ہے کہ جو بے سمجھ ماں باپ 'نام نہاد شرما حضوری میں اپنی اولاد کی جنس کے معاملہ میں خود تربیت نہیں کرتے۔ اُن کے بچے غلط سوسائٹی میں پڑ کر جنسی بے راہروی 'منشیات' آوارگی اور مختلف خرابیوں میں پڑ کر اپنی زندگی برباد کر لیتے ہیں۔

شرع شریعت 'پاکی پلیدی' طہارت 'شادی نکاح اور دیگر مسئلے مسائل' ماں باپ کو خود بتانے چاہئیں۔ یہ اللہ رسول کا حکم بھی ہے اور فرض بھی......!

بات ہو رہی تھی کہ ہندو میتھالوجی میں جنس کو بڑی اہمیت حاصل رہی اور اس موضوع کو اصنام گری' شاعری 'تمثیل نگاری' رقص' قصوں' کہانیوں اور دھارمک کتھاؤں میں بڑا نمایاں کیا گیا۔ بت تراشی 'ہندو مت میں ایک مقدس فن کی حیثیت رکھتی ہے...... دُنیا کے بہترین بُت تراشی کے شہکار جنس پہ بنے' ان شہکاروں کو دیکھ کر انداز ہوتا ہے کہ ہندومت میں جنس کی کتنی اہمیت ہے۔

شری بلونت سنگھ کا قصہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ قصہ سنایا جائے میں مخصوص قسم کی چند عورتوں کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ جو اپنے ماں باپ کے ہاں ایک ناری کا روپ لے کر پیدا تو ہوئیں مگر کہیں نہ کہیں کوئی ایسی گڑ بڑ ہو جاتی ہے کہ ان کی شخصیت میں کھنڈت پڑ جاتی ہے یا جنم سے کوئی نحوست آڑے آ جاتی ہے یا کہیں ماں باپ کی طرف سے کچھ ایسی جنم گھٹنا ئیں ملیں کہ اُن کی شخصیت ہی بدل گئی یا اَرض وفلک کے معاملے کچھ ایسے تھے کہ ان پہ منفی اثرات پڑ گئے...... کسی بھوت پریت یا جانور کے قبضہ میں چلی گئیں۔ کچھ مبلا ئیں ویسے ہی عجیب و غریب خصلت والی ہوتی ہیں۔ کچھ اپنے تیکھے مزاج و مرضی سے اپنے لیے کوئی علیحدہ سی راہ متعین کر لیتی ہیں کہ وہ خود اپنے اور اپنے پریوار کے لیے اک عذاب مسلسل بن کر رہ جاتی ہیں۔

''کاجل کوٹھا'' میں ایسی ہی ایک لڑکی سنبل سہانی کا تفصیل سے ذکر ہے جو ''تن کوری'' تھی۔ لکھ چکا ہوں کہ تن کوری ایک ایسی خود پسند شخصیت! جس کی اپنی بنائی ہوئی ایک دُنیا ہوتی ہے اور وہ اُس میں اپنی مرضی پسند کی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ کسی دوسرے کی شراکت پسند نہیں کرتی وہ حاکم بھی خود اور محکوم بھی خود ہوتی ہے۔ بے انتہا صفائی اور تنہائی پسند' خوش طبع 'خودداراور تحکمانہ طبیعت کی مالک...... جو چاہ لے یا کہہ دے وہ کر کے رہتی ہے' انکار سننا پسند نہیں کرتی۔ شادی کو اک کار فضول اور شوہر نام کی شے کو مجمع جہول سمجھتی ہے۔ ماں باپ اور دیگر لوگوں کے لیے اک عذاب پیہم...... جب تک جیتی ہے دوسروں کو جینے نہیں دیتی۔ اکثر کی موت المناک اور عبرتناک ہوتی ہے۔

اس تن کوری سے ایک جو تا آگے...... وِش کنیا ہوتی ہے' یعنی زہریلی لڑکی!...... اس طور کی لڑکی کا مذکور بھی کہیں ہو چکا ہے۔ لدّے وقتوں میں چھوٹی ذاتوں' ملیچھ' شودر' اچھوت' دلت' اَدھیک' سپیروں اور سانسیوں

Scanned with CamScanner

میں ایسی وِش کنیا تیار کرنے کا رُجحان عام تھا۔ ان نیچ چھوٹی ذات کی عورتوں پہ جوانی ٹوٹ کر آتی ہے' ملیح رنگت' تیکھے نین نقش' انگ انگ میں کڑی کمان کی طرح ٹوٹتی ہوئی انگڑائیاں ...... اُبھرے اُبھرے پکّے پھلوں کی مانند ہونٹ اور چھن چھن چھپا کے مارتی ہوئی ہنسی ...... یہ فتنہ طراز چلتے پھرتے جادو' بڑے بڑے ذی شانوں کو اپنے سرشانوں سے اُتارنے پہ مجبور کر دیتے ہیں۔ جانتے ہوئے بھی کہ یہ زہر کی پڑیاں ہیں' پھر بھی انہیں حاصل کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔''

جب راجوں مہاراجوں کے دور تھے ...... راجواڑے آباد اور راوی' عیش ہی عیش لکھتا تھا ...... ان وِش کنیاؤں کا دور تھا۔ یہ خانہ بدوش' بدمعاش لوگ' چھوٹی شیر خوار بچیوں کی پرورش سانپوں کے زہر سے کرتے تھے۔ ان کے دودھ' بچھونوں کپڑوں' کھلونوں میں ایک مخصوص مقدار زہر کی آمیزش کرتے ...... حتیٰ کہ وہ کنیا بڑی ہو جاتی۔ پھر زہر کی مقدار اس کی خوراک میں شامل کر دی جاتی۔ دھیرے دھیرے وہ لڑکی اک زہریلی ناگن کی طرح ہو جاتی۔ بھری نظر سے دیکھ لیتی تو سامنے والا مدہوش ہو جاتا ...... اُس کے انگ انگ میں بسا رچا زہر' اُسے مزید حسین بنا دیتا۔ عین عہد شباب میں' اُسے بڑی ترکیب تیاری سے کسی راجے مہاراجے کے رُوبرو کر دیا جاتا۔ اس طرح یہ وِش کنیا کچھ ہی عرصہ میں اُس کی صحت زندگی چاٹ جاتی اور اس کے دھن دولت پہ اس کے لواحقین قبضہ کر لیتے۔ یہ لوگ بھی پرانے ٹھگوں کے قبیل کی طرح بڑی احتیاط' سمجھداری اور صبر سے وارداتیں کرتے تھے۔ راجپوتانہ میں' میں نے خود کئی ایک وِش کنیائیں دیکھیں۔ ان کی سانسیں' آنکھیں' لمس ہر چیز زہر سے بھری ہوتی ہے۔''

آگے بڑھیں تو ناریوں میں ایک اور قسم ''پشو باندی'' ہوتی ہے۔ پشو باندی' ایسی کنیا ہوتی ہے جو کسی ایسی عورت کے بطن سے جنم لیتی ہے جو کسی بھی طرح کسی انسان کی بجائے کسی پشو سے حاملہ ہوگئی ہو۔ یہ لڑکی بجائے لڑکا بھی ہو سکتا ہے۔ قارئین کے لیے یہ بات ایک انکشاف ہی ہوگی۔ اس تماشا گہ دُنیا میں ایسا بہت کچھ ہوتا ہے۔''

روس میں سرکس کے ایک نٹ سے اتفاقاً میرا آمنا سامنا ہوگیا۔ دُبلا پتلا' چھیل چھبیلا سا نوعمر لڑکا ...... بلا کا پھرتیلا اور تیز طرار ...... میں اس کے جھولوں پہ جھولنے کے کرتب سے بڑا متاثر ہوا تھا۔ لگتا تھا وہ انسان نہیں کوئی بندر ہے۔ چھلانگنے پھلانگنے میں بے خطر' یوں جیسے وہ جھولوں' رسیوں پہ نہ ہو ...... جنگل میں ٹہنیوں شاخوں پہ ہے۔ اُس کے جسم کی بناوٹ بھی کچھ علیحدہ سی ...... مجھے کُرید ہوئی' میں جتن کر کے اُسے ملا۔ وہ انگریزی سے نابلد تھا۔ مجھے اپنی بات اُس تک پہنچانے میں بڑی دقت ہوئی۔ بالآخر ایک ذرائع سے میں اُس سے پوچھنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ وہ سرکس کے ایک خاص قسم کے لنگور کا بچہ تھا جسے ایک ایسی عورت نے جنم دیا

Scanned with CamScanner

تھا' جو اُس لنگور کی ٹریز تھی۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کسی کے جنم کے لیے' پیٹ میں نطفہ کا ٹھہرنا کچھ ایسا ضروری نہیں ہوتا...... بہت سے واقعات اسے بھی کہ بن اختلاط بچہ ہو گیا۔ محض جسم چھونے یا قربت کی کئی ایسے قرینے بھی کہ بامراد ہوا جا سکتا ہے۔ جیسے کہیں پیغام پہنچانے کے لیے منہ کھول کر زبان چلانی پڑتی ہے اور کچھ ایسے بھی جو آنکھ کے ہلکے اِشارے سے بہت کچھ کہہ لیتے ہیں۔''

میرا ایک بنگالی ہندو دوست' جو کسی زمانے میں میرے ساتھ برٹش ریلوے میں کام کرتا تھا۔ کہا کرتا تھا مجھے بچے کے لیے اپنی جورو سے کسی سلوک کی ضرورت نہیں ہوتی۔ محض چھو لینا ہی کافی ہوتا ہے۔ درخت پودے وغیرہ تو ایک دوجے کے قریب نہیں جاتے...... دُور دُور سے ہی مادہ درختوں کو ثمر بار کر دیتے ہیں۔ کنجی ڈال کر تالا کھولا جاتا تھا۔ اب انگوٹھے کے لمس' نشان سے پٹ وا ہو جاتا ہے۔ یہ پہلے بھی ہو سکتا تھا اور ہوتا تھا...... مگر تب ایسی آگاہی نہ تھی۔ بات ساری آگاہی' اندر کی گواہی کی ہوتی ہے۔ ستر برس بیوی کو ٹوہتے رہتے ہیں۔ چوہیا کا ایک اندھا بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اک اُچٹتی سی نظر' قیس نے محمل پہ ڈالی 'صحرا'' آہوانِ لیلیٰ'' سے بھر گیا!

ے ورنہ لیلیٰ بھی وُہی قیس کا پہلو بھی وُہی' نجد کے وَشت و جَبل میں رَمِ آہو بھی وُہی.....

کتوں' گھوڑوں' گائے بھینسوں میں زیادہ دلچسپی اور وقت گزارنے والوں میں اُنہی جیسی خُو خصلت اور خوشبو بدبُو پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر وہ اس پہ کنٹرول نہ کریں تو اُن کے اندر باہر بہت سی تبدیلیاں' ان پشوؤں سے مماثل ہو جاتی ہیں۔ انسان کا بچہ کچھ عرصہ جانوروں میں رہے تو وہ جانور ہی بن جاتا ہے۔

انگریز جانوروں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ خصوصاً کتوں' بلیوں پہ تو وہ دل و جاں سے فدا ہوتے ہیں۔ کئی لوگوں نے اپنی کروڑوں لاکھوں کی جائیداد اپنے کتوں' بلیوں کے نام کر دی۔ کئی انگریز مرد و عورت اپنے پیارے کُتّے کے مرنے کے بعد خودکشی کر گئے یا اُس کے غم میں فنا ہو گئے۔ میں نے کتوں' بلیوں کے قبرستان دیکھے ہیں۔ اُن کی قبروں پہ قیمتی پتھر' سرہانے کتبے...... اُن پہ لکھے قصیدے شجرے اور وفا کے کارنامے...... اکثر انگریز بیوہ' مطلقہ عورتیں اپنی تنہائی دُور کرنے کی خاطر کُتّے پال لیتی ہیں۔ کُتّا یقیناً ایک وفادار جانور ہے' تنہائی کا ساتھی' مُونس اور غمخوار...... لیکن کُتّا تو بہرحال کُتّا ہی رہتا ہے' مگر مَیں نے کئی کُتّے' شوہر سے بھی زیادہ قریب اور عزیز دیکھے ہیں۔ کئی عورتیں' خاوند کی بے وفائی کے مقابلہ میں وفادار کُتّے میں وفا کے موتی تلاش کر لیتی ہیں۔ پھر وہ ایسی ''سگ پرست'' ہو جاتی ہیں کہ پھر مرد' اُن کے لیے کسی لینڈی کُتّے سے بھی کم درجہ کا ہو کر رہ جاتا ہے۔

پشو پاندیوں یا پشو پاندوں کی بھی کچھ اقسام ہیں۔ ان میں اکثر حادثات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ آپ نے بھی پڑھے سنے ہوں گے کہ ایک عورت کسی بھی طرح جنگل میں بھٹک جاتی ہے۔ دُور دُور تک اُسے

Scanned with CamScanner

کوئی اپنا ہم جنس دکھائی نہیں دیتا۔ وہ تھک ہار کہیں پڑ جاتی ہے۔ اچانک کہیں سے ریچھ اِدھر آ نکلتا ہے۔ وہ اس کے قابو میں آ جاتی ہے۔ ریچھ اُسے کوئی ضرر پہنچائے بغیر اُٹھا کر اپنے غار میں لے آتا ہے۔ اُسے کھانے پینے کے لیے پھل پھول لا کر دیتا ہے۔ احتیاطاً اپنی کھردری زبان سے اُس کے تلوے چاٹ جاتا ہے تاکہ وہ اِدھر اُدھر سے بھاگ کر کہیں جا نہ سکے۔ وقت زمانہ آگے بڑھ جاتا ہے' وہ عورت اُدھر ہی رہتی ہے۔ لباس کپڑوں سے آزاد' چاروں ہاتھ پاؤں پر ریچھ ہی کی طرح چلتی ہے۔ غوں غوں غُرغُر کی آوازیں نکالتی ہے۔

کسی باب میں کہیں ایسی ہی ایک ڈاکٹر عورت کا ذکر ہے جو ایک ریچھ کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنا سب کچھ اُس کے سپرد کر چکی ہوتی ہے۔ ایسی عورتوں کے ہاں اگر کوئی اولاد پیدا ہوتی ہے تو وہ پشوپاندی ہوگی۔ خصلت انسان کی اور جبلت حیوان کی۔ ضروری نہیں کہ ایسی مخلوق کا باپ کوئی جانور ہی ہو' وہ انسان بھی ہو سکتا ہے مگر انہیں انسانی مخلوق کہنے میں تامل ہوتا ہے۔

اس قسم کی مخلوق کا تصور کوئی نیا نہیں ہے۔ کئی صدیوں سے ہم ایسے انسان کا ذکر سنتے آ رہے ہیں جس کا دھڑ گھوڑے اور سر انسان کا ہوتا ہے۔ اسی طرح بھیڑیا بھی جو آدھا انسان ہوتا ہے...... جل پریاں' جو اوپر عورت اور نیچے سے مچھلی کا دھڑ رکھتی ہیں...... شیر' لگڑ بگھے' گیدڑ بھی ایسے پائے گئے۔ بندر ریچھ لنگور تو ہوتے ہی آدھے آدمی ہیں...... برفانی انسان تو اکثر دیکھا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ریکارڈ پہ موجود ہے۔ ان کی حقیقی تصاویر' ہاتھ پاؤں کے پرنٹ اور بے شمار مواد مع ثبوت محفوظ ہیں۔ بہت سے شکاری' سیاح اور جہاں گشت ان کی موجودگی ثابت کر چکے ہیں۔ میں خود بھی ایسی مخلوط نسل کو دیکھ چکا ہوں۔ ازل سے اَبد تک اس قسم کے واقعات ملاحظہ میں آتے رہیں گے جن پہ تعجب و حیرانگی کا اظہار ہوتا رہے گا۔ شاید اسی لیے اسے شیشۂ حیات' کارزارِ دُنیا' جہانِ رنگ و بو' جہانِ آب و گل...... حیرت کدۂ دُنیا' جائے عبرت' فسوں خانہ' طلسم کدہ' سرائے دہر' کوچۂ آذری' مجمع سامری' بازارِ مصر وغیرہ کہتے ہیں۔

اس دُنیا میں حضرتِ انسان کے علاوہ جو دیگر مخلوقات موجود ہیں اُن میں غیر مرئی مخلوق بھی شامل ہے۔ ان میں بنی جان (جنات) سرفہرست ہیں۔ بنی آدم اور بنی جان کا ذکر ہمیشہ ساتھ ساتھ آیا کہ ان کی بیشتر قدریں آپس میں مشترک ہیں۔ مختلف العناصر ہونے کے باوجود یہ ایک دوسرے سے کوئی نہ کوئی ربط و راہ رکھنے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ ان کی بیشتر باہمی دلچسپیاں' مشاغل سرگرمیاں' قول قبیلے' راہ و رسمیں' عائلی علامتی طور طریقے ایک دوسرے سے مماثل ہیں۔ مختلف معاملات میں آپس میں مٹھ بھیڑ بھی ہوتی رہتی ہیں۔ یہی باہمی اور علامتی واسطے رابطے کبھی کبھی کوئی انوکھی واردات کو بھی جنم دینے کا باعث بنتے ہیں۔

جن اور انس' پانی اور تیل کی طرح دو مختلف عنصر ہیں' جو آپس میں ضم نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود کچھ

Scanned with CamScanner

تراکیب وتراجیم یوں بھی کہ ان کے قارورے باہم ایک ہو جاتے ہیں۔ آپس کے بنیادی عنصری تضادات کے باوجود ایک صف میں کھڑے بھی ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسروں سے سیکھنے سکھانے کا عمل' دوستیاں' ملنا ملانا...... وقت پڑنے پہ ایک دوسرے کی مدد یہاں تک باہمی جذباتی' پیار ومحبت' شادی بیاہ کے رشتے بھی قائم ہو جاتے ہیں۔ جن اور بشر کے درمیان ایسے تعلق' بظاہر تو ناممکن' ناقابل یقین دکھائی دیتے ہیں مگر ایسے ہوا اور ہوتا رہتا ہے۔ اس حیرت کدہ جہاں میں وہ کچھ بھی ممکن ہے جو بظاہر ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ انسان تو محض اپنی ناقص عقل کے بل بوتے پہ بات کرتا ہے۔ دلیل اور منطق کے تناظر میں دیکھتا' سوچتا اور فیصلہ کرتا ہے مگر یہاں بہت کچھ ماورائے عقل بھی ہوتا ہے اور یہی اسرار' علوم سرّی وخفی کہلاتے ہیں۔

جنات کے علاوہ اس عالم صوری کی دیگر سرّی مخلوقات' ناسوتی ابلیسی عجائب وغرائب...... علوی علوم' سیمیا' ریمیا' کیمیا اور کچھ موہوماتی' مدرکاتی' متخیلاتی استعانتیں بھی...... جو مختلف اشکال' ہیئتوں' صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ عام تصرف ونظر سے ہٹ کر یہ منصۂ شہود پہ موجود ہوتی ہیں۔ چشم بینا والا کوئی فرد وحید ہی انھیں شناخت کر سکتا ہے۔

سانپ' کتا' بلی' چمگادڑ' الو' کوا وغیرہ ایسے سروپ ہیں جو ان سرّی مخلوقات کے اور کچھ ایسے علیحدہ سے مرد وزن اور طفل بھی جو طاغوتی وسیلوں کے لیے آسان موصل ہوتے ہیں۔

''ہنوناری'' یا ''ہنومنچھ'' ایسے افراد ہوتے ہیں جنھیں سرّی مخلوق اپنا وسیلہ اظہار بناتی ہیں۔ ان کی نشانی' یہ زمین پہ رینگنے اور بچھ کر چلنے والے جانور کھاتے ان کا خون پیتے ہیں۔ شیطان اکثر اپنی سواری کے لیے اسی قسم کے جانور منتخب کرتا ہے۔ اس کی مثال' جنت میں شیطان کا سانپ کو وسیلہ بنا کر داخل ہونا ہے۔ ارضی معرکوں میں وہ زمین کے ساتھ بچھ کر رہتا ہے۔ جیسے دشمن کے ریڈار سے بچنے کی خاطر' جنگی جہاز نیچی پرواز کرتے ہیں۔ گوہ کرلے کی دم پکڑ کر سانپ کے سر پہ سوار ہو کر یا پانی میں گھڑیال کی پیٹھ پہ سفر کرتا ہے۔'' کاہن' فسوں گر اور کالے ایلم کے عامل بھی گھڑیال کی کھال اوڑھے' مار سیاہ کی چابک پکڑے گوہ کرلے کی زیچی کی کلغی لگائے...... کچھوے کے کاسے میں ان جانوروں کا خون پیتے ہیں پھر مشرق سے مغرب' شمال سے جنوب تک اپنے بازو لہراتے ہوئے کسی نئے معرکے کا اعلان کرتے ہیں اور ان جانوروں سے معاونت طلب کرتے ہوئے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ان کی سرپرستی کرتے رہیں گے۔

یہ جانور سرّی خفی طاغوتی قوتوں کے پروردہ ومملوک ہیں۔ اسراریت' طلسمیت' سریت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ خوف دہشت وحشت' ان کا نام لینے سے ہی طاری ہو جاتی ہے۔ ارضی استعانتیں ان

Scanned with CamScanner

کی بھرپور اعانت کرتی ہیں۔ چھپنے ٹھنے اور پردہ لینے کے لیے مُمد ثابت ہوتی ہیں جبکہ شیطانی جانور بھی ان کی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کوئی ہنوناری یا ہنومنچھ انھیں بھٹکتا ہوا ملے اور اس پہ قبضہ کریں۔ یہ رینگنے والے جانور نہ صرف اپنا رنگ روپ تبدیل کر لینے پہ قادر ہوتے ہیں بلکہ یہ ماحول اردگرد کو بھی ضرورت کے مطابق نیچے اوپر کر لیتے ہیں۔ بچھو، روہنگ، سانپ، گوہ، کرلا آپ کے سامنے بیٹھے مگر دکھائی نہیں دیتے۔ مٹی کیچڑ ریل میں یہ بھی ویسے ہی نظر آتے ہیں کہ نظر دھوکا کھا جائے۔ یہی ان کی سریت اور اسرار ہوتا ہے کہ ہوا کے ساتھ ہوا، پتھر کے ساتھ پتھر...... کوئی کتنا بھی بچے، یہ دھوکا دے کر اپنا وار کر جاتے ہیں۔

جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں کو باہر کہیں سے سایہ ہو گیا ہے تو وہ بھی خناس ہوتے ہیں۔ عام لوگوں میں یہ ذرا کم ہی دلچسپی لیتے ہیں مگر ہنو قسم کے فرد ان کا فوری شکار بن جاتے ہیں۔ چہ جائیکہ ہنو قسم کے افراد کی اپنی ایک علیحدہ و بو ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا سایہ اور آواز کی لہریں بھی ان کی شناخت ہوتی ہیں۔ یہ سوئے ہوں یا جاگے، جو ان کی رینج میں آ جائے یہ چوکنے ہو کر اپنا وار کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ پہلے شکار کو اپنی آنکھوں کی سریت یعنی مقناطیسی قوت سے نیم بیہوش کرتے ہیں۔ جب شکار بے بس ہو جاتا ہے تو پھر اپنے حساب سے اس کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کسی کو نقصان پہنچا کے انھیں کیا ملتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے کہ بچھو کسی کو ڈنک مار کر کیا حاصل کرتا ہے؟ آسمانی بجلی، زمین پہ کسی درخت یا انسان پہ گر کر کتنے ثواب کی مستحق ہو جاتی ہے؟ زہر کسی کو ہلاک کر کے کون سا کار تریاقی کرتا ہے؟ اچھائی برائی، گناہ نیکی، سعد و نحس...... ہماری اپنی بشری بصیرت، عقل اور مادی سود و زیاں کی تکڑی تول کے باٹ اور اکائیاں ہیں۔ کائنات اور فطرت کے اصولوں طریقوں اور بانٹوں کے باٹ اور رتی ماشوں سرسائیوں کی سائنس کچھ اور ہے۔

زندگی ایک راستے سے آنے کا نام ہی نہیں، دوسری راہ سے جانے کا نام بھی ہے۔ سرخ خون کے ساتھ نیلے خون کی رگ...... ناریل کے بھورے سخت کھوپڑے میں نرم ملائم میٹھا سفید سفید گودا...... آم آرزو آلو بخارے کی باہری نرمیاں میٹھاس، ذائقے اور اندر کی گٹھلیاں...... گلاب کے ساتھ کانٹا...... چندن سے لپٹا ہوا سانپ...... زندگی کے سنگ یہ سب رنگ بھی ہوتے ہیں......

تین بہنوں میں آخری نمبر پہ صاحب کور کی جیون جوت، تو چندی کے پہلے شکروار، جب سیارہ مریخ، برج حوت میں گھسا بیٹھا تھا، جگی تھی۔ اس میں اس کا تو کوئی دوش نہ تھا۔ اس سے سنسار میں اور بھی کئی بچے پیدا ہوئے تھے۔ مگر یہ اکیلی ہی تھی جو جے کی ریکھا کے مطابق ہنوناری ہوئی اور اس کے ماتھے پہ دونوں ابروؤں

Scanned with CamScanner

کے بیچ ''سنگل میڈھ'' کا گُنجل تھا۔ جو بالوں کی میڈھی کی طرح آپس میں گندھا ہوا صاف دکھائی دیتا ہے۔ ہزاروں میں کوئی ایک ایسی جبلّت کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ایسی پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں' کیوں؟...... یہ بھی قدرت کے رازوں میں کوئی راز ہے۔

صاحب کور کے باپو اُس زمانہ میں اُوٹی میں فارسٹ آفیسر تھے۔ ایماندار' محنتی' فرض شناس اور اپنے سکھ دھرم پہ جان قربان کرنے والے' اُوٹی کے بڑے گوردوارے کے سرپنچ بھی تھے۔ ان کی پتنی نریندر کور ایک ایسی مذہبی' منکسر' سادہ سی عورت تھی جو اپنا سب کچھ اپنے دھرم پتی اور پریوار کو ہی سمجھتی ہیں اور اپنا جیون ان کی سیوا میں اَنت کر دیتی ہیں۔ دو پتریوں کے جنم کے بعد ان پتی پتنی کو پتر کی خواہش ہوئی۔ منّت مانگی بڑے گورو صاحب بیٹا دیں تو اس کا نام صاحب سنگھ رکھیں گے۔ ''بڑے صاحب جی'' کی کوئی حکمت' بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی پیدا ہوئی۔ اس چمتکار پہ دونوں بہت راضی ہوئے۔ خوب خوشیاں منائی گئیں...... دونوں جڑواں بہن بھائی کے نام کے ساتھ ''صاحب' لگا دیا گیا۔

''بڑے صاحب'' کی یہ بھی کوئی مصلحت ہوگی کہ یہ دونوں بہن بھائی جو بمشکل ایک برس کے ہوئے ہوں گے کہ ایک رات جنگل والے سرکاری بنگلے میں مچھردانی کے اندر سوئے ہوئے تھے۔ صبح دیکھا تو لڑکا مرا ہوا تھا اور لڑکی ایک کالے ناگ کو پکڑے کھیل رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر ماتا پتا کی تو جان نکل گئی۔ لوگ باگ اکٹھے ہو گئے۔ گوردوارے کے گیانی جی بھی پہنچ گئے۔ ہزار جتن کیئے مگر نہ صاحب کور سانپ کو چھوڑ رہی تھی اور نہ سانپ وہاں سے ٹل رہا تھا۔ لگتا تھا دونوں آپس میں ہنسی خوشی کھیل رہے ہیں۔ کسی نہ کسی طور مُردہ صاحب سنگھ کو وہاں سے نکالا گیا۔ سارا سر نیلا پڑ چکا تھا۔ لگتا تھا کہ اِس مُوذی ناگ کے زہر سے اِس کا کام تمام ہُوا ہے۔

اسی جنگل میں ایک بوڑھا سپیرا بھی رہتا تھا۔ اُسے بلایا گیا کہ کسی طرح اِس ناگ سے صاحب کور کی خلاصی کرائی جائے۔ بوڑھے سپیرے نے جب ناگ کے درشن کیئے تو وہ سجدے میں گر گیا اور پتا نہیں کیا کیا ہذیان بکنے لگا؟ بمشکل اُس نے زبان کھولی' یہ شیش ناگ تو ناگ دیوتا کا رُوپ ہے۔ اس کی ہنسلی کا ترشول دیکھیں! اس کے تو درشن کسی بھاگوان کو ہی ہوتے ہیں۔ اس کی عمر کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا' یہ لڑکی بھی دیوی ہے۔ اِسے ناگ دیوتا نے سویکار کر لیا ہے۔ اب یہ اِن کی رکھشا میں ہی رہے گی۔ جو کوئی انہیں علیحدہ کرنے کی چِنتا کرے گا گھاٹے میں رہے گا۔ ناگ دیوتا نے اِس کے بھائی کو بھی اس لیے ڈس لیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ اِس برداشت نہیں کر سکا۔ اسی طرح کی ہذیان بکتا ہوا' معذرت کرتے ہوئے وہ جان چھڑا کر بھاگ گیا۔

اِک تماشا لگا ہوا تھا جس نے سنا وہ بھاگا چلا آیا۔ ناگ اور بچی' آپس میں مگن...... کبھی وہ اُسے بے تکلفی سے پکڑ لیتی اور کبھی وہ اِس کے گرد لپٹ جاتا اور منہ ماتھے پہ زبان پھیرنے لگتا۔ لوگوں میں کسی میں جرأت نہ تھی کوئی

Scanned with CamScanner

قریب جائے یا ناگ کو پکڑنے کی کوشش کرے۔ ایسا سیاہ ' پنکھے جیسا پھن...... خوفناک دوشاخہ سیاہ زبان اور لمبائی موٹائی...... ایسا کسی نے دیکھا نہ سنا......!

بچی کے ماتا پتا کی عقل سمجھ مفلوج ہو چکی تھی۔ مرادوں سے مانگا ہوا صاحب سنگھ مرا ہوا' ساتھ پلنگ پہ پڑا تھا۔ نیلی رنگت' جیسے کسی نے اُسے گہرے نیل کے ماٹ سے ڈبکی دے کر باہر نکالا ہو؟ ادھر صاحب کور' جیسے اپنے کسی من پسند کھیل میں مگن ہو...... وہ کیا جانتی کہ کیسا خطرناک سیاہ ناگ اُس کے ذر پہ ہے اور شاید ناگ جی کو بھی یہ ادراک نہ تھا کہ وہ کیسی خوفناک چنگاری سے کھیل رہا ہے کہ جسے ہلکی سی ہوا دے دی جائے تو جلا کر ایسا بھسم کر دے کہ راکھ تک نہ اُڑے......!

بے خبری بھی کیسی نعمت ہے' مالکِ حکمت و مصلحت اگر بے خبری اور نسیان سی نعمتیں تخلیق نہ فرماتا تو اس ناصبور و ناقص شعور بندے کا جو حشر ہوتا وہ ارضی و سماوی سب دیکھتے۔

● اَنت مایا کی کایا' جس کا کسی نے بھید نہ پایا......!

ہنوناری یا ہنومنچھ میں آکاش و پاتال کے رَدوکرا کشش سادھی جمائے ہوئے ہوتے ہیں۔ زمین سے پیٹ لگا کر اور فضا میں تیر کی طرح ہدف تک پہنچنے والے جناور اور پکھیروں کے پَر پَر حرزے اس کے بھیتر بولتے ہیں۔ پاؤں پڑنے پڑے رہنے سے ان کی مکتی ہوتی ہے۔ شیش' پدم اور گردھر ناگ تو ایسی ہنومہلا کے نرش کے آگے خود بین بجاتے ہیں۔ اس کالے بینڈے ناگ کے لیے مقامِ شکر تھا کہ یہ ابھی ٹھنڈی سی چنگاری تھی' بھڑک کر شعلہ نہ ہوئی...... ورنہ صاحب سنگھ کی جگہ یہ نیل کنٹھ دھرا ہوتا......!

یہ شیش ناگ' شمبوناتھی پنتھ کے اُس ناگ' مچھندر دھوت کا چہیتا چیلا تھا جسے ناگوں کے مہاراج شمبوناتھ نے اپنے ایک حکم کے انکار پہ' اپنے پنتھ سے دھتکارتے ہوئے شراپ دی...... کہ ''تیری نسل سری رام چندر جی کی اُس آشیرباد کو پھل نہ کر پائے گی جو انہوں نے شمبوناتھ پنتھیوں کو دی تھی۔'' مزید کہا کہ تیری پنتھ لمبا جیون لے گی اور یہ بھی کہ اِن کا اَنت بھلے پہ نہ ہوگا...... چکور کی بیچ بیچ چلتی رہے گی۔

سری رام چندر' لچھمن اور سیتا جی کے بن باس تے' اُدھر کے بن باسیوں نے اس پریوار کو کسی پل بھی اکیلا نہ چھوڑا نہ اُداس ہونے دیا تھا۔

چودہ برس کا بن باس کوئی ایسا سوکھا کارم نہ تھا۔ بن باسیوں نے اپنے تن من سے اِن نردوش معصوموں کی سیوا سنبھل اور منورنجن کی خاطر بڑے جتن کیے۔ جنگل کا کوئی خزندہ' پرندہ چرندہ درندہ' یہاں تک

Scanned with CamScanner

کہ کوئی پتا' بوٹا' درخت پودا' پھل پھول' کونپل' دھونکل' کلی پھلی' یوں نہ تھی جو اس پریوار کی جی جان میں کھپی ہوئی نہ ہو۔ خاص طور پہ بندر (ہنومان) ہاتھی (گنیش) سانپ (ناگ) گائے (گاؤ) شیر (باگھ) ناریل (بلوہ پھل) شریفہ (سیتا پھل) صندل (چندن) گنا (گیندا) کمی (کنول) کیلا' کیلاس کے پتے' گھاس (کپو) چاول (دھان) دودھ' چھاچھ' تل' تلسی' مہوا' مکھن' لونگ' پھول وغیرہ کیا نہ تھا جو ان کے لیے نہ تھا۔

ان سب جناور پنجر میں' شیش ناگ اور اس کے بعد بندر (مرکٹ) مجازاً ہنومان جی تھے۔ جو ہر سمے ان کے بازوؤں اور چرنوں میں رہتے اور سیس نوائے' پران چھوڑ دیتے مگر ان کی بھگتی سمادھی میں ساتھ نہ چھوڑتے تھے۔ پشو ہو یا پرش' پرند خرند' سبھی اپنی جبلت و فطرت کے منڈل میں پرکٹ ہوتے ہیں لیکن کبھی کبھیں یہ اپنی جبلت و فطرت کے برعکس بھی......! لیکن ایسا کہیں خاص حالات و معاملات میں ہی ہوتا ہے۔ ورنہ یہ سب دیگر مخلوقات کی مانند اپنی گلی بندھی فطرت و جبلی انت کی راہ پہ ہوتے ہیں۔

سانپ ایک سیریت سے بھرا پشے تقشفر اور انتر جال'' وِش ناتھ'' ہے۔ فطری طور پہ منچھ سے خوف کھاتا ہے...... قریب نہیں آتا۔ اس کا شروع اور آخیر' کاٹنا اور بھاگنا ہوتا ہے...... ناراض ہو تب بھی اور خوب راضی ہو جب بھی...... اظہار ممنونیت بھی ڈس کر کرتا ہے۔

کالے اِلم کا عامل' تب تک کامل نہیں ہوتا جب تک وہ تمام عالم نورانی کی نفی نہیں کرتا۔ خدا رسول قرآن اور انسانیت سے منحرف نہیں ہوتا اور ابلیس رجیم اور اس کی تمام طفیلی طاغوتی فیملی کے روبرو سر نہیں جھکاتا۔ جادوگر' سفلی علوم والے عامل بابے' جن آسیب نکالنے والے کریہہ صورت و سیرت والے عامل...... مستقبل کا حال بتانے والے' فال نکالنے' ہاتھ کی لکیریں' ستاروں کی چالیں دیکھنے والے دو نمبر نجومی پامسٹ' زائچے کھینچنے اور استخارے کرنے والے نام نہاد صوفی' پیرزادے اور شاہ جی...... عیسائی بنگالی اور خاندانی عامل و کامل اکثر جعلی ہوتے ہیں۔ عقل کے اندھوں سے مال بٹورنے اور اُن کا ایمان یقین خراب کرنے والے......! ایسے جعلی سپیرے بھی' جو چند لاغر بے ضرر سے سانپ' پٹاریوں اور بوتلوں میں دکھا کر' جھوٹی سچی اسرار بھری کہانیاں قصے بنا کر آخر میں طاقت کی گولیاں فروخت کرتے ہیں۔ یہ پرلے درجے کے مجرمانہ ذہنیت کے لوگ ہوتے ہیں۔ سانپوں کی الف بائے سے بھی واقف نہیں ہوتے۔ سانپ محض تماشابین ٹائپ کے ''وسیلے'' تصور کیے' لوگ جمع کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ پٹاریوں میں بند' فاقہ مست' بے سکت و سم...... زندگی سے بیزار سانپ نما کیڑے' بڑے مظلوم ہوتے ہیں۔ جو کوئی لڑھک جاتا ہے وہ مر کے بوتل میں بند ہو جاتا ہے۔ کمبخت کے نین لوچن' جیون تیاگنے کے بعد بھی کھلے ہی رہتے ہیں۔ پتا نہیں وہ بعد مرنے کے کس کی راہ دیکھ رہا ہوتا ہے......؟

Scanned with CamScanner

صاحب کو، مزید سے بتانے کے بعد اچھی خاصی سیانی ہو چکی تھی۔ بچیوں بالیوں والے سب کھیل کھلاڑے اس میں موجود تھے۔ گڑیوں پٹولوں سے نہ صرف کھیلتی بلکہ انہیں خود بناتی بھی تھی۔ ننھے ننھے ہاتھوں سے کپڑے کی پھٹی پرانی لیروں اور پرانی روئی سے ایسی خوبصورت گڑیاں بناتی کہ دیکھنے والے ہنس ہنس کر اُٹھتے ...... بس ایک ہی عجیب بات ہوتی کہ گڈے گڈی کا چہرہ گردن سر آنکھیں زبان، کسی بھی طور انسانی نہ ہوتیں ...... یعنی دھڑ انسان سے مشابہ اور منہ ماتھا سانپ کا ...... اگر اس کی وجہ پوچھ بیٹھو تو گول گول آنکھیں گاڑے مقابل کو زچ کر دیتی مگر کوئی جواب نہ دیتی ...... ہاں، کبھی کبھی انکار میں سر ہلا دیتی کہ مجھے کچھ پتا نہیں۔

ماتا پتا تو گوروکی اس ''مہر'' پہ صبر شکر کا پرشاد چکھ کر نچنت ہو چکے تھے۔ کیسا بھی دُکھ دلدر ہو پُرش اُسے کسی نہ کسی ڈھنگ، بھوگ ہی لیتا ہے کہ مالک نے اُسے بسارنے اور برداشت کرنے کی شکتی بھی اُتم دی ہوتی ہے۔ نے کا رَواں دھارا بڑے بڑے نوکیلے پتھروں کو ملائم اور ہموار کر دیتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی نامساعد حالات اور زندگی کے اجنبی رَوّیوں سے راہ و رسم پیدا کر ہی لیتا ہے۔ زندگی کا کڑا بوجھ، کمزور کاندھوں پہ اُٹھائے چلتے رہنے پہ مجبور انسان، کہیں پل دو پل دَم سادھنے کی خاطر بیٹھ رُک بھی تو نہیں سکتا کہ بڑھتے چلتے رہنے کا نام ہی تو زندگی ہے۔

تکشت نامی، یہ شیش ناگ اُس گوت سے تھا جس نے رِشی مہاراج شورنگی کی شرپ سے کام دھاری راجہ پریکشت کو ڈسا تھا۔ یہ موذی وشدھر، باسک بادشاہ شانپ بھی کہلاتا تھا۔ اس سانپ کی ایک خاص پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے منہ میں زبان والے سوراخ کے دائیں بائیں اِک انوکھے چمتکار والے دو دانت باہر نکلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ہاتھی کے دانتوں کی طرح، ان میڑھے اور نوکیلے دانتوں سے باسک ناگ، مقابل کو ڈسنے اور خوفزدہ کرنے کے علاوہ ایک اور کام بھی لیتا ہے جو کسی اور چمتکاری سانپ کے بس کی بات نہیں ...... عام زہریلے سانپوں کے نوکیلے دانت منہ کے اندر جبڑے کی گدیوں میں دَبے پڑے ہوتے ہیں اور محض ڈسنے کے وقت باہر نکلتے ہیں۔ اپنا کام کرنے کے بعد واپس اپنی جگہ گھس جاتے ہیں۔ جیسے بلّی اپنے پنجوں سے ناخنوں کو حملہ کرتے وقت باہر نکالتی ہے۔

تکشت، سانپ عام چوہے انڈے یا دودھ پینے والا سانپ نہیں، یہ اُوتاروں، بھگشوں، رِشیوں اور بھگتوں فقیروں کی گردنوں باہنوں اور چرنوں میں پڑا رہنے والا پُشپ ہے جسے ہمیشہ دیویوں دیوتاؤں، مہان پُرشوں کی آشیرواد حاصل رہی ہے۔ کہا گیا یہ وہی پسلیوں کے بل رینگنے، نرم چمکیلے اور بے پناہ سکڑنے پھیلنے اور اپنی ہیئت وضع بدلنے پہ قدرت رکھنے والا سریع الحرکت اور تیزی الفطرت کیڑا ہے جسے شیطان نے اپنا آلہ کار بنا کر جنت میں اماں حوا تک رسائی حاصل کر کے بہکایا تھا۔ یہ بھی کہ تب یہ پاؤں رکھتا تھا بعد اِس کے پاؤں اور

Scanned with CamScanner

کان' سزا کے طور کاٹ دیے گئے کہ اس نے پاؤں اور کانوں کا غلط استعمال کیا تھا۔ اس کی زبان درمیان سے چیر کر دو لخت کر دی گئی......''

اس کے منہ کی غدودوں سے سنہری روشنی پھیلانے والا مادہ نکال کر نیلی اور پیلی رنگت والا زہر بلا بل بھر دیا گیا۔ آسمانوں کی وسعتوں سے گرا کر' اسے بھربھری' کھردری' بدبودار تاریک و تنگ بلوں' سوراخوں' سنگلاخ گھاٹیوں' جنگلاتی گنجلکوں' برساتی دلدلوں اور بے آب و گیاہ صحراؤں میں لڑھکا دیا گیا...... کہ جاؤ ویرانوں' قبرستانوں' جنگلوں بیابانوں' کھیتوں کھلیانوں' کھنڈروں کھدروں' مندروں میں اپنے لیے بقا اور حیا تلاش کرو...... کہیں تمہیں نوچا جائے اور کہیں تمہیں گھسیٹا جائے...... گھسٹ گھسٹ' لڑھک لڑھک بھاگنا' تمہارا مقدر ٹھہرا...... خوف وحشت' سرسراہٹ کلبلاہٹ تمہارا وطیرہ...... بھوک پیاس' انجانی سستی بے حسی' کاہلی کمزوری...... خموشی تمہاری اوقات اور سریت تمہاری ذات......!

سریت' ماورائی طاقتوں کی پروردہ اور پرلے درجے کی اہلیت کا شاخسانہ ہوتی ہے۔ ابہام' اس کے پیٹ سے جنم لیتا ہے اور ابہام' ابر نہیں ہوتا ہے جو حقیقت میں برستا ہے وہ تو ابر کا سایہ ہوتا ہے اک سراب اور رات کا گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹھوں ٹھپ کرتا ہوا ایک ایسا ہیولا' جو کسی انگ اپنی شناخت بنانے سے قاصر ہوتا ہے......

دیومالائی واقعات' قصوں کہانیوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ من گھڑت' پراسرار' سنی سنائی سچی جھوٹی کتھاؤں نے جہاں سانپ کے وجود سے انگنت اسرار پیدا کر لیے وہیں ایک مافوق الحیات و فطرت جنس کا درجہ دینے میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔

سامنے کے روشن' نیم روشن مذاہب کے علاوہ بجھے ہوئے' حنوط زدہ' پارینہ متروک جتنے بھی ادیان مذاہب' کہیں ہیں یا کہیں تھے' سب کے ہاں ''حضرتِ سانپ'' کسی نہ کسی طور موجود دکھائی دیتے ہیں...... کہیں گردن بازوؤں سے لپٹا...... کہیں سر کے تاج پہ براجمان...... کہیں تخت سنگھاسن' سر پہ رکھے' کہیں جنت میں ہے تو کہیں اپنے سر پہ دھرتی اٹھائے ہوئے ہے۔ فرعون کے دربار میں اور غار ثور میں بھی موجود...... دیکھو تو محو خواب گوپالے کی حفاظت کر رہا ہے اور کہیں مقامِ سجدہ پہ الف کھڑا' سید عبدالقادر جیلانیؒ کی نماز میں کھنڈت بھی ڈال رہا ہے...... کب قارون کے خزانے کی پہرہ داری اور تب گوگے پیر کے ڈیرے کے چوکیداری اور غلامی......!

گوگا کو ملنے والا' انسانوں کا تو نہیں البتہ سانپوں کا پیر ضرور تھا۔ قدرت نے اسے کچھ ایسی صلاحیت اور سری علم بخشا ہوا تھا کہ پوری سانپوں کی قوم اس کی مطیع تھی...... عقیدت اور جانثاری کا یہ حال کہ اس کے

Scanned with CamScanner

راستے اور اُٹھنے بیٹھنے کی جگہوں پہ پھن پھیلے پڑے رہتے۔ گوگا پیر ان کی گردنوں پہ سے جوتوں سمیت گزر جاتا۔ جن اور سانپ چونکہ سرِیت میں اِک دوجے کے اُلٹے سید ھے ہیں اس لیے شوریدگی شر پسندی شرارت اِن کے خمیر میں پڑی ہوتی ہے۔ معتوب سانپوں سے وہ اپنی کھری چارپائی بان کی مانند بُنتا...... صبح اُٹھتے ہی تیز سی چھری سے سانپوں کا بنا ہوا بان کاٹ دیتا۔ اس طرح سیکڑوں شریر سانپ ہر روز تلف کر کے وہ انسانوں کو ان کے ضرر سے محفوظ بھی رکھتا اور سانپوں کو سزا بھی دیتا۔ اس بُری طرح اپنی نسل کشی دیکھ کر بھی کوئی سانپ گوگے پیر کے رُوبرو کسی سرتابی کی جراًت نہ رکھتا تھا۔ زہریلے سے زہریلے سانپ کا زہر گوگے پیر کے لیے اکسیر تریاق کا اثر رکھتا تھا۔ اُس کے کھانے پینے یہاں تک کہ حقہ تمبا کو نسوار میں بھی زہر ہلاہل موجود ہوتا مگر بھی اُس کے لیے حیات آمیز اُمرت کا درجہ رکھتا تھا۔''

اس کائنات' دُنیا زندگی کے کھیل میں کچھ بھی تو حرف آخر نہیں...... حتمی اُصول و اسلوب' واضح طور وطریق یا کوئی ضابطہ کلیہ' فلسفہ و منطق ایسا موجود نہیں جو اپنی جگہ پہ اٹل جامع و جامد ہو قدرت' فطرت وقت...... اپنے انداز فیصلے فلسفے' حتمی اُصول و اسلوب' طور طریقے' ' تلملم کھیلے قاعدے قرینے نتیجے خود ہی اتھل پتھل کرتے رہتے ہیں۔ ورنہ زہر ہلاہل کبھی تریاق اور نار کبھی گلزار نہ بنتی...... ولیوں کے گھر بھوت اور پیغمبروں کے ہاں نافرمان جنم نہ لیتے...... خدائی کا دعویٰ کرنے والوں کے ہاں' کفر کا قلع قمع کرنے والے پرورش نہ پاتے اور نہ ہی کسی بُت تراش کے زیرِ عاطفت' بُت شکن پروان چڑھتے......؟

میڈیکل سائنس نے ثابت کر دیا کہ مار سیاہ کا زہر' قاتل کم اور حیات بخش زیادہ ہے۔ ہم نے اُس کے زہر کے منفی کردار پہ نظر رکھی اس کے مثبت پہلو پہ کبھی غور ہی نہیں کیا...... اسی طرح سیلابوں' زلزلوں' لگاتار بارشوں' آندھیوں طوفانوں' آتش فشانیوں' قحطوں' وباؤں اور دیگر ناگہانیوں' حادثوں میں پنہاں حکمت' وَسیع افادیت و سلامتی پہ ہمیں تدبّر کرنے کے بہت کم مواقع نصیب ہوتے ہیں۔

ہلکے سے فکر و تدبر سے ہم پہ منکشف ہوتا ہے کہ اس کارزارِ ہستی میں جو کچھ ہے مالکِ کُل کا اَمرِ مشیئت ہے اور جو باقی ہے وہ تسلیم و تعمیل ہے...... زندگی بندگی کے جو واضح اُصول قانون اور ضابطے قاعدے ہیں وہ اِنسان اور معاشرہ کے درمیان آسانیوں سلامتیوں اور فراوانیوں کے رابطہ پل ہیں اور پل کی تعریف یُوں ہے کہ وہ پانیوں کی رَوانیوں میں کوئی خلل پیدا کیے بغیر' راہرَواں اور آرپار کے رابطے بحال رکھتا ہے۔ پر کبھی کہیں یہ کام پل کو خارج البحث کر کے بھی انجام دیے جا سکتے ہیں یا خود بخود ہو جاتے ہیں۔

سو اس جہانِ ہست و بُود' نیک و بد' سُود و زیاں' ہوش و غنود' رند و زاہد' خفت و شہود' آسود و نا آسود' نصرانی و یہود' مسلم و ہنود' مظہر و مفقود میں کچھ بھی تو اوّل و آخر نہیں' سوائے مالک و معبود کے......! ہر لحظہ ہر

Scanned with CamScanner

پل ہر لحظہ عرش و فرش' دُنیا میں کائناتیں اپنے رُخ زاویئے' انداز اُصول بدلتی رہتی ہیں۔ جو اندر ہوتا ہے اگلی ساعت باہر نکل پڑا ہوتا ہے۔ نرم' سخت...... کافر' مسلمان...... چور' قطب اور شاہ' گدا میں بدل جاتا ہے۔ میرے جیسا بے علم و عمل' دانشور' صوفی اور اُدیب کہلاتا ہے اور رُشدی جیسا پڑھا لکھا نامور مصنف و مدبر معتوب و زندیق ہو کر اپنی جان بچاتا پھرتا ہے۔ کہیں مونالیزا جیسی بے نام و نمود دیہاتی تصوراتی لڑکی' کی محض مُسکان' نسوانی حُسن و جمال' آرٹ کا فقید المثال نمونہ بن کر شہرت کی بلندیوں کو چھوتی ہے اور کدھر زندہ تابندہ رعنائی و جمال کا پُروقار پیکر' پیرس کی ایک غار نما سڑک کے ایک سنگی ستون سے ٹکرا کر' سنگدلانہ سفاکی اور انسانی بہیمیت کی ایک ایسی شکل اختیار کر لیتی ہے کہ نظر اُٹھا کر دیکھنا مشکل ہوتا ہے۔''

کسی بھی اَنہونی کو دیکھ چونکیں نہیں اور نہ کبھی یہ بولیں کہ ''یہ تو ہو ہی نہیں سکتا'' اس رنگ بدلتی دُنیا اور تغیر سے تعبیر اس کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے' دکھائی دیتا ہے وہ عین اس کا حصّہ' پروگرام میں شامل' اپنے ہونے میں کامل ہوتا ہے۔'' مولا کریم کے اِس خاص بخشے ہوئے ادراک کے صدقے حالات اور واقعات کیسے بھی گھمبیر' سمجھ میں نہ آنے والے' حیرتناک خوفناک' جیسے بھی ہوں اللہ کے کرم سے میرے اُوسان خطا نہیں ہوتے' میں بڑے سکون تسبیح اور موقع کے مطابق سُوجھ بوجھ سے کام لے کر کوئی نہ کوئی سلامتی کا حل نکال لیتا ہوں۔

میرے بابا جی نے ان مواقع پہ اپنے آپ کو سلامت رکھنے کا طریقہ سمجھایا تھا۔ نیت دُرست کر کے بسم اللہ شریف' لاحول ولاقوۃ' تیسرا کلمہ اور درود ابراہیمی کا پانچ بار ورد کر کے کھڑے کھڑے گھوم کر اپنے گرد حصار کھینچ لو...... ہمیشہ ناک کی سیدھ دیکھو پیچھے نہ مڑو...... شیاطین اور شرشرار بلیات سے بچاؤ رہتا ہے۔''

چندی گڑھ واپس چلتے ہیں...... کالا کتا جس کی چمکیلی چشم' صبحِ صادق کے نیم ملگجے میں ابریشم سیاہ کی مانند چلکے مار رہی تھی...... پھر کہیں سے نکل کر میرے آگے آ گیا تھا۔ کتے کی جبلت میں شامل ہے کہ جب وہ کسی خاص مشن پہ ہوتا ہے تو اس میں اضطراری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ نوکِ دُم سے لے کر ناک کی پھنک تک وہ مثلِ سیماب بنا ہوتا ہے۔ اس کی تمام بیرونی اندرونی عام اور خاص حسیں متحرک ہو جاتی ہیں۔ اس وقت بھی اُس کی یہی حالت تھی کہ وہ پھوں پھوں کرتا ہُوا کبھی آگے کبھی میرے پیچھے چکر کاٹ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہُوا وہ مجھے دھکیل کر کسی خاص راہ پہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

میں نے ایک خاصا عرصہ کچھ مخصوص جانوروں کو سمجھنے' اُن کی سائیکی کے مطالعہ مشاہدہ میں صرف کیا۔ حیوانِ مُطلق چونکہ ''کمیذ الرحمان'' ہوتے ہیں اس لیے ایک کُھلی کتاب کی طرح اُن کو پڑھا جا سکتا ہے۔ کتا' گھوڑا' بلی اور دیگر چوپایوں کے علاوہ کچھ پرندوں اور آبی مخلوق جو انسان دوست کہلاتے ہیں' کوئی اگر

Scanned with CamScanner

چاہے تو ان کی حیوانی جبلّت اور مخصوص تشرفات و تصرفات کے ماورائی پہلوؤں سے علمی استفادہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ علم الحیوانات اپنی حیثیت میں ایک دلچسپ اور گمبھیر علم ہے۔ علم الانسان کے بین بین اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلّمہ ہے..... دور دراز پہاڑوں جنگلوں صحراؤں سمندروں جزیروں غاروں کے باسیوں کی حیات و بقا اسی علم کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ انسانیت اور حیوانیت ایک دوسرے سے یوں باہم پیوست ہوتی ہے کہ علیحدگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

انسانی اور حیوانی تاریخ بتاتی ہے کہ ان دونوں مخلوقات نے ایک دوسرے کے لیے اپنی جانیں قربان کردیں..... وفاداری احسان کیشی اور ذمہ داری نبھانے کی خاطر ایسے ایسے کارنامہ ہائے انجام دیے کہ دیکھنے پڑھنے والے عش عش کر اُٹھے۔ میدانِ جنگ میں ہاتھیوں گھوڑوں کتوں کبوتروں ابابیلوں یہاں تک کہ مکھیوں مچھروں مکڑیوں نے بھی ایسے ایسے کام کیے جو علم و دانش اور طاقت و جرأت کے دعویدار انسان بھی نہ کرسکے۔ جنگلوں بیابانوں برف زاروں میں بھٹکنے والوں جھیلوں دریاؤں سمندروں میں ڈوبنے..... تہہ زمین کانوں تودوں میں دفن ہونے والوں اور آگ بادوباراں طوفانوں میں پھنسنے والوں کو کتوں نے اپنی جانوں پہ کھیل کر بچایا..... گھوڑوں نے میدانِ کارزار سے اپنے زخمی نیم مردہ سواروں کو بڑی جرأت و ذمہ داری سے نکال کر اُن کی جان بچائی..... بلیوں بازوں کبوتروں شہد کی مکھیوں نے جنگوں کے نقشے بدل ڈالے۔ مکڑیوں کوؤں اور مرغابیوں نے بھٹکے ہوؤں کو راستے پہ ڈالا۔ ان کے گوشت خون پروں چونچ ہڈیوں اور فضلے پیشاب وغیرہ بہت سے انسانی جسمانی عارضوں میں بطور دوا استعمال ہوتے ہیں۔ دودھ تو شفا ہی شفا ہے۔''

یہ بھی درست کہ یہ سب چیزیں سفلی علوم و وظائف میں بھی استعمال ہوتی ہیں..... استعمال تو استعمال ٹھہرا جو جس ارادے سے کرے ویسے ہی نتائج حاصل کرلیتا ہے۔ باورچی خانے کی چھری سے پیاز کاٹ لو یا کسی کا پیٹ پھاڑ دو..... چولہے کی آگ سے کھانا پکالو یا گھر کی بہو جلا ڈالو..... دیے بتی کی معصوم لو کُٹیا کے اندھیرے کو دور بھی کرسکتی ہے اور اُسے راکھ کے ڈھیر میں بھی بدل سکتی ہے۔ بات نیت ارادے کی ہے..... مرغ بادنما کی چونچ اُدھر ہی ہوتی ہے جدھر ہوا کی کھونٹ ہوتی ہے۔''

کیسا بھی ماڈرن جدید ٹیکنالوجی کا حامل..... صدیوں کے تجربے والا کپتان..... ہزاروں قیمتی جانوں سے لبالب سمندری جہاز جب کسی ساحل پہ لنگر انداز ہونا چاہتا ہے تو اُسے ایک مقامی رہبر کی ضرورت پڑتی ہے۔ چھوٹے سے رہبر ٹگ (کشتی) میں زیادہ سے زیادہ دو تین تجربہ کار ملاح ہوتے ہیں جو دیوہیکل جہازوں کے کھلے سمندر سے اُن کی محفوظ مخصوص جیٹی تک پہنچنے میں رہبری کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ اتنے بڑے جہاز کا ذی شان کپتان! اب ایک معمولی سے بیار انجن کے حامل ٹگ کے پیچھے پیچھے کسی فرمانبردار چیلے کی مانند سر

Scanned with CamScanner

نیوٹرے انتہائی عجز و رجز سے چلا آ رہا ہوتا ہے...... وقفہ وقفہ سے اُس کے کلیجے سے نکلتی ہوئی بے بسی کی چیخیں ساحل کے مقامی پرندوں اور کارندوں کو اپنی آمد کی شناختی سیٹیوں کی صورت سنائی دیتی ہیں۔ ساحل پہ اُس کا مستقر دکھاتے ہی وہ ننگ اُغل بُغل کہیں غائب ہو جاتا ہے۔ قدرت کا نظام ہے کہ وقت اور ضرورت کی بساط پہ استعمال شدہ مُہرہ میدان سے ہٹ جاتا ہے اور دوسروں کو اپنی چال چلنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

میرے ننگ یعنی رہبر کُتّے نے مجھے میرے ''مقامِ مقصود'' پہ لا کھڑا کر دیا تھا۔ مالک و خالق جب کسی کے لیے ہدایت سلامتی کا فیصلہ فرماتا ہے تو اپنی مخلوق میں جسے چاہے رہبری کی صلاحیتیں عطا کر کے آگے کر دیتا ہے۔ نبی پیغمبروں رسولوں پہ ہی کیا موقوف، وہ جب چاہے غلاموں، بے علموں، بے توقیروں، مہروموں، اجرام، چرندوں پرندوں، حیوانوں، حجرات، شجرات، ہوا پانی آگ، حتیٰ کہ ریت کے ذرّوں، سمندر کی مچھلیوں مچھروں، مکڑیوں، چیونٹیوں، دیمک کو بھی رہبری کی توفیق تفویض کر دیتا ہے۔''

● اُف تیرے حُسنِ جہاں سوز کی پُرسوز کشش......!

میرے رُو برو گھنے جھاڑوں پیڑوں کے حصار میں ایک خوبصورت سا ہٹ نیم ملگجے سے ماحول میں موجود تھا۔ کونے کے ایک کمرے میں دریچے سے ہلکی سی روشنی باہر چھنتی ہوئی دکھائی دے رہی...... ایسی دُودھیا سی ٹھنڈی روشنی جو خواب گاہوں میں رات کے نے خوابیدہ سی رہتی ہے۔ صبحدم مست خرامی کرنے والی پُروائی پودوں جھاڑوں شاخساروں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ عجب سی نکہت بیز تازگی اور بہجت ماحول کو اپنی باہنوں میں لیے ہوئے تھی...... طلوع سے کچھ پہلے کا یہ سماں بڑا پُر فسوں اور پُراسرار بھی ہوتا ہے۔ یہ وہی سرمدی سا سماں ہوتا ہے جب کونپلوں میں کلیوں کی کلپنا جاگتی ہے اور کلیاں مسکرا کر گُل اندام ہوتی ہیں۔ گھونسلوں میں پرندے کسمساتے ہیں...... ندیوں دریاؤں کے کنارے انگڑائیاں توڑ کر نیند کے ہچکولوں سے باہر نکلتے ہیں۔ نہائے دھوئے سورج کی لجاتی شرماتی کرنیں لیٹے دیئے اپنے رُخ پر سے آنچل سرکاتی ہیں اور دھرتی پہ دھری رُوئیدگی بڑے شبنمی انداز سے مسکراتی ہے......

کُتّے کی بے صوت ہَف ہَف نے مجھے ایک پیغام دیا جس کے خاموش جواب میں مَیں اُدھر ملگجے روشن دریچے کی جانب بڑھ لیا...... اچانک میری نظر باڑھ اور ہٹ کی دیوار پہ آویزاں وارننگ کی تختیوں پہ پڑی...... نیم اندھیرے کے باوجود گورمکھی ہندی اور انگریزی میں جلی لکھا ہوا پڑھا جا سکتا تھا۔

''اس رہائش گاہ اور گرد و نواح کی حفاظت الیکٹرک ہائی وولٹیج کی ننگی تاروں، تربیت یافتہ خونخوار کتوں،

Scanned with CamScanner

مستعد نگہ داروں کی ذمہ داری میں ہے۔ کسی بھی غیر متعلقہ فرد کی ادھر نقل و حرکت سختی سے منع ہے۔ اس وارننگ کو نظر انداز کرنے والا اپنے انجام کا خود ذمہ دار ہوگا۔ خبر دار کر دیا گیا ہے۔"

اس وارننگ کی تختی پہ دو ہڈیوں اور کھوپڑی والا مخصوص خطرے کا نشان بھی تھا۔

ظاہر ہے میں کسی اضافی احتیاط کو خاطر میں لائے بغیر بلا خوف و خطر' باڑ جیسی اور بیرونی روکاوٹیں پھلانگتا ہوا' اندر کھڑکیوں' دروازے تک چلا آیا تھا۔ کوئی الارم بجا نہ کوئی خطرے کی نشاندہی کرنے والی فلڈ لائٹ روشن ہوئی۔ نہ کسی خفیہ ہائی وولٹیج تار یا کانٹے دار باڑھ نے مجھے اپنا تعارف کرایا؟...... خونخوار حفاظت کرنے والا کتا تو تھا ہی میرے ساتھ ساتھ...... بلکہ وہی میرا گائیڈ تھا' ادھر تک پہنچانے میں میرے آگے آگے...... اب دو ہی باتیں تھیں یا تو تمام کا تمام سسٹم بوگس تھا یا پھر کوئی طاقت تھی جو مجھے بہر طور ادھر پہنچانا چاہتی تھی۔"

میں اُن کاموں میں کچھ زیادہ سوچ بچار کرنے کا عادی نہیں جو میری عقل سمجھ کے کھانچے میں فٹ نہ بیٹھتے ہوں...... مغز ماری کرنی فضول ہوتی ہے۔ دیر بدیر وہ خود ہی ہر چیز سمجھ میں آ جاتی ہے۔

کتا میری ٹانگوں سے جڑا کھڑا اتھانیوں دُم اور دُم دبائے جیسے ہم دونوں زندگی اور موت کے دہانے پہ کھڑے ہوں یا شرلک ہومز طرح کے کسی معرکے میں وہ معاون کی حیثیت سے میرے ساتھ ہو۔

کہتے ہیں چور' فقیر' سانپ اور عاشق کو زمین آگ پانی اور ہوا بھی وقت راستہ موقع اور پردہ فراہم کر دیتے ہیں۔ پر میرا تو ان چاروں تھوک سے کسی ایک سے بھی کوئی واسطہ تعلق نہ تھا...... لیکن کچھ نہ کچھ تو ایسا تھا جو مجھ پہ عیاں نہ تھا۔؟

اندر کھڑکی کے آگے دبیز پردہ...... جس کے آر پار کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ادھر اُدھر جھانکنے کے باوجود جب کوئی جھری روزن دکھائی نہ دیا تو کتے نے ہلکا سا ہونکا بھر کر متوجہ کرتے ہوئے بغلی کھڑکی کی جانب بڑھنے کا اذن دیا۔ ادھر ایک کونے سے جھانکا تو نگاہوں کو ایسا جھانکا لگا کہ پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ گو میں ہر اَنہونی اور ہونی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ادھر پہنچا تھا مگر میں ایک بشر بھی تو تھا اور بشر چاہے کیسی بھی علمی عقلی دُنیاوی یا روحانی ارتقائی منزلیں طے کر لے' اُس کے بشری فطری تقاضے قدریں اور حدود حجاب اُس کے ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں۔ انہی کی بدولت وہ زندگی کی تنی تار پہ' جس کے نیچے بربادی کی گہری کھائیاں ہوتی ہیں کچھ تو ازن قائم رکھ کر قدرے بچ بچاؤ کر پاتا ہے۔

اگلے لمحوں میں' میں اپنے تحیّر کو رومال کی طرح تہہ کر کے تحمّل کی جیب میں رکھ چکا تھا۔ عجیب سا زاویہ تھا...... دکھائی بھی دے رہا ہے اور نہیں بھی...... قیمتی بستر پہ ریشمی چادریں گاؤ تکیے کے بیچ ایک قیامت کی

Scanned with CamScanner

قامت دوشیزہ زُلفوں کی گھٹائیں بکھیرے ہاتھ کے پیالے میں مکھن سے مُکھڑے کا پیڑا رکھے خواب مست ہے...... گدرے رسیلے ہونٹوں کی اَدھ کھلی قاشیں یوں وا ہیں جیسے کسی اناڑی نے کُند بوسے کی چھری سے پکے ہوئے آڑو پہ گھاؤ لگا دیا ہو مگر بیج کی سخت کھردری گٹھلی نے دو نیم ہونے سے بچا لیا ہو۔

اللہ کریم کی توفیق سے میں اپنی نظریں واپس کھینچنے میں کامیاب ہُوا ورنہ بشر نے تو اپنا کام ڈال دیا تھا۔ نظریں ہٹا کر میں اپنی حسِ جمال کی مرمت میں مصروف تھا کہ بیچے گُتے نے پھر کسمسانا اور ہُفی ہُفی شروع کر دیا جس کا ترجمہ تھا کہ مخصوص سمے بیتا جا رہا ہے۔ ہاں ویسے تو ہر کام کے لیے اک وقت مخصوص ہوتا ہے...... اگر وقت بیت جائے اور وہ کام رہ جائے تو پھر بے وقت اُس کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہو کے رہ جاتا ہے۔

ایسے کام جن کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ عملِ نورانیہ یا عملِ اُرضیہ' افلاکیہ یا علویہ سے ہو' اپنے سمے پہ سرانجام پانے سے ہی مکمل ہوتے ہیں۔ خاص طور پہ ایسے کام' جن کا تعلق کسی اَندرجال یا مایا کرشمہ سے ہو' اُس کے پرکٹ کے لیے سمے کا پراپت اوش ہونا ٹھہرتا ہے۔ اِس سمے کو پشٹے نکشتر کہتے ہیں...... عمل کے دوران اگر اِس کی گرہ' ہاتھ سے چھوٹ جائے تو ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے۔''

چند اُچنگتے سے لمحوں کے بعد جب اُدھر دیکھا تو منظر ہی بدلا ہوا تھا...... یاقوتی حُسن و جمال والی دوشیزہ نے میرے رُخ کروٹ لے لی تھی۔ یہیں اچانک میری نظر ایک بڑے سے کالے سانپ پہ پڑی جو اُس کی بغل کے ساتھ جُڑا لپٹا...... اپنا بڑا سا پھن پھیلائے' پستان پہ مُنہ دیے پڑا تھا۔ سانپ کی گردن کے سکڑنے پھیلنے سے خُوب اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اِس کا دودھ چُسک رہا ہے۔ سوئی ہوئی یا غنودگی کے عالم میں اُس کے چہرے پہ اک سکون آمیز طمانیت کی چاندنی چِٹکی ہوئی تھی۔ جیسے وہ دُنیا مافیہا سے بے نیاز' کیف و انبساط کے کسی چمنستان میں معصوم سی مسکراہٹوں کی تتلیوں کے پیچھے لپک رہی ہو۔''

میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ سانپ سرکتا ہوا' پلنگ سے اُترنے کی خاطر پائینتی کی جانب لپکا...... یہی وہی سے تھا جسے میں کھونا نہیں چاہتا تھا...... شاید گُتے نے بھی میرے ارادے کو بھانپ لیا تھا...... زبان نکالے' کان کھڑے کیے چند لمحے کچھ کن سن لیتا رہا پھر اچانک دُم میری ٹانگوں سے مَس کرتا ہوا تیزی سے پچھواڑے کی طرف چل پڑا۔ اُدھر پیچھے ایک کمرا نظر آیا جو شاید کچن یا غسل خانہ تھا۔ وہ اُس کی بغلی دیوار کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جیسے کسی کے اِنتظار میں ہو۔ مجھے اندازہ ہو گیا اِدھر ہی سانپ کے آنے جانے کا راستہ ہے...... سامنے کھڑکی کی بغل میں ایک خاصا بڑا گول سوراخ دکھائی دیا جس میں پانی کے پائپ کا گزر تھا۔ گُتا بڑی مستعدی سے یوں کھڑا تھا جیسے وہ کسی بھی صُورتِ حال سے نبٹنے کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ مَیں نے خود کو ذہنی اور جسمانی طور پہ کسی ناگہانیت سے نبرد آزمائی کے لیے آمادہ کر لیا تھا۔''

Scanned with CamScanner

قارئین کو یاد ہوگا یہ وہی تن کوری لڑکی تھی جو محکمہ جنگلات کے ایک افسر کے گھر پیدا ہوئی تھی اور یہ سوگندھ شیش ناگ بھی وہی جو اُس کے جنم لینے سے ہی اُس کے ساتھ منڈلا رہا تھا اور اپنی بس کا یا کا کڑا اُس پہ ڈال چکا تھا۔ جس بالک کی ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرے پہ جو مان کی دُم پیدائشی طور پہ ہوتی ہے وہ بالک 'سانپوں کا سپوران' ہوتا ہے۔ سانپ اس کی مخصوص مہک سے اسے ڈھونڈھ لیتے ہیں اور پھر کبھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اس گھنٹا کا اُپائے کسی عام سپیرے یا سادھو سنت کے پاس نہیں بلکہ کسی خاص گُنی مُنی کے ہاں ہوتا ہے۔ اس دور میں نہ تو ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں اور نہ ہی ایسے گُنی مُنی منش!...... خدا کی خاص عنایت ہوئی کہ اس سے میں اپنے منڈل 'پنج تنی حصار' میں تھا یعنی نیت کا درست کرنا 'بسم اللہ شریف' 'تعوذ' تیسرا کلمہ اور درود ابراہیمی پانچ بار پڑھ کر' کھڑے کھڑے گھومتے ہوئے اپنے جسم پہ پھونکتے جاؤ...... مڑ کر نہ دیکھو' کسی اجنبی آواز پہ دھیان نہ دو...... جادو' شر شرار بلیات شیاطین کا وار کارگر نہیں ہوتا۔ (قارئین یاد رہے کہ اپنے مرشد' بابا کی اجازت حاصل کیئے بغیر کوئی عمل نہ کرنا چاہیے...... نقصان ہوتا ہے)

میں نے اپنے سیاہ چندن کاٹھ کے عصا' جس کی نچلی خونٹھ میں گوروچند کی زود رکھی ہوئی تھی۔ (کپولا گائے کے پتے میں گہرے نیلے رنگ کا خون کا جما ہوا لوتھڑا۔ جو جادوئی' شیطانی عمل کے سدِ باب اور توڑ میں کام آتا ہے۔ کپولا گائے یعنی آٹھ دانتوں والی گیا' ہر کپولا گائے میں گوروچند نہیں ہوتا۔ گوروچند والی کالی شیا اور نیلے لوچن والی' لیکن چاروں کھر اور ماتھا سفید ہوتا ہے اور نہ ہی وہ باسی سڑا' اُبھسا یا میلا کھاتی ہے۔''

سوراخ کے سامنے کھڑے ہمیں کچھ دیر ہو چکی تھی۔ میرے اور شنٹے کے حساب سے سانپ کو اب تک باہر نکل آنا چاہیے تھا کہ صبح کا اُجالا پوری طرح پھوٹنے سے پہلے اُسے بہر طور اپنی بانبی میں واپس پہنچ جانا چاہیے تھا۔ سانپ عام ہو یا کوئی خاص' اُس کی فطرت میں شامل ہے کہ جب وہ کسی کو ڈس لے یا پیٹ پوری طرح بھر لے تو اُس کی حالت ایک شرابی کی سی ہو جاتی ہے جو نشے کی ترنگ میں بے خود' کہیں پڑ کر بے خودی کی کیفیت سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ سانپ کی یہ حالت خاصی دلچسپ ہوتی ہے۔ نڈھال سا وہ جان بچاتا پھرتا ہے...... اس کی پہلی کوشش ہوتی ہے وہ کسی طور اپنی بانبی میں پہنچ پائے۔ دُور ہو تو کسی محفوظ بل سوراخ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔

اللہ کریم خالق و مالک نے اپنی کتاب قرآن مجید میں دس عدد حشرات الارض کا ذکر بھی فرمایا ہے جن میں سانپ' کتا' مکھی' جوں' چیونٹی بھی شامل ہیں' یہ حشرات الارض بے پناہ ماورائی قوتِ شامہ کے حامل ہیں۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کی بقا کا دارومدار ہی سونگھنے اور محسوس کرنے یعنی حسِ لامسہ پہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو ان کی قوتِ لامسہ کے غیر معمولی مظاہر دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات

Scanned with CamScanner

ہے اس معاملہ میں ان کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔

ننھی سی جان' چیونٹی مکھیوں کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ کسی بھی کونے کھدرے میں کچھ بھی کھانے پینے والی چیز' کسی بھی مقدار میں ہو وہاں پہنچ جاتی ہیں۔ یہی حال چوہوں' کوؤں کا بھی ہے مگر اس سونگھنے' جانچنے جاننے' تلاش' کھوج نکالنے اور غیر مرئی موجودات کو محسوس کرنے کے معاملہ میں کتے سے آگے اور کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے دُنیا میں انسان کے نزدیک اس سے زیادہ قابلِ اعتماد' کارآمد وفادار' انسان دوست اور کوئی جانور نہیں دیتا۔ بلیاں' طوطے' چڑیاں' خرگوش' کبوتر' بٹیر' تیتر سب آرائشی اور بے ضرر جانور ہیں جن کا نہ کوئی فائدہ نہ نقصان...... گھوڑا گدھا البتہ کام کے جانور ہیں۔

سانپ' تحت الارض کا وسیک' زمین کی اُوپر والی سطح' اس کے لیے ایسے ہی ہے جیسے زمین کے اُوپر رہنے والوں کے لیے زمین کے نیچے کی غاریں' دلدلیں یا جھیلیں سمندر دریا ہیں۔ یہ عموماً زمین کے نیچے بلوں غاروں میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اُوپر وہ انتہائی ضرورت' بھوک' گرمی یا پھر سیلاب میں دکھائی دیتا ہے کہ سیلابی پانی اُس کے بلوں میں گھس کر اُسے باہر نکلنے پہ مجبور کر دیتا ہے۔ زمین کے اُوپر' اس کے لیے محفوظ اور پسندیدہ جگہیں ویرانے' کھنڈر' قبریں' پرانی عمارتیں' گھنے جنگل' چھتنار درخت اور ایسی جگہیں جہاں انسان اور دیگر جانوروں کی آمد و رفت نہ ہو۔ زمین کے اُوپر کا ہر جانور' بشمول انسان اور فضاء میں اُڑنے والا ہر پرندہ' اس کا اَزلی دُشمن ہے۔ دیکھتے ہی اسے مارنے پہ تُل جاتے ہیں۔ بس' خداواسطے کا بیر...... انسان تو اس سے فطری طور پہ گھن اور خوف کھاتا ہے مگر سانپ' خود انسان سے حد درجہ گھبراتا ہے۔ وہ انسان کو دیکھتے ہی طرح دے کر ادھر اُدھر چھپنے' بھاگنے کی کرتا ہے جبکہ انسان' اسے دیکھ کر مارنے کی کوشش میں ہوتا ہے اور جب یہ محسوس کر لیتا ہے کہ مجھے اب چھوڑا نہ جائے گا تو تنگ آمد بجنگ آمد کے تحت مقابلہ پہ اُتر آتا ہے اور پھر جو جیت جائے! یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ کبھی مقابلہ میں دونوں فریق کھیت رہتے ہیں۔

انسان کے علاوہ مور' کتا' نیولا' بندر' چیل' باز' شکرا' پہاڑی بکرا (مارخور)' اُلّو' لومڑی' گیدڑ' لگڑ بگھا اور خارپشت اس کے تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ سخت دُشمن ہیں۔ آمنا سامنا ہونے پہ کانٹے دار مقابلہ ہوتا ہے عموماً سانپ مارا جاتا ہے۔ شیر' چیتا' بلّی بارہ سنگھا بھی موڈ میں ہوں تو اس سے پنگا لے لیتے ہیں۔ دراصل سانپ کی حرکتیں' چال حلیہ اور حسب وحساب ہی ایسا ہے کہ خوامخواہ اس سے دو دو ہاتھ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اس سے قریب ترین جانور بندر ہے' سانپ میں تجسس ہے' بندر میں تفنن' دونوں ہی انسانوں میں تماشا بنتے ہیں۔ قبر میں پاؤں ڈالے بُڈھا' قبرستان جا رہا ہوگا مگر کہیں راستے میں پٹاری کھولے کوئی مداری قلندر' بندر کو

Scanned with CamScanner

سسرال بھیجتا دکھائی دے جائے تو تماشا دیکھنے کی خاطر وہ بھی کھڑا ہو جائے گا۔

میں اور کتا بھی ادھر دو دو ہاتھ کرنے کی خاطر تیار کھڑے تھے مگر تماشا نہیں ہو رہا تھا۔ اغلب یہی تھا کہ شیش ناگ نے آدم بو اور سگ بو سونگھ لی تھی' اُسے سمجھ لگ گئی تھی کہ سوراخ کے باہر آدم اپنی جنت سے بے دخلی کا بدلہ لینے اور سگِ سیاہ' اپنے مالک کی وفاداری جتانے کی خاطر نبرد آزمائی کے لیے سراپا انتظار کھڑے ہیں۔''

شیش ناگ کے لیے اب وقت بے حد تنگ تھا کہ سورج دیوکسی بھی روشن دریچے سے جھانکنے والے تھے جبکہ اس سانپ کا پیشہ' نفشتر' رات کا اندھیرا یا ملگجا سا ہے!...... اندھیرا نہ اُجالا...... کہ تمام سفلی' طاغوتی ابلیسی استعانتیں' ظلمت میں ہی متحمل ہوتی ہیں...... اُجالے' روشنیاں اُن کے لیے زہر قاتل ثابت ہوتے ہیں۔ مدھم تاروں کی ٹمٹماتیں ضیاباریاں' چاندکی چھنی چھنی چاندنی' قدرے برداشت ہو تو مگر سورج کی' سینے میں سوراخ کرتی ہوئی سیدھی کرنیں تو سفلی سانپوں' خون آشاموں' بھیڑوں کالی مایا کرشمۂ عجائب وغرائب چھلاووں کے لیے تو رنجی گندھا ہوتی ہیں۔

میں شیش ناگ کی اسی کمزوری سے فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا...... مگر وہ تھا کہ درشن ہی نہیں دے رہا تھا...... یہ بھی خدشہ' کہیں اندر ہی نہ چھپ گیا ہو یا کوئی اور راستہ تلاش نہ کر لیا ہو؟...... مگر نہیں' اگر ایسا کچھ ہوتا تو یہ کتا ادھر تاک اور ناکا لگائے ہوئے نہ ہوتا۔ اس کا مسلسل سوراخ کی جانب نظریں جمائے رہنا اس اَمر کی غمازی تھا کہ وہ خبیث بو بک' نہیں سوراخ کے پیچھے گومگوں کی حالت میں دبکا پڑا سوچ رہا ہے کہ آج ان دو ٹانگوں اور چار ٹانگوں والے کتوں سے کیسے جان بچائے......؟

دودھ' اللہ کریم وجمیل کی ایک کمال نفیس ولطیف نعمت ہے۔ اس کا ذائقہ' شیرینی' رنگ اور تاثیر لاجواب' ہر جاندار کی ابتداء سے لے کر آخر تک اُس کی ضرورت! غرضیکہ دیکھا اور سوچا جائے تو اللہ مہربان کی واحدیت' مالک وخالق اور رازق ورحیم ہونے پہ محض دودھ کی دلیل ہی کافی ہے۔ جاندار کے پیٹ میں اس کی پیداوار بھی کسی معجزے سے کم نہیں...... مالکِ حکمت ومصلحت نے اسے پیٹ کے دیگر عفونت زدہ فضلات کے درمیان مُصفا ومفرح جاری فرمایا۔ تمام ممالیہ جاندار بشمول انسان' اپنے شیر خوار بچوں کو دودھ پلا کر اک گونا تسکین وتشفی محسوس کرتے ہیں۔ تمام ممالیے' امین ہوتے ہیں۔ حقدار' وارث کو اُس کی امانت لوٹانا...... باعثِ مسرت ہی نہیں اللہ کریم کی خوشنودی خیر وبرکت کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔ میرے نزدیک دُنیا کی صرف ایک تصویر حقیقی اور فطری ہوتی ہے اُس کی خوبصورتی پاکیزگی' کسی فنکار کی فنی مہارت' چابکدستی یا رنگ آمیزی کا شاہکار نہیں بلکہ قدرت کی جمالیت اور صناعیت کی مظہر بھی ہوتی ہے' وہ ہے ماں کی چھاتی سے دودھ

Scanned with CamScanner

چمکتا' مسکراتا ہمکتا ہوا نوزائیدہ بچہ!...... اس کے علاوہ جو بھی ہے وہ دُنیا کی بوالعجبیاں' بوالقلمونیاں' تقاضے یا فروعات ہیں۔''

بات دُودھ کے دُودھ اور پانی کے پانی کی ہو رہی تھی۔ جانوروں کا دُودھ تو اُن کے بچوں کی پرورش کے لیے ہوتا ہے مگر زیادہ تر ان کے بچوں کی بجائے انسان پی جاتے ہیں شاید یہ دُرست بھی ہے کہ دُودھ بچے کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

دُودھ کسی بھی مویشی کا ہو' ذائقے' پتلے گاڑھے اور رنگ کے ہلکے سے فرق کے باوجود خوش مزہ' قوت بخش اور زُود ہضم ہوتا ہے۔ یہ ایک مکمل رقیق غذا اور جسمانی کمزوری کی دَوا بھی ہے۔ چھوٹے بچوں اور بڑے بوڑھوں کے لیے نعمت اور خدائے بلند و برتر کے خاص انعامات میں سے شامل ہے۔ جس طرح اَدویۂ مفرد و مرکبات کے اجزائے بنیادی اور ترکیبی کی تصریح و تشخیص ضروری نہیں ہوتی کہ اس میں طب و حکمت کے اَسرار پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح دُودھ' کسی بھی ممالیے کا ہو' صرف اپنے خواص و اثرات کی بنا پر افضل ہوتا ہے چاہے وہ کسی نجس یا ایسے جانور کا ہی کیوں نہ ہو جو ہمارے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ حلال اور انسان دوست جانوروں کا دُودھ تو اکثر استعمال میں رہتا ہے اور آسانی سے دستیاب بھی ہوتا ہے مگر اکثر غیر دوست جانوروں کا گوشت گوبر ال پیشاب' یہاں تک کہ سینگ دانت خون بال پوست و استخوان اور دیگر اعضا' خاص طور پہ دل' پتہ' جگر' تلی' کلیجہ وغیرہ مختلف ظاہری پوشیدہ عوارض میں اَکسیر کا حکم رکھتے ہیں۔ حکیم حاذق' سیانے لوگ بڑی احتیاط اور گہری رازداری سے ان چیزوں سے علاج کرتے ہیں کہ مریض کو اپنی دَوا کے بارے کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اگر کسی طرح اُسے خبر لگ جائے کہ وہ کیا کھا رہا ہے تو مرنا تو پسند کرلے گا مگر وہ دوا نہ لے گا۔ اسی کا نام حکمت ہے کہ مسیحا کے ہاتھ' زہر ہلاہل بھی کار تریاقی کر جائے...... مکروہ' حرام و حلال کا تصور اپنی جگہ مگر حکمت و طلب' جراحت و جھول جھال' کشت و کشتۂ جسم و جنگ میں کوئی زیر و زبر' پیش و مد شد کام نہیں آتے۔ حکیم اجمل خان کا ایک واقعہ پہلے بھی کہیں نقل کر چکا ہوں۔ قند مکرر کے طور پھر دُہرا رہا ہوں۔

ہمارے قریب زمانہ کے طبیب کامل' حکیم حاذق...... حکیم اجمل خان مرحوم و مغفور اپنے دَور کے نہ صرف یگانہ روزگار طبیب' بلکہ ایک درویش صفت' صاحب نظر انسان بھی تھے۔ دُکھی انسانیت کی خدمت میں ہمہ اوقات مصروف رہتے۔ اُن کے ہاتھوں میں ہی نہیں نگاہوں میں بھی شفا تھی۔ مطلب میں داخل ہونے والے مریض کا مرض' تشخیص کیے بغیر' محض اِک دیکھنے سے ہی جان جاتے تھے' لیکن اتمام حجت کے طور باقاعدہ تشخیص بھی فرماتے...... وہ مریض کی ستر فیصد بیماری' اُس سے بات چیت کے دَوران ہی رفع کر دیا کرتے تھے۔ جو آتا فیض یاب اور شفایاب ہو کر لوٹتا...... اُن کے ہاتھوں اور باتوں میں خدائی شفا تھی...... کہیں

Scanned with CamScanner

بات کام کرتی تو کدھر حکمت کا گھات ...... خواص و عام میں بے حد مقبول! ...... وقت بے وقت مریضوں کے علاوہ اُن کے چاہنے والوں کا تانتا بندھا رہتا اور حکمت وخدمت' سخاوت وضیافت کا لنگر بھی چلتا رہتا۔

راجوں مہاراجوں کا دور دورہ تھا...... عیش وعشرت' دولتمندی واقبال مندی' تن آسانی وبہجت رسانی والے مشاغل وطور طریق' اُمراء اور عوام کے روز مرہ تھے...... راوی عیش ہی عیش لکھتا تھا۔

ایک آسودہ سے راجواڑے کا ولیعہد' اک نامعلوم بیماری میں مبتلا ہو کر' حد درجہ لاغر و بے حال ہُوا تو باپ راجہ' جو اپنی دولت وصولت کی وجہ سے پورے ہندوستان میں ایک خاص مقام رکھتا تھا...... اپنے معتمد خاص کے ہمراہ' اُسے علاج کے لیے حکیم صاحب کے ہاں بھیجا کہ اس دور میں حکیم صاحب سے بہتر' تجربہ کار اور نام والا اور کوئی حکیم موجود نہ تھا۔ راجے مہاراجے اور بڑے لوگ' نہ صرف ان پہ کُھلا اعتماد کرتے بلکہ انہیں اپنے ملک کا ایک قیمتی اثاثہ بھی سمجھتے ہوئے بڑی عزت وتوقیر کرتے ...... کہنے کا مقصد یہ کہ حکیم اجمل خان' محض ایک مستند طبیب ہی نہیں انسانیت' شرافت' نجابت اور مسلم تہذیب وتمدن کا ایک نمونہ بھی تھے۔"

مریض ولیعہد' جو پندرہ سولہ برس کا ایک خوبرو نوجوان تھا بڑے ریاستی تام جھام کے ساتھ' حکیم صاحب کے مطب میں حاضر ہُوا...... شاہی چوبدار' کارندے آگے پیچھے' ہٹو بچو! ادھر پہلے سے موجود خستہ حال مریض اپنی پریشانیاں بھول کر ریاست کے ولیعہد کی شان شوکت دیکھنے میں کھو گئے۔ قطار' انتظار میں بیٹھے ہوؤں کو تتر بتر کر دیا کہ حاکم اور محکوموں میں کچھ تو امتیاز روا ہوتا ہے...... مگر حکیم صاحب کو ریاست کے کارندوں کی یہ حرکت ناگوار گزری...... قدرے درشتی سے حکم دیا کہ مریض کے علاوہ کوئی بھی متعلقہ فرد ادھر موجود نہ رہے۔ پورے دوعشروں بعد' مریض کو یہاں سے لے جاویں۔ مجاز عہدیدار نے بہتیرا واویلہ مچایا کہ ریاست کا ولیعہد ہے کوئی عام فرد نہیں...... علاج کے دوران' ان کے عملے کا حاضری میں رہنا اشد ضروری ہے اور شاہی حکم بھی یہی ہے۔ ادھر حکیم اجمل خان' اپنی ذات میں اسم بامسمّٰی! ...... "الف لام میم" کا اپنے نام میں تشرف لیے ہوئے۔ اپنے زمانہ کے طبیب حاذق' مسیحا عصر' دست شفائی' انگشت مینائی ...... اُن پہ کون اپنا حکم اور بات رکھ سکتا تھا۔ فوراً راجہ صاحب کو اطلاع کی گئی ...... اُدھر سے جواب ملا۔ جو حکیم صاحب کا حکم ہے' من وعن بجالایا جائے......!

خلق خدا اور چشم فلک نے دیکھا ...... نازوں پلا شہزادہ اُسی قطار میں بمشکل بیٹھا تھا جدھر کئی بیمار لاچار مریض' اپنی باری کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ حکیم صاحب شہزادہ کا عارضہ تو پہلی نظر میں ہی جان چکے تھے اور طریقہ علاج کا تعین بھی ہو چکا تھا۔ بس' حسبِ معمول کا اہتمام حجت رہتا تھا۔ باری آنے پہ معمول کے چند ایک

Scanned with CamScanner

سوالات ہوئے' بالکل یُونہی جیسے طبیب اور مریض کے مابین ہوتے ہیں۔ طبیب کامل ہو تو اُس کے لیے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ کسی شاہ کی نبض پہ اُنگلیاں لگائے بیٹھا ہے یا کسی گدا کی...... انتہائی عُجلت سے مریض کی تشخیص ہوئی' علاج تجویز کر کے شفاخانے کے مخصوص مریض خانہ میں داخل کر دیا گیا۔

کھرے فرش پہ سرکنڈوں کی چھال کی کھُردری چٹائی...... بانس کی گرہ کا گلاس' جو دھ پور کی جھجتی رتیلی مٹی کی ناند...... کھٹل کاٹھ کی کھڑاویں' کچا چونا بھرا تکیہ اور ویسا ہی بچھونا کہ جس پہ جلو پا بچھو تک نہ پڑے۔ صبح کالے جوار' کالی سرسوں کی جڑ کا جوشاندہ' دوپہر پاؤ بھر بھنا ماس' سوتے سمے سوکھے دودھوں کی کشمش کا خاگینہ...... ایک بجنتگ کا لاکلوار سونا تگیہ دار' مقرر ٹھیرا' جو ہمہ وقت اس کی نگرانی کرتا اور خاص طور پہ ٹھیرانے پہ بھنا ہوا نرم خستہ گوشت 'مٹی' کی ناند میں پیش کرتا۔'' اُس کی ذمہ داری تھی' یہ خاص طعام' بہر صورت شہزادے کو کھلائے اور کھانے کے دوران اس کی کیفیت پہ بھی نظر رکھے۔

جب ریاست کے دیوان صاحب کو ان تمام ناروا باتوں کا علم ہوا جو ہرگز ہرگز ایک شہزادے کی شان شان نہ تھیں تو وہ خاصا تلملایا اور راجہ صاحب سے حکیم صاحب کے متعلق شکایت کرتے ہوئے' شہزادے کے لئے حیثیت کے مطابق مراعات کی درخواست کی...... اُدھر راجہ صاحب' جو اکلوتے ولیعہد بیٹے سے بے حد اُنس رکھتے تھے' اپنے طور بھی اُس کی حالت زار سے باخبر ہو چکے تھے...... انتہائی اَدب سے کچھ نرمی اور ذاتی ملازم' خدمت اور مصاحبت میں رکھنے کی درخواست گزاری...... جواب میں حکیم صاحب نے کہلا بھیجا...... یہ ایک عوامی شفاخانہ ہے شاہی مہمان خانہ نہیں۔ اِدھر مریضوں کے لیے لازم ہوتا ہے کہ یہاں کے طور طریقوں پہ عمل کریں اور یہاں مریض صرف مریض ہوتا ہے۔ عام اور خاص کی تخصیص نہیں ہوتی......!

راجہ اپنے بیٹے کی پراسرار بیماری سے بے خبر تھا۔ اپنے طور شاہی طبیبوں سے وہ ہر طرح کا علاج ہو چکا تھا۔ شفایابی تو دُور کی بات' کوئی حکیم سیانا' ہزار کوشش کے باوجود یہ بھی سمجھ نہ پایا کہ اُسے مرض کیا ہے؟...... مریض سُوکھ کر چھرخ ہو چکا تھا' جسم نُچنے کی ایک ایک ہڈی نمایاں تھی۔ دھنسی ہوئی آنکھیں' رنگت میں سرسوں گھلی ہوئی۔ کمزوری اور نقاہت تھی کہ کسی پرانے دِق زدہ بوڑھے کا گماں ہوتا تھا۔ کھانا پینا خوراک اور کوئی دوا دارو' سب بے اثر......! اب آخری واثق اُمید' حکیم اجمل خان تھے...... جنہوں نے اس بھول سے شہزادے' نازوں پلے ولیعہد کو ایک سیاہ رو چمار کے سپرد کیا ہوا تھا...... جس سے کسی مریض کو شفا کیا ہوتی؟ اُسے دیکھ کر ہی جان سے جانے کی تمنا پیدا ہوتی تھی......! اس بدہیئت چمار کی ذمہ داری ہی کچھ ایسی تھی کہ جسے اس طور شعور کا بندہ ہی نبھا سکتا تھا۔

بیتے دن بھی ڈھلتے سائے کی مانند ہوتے ہیں...... دیکھتے ہی دیکھتے دن کا اُجالا' شام اور پھر شب کی

Scanned with CamScanner

تاریکی میں اُتر جاتا ہے۔ ایک دو تین گنتی شروع ہونے کی دیر ہوتی ہے۔ "ایک" کا عدد یا حروفِ تہجی کا "الف" ہی اکیلا ہوتا ہے...... پھر عدد اور حروف آگے سرکتے پھیلتے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں اور پل پہروں عشروں مہینوں برسوں صدیوں اور قرنوں تک پھر کہیں رُکنے ٹھہرنے کا مقام نہیں آتا......!

یہ تو محض دو عشرے تھے...... چل سو چل ہوئے تو ڈوج کے چاند تک جا پہنچے...... مریض کے باپ اور خود بیمار پہ جو گزری سو گزری' مگر جو کالو چمار پہ ہو بیتیں اُس کا مذکور ہی بہت مکروہ اور طبیعت مکدر کر دینے والا تھا؟...... یہ تو کالو بھگدڑے کے بھاویں تھا کہ اپنی فطری فطانت اور پیشہ ورانہ وراثت دو وارداتوں سے ہر روز کہیں نہ کہیں سے چار چشمے تختے کا پانچ چھ دنوں کا نوزائیدہ پلا تلاش کر لیتا...... کاٹ بنا اصلی گھی میں چسکے دار بھون پکا کے مریض راجکمار کو کھلا دیتا...... مسالوں میں حکیم صاحب کی ادویات بھی شامل ہوتیں۔ راجکمار کی طبیعت اوتی' تب زبردستی یا پیار دُلار سے اُسے کھانے پہ رضامند کر ہی لیتا۔ ویسے بھی اصلی گھی' حکیم صاحب کے اصلی ادویاتی مسالوں سے بھنا ہوا نرم نرم رسیلا گوشت اپنی جگہ۔ یہ بھی ایک خوب ذائقہ دار بھوجن تھا...... ظاہر ہے کہ راجکمار کو یہ بتانے کی کبھی ضرورت پیش نہ آئی کہ وہ کتوں کے پلوں کا پکوان کھا رہا ہے۔

ہر شخص کا کوئی نہ کوئی من پسند شغل ہوتا ہے۔ کوئی سپورٹس میں دلچسپی لیتا ہے' کوئی تن سازی' تیراکی' گھڑ سواری یا کاڑیوں میں...... شطرنج کا کھلاڑی ہے تو کوئی تاش پتہ یا چوسر گنجفہ سے دیوانگی کی حد تک دلچسپی رکھتا ہے۔ بہت سے لوگ پالتو جانوروں کے شوقین ہوتے ہیں۔ کتے بلیاں خرگوش مختلف اقسام کے طوطے تیتر بٹیر وغیرہ۔ کچھ شیر' چیتے' ہرن' گھوڑے بھی پال لیتے ہیں یعنی انسانی شوق خبط وجنون کی کوئی حد نہیں ہوتی...... سانپوں کے علاوہ نہنگ مگرمچھ بھی اپنے گھروں فارموں کی زینت بنا لیتے ہیں۔ اب رہے صاحبِ حیثیت اور اونچے درجہ کے لوگ' جن کے ہاں وسائل اور زر و دولت کی کوئی کمی نہیں ہوتی' وہ زندہ ہی شغل میلے کے لیے ہوتے ہیں...... راجگانِ ہند' ان معاملات میں بڑے نمایاں ہُوا کرتے تھے۔ خاص طور پہ فنونِ لطیفہ کی بڑی سرپرستی کرتے تھے۔ نامور ادیبوں' شاعروں' موسیقاروں' پہلوانوں رقاصاؤں حکیموں اور مصوروں کی ہر طور حوصلہ افزائی کرتے' گرانقدر مشاہروں پہ ان کی خدمات حاصل کرتے اور موقع بے موقع انہیں نوازنے کے بہانے ڈھونڈتے نکالتے رہتے تھے۔"

بادشاہوں' حاکموں راجوں مہاراجوں کے اپنے شوق شغل بھی ان کی حیثیت و مرتبہ کے مطابق ہوتے تھے' کوئی چوگان اور گولف کا رسیا تو کوئی کرکٹ اور بلیرڈ کا چیمپئن...... کچھ کبڈی اور ریسلنگ کا شائق...... شکار تو خاص طور پہ ان کا دلپسند مشغلہ تھا...... سال بھر اس کے لیے بھرپور تیاریاں ہوتی رہتیں۔ ملکی' غیر ملکی مہمانوں کو

Scanned with CamScanner

بطورِ خاص مدعو کیا جاتا' سیکڑوں ہزاروں کا عملہ...... تجربہ کار شکاری' ہانکے' ڈھول لے تاشے' مچانچے' باورچی' خاصہ بردار' طوائفیں اور دل بہلانے کے لیے مسخرے بھانڈ' چھولداریاں' تمبو کناتیں' غالیچے قالین' گیس ہنڈولے' مشعلیں تیل تماکو' ڈھور ڈنگر' گھوڑے ہاتھی' اسلحہ بارود کے آگے شراب کباب اور شباب کا بھی کھلا اہتمام ہوتا۔''

شکار کے اس ہنگام سے علاقے کے مقامی لوگوں کے لیے بھی عید کا سا سماں بندھ جاتا کہ فالتو شکار کام آتا' پڑاؤ اُٹھنے کے بعد بیکار سامان' کاٹھ کباڑ سے اِن کے وارے نیارے ہو جاتے' مزدوروں غریبوں کو روزگار اور بخششیں مل جاتیں...... ان کا بھی موج میلہ ہو جاتا۔

اِدھر راجوں مہاراجوں کے راجکماروں اور دیگر خاندان کے افراد کا بھی یہی حال! ہر کوئی اپنی اپنی من پسند عیش و عشرت اور شغل شغلے میں مگن...... اجدھر دولت وقت اور وسائل کی فراوانی ہو وہاں راوی عیش ہی عیش لکھتا ہے۔ اُس دَور کے نوعمر انگریزی اسکولوں کالجوں میں پڑھنے والے راجکماروں ولیعہدوں اور کنوروں میں بھی کچھ ایسے ہی شوق تھے۔ خوبصورت غیر ملکی قیمتی سپورٹس کاریں دوڑانا...... اعلیٰ نسل اور بیش قیمت' ریس کے گھوڑوں اور نایاب قسم کے کتوں کی نسل بڑھانا' ریس چوگان کھیلنا' شکار کے خونخوار تیتے پالنا...... فنونِ لطیفہ' ''زنانِ عفیفہ'' اور ''مشروبِ شریفہ'' سے حسبِ سن و حال ذوق و جمال مستفید ہوتے۔

مذکورہ بالا راجکمار بھی اسی قبیل کے راجکماروں سے تعلق رکھتا ہے...... سبزۂ عارض میں برکت اور نہ ہی ابھی بازوؤں کی مچھلیوں میں حرکت پڑی تھی لیکن عنفوانِ شباب کے چند جھٹکے ضرور لگ چکے تھے۔ دُخترِ انگور سے چُہلیں' چسکیاں تو روز مرہ تھا جبکہ در بار بازار کی کچھ معتبر مہلاؤں کی دو چار چلبلی سی نوچیوں سے نوخیز بلے کی طرح نوچا نوچی بھی کر چکا تھا۔ خیر ایسا کچھ تو اس عمر اور ایسے بڑے لوگوں کے ماحول میں چلتا رہتا ہے۔

اس خوبصورت جواں سال راجکمار کے ساتھ پچھلے برس سے ایک عجیب سا معاملہ چل رہا تھا۔ ہر طرح کی خوراک بھی کھاتا' کوئی کمی یا پریشانی بھی نہ تھی...... مگر صحت روز بروز گرتی چلی جا رہی تھی۔ ناخن خشک کھُردرے' آنکھیں دھنسی ہوئیں۔ گالوں پہ سرسوں کھلی ہوئی' جسم ہڈیوں کا منارہ' بال اُجڑے ہوئے۔ لگتا تھا کوئی گردشِ لیل و نہار کا مارا ہوا کوئی زرکوب ہے۔ دَف کو منتے کو منتے جو خود بھی دَف کا چمڑا بن کر رہ گیا ہو......!

راجکمار کی دسویں سالگرہ پہ اس کے پاپا نے اسے سائبیریا کی ایک خاص نسل کے نوجوان کتوں کا ایک جوڑا گفٹ کیا تھا۔ چہار چشمی' بھدوری رنگت' لمبوتری تھوتھنی اور مضبوط کاٹھی والے یہ بھیڑیوں کی اُس مقدس نسل سے تعلق رکھتے تھے جن کے اجداد کو دیوتاؤں نے برف زاروں میں پھنسے ہوئے مسافروں کی دستگیری کے لیے منتخب کیا تھا۔ چنانچہ یہ خاص بھیڑیے جو وقت کی کٹھالی سے نکل کر اب کتوں کی صورت میں

Scanned with CamScanner

دکھائی دیتے ہیں..... رُوس کے لوگ اور حکام' خاص طور پہ سائبیرین' ان کُتوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر ان کی نگہداشت اور توقیر کرتے ہیں۔
ان قابل قدر اور انسانیت کی خدمت پہ مامور یہ کُتے' سائبیریا کے برف زاروں کے علاوہ کہیں اور کم ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ویسے بھی ان کی نسل اپنے علاقوں سے باہر خوش رہتی ہے اور نہ ہی زندہ رہ سکتی ہے۔ چند ایک مخصوص اور مکمل چڑیا گھروں کے علاوہ یہ کہیں نہیں ملتے۔ سفید چیتا' شیر' پانڈا' شکرا' اُود بلاؤ' ہاتھی' ریچھ' سانپ' گلہری وغیرہ چونکہ برف زاروں یا سرد ملکوں علاقوں کے جانور ہیں۔ اسی لیے یہ اسی سرد ماحول میں ہی پنپتے اور زندہ رہتے ہیں۔"
ماہرین حیوانات' ماحولیات نے مسلسل تحقیق اور تجربات کے بعد ان مخصوص حیوانات کے جینز میں کچھ تبدیلیاں لاکر ان کی نئی نسل پیدا کی ہے۔ اس وقت دُنیا کے اچھے اچھے چڑیا گھروں میں نایاب نسلوں کے جو چند ایک جانور دکھائی دیتے ہیں وہ اسی نئی ٹیکنالوجی کے شہکار ہیں جن میں وہ مولوی مدن والی بات نظر نہیں آتی.....!
یہ کتوں کا جوڑا' جو نہ بچے تھے نہ جوان البتہ بے حد خوبصورت اور من موہنے تھے۔ یہ تو پتا نہ چلا کہ راجہ صاحب نے انہیں کہاں سے اور کیسے حاصل کیا؟ لیکن یہ وثوق سے کہا جا سکتا تھا کہ ایسی انوکھی چھل بل اور عالیشان اُٹھان والے کُتے' پورے ہندوستان کے کسی راجہ یا کسی سطح کے انگریز کے پاس بھی نہ تھے۔ دُور قریب سے دیکھنا در کنار' عام اور خاص لوگ' ان کا ذکر کرنا بھی اپنے لیے اعزاز سمجھتے تھے۔ یہ ایک نایاب اور قیمتی تحفہ تھا..... راجکمار انہیں پاکر جیسے اپنے اردگرد کی ہر چیز کو بھول گیا تھا۔ اپنے ہاتھ سے کھلاتا پلاتا' نہلانے کے لیے بھی وہ خادموں کی مدد نہ لیتا۔ ہر لمحہ وہ ان کی محبت میں ڈوبا رہتا..... ایک لقمہ خود کھا رہا ہے' دُوسرا انہیں کھلا رہا ہے۔ بٹھاتا اور سُلاتا بھی اپنے ساتھ!..... راجہ صاحب بھی بڑے خوش کہ بیٹے نے باپ کی بھینٹ کو سویکار کر لیا ہے۔ وقت آگے سرکا' تب یہ تینوں "کُتے" یا تینوں "منش" اپنے قد و قامت میں کچھ اوپر اُٹھ چکے تھے۔ تب دیکھنے والوں کو احساس ہوا کہ راجکمار کی صحت دن بدن گرتی چلی جا رہی ہے۔ حکیموں معالجوں نے اپنے اپنے طریقے آزمائے' جب کچھ افاقہ نہ ہوا تب راجہ صاحب کو مزید چنتا گی تو حکیم اجمل خان کا خیال آیا۔
حکیم صاحب نے پہلی نظر میں اس کا مرض جان لیا تھا کہ حد سے زیادہ قربت سے کُتوں کے مخصوص حیاتیاتی جرثومے اور جراثیم' اس کے معدے میں پہنچ کر خوب افزائش نسل کر چکے ہیں۔ پیٹ معدے آنتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا' راجکمار جو بھی خوراک لیتا ہے یہ موذی اُسے ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اُس سے بھی یہ سیر نہیں ہوتے تو آنتوں وریدوں کی تہہ دار چربی نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح راجکمار اندر سے

Scanned with CamScanner

کھوکھلا ہو چکا تھا۔ یہ ایک ایسی صورت حال تھی کہ کسی وقت بھی یہ ''آنجہانی'' ہو سکتا تھا۔

دیوان نے راجہ صاحب سے جب حکیم صاحب کے طریقہ علاج' معیار رہائش اور دیگر مہیا کی جانے والی سہولتوں کو راجکمار کی شان شایاں اور مزاج کے مطابق نہ ہونے کی رپورٹ کی تو راجہ صاحب نے اُز خود حکیم صاحب سے ملاقات کر کے قدرے رعایت و سہولیات کی درخواست کی۔ حکیم صاحب نے بیماری کی سنگینی اور علاج و پرہیز کے تقاضوں سے آگاہ کرتے ہوئے جب یہ بتایا جو طریقہ کار ہم نے اختیار کیا ہُوا ہے اس سے رُوگردانی کا مطلب' اس کی موت ہے۔ صرف اسی علاج و پرہیز سے صحت مندی کی آخری اُمید وابستہ ہے۔ راجہ صاحب نے ہاتھ جوڑتے ہوئے بنتی کی۔

''حکیم جی! راجکمار کو ماس کھانے کے گھنٹہ بھر بعد جو تے ہوتی ہیں وہ اُس کی جان کھینچ لیتی ہیں...... تین چار زبردست اُلٹیاں' اُس کی آنتیں اُلٹ دیتی ہیں۔ لگتا ہے اُس کا دیہانت ہو جائے گا۔ بس' یہی خدشہ ہے کہیں وہ......؟''

حکیم صاحب نے اُنھیں تسلّی دیتے ہوئے کہا۔

''راجہ صاحب! زندگی اور موت مالک کے ہاتھ میں ہے...... آپ کے ہاتھ نہ میرے ہاتھ میں۔ آپ نے راجکمار کو اُس وقت' میرے ہاں علاج کے لیے بھیجا جب کتّوں کے حیاتیاتی جرثومے' جو اُن کی نسلی بیئت میں مصنوعی طور پہ کچھ تبدیلیاں لانے کی وجہ سے انتہائی خطرناک ہو چکے تھے' اس کے معدے میں پہنچ گئے...... مخلوط کتّوں کی دن رات کی صحبتوں اور انسانی اور حیوانی درمیانی قربتوں احتیاطوں کا خیال نہ رکھنے سے اسی نوع کے عوارض عود آتے ہیں۔

انسانی اور حیوانی جبلّت الگ الگ ہیں۔ ان دونوں کے جسمانی اور جبیات نفسانی' تقاضہ ہائے زندگانی و روحانی میں عجیب و غریب تضادات و تفاوات واقع ہیں۔ جب ہم ان کے درمیانی فاصلے کم سے کم کرتے ہوئے ان کا وجود ختم کرنے کی کوشش میں ہوتے ہیں تو اکثر جبلّت حیوانی کا غلو زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ حیوانی جبلّت' انسانی جبلّت و سرشت پہ غالب ہونے کے بہتر انداز رکھتی ہے۔ یوں سمجھیں کہ جانور مُطلق سو سال' جانور ناطق یعنی انسان کی صحبت میں رہے تو وہ کبھی بشری جبلّت و سرشت کو اپنا نہیں سکتا اور نہ وہ انسانی قدروں کا خوگر ہو سکتا ہے لیکن آدمی اگر حیوانوں میں رہے تو وہ بہت جلد جبلّت حیوانی کو قبول کر لیتا ہے۔ کیونکہ جبلّت حیوانیہ...... تہذیب و تمدن' اخلاق و آداب' قواعد و قرینہ' آگاہی و آشنائی اور علم و عقل کے گورکھ دھندوں میں اپنے لیے آسانی رسائی محسوس نہیں کرتی...... اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے میں کسی حجاب و خدر' حرام و حلال' حیثیت و حمیت کے چکر میں بھی نہیں پڑتے۔ اُن کی دانست و سرشت میں منافقت کی مکمل نفی

Scanned with CamScanner

ہوتی ہے۔ شدت اور حدت' بیساختگی و بے باکی اُن کے خمیر میں بڑی گھمک سے گندھی ہوتی ہیں۔ مصلحت کی مصیبت' دُور اندیشی کی دھوک' عقل کی عیاری' وسیع تر مفاد کا وسیع تر وبال اور نظریۂ ضرورت کی ناصوابی سے لاتعلق ہوتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے لیے جنت ہے نہ دوزخ...... حساب ہے نہ کتاب...... کرام الکاتبین نہ حشر نہ نشر...... جو کچھ ہے اُن کی نقد جان! جو گئی سو گئی اور پھر نہ جنوں رہا نہ پری رہی......؟''

روایت تو سنتے آئے ہیں...... حضرت عمر فاروق رضی تعالیٰ عنہ' جنگل میں حسبِ معمول کسی درخت کے تنے سے ٹیک لگائے' نیم دراز استراحت فرما رہے تھے۔ ناگاہ اوپر کسی شاخ پہ ایک پرندے پہ نظر پڑی جو بڑے مزے سکون سے ڈال پہ بیٹھا چہچہاتے ہوئے اللہ عزوجل کی حمد بیان کر رہا تھا۔ خیال آیا کاش! مَیں ایک ایسا ہی پرندہ ہوتا' جس سے قیامت کے دن کوئی پُوچھ گچھ نہ ہوتی...... مَیں خلیفہ ہوں میرے کندھے ذمہ داریوں سے بوجھل ہیں...... دجلہ کنارے کسی بھوکے کتے کو خوراک بہم پہنچانا بھی میری ذمہ داری میں شامل ہے۔ کاش! مَیں......؟

مَیں کیا کروں...... پتا نہیں میرے ہاں کُتا کہاں سے آ جاتا ہے وہ بھی کالا...... کالے کوّے میرے سر پہ اور کالا کُتا میرے دائیں بائیں...... آگے پیچھے کہیں نہ کہیں ضرور ہو گا۔ کوئی کوّا' کُتا مجھ سا تو نہ ہوا مگر مَیں اُن جیسا ضرور ہو گیا کہ کوئی جانور' بشر نہیں بن سکتا...... مگر کوئی بشر بندہ وجبلت کے حوالے سے اُن سا ضرور بن جاتا ہے۔ آج تک کسی جانور نے کسی دوسرے جانور کو ''اوئے انسانا' بندیا' بشرا'' کہہ کے ''گالی'' نہیں بکی۔ مگر انسان اِک دُوجے کو کسی نہ کسی وجہ سے کُتا' بِلا' بندر' کھوتا' حتیٰ کہ سُور سانپ کہہ کر بھی گالی بک دیتا ہے۔

جنگل بیلوں' صحراؤں' بَر قزاروں' پانیوں اور بے کنار فضاؤں میں کسی راستے پگڈنڈی کے بارے کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ کسی منزل تک رسائی ملے گی یا نہیں؟...... مزاجِ یار کی مانند ان کے تیور ترتے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی چلن میرے ''سرِ قلم' قلم کا بھی ہے جو قرطاس پہ ٹک کے رہے تو جان جاتی ہے...... پیچھے کچھ اور آگے کچھ اور لکھ رہا ہوتا ہے۔ بلکہ مجھے یہ کہنا چاہیے کہ مَیں اُس سے لکھ نہیں رہا ہوتا بلکہ وہ مجھ سے لکھ رہا ہوتا ہے' تب ہی تو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کُوئے یار سے نکل کر سُوئے دار کیونکر نکل آتا ہوں؟...... مسجد کے سیدھے صاف راستے کے بائیں پہلو کوئی پتلی بغلی گلی' کسی جم خانہ یا مے خانے کی جانب کس حساب میں نکلتی چلی جاتی ہے......؟

حکیم صاحب نے مزید بتایا کہ شب و روز کی کُتوں کی صحبت' ایک ساتھ کھانا پینا' پیار دُلار سے حیوان اور انسان کے درمیانی تعلقات میں عدمِ توازن سے یہ آنتوں کی سوزش اور ضعفِ معدہ کا عارضہ لاحق ہے۔ کُتوں کے جرثوموں اور جیچڑوں نے اِس کے انہضام کے نظام کو تباہ کر کے رکھ دیا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ بیماری کے مطابق طریقۂ علاج اپنا کر اس کی صحت یابی کے لیے کوشاں ہیں۔

Scanned with CamScanner

حکیم صاحب کے لیے سب سے بڑا مشکل مسئلہ راجکمار کے پیٹ معدے کی صفائی کا تھا...... کچھ تشخیص وتوجہ کے بعد انہوں نے علاج بالمثل کے اصولوں کے تحت کتوں کے کیڑوں چیچڑوں کو آسانی سے خارج کرنے کے لیے کتوں کا ہی سہارا لیا۔ اپنے ایک معتمد ملازم کی ذمہ داری لگائی کہ وہ ظہرانے میں ایک چہار چشمی کتے کا پلا کاٹ کر دیسی گھی میں بھونے اور مخصوص سفوف چھڑک کر راجکمار کو ہر صورت کھلائے۔ وقفہ وقفہ سے ایک دوا ملا ہرا پانی بھی پلاتا رہے۔ نرم پلے کا بھنا ہوا لذیذ گوشت ظاہر ہے بڑا سوادی اور اشتہا آور تھا۔ مگر کھا چکنے کے گھنٹہ بھر بعد راجکمار کی طبیعت خراب ہو جاتی اور بے تحاشہ اُلٹیاں شروع ہو جاتیں۔ بے انتہا بدبودار گدلا مواد جس میں چکلی ہوئی بوٹیاں بھی ہوتیں' کالے کالے چیچڑ کیڑے بھی جو بوٹیوں سے کلبل کلبل کرتے لپٹے ہوتے۔ قے کرنے کے لیے سیاہ مٹی کا ڈھکن والا ایک مخصوص برتن تھا جو فوراً بعد ملاحظے کی خاطر حکیم صاحب کو پیش کر دیا جاتا تھا۔

کتے کے پلے کا دیسی گھی میں بھنا ہوا گوشت' جس پہ کوئی دوا چھڑکی ہوتی' جب معدے میں پہنچتا تو اپنی مخصوص وحاسن سے کیڑوں چیچڑوں کو متوجہ کر لیتا۔ چیچڑ کیڑے' آنتیں اور بافتیں چھوڑ کر ادھر لپک پڑتے اور بے تحاشہ کھانا شروع ہو جاتے۔ کچھ ہی دیر بعد اوپر چھڑکی ہوئی دوا بھی اپنا رنگ دکھاتی...... پہلے طبیعت مالش کرتی پھر جی متلاتا' بڑی آنت' حلقوم سے باہر لوٹنے کو کرتی اور پھر دھیں پلاس سواتین ماترے...... قے کا ایسا آبشار اُنڈتا کہ مریض کی طبیعت چاؤں چاؤں ہو جاتی۔ اندازے کے تحت دو عشروں کی محنت نگہداری کے بعد' پیٹ سے جو مواد نکلا وہ چیچڑوں کیڑوں سے تہی تھا اور کچھ عرصہ بعد راجکمار صحت یاب ہو گیا اور کتوں بلوں کی بے طرح کی صحبت ومحبت سے بیزار ہوا......

جنوں اور انسانوں کا آپس میں جوڑ تو زیا گزارہ ہو جاتا ہے کہ آگے پیچھے اور آپس تعلق داری کی مخلوق ہیں۔ حساب کتاب' حشر نشر' جنت دوزخ کا معاملہ بھی سانجھا ہے۔ مگر حیوان مُطلق سے محض دیکھے مُنہ کی سانجھ ہے۔ کفن نہ دفن' عرس نہ میلہ' دمڑی نہ دھیلہ؟...... ایک دو کوّے' تین چار کتے' پانچ دس گھوڑے' چند ابابیلیں' ایک آدھ پکھیرو' ہدہد' کچھ کبوتر اور بلیاں' چند چیونٹیاں' مکھیاں' مچھر اور مچھلیاں' بکریاں وچھیاں' کچھ دانے دیمک...... بھیڑیں اور شتر شر...... بس خس......!

● سانپ رے سانپ ذرا باہر تو جھانک......!

خاموش سی غوں غوں' جسے صرف باطنی کان ہی سُن سکتے ہیں...... مجھ تک پہنچ چکی تھی۔ میری بائیں

Scanned with CamScanner

ناتگ سے لگے ٹخنے نے مجھے مکمل دیا تھا۔ شیش ناگ نے بڑا سا پھولا ہوا منہ سوراخ سے باہر نکال لیا تھا......
سانپ خصوصی طور پہ ناگ کا منہ گردن صرف دو حالتوں میں پھولتے ہیں...... انتہائی غضب میں یا جب پیٹ خوب بھرا ہوا ہو...... ظاہر ہے کہ یہ دونوں خطرناک حالتیں اس پہ وارد تھیں اور ساتھ ایک روشنی والی مجبوری بھی...... سانپ سماعت سے یکسر محروم ہوتا ہے جبکہ بصارت بھی اس کی واجبی سی ہوتی ہے جو سورج کی روشنی میں مزید معدوم پڑ جاتی ہے۔" اوپر کہیں لکھ چکا ہوں کہ خوں آشاموں بھوت پریت چھلاوے بڑاوے نساچروں سپید سانپوں کے لیے سورج کی کھڑی سیدھی کرنوں والی روشنی زہر کی طرح ہوتی ہے۔ وہ حتی الوسع اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ سیدھی روشنی کے سامنے سے اُن کی سفلی شکتیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔

میں گھر سے باہر کسی بھی وجہ سے نکلوں میرا عصا میرے ہاتھ اور تقریباً تین گز کی چادر میرے سر یا کاندھوں پہ ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں میرے لباس کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ سفر و حضر سوتے جاگتے تنہائی یا کسی مجلس مذاکرت میں میری مدد و معاون اور عصا تو جیسے میرا تیسرا کارآمد بازو اور اضافی ٹانگ ہے۔ میں تھکن غنودگی کی حالت میں اس کے خمیدہ دستے پہ ٹھوڑی جما کر تھوڑی دیر کے لیے پُرسکون ہو جاتا ہوں...... کسی سوچ و بچار میں ہوتا ہوں تو اس کو گھماتا رہتا ہوں...... اُٹھنے بیٹھنے میں مدد لیتا ہوں...... شرارتی کتے بلے قریب نہیں پھٹکتے...... آم امرود بیر بھی توت شہتوت کھنے کیلے سیب سنگترے وغیرہ آسانی سے چوری کیے جا سکتے ہیں۔ پتنگ کی ڈور لوٹنے گھسیٹنے میں مزہ آتا ہے۔"

میرے کچھ نالائق کٹنے بگڑے ہوئے بچے اس سے بچنے کی بیکار کوشش میں مزید حماقتیں کرتے ہیں۔ اس کے آنکڑے میں میرے صرف ایک بچے زین شاہ کی گردن فٹ آتی ہے۔ راستے میں پڑی نقصان دہ چیز روڑا پتھر بھی ہٹا لیتا ہوں۔ کسی کے دروازہ کی گھنٹی بغیر کرنٹ جھٹکے کے بجا لیتا ہوں۔ اس پہ کپڑا لپیٹ کر کونوں کھدروں کے جالے بھی اُتارے جا سکتے ہیں۔ کسی نشاندہی اشارے کے لیے بھی کام آتا ہے۔ حصار کھینچنے ریگ ماہی تلاش کرنے "نقشِ برآب بنانے" ہوا میں ہوائی حشرات سے نبٹنے کے لیے بھی یہ "عصائے ملامت" کام آتا ہے۔"

تاریخ انسانی ہمیں بتاتی ہے ایسے مختلف اشکال کے عصا چھڑیاں سونٹے ڈنڈے کھنڈیاں مطیریں ترشول لاٹھیاں وغیرہ ہر دور میں کسی نہ کسی طرح انسان کے ہاتھ اور ساتھ رہے...... گڈریا ہو یا گاڑی بان بادشاہ یا پیغمبر درویش ہو یا دریوزہ گر قاضی یا قصہ گو...... فقیہہ شہر ہو یا فقیر شہر داروغہ دربان فرامین ہوں یا فسوں گر معلم یا محتسب...... چوڑ چوکیدار ہر کسی کو اس کی ضرورت رہی چاہے یہ زینت و زیبائش کے لیے رہا ہو یا گوشمالی یا فہمائش کے لیے؟ دیکھا جائے تو یہ ہر دور ہر فرد کی ذاتی سماجی رواجی اور پیشہ و قماش کی خودساختہ

Scanned with CamScanner

ضرورت رہی۔ بادشاہ، حاکم نے اسے شان وشوکت دبدبے کے لیے استعمال کیا۔ گاڑی بان اور دربان نے اسے ہنکانے اور ڈرانے کے لیے برتا..... شعبدہ باز اور فسوں گر نے اسے نظر بندی کے لیے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ مدرس و محتسب نے اسے علم و قانون کی اہمیت بتانے سکھانے کی غرض سے گھمایا..... کمزور بوڑھے نے ٹیک کے لیے اور گلی گلی بھیک مانگنے والے نے آوارہ کتوں اور شریر بچوں سے بچنے کے لیے اسے اپنی سپر بنایا۔"

کہتے ہیں کہ آسمان سے چار کتابوں کے ساتھ پانچواں ڈنڈا بھی نازل ہوا تھا۔ کسی پہ بے جا ظلم کے لیے نہیں' ہدایت کی غرض سے کہ باتوں کے بھوتوں کے ساتھ کہیں لاتوں کے بھوت بھی ہوتے ہیں۔

پیغمبروں نبیوں رسولوں اور دیگر چنیدہ' بالیدہ ہستیوں نے بھی اس کا بھرپور استعمال کیا..... آسمانی کتابوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ سے لے کر جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک' کسی نہ کسی صورت عصا' چابک چھڑی ضرور ہاتھ میں رہی..... غرضیکہ اچھا ہو یا کوئی بُرا' ادنیٰ یا اعلیٰ' یہ ہر اک کی ضرورت رہا۔"

مَیں جب سے بابا کہلایا..... عصا خود بخود میرے ہاتھ آیا..... کیا خوب کہ مَیں نے آج تک کبھی کوئی عصا' ڈنڈا یا چھڑی از خود نہیں خریدی۔ اللہ کریم کے برگزیدہ بندوں نے کمال محبت و شفقت سے مراحمت فرمائیں۔ بغداد شریف' اجمیر شریف' سہون شریف' داتا سرکار اور بھی بہت سی جگہوں کے علاوہ میرے پاس میری روحانی اُستاذ چاچی جموں والی کے بعد کے روحانی بابا" باؤ ترین" جلالپور والے کا "جناتی عصا" بھی مجھے حاصل ہوا۔ بابا جی کی ظاہری حیاتی میں مَیں نے اس جلالت مآب عصا کے بہت سے چمتکار دیکھے' گو اُس عہدِ طفلیت میں انہیں سمجھنے جاننے کا کماحقہٗ ادراک نہ تھا اس کے باوجود اُن کی ماورائیت کچھ نہ کچھ سمجھ آتی تھی۔"

قارئین! اگر چاہوں تب بھی مَیں' اس جلال پوری' جلالی ڈنڈے (جسے عصا کہنا کچھ زیادہ معقول لگتا ہے) کو فراموش نہیں کر سکتا کہ اس سے جنات اور دیگر نادیدہ مخلوق کی دُرگت بنتے دیکھی..... بہت آگے پہنچ کر ایسی ہی صفات و تشرفات والا ایسا ڈنڈا' اپنے جمالی و جلالی بابا ڈنڈے والا سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں دیکھا..... ان کے جذبہ ایمانی' جرأت لاثانی..... قرآن' رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت..... اُن کی فقید المثال خطابت اور نسبی شرافت کے اپنے تو اپنے' بیگانے بھی معترف تھے۔ مَیں نے ان کے ڈنڈے کو کئی بار بوسے دیے۔ ان کے ڈنڈے سے جزئی ہوئیں چند ایک" ڈنڈیاں" یعنی چھڑیاں بھی دیکھیں۔ ان چھوٹی جھوٹی چھڑیوں کا اپنا ایک الگ مقام اور شان تھی۔ علامہ اقبال' مولانا ظفر علی خان' مولانا آزاد' مظہر علی اظہر'

Scanned with CamScanner

غلام رسول مہر' غلام مرتضیٰ میکش' حکیم احمد شجاع' صوفی تبسم' مولوی عبدالحق' مولانا مودودی' حکیم سعید دہلوی' بڑے غلام علی خاں' غلام حسین مہاراج' گاندھی جی' نواب نصراللہ خان وغیرہ...... ماضی قریب و بعید میں اُمراء شرفاء کی ہتھ چھڑی اُن کے لباس اور ذات کا حصہ ہوتی تھی۔''

میرے والد مرحوم کے پاس ایک چھڑی ہوتی تھی' جس کی مُٹھ سینگ کی اور باقی گینڈے کے چمڑے کی تھی۔ نیچے پیتل کا پیندا تھا۔ وہ اسے افریقہ سے لائے تھے۔ ایک قیمتی اور پُراسرار چھڑی' مجھے ایس ایم ظفر کے والد صاحب جو رنگون والے کشفی نظامی پیر کہلاتے تھے' کے گھر سے ملی تھی۔ آپ حضرت حسن نظامی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء میں ایک اعلیٰ پائے کے بزرگ تھے۔ ان کا مزار' نارووال کے نواح' چک قاضیاں میں مرجع خلائق ہے۔''

زندگی کے مختلف اَدوار میں' میرے ہاتھ کے عصا بدلتے رہے...... اس میں شاید میرے ارادے کا دخل نہ ہوتا ہو' ضرورت' سفر کا تقاضہ' موڈ یا پھر یہ کہ جو سامنے ہاتھ لگ گیا...... اس سے چندی گزشتہ میں جو عصاء میرے ہاتھ تھا...... سیاہ چندن کا مٹھ' جس کے ٹیڑھے' اسی کے پتوں کی آگ کے سینک سے سیدھے کیے جاتے ہیں' مجھے ہرڑوار کے ایک پنڈت دوست نے یہ بتا کر تحفہ میں دیا تھا۔ باباجی مہاراج! یہ کلیر شریف کے نہر کنارے' پرانے جنگل کے خاص چندن کا ہے...... جس کا صندل سندور' کسی دور میں سونے کے پتروں کے بھاؤ ملتا تھا کہ ہری دوار پہنچنے والے یاتری' اسے اپنی پوجا پاٹ میں استعمال کرتے تھے۔ مزید انکشاف کرتے ہوئے بتایا۔ سانپ کوئی بھی کسی نسل بھید بھاؤ کا ہو اس کاٹھ کا رن' کا نپور کا کنہیا لعل کچلو بن کے رہ جاتا ہے۔ کیڑے مکوڑے بچھو بچھو گڑے' قریب لگتے ہی بے دم ہو جاتے ہیں۔ مدھے مدھے مہوے کی مہک کی مُدھرتا' من کو منور بھن دیتی رہتی ہے۔ اس کاٹھ کو ہاتھ میں رکھنے والے کا بلڈ پریشر صحیح رہتا ہے...... اور تو اور دل دماغ پھیپھڑے گردے جگر یعنی اعضاء رئیسہ مضبوط رہتے ہیں۔ اپنے مالک پالک کی طرف دھیان رہتا ہے۔ اَنت اچھا رہتا ہے۔''

اللہ کریم! سورہ رحمٰن میں فرماتے ہیں۔ ''تم میری کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' پھر مالک و خالق' اجمال سے اپنی عطا کردہ نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں...... عود کے پیڑ جھاڑ کی مانند چندن یعنی صندل کا پیڑ جھاڑ بھی' اللہ کریم و جمیل و جلیل کی صناعی' حکمت' جمالت...... عنایت و مراحمت کا عظیم تحفہ ہے۔ عود کی مانند اس کی باس بھی باغ بہشت کی مہک کے مثل ہے۔ سنبل و نسترن' گلاب و گیندا' چمپا و چنبیلی کی نکہتوں سے وَرے کچھ اچھوتی سی مشامی کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی لکڑی' پتوں' پھولوں' کلیوں' چھال حتیٰ کہ جڑوں اور نیچے کی مٹی سے بیاس روحانی' ذہنی جسمانی' جنسی بیماریوں کا علاج ممکن ہے۔ اس کے خشک پتے' لکڑی کا برادہ بطور بخورات

Scanned with CamScanner

دہکانے کے کام آتے ہیں۔''

حاضرات' موکلات کی مجالس اور اَرواح کی حاضری کے لیے اس کا دھواں دھانس بہت ضروری ہوتی ہے۔ دماغی اور ذہنی امراض میں اس کی گوگلوں کا لعوق چٹانے سے خاطر خواہ افاقہ' جبکہ اس کے پھولوں کلیوں کی معجون سے خفقان' خلل کا علاج ہے۔ اس کے تیل سے بیشتر بیش قیمت خوشبویات اور جمال افروز کریمیں تیار ہوتی ہیں۔ اس کی چھال سے ایسے رنگ اور مہک آور مواد تیار ہوتے ہیں جن سے امراء اور نازک مزاج خواتین کے ملبوسات' ریشمی اور کاغذی رومال' شب خوابی کا لباس اور دریچوں کھڑکیوں کے باریک پردوں میں بسایا جاتا ہے اور بھینی بھینی' بھلی سی کی مہک کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اس کی بیکار ٹھوٹھوں' گانٹھوں' بُرادے سے عرقیات اور مشروبات تیار ہوتے ہیں۔ جو مفرح' تسکین آور اور گرمی حدت سے نجات دلاتے ہیں۔ لو اور شدید گرمی کے ایام میں صندل کا شربت اِک نعمت سے کم نہیں ہوتا۔

چندن کاٹھ کی کئی اقسام ہیں۔ ان میں سے چند ہی قسمیں ایسی ہیں جو تاثیر و تحلیل کے سبب' خُوشبویات' اَدویات میں کام آتی ہیں۔ کچھ ایسی جو اپنی کم تر خوشبو کی بنا پہ بخورات یا سلگانے کے لیے ہیں۔ انہیں مندروں' معبدوں اور دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں میں مسلسل سلگایا جاتا ہے۔ فارس' یونان' روم' مصر' بابل' نینوا' ہندوستان کے قدیم معبدوں میں قیمتی پتھروں کے علاوہ اسی کی لکڑی کے بت اور دیگر سامان زینت و آرائش ہوتا تھا۔ محرابیں اور دروازے' کھڑکیاں' بیٹھنے کے لیے چوکے...... مشعلوں کے قلابے...... پستکوں کتابوں کے لیے الماریاں...... چھت روشندان' عبادت گاہوں میں اِک جو روحانی اور عرفانی ماحول قائم ہوتا تھا۔ اُس کی ایک بڑی وجہ بھی اسی صندل کی سدا بہار بھینی بھینی مہک اور اس کے روحانی وجدانی اسرار ہیں۔

اس لکڑی کی ایک اور قسم ہندوؤں کی ارتھیاں جلانے کے کام آتی ہے لیکن وہ بھی سونے کے مول دستیاب ہوتی ہے...... میں نے دہلی اور آگرہ' جمنا کنارے غریبوں کو کاٹھ کباڑ' سائیکل اور موٹر کے پرانے ٹائروں سے بھی ارتھیوں کو آگ دیتے دیکھا ہے۔

صندل کے ذخیرے جنگل بھی زعفران کے کھیتوں کی طرح' سرکاری تحویل میں ہوتے ہیں...... عام آدمی ان کے ذخیروں کھیتوں میں داخل نہیں ہو سکتا کہ ادھر کی خُوشبو اور اڑتی ہوئی جینیاتی روئیں سے متلی' سر درد یا نزلہ زکام میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ دوسرا کارن' ان کا قیمتی اور کمیاب ہونا بھی ہے۔ تیسری ایک اور وجہ' صندل کے پیڑ سے اکثر سانپ لپٹے دکھائی دیتے ہیں۔ بے ضرر سے بے ضرر سے...... اصل میں وہ اس کی مہک کی مستی میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں پکڑ لو یا مار دو انہیں کچھ خبر نہیں ہوتی...... بالکل ایسے جیسے ہمارے ہاں منشیات کے عادی' کونوں کھدروں ویرانوں میں نشہ پورا کر کے سر دیئے پڑے ہوتے ہیں۔ صندل کی محبت

Scanned with CamScanner

میں قدرت نے اک خاص تاثیر رکھی ہے' جو انسانوں جنوں کے علاوہ ہر اُس جانور کے لیے متاثر کن ہے جس میں سریت' تحلیل اثری اور مافوقیتِ بدنی' بدرجہ اُتم موجود ہے۔ اس لحاظ سے سانپ' صفِ اوّل کا تحزندہ ہے...... بعد اَبابیل' کبوتر' کوا' کتا' ہدہد' چیونٹیاں' ماہیاں' مکڑیاں' مچھر' دیمک وغیرہ کا نمبر آتا ہے۔

سانپ کو دائیں بائیں اور درمیان تینوں اطراف کے درجات...... جنت میں داخل ہونے اور آدم علیہ السلام کو بہکانے کا بوجھ بھی اس کے سر ہے۔ بہت آگے آئیں تو فرعون کے دربار میں' موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے درمیان' حق و باطل کے مقابلے میں بھی سانپ اپنا مثبت کردار ادا کرتا دکھائی دیتا ہے۔ غارِ ثور میں بھی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی غرض سے کئی زمانے' پڑا منتظر رہتا ہے۔ غرضیکہ سانپ کے مختلف' منفی و مثبت کردار و روپ ہمارے سامنے آتے ہیں...... ہم کما حقہٗ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ سانپ اصل میں ہے کیا؟...... دوست ہے یا دُشمن؟...... ہم اس کا شمار حشرات الارض کی مضرت پہنچانے والی مخلوق میں کرتے ہیں جبکہ ہمیں انسانی اور حیوانی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمیں نقصان سے کہیں زیادہ' اس سے فائدہ ہی ہُوا۔

آج تحقیق کہتی ہے کہ یہ دُشمن نہیں دوست ہے' محسن ہے۔ اگر یہ ہمیں کاٹتا ہے تو یہ اس کی فطرت میں شامل ہے۔ اس کے نہ ہاتھ ہیں نہ پاؤں' بینائی نہ ہونے کے برابر...... سُن اور آنکھیں بھی بند نہیں کر سکتا کہ اُس کی پلکیں پپوٹے نہیں ہوتے۔ وہ صرف اپنے دفاع میں مجبوراً حملہ آور ہوتا ہے۔ عام حالات میں وہ طرح دے کر اپنی جان بچاتا ہے۔

ہمارے علاوہ دوسروں نے' جنہیں ہم کافر' ملحد' زندیق کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔ اِس کارآمد' قیمتی اور پُراسرار جانور پہ بہت کام کیا۔ اس کے بارے جو جھوٹی' من گھڑت کہانیاں قصے مشہور ہیں جن کی وجہ سے ہم اسے کوئی مافوق الفطرت جانور سمجھتے ہیں۔ انہیں رد کر کے اُس کا خوف اسراریت ختم کی۔ آج اسے فارموں میں پالا جاتا ہے۔ اس کی مختلف نسلیں قسمیں تیار کی جا رہی ہیں۔ اس کے زہر سے مختلف عارضوں کے لیے ویکسین تیار کی جا رہی ہیں۔ اس کی کھال سے قیمتی جوتے' پرس' لباس' بیلٹ' دستانے' سر کی ٹوپیاں تیار کی جاتی ہیں۔ اس کی ہڈیاں بھی کام آتی ہیں۔ اس کا لذیذ گوشت' دُنیا بھر میں بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔ ڈبوں میں بند کر کے دساور بھیجا جاتا ہے۔ اس کی دُم اور سری کی یخنی' ایک کمال کا مشروب ہے' جو دُنیا کے صرف اعلیٰ ترین ہوٹلوں میں دستیاب ہے۔ یہ سب کچھ لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ آج کے دور میں سانپ' ایک خطرناک جانور نہیں۔ ہمارے دل دماغ میں بیٹھا ہوا خوف اگر دُور نہیں ہوتا تو اس میں سانپ بیچارے کا کیا دوش؟...... ہماری ہڈیوں میں سیسے کی طرح بیٹھی ہوئی بے علمی اور جہالت' اگر ہم خود دُور نہیں کرتے تو اس کا علاج کرنے کوئی لقمان تو نہیں آئے گا......؟

سانپوں کا ذکر...... ! میں جن سانپوں کا ذکر لیے بیٹھا ہوں وہ کوئی اور سانپ ہیں۔ جس طرح عام انسانوں کے بیچ کچھ اور طرح کے انسان بھی ہوتے ہیں۔ جو ہوتے تو انسان ہیں مگر ان میں قدسیوں کی سی قدریں بھی ہوتی ہیں۔ اور ایسے بھی جو دکھائی تو بڑے نیک پارسا دیتے ہیں مگر اندر سے پکے پورے راکشس شیطان ہوتے ہیں۔"

یہ شیش ناگ بھی' عام سانپ نہ تھا؟...... اور میرے ہاتھ جو عصا تھا وہ بھی کوئی دو کوڑی کی کوتل دھریک' کسی کیکر کا کڑ کا مجن یا بانس بنسیل کا لٹھ نہ تھا۔ مہان تیرتھ ہردوار کے پرمان پنڈت وین دیال جی مہاراج نے کمال کرپا سے بھینٹ کیا تھا...... صدیوں پرانا چندن چوب جو کبھی کسی قدیمی ناگ دیوتا کے مندر کا کوئی حصہ رہا ہوگا۔ کسی نہ کسی طرح پنڈت جی کے ہاتھ لگ گیا۔ بے ڈھنگا' بے ڈول' بے طرح کا صندل کی لکڑی کا ٹکڑا' ممکن ہے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کسی ارتھی میں جل چکا ہوتا...... پنڈت جی نے اُسے اپنے آشرم میں دیپ رکھنے کے لیے دیپک دون بنالیا۔ ہوم کرتے ہوئے اصلی گھی کا شاندھ دیپ' اسی ساڑھے تین فٹ اُونچے دیپک دون پہ رکھ کر روشن کرتے۔

دیپک دون' موٹے سے ڈنڈے کا سٹینڈ ہوتا ہے۔ نیچے بھاری سا پیندا اور دیپک رکھنے کے لیے اُوپر گول گہری سی تختی ہوتی ہے۔ یہ دیپک دون' چندن کاٹھ کا مانا جاتا ہے...... نچلی جات شودروں' بھنگیوں کے ہاں برگد' پیپل یا پھر شیشم کٹھل کا بھی ہوتا ہے۔ مسلسل گھی تیل سے تتھڑے رہنے کی بناء پہ اس کی اصلی اوقات جات تو کہیں اندر روپ کر رہ جاتی ہے۔ تب کہیں کوئی چندن گندن کا فرق باقی نہیں رہتا۔ ہندوستان میں ایسے دیپک دونے ہر مندر' دھرم شالے اور سادھیوں میں استھانوں میں دکھائی دیتے ہیں۔

بہت پرانی بات! میں احمد آباد کمبھ کے بڑے میلے میں جدھر ہندوستان سمیت' دُنیا بھر کے ہندومت' جین مت یاتریوں کے علاوہ دیگر مذاہب اور سیاحوں کا فقیدالمثال اجتماع ہوتا ہے۔ وہاں کچھ مختلف ہندو اور بین المذاہب تنظیموں کے زیر اہتمام مختلف نجم وتجت کے سیمینارز' کانفرنسیں بھی منعقد ہوتی ہیں۔ دُنیا بھر سے مندو بین شرکت کرتے ہیں۔ میں بھی دو تین مرتبہ ان سیمیناروں میں شریک ہُوا...... ایسی بین المذاہب کانفرنسوں میں شرکت کے بہت فائدے سامنے آتے ہیں...... ایک دوسرے کو قریب سے جاننے سمجھنے کے مواقع ملتے ہیں...... تہوار تو ویسے بھی سانجھے ہوتے ہیں' مقصد ایک ہی ہوتا ہے کہ مل جل کر آپس میں پیار محبت بڑھایا جائے اور ہنس کھیل کر زندگی کو خوشگوار بنایا جائے وغیرہ وغیرہ...... میرا مقصد بھی یہی ہوتا ہے اس لیے میں کبھی بھی ایسا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا...... مذہب مسلک' ملک وملت' رنگ ونسل سے بے نیاز ہو کے میں ہر اُس جگہ چلا جاتا ہوں جدھر لوگ...... بحث مباحث لڑتے جھگڑتے' گلے شکوے' چغلیاں' بخلیاں' نتارے

Scanned with CamScanner

ور تار ے کرنے نہیں' بلکہ دلوں کی کدورتیں' طبقاتی لسانی تضادات' دین و دھرم کی چپقلشیں' رنگ و نسل کی تفریقیں دور کرنے کی غرض سے شامل ہوتے ہیں۔''

ایسی ہی ایک کانفرنس کے دوسرے دور میں میرے ساتھ والی سیٹ پہ ایک عجیب و غریب حلیہ کا بندہ آ کر بیٹھ گیا۔ بیٹھتے ہی اُس نے السلام علیکم کہہ کر مجھے چونکا دیا۔ جبکہ اُسے ہاتھ جوڑتے ہوئے نمسکار کہنا چاہیے تھا۔ گیروے رنگ کی دھوتی شالی' گلے میں جینؤ' ماتھے پہ قشقہ' چاروں ابرو چٹ' پاؤں کھڑاویں ...... حتیٰ کہ اُس سے وہ مخصوص باس بھی آ رہی تھی جو یہاں تیرتھوں کے پیشہ ور پنڈتوں سوامیوں اور سیوا کاریا پراتھنا سیوکار کرانے والوں پجاریوں کے جسم جُثے کا ایک لازمی حصہ ہوتی ہے۔ میں ابھی اُسے صحیح سے سمجھنے کی کوشش میں تھا کہ اُس نے نہایت عجز و انکسار سے اپنا پریچے کرایا۔ اس سے پہلے کہ میں بھی اپنا حدود اربعہ بتاتا' وہ خود ہی مجھے' میری بابت بتانے لگا۔ آپ کا شبھ نام بابا محمد یحییٰ خان ہے' بڑا شبھ' شانت نام ہے۔ آپ انگلینڈ سے پدھارے ہیں۔ آپ یہ ہیں' آپ وہ ہیں ...... جتنی بھی اچھی بچی' وہ میرے بارے جانتا تھا اُگل کر سامنے رکھ دی۔ ظاہر یہ تمام معلومات' اُسے کانفرنس کے پروگرام بروشر سے ملی تھیں۔

پروگرام شروع ہونے میں کچھ دیر تھی۔ ساتھ ساتھ بیٹھنے والے اس فارغ وقت میں ایک دوسرے کا سر کھاتے ہیں۔ وہی رٹی اور موٹی باتیں ...... جو محض باتیں ہی ہوتی ہیں۔ مگر اُس کی باتوں میں کچھ گھاتیں بھی ہوتی ہیں۔!

یہ جتنے بھی علیحدہ سے' نابغہ روزگار لوگ ہوتے ہیں' یہ ہوتے ہی ایسے ہیں۔ مبہم یا مغنی خیز' پُر مغز پُر اسرار گفتگو ...... سیدھی بات کی بجائے گھما پھرا کے گفتگو کرنا اپنی قابلیت سمجھتے ہیں۔ یہ برہمن بھی کچھ یوں ہی تھا ...... نچلے سپتک میں بات کرتا تھا مگر بڑی پکی! ...... اِدھر اُدھر کی باتوں کے دوران' اُس کی ایک بات نے مجھے دوبارہ اُسی کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ جو کیفیت اُس کے پوری قرأت کے ساتھ ''السلام علیکم'' کہنے سے پیدا ہوئی تھی۔ کہنے لگا۔

''باباجی! میری نشست کہیں اور تھی مگر میں آپ کے ظاہری اور باطنی سیٹ اَپ سے متاثر ہوتے ہوئے' اِدھر آپ کے چرنوں میں بیٹھنے پہ مجبور ہوا ہوں۔''

ظاہری سیٹ اَپ تو سمجھ میں آیا۔ باطنی سیٹ اَپ پہ ٹھٹکا سا گیا۔

''مہاراج! میں بڑا مشکور و ممنون ہوا ہوں' باطنی سیٹ اَپ کی ذرا وضاحت فرما دیں......؟''

مجھے دزدیدہ نگاہوں سے تولتے ہوئے بولا۔

''جو تلمیں تو آپ نے دیکھ رکھی ہوں گی......؟''

Scanned with CamScanner

میرے اثبات میں سر ہلانے پہ مزید گویا ہوا۔

''کچھ بوتلیں شیشے کی' کچھ چمڑے یا کسی دھات وغیرہ کی ہوتی ہیں۔''

مَیں نے مزید سر ہلا کر تائید کی۔

''شیشے کی بوتلوں میں جو سیال ہوتا ہے وہ تو دکھائی دیتا ہے مگر جو چمڑے یا دھات کی باٹلی میں ہوتا ہے وہ اوجھل ہوتا ہے۔''

''درست...... !''مَیں نے ہونکتے ہوئے پھر جواب میں سر جھکایا......

''کچھ بوتلیں سفید شیشے کی ہوتی ہیں مگر اُن میں سیال مادہ کسی اور رنگ کا ہوتا ہے۔ اب بوتل خُود کو زرد کر کے اندر کے رنگ میں رنگی جاتی ہے۔ اسی طرح کچھ بوتلیں رنگدار ہوتی ہیں' وہ اندر کے رنگ کو اپنے رنگ میں رنگ ڈالتی ہیں۔ بس' یہی ظاہر باطن ہے...... جس کا رنگ پکا ہوگا وہی رہے گا اور جو کچا ہوگا اُتر جائے گا۔ آپ کے اندر کا رنگ' ظاہر کی بوتل سے جھانک رہا ہے۔''

ظاہر ہے اس مُبہم سی دلیل' منطق یا گفتگو کا میرے پاس کوئی ظاہری جواب نہ تھا۔ زچ پڑ کر مَیں سوچنے لگا اس براہمن بَقراطیے سے کس طرح جان چُھڑاؤں؟...... میری مسلسل خموشی کا پتا نہیں اُس نے کیا مطلب لیا۔ اَب اُس نے مجھے بور کرنے کا ایک نیا محاذ تلاش کر لیا۔ میرے دائیں ہاتھ کی تیسری اُنگلی میں سنگِ موسیٰ کا ایک جبری دانہ اِک زمانہ سے مقیم تھا۔ اُس کے اس قیام میں میری پسند مرضی کا کچھ زیادہ دخل نہ تھا۔ بس کبھی اُس سے قاہرہ میں یاد اللہ ہوئی جو اَب تک قائم تھی۔

''کیسا ذی وقار متکلم رتن ہے......؟'' وہ اسے اشتیاق بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں اِس کے علاوہ مجھے سنگِ سلیمان' سنگِ یشب' سنگِ مریم بھی بہت گراں قدر لگتے ہیں...... اور میرے خیال میں آپ کو سنگِ موسیٰ سے کچھ زیادہ ہی عقیدت ہے؟''مَیں نے اُس کے ہاتھ میں چھوٹے سے ترمنڈل کے منکے پہ سنگِ موسیٰ کی ایک چھوٹی کَنی لگی دیکھ کر کہا۔

''ہاں' آپ کا خیال درست ہے۔ مَیں ناگ دیوتا کے بڑے مندر کا بھگت ہوں...... ناگ دیوتا کی کرپا برکت سے ہر سمے ناگوں' سنپوں کے بیچ' اُن کی سیوا میں رہتا ہوں......''

وہ اپنے ہاتھ' سیاہ رنگت ترمنڈل کو دکھاتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

''یہ میرے ہاتھ بھی ہر سمے یہ سیاہ شجرہ کا ترمنڈل رہتا ہے...... ناگوں کو شانت شتھل رکھنے میں یہ ترمنڈل اور موسیٰ رتن بڑے کام آتے ہیں۔''

میری انگشت میں حجرِ موسیٰ اور ہتھ چھڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

Scanned with CamScanner

''بابا! میں نے آپ اپنے ترمنڈل اور رتن کے بارے بتادیا۔ اب آپ مجھے بتائیں' کیا آپ نے بھی یہ چیزیں اسی کارن رکھی ہوئی ہیں جس کارن میرے پاس ہیں؟''

میرے کسی جواب سے پہلے اُس نے ایک بات اور کر ڈالی۔

''آپ تو مسلم ہیں اور مسلمان اُن چیزوں کو اہمیت نہیں دیتے جو ہمارے دھرم کا حصہ ہیں لیکن آپ تو مجھے کوئی گیانی دھیانی جاپ پڑتے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کے بھی وچار وہی ہوں جو میرے ہیں؟''

اُس نے مختصر سے وقت میں بہت سے سوال کر ڈالے تھے۔ میں نے کوئی صحیح غلط جواب دینے کی بجائے محض مسکرا دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ اسی دوران پروگرام بھی شروع ہو چکا تھا۔ وہ مجھے خاموش پا کر اُٹھ کر دھیرے سے اپنی نشست کی جانب بڑھ گیا جو دو قطار پیچھے تھی۔

سر پڑی رات' جب میں تھکن دُکھن سے بے حال' نڈھال سا اپنے ہوٹل پہنچا تو یہ مہاشے' باہر سڑک کنارے' برگد کے پیڑ کے پیڑے پہ سر دھرے سائیں بابا کے سامنے کھڑے اپنے دھیانے سر جھوڑے' سراپا عجز و انکسار بنے ہوئے تھے۔ مجھے لگا وہ ایک پیشہ ور پجاری' پنڈت سے کچھ آگے ایک اچھے گیانی دھیانی منچھ بھی ہیں!

دو پہر پہلے کی اُدھوری ملاقات میں اُس کی بھید بھری باتوں' خاص طور پہ سنگِ موسیٰ اور چندن کاٹھ کے ترمنڈل کی بابت گفتگو سے میں خاصا فیض یاب ہُوا تھا پھر اُس کے وہاں سے اچانک اُٹھ جانے سے میں اندر ہی اندر کچھ مایوس بھی ہُوا' پروگرام' اس کے اوقات کی مجبوری پیشِ نظر تھی لیکن اس کے باوجود اس سے سیر حاصل گفتگو اور نشست کی خواہش' دل ہی دل میں کہیں جڑ پکڑ چکی تھی......

مجھے نت نئے اور قدیمی پُراسرار علوم و فنون جاننے سمجھنے اور سیکھنے کا لپکا ہمیشہ سے ہی رہا...... اسی جنوں کی خاطر' دُنیا جہاں کی خاک چھانتا پھرتا ہوں۔ جہاں جدھر کوئی نئی بات' گھات مات دکھائی دیتی ہے اُدھر ہی نکل لیتا ہوں۔ اسی بدھوان میں بھی مجھے کسی وچارک کا پرکاش دکھائی دیا' پہلی مختصر سی ملاقات میں ہی دو چار ہی باتیں پلے پڑ گئی تھیں جبکہ میں ان کے بھیتر کی بدیا کی پوری کی پوری گٹھڑی پہ نظریں جمائے بیٹھا تھا۔''

اسے اپنے ہوٹل کے دروازے کے قریب یوں پا کر میں حیران تو ضرور ہوا مگر پریشان نہیں کہ میری زندگی میں ایسا کچھ تو صبح و شام سرزد ہوتا رہتا ہے۔ میں اُس کے دھیان میں کھنڈت نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ ایک ہی صورت تھی کہ انتظار کروں...... اس کی نوبت نہ آئی' اچانک پلٹا اور میری جانب بڑھ آیا۔ ہاتھ جوڑتے ہوئے بڑی نستعلیق سی السلام علیکم کہتے ہوئے میرے قدموں میں جھک کر چرن چھونے لگا تو میں نے اُسے کندھوں سے دبوچ کر سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

Scanned with CamScanner

''مہاراج! مَیں ایک تجسس پشو ہوں...... مجھے میری جگہ ہی رہنے دیں..... بڑی کرپا ہوگی؟
نرم نگاہوں سے تکتے ہوئے بولا۔
''پرنتو آپ مہان بھی ہیں' ودوان بھی اور ہمارے مہمان بھی...... مَیں آپ ہی کی طرف آیا تھا......
میرے کارن کوئی سیوا......؟''
میرا کوئی جواب لیے بغیر ہی مزید کہنے لگا۔
''مَیں آپ کو بظاہر معمولی مگر ایک بھیدوں بھرا تحفہ بھینٹ کرنا چاہتا ہوں۔''
مَیں نے بڑی حیرت سے اُس کی یہ بات سُنی' ظاہر ہے سرِ راہ کھڑے کھڑے ایسی باتوں کی بحث کچھ مناسب نہ تھی لہٰذا مَیں نے اُسے اپنے ساتھ ہوٹل آنے کی دعوت دی۔ سرینوے' بڑی ''سعادت'' سے وہ میرے ساتھ ہولیا...... دن بھر سننے سنانے کی مشقت سے گو طبیعت سخت بیزار تھی لیکن اس کی پُراسرار شخصیت میں کچھ ایسی کشش تھی کہ اس کے ساتھ بڑی دلچسپی اور خوب مزے سے اچھا وقت بِتایا جا سکتا تھا۔ میرے اندر ایک تصویر خانہ ہے۔ میرے مطلوبہ معنوں کی وہاں خود بخود شبیہ اُبھر آتی ہے۔ میرے ذہن کی آرٹ گیلری میں وہ ایک نرم آنچ والوں شعلوں کی تصویر کی طرح سج چکا تھا۔

● علموں بس کریں او یار......!

سچا سودا جس کے پاس ہو وہی بدھوان اور دھن وان ہوتا ہے۔ عشق' مجبوری اور طلب...... مذہب مسلک' خطّہ طبق' رنگ و نسل' سِن و سمبند وغیرہ کے مرہونِ منت نہیں ہوتے۔
بنیادی طور پہ علم کی دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں' علم نافع اور علم ناقص...... علم نافع' طالبِ علم میں سلامتی' رواداری' تحمل' برداشت اور یگانگت کے رَوّیے پیدا کرتا ہے اور سب سے بڑی بات کہ خود شناسی کے بعد خدا شناسی کی نشاندہی بھی کرتا ہے جبکہ علم ناقص' راہِ مستقیم سے بھٹکا کر دین و دُنیا کی بربادی کی راہ پہ ڈال دیتا ہے۔ نفرت' کدورت' طمع لالچ' خود غرضی' حسد و فساد اور فسق و فجور کی ترغیب کا مُوجب بنتا ہے۔ ایسے علوم و ہنر' شوق و شغل' محافل و مجالس' جو وقت کا ضیاع' اخلاق و اعمال تباہ اور اللہ رسول قرآن کی راہ سے گمراہ کر دیں' علومِ ناقصہ ہوتے ہیں۔ بلاشبہ یہی علوم' شیطانی ترغیبات ہیں لیکن ان علومِ فاسقہ ناقصہ کی بابت' معقول سی جانکاری رکھنا' کہ اِن کے بداثرات اور نقصانات سے خود اور اللہ کی مخلوق کو بچایا جا سکے' چنداں عیب نہیں...... یا یوں کہہ لیں کہ علم کی نہ تو کوئی جنس یا جذبات ہوتے ہیں اور نہ کوئی مذہب و مسلک...... نہ عربی اور عجمی ہوتا ہے

Scanned with CamScanner

اور نہ اس کی کوئی جمع و تفریق؟...... علم تو عمل کرنے سے قبل یہ جاننے کا نام ہے کہ اس کا نتیجہ خیر' سلامتی اور منشائے قدرت و فطرت ہے یا پھر اس کا ما حصل' خصومت و خرابات؟...... شیطان لعین کی پیروی یا کسی کو خدع دینا ہے؟ کسی کو نیچا دکھانا یا عزتِ نفس مجروح کرنا ہے؟...... نتیجہ یہ نکلا کہ علوم' آگاہی گیرائی' باطنی بصیرت چشم کشائی اور وجدان و اذہان کی ذاوری کے لیے ہوتے ہیں۔ اُسے جاننے پہچاننے اور ماننے کے لیے ہیں جو ہمارا سب کا رَبّ ہے......!

کیا خوب بات کی؟...... آئینہ اپنے دونوں رُخوں کے سیاق و سباق سے آئینہ کہلاتا ہے۔ ہلیم کا ہو خلب یا سکندر یہ کا...... اس کا کام' ظاہر کے خدوخال کا عکس دکھانا ہی ہوتا ہے...... بباطن جلوے دکھانے والے آئینوں کے پشت پہلو آپ نقروے نہیں...... تجلیل وذکر سے صیقل ہوتے ہیں۔

بات کا کیا ہے؟ بڑھتے بڑھتے قامتِ یار تک جا پہنچے...... میرے ہاں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اختیار کچھ نہیں...... قلم کا کابلی ٹٹو جدھر چاہے نکل جائے؟ خرطوم کے اَبلق گھوڑے' جون پور کے گدھے' خراسان کے خچر اور کابل کے ٹٹو...... لدھیانے اور لاہور کے لٹو...... کانپور کے کنکوے' پشاور کی لنگیاں اور تانگے...... دہلی والوں کے دُنبے...... ممبئی کی بھیل' تملہ گنگ کا تیل...... نیلی بار کی بھینس' سیلون کی چائے...... رام پور کے چاقو' جموں کے جامن اور ہری دوار کے پانڈے' پنڈت اور برہمن......؟

بات برہمن کی ہو رہی تھی جو ساتھ بیٹھا چائے سُرک رہا تھا۔ دِیے کی لَو گی بندھی سی ہو تو دھونک دھانس نہیں دیتی۔ تعلق وہ جو طرحدار ہو...... طرفہ نہیں' طرفین کے دلی طمانیت کا باعث ہو۔ جس کی خشتِ اوّل' اخلاص سے تعمیر ہو تو تعلق' گردشِ زمانہ اور حوادثِ شب و روز کے جھکڑوں سے بچا رہتا ہے اور اگر تعلق' تملق اور دُنیا کے اغراض اور مقصد براری کے لیے ہو تو وہ موسمی ہوتا ہے۔ بے خوشبو کے پھول کی طرح...... رنگ بھی' جمال بھی مگر نکہت و نُور کا کمال نہیں ہوا......

کہیں نہ کہیں' کبھی نہ کبھی دو اجنبی ایسے بھی آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔ جو کسی معاملہ میں بھی اک دوجے کے لیے نامحرم نہیں ہوتے۔ شاید ہم دونوں کے بیچ میں یہی معاملہ تھا۔ یک جنس تو پھر آپس میں اک ڈگر گر والے ہوتے لیکن دیگر جنسوں والے بھی کہیں ایسے رَل مل جاتے ہیں کہ یقین نہ آتا بلکہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مَیں نے اپنے مشاہدات تجربات سے نتیجہ نکالا کہ "مَن ملے کا میلہ اور چت ملے کا چیلہ" والی بات بالکل دُرست ہے۔ اصل بات تو ہر دو کا قارورہ ملنے کی ہوتی ہے۔ جدھر یہ جُڑ گئے' بے لوث دوستی کی کاک ٹیل تیار ہو گئی۔

دن بھر کی مصروفیات پہ ہلکی پھلکی بات چیت کے بعد' اچانک اُس نے گفتگو کا رُخ بدلتے ہوئے پوچھا!

Scanned with CamScanner

''مہاراج! مَیں نے آج کانفرنس میں ہندومت کے استھانوں' تہواروں' اس کا فلسفہ' آواگون' شاستروں پُرانے پُرانوں' ویدوں کے بارے آپ کے وچار سُنے...... یقین کریں مَیں نے آج تک کسی مسلم تو کیا' کسی ہندو سکالرز بدوان سے بھی ایسی حقیقت افروز اور معلومات بھری باتیں نہیں سُنیں۔''

وہ میرے گھٹنے چھوتے ہوئے مزید بولا۔

''شبھ نام' لباس اور وضع قطع سے اگر آپ مسلم جاپ نہ پڑتے تو مَیں آپ کو کوئی مہادیو پرم گروہی گرداننا......!''

وہ نہایت لجاجت سے میری تعریفیں کر رہا تھا اور مَیں شرمندگی کے ساتھ سُن رہا تھا اور اس کی کوئی وجہ بھی تلاش کر رہا تھا جو سرِ دست سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جب پُرش' کسی انجانی پریشانی یا کسی مخمصے میں مبتلا ہوتا ہے تو اُس کا نتیجہ مختلف بدگمانیوں یا خوش فہمیوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ ایسے ایسے وہم اور خیالات اپنے حصار میں کھینچ لیتے ہیں کہ اُسے خود پہ ہنسی آتی ہے۔ مجھے بھی کچھ لمحوں کے لیے یہ احساس ہُوا کہ یہ پنڈت' خفیہ کا کارندہ ہے جو مجھے ٹٹولنے کے لیے میرے دوالے ہے...... یہ بھی کہ کوئی فراڈیہ ہے مجھے لُوٹنے کے چکر میں ہے۔ انسانی ذہن جب ایک بار ڈھلوان پہ پھسل جائے تو بڑی دور تک پھسلتا ہی چلا جاتا ہے۔ میرا بھی یہی حال' جبکہ وہ بہت اچھا انسان تھا...... مجھے انوکھا سا مسلمان پا کر اصلیت کُریدنا چاہ رہا تھا۔

اچانک اُس نے حسبِ توقع ایک اور سوال داغ دیا۔

''آپ مسلمان پاکستانی ہیں اُدھر اجمیر شریف یا نظام الدین بھی حاضر ہوئے یا اِدھر ہی......؟''

مجھے شاید یہی جواب کہنا چاہیے تھا۔

''مہاراج! اس دھرتی پہ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی پوتر استھان یا کسی مہان منش کی سمادھی مدفن نہ ہو۔ اس کے لیے کسی دین دھرم کی شرط نہیں ہوتی۔ ساگر صحرا پربت پرتھوی' گھٹائیں ہوائیں' فضائیں وغیرہ' انسانوں کے لیے ہیں' دھرموں کا کوئی تعلق...... پیشتر اس کے وہ کوئی جواب دیتا...... مَیں نے مزید بات کو آگے لگا دی۔'' آپ دہلی اجمیر شریف اور کلیر شریف جاتے ہیں۔ مَیں بھی ہردوار' متھرا بنارس کمبھ آتا ہوں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ سب اُسی ایک مالک کے چمتکار اور رنگ ہیں' جس پہ جو رنگ چڑھ گیا؟ رنگ رَجوا کے ہاں' کالا' گیروا ہی نہیں...... نیلا پیلا' ساوا' ہرا' اودھا جامنی رنگوں کے علاوہ رنگ پُختت اور رنگ کاٹ بھی ہوتے ہیں۔ وہ کچّے کو پکّا' پکّے کو کچّا' چڑھے کو اُتارتا اور اُترے کو چڑھاتا ہے۔''

قارئین! آپ حیران ہوں گے اُس نے جواب میں ''سبحان اللہ'' کہا لیکن میرے لیے یہ بھی کوئی حیرت کی بات نہ ہوئی کہ مَیں نے بڑے بڑے کافروں کو بھیتر سے مومن اور اچھے اچھے خضر صُورت بزرگوں

Scanned with CamScanner

کے باطن کو شیطان کی آماجگاہ دیکھا ہے۔ اسی لیے کہا گیا "جب تک کسی کے ساتھ پانچ سیر نمک نہ کھا چکو، دوست مت کہو...... جب تک کسی کے تلووں تلے "تین تلاؤ" کالے تل مدھوانہ لو کبھی سفر میں اپنا ساتھی نہ بناؤ۔

بھارت سمیت دُنیا بھر میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی اور دیگر مذاہب و مسلک والے میرے عقیدتمند اور تعلقات والے ہیں...... ہمارے تعلق رشتے زیادہ تر انسانی بنیادوں پر اُستوار ہیں اور اگر کہیں بے ضرری رُوحانیت یا تصوف کے حوالے سے کوئی تعلق جڑ پکڑ لیتا ہے تو وہ بھی بہت متوازن ہوتا ہے۔ میرے اکثر غیر مسلم بچے آتے جاتے اسلام علیکم اور کھاتے پیتے الحمدللہ کہتے ہیں...... ماشاءاللہ، سبحان اللہ اور جزاک اللہ وغیرہ تو اُن کا معمول بنا ہوتا ہے۔ انسانیت، اخلاقیات، حفظِ مراتب اور دیگر ہلکے پھلکے موضوعات پہ بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ میرا انداز گفتگو ناصحانہ اور ناقدانہ نہیں بلکہ دوستانہ مشفقانہ اور روزمرہ والا ہوتا ہے۔ میری صُحبت و قُربت میں وہ اجنبیت اور تکلف نہیں اپنائیت اور آسانی محسوس کرتے ہیں۔ میری حیثیت یا اہمیت (جو کچھ بھی نہیں) کے تلے وہ خود کو دَبا ہوا نہیں سمجھتے...... مَیں اُنہیں باور کراتا رہتا ہوں کہ ہم سب ایک دوسرے کے لیے اہم ہیں...... اِک دوجے سے سیکھتے سکھاتے ہیں۔ خلوص اور انسان دوستی کے رشتے روابط تعلقات اگر برابری اور اعلیٰ اخلاقی قدروں پہ اُستوار ہوں تو اُن میں برکت رہتی ہے۔

لگتا تھا جیسے وہ مُجھے مجھ سے کہیں زیادہ جانتا ہے۔ حافظ نابینا لوگ بینائی والوں سے کہیں زیادہ صحت کے ساتھ دیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ یہ اندر باہر کے اندھیروں اُجالوں کی زیارت و ریاضت کی بات ہوتی ہے۔ ہندوؤں ودھوانوں میں تو سریر چھایا اور اَنگ مایا کی شکتیاں بدرجہ اُتم ہوتی ہے۔ پَرکھ پکھیرو، پنچھی پروکش، کچھ بھی تو اِن سے اوجھل نہیں ہوتا۔

اِن بھید بھری باتوں کی گھاتوں میں سمے کی سیما کا کچھ دھیان نہ رہا...... میری آنکھوں میں تھکن کی مدھرا اور بیتتے سمے کی بدھرا کو محسوس کرتے ہوئے اُس نے جانے کی آگیا کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! میرا سو بھاگ کہ آپ کے چرنوں میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ من میں تھا مَیں آپ کو اپنا مہمان بناتا، جتنے بھی روز آپ اِدھر ہوتے، آپ کی سیوا میں رہتا۔ میری مستقل سکونت ہری دوار میں ہے۔ کلیر شریف سے صرف چودہ پندرہ کوس کا فاصلہ...... مجھے خوب علم ہے آپ وہاں صابر پیا کے ہاں چوکھٹ چُومنے جاتے ہیں۔"

مَیں جھٹ بول پڑا۔

"ہری دوار بھی بابا سبز برگ، سوامی نوشاد صابری کی درگاہ کی بھی زیارت کرنے ضرور جاتا ہوں۔"

حسبِ عادت مسکراتے ہوئے بولا۔

Scanned with CamScanner

''ہاں' پانچ برس پہلے مَیں نے آپ کو وہیں دیکھا تھا۔ مگر مالک کی اچھیا نہیں تھی' اس لیے ملاقات نہ ہو سکی۔'' اپنے ہاتھ کا عصا' مجھے دیتے ہوئے مزید بولا۔'' یہ ایک معمولی سی بھینٹ ہے' دس برس پہلے سوامی نوشاد صابری کے ایک کشمیری چیلے نہال چند صابری جو ہر برس حضرت بل شری نگر سے' ادھر پہنچ کر بڑی فاتحہ کرواتا تھا۔ مجھے یہ عصا' یہ کہتے ہوئے دیا تھا...... اپنے ہاتھ رکھو' تمہیں بڑی شکتی ملے گی اور سب سے بڑی بات کہ تمہیں کبھی ادھر اُدھر ہونے نہیں دے گا۔ یہ شکتیوں والا کرمنڈل' ویسا ہی ہے جیسے گڈریے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ منچھ کے بھیتر کی بکریاں کبھی باندھی نہیں جا سکتیں مگر باڑے کی جانب ہانکی جا سکتی ہیں۔ جس کے لیے کسی کرمنڈل ڈنڈے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف بیوقوف بکریوں کو دکھا دُ ملتا ہے بلکہ خود گڈریے کو بھی بدطینت بھیڑیوں گیدڑوں سے بچاؤ رہتا ہے۔''

مَیں نے حیرت بھری نظروں سے اس سیاہ عصا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مہاراج! آپ اپنے ہاتھ کی سوبھا' جو اتنے بڑے بزرگ نے آپ کو تحفہ میں دی' مجھے کیوں دے رہے ہیں؟...... ایسے سوبھاگیہ اور انمول خزانے آگے دینے کے لیے نہیں...... پیڑھیوں سنبھال کر رکھنے کے لیے ہوتے ہیں؟''

عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا......!

''خزانہ کے لیے حفاظت ضروری ہوتی ہے۔ کمزور منش خزانے کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ دس برس تک اس کرمنڈل نے میری اور مَیں نے اس کی حفاظت کی...... اب آپ کو دیکھ کر مجھے شدت سے احساس ہُوا کہ یہ آپ کے کام کی چیز ہے۔''

اک عجیب سا ماحول پیدا ہو چکا تھا۔ کبھی مَیں اُسے' کبھی عصا' اور اس کی گنجلک باتوں اور انکشافات پہ غور کر رہا تھا۔ مَیں اپنے تئیں کسی حتمی نتیجے پہ پہنچے بغیر پوچھ بیٹھا۔

''پرنتو! کوئی ایسا کارن تو ہوگا جس کی بناء پہ ایسا حکمت بھرا کرمنڈل مجھے بخشا جا رہا ہے؟''

وہ پھر فلسفہ جھاڑنے لگا۔

''آپ تو بہتر جانتے ہیں کہ اس سنسار میں جیون سمیت' ہر چیز عارضی اور وقتی طور پہ آپ کے پاس ہے...... اپنے اپنے سے' اپنی ڈیوٹی ختم کر کے ہر کوئی اپنے انت کی جانب لوٹ جاتا ہے۔'' اناللہ وانا الیہ راجعون'' کا مطلب بھی آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں...... آپ ادھر پدھارے' کل وِل اپنے وطن' اپنے گھر واپس لوٹ جائیں گے اور پھر...... کبھی جب سے لگے گا آپ اُس گھر سے بھی آگے' اپنے اصلی گھر منتقل ہو جائیں گے اور پھر...... پھر......؟''

میں کرمنڈل یعنی عصا، کو دیکھ کر اندر ہی اندر کانپنے لگا تھا۔ جیسے یہ کوئی عصا، نہ ہو فرعون کے درباری جادوگروں کا کوئی سانپ ہو...... میں اپنے آپ سے خود کلامی کر رہا تھا...... مسلمان کو کم از کم توہم پرست نہ ہونا چاہیے......!

اس پُراسرار پجاری' پورو پروہت' چنگر سے پُرش نے' میرے چہرے سے نگاہیں ہٹائے بغیر یہ صندل کاٹھ کا عصا' جس کا مڑا ہوا متھا' ہاتھی دانت اور کانسی کا جبکہ اس کا بھیتر گورو چند کا گمُھت تھا' میرے ہاتھ تھما دیا......

ہتھ چھڑی اور عصا، میں فرق...... لمبائی اور موٹائی کا ہوتا ہے۔ ہتھ چھڑی کا متھا' لٹو یا گیند کی مانند گول یا نصف دائرہ کی طرح ہوتا ہے۔ عصا' قریب قریب قدِ آدم کے برابر اور اس کا متھا نہیں ہوتا۔ ایک قسم کی لٹھ' جس کے دونوں سیرے' ہلکے سے فرق کے ساتھ' ایک سے برابر ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، تھا۔ جس نے اژدھا کی صورت اختیار کر لی تھی یا جس کے پڑنے سے دریائے نیل شق ہو گیا تھا۔ حضرت سلیمان کا تاریخی عصا...... اسی طرح قریب قریب ہر نبی پیغمبر نے ہتھ چھڑی کو کسی نہ کسی شکل میں ضرور ہاتھوں میں رکھا ہے۔ قدرت نے اس عمل میں بڑی مصلحت اور برکت رکھی ہے۔ ڈنڈا' چھڑی' لٹھ' عصا' کرمنڈل' سوٹی' لاٹھی' ڈانگ وغیرہ...... مختلف نام کام...... افسر ہو' استاذ' چوکیدار' نمبردار' چرواہا' گڈریا' سرکاری درباری اہلکار' قریہ قریہ گھومنے والے' درویش فقیر' بھیک مانگنے والے' دریوزہ گر' بیمار لاغر بوڑھے' مسافر شکاری اور جادوگر فسوں کار...... یہ کسی نہ کسی شکل وصورت' سب کے ہاتھ ساتھ رہی...... بگڑوں تگڑوں کو راہ پہ لانے کے لیے' پھل پتے جالے اُتارنے کے لیے...... آگ الاؤ دہکارنے کے لیے...... دشمن' وحشی جانوروں سے بچاؤ کے لیے۔ گہرائی اُونچائی جانچنے کے لیے...... سرکھولنے اور نیل گھولنے کے لیے...... لٹھ ماراں بلی ماراں علاقوں محلوں کے نام بھی ہیں...... چور اور سپاہی بھی اسے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ گتکا' لٹھ بازی تو باقاعدہ فنِ حرب میں شمار ہوتے ہیں......

سرکس میں خونخوار شیر رنگ ماسٹر سے نہیں اُس کے ہاتھ کی پتلی سی چھڑی سے خوف زدہ رہتے ہیں۔ مدرسے کے شریر لڑکے لونڈے ماسٹر کے ڈنڈے سے سوتر میں رہتے ہیں۔ شعبدہ باز' پتلی چھوٹی سی کالی چھڑی سے ہی ہیٹ سے خرگوش نکالتا ہے۔ اس طرح سانپ' کیسا بھی پھرتیلا' زہریلا کیوں نہ ہو...... شکاری کے بات کی چھڑی یا سوٹے ڈنڈے کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔

پاکستان میں تو میں نے ایسے مخصوص اوزار نہیں دیکھے جو ہر قسم کے سانپ کو پکڑنے یا بے بس کرنے کے کام آتے ہوں مگر باہر کے ممالک میں یہ ایک عام ہتھیار یا اوزار ہے جس سے سانپ آسانی سے پکڑا جا سکتا

Scanned with CamScanner

ہے۔ یہ ایک پتلا ہلکا سا ساڑھے چار پانچ فٹ لمبا اندر سے کھوکھلا آہنی پائپ ہوتا ہے۔ پکڑنے کے لیے ایک طرف دستہ جیسے جتھ چھڑی کا ہتھا اور اگلے سرے پہ سانپ کو پکڑنے کے لیے ای زنبور کی سی شکل کا آنکڑا جو پائپ کے اندر ایک تار سے جڑا ہوتا ہے۔ وہ تار دستے کے ساتھ لگی ایک نب سے کھینچی جا سکتی ہے...... سانپ کو پکڑنے کے لیے ذرا دور سے اُسے راڈ کے آنکڑے میں لایا جاتا ہے۔ جونہی وہ آنکڑے کی زد میں آتا ہے' دستے کی نب کو دبا دیا جاتا ہے جس سے آنکڑے کا منہ بند ہو جاتا ہے اور سانپ آنکڑے میں پھنس کر بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔

مَیں نے خاندانی تجربہ کار سپیروں کو خالی ہاتھوں سے خطرناک سانپوں کو پکڑتے دیکھا ہے۔ عام آدمی تو خوف و وحشت کی وجہ سے سانپ کے قریب نہیں جاتا جبکہ سبھی سانپ زہریلے نہیں ہوتے۔ جو لوگ' سانپ کی سائیکی اور فطرت جبلّت کو سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک یہ محض رینگنے والا' انتہائی بزدل سا کیڑا ہے۔ سوائے دو چار خاص نسل کے سانپ یا پھر وہ سانپ' جو مخصوص ماورائی پُراسرار استھانوں کے حامل' ارضی طاغوتی اندر جال اور ابلیسی قوتوں کے پروردہ ہوتے ہیں۔

عصاء جو اُس پنڈت نے' بن مانگے میرے ہاتھ تھما دیا تھا خاصا قدیمی دکھائی دیتا تھا۔ بظاہر ایسا بھاری دکھائی نہ دیتا تھا مگر جب مَیں نے اُسے اُٹھا کر جانچا تو لگا جیسے اس میں پارہ بھرا ہوا ہے۔ کالا کاہو' شمشاد' صنوبر' عود اور پکّے صندل کی لکڑی' دیکھنے میں ایسی بھاری نہیں دکھتی مگر اُٹھاتے وقت لگتا ہے جیسے فولاد اُٹھایا ہوا ہے۔ پکّی گھر اور دم والی مضبوط......!

عموماً جتھ چھڑیاں' عصاء اور لٹھ انہی درختوں کی لکڑی سے تیار ہوتے ہیں۔ کچھ خاص عصاء' چھڑیاں...... بید مجنوں' صنوبر' زیتون' اخروٹ' چیڑ اور آبنوس کی قیمتی چوب سے بھی تیار ہوتی ہیں۔ بادشاہوں حاکموں روحانی ہستیوں کے لیے نقش و نگار' کندہ کاری والی چھڑیاں عصاؤں پہ چاندی سونے' پیتل تانبے کے چھلّے' شامیں' گھومبڑے' کیل کوکے' قیمتی جحرات' سیپ موتی' دانشوروں کے اقوال' مقدس آیات' شبد' کوچیں' نقشے تصویریں بھی بنائے جاتے ہیں۔ بارہ سنگھے کے قیمتی سینگ' ہاتھی' گھڑیال' گینڈے کی کھال ہڈی' دانت...... اُونٹ کے کوہے اور پسلی کی استخوان بھی مُٹھے' دستے کے طور استعمال ہوتے ہیں۔ دریائی بیری اور صحرائی اُوک کی کچھ شاخساریں' ایسی قدرتی وضع قطع کی حامل ہوتی ہیں کہ وہ سانپ کے جسم کی طرح دکھائی دیتی ہیں...... لگتا ہے پورا سانپ ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے۔ کئی پرانی تصویروں اور فلموں میں کاہنوں' جادوگروں اور بادشاہوں کے ہاتھوں میں ایسے عصاء دیکھنے کو ملتے ہیں کہ وہ ہو بہو سانپ لگتے ہیں۔ ہیر رانجھا کے موضوع پہ بننے والی کسی بھی دور کی فلم کو دیکھیں' ہیر کے چاچا کیدو کے ہاتھ میں ایسا ہی سانپ کی وضع قطع والا عصاء دکھائی

Scanned with CamScanner

دے گا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہی عصاء اُس کے کردار افعال و اعمال کی پوری پوری عکاسی کا مظہر دکھائی دیتا ہے......"

کچھ خاص الخاص عصاء، یا ہتھ چھڑیاں بھی ہوتی ہیں...... کسی میں زہر میں بجھی ہوئی انی' جو دستے پہ اک خاص جگہ دباؤ ڈالنے سے باہر آتی ہے' کسی میں پتلی سی شمشیرِ براں' جو وقتِ ضرورت ایک مکمل ہتھیار کا کام دیتی ہے۔ ایسی ہتھ چھڑیاں بھی جو بندوق کی طرح فائر کرتی ہیں۔ کچھ عصاء اور ہتھ چھڑیاں جن کے دستوں کے خفیہ خانے میں زہر چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اک خاص انداز سے گھمانے پہ کسی مشروب یا طعام کو زہر آلودہ کیا جا سکتا ہے......"

آسمانی کتابوں' ارضی پرانے پرتوں' تاریخی صحیفوں اور اساطیری داستانوں میں پُراسرار غیبی قوتوں والے عصاؤں' جادوئی چھڑیوں اور محیرالعقول اثرات والے ڈنڈوں' بلیوں لاٹھیوں کے اذکار ملتے ہیں۔ پیار اور شرافت کی زبان جب بے اثر ہو جائے تو پھر ڈنڈے کی زبان سے فائدہ ہوتا ہے۔ مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہوا کہ کچھ افراد' قومیں' ممالک' معاشرے' ماحول' بچے' بیویاں' عوام' حاکم' رشتہ دار' وقف کار' ملازم' ادارے وغیرہ ڈنڈے کی زبان ہی سمجھتے ہیں...... بچپن سے سنتے آئے ہیں۔

"چار کتاباں آسانوں آئیاں پنجواں آیا ڈنڈا......!"

ڈنڈا' چھڑی' ہاتھ میں رکھنے کے لیے کسی عمر کی شرط نہیں' یہ عمر سے نہیں ضرورت اور اہمیت سے ہے۔ البتہ عصاء اور چیز ہے۔ اس کا تعلق یا ضرورت' عمر حیثیت بزرگی' مرتبت و منزلت سے ہوتی ہے۔ علماء فصحاء' مفتیوں قاضیوں فقیہوں کا روزمرہ ہے۔"

سمندری جہاز' دُھند میں اور ہوائی جہاز جب بادلوں میں اترے ہوئے ہوں تو وہ کسی معصوم بچے کی طرح' کمپیوٹر کی اُنگلی پکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ بابے بوڑھے' حافظ نابینے' فقیروں بھکاریوں' دُردر ماروں کے لیے یہ بھی ایک حفاظتی کمپیوٹر کی طرح ہوتا ہے۔ مَیں بھی جب سے بھرپور زندگی کی زد میں آیا تو خاص طور پہ ہاتھ کا عصاء اور سر کی چادر' کبھی علیحدہ نہ ہوئی۔ یہ دونوں میرے حفاظتی کمپیوٹر ہیں...... مَیں کم از کم ان دونوں کے بغیر' گھر سے باہر نکلنے کا تصور نہیں کر سکتا۔"

سر کی لمبی سیاہ چادر کی بُکل تو ایسے محسوس ہوتی ہے کہ مَیں اپنی ماں کی گود میں بحفاظت بیٹھا ہوں...... دُور نزدیک کوئی اَلم پریشانی دُکھ درد میرے قریب نہیں...... گرمی سردی' آندھی بارش دُھوپ آنچ' خوش نظری بدنظری' کسی بھی چیز کا کوئی اثر نہیں ہوتا مَیں مامون و محفوظ رہتا ہوں۔ اسی طرح ہاتھ کا عصاء تو جیسے میرا ہمزاد ہے...... مجھے کہیں بھٹکنے نہیں دیتا' ہر دم سنبھالا دیتا ہے...... راہ راستے کا ہر ولدر دُور کرتا ہے' ضعیف البصری کے

Scanned with CamScanner

سبب کہیں میری تیسری آنکھ کا کام دیتا ہے اور کہیں ناتوانی میں توانائی بڑھاوا' اُٹھنے بیٹھنے میں مدد...... کسی محفل کانفرنس میں طویل نشست کے دوران بیٹھے بیٹھے اس سے ٹیک لے لیتا ہوں۔ طبیعت اوب جائے تو بدمزگی دور کرنے کی خاطر اِس کے دستے کو گھما گھما کر خود کو بہلاتا رہتا ہوں۔ راہ میں پڑا کیلے کا چھلکا' روڑا پتھر ہٹا لیتا ہوں۔ سڑک کراس کرنی ہو تو اس کو سیدھا کر گزر لیتا ہوں...... ویسے بھی تجربہ ہُوا ہے کہ عصا یا ڈنڈا بردار بوڑھے یا بزرگ بابے کی عزت قدر بہت ہوتی ہے۔ ہجوم میں خود بخود راستہ بن جاتا ہے۔ کُتے بلّے' نشئی' جیب کترے' بھک منگے قریب نہیں پھٹکتے۔ آس پاس بچے بالے' شور شرارتوں سے باز رہتے ہیں۔ گھر میں بہو بیٹیوں کے سروں پہ دوپٹہ ٹکا رہتا ہے۔ غرضیکہ ایک ڈنڈا' سو تحفے......!

قارئین! آپ نے میری کتاب "پیا رنگ کالا" کے سرورق پہ اس ڈنڈے کی زیارت کی ہوگی۔ یقین فرمائیں کہ کئی میرے بگڑے ہوئے نُسوانے باز' نُجونڈ' ویلے نکمے' کمپیوٹریے بچے' محض یہ ڈنڈے والا ٹائٹل دیکھ کر ہی تائب ہو گئے...... یہ ساری ڈنڈے کی برکات و صدقات ہیں لیکن ڈنڈا جنگل گھونٹنے والے کے ہاتھ کا نہیں...... بابا ڈنڈے والے' امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ والا' یا پھر اُن کے کسی غلام کے ہاتھ والا......!

چندی گڑھ کے اسی فارم میں واپس چلتے ہیں جس کے ایک کونے میں دو کمروں کے ماڈرن کاٹیج کے بیک یارڈ میں کچن کے دروازے کے ساتھ پانی کے پائپ والے سوراخ کے سامنے کھڑا ہوں اور ہاتھ میں وہی ہردوار والے پنڈت جی کا تحفہ میں دیا ہُوا چتکاری صندل کاٹھ کا عصا' جسے مَیں نے اُلٹا پکڑا ہوا ہے...... دستے والا مُڑا ہوا حصہ سوراخ کی جانب اور نیچے والا حصہ میرے ہاتھ میں۔ پاس کالا کتا اپنے تئیں ہوشیار' دُم اُٹھائے دم بخود تیار کھڑا' سوراخ سے اُسی خوفناک پُراسرار شیش ناگ کو باہر سرکتے دیکھ رہا ہے۔ سانپ کا پیٹ پھولا ہُوا کہ اُس نے تھوڑی دیر پہلے ایک خوبصورت عورت' جو ایک بچی کی ماں بھی تھی' کا دودھ پیٹ بھر کر پیا ہے......

سانپ کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ پیٹ بھرنے اور کسی کو کاٹ لینے کے بعد انتہائی سُست ہو جاتا ہے۔ وہ کہیں پڑ کر آرام کرنا پسند کرتا ہے۔ ایک بات اور بھی کہ اگر وہ ایک بار کسی سوراخ یا بل میں اپنا سر داخل کر لے تو پھر اپنا پورا جسم بھی اُدھر سے گزارتا ہے۔ اس کے سوراخ سے آہستہ آہستہ باہر نکلنے کی وجہ تو سمجھ میں آتی تھی کہ سوراخ' خالی پیٹ کے لیے کشادہ مگر بھرے پیٹ کے لیے قدرے تنگ تھا...... مَیں اور ساتھ کھڑا کالا کتا...... اس پہ مُستزاد میرے ہاتھ میں عصا' صندل سیاہ کا...... اور اُس کا دستہ اُس کے لیے آنکڑا' جس کے اندر گورو چندی کی نوٹ پڑی تھی...... اور سورجیہ مہاراج کچلی پتھہ پہ پدھار رہے تھے۔ جس کی نرل کرنیں اُس کے لیے تیز برچھیاں تھیں۔ شیش ناگ کو ہر حال میں سوراخ سے باہر نکلنا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا۔

Scanned with CamScanner

بساطِ زندگی کی ہو...... شطرنج کی ...... یا کسی مقصد، منزل اور یا پھر عشق و محبت کی ...... ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ بڑے سے بڑے شاطر کا ''شہ'' حالات اور عمل مکافات کے ایسے گھر میں پھنس جاتا ہے کہ اُسے کوئی راہِ مفر سجھائی نہیں دیتی۔ آگے بڑھتا ہے تو ایک معمولی سا پیادہ اُسے ختم کر دیتا ہے۔ دائیں جانب ڈھائی گھر پہ گھوڑا اجہنار ہا ہوتا ہے۔ بغلی راستہ دیکھتا ہے تو فیل راہ مارتا ہے۔ اُسے اب صرف بائیں جانب ایک چھوٹا سا گھر دکھائی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راہِ سلامتی نہیں۔ یہ گھر بھی اُسے اِدھر زیادہ دیر تک پناہ نہیں دے سکتا...... !

لگتا تھا آج اِس سانپ کے سارے راہ مارے گئے تھے۔ ویسے بھی ہر اچھائی بُرائی، نیکی بدی کا کوئی نہ کوئی اَنت ہوتا ہے۔ اگر یہ کچھ نہ ہو تو نظامِ ہستی چل ہی نہیں سکتا۔ مرنا جینا، حشر نشر، جزا سزا، جنت دوزخ وغیرہ یہ سب کیا ہے؟...... یہی کہ جو کرو گے، وہی بھرو گے ...... خلافِ فطرت جو ہوگا وہ خرقِ فطرت ہوگا اور جو خلافِ قدرت ہوگا وہ مصیبت و معصیت ہوگا۔ پانی بہنا اور راہ پانا چاہتا ہے ...... روانی اور آسانی، تاکہ وہ اپنے اَنت وشال ساگر تک پہنچ پائے اور اُس میں ضم ہو کر خود بھی اُسی کا حصّہ بن جائے۔

میرے مشاہدہ میں آیا کہ انسان سے بڑھ کر دیگر جانور خاص طور پہ جن کے نام ''ک'' اور ''گ'' سے شروع ہوتے ہیں، زیادہ متحمّل، صابر شاکر ہوتے ہیں ...... سخت کوشی، برداشت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ کتا، کوا، کبوتر، کچھوا، کنجل، کاز اور اُدھر گدھا، گدھ، گھڑیال، گیدڑ، گھوڑا، گینڈا، گاؤ، گنجل!

کان زبان آنکھیں اور دُم ان چار اعضاء سے کتا اپنے محسوسات اور جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ میں بیک وقت، سانپ اور نُنّے کی حرکات پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔ سانپ کے پاؤں تو ہوتے نہیں کہ اُس کی پیش قدمی کو جانچا جا سکے، اُس کی ریڑھ کی ہڈی اور جسم کے پھیلنے سکڑنے سے ہی اُس کے اِرادوں کا اِدراک ہوتا ہے۔ نامحسوس انداز سے وہ کوئی ڈیڑھ بالشت برآمد ہو چکا تھا۔ میں جانتا تھا جتنا وہ باہر ہے اس سے آٹھ دس گنا اندر ہے ...... سانپ کی گردن، چھاتی اور زیرِ ناف، دُم تک کا حصّہ اس کے پیٹ کے مقابلہ میں نسبتاً پتلا ہوتا ہے۔ انسانی جسمانی تقسیم بھی لگ بھگ ایسی ہی ہوتی ہے۔ اب چونکہ انسان غاروں اور سانپوں کی طرح بلوں میں نہیں رہتا اِس لیے اُسے اپنی اس بدنی بناوٹ کی کوئی زیادہ پروا نہیں ہوتی۔ مگر سانپ بیچارے کے لیے مصیبت؟...... اسی کارن وہ مہینوں برسوں بغیر کچھ کھائے پیئے اپنی بانبی میں آدھ مُوا سا پڑا رہتا ہے۔ قدرت نے اِس پُراسرار کیڑے کو کھانے پینے، ہوا آکسیجن، سننے دیکھنے، نسل بڑھانے کی رغبت اور فساد فی سبیل اللہ دوسروں ہم نفسوں سے پنگا لینے کی عادتِ بد سے بچا کر رکھا ہے ...... آپ اسے بھلے سے اِستثنٰی کے ساتھ درویش صفت بھی کہہ سکتے ہیں۔؟

Scanned with CamScanner

مشاہدہ ہُوا کہ جب کسی لَونڈر شتے کے سانس گنے جا چکے ہیں تو وہ کسی سرکاری کارندے یا سیاسی سماجی ٹھیکیدار کی پنڈلی پہ دانت دَھر دیتا ہے۔ کسی گدھے گیدڑ کے بُرے دن آئیں تو وہ کسی مدرسے مسجد میں گھس جاتے ہیں۔ جب کسی نودولتیے کے لیے پیغامِ رسوائی آتا ہے تو وہ الیکشن میں کھڑا ہو جاتا ہے یا نئی شادی کر کے گھر بیٹھ جاتا ہے۔ تازہ تازہ ماسٹر کرنے والے کسی بیوقوف کی جب علمی شامت آتی ہے تو وہ کسی نئے ٹی وی چینل پہ اینکر پرسن بن جاتا ہے۔ اسی طرح کسی مولوی یا خطیب کی جب کم بختی شروع ہوتی ہے تو وہ سیاست کے اکھاڑے میں کود پڑتا ہے جدھر وہ مسجد و محراب جوگا رہتا ہے اور نہ انتخاب و انقلاب جوگا......!

جوگی کا جب جوکھوں آتا ہے تو وہ جائنگل جاوتری کے جنگل میں جا براجتا ہے اور اسی طرح جب سالے سانپ کی سُدھ بُدھ سلب ہوتی ہے تو سپاری، صندل کے پیڑوں جھاڑوں میں اپنا کرودھ کلیان کرنے رینگ آتا ہے۔''

یہ مہاشے اب قریب تین چوتھائی باہر پدھار لیے تھے۔ آہستہ آہستہ دیوار سے لگ کر نیچے کی جانب سرک رہے تھے۔ شاید اُن کی خوش گمانی ہوگی کہ وہ زمین کو چھوتے ہی دَوڑ لگا دیں گے...... مگر ایسا نہ ہونا لکھا جا چکا تھا۔ میرے عصا کا دستے والا آنکڑا اُس کے صدیوں پرانے تجلیلے سر کو اپنے لپیٹے میں لے چکا تھا۔ کیا بھی سانپ ہو وہ ''سنیکر کیچر'' آنکڑے والی چھڑی میں پھنس کر کانپ ہو کر ہانپ ہو جاتا ہے۔ اب وہ پُورا کا پُورا باہر نکل میرے عصا کے آنکڑے میں لٹکا ہُوا اپنی بے بسی پہ بس کُھول رہا تھا۔ مَیں اُسے ایک سوتک کی گنتی تک اسی طرح لٹکائے رکھنا چاہ رہا تھا کہ وہ چندن کاٹھ کے عصا کی مدہم مہک محسوس کرے اور گورو چند کی بوٹ سے لپٹ جائے۔'' ہندوؤں کے ایک پران میں گورو چند کے متعلق ایک سنگوٹ کی بابت لکھا ہے کہ یہ پرادش ناگوں کو اُن کی پُرن حرشکتی سے نہتا کر دیتا ہے۔ نیچے تنے کا یہ عالم کہ وہ پلٹ پلٹ اُچھل اُچھل کر اُسے پکڑنا چاہ رہا تھا۔ اگر مَیں ناگ کو اُس سے مناسب فاصلے پہ نہ رکھتا تو وہ یقیناً اس کا تیا پانچا کر دیتا۔ لگ بھگ چھ فٹ لمبا ناگ، خاصا صحت مند اور وزنی تھا۔ لگتا تھا انسان دُودھ اُسے راس آ گیا تھا۔

آدھا ادھر اور آدھا اُدھر لٹکا ہوا وہ خاصا مُضحکہ خیز دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے تئیں وہ اُچھلنے اور اپنی جان چھُڑانے کی کوشش میں تھا مگر بعض مقامات اور حالات میں کی گئی تمام کوششیں اِک سعیِ لاحاصل کے سوا اور کچھ نہیں ہوتیں۔!

سانپ کا سب سے بڑا دوست اور دُشمن اُس کا اپنا جسم ہی ہوتا ہے۔ وہ خُود کو اسی جسم کی وجہ سے بچا پاتا ہے اور جب قابو میں آتا ہے تو یہی جسم اِس کا دُشمن بن جاتا ہے۔ اِس کا دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھیں...... یعنی سب کچھ اِس کا سر ہوتا ہے۔ اِسی سر میں تو کیلے دانت، بِس سے بھری غدودیں، دوشاخہ لپکتی

Scanned with CamScanner

زبان‘ بے پلک بے جھپک گول مقناطیسی سریع اثرات والی آنکھیں اور دونوں آنکھوں کے درمیان‘ ماتھے کے بیچ قدرت کا ودیعت کیا ہوا کیمونیکیشن کا ایک لاسلکی بے عیب نظام...... زبان کی دوشاخہ کے پیچھے ایک ایسا ریڈار‘ جو لمحہ لمحہ کی آہٹ‘ حرکت‘ انسان‘ جانوروں کے عزائم ارادہ کی ریکارڈنگ نوٹ کرتا ہے۔

سانپ کے اندر سریت اسراریت اس قدر ہوتی ہے کہ اور کسی جانور میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ کتا‘ بلی‘ کوا‘ چمگادڑ‘ الو‘ ابابیل بھی اس لحاظ سے بہت پیچھے ہیں...... دُنیا کے تمام نئے پرانے مذاہب اور ارضی و آسمانی صحائف میں جتنا ذکر اور واقعات اس کے بارے میں ہیں کسی اور جانور کی بابت نہیں ہے۔

سانپ کی کچھ اور حرکتیں بھی اسے ماورائیت عطا کرتی ہیں۔ مثلاً بلی کی طرح جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اب مرنے یا مارنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا تو یہ اپنی تمام ظاہری‘ مخفی‘ جبلی‘ سفلی قوتوں اور طریقوں کو کام میں لا کر جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے‘ آگے بڑھ کر فیصلہ کن حملہ کرنے سے گریز نہیں کرتا...... اپنی آنکھوں کی مقناطیسیت کو بروئے کار لاتا ہے۔ زہریلا تھوک پیدا کر کے مقابل کی آنکھوں چہروں پہ پھینک کر اُسے اندھا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ خوفناک ششکاریاں بھر کر دہشت زدہ کرتا ہے۔ اپنے جسم سے ایسی لہریں خارج کرتا ہے جو اگلے کو ماؤف کر دیتی ہیں۔ یہ سب کام وہ اس وقت بھی کر رہا تھا جب وہ میرے عصاء کے آنکڑے میں پھنسا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ وہ دیگر حربے بھی استعمال کر رہا تھا مگر میں نے اُس کے ہر وار سے بچنے کی تیاری کر لی ہوئی تھی...... اُسے آنکڑے میں پھنسا کر خود سے کافی فاصلہ پہ فضاء میں لٹکایا ہوا تھا۔ وہ سر والے حصے کی طرف سے لہریں لے لے کر مجھ پہ حملہ کرنے کی کوشش میں تھا۔ تھوک بھی پھینک چکا‘ جو مجھ تک پہنچ نہ پایا...... غیض کے عالم میں ٹھوکریں بھی مار رہا تھا۔

میں دراصل اُسے تھکا دینا چاہتا تھا اور ساتھ اس کوشش میں بھی کہ وہ اپنی سفلی شکتیوں کا جتنا استعمال کرنا چاہتا ہے کر لے...... کیونکہ مجھے کلیر شریف کے جنگلات کے کالے صندل کے عصاء اور اس کے اندر پڑے‘ گورو چند کی بوٹ کے اثرات بھی دیکھنے تھے جبکہ اس دوران کتا بھی لپک جھپک اُس پہ دو چار وار آزما چکا تھا......

اُصول فطرت ہے کہ طاغوتی طاقتیں کیسی بھی اندوہناک اور سفاک ہوں بالآخر انہیں اپنے منطقی انجام تک پہنچنا ہی ہوتا ہے کہ خیر اور سلامتی صرف حق سچ کو ہے۔ اسی طرح طلسم وفسوں کی ہیبت اگر صدیوں پہ بھی دراز ہو جائے انجام کار اُسے باطل ہونا ہی ہوتا ہے۔

ڈیڑھ صدی سے یہ پرانا پاپی اب اپنے نشئے تشتر سے باہر نکل رہا تھا۔ اس سنکرانت سے وہ اپنے

Scanned with CamScanner

اُنت کے رُو برو تھا۔ دھیرے دھیرے اس کی جدوجہد جیسے ماند پڑنے لگی ہو...... لیکن اس کی غصہ بھری پھنکار اب بھی جاری تھی۔ اِدھر میرا ابھی یہ حال کہ ایک بازو پہ اس پاپی کا وزن اُٹھائے مَیں بے حال ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مَیں نے اُسے نیچے زمین پہ ڈال دیا مگر آنکڑے کی گرفت ڈھیلی نہ کی۔ نیچے پڑتے ہی اس نے خود کو لپیٹ لیا۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا کہ اچانک کُتّے نے اس کے بڑے سے پھن کو اپنے دانتوں میں لے کر بُری طرح جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ آنکڑے کی پکی پکڑ میں وہ پہلے ہی بے بس تھا کچھ صندل کا ٹھ کی مہک کا اثر اور کچھ گورو چند کا چمتکار...... اُوپر سے کُتّے کے فولادی جبڑے اور تیز نوکیلے دانتوں کی مضبوط گرفت نے اس پاپی کو بالکل ہی بے کل کر دیا...... وہ منحوس مُنڈی ڈالے بے حِس و حرکت ڈھیر پڑا تھا اس حالت میں کہ اس کا سر گردن کُتّے کے جبڑے میں کسے ہوئے تھے اور اس کے پاؤں پنجوں کے نیچے سانپ کے "آنگنت صدیوں کے طلسم" کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔"

کچھ جانور بہت جاندار ہوتے ہیں۔ خاص طور پہ رینگنے والے حشرات الارض اِن میں چھچھوندر چھپکلی، پٹ مکڑی، مینڈک، کیچوے، کنکھجورے اور سانپ بچھو وغیرہ...... اِدھر انہیں مارو، مطمئن ہو چکو...... لیکن وہ صحیح سے مرتے نہیں ہیں، کسمسا کر پھر اُٹھ کر بھاگ نکلتے ہیں یا دوبارہ جنم لے لیتے ہیں۔ ان کی جسمانی سائنس ہی کچھ ایسی ہے۔ مَیں چاہتا تو اس کے مرنے کا یقین کر کے آنکڑا ڈھیلا کر اُسے مُردہ جان کر چھوڑ دیتا مگر مَیں نے اس کے مرنے کے ڈھونگ کا اعتبار نہ کیا۔ اگر وہ واقعی جہنم رسید ہو چکا ہوتا تو کُتّا اُسے ضرور چھوڑ دیتا۔

آدم اور سانپ روزِ ازل سے ایک دوسرے کے حساب کتاب میں رہتے ہیں کہ ان دونوں کو واسطہ جنت میں ہی پڑ گیا تھا۔ اس میں ایک اہم کردار اماں حوا کا بھی تھا۔ جسے اس سانپ نے سبز باغ دکھا کر بہکایا تھا۔ ابھی اِسی مرنے جینے کی اُنتر بنتر میں تھے، کچن کا بغلی دروازہ وا ہوا اور وہی دوشیزہ، جس کے دُودھ کا یہ سانپ متوالا تھا۔ شب خوابی کے لباس میں باہر آئی اور سارا منظر ملاحظہ کرتے ہوئے اُلٹے پاؤں واپس ہو گئی۔ نہ اُس کے آنے کا صحیح سے پتا چلا اور نہ اُس کے جانے کی واضح طور پہ خبر ہوئی۔ بس اِک کوندا سا لپکا اور غائب ہو گیا...... اِسی حیص بیص میں تھے کہ وہی "بجھتا سا شعلہ" پھر نمودار ہوا۔ چونکہ ہم دونوں یعنی کُتّا اور مَیں اِدھر سانپ پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔ اس لیے اُس پہ دھیان نہ جما سکے تھے۔

فنِ حرب و ضرب کے عالم کہتے ہیں...... میدان جنگ میں تیغ زن و کارکو اپنے مقابل دُشمن کے بارے زیادہ خوش فہمی کا شکار بھی نہ ہونا چاہیے۔ دُشمن کی بوٹی بوٹی بھی ہو جائے تب بھی اُس کی جانب سے غافل مت رہو...... اس کے جسم کی کوئی بوٹی ہڈی بھی پلٹ کر حملہ کر سکتی ہے۔ رَن پڑنے پہ دُشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رکھو۔ ایک لمحہ کے لیے بھی جھپکنے کی غلطی نہ کرنی چاہیے۔ اگر ایسی غلطی کر دی تو یہی لمحہ آپ کی

Scanned with CamScanner

موت کا پہلا لمحہ بن جائے گا۔ اس نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں اور ٹُنّے نے سانپ پہ سے نگاہ نہ ہٹائی تھی۔

ذز ذز...... اچانک دو فائر ہوئے اور کُتّا ' دیکھتے ہی دیکھتے خُون میں لت پت ہو گیا...... یہ سب اتنا اچانک ہُوا کہ کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ یہ سب کیا ہے؟ ہلکی سی چُوں کی آواز نکلی اور کُتّا ' سانپ کے اُوپر ہی ڈھیر ہو گیا مگر وشدھری کی گردن اور پھن ہنوز اُس کے جبڑے کی گرفت میں تھے۔

میری گل بھی کچھ عجیب سی ہے۔ سیاہ و سفید ' اچھا بُرا ' نیکی بدی ' ہونی اَنہونی کچھ بھی ہو جائے۔ ''میرے لیے سب ٹھیک ہی ہے'' ہوتا ہے۔ اوسان خطا ہوئے نہ کبھی بلڈ پریشر ہائی ہوا ' غشی پڑی اور نہ کبھی ''ارے یہ کیا ہو گیا؟'' کہا...... اگر کچھ کہا ' الحمدللہ! ہی کہا ہو گا۔ بڑے سکون سے اُدھر دیکھا...... وہ ایک سڈول جسم ' دلکش تیکھے بولتے خدوخال والی عورت تھی۔ عورت اس لیے کہا کہ وہ ایک بچّی کی ماں تھی۔ چتون چڑھائے میری جانب گھور رہی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ ' اُس کے ہاتھ کا اناللین میڈ لیڈی پسٹل ' اپنی واحد گول آنکھ ' مجھ پہ ٹکائے ہوئے تھا۔ اُس پہ ہذیانی کیفیت طاری تھی ' لڑکھڑاتی زبان سے بولی۔

''آپ اور جمّی نے میرے ٹاتھ کو مار ڈالا...... آپ دونوں کا اُس نے کیا بگاڑا تھا؟ اگر کوئی بات تھی تو آپ دونوں مجھے مار دیتے۔ اب مَیں اپنے ٹاتھ کے بغیر کیسے جیوں گی......؟''

وہ بولے جا رہی تھی...... اور مَیں ابھی تک آنکڑا پھنسائے اپنی جگہ کھڑا بلکہ گڑا ہُوا تھا۔ جمّی ٹُنّے کا خون ' سانپ کے مُردہ جسم کو بھی رنگین کر گیا تھا۔ جمّی کی نیم کُھلی آنکھیں جیسے وہ میری جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہا ہو۔ ''باباجی! میرے مرنے کے بعد بھی اس موذی کا منہ گردن میرے جبڑے سے نہ نکالیے گا...... مَیں نے اس پہ بڑا پکا ہاتھ ڈالا ہُوا ہے۔ اس نے میرے مالک کا جیون اَجیرن کر دیا ہوا تھا۔ مَیں اِک زمانہ سے اس کے پیچھے تھا...... اکیلا تھا کوئی بس نہ چلتا تھا۔ آپ آئے تو آپ کی وجہ سے مجھے بھی موقع مل گیا۔''

ابھی یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ ٹائٹ گاؤن پہنے سردار بلونت سنگھ بھی آ پہنچا...... ظاہر ہے وہ فائر کی آواز سن کر گھبرایا سا ادھر نکل آیا...... مرا ہُوا سانپ اور اُس کا پیارا کتّا جمّی...... خُون میں لت پت۔ اُس کی خوبصورت بیوی جس نے ارادتاً یا محض شوق سے مجھ پہ پستول تان رکھا تھا۔ یہ سارے منظر ' شاید اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ وہ عجیب سی نظروں سے مرے ہوئے سانپ اور ٹُنّے کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھا اور اپنی بیوی کے ہاتھ سے پستول لیتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''یہ فائر تم نے کیئے ہیں ' تم نے میرے جمّی اور اپنے ٹاتھ کو مار ڈالا......؟''

وہ کوئی جواب دینے کی بجائے ہونقوں کی طرح اُسے دیکھنے لگی۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہُوا۔

''باباجی! آپ اس طرف ادھر ' یہ ممنوعہ جگہ ہے...... ادھر آنا کسی کے لیے مناسب نہیں ہو سکتا۔ مَیں

Scanned with CamScanner

حیران ہوں میرے کتوں کی موجودگی میں آپ اِدھر کس طرح پہنچ گئے؟...... یہ جگہ جہاں آپ اس وقت کھڑے ہیں سو فیصد پرائیویٹ ایریا ہے' کوئی شارع عام نہیں......؟''

اب شاید مجھے کچھ کہنا چاہیے تھا۔

''سردار جی! آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں۔ مجھے تو آپ کے رات والے فنکشن میں بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔ آپ سے ملنا نہیں چاہیے تھا۔ آپ کے بارے کوئی کتھا بھی سننی نہیں چاہیے تھی۔ آپ کے پتا جی کی چنتا تو بالکل ہی نہیں چاہیے تھی۔ آپ کو جاننا چاہیے کہ ان تمام عوامل میں میرے کسی ارادے کا قطعی کوئی دخل نہیں۔ مجھے اِدھر شری جگجیت سنگھ جی نے بڑے اصرار سے بلایا تھا کہ انہیں آپ کے باپو جی نے مجبور کیا تھا جبکہ آپ کے باپو کو اس کے اکلوتے بیٹے بلونت سنگھ یعنی آپ کی پریشانی نے پریشان کیا ہوا تھا اور آپ کو؟ آپ خوب جانتے ہیں کہ کس کی محبت نے باندھا ہوا ہے؟...... اور آپ کی محبت کے ساتھ کیا مجبوری تھی آپ شاید اس سے مکمل طور پہ آگاہ نہیں ہیں۔ اگر کچھ تھوڑا بہت جانتے بھی ہیں تو آپ اس کا اُپائے کرنے سے خود کو بے بس سمجھتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ میں اِدھر علاقہ غیر میں کیونکر اور کیوں داخل ہوا؟ آپ کو معلوم ہے کہ میں مسلمان اور پاکستانی ہوں' کوئی کمانڈو یا کسی ایجنسی کا جاسوس نہیں۔ جوان اور کوئی صحتمند بھی نہیں...... سیدھا سادا ایک بوڑھا کمزور اور ایک فقیر درویش بابا ہوں۔ یہاں مجھے یہ آپ کا وفادار کتا لے کر آیا...... جس نے آپ پہ اپنی جان قربان کر دی۔ باقی رہی یہ بات کہ آپ کی الیکٹرونک اور دیگر انسانی حیوانی سیکورٹی کے باوجود میں یہاں تک کیسے پہنچا؟ تو اس کا جواب میرے پاس بھی نہیں...... مجھے یہاں تک یہ آپ کا پیارا وفادار کتا لے کر آیا ہے۔ اِدھر پہنچ کر دیکھا۔ اس سوراخ سے یہ خوفناک سانپ باہر نکل رہا ہے' کتے نے اسے پکڑ کر مار ڈالا...... اتنے میں آپ کی بیوی باہر نکل آئی' کتے کے منہ میں سانپ کی گردن دیکھ کر اس نے دو فائر کیے اور کتا ڈھیر ہو گیا۔ دیکھیں' مرنے کے بعد بھی اس نے اپنے مالک کے دشمن کی گردن نہیں چھوڑی...... اس کا مطلب یہ ہوا کہ وفاداری کی استواری میں زندگی موت کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔''

وہ ششدر سا کھڑا میرا طویل بیان سن رہا تھا...... اگر میں مختصر اور کنایہ میں بات کرتا تو شاید بلونت سنگھ کی بدھی میں نہ آتی۔ زیادہ تر سکھوں کی ''سمجھ دانی'' ذرا چھوٹی ہوتی ہے وہ سیدھی سیدھی بات کے دخل بات کرنے اور سننے کے عادی ہوتے ہیں۔ اشارے کنائے' ذومعنی گفتگو ان کے نزدیک چالاکی اور بے ایمانی کی ذیل میں آتی ہے۔ محبت ہو یا عداوت وہ کسی تعلق میں ملاوٹ کے عادی نہیں ہوتے۔

سورج چڑھ آیا تھا...... سورج کے طلوع کے چار مدارج اور غروب کے بھی چار مرحلے ہوتے ہیں۔ ان مراحل کے مختلف تشرف و تحرک بھی...... ان کے تصرفات کو صرف پرانے حکمت دان اور بدھی مان ہی سمجھتے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ مسلموں میں کہیں خال خال مگر دیگر مذاہب' ہندو مت' جین مت اور بدھ مت کے پیروکاروں میں سور یہ سنچاری ہر کوئی ہوتا ہے۔ ایسے اَوتار یک تپسیاوں کا کام کرم انہی چار سینگوں کے بیچ میں ہوتا ہے۔ جو اکثر ندی کنارے' پنگھاٹ کے اندر' کسی پربت پُوٹی پہ سماپت ہوتی ہیں۔

مجھے شاید لاشعوری طور پہ سور یہ مہاراج کے تیسرے سینگ کی سنکرانت کا سنسکار مل چکا تھا۔ جو اس سمے میں وہ کام ہو گیا جو زمانے گزرنے کے باوجود' کسی اُپائے سے نہ ہو سکا تھا۔ یہ خاص اللہ کا کرم تھا جو اس ذرویش کا بھرم رہ گیا اور پیارے سے وفادار کتے نے اپنی جان کی قربانی دے کر اپنے مالک کو بچا لیا۔

اتنے میں دو تین سیکورٹی والے اور چوکیدار بھی ادھر پہنچ چکے۔ ذرا دور کھڑے کانی آنکھوں سے سانپ اور کتے کے مردہ جسم' خوف اور حیرت کی ملی جلی کیفیت سے دیکھ رہے تھے۔ بلونتے کی پُراسرار دھرم پتنی تو ایسی بے حس اور بے نیاز سے کھڑی تھی جیسے ادھر کوئی واقعہ ہوا ہی نہ ہو۔ دُکھ غم یا حیرانی پریشانی کی فراوانی میں ایسی صُورت حال دیکھنے میں آتی ہے۔ انسانی ذہن اور حواس' یکبارگی میں پیش آنے والے واقعات کے اثرات کو فی الفور قبول کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور انسانی رویے میں وقتی طور پہ ایک سکتہ سا طاری ہو جاتا ہے۔ کچھ ہی دیر میں جب ذہن کچھ سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے تو انسان یا تو پھٹ پڑتا ہے یا پھر واویلا شروع کر دیتا ہے' بے ہوش بھی ہو سکتا ہے۔ اس سکتہ ناری کی بھی یہی کچھ کیفیت تھی...... مگر اب شاید وہ صُورت حال کو کچھ سمجھنے کے قابل ہو گئی تھی۔ ایکدم چیخ مار کر بلونتا! کہہ کر بلونت سنگھ سے چمٹ گئی......"

مَیں اس واقعہ کو یہیں ختم کر دینا اپنے اور قارئین دونوں کے لیے مناسب سمجھتا ہوں جبکہ یہ حیرت ناک اور آج کے زمانے میں اک انہونا سا واقعہ ابھی ختم نہیں ہوا...... یہ سب کچھ تفصیل سے بیان کرنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ اس بوالعجوب' نیرنگیوں سے بھری دُنیا میں بہت کچھ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانی عقل و بساط اور موجودہ علم و سائنس بھی دیکھ' سن کر ششدر رہ جاتی ہے۔ خیر و شر کی طرح روحانیت اور شیطنت دونوں آپس میں برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ یہ بعضے ناسوتی کبھی کبھی اس عالم ناسوت کے شیطانی چکروں اور دُنیاوی بکھیڑوں میں پڑ کر اپنے گرد اگرد ایسی کُلفتیں گوندھ لیتا ہے کہ آخر کار خود کو عاجز پا کر آہستہ آہستہ قعرِ مذلت میں اُتر جاتا ہے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مالک اپنی مہر سے اُسے بچا بھی لیتا ہے۔ کسی بزرگ کی نگاہ یا کسی اپنے کی التجا' دُعا کام آ جاتی ہے کہ مارنے والے سے بچانے والا بہر طور قوی ہے......!

میرے ہاتھ کا یہ عصا' جو مجھے اس پنڈت نے کمال رغبت و چاہت سے بھینٹ کیا تھا۔ کوئی پندرہ سولہ برس میرے ہاتھ رہا۔ مَیں نے اس کا نام "صندلو راج" رکھا ہوا تھا۔ ویسے ہی جیسے چھوٹے سکولوں میں ماسٹر جی کے ہاتھ میں مولا بخش نام کی سوٹی ہوتی ہے۔ مَیں نے جانا کہ ڈنڈوت ڈنڈی مل نہیں کرتا بلکہ ڈنڈا جی

Scanned with CamScanner

مہاراج کرواتے ہیں۔ چرواہے کے ہاتھ ڈنڈا نا تھ نہ ہو تو نہ بھیڑیں قابو رہتی ہیں اور نہ بھیڑیے بھالو اُس سے ڈرتے ہیں...... اسی طرح سرکش شرارتی قوموں کے سروں پہ جو نبی پیغمبر رسول اُترے اُنھیں کتاب نصاب اور خطاب کے ساتھ ایک عدد ڈنڈا بھی تفویض کیا گیا کہ یہ بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ہر بڑے انسان کے ہاتھ ساتھ کا ٹھ ضرور رہا کہ اس کی نظامت' جسامت وقدامت میں بڑی کرامت ہوتی ہے۔

انسانی تاریخ کا پہلا قتل پتھر کی ضرب سے ہُوا' پھر لکڑی کی لٹھیں اور ڈنڈے استعمال ہوئے...... بہت بعد جا کر کہیں آہن اور دیگر دھاتیں سامنے آئیں...... بارود اور دوسرے دھماکہ خیز مواد ات کی تباہ کاریوں کا اندازہ ہُوا...... اور اب جرثوموں کی ہولناکیاں اور شعاعوں کی تباہ کاریوں کی دُھوم ہے لیکن ڈنڈے کی اہمیت' اس ترقی یافتہ دور میں بھی اپنی جگہ پہ مستحکم ہے۔ دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں عام حالات میں قانون نافذ کرنے والوں اُداروں کے افراد کے پاس اب بھی ایک چھوٹا سا ڈنڈا ہوتا ہے جسے وہ وقتِ ضرورت استعمال میں لاتے ہیں۔ ڈنڈا گھوڑا اور کتا ہر دور میں انسان کے ساتھ رہا...... جنگل سے منگل تک...... ان تینوں کا نعم البدل کبھی پیدا نہ ہو سکا......؟

میں نے دُنیا کے بڑے لوگوں' پیغمبروں' ولیوں' بادشاہوں' حاکموں' دانشوروں' کیمیا دانوں' ذِلیوں' جوگیوں' صوفیوں' مفتیوں' فقیہوں' جادوگروں' شعبدہ بازوں اور اساتذہ کے ڈنڈے' عصا' لٹھ' چھڑیاں' چھمکاں' بید وغیرہ ان سب کی کارگزاریاں پڑھ سُن اور دیکھ رکھی ہیں اور اس نتیجہ پہ پہنچا کہ اگر یہ سب نہ ہوتے تو آج دُنیا کا نقشہ وہ نہ ہوتا جو دکھائی دے رہا ہے۔ یہ سب اسی کا نورِ ظہور ہے۔

اندھوں کی سفید چھڑی' بوڑھے بزرگوں کی لاٹھی' لنگڑے لُولوں کی بیساکھی' چرواہوں کی ڈانگ' رَتہ گیروں کی گنڈاسی' مسافروں کی کھونڈی' ہرکاروں کی سوٹی' ہرکاروں کی چھنوٹی (پہاڑی اور دُشوار گزار راستوں پہ گزرنے والے ریاستی پیادہ ہرکارے ایک سے دوسری منزل' سفر کے دوران' ہاتھ کی لاٹھی' جس کے اُوپر سرے پہ گھنگھرو بندھے ہوتے' چھنکاتے جاتے یہ ان کی سرکاری پہچان ہوتی تھی) سپاہیوں کی پیتل کی شام جڑی ڈانگ' ڈنڈا بردار جتھے...... لٹھ بازی' گتکا بازی' کمان و پیکاں' تِلّی ماری' بلم بازی' بازی گری' علم برداری' نیزے بازی وغیرہ......

میرے اس ''صندلوراج'' نامی عصا سے میں نے آپ پہ تو کوئی نقش بنائے' نہ ہوا فضاء میں کوئی چتر کاری کی...... بندوں کو سیدھا کیا اور نہ جنوں کی ٹھکائی کی لیکن اس نے میرے اندر باہر کی صفائی اور رکھوالی ضرور کی۔ میرے ساتھ گھاٹ گھاٹ گھوما...... جدھر بھی پہنچا' آدھا قدم' مجھ سے آگے ہی رہا۔ شرور و بلیات' حشرات الارض و فضاء سے مامون کیا...... اس سے کھینچا گیا حصار بہت محفوظ رہا...... اس کا لمس' قُربت' صحبت

Scanned with CamScanner

بڑی صائب رہی یعنی میرا ہمدم' ندیم خاص اور میرے حریم شوق وشیوہ اور شبر وو شیخوخت کا شاہد وشامل......!

قارئین! یاد دلا دوں کہ میں اس گھوڑے یا بے کا ہم زاد مخاطب ہوں۔ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کی بے سرو پا باتیں سن سن کر میں تو آدھا پاگل ہو چکا ہوں' پتا نہیں آپ کا کیا حال ہے؟ اب ذرا صبر سے آگے سنیے! اور سر دھنیے......!

● مجھے گردشِ ایام صحرا صحرا لیے پھری......!

ہم سمجھتے ہیں کہ دوستی محض ہم جنس سے ہی ہو سکتی ہے اور فیض و فائدہ بھی کسی ایسے بندے سے پہنچ سکتا ہے جو ہم مذہب و مسلک اور جس کا نسب و حسب بھی ملتا جلتا ہو مگر جہاں نوردی نے مجھ پہ یہ راز کھولا کہ دُنیا تو دُنیا' کائنات کی ہر مخلوق' چاہے وہ مخلوق ناطقہ ہو یا مطلق...... ساکت ہو یا متحرک...... کثیف یا لطیف' شریر ہو یا شریف' ارضی ہو یا فلکی...... ان سب کے آپس میں گہرے سمبندھ' رشتہ داری ہے۔ یہ ایک دوسرے کے گہرے دوست بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی کہ ان سے محبت اور شناسائی کے تعلقات اک عجیب سا سرمدی لُطف دیتے ہیں۔ جن خوش قسمت لوگوں کو اللہ کی مخلوقات سے باہمی افہام و تفہیم کی نعمت حاصل ہوتی ہے وہی جانتے ہیں کہ اصل دوستی اور تعلقات کیا ہوتے ہیں اور کیسا مزہ دیتے ہیں۔

مَیں جب تک اس حقیقت سے بے خبر تھا اِک کھوکھلی بے رنگ سی زندگی گھسیٹتا رہا مگر جب آشنائے راز ہوا تو یکسر زندگی کا رُخ ہی بدل گیا۔

طالب' جب تک اپنے گھر کی دہلیز پار نہ کرے...... زادِ راہ کے بغیر کسی بے منزل' سفر کا رُخ نہ پکڑے۔ خارِ مغیلاں' اُبھرتے پھُوٹتے چھالوں کی لذت سے آشنائی حاصل نہ کرے...... فاقے رت جگے' رُسوائیاں' اپنا روزمرہ نہ بنائے...... اندھیروں' اُجالوں' موسموں' رُتوں' سود و زیاں کی جمع تفریق سے باہر نہ نکلے' وہ فطرت اور کائنات کے رازوں اور اسراروں سے دوستی کر ہی نہیں سکتا۔

مَیں ایک صحرا نوردی کے دوران ایک عجیب سے شخص سے ملا جو بظاہر فاتر العقل اور دین و دُنیا سے بیگانہ دکھائی دیتا تھا وہ جس طویل و عریض کٹھن سفر راہ پہ تھا اُس کے لیے تو مسافر کے وزن سے دُگنا زادِ راہ' پیٹھ پہ لدا ہونا چاہیے کہ عشروں مہینوں بے آب و گیاہ' سراب آشنا' تند و تلخ ریگ زاروں میں بھٹکنا کچھ آسان کار نہیں ہوتا۔ پیٹ پگھل کر پانی بن کے بہہ جاتا ہے۔

صحرا' جنگل پہاڑ اور سمندر...... ان میں اُترا ہوا اِنسان خود کو بڑا اکیلا محسوس کرتا ہے۔ اِن کی ہیبت

Scanned with CamScanner

وسعت اور پراسرار سناٹے' مسافر کو اندر باہر سے مبہوت کر کے رکھ دیتے ہیں۔ وہ خود کو ان کے رُخ پہ ڈالنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اندھی آندھی' طاغی طوفان' منہ زور سیلاب' آفاتِ آتش اور وبال و وبا بھی بے دست و پا کر دیتے ہیں۔ انسان کی تمام عقل و دانش اور احتیاطی تدبیریں' بپھری ہوئی موجوں کے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ کہ قدرت و فطرت کی قطعیت و ناگہانیت کے آگے انسانی عقل و دانش' کوشش و کاوش' سکت و سنبھل کے تمام تر وسائل و طیرے واہی ہو جاتے ہیں۔ خدائے عظیم و برتر اگر کسی کو فطرت اور کائنات شناسی عطا فرما دے تو کائنات اور مافیہا جو کچھ بھی ہے اُس سے محض آشنائی ہی نہیں دوستی بھی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلے کا بنیادی فلسفہ میں نے پہلی بار اسی نیم مجذوب آوارہ گرد سے سیکھا جو نجانے کس زمانے سے محوِ سفر تھا۔"

دیکھا جائے تو گرہ محض رسّی دھاگے پہ ہی نہیں لگائی جاتی...... لگانے والے تو کرن ہوا اور پانی میں بھی گرہ لگا دیتے ہیں۔ مصرع طرح پہ لگائی جاتی ہے' کسی کی بات اوقات پہ بھی...... فسوں پھونکتے ہوئے کالے بنے ہوئے سوت پہ بھی...... بقول غالب' اکثر شاعرات کے وقت شعر کے نزول پہ' آزار بند یا کسی رومال پہ گرہ لگا لیا کرتے تھے اور صبح گرہ کھول کر شعر لکھ لیتے۔

صحراؤں کے دن بڑے کٹھور' بے رحم اور تند و تلخ ہوتے ہیں...... شامیں بوجھل اُداس اور تھکی تھکی سی اور راتوں کے تو کئی روپ ہوتے ہیں۔ ماں کی مانند مشفق مہربان...... کہیں چلبلی چنچل ہرجائی محبوبہ کی مانند جو پہلو میں پڑی تو ہوتی ہے مگر نخچے پہ ہاتھ دھرنے نہ دے۔ کبھی بیقرار بیمار بوڑھے کی طرح' جسے کسی کروٹ قرار نہیں پڑتا...... کسی برہن کی طرح بھی کہ راہیں دیکھتے دیکھتے جس کی اکھڑیوں کے آنگن میں تھور اُگ آتے ہیں......!

اُوپر چھوٹی چھولداری ہو یا بڑا کاروانی خیمہ' نیچے ریگ پہ بچھا قیمتی قالیچہ ہو یا کھجور کے پتّوں کی چٹائی اور اردگرد کیسی بھی کنات یا حفاظتی پردے...... ان حشرات الصحرا سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ جو سورج کے غروب ہوتے ہی اندھیرا پھیلنے پہ' نیچے ریت سے کُلبل کُلبل کرتے اُوپر آ جاتے ہیں۔ مختلف نوع' ہیئت و شکل کے سانپ' بِنڈے' کنکھجورے...... کن کھجورے' کالے بھورے بچھو' چوہے' رتیے اُولا' پتو ماکھے اور پتا نہیں کیا کچھ باہر ریت پہ رینگ رہا ہوتا ہے...... عجیب بات کہ شاذ ہی یہ مسافر کے لیے مضرت پیدا کرتے ہوں۔ زیادہ سے زیادہ کچھ کھجلی جلن یا جسم ہلکا سا سرخ ہو جائے گا......

قطع نظر ان حشرات کے...... لیبیا کے صحرا رات کو خاص طور پہ بڑے دلفریب اور پُرسکون ہو جاتے ہیں مگر شب کا پہلا پہر قدرے کسلمندی اور گھبراہٹ میں گزرتا ہے شاید صحرا اپنی دن بھر کی تھکن اُتار رہا ہوتا

ہے۔ اس کروٹ کبھی اُس پہلو؟ مگر دوسرا پہر شروع ہونے سے بہت پہلے یہ آسودہ بھی ہو جاتا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ صحرائی خوشبو کے فرحت بیز جھونکے...... جھینگروں اور صحرائی پرندوں جانوروں کی سرگوشیاں اور چاروں اوڑ پھیلی گھٹی ہوئی پُراسرار خموشیاں' اک طلسماتی سا سماں پیدا کر دیتی ہیں۔ فطرت اپنی تمامتر حشر سامانیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہو جاتی ہے......

صحرائی قافلے' سفر کے دوران شب بسری کے لیے کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈالتے ہیں جدھر انسانوں اور حیوانوں کے لیے کچھ آسانیاں ہوں اور صحراؤں میں ایسے سرسبز نخلستان بہت کم ہوتے ہیں...... سبزہ چارا سایہ اور پانی...... یہ تمام چیزیں ایک ساتھ کسی پڑاؤ' نخلستان میں کم ہی ہوتی ہیں...... ایک دو ان ضروری چیزوں کی اکثر کمی ہوتی ہے۔ کاروان سرائے بھی ہوتے ہیں۔ زیادہ تر ان سراؤں میں جملہ ضروریات کی ہر اشیاء موجود ہوتی ہیں...... پانی چارا' خوراک' آرام و استراحت کے لیے مناسب انتظام...... بھٹیار خانہ' چھوٹی موٹی تجارت کے لیے آڑھت' مطب' تمام دوکانیں' جانوروں کی خرید و فروخت کا انتظام' قصہ گری' کھیل تماشا' داستان گوئی کی محفل وغیرہ وغیرہ......!

مَیں جدھر شب بسری کے لیے ٹھہرا۔ اسے نہ تو کوئی کاروان سرائے' داستان سرائے یا کوئی نخلستان کہا جا سکتا تھا اور نہ ہی یہ جگہ کوئی پڑاؤ ڈالنے والی تھی...... یہ تو ایک بے حدہ سا تھا جس کے تین اطراف تین پرانی بستیاں...... عین صحرا کے بیچ و بیچ' الگ تھلگ...... ان میں جو قریب ترین وہ پچیس صحرائی کوس' دوسری پینتالیس اور تیسری پندرہ کے کوس دور صلابیا!...... چند جھونپڑے' کچی مسجد اور ایک قبرستان پہ مشتمل...... قبرستان میں جو چند قبریں' وہ اصل میں پتھر تھے جو زمین پہ پڑے تھے۔ مگر ایک قبر زمین سے قدرے اُبھری ہوئی تھی۔ سبز چادر' جس کے کونوں پہ پتھر رکھے تھے اور سرہانے کی جانب آڑھا جھکا ہوا کتبہ جس پہ جو بھی لکھا تھا...... پڑھنے میں نہ آتا تھا کہ امتدادِ زمانہ نے اس پتھر کو بھی چاٹ لیا تھا۔''

میری منزل ''صلابیا'' نامی یہی بستی تھی...... مَیں اسی جانب محوِ سفر تھا اور مجھے اس رُخ پہ ڈالنے والا وہی' تہران میں پہلے روز ملنے والا چاچا شیر محمد تھا۔ جسے مَیں پہلی نظر میں سرکاری کارندہ اور ایران کا باشندہ سمجھ بیٹھا تھا۔ وہ اپنے پیچھے پیچھے مجھے ایک نواحی بستی میں لے گیا۔ جدھر ایک قدیمی خانقاہ میں ایک عمر رسیدہ بزرگ سے شرفِ باریابی حاصل ہوا۔ ان نورانی چہرہ' روحانی بابا کو بھی مَیں ایرانی اور کوئی اجل عالم سمجھ بیٹھا تھا۔ ان کے اُدھر ہزاروں مرید اور شاگرد...... جو ان سے فیضِ علم حاصل کرتے تھے۔ صبح و شام اور رات گئے تک خانقاہ میں سعدی و رُومی' رازی جامی کے فلسفہ تصوّف اور اُن کی مثنویات' حکایات پہ درس و تدریس اور مباحث کا سلسلہ رہتا۔ اُدھر پہنچنے کے ایک گھنٹے کے بعد مجھ پہ حیرت انگیز عقدہ کھلا کہ یہ دونوں حضرات گوجرانوالہ اور

Scanned with CamScanner

سرگودھا سے تعلق رکھتے ہیں اور بہت زمانہ پہلے اِدھر ایران میں محنت مزدوری کے چکر میں پہنچے تھے۔ پھر نجانے قدرت کو کیا منظور تھا کہ وہ محنت مزدوری کے دوران کسی دُرویش کے ہتھے چڑھ گئے۔ جس کے روحانی اور علمی تصرف نے انہیں کہیں کا کہیں پہنچا دیا...... وہ آئے تو اِدھر روزی کمانے مگر وہ کسی اور کمائی میں لگ گئے تھے۔ اَن پڑھ دیہاتی اُجڈ جو کبھی گوجرانوالہ اور سرگودھا لکھنے پڑھنے کے اہل نہ تھے۔ اب رومیؒ، سعدیؒ کی تفسیریں بیان کر رہے ہیں......!

معلوم ہوا کہ علم و اِدراک ' محض مدرسوں مکتبوں کتابوں سے ہی جُڑا ہوا نہیں...... ہجرتوں' صحبتوں' خدمتوں' محبتوں اور محنتوں سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وافر و واثق ملتا ہے۔

مَیں بھی علم و حکمت' شعر و نغمہ' آہو و عندلیب' طاؤسِ رنگیں و طوطیِ زرّیں' حجر و ثمر' زیتون و زعفران' حُسن و جمال' ہنر و کمال' طالع آزماؤں شہنشاہوں اور پہلوانوں بہادروں کی سرزمین کو دیکھنے اور اپنا رزق کشید کرنے کی غرض سے اِدھر پہنچا تھا...... تعلیم و تہذیب کی تمیز بھی پلّے نہ تھی...... اگر کچھ تھا تو جنون تھا' جو اُفتاں و خیزاں مجھے لیے لیے گھوم رہا تھا۔ تہران واصفہان' زاہدان و ہمدان' تبریز و شیراز' مشہد و قم' وغیرہ' نام سُنے ہوئے تو تھے نقشے پہ بھی دیکھ رکھے تھے لیکن وا حسرتا! والی بات تھی...... محض شوق اور خواہش ہی سے تو کام نہیں بنتا۔ جیب میں مال نہ ہو تو کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ متھرا بنارس یاترا کی خواہش ہو تو سادھو کو اپنے کچکول میں محض مُونچھ کے منکے نہیں پارس کے پیڑے بھی رکھنے چاہئیں۔

میری قسمت اِدھر پہنچتے ہی مجھے ایرانیوں کے رُوپ میں پاکستانی مل گئے۔ وہ بھی ایسے جو ٹھیٹ پنجابی اور اَن پڑھ بنا اَن پڑھ ہونے کے باوجود اہلِ فارس کو فارسی پڑھا رہے تھے۔ میری نظر میں چند اور بھی پاکستانی اور ہندوستانی ہیں جو عربوں سے بڑھ کر عربی' انگریزوں سے کہیں زیادہ انگریزی' اہلِ زبان سے کہیں اچھی اُردو اور ایرانیوں سے بہتر فارسی کے عالم تھے۔ قائداعظمؒ' علامہ اقبالؒ' پطرس بخاری' علامہ احسان الٰہی ظہیر' صوفی تبسم' فیض' حفیظ جالندھری' راجندر سنگھ بیدی وغیرہ۔

چاچا شیر علی کے بارے مَیں نے جانا کہ اُس نے شادی ہی نہیں کی اور نہ ہی وہ کبھی واپس پاکستان لوٹا...... نوجوانی کے عالم میں اِدھر آیا اور اب اُدھیڑ عمری کہ جسم فربہی کی جانب جھک چکا اور سر کے بال پک چکے تھے۔ داڑھی مونچھ سے بے نیاز چہرہ' جس پہ طمانیت اور آسودگی نے اُجالا پھیلا رکھا تھا...... مَیں دو اڑھائی عشرے اس کے ہاں رہا...... اس دوران مَیں نے شدّت سے محسوس کیا کہ وہ ایک مطمئن شخص ہے۔ استغنیٰ کی نعمت سے مالا مال...... ہمہ وقت اللہ کی مخلوق کی بلا تخصیص و تمیز خدمت میں جُتا رہتا ہے۔

دیکھا جائے تو بندے کو اِک گونہ اطمینان ہی چاہیے ہوتا ہے۔ تمام بدنی قوٰی فکری شعوری' لاشعوری

Scanned with CamScanner

عبادات' طالب کے اندر' بجز' عمل صالح' صبر' ایثار پیدا کرنے کا موجب بنتی ہیں۔ اطمینان' تسلی' تشفی اور نورِ صالحیت کی حنا وبندی کرتی ہیں۔

ایک سہانی سی فجر سے' غیر ارادی طور پہ میرے منہ نکل گیا۔

''چاچا شیر علی! میرا دل چاہتا ہے میں اِدھر ہی پڑا رہوں...... ساری زندگی یہیں گزار دوں؟''

میری بچوں سی بات سُن کر وہ حسبِ معمول سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہا...... وہ ایرانی سُکھ چین کی شاخساروں سے مسواکوں کے لیے نرم نرم سی ٹہنیاں کاٹ رہا تھا...... وضوخانے کے باہر' طاق پہ ایک ٹوکری تازہ مسواکوں سے بھری رہتی...... ساتھ روغنِ زیتون' کحل امامی (سرمہ) اور زیتون کی لکڑی کا بے ڈھنگا سا کنگا بھی پڑا ہوتا۔

میری جانب نرم نرم نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''میرے پیر و مرشد نے جن کے قدموں میں ہم دونوں پڑے ہوئے ہیں...... مجھے جو پہلا تحفہ عطا کیا تھا...... جانتے ہو وہ کیا تھا؟''

ظاہر ہے کہ میں اُس گزرے ہوئے اَمر یا واقعہ سے کیونکر واقف ہو سکتا ہوں جو برسوں پہلے دو انسانوں کے درمیان سرزد ہو چکا ہو۔ میرے ہاں تو عام ظاہری علم تک نہ تھا' غیب کے علم کا کیا محل؟...... کیا جواب دوں میں اِسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ وہ پھر بولا۔

''میرے اِس سوال کا جواب تمہارے پاس ہے مگر تمہاری حالت اِس وقت اُس کیمیا گر کی سی ہے جسے معلوم ہوتا ہے کہ کچا شنگرف اُس کے ہاں ہے مگر کہاں رکھا ہے وقتی طور پہ اُس کے ذہن سے نکل گیا ہوتا ہے۔ بالکاساز و رو دینے یا تلاش کرنے سے مل بھی سکتا ہے۔ اب میں پھر تم سے پوچھتا ہوں کہ میرے مرشد نے مجھے سب سے پہلا تحفہ کیا دیا تھا؟''

اچانک میرے منہ سے نکل گیا۔

''مسواک' سرمہ' روغنِ زیتون اور کنگھی......!''

''بالکل درست!...... یہ خدائی اور رسولی تحفے ہیں...... فقیر کے فقر کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس گھر کا دروازہ' کھڑکیاں' روشندان' فرش چھت صاف ستھرے رکھے جائیں رنگ و روغن کا خیال رکھا جائے وہاں برکتیں اُترتی ہیں۔ ہر سوال کے اندر ہی اُس کا جواب مستور ہوتا ہے۔''

چاچا شیر علی بڑی مستعدی سے اُٹھا اور میرا کپڑوں والا تھیلا مجھے پکڑاتے ہوئے بولا۔

''اب تم یہاں سے کوچ کرو...... تم نے کدھر جانا ہے...... یہ تمہارا اپنا فیصلہ ہے...... اِدھر رہنے کا حکم

Scanned with CamScanner

نہیں۔ جو تمہیں اِدھر سے ملا ہے اُتنا ہی تمہارا حصّہ ہے۔ باقی جو ہے وہ ''صلابیا'' سے ملے گا......!''

قارئین! اِس ایران کے سفر کے بعد میں تین برس تک صلابیا بستی میں پہنچنے کے جتن کرتا رہا مگر وہاں پہنچنا تب نصیب ہوا جب اللہ کریم کو منظور ہوا اور جس کے پاس میرے حصّے کا فیض تھا اُس کا بلاوا آیا۔

اب چلتے ہیں واپس وہیں اُسی سہ حدے پہ...... جدھر تین اطراف' صحرائی راستے کھلتے تھے جن میں ایک کنا پھنا معدوم' بنتا بگڑتا سا راستہ صلابیا کی جانب' مشرق سمت کھلتا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اِدھر ایک بھرپور قسم کی سرائے ہوتی کہ تین اطراف جانے والے مسافر یا قافلے...... اِدھر کچھ دیر کمر سیدھی کرنا چاہیں تو پڑاؤ کر سکیں مگر اِدھر ایسا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ اِدھر پانی' کمیاب اور جو دستیاب تھا وہ جانوروں کے منہ بھی پھیر دیتا تھا...... کھجوروں کے درخت وافر تعداد میں موجود تھے مگر ان کے پھل کا معاملہ بھی پانی جیسا تھا...... نہ چکی کا مزہ نہ پختہ میں کچھ لذت برکت...... ہاں' البتہ جانور منہ مار لیتے تھے۔ ایک اور تیسری وجہ بھی سمجھ میں آتی تھی وہ قبرستان تھا۔ جو قبرستان کم اور ٹوٹے پھوٹے بے ہنگم پتھروں کا کوئی گودام دکھائی دیتا تھا۔ اک عجیب سی ہولناکی تھی جو رونگٹے کھڑے کر دیتی تھی۔ دُور تک پھیلے ہوئے پتھر...... کچھ استادہ کچھ لیٹے پڑے ہوئے...... ان پہ نام' آیات' دُعائیں کچھ نقش و نگار...... لفظ حروف اور آڑی ترچھی لکیریں نقش' جو سمجھ میں نہ آتے...... سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اِدھر لق و دق صحرا بیچ' اِتنا وسیع شہرِ خموشاں...... جیسے کبھی اِدھر کوئی بلا کا معرکہ پڑا ہو؟...... جس میں سیکڑوں اِنسان کھیت رہے ہوں...... یا کوئی بڑا قافلہ کسی ناگہانی صورتِ حال سے دوچار ہو کر تمام کا تمام' تمام ہو گیا ہو۔؟

اِدھر صحراؤں میں قبرستان مختصر یا بہت کم ہوتے ہیں...... صحرا اور سمندر' صرف زندہ چیزوں سے دوستی رکھتے ہیں' گزر گئی گزران سے گریزاں رہتے ہیں۔ ریگ زاروں میں چونکہ مٹی نہیں ہوتی ریگ ہوتی ہے اِس لیے وہ مٹی کو بادلِ نخواستہ ہی قبول کرتی ہے جبکہ غیر مرئی مخلوقات و عنصرات کے معاملہ میں اُس کا سلوک ایسا نہیں ہوتا۔ ریگ اور مٹی' آپس میں بہت سے بنیادی بُعد رکھتے ہیں...... دُنیا بھر کے صحراؤں کی ریت دیکھ لیں ذرّہ ذرّہ علیحدہ...... جو صدیوں باہم بغلگیر رہنے کے باوصف' شملہ کے چاولوں کی طرح الگ الگ ہی رہے...... ریگ گھڑی ملاحظہ کر لیں' دانہ دانہ جُدا ہو گا۔ اگر ان میں ایکتا ہوتی تو ریگ گھڑی کبھی وجود میں نہ آتی۔ مٹی تو مِٹ اور مِل کے رہتی ہے۔ اگر اس میں یہ دونوں صفتیں نہ ہوتیں تو یہ گِل کبھی نہ بن سکتی تھی...... گِل تیار نہ ہوتی تو'' آ...... دَم'' کیسے وجود میں آتا......؟

تجز' ریگ میں پانی کا انجذاب نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے' پانی انہیں باہر سے گیلا تو کر دیتا مگر اندر سے

Scanned with CamScanner

بھگوتا نہیں۔ جب تک کوئی اندر سے نہ بھیگے وہ ''بھگوان'' کیسے بن سکتا ہے؟...... خرطوم سے مَیں لیبیا پہنچا' پھر طرابلس سے چھ روز کا میدانی اور ریگستانی فاصلہ' جو بسوں' ٹیکسی' صحرائی سیاروں اور اُونٹوں پہ مشتمل تھا' بمشکل طے ہُوا۔ اِس دَوران نہ تو کوئی خورد ونوش کا خاطر خواہ انتظام تھا اور نہ ہی استراحت و قیام کا...... شب و روز کا سفر' پیٹ خراب' اعصاب مضمحل...... نہانا دھونا در کنار' ہاتھ منہ بھگونے کے لیے پانی نام کی چیز کا حصول مُشکل تھا۔ اُوپر سے آگ برساتا سُورج...... بَول براز کی سہولت کا فقدان...... اور جسم میں پانی کی از حد کمی واقع ہوگئی تھی۔ مجھے بیک وقت آرام' خوراک' اودیات کی ضرورت تھی مگر اِدھر صحراؤں میں ان بُنیادی ضررورتوں کا مَحض تصوّر تو کیا جا سکتا ہے ان کا حاصل کرنا' جُوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔

میرے تجزبے' مشاہدے میں ہے کہ سیلاب میں بہتے' سفر میں پڑے اور ڈھلوان سے سرکتے ہوئے اِنسان کا خود پہ اعتماد اور اختیار ذرا کم ہی ہوتا ہے۔ وہ جتنا سنبھلنے اور خود کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اُتنا ہی وہ مزید خراب ہوتا ہے۔

ابھی مجھے اپنی منزل' نصلاہیا'' تک پہنچنے میں مزید چودہ صحرائی کوس طے کرنے تھے۔ پاپیادہ یا اُونٹ پہ کہ اُدھر کا راستہ...... صبح دوپہر شام اور شب اپنا جغرافیہ بدلتا رہتا ہے۔ صحیح سمت کا تعیّن صرف وہاں کے مقامی لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ خراب موسم میں تو سفر بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔

مَیں مغرب سے کچھ پہلے اِدھر سہ حدہ پہ پہنچا تھا۔ صحرائی ٹیکزا یعنی سیارہ نے سہ حدہ سے کچھ پیچھے ایک پرانی سی صحرائی بستی میں اُتار دیا تھا۔ بستی کیا تھی چند اجاڑ قسم کے جھونپڑے' سخت کھنچے ہوئے چہروں والے چند بوڑھے...... لگتا تھا اُنہیں کسی اجنبی کا اُدھر آنا خوشگوار نہ لگتا۔ نہ ہی وہ کسی کا میزبان بننا پسند کرتے ہیں...... سخت قسم کے تمبا کو نوش اور بے مہرے...... ایسے ناپسندیدہ غیر اخلاقی رَوّیوں کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ کسی اجنبی یا مسافر کو اپنی بستی میں شب بسری پسند نہیں کرتے تھے۔ ایسی صُورت میں کون ہوگا جو اِدھر ٹھہرتا ہوگا؟

مَیں اور میرے ساتھ دو اور مسافر جو عراقی تھے ہم نے باہم فیصلہ کر لیا کہ جو بھی ہو...... آگے سہ حدہ پہ ہی رُکیں گے...... یہ بھی جانتے ہوئے کہ اُدھر جاگتے ہوئے چوکس رہ کر سخت پریشانی کے عالم میں رات کا وقت گزرے گا۔ سایہ نہ سائبان' صدیوں قدیمی خستہ حال کنواں...... پانی' پاتال سے لگا ہُوا اور وہ بھی دو چار چلّو سے زیادہ نہیں' نہ اِنسان کے کام کا' نہ جانور کے منہ دھرنے۔ کھار اور کڑواہٹ' دونوں اکٹھی ہو جائیں تو تیزاب بن جاتی ہیں۔ اِس سے تو بہتر ہے کہ صبر کر لیا جائے...... یہ بھی سُنا وہاں رات کے اندھیرے میں قبرستان کے اندر آسیب اکٹھے ہو کر کوئی قدیمی شیطانی جلسہ کرتے ہیں اور کسی بھٹکنے والے مسافر کی قربانی پیش کر

Scanned with CamScanner

کے اس کا خون پیتے...... اور پھر ادھر گاڑھ کر اُوپر ایک آدھ پتھر رکھ دیتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا بھوت باہر نہ نکل سکے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ادھر قبرستان میں یہ قبریں اور اُوپر پڑے ہوئے چھوٹے بڑے پتھر سب مقتول مسافروں کے تال تھے۔ اس حساب سے تو کسی مسافر کو سے حدے کے قریب تک سے نہیں گزرنا چاہیے تھا...... مگر راستے راہیں کب بند ہوتے ہیں چاہے اُدھر ڈاکو لومیں یا کوئی سانپ راہ مارتا ہو؟...... بس اتنی احتیاط ضروری ہوتی کہ رات کا اندھیرا اُترتے ہی سے حدہ مسافروں سے خالی ہو جاتا۔

سے حدے پہ پہنچتے پہنچتے شام کے سائے دراز ہو چکے تھے۔ ہم تینوں اب اس ششں و پنج میں تھے کیا کریں' کیا نہ کریں...... ادھر تو ویرانی تھی یا ملگجا سا اندھیرا کہ کچھ بھی صاف دکھائی سجھائی نہ دے رہا تھا...... ٹنڈ منڈ سے چند بانجھ سے کھجوروں کے درخت' ذرا کچھ دُور زنگ آلودہ ٹِن اور کاربورڈ کے بنے دو چار ہٹ سے تھے...... جن میں ایک کے باہر' تیل سے جلنے والی دُھندلی سی لالٹین لٹکی ہوئی...... جس کی روشنی ہونے نہ ہونے کے برابر تھی۔ ہم تینوں تھکے ماندے بے دم سے ایک طرف ہو کے بیٹھ گئے۔ سب سے فوری حل طلب معاملہ بول و براز کا تھا کہ مسلسل آٹھ گھنٹے کی کیکڑا سواری نے ہمارے پیٹ بولا کر رکھ دیے ہوئے تھے...... انگ انگ سے ٹیسیں اور مُنہ سے "سیسی" خارج ہو رہی تھیں...... مجبوراً ہم باری باری اُٹھ کر ادھر اُدھر بکھر کر' کسی نہ کسی طور فارغ ہو لیے...... اب فوری بعد کچھ ٹھونسنے کھانے پینے کے مسئلے نے سر اُٹھا لیا...... اس کا بھی ایک ذوجے کے توشہ دانوں سے حل نکل آیا۔"

● چاند' چاندنی اور چہار چکوے......!

اب چاند بھی نکل آیا تھا' چاندنی کا سحر بھی سر پہ چڑھ کر بولتا ہے۔ کسی نے اگر زندہ طلسم ملاحظہ کرنا ہو تو پورن چندر کی رات' صحرا میں نکل آئے...... جن و بشر' چرند پرند' نباتات و جمادات دریا' سمندر' جھیلیں جھرنے آبشاریں...... غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا چاندنی پُھما لیتی ہے وہ عالم وارفتگی میں پہنچ جاتی ہے۔ اس کے نوری اور تابکاری اثرات سے دیوانے' فرزانے اور فرزانے دیوانے ہو جاتے ہیں۔ سمندر کے اندر مونگے مرجان کی جڑیں رنگ پکڑتی ہیں...... کستورہ ہرن اور کستورہ ماہی کے ماتھے اور ناف میں برکت پڑتی ہے...... چکوے اور پپیہے کی جان پہ بن آتی ہے۔ فلکِ اوّل پہ نقرئی بانات تن جاتی ہے' رسوب بالا کی پہلی منزل تک کی راہ نیم روشن دکھائی دیتی ہے اور مہ کامل' کی ضوفشانی سے اک عالم منور ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ چاند' چاندنی کا جمالی مثالی اور روحانی رُخ ہے۔ اس کارزارِ ہست بُود میں ہر موجودات کے

Scanned with CamScanner

دوسرے رُخ کی طرح' چاند اور چاندنی کے منفی رُخ بھی ہیں جو انتہائی مضر اثرات کے حامل' سریع الاثر اور مکروہ ہوتے ہیں۔ طلسماتی اور طاغوتی عناصرات' بھوت پریت' نساجر' خون آشام..... آسیبی چھڑوں' میمنوں چھلاووں اور ٹونوں کے لیے چاندنی ' اک بہار کے موسم کی طرح ہوتی ہے..... یہ سب ابلیسی استعانتیں..... خاص طور پہ پورے مہینے کی چاندرات میں اپنے اپنے ٹھکانوں' قبرستانوں مرگھٹوں اور غاروں درختوں کنوؤں سے نکل اُتر کر چاندنی کی کرنوں میں موج میلہ کرتی ہیں لیکن انسان کو دکھائی نہیں دیتیں اور نہ ہی ضرر پہنچاتی ہیں۔ تاوقتیکہ کوئی اُن کی مصروفیات میں بلاوجہ مخل نہ ہوتا ہو..... اس لیے بزرگ کہا کرتے تھے..... چھوٹے بچوں' خاص طور پہ خوبصورت لڑکوں لڑکیوں' کنواریوں کو چاندنی رات میں اکیلے باہر نہ نکلنا چاہیے کہ ڈر جاتے ہیں۔''

کسی حکمت کے تحت' اللہ کریم نے عام انسانوں (استثناء کے ساتھ) کو وہ صلاحیت اور آنکھ نہیں دی کہ وہ غیر مرئی اور شیطانی شرشرار اور بھوت پریت کو دیکھ سکے۔ اگر ایسی احتیاط نہ ہوتی تو بنی نوع آدم کا اُٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا اور اندھیرے سویرے سفر کرنا مشکل ہو جاتا کہ ابلیسی قوتیں اور عناصر' جو مختلف شکلوں' جسموں میں ہمارے اردگرد ہوتے ہیں اگر ہم اُنہیں دیکھ لیں تو چیختے ہوئے بیہوش ہو جائیں۔

اپنی ابتدائی عمر میں جب نفع نقصان' اچھائی بُرائی' بختی جزسی کی کچھ پروا نہ تھی مجھے جن بھوت' بلاوے' موت کا فرشتہ' جنت دوزخ' قبر کے اندر کے حالات' دودھ شہد کی نہریں' بہشت کے قصرات' باغ' حور وقصور' پُل صراط وغیرہ دیکھنے' ان کے متعلق تفصیلات جاننے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مَیں نے دَرویشی فقیری یا تصوّف بھی اسی لیے اپنایا کہ ایسے مافوق الفطرت اور مابعد الفوق الفطرت علوم واَسرار سیکھ سکوں۔ تعلیم تو حاصل نہ کر سکا شاید لاشعوری طور پہ اسی طرح مَیں اپنی کمزوریوں محرومیوں کا مداوا کر کے اپنے احساسِ کمتری کو سنبھالا دینا مناسب سمجھتا تھا۔ جو بھی تھا' ٹھیک ہی تھا..... مجھے فطرت اور کائنات کے اندر کی کائناتوں کے اندر' تہہ در تہہ دُنیاؤں کی کھوج کا جنون تھا..... یہی جنون مجھے گلی کوچہ بازار' جنگل صحرا' نگر نگر ڈگر ڈگر لیے لیے گھومتا رہتا تھا۔

ایران والے چاچا شیر علی نے مجھے اس جگہ کا اشارہ دیتے ہوئے کہا تھا۔ کبھی موقع ملے تو ''صلابیا'' جو لیبیا کے دُور دراز صحرا کے اندر ایک غیر معروف متروک سی بستی' جدھر ایک قدیمی قبرستان ہے۔ پر وہاں ایک کھلی قبر ہے جو صدیوں پرانی ہے مگر اس میں ایک بزرگ لیٹے کبھی بیٹھے..... اللہ کی تسبیح کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ السلام وعلیکم کہو تو اُدھر سے وعلیکم کا جواب ملتا ہے۔ اگر وہ چاہتے ہیں تو وہ ہاتھ اُٹھا کر مصافحہ بھی کر لیتے ہیں۔ ضرور جانا..... اس سے مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں..... وہاں پہنچو گے تو تم سب کچھ خود بخود جان جاؤ گے

Scanned with CamScanner

کہ اِدھر کیوں آئے اور اِدھر پہنچنا کیوں ضروری تھا...... تمہارا کام صرف وہاں تک پہنچنا ہے۔ میں اُس کی بات کبھی نہ بھول پایا...... کوشش اور چاہنے کے باوجود اِدھر لیبیا کی جانب آنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آیا۔ میں ''صلابیا'' پہنچنے کی آرزو پرانی ہونے کے باوجود ہنوز کسی بچھڑنے والے کی یاد کی مانند تازہ تھی۔ میرے پاس وافر وقت' زادِ راہ' شوق فراواں اور وہ چیز حاصل کرنے کی جستجو بھی...... جس کا اشارہ اور مشورہ بھی ایران میں چاچا شیر علی نے دیا تھا۔ وہ کیا تھا جو ایران کے چمن زاروں میں نہ تھا...... اِدھر اُدھر وراز لیبیا کے آگ برساتے' بے آب وگیاہ' پُرہول ریگزاروں میں جس کا سراغ تھا......؟

اللہ کریم وجمیل کی وِنڈ بھی کیسی پُرحکمت اور مصلحت آمیز ہوتی ہے کہ اس کی اَتھاہ تک انسانی عقل وبصیرت کی رسائی آسان نہیں ہوتی...... انسانی دانش وبینش' دلیل منطق اور سیدھے صاف دو دُونی چار والے اُصول طریقے کے تحت ہی کسی غلط صحیح' بھلے بُرے' چھوٹے بڑے یا سعد نحس کی بابت اپنی رائے پیش کرتی ہے جبکہ اللہ کریم کی قدرت وقدر' مشیت ومشیت کے نہ تو ارضی یا کائناتی طرز وطرح کے کوئی قاعدے کلیئے ہوتے ہیں اور نہ کسی ملائکہ وجن یا بشر کے علمی وادراکی قیاس وگمان میں' ان کا کوئی گزر ہو سکتا ہے؟

اتنا لمبا عرصہ' اِدھر پہنچنے کے انتظار میں کیا مصلحت تھی...... کیا راز تھا یہ تو وہی قادرِ مطلق ہی بہتر جانتا تھا...... بس مجھے تو اتنی خبر تھی کہ میں اپنی اس منزل کے قریب پہنچ چکا تھا جس کی جانب فکری سفر میں اک خاصا لمبا عرصہ بیت چکا تھا۔

رات کے چار پہروں کے بھی چار چار باطنی رُوپ ہوتے ہیں۔ جن کا ادراک ہر ایک لیے نہیں ہوتا...... دن بھر محنت مزدوری کرنے والا اپنی تھکن دُور کرنے کے لیے کھاٹ پہ پڑ جاتا ہے۔ اُس کی بلا سے چار پہر کب آئے' کب گئے؟ رات بھر جاگتے تاروں اور چاند پہ کیا گزری؟ پپیہے اور چکور کس کرب سے دوچار ہوئے؟ شبنم بیچاری کتنے آنسو روئی؟ کوئی شب زندہ دار' کوئی پہلوئے یار میں مست؟ کوئی کسی آزار میں مبتلا؟...... رات کے رنگ رُوپ کوئی سرحد پہ ٹکے پاؤں مستعد کھڑا نگہبان شب' آخر کا کوئی مسافرِ عدم' کوئی برہا کا مارا...... کوئی منتظر ہی جان سکتا ہے' جس کی جاگتی آنکھوں کے سامنے' خامشی' تاریکی' سناٹے اور شب کی سیاہ زُلفِ گرہ گیر کے مشکبار سائے عجب نوٹنکی رچاتے ہیں...... یہ بھی جانا کہ شب سے شناسائی نہیں ہوتی تو شاہو دریاؤں کی شناوری بھی نصیب نہیں ہوتی...... شیخوپورہ پہنچنے کے لیے شاہدرہ بھی تو شب کے پہر کے اندر کا ایک پہر ہے...... کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی......؟

Scanned with CamScanner

• آخرِ شب کے ہمسفر......!

میرے دونوں لبنانی ہمسفر اِدھر سہ حدّے تک ہی میرے ساتھی تھے...... یہاں بائیں جانب جو راہ نکلتی تھی...... اُدھر کے لیے تین چار نفر اُونٹوں کا کارواں پہلے سے ہی موجود تھا...... دو ایک مسافر پہلے سے اِدھر تھے...... اِن لبنانیوں کے پہنچتے ہی یہ کارواں اپنی منزل کی جانب رَوانہ ہو گیا' باقی جو ٹوٹکو بچے اُن میں بدو قسم کے دو اور مسافر...... جو پیدل ہی اپنی کسی منزل کی طرف ہو لیے تھے۔ اِن کا سامان بھی بدوانہ قسم کا تھا...... خیموں کی مرمت کا سامان' پلاسٹک کے پانی جمع کرنے والے برتن اور کچھ کھیتی باڑی کے اُوزار؟...... مَیں حیران تھا جب وہ یہ بے ڈھنگا سا کاٹھ کباڑ اپنے سروں کاندھوں پہ لاد کر...... ڈوبتے سورج کے رُخ رَواں دکھائی دیے۔ صحرانشینوں میں ایک خاص خوبی یہ ہوتی ہے کہ باہر اُن کے شُتر ہوں نہ ہوں۔ اُن کے اندر شُتر ضرور ہوتے ہیں...... اور شُترکینہ بھی...... دونوں کی قدرِ مشترک' بُنیادی ضرورت پانی ہوتا ہے۔ اِن کے مابین تنیزہ کاری کی اکثر وجہ بھی پانی کے کنویں اور شُتر اصیل ہوتے ہیں۔

صحراؤں کے بیچ میٹھے پانی کا گہرا کنواں' چھوٹا بڑا نخل اور شُتر ہی اصل متاعِ حیات ہیں۔ صحراؤں کی سرداری' اُسی کے پاس ہوتی ہے جس کے ہاں یہ تینوں نعمتیں موجود ہوں۔ مَیں اُن سابقہ دونوں ساتھیوں کو سیاہی اور گہری خون رنگ سرخی میں اُترتے ہوئے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ مزید کچھ دیر بعد یہ سرخی بھی غائب ہو جائے گی پھر بڑی سرعت کے ساتھ تاریکیاں اپنے تمبو تان لیں گی...... اندھیروں کے منتظر جانور اپنی کمین گاہوں سے باہر نکل آئیں گے...... صحراؤں کے راستے تو ہوتے ہیں' بس! سمت کا غلط یا صحیح تعین ہی ہوتا ہے یا پھر وقتِ حاضر کا کوئی ستارہ' زادِ ہمت سمجھا تا ہے......

بے ڈھنگے سے سامان کا بیہودہ سا بوجھ...... مَیں اِس پرائی بیڑ کو پیٹ میں رکھے مزوڑ کھا رہا تھا کہ سہ حدّے کے تیسرے راستے سے' جو اِن دو لبنانی بدوؤں والے راستے سے کچھ پرے نکلتا تھا۔ اِک سایہ سا' جو کبھی ہے کبھی نہیں...... اِدھر اپنی جانب بڑھتا ہوا جاپ پڑا...... مَیں اِک ٹک سے اُسے دیکھنے لگا۔

پُشت دکھانے والے ہولے ہولے معدوم ہوتے چلے جاتے ہیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اِک نُقطہ بن کر پیشِ منظر میں کہیں ختم ہو جاتے ہیں...... اِسی طرح چہرہ دکھانے والے' صبح سویرے سورج کی تجلی سا رنگ کی سارا اُبھرتے ہیں اور پھر سوچتے ہی سوچتے' آنکھوں کے سامنے اِک روشن حقیقت کی طرح واضح ہو جاتے ہیں۔ اِدھر میری جانب بڑھتا ہوا ہیولا اب کچھ خدوخال پکڑتا جا رہا تھا۔ صحراؤں کے چمکتے دن' آنکھوں میں

Scanned with CamScanner

چکا چوند پیدا کرتے ہیں...... سُلگتے تیز و تند جھکڑ اور نظر دھوکہ دیتے ہوئے سراب' صحرائی خاشاک کے لہراتے اور بھاگتے ہوئے گولے' ایک دفعہ تو مسافر کو گھما کر رکھ دیتے ہیں۔ لگتا ہے جیسے جنوں بھوتوں کے بچے ہوا و ردلوں کے پھندوؤں سے کھیل رہے ہیں مگر شام اُترتے ہی منظر بدلنے شروع ہو جاتے ہیں..... اُونگھتی ہوئی خموشیوں کو جیسے اذنِ تکلم مل جاتا ہے..... سُورج کے پردہ پوش ہوتے ہوتے رات کی رانی بھی اپنی مشکبار زلفیں کھول دیتی ہے..... فضاء میں کستوری کی لہک سی لہرانے لگتی ہے۔ چیتل' تلوز' موروں' تیتریوں جھینڈے جھینگروں کی سرگوشیوں کے زمزمے سماعت میں رس ٹپکانے لگتے ہیں۔ مست خرام نروا کے انگ بدلتے نرت بھاؤ..... مہاراج غلام حسین کتھک' مہاراج پھوراm اور ستارہ دیوی نیپالن کی یادیں تازہ کرا دیتے ہیں۔

آسمان اور فلک پہ حاملانِ افلاک اور مہ و انجم کی انجمن آرائیاں' جھلملاہٹیں' ضو فشانیاں' تنویریں' کھیل تماشے' چالیں' چہلیں اور آپس کی چپقلشیں' چار چیزیں ملاحظہ میں لاتی ہوں تو اوّل صحرا' دوم سمندر اور سوم پہاڑ..... ان تینوں میں صحرا ہی ہیں جن کی نیلے فلک سے اکثر قدریں مشترک ہیں..... ایک دوسرے کے مقابل' نیچے اُوپر..... اجرام اور ذرّے برابر برابر نیچے سامنے ذرّے تو واضح اس لیے دکھائی دیتے ہیں وہ قریب تر ہوتے ہیں مگر اجرام فلکی لاکھوں کروڑوں نُوری سال و میل دُور اُوپر..... اُوپر کے لیے وقت اور پیمائش کا پیمانہ اور..... جبکہ نیچے کے لیے مختلف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اپنے نیچے تو بہت کچھ دکھائی دیتا ہے مگر اُوپر وہی کچھ جو ہمارے دائرہ بصارت میں آتا ہے۔"

کہتے ہیں صحرا' پہلے قلزم ہُوا کرتے تھے..... امتدادِ وقت سے سمندروں کا پانی گرم ہو کر خشک ہو گیا اس کی موجیں' ریلے' لہریں اپنی ہیئت بدل کر ٹیلے بنے ٹیکرے بن گئیں..... پانی' بُلبلوں قطروں میں تبدیل ہوتا ہوتا بالآخر صاف شفاف ذرّوں میں تبدیل ہو گیا۔ دیکھا جائے تو صحرا' اک خشک سمندر ہی تو ہوتا ہے...... جیسے ہر صحرا کے نیچے ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر..... اسی طرح ہر سمندر کی اتھاہ میں ایک خشک صحرا بھی ہوتا ہے...... بس' یہ نیچے سے اُوپر اور اُوپر سے نیچے والا فرق یا فلسفہ جس کی بھی سمجھ میں آ جائے......؟

لحظہ لحظہ تاریکی بڑھتی چلی جا رہی تھی...... اسی تاریکی میں جنگلی لتھڑی' اک عجیب سی مخلوق' میرے قریب کے اک بے ثمر و سایہ کوتاہ قامت کھجور کے تنے کے ساتھ پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی..... بدّوں والا' بن آستین کا لمبا چوغہ..... جو تاریکی سے بھی کہیں زیادہ تاریک اور تار تار ہوگا۔ سر پہ دریدہ سا سرخ رومال..... بس یہی کچھ تھا جو دکھائی بھی دے رہا تھا اور نہیں بھی۔ بادی النظر میں وہ کوئی اُچکا' اُٹھائی گیرا دکھائی دیا جو مسافروں کو غافل پا کر' انہیں زادِ راہ سے ہلکا کر دیتے ہیں..... یا پھر کوئی بھک منگا..... ذہنی طور پہ کھسکا ہوا بھی ہو سکتا ہے..... کسی اُونٹوں

Scanned with CamScanner

والے کا کارندہ بھی ...... جو مسافروں میں 'میں اب آخری مسافر تھا جسے شاید خود بھی کوئی اپنی خبر یا فکر نہ تھی کہ وہ قیس ہے لیلیٰ' محمل یا صحرا ہے ......؟

سر پہ پڑی رات' پردیس' بنیادی ضرورتیں ...... اِدھر کوئی سرائے آشرم' نہ مدرسہ' مسجد کہ جدھر مسافروں کے لیے بانکا' ٹھکانا' شب بسری کا آسرا ہوتا ہے۔ بیمار پڑیے تو کوئی چارہ ساز' عطار اور نہ دوا دارو؟ ...... موسم رُوٹھ لے تو کوئی چھپر نہ چھاؤں' کجا وہ نہ کانس' اوٹ نہ آڑ' بیرا نہ باڑ ...... سب کچھ خدا کے آسرے پہ تھا۔ یہ سب کچھ ٹھیک مگر اس کے باوجود ...... انسان' ولی اللہ ہو یا درویش بھگت' مجذوب یا کسی طور کا مسافر ......! ہوتا تو بندہ بشر ہے۔ اس کے فطری جبلی' جسمانی نفسانی تقاضے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ ایک حد تک تو خود کو دبایا جا سکتا ہے مگر اس کے بعد معاملہ خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اعصابی ٹوٹ پھوٹ بھی ...... پھر اس کے بعد ایکدم سب کچھ تباہ ہو کے رہ جاتا ہے۔ انسانی فطری طریقہ یہی ہے کہ انسان اپنے قول و فعل' طور طریقوں اور رَوَیّوں میں معاملہ فہمی اور یوں توازن و اعتدال رکھے کہ ہر دو صورت' آسانی اور سلامتی رہے۔ بشرا گر اپنے بشری اندازِ فکر اقدار اور وقتِ حاضر کے معاشرتی' سماجی تقاضوں میں افہام و تفہیم کو اپنا شعار بنا لے تو ستر فیصد مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔

جو اپنی ذات سے ذرا پرے ہٹ کر دوسروں کے متعلق سوچتا ہے ...... اپنے سے بہتر سمجھ کر فوقیت عزت و توقیر دیتا ہے ...... عزتِ نفس کا احساس کرتا ہے۔ اُس کے دُکھ دَرد کو محسوس کر کے اپنا سمجھتا ہے۔ وقت پڑنے پہ آگے بڑھ کر مدد کرتا ہے ...... سہارا دیتا ہے دلجوئی کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے جینا سیکھ لیا ہے۔ زندگی کا مفہوم جان لیا ہے ...... وہ صحیح معنوں میں خلیفۃ الارض کے منصب پہ متمکن ہونے کا سزاوار ہے۔

مجھ ایسے اکثر لوگ محض ظاہریت کے خُوگر ہوتے ہیں ...... اُن کی بُودی نظر میں عزت' محبت' قربت قدر اور دوستی کے اہل وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس کوٹھی' کاروبار' فارم ہاؤس یا وہ کسی اعلیٰ سرکاری عہدے پہ فائز ہوں ...... کسی امیر وزیر' بیوروکریٹ' جج' پولیس' سیاستدان کے رشتہ دار ہوں ...... دن میں کئی کئی لباس گاڑیاں بیویاں اور وفاداریاں بدلتے ہوں ...... انہیں تنگ گلیوں' محلوں' بھینس کالونیوں' گندے نالوں کے قریب رہائش پذیر ...... چہروں مہروں سے غریب دکھائی دینے والوں' ویگنوں میٹرو اور موٹر سائیکل' رکشوں پہ سفر کرنے والوں' چکڑ چھولوں بڑی کھد' بونگ بری پائے' پٹھانوں کے تندوروں سے نان کلچے کا ناشتہ کرنے والوں ...... پاکستانی کرتہ شلوار اور لنڈا برانڈ استعمال کرنے والوں' بار بار کثرت سے السلام علیکم' الحمدللہ' ماشاء اللہ' سبحان اللہ' جزاک اللہ کہنے والوں سے سخت کد ہوتی ہے ...... وہ بوتل کے اندر کا امرت دھارا نہیں دیکھتے' باہر کا لیبل بناوٹ اور خوبصورتی دیکھتے ہیں۔''

Scanned with CamScanner

سنا دیکھا ہوگا کچھ لوگوں کو پرانی ٹکٹیں سکے، تصویریں، اخباریں رسالے، گانوں کے توے، نیچیں جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ مجھ جیسے پاگل لوگوں کو خوبصورت بوتلیں، خوشبو عطر کی شیشیاں بھی جمع کرنے کا جنون ہوتا ہے۔ مجھے بھی امپورٹڈ زیتون اور شراب کی نادر بوتلیں جمع کرنے کا چسکا ہے...... مَیں اُن پہ خطاطی اور ڈیزائنگ کرتا ہوں...... قیمتی خام اور تراشیدہ پتھر، جواہرات، سیپ گھونگے، سمندری کدو جن کے کشکول بنتے ہیں اور خشک دریائی گھوڑا مچھلی بھی جمع کرنا میرا مشغلہ ہے...... مَیں کتابوں، قلموں اوراق اور ان مذکورہ بالا، مخلوقات کے درمیان رہنا سونا جاگنا اور دیکھنا پسند کرتا ہوں۔ یہ مجھے چاہتے ہیں اور مَیں ان پہ نثار رہتا ہوں۔ مَیں ان کی تلاش میں اور یہ میری جستجو میں رہتے ہیں...... ۔

چت ملے کا چیلہ تے من لگے کا میلہ

یہ تمام بات، مجھے اس لیے کرنی پڑی کہ یہ اچانک تیسرے راستے کے اندھیرے سے کسی سیاہ کرن کی طرح برآمد ہونے والا نیم مجذوب انسان، ایسا ہی تھا...... نہ کوئی ظاہری شخصیت، چال ڈھال سے ڈھلو ملو...... شکل وصورت، لباس...... افلاس ہی افلاس...... کوئی بھی تو ایسا نہ ہوتا کہ جو اس کی جانب توجہ دینے کی خواہش کرتا۔ اپنے اور اس شخص کے علاوہ اگر ادھر کوئی تھا تو فی الوقت وہ منظر سے اوجھل تھا...... صحرا کے پردۂ غیب سے کب کوئی اُبھرتا ہے اور کب کوئی اوجھل ہوتا ہے یہ تو شاید خود صحرا بھی نہیں جانتا......؟

رات، ریگ گھڑی کی طرح نامعلوم سے انداز سے آہستہ آہستہ جمع ہوتی جارہی تھی اور ہلکی سی خنکی بھی دَر آئی تھی جس کی وجہ سے ہلکا سا تھکن کا احساس ہُوا۔ کپڑوں کا تھیلا، جس میں سلیپنگ بیگ، کپڑے تھے، چمڑی تھیلی، جس میں پیسے کاغذات پاسپورٹ، دوائیں اور دوران سفر کام آنے والا الم غلم ہوتا ہے اور پانی کی چھاگل! یہی کچھ ہلکا پھلکا زادِ راہ تھا جسے کسی بیکار بوجھ کی طرح اُتار کر مَیں ایک مناسب سی جگہ دیکھ کر بیٹھ چکا تھا کہ شاید رات یہیں بسر ہو...... شاید اس سرحدے پہ اس وقت ہم دونوں کے علاوہ نہ تو کوئی مسافر دکھائی دے رہا تھا نہ کوئی قافلہ، اونٹ نہ ایسے کوئی آثار...... لیکن صحراؤں سمندروں جنگلوں اور دیوانے درویشوں کا کیا بھروسہ...... کب ان کے مزاج و تیور بدلتے ہیں؟ ان کے ہاں کسی اُصول منطق قانون کا کیا کام؟...... ان دیوانوں درویشوں کے اپنے ہی فلسفے ہوتے ہیں یا پھر سرے سے کچھ ہوتا ہی نہیں۔

اُس بندۂ صحرائی نے شاید مجھے اک اُچٹتی سی نظر سے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ جو اس سے سوا دیکھ رہا ہو اُسے کسی اور طرف نظر کرنے کیا کیا ضرورت؟ نظارۂ طور میں محو، بِلّہ جوگیاں کی جانب کیونکر دیکھے...... فنافی اللہ، فنافی الشیخ تو بڑے بخت کی منزلیں ٹھہریں، فنافی الذات کا راستہ ہی دُنیا مافیہا سے بہت الگ ہو کر گزرتا ہے......؟

Scanned with CamScanner

کوچۂ اَبدال کا دریوزہ گر......!

جانے وہ کون تھا مگر جو بھی تھا کوئی ماورا سی چیز تھا۔ ظاہر ہے وہ یہیں کہیں' قریب و جوار میں ہی رہتا ہوگا۔ اسی علاقہ کا کوئی باشندہ ہوگا۔ اجنبی یا کوئی بھولا بھٹکا مسافر تو یوں اطمینان اور بے نیازی سے اِدھر براجمان نہ ہوگا؟...... اُس کی تن تنہائی' بے سروسامانی' اَلست مستی یہی ظاہر کرتی تھی کہ وہ کوئی فقیر درویش ہے۔ نہ یہ نجد کا صحرا' نہ یہ قیس اور نہ اِدھر کوئی کُتّا...... ورنہ مَیں مان لیتا کہ آج میاں مجنوں سے ملاقات ہوگئی ہے۔ اُدھر کچھ دُور' جو سوکھے ٹنڈ منڈ کھجوروں کے درختوں کے پاس جو اُجڑا ہوا جھونپڑا تھا۔ شاید اُدھر کوئی رہتا ہو لیکن جب سے مَیں آیا ہوں مَیں نے اُدھر سے کسی کو نکلتے یا آتے جاتے نہیں دیکھا تھا......

مجھے قریب قریب سو فیصد یقین ہو چلا تھا کہ آج رات اِدھر ہی گزرے گی۔ اس سے پہلے کی چار جاگتی راتیں بھی صحرا میں گزری تھیں ...... لیکن ایسی ہول اُلاگتی ہوئی' بوجھل قدمی' اُدہاتی رات' کچھ علیحدہ ہی محسوس ہو رہی تھی جبکہ میری منزل مُراد ابھی ایک آدھ منزل کی دُوری پہ تھی۔

بندہ بشر' بیماری بیزاری' مسافرت مہاجرت' کار کرم' تعلیم' کسی وظیفے مجاہدے یا کسی عشق معشوقی کی منزل میں پڑا ہوا ہو تو وہ ظاہری باطنی' ذہنی اور روحانی طور پہ ایک قسم کی تنویمی کیفیت میں ہوتا ہے' وہ خالصتاً بالیدگی اور شعور و سمجھ کی حالت میں رہ کر کوئی انوکھا کام سرانجام دے ہی نہیں سکتا۔ کچھ مسئلے عقل و دانش اور ہوشمندی سے طے پاتے ہیں اور کچھ دیوانگی اور جنوں کے متقاضی ہوتے ہیں اور چند ایسے بھی جو حماقت نادانی' دانستہ غیر ذمہ داری اور بے نیازی برتنے سے پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ ہر کھیل کے لیے علیحدہ کھلواڑ' ہر شکار کے لیے علیحدہ شکارگاہ' ہر اُڑان کے واسطے خاص فضا و ہوا...... تیرنے ڈوبنے کے لیے کوئی انوکھا سا سمندر' ہر ستیز و کاری کے لیے مخصوص پانی پت کا میدان......"

جنگل کا قانون' آبادیوں بستیوں پہ لاگو نہیں ہوتا...... رواں پانیوں کی گزرگاہوں کو دریا آبجو یا نہریں کہتے ہیں اور راہ اور انسانوں کی راہوں کو شاہراہ' شارع...... بادل' ہوا' روشنی سب کے لیے...... کسی انسان حیوان' اچھے بُرے اعلیٰ و ادنیٰ' عربی و عجمی کے تخصیص نہیں ہوتی...... اسی طرح کچھ زندگیاں یوں بھی کہ بظاہر اُن کا کوئی مقصد محور دکھائی نہیں دیتا...... محبتیں بھی جن کا نصیب ہجر یا وصال نہیں ہوتا...... تعلق' جو اکثر بانجھ رہتے ہیں...... رشتہ داریاں جو اصل میں دُشمن داریاں ہوتی ہیں...... اسی طرح عبادتیں' ریاضتیں' حضر و سفر' عقیدے اور مُفاد و مقاصد' فیصلے فرمودے' ایثار قربانیاں' صبر و شکر وغیرہ یہ سب اعمال و افعال' رائے رویے ضروری نہیں کہ

Scanned with CamScanner

اخلاص یا راستی پہ مبنی ہوں۔''

معیارات اپنے روائیں بدلتے رہتے ہیں...... بظاہر خشک اور سنجیدہ وصاف دکھائی دینے والا برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ فیصلہ کرنے میں عجلت خجالت کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ مادی دُنیا اور بشری معاملات میں کچھ بھی سو فیصد نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اپنی رائے کو حتمی کہنے سے گریز کرو۔ اس اتفاق و اسباب' نفی اثبات' ہزار رُخی' پل پل پہلو بدلنے' رجا و رنج سے تعبیر' دکھلاوے بہلاوے' عشوہ و انداز' آس نراس کے نت نئے رنگ ترنگ دکھلانے والی طوائف صفت دُنیا میں رہتے ہوئے ایک آنکھ میں یقین اور دوجی میں شک رکھو کہ حق اور سچی ذاتِ باری ہے' جس پہ ایمان سب پہ بھاری ہے...... باقی جو کچھ ہے وہ ولندیزی اور تاتاری ہے......!

یہیں بیٹھے ہوئے مجھے ایران والا چاچا شیر علی یاد آیا...... عجب دین و دُنیا سے بے نیاز مرد تھا...... لیکن وہ بظاہر ایسا تھا باطن کچھ اور تھا۔ اس سے پیشتر بھی کسی باب میں بحث ہو چکی ہے کہ اس جہان رنگ و بو میں کوئی بھی دکھائی دینے اور محسوس ہونے والی موجودات اپنا ظاہر و باطن الگ الگ رکھتی ہے۔ یہ تقاضۂ فطرت کے تحت ہے کہ ہر لحظہ لمحہ' ازلی نظامِ تغیر سے موجودات کی ہیئت کذائی میں نمایاں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے' جو ساتھ ساتھ ماضی کا حصہ بھی بنتی جاتی ہے۔''

لگتا ہے جیسے اس کائنات کو خالق و مالک نے کسی خاص مصلحت کے تحت اُدھورا رکھا ہے...... (استثنیٰ کے ساتھ) ایک کی خوبی دوسری مخلوق کی ضرورت بنادی...... کسی کو بوجھا کر دیا اور کسی کو کمی کر دی' تاکہ وہ ایک دوسرے سے منسلک ہوں آپس کی ضرورت رہیں۔ کپڑے بیچنے والا جوتا نہیں گانٹھ سکتا...... گھوڑے کا معالج' گھوڑے کے سوار کا علاج نہیں کر سکتا...... مرد ماں نہیں بن سکتا اور لوہار زیور نہیں بنا سکتا...... کوئی سیکھنے والا اور کوئی سکھانے والا...... کسی کا مقدر ہار ہے اور کوئی فاتح...... کدھر خامیاں ہیں اور کہیں خوبیاں...... کوئی عاشق ہے تو کوئی معشوق...... یعنی ہر چیز اک دوجے کی محتاج...... جیسے پانی کے سالمے دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں...... روشنی کی کرنیں آپس میں جُز کر شعاعیں بنتی ہیں۔

رُوحانیت تصوّف میں بھی یہی کچھ ہے۔ کوئی دینے والا اور کوئی لینے والا...... کسی کے پاس پچیس فیصد ہے' باقی کا پچھتر فیصد کسی اور کے پاس ہے یا اس سے زیادہ ہیں' جن کے پاس اُس کا حصہ رکھا ہُوا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات پڑھنے سننے کو ملتے ہیں...... کسی بزرگ کے قدموں میں کوئی طالب پہنچتا ہے' وہ اُسے فیضیاب کرتے ہیں...... پھر حکم ہوتا ہے۔ بس' تمہارے لیے اتنا ہی تھا...... باقی کا تمہیں فلاں جگہ سے حاصل ہوگا۔ یہ دیکھیے بھی سائل کے سوال...... طالب کے حُسنِ طلب پہ منحصر ہے کہ اُس کا دامن' کس در پہ بھرے گا...... کس کی نگاہ سے فیض ملے گا۔

Scanned with CamScanner

پھٹکری نوشادر ہینگ عنبر تو گلی بازار کے پنساریوں دکانوں سے بھی دستیاب ہو جاتے ہیں مگر جب کبھی ضرورت اصلی چترالی سلاجیت' کشمیری زعفران یا کچے میوے کی شراب' اصلی نافہ کستوری کی پڑ جائے تو کالے کوسوں کا سفر اور کھنکتی چمکتی اشرفیوں کی تھیلی درکار ہوتی ہے۔

چاچے شیر علی ایران والے نے' جانے کس ترنگ میں آ کر مجھے ادھر صلا بیا (لیبیا) جیسے دور دراز صحرا میں ایک غیر معروف سی جگہ' ادھر شاید گنتی کے چند جھونپڑے اور بہت سی بے نام و سنگ قبریں...... جن پہ اگر بھاری پتھر نہ دھرے ہوں تو وہ قبریں دکھائی ہی نہ دیں۔ پہنچنے کا مشورہ یا حکم دیا تھا۔ ظاہر ہے اگر اس نے مجھے ادھر پہنچنے کا کہا تھا تو وہ خود بھی ادھر کبھی پہنچا ہوگا...... لیکن مجھے یہ نہ بتایا گیا کہ میرا ادھر پہنچنا کیوں ضروری ٹھہرا ہے اور نہ ہی یہ نشان دیا گیا کہ کس سے ملنا ہے اور کیا لینا دینا ہے؟...... ایسے کسی سوال کا جواب' میرے پاس نہ تھا۔ یہ سلسلۂ وفا بھی عجیب ہوتا ہے کہ لبوں کو اذن جنبش نہیں ہوتا...... سوال کرنا یا کچھ کہنا پوچھنا درکنار' کچھ سوچا جانا بھی کفر کی ذیل میں آتا ہے۔ دل جما کے سر جھکا کے تسلیم کا اشارہ دینا پڑتا ہے...... سو میں بھی یہ کر گزرا تھا۔ کئی ماہ و سال سے میں...... اسی انتظار میں تھا کہ کب ادھر کی راہیں کھلتی ہیں اور میں ''صحرائے شوق'' میں ایک ذرہ ریگ کی مانند شامل ہو جاؤں گا۔

آسمان پہ چمکتے ستارے' آگے پیچھے دائیں بائیں ہر سو انسان ہی انسان...... درخت پہاڑ وغیرہ بظاہر دیکھنے کو ایک سے ہی لگتے ہیں...... جیسے ٹوکرے میں پڑے سیب...... خوشے میں جڑے انگور...... تاجور انار میں خوش رنگ خوبصورت یاقوت دانے...... ایک دانۂ ریت کا...... انسان اور اس کا کمپیوٹر ان ریگ ذروں کو صحیح سے گنتی کرنے سے عاجز آ جائے گا...... سیکڑوں ہزاروں لاکھوں اربوں کھربوں اور پدموں کے بنیادی اعداد و شمار کے انبار' کپڑے کے تھانوں کی مانند تہہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ بشر کی عملی عقلی علمی' فکری بصیرتی اور استعدادی صلاحیتیں محدود و مسدود ہیں ایسے ہی کچھ راز' جو مالکِ کُل نے اپنے اس شہکار سے اخفا میں رکھے...... ایسا نہ ہوتا ہر کوئی اپنی جگہ پہ خدا بنا بیٹھا ہوتا......؟

اللہ' خالق و مالک و رازق کے بارے جو متامل و منکر ہو' اسے اُٹھا کر بیچ گہرے سمندر اندر کسی ناؤ پہ اُتار دیا جائے یا ماؤنٹ ایورسٹ' گلیشیر پہ بٹھا دیا جائے یا کسی گھنے جنگل کے درمیان ڈال دیا جائے یا کسی لق و دق صحرا میں پہنچا دیا جائے...... تو کچھ ہی دیر میں ماننے پہ مجبور ہو جائے گا کہ اُس کا اور اس صحرا کا بھی کوئی خالق ہے...... وہ مٹھی بھر ریگ اُٹھائے اُس کے ذرّے گننا شروع کرے...... بہت جلد وہ ریت پھینک دے گا اور پکار اُٹھے گا...... بے حساب و بے شمار صرف اللہ کریم کی ذات ہے۔ سمندر پہاڑ جنگل صحرا اور بھی سب کچھ محض اُس کے مظہر ہیں۔

Scanned with CamScanner

خلیل جبران نے کہا تھا...... صحرا کے اَنگنت ذرّوں میں سے کسی ایک کا سینہ چیر کر جھانکو، غور سے دیکھو تمہیں ایک مکمل کائنات، جس میں چاند سورج، سیارے ستارے، کہکشائیں، متگھٹ، سیاہ غاریں، بروج، ساکنانِ افلاک اور جو کچھ اِس کائنات میں ہے...... نہریں دریا جھیلیں، موسم، پہر، رُتیں، میدان، سمندر پہاڑ جنگل صحرا، نخلستان گلستان وغیرہ، اِک پورا نظامِ ہستی قدرت و فطرت کی مکمل کارفرمائیاں بلکہ اِس سے بھی سوا دکھائی دے گا۔؟

جب کہیں عالمین کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو مطلب یہ نکلتا ہے...... اَنگنت جہان، عالم...... جن تک ہماری علمی عقلی اِدراکی رسائی نہیں ہے اور نہ ہی وہ بینائی گہرائی اور گیرائی کہ ہم اُنہیں دیکھ سکیں مگر جنہیں اللہ مالک و خالق نے عطا کیا ہو......!

اِنسان اگر اشرف المخلوقات ہے تو اِس کا مطلب یہ نہیں کہ دیگر مخلوقات اسفل مخلوق ہیں...... اللہ تعالیٰ جب مخلوق میں کسی کو کوئی اعزاز تفویض کرتا ہے تو یونہی نہیں بخشا جاتا بلکہ اُسے اِس اہل بھی بنایا جاتا ہے جبکہ وہ خود کو بھی اِس قابل بناتا ہے۔ اگر وہ خُود کو اِس شرف کے اہل ثابت نہیں کر پاتا یا کوئی کوتاہی برتتا ہے تو پھر اِک مخلوق محض ہی رہ جاتا ہے...... مخلوق محض ہو یا مخلوق خاص! بہر حال مخلوق تو ہیں ہی...... فرق صرف شرف، احساسِ ذمہ داری اور عمل کا ہے......!

تجلۂ صحرائی میں رات کسی عنبریں سی طرحدار عروسہ کی طرح سے اُترتی ہے کہ ذرّہ ذرّہ شوقِ وصل میں سرشار ہو کر دَمکنے اور چمکنے لگتا ہے...... آہوانِ آوارہ، دیگر ساکنانِ صحرا، خوش نوا طیور و مور اور کانڈل کیوڑے کی مہکاریں بکھیرتی ہوئی پُروائی......!

صحرا تھلوں میں سفر کرنے والوں کی سماعت بصارت اور حسِ لطیف میں اگر برکت ہو تو وہ یہ سب کچھ دیکھ، سُن اور محسوس کر سکتے ہیں۔ ریگزاروں میں سراب خُشک دلدلیں...... ٹیلے ٹیکرے جھاڑ جھنکاڑ، جھکڑ، جھولے، کھال جھلساتی گرم ہوائیں...... آنکھیں پھوڑتی ہوئی ریت کی چمک...... مسافر کے لیے بہت بڑی آزمائش ہوتے ہیں۔ دن بھر سفر کرنے والوں، سوا نیزے پہ سورج کی جان لیوا تمازت جھیلنے، جھلستی ریت سے سُوجے، فگار پاؤں کی ٹیسیں، دورانِ حرکت تو کم مگر جونہی استراحت کے لیے کمر کھولی تو آنکھیں دکھانے لگتی ہیں......

اگر کہیں کسی بھیڑو کا نٹے نے "ڈنڈی" رکھ دی ہو تو اُس کا سواد الگ آتا ہے۔ ویسے بھی کھیس (چوہا)، نیز گلہری، اُلٹا جنم لینے والے پانچ پیچ دانتے بچے، لال گانی والے طوطے، جنگلی بیری کا کانٹا، پیلی بھڑ، کالی شہد کی مکھی، ڈیمو، سنپولیا، بچھو، خارِ مغیلاں اور تھلوں صحراؤں میں جا بجا پائے جانے والی جھاڑی ببولی کے خمدار کانٹے جو خشک ہو کر ببولی کی جھاڑی سے جھڑ کر اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں۔ تیز ہوائیں جھکڑ آندھیاں اُنہیں دُور نزدیک اُڑتی ہوئی

Scanned with CamScanner

ریت میں شامل کر دیتی ہیں اور یہ ریت میں دبے ہوئے دکھائی نہیں دیتے...... گو شتر کے پاؤں چپٹے اور سخت ہوتے ہیں اس کے باوجود یہ خمدار تیز اور سخت زہریلا کانٹا اُسے بھی بے بس کر دیتا ہے۔ عام بندہ تو دو قدم چلنے سے بھی معذور ہو جاتا ہے۔ اسے ایڑی تلوے سے نکالنے کے لیے بھی اک خاص ڈھنگ ڈھب کی ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی اور عُجلت سے کام لیا جائے تو یہ پاؤں کے اندر ٹوٹ جاتا ہے۔ دراصل اس کی اَنی ہی اصل زہر ہوتا ہے جب یہ اندر گوشت میں رہ جاتی ہے تو بے حد تکلیف ٹیس پیدا کرتی ہے۔ پاؤں اور گھٹنے ٹخنے کی رگوں نسوں میں جکڑن پیدا کرنے کا سبب بھی بنتی ہے۔ ایسا کوئی کم ہی پیادہ مسافر ہوگا جس کے پاؤں میں چھالے نہ پڑیں یا خار مغیلاں نہ چبھیں......!

دُنیا کے چند بڑے وسیع و عریض' پُراسرار' عجیب و غرائب خطرناک صحرا اور تھل جو اپنی جغرافیائی' تاریخی' موسمیاتی' حیاتیاتی اور رُوحانی حیثیت سے بھی اپنا ایک مقام و شہرت رکھتے ہیں...... مجھے مختلف حالات و وجوہ کی بنا پہ صحرا گردی کے مواقع حاصل ہوئے۔ اسی تلاش و جستجو' آوارہ گردی سیاحت کی اک اوکھی سی منزل یہ لیبیا کے سحارا بھی تھے۔ اسی طرح کالا ہاری' تھر کے صحرا' صحرائے گوبی' تکلا مکان' اوچی' راجستھان' بیکانیر' سعودیہ کے صحرا...... بلوچستان' رحیم یار خان' سندھ کے تھل روہیاں وغیرہ بھی......!

کہتے ہیں پہلوان' بزرگی میں سستی اور جوڑوں کے درد کے ہاتھوں بہت اوکھا ہوتا ہے۔ ہیجڑا داڑھی چھوڑ کر ہاتھ میں تسبیح پکڑ لیتا ہے کہ ضعیفی میں چہرے کی ڈھیلی کھال پہ موٹے سخت بال مونڈھنا اب اس کے بس سے باہر ہو کر رہ جاتا ہے۔ سپیرا اور شکاری' اکثر اپنے اپنے پیشے یا شوق کے ہاتھوں ہی اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔ جیسے بدمعاش اسمگلر اور دیگر غیر قانونی اخلاقی حرکتیں کرنے والے کتے کی موت مارے جاتے ہیں۔ ملاح کے نخشے میں پانی نہیں ہوتا اور اس کا اَنت بھی اکثر پانی ہی ہوتا ہے۔ بہتے اور گہرے پانیوں' جنگلوں پہاڑوں' بُرفزاروں...... ریگزاروں میں بود و باش رکھنے والوں اور اِدھر سے رزق تلاش کرنے والوں کی زندگیاں...... بچپن جوانیاں' بڑھاپے اور انجام بھی عام انسانوں سے مختلف اور دوبلا دینے والے ہوتے ہیں...... اسی طرح پیشہ وری کی حد تک آوارہ گردی' سیاحت کرنے والے بھی کچھ نارمل سے جاندار نہیں ہوتے...... اُن کا تخم اور خمیر کہیں اور سے پھوٹتا اور اُٹھتا ہے...... پروان کہیں اور چڑھتے ہیں' ثمر بار کہیں کدھر اور خاتمہ بالخیر کہاں......؟ عام انسان کو یہ خاص لوگ' دیکھنے سننے ملنے برتنے اور روزمرہ کے راوِ رَویّوں میں بھی مختلف سے دکھائی دیتے ہیں کہ یہ فطرت کے پروردہ ہوتے ہیں۔

میں اسے کوئی مستورالحال درویش کہہ سکتا تھا کہ خالم کے سب تیور دیوانوں والے تھے۔ دیوانوں کی صحراؤں سے نسبت کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ اس موقعہ پہ کسی "دیوانے" کا ایک "دیوانہ" سا شعر "دیوانہ وار" یاد آیا ہے...... ۔

Scanned with CamScanner

میں تو دیوانہ ہوں صحرا کو نکل جاؤں گا
تم کہاں جاؤ گے معصوم جوانی لے کر؟

ہلکے سے غنودنے مجھے اپنے حصار میں لے لیا تھا...... غنودگی اور پُرسکون نیند میں وہی فرق جو مستی اور سُکر میں ہوتا ہے۔ غنودگی نیند کا برزخ...... جبکہ مستی کا بہکا ہوا اگلا قدم سُکر میں پڑتا ہے۔

اِنسان جب مرنے لگتا ہے تو اُس کی جان پاؤں کے انگوٹھوں سے نکلنا شروع ہوتی ہے جبکہ غنودگی آنکھوں کے پپوٹوں کو پھیلاتے اور پتلیوں کو سکیڑتے ہوئے دماغ کے روزن و روشندان بند کرکے کافوری چھینٹوں سے حواسِ خمسہ کی کابکوں سے ہوش کے کبوتر اُڑا دیتی ہے۔ عقاب اور کبک کبوتر دونوں آسمانوں کو نکیری بناتے ہیں...... آنکھ کے تل سے اُڑ کر بامِ ثریا کی خبر لاتے ہیں۔

اس سے پیشتر کہ غنودگی کی دوشیزگی بانہوں میں جکڑتی بیٹھے بیٹھے گردن ایک جانب لڑھکنے سے جھٹکی تو حواس کی بڑی گرہ سلجھ گئی۔ آس پاس وقت مقصد حاجات مقدرات ایک اِک کرکے صاف ہوئے تو پہلا مطالبہ پیٹ کا سامنے آیا کہ مرو یا جیو...... اس پاپی کا پالن یعنی اس تنور کا بالن دھونکنا فی الوقت اَشد ضروری ہے...... رفتار گفتار کوئی کچھ بھی ہو...... نیکی میں ایندھن کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اُونٹنی کے دودھ خشک کھجور زیتون تل شہد اور جَو کے ملیدے سے پکے ہوئے سنہری رنگت کے خشک تفتان (کاکی) میرے توشہ دان میں موجود تھے۔ صحرانوردوں دُور دراز کے راہیوں کے لیے یہ روٹی ایک نعمتِ مترقبہ سے کم نہیں ہوتی...... دو تین عشرے آرام سے مکمل غذا کا کام دیتی ہے...... جُوں جُوں باسی ہوتی ہے تُوں تُوں خستہ میٹھی خوشبودار اور لذیذ...... دودھ یا پانی میں ڈبو بھگو کر بھی کھائی جائے تو ایک الگ ہی سواد ملتا ہے۔ اس برکت والی روٹی میں ایک اور خوبی کھانے کے دوران یا بعد پیاس کا احساس نہیں ہوتا نہ لقمہ چباتے ہوئے منہ یا حلق خشک ہوتا ہے۔ دو چار بھرپور لقموں سے پیٹ سیر ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ شاید روغنِ زیتون کھجور تل اور شہد ہیں یہ چاروں نعمتیں اللہ کریم کی خاص عطائیں ہیں جو بیک وقت ٹھوس و نرم بھی غذا بھی دوا بھی...... گرم کش سردی گرمی میں کارآمد معتدل مزاج آسانی سے ہر جگہ دستیاب......!

توشہ تھیلی کا تسمہ ڈھیلا کرکے ایک بڑا سا روٹی کا ٹکڑا نکالے لقمہ توڑنے ہی والا تھا...... معاً خیال آیا کہ اس مستورالحال رجلِ صحرا کو بھی پوچھ لینا چاہیے؟ چنانچہ میں اُٹھا اور اس کے سامنے روٹی لے کر کھڑا ہو گیا...... دوسرے پہلو سے اپنے اندر کے کسی مقدمے کی پیشی بھگت رہا تھا۔ کچھ دیر میں یہی سوچ کر خاموش رہا کہ وہ مجھے دیکھ کر کوئی موقع دے اور میں اُسے اپنے ساتھ کھانے میں شامل کروں۔ خیال گزرا کہ وہ کوئی خرقہ پوش مکروہ سالوس ہوتا تو یہاں اِس حال بے حالی میں نہ ہوتا...... صحرا پہاڑ سمندر جنگل اُفق و آفاق کبھی کسی بے چہرہ کو قبول

نہیں کرتے۔ خاص طور پہ صحرا میں تو وہ صبح سے شام اور رات سے سحر کرے جس نے پچھلا جنم کسی ریگ ماہی کا جیون بیتایا ہو...... اشتر خیال مختلف شتر غمزوں میں مست تھا...... دُنیا بھر کے تمام صحراؤں کے ذرّوں سے کہیں زیادہ اس ایک اشرف المخلوقات کے دماغ میں صحرا ہوتے ہیں...... جب صحرا ہوں گے تو دیوانے بھی ہوں گے؟ جب کوئی دیوانہ اپنے اندر کا کوئی ایک صحرا تلاش کر لیتا ہے...... تو پھر وہ اپنے اندر اُترنے میں دیر نہیں لگاتا۔ دیوانوں کے اندر ایک عدد علامتی' ملامتی لیلیٰ بھی ہوتی ہے جس سے وقتاً فوقتاً ''نجونڈی'' کرتے رہتے ہیں۔ اس شغل میں یا تو آبادی ہو جاتی ہے یا پھر بربادی!...... اس وقت' صحرا بھی تھا مجنوں بھی لیلیٰ اور محمل بھی...... وہ اپنے گرد اک گہری تاریکی کی بُکل مارے ہوئے ایک معدوم سا ہیولیٰ دکھائی دے رہا تھا جیسے وہ ہو بھی اور نہ بھی ہو......؟

خدوخال' واضح ہونے کے لیے چنداں روشنی کی ضرورت پڑتی ہے مگر کچھ منظر اور صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بے خدوخال اور مستورالحال ہوتی ہیں۔ وہ دیکھتی ہیں' سنتی اور بولتی ہیں مگر اُن کے کان' ہونٹ' آنکھیں' ناک وغیرہ کچھ نہیں ہوتے' جب میں ایسے بہت سے مشاہدات اور تجربات سے ہو گزرا تو معلوم ہوا کہ یہ سارے لازمے اور تقاضے عام انسانوں کے لیے ہیں لیکن اپنے اندر اُترے ہوئے خود شناس علیحدہ سے لوگ' شاید ایسی ظاہری شناختوں ضرورتوں سے بہت پرے ہوتے ہیں......؟

پانی کے اندر پیرتا ہُوا اور سوچوں خیالوں میں گُم صُم انسان' بے حد سبک اور ہلکا ہوتا ہے۔ اسی طرح بے خودی' بے نیازی اور بے ہوشی بھی ایسی ہی ہوتی ہے۔ میں شاید اُس کے حضور کھڑا کھڑا کسی ایسی ہی کیفیت میں اُتر گیا تھا۔

ایک بے آہنگ سی صوتی لہر میری حسِ سماعت کی کسی فری کوئنسی پہ اُبھری۔

''بیٹھ جاؤ کھانا کھاتے ہیں......!''

یہ ایک واضح آواز تھی جو مجھ تک پہنچی...... میں جدھر کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا...... شانوں سے چادر کھینچ کر نیچے بچھائی...... نیم خشک روٹی کے بھُر بھُرے بھُورے زیتون کا اچار' پانی کی کُپی...... یہ رزقِ صحرائی' نیچے ریگ پہ بچھی چادر کے پلّو پہ پڑا دکھائی دے بھی رہا تھا اور نہیں بھی...... تاریکی میں جب مزید تاریکیاں رَل مل جاتی ہیں تو اک نہ نظر آنے والا اُجالا پیدا ہو جاتا ہے۔ جو آنکھوں کو دکھائی دے نہ دے پر محسوس ضرور ہوتا ہے۔ مجھے بارہا تجربہ ہُوا کہ دُنیا میں کوئی بھی سیاہ رنگ ایک سا سیاہ نہیں ہوتا...... یکساں اوزان' لگا بندھا فارمولا' ایک سا طریقہ ترکیب وترتیب' ایک ہی خام مال...... مستری کاریگر اور نگران بھی ایک...... وقت بھی یکساں...... مگر ایک ہی مشین' پلانٹ یہ تیار ہونے والی مصنوعات...... وہ پارچات' چرم ظروف' کاغذ' پلاسٹک' چوب' دھات حجرات'

Scanned with CamScanner

جسے رنگا جا سکتا ہو' کبھی دو اشیاء کا رنگ' خاص طور پہ سیاہ رنگ ایک سا نہیں ہوتا لیکن اس فرق کو ایک عام آنکھ سے جانچا نہیں کیا جا سکتا......

اِدھر تو کالکیں ہی کالکیں' اندھیرے ہی اندھیرے دھرے تھے...... کچھ بھی تو ایسا نہ تھا جو ظاہری آنکھ دیکھ سکتی ہو؟ ایسے گھپ اندھیروں میں اگر کسی کی کوئی رہنمائی کر سکتی ہے تو وہ صرف باطنی تنویر ہے۔ روشنی اور تنویر میں بہت تفاوت ہے۔ اُجالا روشنی وغیرہ مادی وسائل' انکل کوشش سے حاصل کیئے جا سکتے ہیں جبکہ تنویر' انسانی قدرت سے باہر ہے...... روشنی دکھائی دیتی ہے اور اس کا منبع بھی موجود ہوتا ہے۔ تنویر' روشنی کی رُوح ہوتی ہے جو دکھائی نہیں دیتی' اسے صرف باطنی بصیرت محسوس کرتی ہے......!

ظاہری روشنی اور اُجالے' سورج کی حدت کے محتاج ہیں...... تنویر' تجلائے طور سے مستعار ہوتی ہے...... ''اللہ نور السمٰوٰت والارض'' کے نُور کی ایک اَدنیٰ سی تنویر طور پہ پڑی تو جلا کر سُرمہ کر دیا۔ اُسی اَدنیٰ سی تنویر کے آگے کروڑوں بار قلزموں کے ٹھنڈے پانیوں سے سرد کی ہوئی تنویر......!

؎ دل کو جو شاد کرے رُوح کو پُرنور کرے
ہر نظارے میں وہ تنویر کہاں ہوتی ہے

ایسی باطنی تنویر' کسی صاحبِ اَمر کے ہاں ہی ہوتی ہے...... وہ ظاہری آنکھ سے نہیں باطنی بصیرت سے دیکھتا ہے...... اندھیروں اُجالوں کے قضیئے معاملے تو چہروں پہ ٹکتے دیوں والوں کے لیے ہوتے ہیں...... صاحبِ اَمر کے اندر کی کوٹھڑی میں دل کے طاق پہ دھرے دیے کی تنویر چھن چھن...... اک عالم کو منور کیے ہوئے ہوتی ہے۔ وہ اس کے نُور کے جھالے میں کائنات کے اِک اِک ذرّے کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ صاحبِ اَمر' اپنے شرف میں صاحبِ رائے' صاحبِ نظر' صاحبِ ارشاد' صاحبِ قیل وقال اور صاحبِ قلم وقرطاس بھی ہوتا ہے......

فقر وتصوف کے یہ دیگر تمام منصب و مدارج' مقام ومنازل' اللہ کریم جسے بھی چاہے ودیعت فرما دے؟ یہ سب کسی رہبر مرشد' پیر مردِ کامل کی تعلیم وتوجہ یا ذاتی کوشش' ریاضت ومجاہدت سے بھی حاصل ہو سکتے ہیں...... نصیبوں اور استقامت کا بھی دخل ہوتا ہے۔ اس کے حال ونسب نسبت بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ جنم لینے کی ساعتیں وقت بلکہ پل پہر دن دیہاڑ بھی شامل ہوتے ہیں...... اَرضی افلاکی ساعتیں گردشیں' نجوم و بروج کی نشستوں برخاستوں کی مقناطیسی استعانتیں بھی پیش پیش ہوتی ہیں...... غرضیکہ ایسے دُکھرے اور سُلکھڑے لوگوں کے ظاہری باطنی اجزائے ترکیبی ہی مختلف ہوتے ہیں۔ سالک اور مجذوبوں کے مقامات کے آگے کے یہ فرد وحید' عام طور پہ گوشہ نشین رہتے ہیں...... ترکِ دُنیا نہیں کرتے۔ عوام الناس کے درمیان ایک عام انسان کی طرح پہچان رکھتے ہیں...... شاذ کوئی پہچان میں بھی آ جائے تو متردّد نہیں ہوتے...... عالمِ موجودات

Scanned with CamScanner

میں ہوتے ہوئے بھی' عالم حیرت وحجاب میں غوطہ زن' قائم اللیل اور صائم نہار...... ہر لحہ ہر پل' رجوع الی اللہ رہتے ہیں۔ بیکاری بیزاری نہیں سوچتے......!

ماضی قریب و بعید اور حال رواں میں بھی بہت سی ایسی پاکیزہ نفس ہستیاں موجود تھیں اور ہیں بھی۔ وقت زمانہ کا کوئی پل ساعت ان کے وجود سے خالی نہیں رہتا کہ اک عالم ان سے فیض یاب ہوتا ہے۔ جیسے ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے اور پھر جا کر کہیں کوئی چمن میں دیدہ وَر پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ چرخ کہن بھی' مدتوں اپنی کوتاہ نظری پہ گریہ کرتا ہے تب کہیں اُسے کوئی صاحبقراں دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔

مردانِ افلاک' محرمانِ آفاق' صدیوں ایسی سعد ساعتوں کے منتظر رہتے ہیں کہ جب مشتری اور زحل ایک برج میں قریب یا قیام پذیر ہوں...... مہر گیتی افروز کی توانائیوں میں مہربانیاں شامل ہوں اور بہاؤ' کرۂ تراب کی جانب ہو...... ماہِ نیم ماہ کی تابانیوں تبسم ریزیوں سے وادیٔ ایمن...... چاہِ شعیب' عین ناف اُوپر' سمت الراس کھنچا ہوا ہو...... اللہ کریم مہربان تو پھر کہیں کوئی صاحبقراں' منصۂ شہود پہ آتا ہے......

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نور پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ایسے ہی صاحبقراں کی طرف اشارہ ہے۔

صاحبقراں! حاکم وقت بھی ہو سکتا ہے' مفتی قاضی' حکیم طبیب' محتسب بھی...... لیڈر' سائنسدان بھی' موچی جولاہا اور لوہار بڑھئی بھی ہو سکتا ہے...... وہ دین کے ساتھ دُنیا کی اہمیت سے اِنکار نہیں کرتا...... توکل تقوی کے ساتھ عمل' کوشش اور ہمت جرأت کو بھی ضروری گردانتا ہے۔ شکر گزاری' احسانمندی اور عفو درگزر' اس کا نمایاں شعار۔ خودداراور ''اپنی مدد آپ'' کی ترغیب دیتا ہے۔ غلامی اور آزادی کے معنوں کو خوب جانتا ہے۔ عجز و انکساری کی طاقت اور مقناطیسیت سے واقف ہوتا ہے۔ نظم و ضبط' اتحاد و یقین محکم اُس کے بنیادی زریں اُصول ہوتے ہیں۔ اُس میں قیادت' نظامت' سیاست' امانت و دیانت' افہام و تفہیم اور دلنوازی ہوتی ہے۔''

ہر عصر و زمانہ میں کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین صاحبقراں بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کی شناخت میں اولاً ان کی شخصیت' قول و فعل ہیں۔ اس کا بعد ان کی دین و دُنیا کے معاملات میں فعالیت اور مقبولیت...... پیشانی پر مہرِ اَمراور پاؤں کے تلوؤں میں خمِ قوسین' ان کی پہچان ہوتی ہیں مگر یہ شناختیں صرف کوئی چشم بینا والا ہی جان سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

● صاحب' بابا صاحب اور صاحبقراں......!

ماضی بعید و قریب' حال و عصرِ رواں میں بہت سی قابلِ ذکر "صاحب' بابا صاحب اور صاحبقراں" ہستیاں ظاہر ہوئیں۔ جنہوں نے اپنے منصب وتشرف کے تحت' دین و دُنیا کی معاملت کے بہت سے اہم فرائض سرانجام دیئے۔ جن میں قیادت' نقابت' سیاست و سیادت' تصوف و تدین پیش پیش تھے...... امیر تیمور' شاہجہان اور قائدِ اعظم محمد علی جناح جیسی ہستیوں کی مثال دی جا سکتی ہے۔ کچھ اولیاء کرام صوفیاء اور دیگر مذہبی ہستیوں اور مشہور لوگوں کی بابت بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ صاحب' بابا اور صاحبقراں تھے۔

مجھے بھی دو چار ایسی ہستیوں کو ملنے اور دیکھنے کی سعادت حاصل ہے۔ ان ہستیوں کو محض دیکھ لینا ہی بڑی خوش نصیبی کی بات ہوتی ہے۔ جدھر یہ موجود ہوں اُدھر آس پاس کی فضاء اِک مخصوص سی مہک سے رچی بسی ہوتی ہے۔ میٹھی میٹھی دُھوپ اُتری ہوتی ہے......

پھیلی ہوئی ہے آس پاس آنکھوں کے دھوپ سی
یہ آپ ہیں تو آپ کے قربان جایئے

یہ وہ نادر نفوس ہوتے ہیں جن کی بعثت قدرت کی مشیت کے تحت ہوتی ہے جو افلاکی اُرضی سعد استعانتوں' مخصوص باد و تر آب' آتش و آب' خیر و خوبی میں خاص اور تشرف و تصرف میں بھی تمام ہوتے ہیں...... جس طرح دُنیا میں بلائیں اور شریر شیطان' ظالم و رند وصفت اناس ہوتے ہیں یا کسی نہ کسی حوالے سے متعین ہوتے ہیں اسی طرح اللہ کریم کے کریمانہ نظام کے تحت' فرشتہ سیرت' خضر صورت' مسیح نفس' دستگیری کرنے والے' نجوانوں بھٹکوں کو راہ دکھانے والے' انسانیت کے پرچارک' محبت' اخلاص اور شفقت سے پیش آنے والی ہستیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔ کائنات کے کاروبار دُنیا کی دوکانداری اور حیات و حساب کے سارے سلسلے اِن کے رُوبرو' "باادب باملاحظہ ہوشیار" "مؤدب کھڑے ہوتے ہیں۔"

سات آسمانوں کی مانند' کوئی پہلا اور کوئی دوسرا تیسرا...... اور آگے ساتویں تک...... کوئی پیدائشی مختون ہوتا ہے۔ کوئی مکمل دانتوں' پورے سیاہ یا سفید بالوں سمیت جنم لیتا ہے' کوئی پیدائشی ناطق' کوئی حاذق...... قطبی تارے کے سائے میں تو کوئی ماہِ کامل کی گود میں!...... کچھ ایسے بھی جو ماں کے پیٹ سے نبوت لے کر آئے...... ولی کامل' حافظِ قرآن' جنت کی بشارت' شہادت کی سعادت' "معجزات و کرامت کے ساتھ......
صاحب اِقبال' صاحب اختیار' صاحب تدبیر' صاحب جوزا' صاحب دل' صاحب جذب' صاحب رائے'

Scanned with CamScanner

صاحبِ ذکا وفکر' صاحبِ ولایت' صاحبِ فضل و دانش'...... بس' یہ سب اور دیگر جو اللہ مالک و خالق سے مراعت یافتہ منتخب' صاحبِ جود وسخا اور صاحبِ جمال وجلال ہوتے ہیں۔ جن کی کھلی آستینوں میں خورشید اور بند مٹھیوں میں مہ وانجم ہوتے ہیں۔ ایسی ہستیوں کو پہچاننا چنداں آسان نہیں ہوتا اور شاید ایسا مشکل بھی نہیں...... اگر سر پہ کسی کا دستِ فیض اور دیدوں میں کسی کبیرے نے کحل طور کا سرمچو پھیرا ہو......!

حضرت الیاس علیہ السلام' حضرت خضر علیہ السلام' ذواتِ قدسیہ نوریہ' خاص طور پہ منتخب جن و بشر اور دیگر ارضی' ہوائی' آبی اور آتشی مخلوقات اشجار و حجرات وغیرہ...... یعنی کائنات کا سارا کاروبار' انسانیت کے فلاح و بہبود اور رہبری کے لیے متعین ہوتا ہے...... صرف ہم اپنی بے بصری کی بنا پہ جان پہچان نہیں پاتے۔

پہلے دن سے لے کر تا دمِ تحریر' میری تمام حیاتی ' گنبدِ آبگینہ رنگ کے گرد' آوارہ گردی میں ہی گزری...... خدا کی خدائی بہت بڑی ہے' انسان نہایت کمزور اور محدود!...... لگتا ہے ابھی کچھ دیکھا ہی نہیں' میں کہیں گیا ہی نہیں...... اپنی ذات کے انڈے سے باہر نہیں نکلا۔ نہ ابھی اپنی پہچان ہوئی اور نہ کسی کھوٹی کھری دوکان کے سچے جھوٹے سودے کا سود و زیاں دیکھا...... انسان ساری زندگی محوِ گردش اور مبتلائے سرزنش رہتا ہے' خوش رہتا ہے' ناراض رہتا ہے...... سچ کہتا ہے کوڑ کہتا ہے...... اسی اوکھ سوکھ میں آخر ایک دن مٹی کی چادر اوڑھ کر' حشر تک لمبا لیٹ جاتا ہے' پھر...... نہ جنوں رہا نہ پری رہی...... خودی نہ خودسری رہی...... بے خبری کی گہری دھند ایسی دوری کی دوڑی لاتی ہے کہ لیت و لعل' لے لیجئے' سب لونن ہو جاتے ہیں۔''

میرے بابا جی اشفاق احمد کہا کرتے تھے۔ آپس میں سلامتیاں' خیر اور محبتیں بانٹنے والے بنو...... جیسا کہ سطورِ بالا میں لکھ چکا ہوں کہ کارخانۂ کائنات میں جو بھی کچھ دکھائی دیتا ہے اور وہ جو نظر نہیں آتا' جو سمجھ میں بھی نہیں آتا اور وہم وگمان' قیاس وقیافہ' ابداع' ادراک بھی سے خارج ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کریم کے اس عظیم شہکار' خلیفۃ الارض حضرت انسان کی آسانیوں آسائشوں اور خوشیوں برکتوں کے لیے ہے جبکہ محور انسان ہے' جبکہ دیگر تمام مخلوقات کی وجہِ تخلیق' اس پہ کشاد' کشکش' مزید کے باب کھولنا ہے۔ جیسے ننھے پیارے بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور ذہنی' جسمانی نشوونما کے لیے ایسے کھلونے فراہم کیئے جاتے ہیں جو دیکھنے میں خوبصورت' دلچسپ' بے ضرر اور توجہ کھینچنے والے ہوں...... جو اس کی دماغی صلاحیتوں اور جسمانی بافتوں کو مستحکم کرنے میں ممد ثابت ہوتے ہوں۔ ان میں تمیز توجہ' تمنا اور تلذذ پیدا کرنے کا موجب بنتے ہوں۔ انسان کے گرداگرد کا تمام سیزیو یہی ثابت کرتا ہے کہ اس ''بزرگ بچے'' کے بہلاوے' سکھلاوے اور دکھلاوے کی خاطر یہ کائنات کا ''گھروندہ'' اور دیگر مخلوقات جیسے ''کھلونے'' تخلیق فرمائے گئے۔

تمام عمر کی بادیہ پیمائی کے کھجلی نے میری ظاہری باطنی بے پناہ تربیت کی۔ ایسے ایسے خفتہ نہفتہ علوم'

Scanned with CamScanner

فن و ہنر، حکمتیں، مصلحتیں، قدرتیں سیکھنے دیکھنے اور سمجھنے کے لیے سامنے ہوئیں کہ جو شاید کہیں اور سے نصیب نہ ہوتیں...... سچ ہے کہ قبر میں اُترے بغیر تنہائی، تاریکی، تنگی، تشنگی، تشویش اور تقصیر کا سچا احساس اور کہیں نہیں ہو سکتا...... تکلہ کے ریگزاروں میں اندھی خشک دلدلوں میں، ریگ گھڑی کے دانہ دانہ ریگ کی مانند نیچے دھنستے ہوئے کسی جاندار سے کوئی جا پوچھے کہ ریت بھری کھلی آنکھوں سے بے چارگی، بے بسی کی موت سے ہم آغوش ہونا، کیسا روح فرسا اور کس قدر اندوہناک تجربہ ہوتا ہے؟...... تیر دل میں پیوست ہو یا تلوار نے پہلو دو نیم کر دیا ہو...... گولی گردن سے گزر گئی ہو یا پھانسی کے رسّے کی گرفت اور لٹکے ہوئے جسم کے بوجھ سے گردن کی ہڈی کی گرہ کھل جائے تو دفعتاً بندے کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے کوئی کسی کو بلندی سے نیچے دھکا دیتا ہے تو بلندی سے نیچے کی جانب گرنے والا، درمیان میں ہی مر جاتا ہے لیکن اگر ناگہانی کا شکار ہو کر کسی ایسی پھائی میں پھنس جاتا ہے جس کا انجام ہلاکت ہو تو یہ ایک اذیت ناک اور انتہائی بھیانک موت ہوتی ہے۔

- **جو دوا کے نام پہ زہر دے اُس چارہ گر کی تلاش ہے......!**

زہر پینے کے تین طریقے ہوتے ہیں...... زہر پیالہ اُٹھاؤ، ذائقہ اور انجام جانے بغیر غٹ غٹ چڑھا جاؤ اور اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاؤ...... جرعہ جرعہ، ذائقہ اور انجام محسوس کر کے پیو گے تو موت سے پہلے کئی موتوں مرو گے یعنی سو جوتے بھی اور سو پیاز بھی!...... اب تیسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی جبڑے میں ڈنڈی ڈال کر زبردستی تیز آب، حلق میں اُنڈیلے...... یہ انداز بہت تذلیل آمیز اور بھیانک ہوتا ہے۔ ہلاک ہونے والا تو کسی نہ کسی طور اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے مگر جبر کر کے موت کے گھاٹ اُتارنے والے بھی چلتے پھرتے مُردوں کے بھوت ہی ہوتے ہیں۔

زہر پیالہ، اُمرت جام بن جاتا ہے اور اگر میرابائی اور سقراط پئیں...... اور سم ہلاہل بن جاتا ہے جب طاغوتی استعانتوں کے حامل، رُوسی طبیب اور ساحر راسپوتین کو مکر اور جبر سے پلایا جائے۔ بے خطر آتش میں کود پڑنے سے ہی آگ گل زار بنتی ہے...... سسک سسک، گھٹ گھٹ جیون بتانے والا گھسیٹے رام تو ہو سکتا ہے، گھن شیام نہیں......!

غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ اس اشرف المخلوقات کے علاوہ دیگر مخلوق، بشمول قراۃ الملا، ہوا، تراب اور نار! سبھی اللہ کریم کی حمد و ثناء اور اس اشرف المخلوق کی اطاعت و خدمت میں مگن ہیں...... مَیں نے دیکھا کہ راہ کے پتھر، درخت، گُل بوٹے، جھاڑ جھاڑیاں، مٹی کے تنے تودے، حتیٰ کہ منظر، آسمان، برق و باد، ہوا، آندھی، جھکڑ

Scanned with CamScanner

طوفاں...... پانی کے ریلے سیلاب' ستارے' چاند' خوشبوئیں' بدبوئیں' آوازیں سنسناہٹیں' پرندوں کی چہچہاہٹ' پرواز کا رُخ...... غرضیکہ ہر کوئی رہرو کی رہبری پہ آمادہ خاطر ہوتا ہے۔ اسی طرح زندگی کے سفر میں بھی انسان کے مسائل و معاملات' طلب و جستجو' شوق و ذوق میں جب کوئی اُلجھن پیدا ہوتی ہے تو اُس کے حل کے لیے بھی کوئی نہ کوئی دستگیر سامنے آ جاتا ہے۔ انسان اِسے محض اتفاق سمجھتا ہے جبکہ یہ عین اَمر ہوتا ہے۔

انسان کی بود و باش کے لیے سنگ و خشت' لکڑی مٹی یا قدرتی غاریں' درختوں کے نیچے اُوپر پناہ گاہیں ہوتی ہیں۔ چونکہ انسان ایک متمدن جانور ہے۔ آسائش سہولتیں' آسانیاں خوبصورتیاں' قرینہ سلیقہ' اَدب آداب وغیرہ' اس کی ترجیحات میں شامل ہوتے ہیں۔ تمام زندگی وہ انہی کے حصول کے لیے بے چین رہتا ہے باوجود بے پناہ کوشش و ہمت کے وہ کبھی مطمئن نہیں ہوتا...... دو چار آنچوں کی کسر ہمیشہ سامنے رہتی ہے۔ بے طرح کی حرص طلب کا پیالہ کبھی لبریز نہیں ہوتا۔

مطمئن لاغرض اور بے خوف و خطر تو فقیر درویش آوارہ گرد اور رَمتے جوگی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ہاں کوئی لائی پائی نہیں رکھتے...... نہ کچھ پانے کی خواہش اور نہ کچھ کھونے کا کھٹکا کہ اُنہوں نے تو اپنا جھٹکا کیا ہوا ہوتا ہے۔ اسی لیے اُن کے ہاں بھٹکا نہیں ہوتا۔

یہ تو طے تھا کہ نہ وہ کوئی بھٹکا ہوا رہرو تھا اور نہ مَیں کسی ڈار سے بچھڑا ہوا پکھیرو...... یا شاید ہم دونوں لیرو کتوں کی طرح' گنجان جنگلے میں اپنی اپنی لیری مجوں کی کھوج میں تھے۔ جنس سے بچھڑا ہوا کتا...... کتی کا ٹھکرایا ہوا کتورا اور برسات کی بہار میں جگہ جگہ کلبلاتے ہوئے کیڑے بچھوئے' بڑا کرب و کساد پیدا کرتے ہیں......

آپ کے مشاہدہ میں آیا ہوگا کہ پیشہ ور کوئی بھی ہو...... کہیں بھی ہو اور کسی بھی حالت میں ہو؟ وہ اپنی پیشہ ورانہ شناخت' عادت خصلت اور اپنے مخصوص رَوّیے کبھی چھپا نہیں سکتا اور نہ کبھی اُن سے اپنی جان چھڑا سکتا ہے۔ کبھی کسی مجبوری یا حالات کے تحت جوں جوں چھپانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ توں توں مزید ننگا اور بدنما ہوتا جاتا ہے۔ سرخ رنگ کا شربت' کسی لال رنگ کے لباس پہ گر کر اپنی رنگت تبدیل نہیں کر سکتا بلکہ اپنے نشان دھبے کو مزید گہرا کر دیتا ہے۔

پیشہ ور چوروں ڈاکوؤں' جیب تراشوں' فوجیوں' پولیس خفیہ والوں اور بھکاریوں وکیلوں سیاستدانوں کی طرح یہ فقیر فُقرے' درویش صُوفی' جوگی سنیاسی اور نگر نگر ڈگر ڈگر' جنگل بیلے' پہاڑ صحراؤں میں بادیہ پیمائی کرنے والے آوارہ گرد بھی ایک لحاظ سے پیشہ ور ہی تو ہوتے ہیں۔ بے ننگ و نام' برباد بیمار' ذلیل و خوار' بھوکے ننگے' بے آسرا اور بے خانماں بے نشاں' خستہ حال و تشنہ کام رہنا یا ہونا بھی تو ایک پیشہ' کاروبار ہی تو ہے

Scanned with CamScanner

یہ الگ بات کہ یہ پیشہ کن مصروفیات اور سُودوزیاں کے کس انداز اور فلسفہ کو پیش کرتا ہے؟
دیگر پیشہ وَروں کی طرح اس خانہ خراب پیشہ کے کاریگر بھی اِک دُوجے کو یک نگاہی میں ہی اپنی چھبتی نظروں سے نکال لیتے ہیں۔ رُوبرو ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی...... کئی کئی کوس دُور دُور سے نامحسوس سی مخصوص مہک لہک اِن کی موجودگی کا احساس دلا دیتی ہے۔ مگر صرف انہیں جو اسی قبیل کے پیشہ وَر ہوتے ہیں۔
مَیں شادی بیاہ اور غمی سوگ کی تقریبات میں شمولیت سے حتی الوسع گریز کرتا ہوں۔ اس کے باوجود کچھ جگہیں یا حالات ایسے ہوتے ہیں کہ مجھے بادلِ نخواستہ اُدھر جانا پڑ جاتا ہے۔ شامل نہ ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ مَیں مردم بیزار ہو چکا ہوں۔ اپنوں بیگانوں کی غمی خوشی میں شریک ہونا پسند نہیں کرتا یا مَیں نے بیراگ لے لیا ہے' گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے...... یا پھر یُوں کہ مَیں انتہا کا خود پرست واقع ہوں' دوسروں سے ملنا جلنا کسرِ شان سمجھتا ہوں...... اِن میں سے کوئی بات بھی دُرست نہیں...... اصل پریشانی یہ ہوتی ہے کہ ایسے کسی بھی ماحول میں جاتا ہوں تو لباس پہنے ہوئے بھی خود کو بُری طرح برہنہ محسوس کرتا ہوں۔ اگر پوری برہنگی میں کچھ کسر کی رہ گئی ہو تو اُدھر لوگ تُوم تُوم کر الف لِلا ننگا کر دیتے ہیں اور آگے پیچھے ہاتھ رکھے' مجھے وہاں سے بھاگنا پڑتا ہے۔
اسی وجہ سے مجھے دو چار بار انتہائی نامساعد صُورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا...... تکنی ایسی خطرناک صُورت اختیار کر گئی کہ علیحدگی اور طلاق تک نوبت آ گئی۔ دُولہا بیچارہ' اپنے ماں باپ اور بہنوں کے ساتھ اسٹیج پہ رونق افروز ہے مگر باراتی اور دیگر مہمان مجھے گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں...... کیمرے چل رہے' آٹوگراف دیے جا رہے ہیں...... لگتا ہے جیسے اصل دُولہا تو مَیں ہوں...... شاکالے کپڑوں والا مجہول...... جنگلی ببول کا میز جانول...... جسیلی نہ بید...... اُلٹ نہ سیدھ...... بھونڈوں کا کھکھرا...... بھیں بھیں باجے کا ٹکڑا...... بکی نالی کا گیا ٹکڑا' ذات کی کوڑھ کرلی اوقات کی کالی بلی' پٹھان کا نوٹ گھڑی میں وَلی' گھڑی میں بھوت؟...... سارے میرے دوالے ہوتے ہیں...... دُولہا دو ٹکے کی اوقات' بجز بھونبوں کی ذات! گنجے سر پہ سنہرا سہرا اٹکٹ بجھائے' آنکھوں میں سُرمہ لگائے...... نئی سجائی مسند پہ مُتھرا کے اُس پیشہ وَر پانڈے کی اکڑ دھکڑ میں ہوتا ہے جو تازہ تازہ دُسہرے کا سیزن بھگتا کر رحمت اور مال بنا کر واپس اپنے گھر آیا ہو اور گاؤں والے اُسے اپنے مندر میں منڈل پہ بٹھائے آشیرواد لے رہے ہوں۔''
کئی دُولہوں کے سرپرستوں نے دُولہے کی بے قدری پہ ناراضی کا اظہار بھی کیا...... بغیر ڈولی کے جانے کی دھمکی بھی دی۔ ایسے بہت سے ناخوشگوار واقعات ہیں...... غمی کی موقعوں پہ بھی تعزیت کرنے والے میت اور اُن کے غم زدہ پس ماندگان سے اغماض برتتے ہوئے میرے چٹکلوں اور چُٹکے دار گفتگو سے محظوظ ہوتے ہیں...... ایسا بھی ہُوا کہ دفن میں تاخیر ہونے پہ مرحوم نے کفن کے بند تسمے ڈھیلے کرتے ہوئے' وہیں سے ہانک

Scanned with CamScanner

لگائی...... ''میرے پیارے عزیزو! اس باپ کی باتیں بعد میں سننا پہلے مجھے تو قبر میں اُتار لو۔ اس کی باتوں اور کتابوں میں پھنسنے والا کبھی رہائی نہیں پاتا۔ میں آج اس حال میں اسی کی بدولت پہنچا ہوں۔ میرے دوستو' رشتہ دار اور محلّے دارو! یاد رکھو مرنے کے بعد دفن...... شادی کی عمر کو پہنچنے پہ نکاح اور بھوک لگنے پہ کھانے میں تاخیر سے کچھ خاطر خواہ قسم کے نتائج برآمد نہیں ہوتے۔''

کچھ مرنے والے تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ جاتے...... ''اس باپ سے بچو' یہ کوے کھاتا ہے نہ مرتا ہے اور نہ دوسرے مرنے والوں کو عزت سے مرنے دیتا ہے...... سچ کہ ملامتی باپ تو موت کے فرشتے کو بھی دَرخورِ اعتنا نہیں گردانتے۔''

بات کر رہا تھا کہ پیشہ وَر لوگ' ایک دوسرے کی پہچان کر لیتے ہیں یا خود بخود ان کی آپس میں پہچان ہو جاتی ہے...... اِدھر بھی ایسی ہی بات تھی۔ فرق صرف چھوٹے بڑے چور ڈاکو کا تھا۔ اُس نے محسوس کروایا کہ وہ میری چیٹ کی ہوئی روٹی کھا رہا ہے...... اسی طرح میں نے بھی ایک چھوٹا سا ٹکڑا روٹی کا منہ میں رکھ لیا تھا۔ درمیان میں بظاہر خاموشی' مگر آپس کی باطنی گفتگو جاری تھی...... جب کچھ کھا اور کہہ سن چکے تو اذن ملا کہ اُٹھو اور پیچھے پیچھے بندھے چلے آؤ۔

مقناطیس کا محور جب کشش دیتا ہے تو حلقۂ قرابت کا ہر نفس و ندیم' بلا اگر و مگر و ارادہ' اُدھر رجوع کرتا ہے۔ مرضی مولا از ہمہ اولیٰ کا خفی معنٰی یہی ٹھہرا کہ'' جو نگاہِ یار کہے مان جایئے''

اندھیرے' تاریکی یا ظلمت میں ظاہر ہے کہ نمایاں فرق ہوتا ہے۔ جیسے نور اُجالا روشنی...... والد باپ ابّا...... خاوند شوہر خصم' یار دوست یا پہچان والا...... بظاہر سب کے معنٰی قریب قریب ایک سے ہی لگتے ہیں...... مگر یہ سب علیحدہ علیحدہ رشتے ہیں جنہیں ہم اپنی کم علمی کی وجہ سے گڈمڈ کر کے رکھ دیتے ہیں۔

آخرِ شام کے کاذب اندھیرے اب شروعاتِ شب کی ''شترِ غمزی'' سی تاریکی میں کہیں منہ چھپائے غائب ہو گئے تھے۔ جی ہاں' صبحِ کاذب کی طرح ''شامِ کذب'' بھی ہوتی ہے...... یوں لگتا ہے جیسے صدق' کوئے کذب سے گزر کر اپنے مقام کے ''میدانِ عرفات'' میں اُترتا ہے۔ اندھیرے میں ابہام اور تاریکی میں اسرار ہوتے ہیں جو اپنے رُخ' زاویے' اثرات اور مطلب معانی تبدیل کرتے ہیں اور یہ سب ایسی سرعت اور سُبھاؤ سے ہوتا ہے کہ انسان' ان کے تبدیل پذیر تیوروں کو اپنے ترازوئے ادراک پہ تولنے کا فہم ہی نہیں رکھتا...... مگر جنہیں اللہ کریم اپنے فضل و کرم سے عطا کر دے۔

دُنیا کی راہوں کے سفر...... خدشات' توہمات' خوف و ہراس' حسرت و یاس' آس و نراس اور مادی مقاصد کی بُوباس لیے ہوتے ہیں جبکہ ترکِ لذاتِ و خواہشاتِ دُنیا' تلاشِ حقیقت' حصولِ علم و معرفت' جستجوئے

Scanned with CamScanner

رہبر و مرشد اور معرکۂ حق و باطل کے سفر تازگی بالیدگی زندگی اور بندگی کی خوشبو اور نوید لیے ہوئے ہوتے ہیں؟ دو چار قدم اُٹھانے سے ہی منزل سامنے دکھائی دینے لگتی ہے۔ ان راہوں کے مسافروں کے پاؤں تلے قدسی نرم پر بچھا دیتے ہیں اور سر پہ سلامتی اور رحمت کا سایہ ہوتا ہے۔ وقت اور فاصلے اپنی طنابیں کھینچ لیتے ہیں...... انسانی بنیادی ضرورتوں اور اس کے ساتھ جڑے ہوئے فطری تقاضوں کی اہمیت بھی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اُن کی سانسیں تھمی اور نگاہیں اپنی منزل پہ جمی ہوتی ہیں۔

یہ مستور الحال درویش بھی کچھ ایسے ہی راستوں کا کوئی مسافر تھا۔ ایسے صاحبِ اسرار یگانہ روزگار لوگ اپنی کیفیات کو چھپانے' طاری یا ساقط کرنے پہ قادر ہوتے ہیں۔ چاہیں تو آئینہ بن کر سامنے آ جائیں۔ نہ چاہیں تو کسی کو دکھائی بھی نہ دیں۔

● زہرِ ہندی' تریاقِ ترکی......!

اپنے ساتھ ایک ہو گزرنے والا واقعہ یاد آیا...... میں جب بھی یورپ جاتا یا اُدھر سے وطن پہنچتا تو حتی الوسع' ترکش ایئر یا پھر مصری ایئر لائن سے سفر کرنا پسند کرتا...... مصر اور ترکی دونوں درمیان میں پڑتے ہیں...... دونوں ہوائی کمپنیاں' مسافروں کو سفر کے دوران اپنے ملک میں سیاحت کی ترغیب دیتی تھیں۔ مفت ہوٹل' سٹی ٹور' قابلِ دید جگہوں کی سیر اور بھی بہت دلچسپیاں شامل ہوتیں۔ سیاحت اور عیش و عشرت کے دلدادہ ایسی پُرکشش ترغیبات سے خوب فائدہ اُٹھاتے۔ میں بھی ان شوقین لوگوں میں سے تھا۔ یہ الگ بات کہ میری ترجیحات کچھ اور تھیں۔ میں نے سیکڑوں سفر پاکستان اور یورپ کے درمیان کیئے ہوں گے...... ان میں چند سفر ایسے بھی' جن کے دوران میں مصر' تھائی لینڈ' ترکی یا قطر ذوقی نہ رُکا ہوں گا۔ مجھے ویسے بھی لمبے سفر قسطوں قسطوں' ٹکڑوں' ٹھہر ٹھہر رُک رُک کر محسوس کر کے طے کرنا اچھا لگتا ہے۔ ہوائی کمپنیوں کو اپنے صدر مقام پہ مسافروں کو سیاحت کی پیشکش سے دہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اُن کو بزنس ملتا ہے اور ملک کو زرِ مبادلہ...... یہ کمپنیاں بہت سی سہولتوں کی پیشکش بھی کرتی رہتی ہیں...... یعنی ایک ہی ٹکٹ میں آپ دُہرا مزہ لے لیتے ہیں۔

ایسے ہی ایک سفر کے دوران مجھے استنبول میں دو تین روز کے رُکنا تھا۔ استنبول میرے گم شدہ خوابوں اور میری سوچوں کے اُجالوں کا شہرِ خوب و خوباں...... ارض کے کینوس پہ ایک ایسی پینٹنگ جس کے رنگ و روغن قوسِ قزح سے' منظر و محل وقوع' باغِ عدن سے' حور و غلمان انہار و قصورِ بہشتِ بریں سے' کوہ و دمن' وادیٔ سینا سے مستفاد ہوئے...... اِدھر کے سب منظر و موسم منظوم!...... علم و ادب' فن و ہنر' ثقافت و قدامت'

Scanned with CamScanner

تہذیب و تمدن' ریاست و سیاست' مذہب و ملت کے سارے انداز دلنشیں و دلفریب...... دماغ دل کو مسخر کرنے اور دل و دماغ پہ اپنا نقش چھوڑنے والے...... !

ترکی کے دامن میں جو سب سے بڑی دولت ہے وہ میزبان رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار! دوسری دولت مولانا جلال الدین رُومی رحمتہ اللہ علیہ کا مرقد فیض بار اور دیگر غیر مترقبہ نعمتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اصحابِ کرام' آلِ رسول' کعبہ' مدینہ شریف اور لاتعداد مقدس تبرکات' جن میں قرآن کریم' سامانِ حرب و ضرب' ملبوسات' کفش مبارک' رومال اور دیگر بہت کچھ؟ یہ ترکی کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ اُس کے نصیب میں ان مقدس تبرکات کی حفاظت اور زیارت کی سعادت آئی۔

مَیں ترکی پہنچ کر سب سے پہلے ان دو مقامات کی زیارت کرتا ہوں اس کے بعد جو بھی مجھے کرنا ہو کرتا ہوں۔ مولینا رُومی کی دَرگاہ کے علاوہ اور یہ سب زیارتیں استنبول میں ہی واقع ہیں۔ مولانا رُومی رحمتہ اللہ علیہ کے قدموں میں حاضر ہونے کے لیے استنبول سے بہت دُور قونیہ شریف جانا پڑتا ہے۔ ریل گاڑی موٹر کار یا بس کے ذرائع بھی ہیں جو خاصا وقت برباد کرتے ہیں...... ہوائی جہاز سے سہولت رہتی ہے مگر روزانہ ایک دو فلائٹس ہی ہوتی ہیں...... پیشگی بکنگ کروالینا بہتر رہتا ہے۔

اس سفر کے دوران' ترکی میں رُکنے کی سہولت صرف دو روز کے لیے تھی یعنی دو دن اور تین راتیں! مَیں دوپہر سے کچھ پہلے ہی پہنچ گیا تھا...... دو ڈھائی گھنٹے بعد قونیہ شریف پہنچنے کے لیے ہوائی جہاز میں میری نشست محفوظ تھی۔ ٹکٹ میری جیب۔ بڑے سکون سے امیگریشن سے فارغ ہُوا...... اب مجھے انٹرنیشنل ٹرمنل سے نکل کر لوکل ٹرمنل' جو ساتھ ہی تھا پہنچنا تھا۔ اندر ہی اندر وہاں تک جانے میں پانچ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ خدا جانے کیا ہوا' ذہن پلٹا کھا گیا یا قدرت کو ہی کچھ اور منظور تھا کہ مَیں دوسرے مسافروں کی بھیڑ میں پھنسا ہوا باہر نکل آیا۔ اپنی باری پہ ٹیکسی پکڑی اور گھنٹے' پونے گھنٹے میں حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مسجد اور مزار شریف کے سامنے حاضر تھا۔ ایک ثانیے کے لیے بھی میرے ذہن میں یہ نہ آیا کہ مجھے تو اِس وقت قونیہ شریف پہنچنے کے لیے ٹرمنل دو پہ ٹرکش ایئر کے کاؤنٹر پہ ہونا چاہیے تھا۔ تاکہ مَیں اپنے وقت اور پروگرام کے مطابق اُدھر پہنچ سکوں۔ جدھر مجھے ایک رات اور آدھا دن رہنا تھا۔ حسبِ معمول' مزار شریف کے قریب میرے قیام اور طعام کی ایڈوانس بکنگ بھی میرے پاس موجود تھی۔

انسان کے اپنی عقل و سمجھ کے مطابق پروگرام بنتے ہیں مگر قدرت کے پروگرام' اُس کی اپنی مشیت و مصلحت کے تحت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ جو انسان کی محدود فہامت و ذہانت میں آتے بھی ہیں اور نہیں بھی...... انسان اپنے فیصلوں کی ناکامی اور اُتھل پتھل پہ تیخ پا ہو جاتا ہے اور بظاہر نقصان ہوتا ہُوا بھی دیکھتا

Scanned with CamScanner

ہے۔ چونکہ ذرونِ پردہ قدرت کی مصلحت کو سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتا اس لیے وہ اپنی بے بسی پہ کڑوے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ دیر سویر جب اُس پہ اپنی اِسی ناکامی کے پردے میں چھپی ہوئی خیر' سلامتی کا ادراک ہوتا ہے تو پھر اُسے سمجھ آتی ہے کہ بندے کے ارادے اور پروگرام...... اور اللہ کی مشیت اور رضا اور رضا بت کیا ہوتے ہیں؟ ...... فلسفہ رضا و تسلیم' جس خوش قسمت کی سمجھ میں آ گیا اور یقینِ کامل کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ اُس کے لیے فکرِ فردا نہ غمِ روزگار...... کچھ سود و زیاں ہے نہ زندگی موت کا دَھڑکا؟...... وہ جنت دوزخ کے چکر میں اور نہ قبر و برزخ کی فکر میں؟ وہ اپنی تمام حیثیت و شخصیت' آغاز و انجام' جزا و سزا' گناہ و ثواب وغیرہ...... شجرِ رضا و تسلیم کے ایک برگ کی صورت خود کو ایک ایسی آبِ جُو کے دھارے پہ ڈال چکا ہوتا ہے جو کسی آبشار میں خود کو ختم کر کے اُسی کا حصہ بن چکی ہوتی ہے۔

مَیں نے بھی چٹکی بھر اپنی مدھم سی بساط و بصیرت کے حساب سے اِس فلسفۂ رضا و تسلیم کو سمجھنے اور اِس پہ خود کو ڈالنے کی سعی کی...... مگر بتقاضائے بشریت اور ناقص علمیت و فہمیت' مَیں کماحقہٗ طور پہ اِس نعمت سے بہرہ ور نہ ہو سکا لیکن جتنا بھی مَیں عمل کر سکا وہ تو اک دانۂ عشیر کے برابر بھی نہ تھا۔ کیا کیجیے کہ اتنے نے ہی میری زندگی کا رُخ بدل ڈالا اور مَیں توکل' تشکر' تحمل اور تحفظ کے حقیقی معنوں سے رُوشناس ہُوا۔ خود کو خدا کے سپرد کر دیجیے...... توکل اور تشکر کا دامن تھامنے سے جس تحمل' تحفظ اور طمانیت کا احساس ہوتا ہے وہ اک نعمتِ خداوندی ہی تو ہوتی ہے......!

راہِ حق' فلاح کے راستے...... شہرِ علم کی جانب' جہاد کی جہد اور کُوئے یار کی سمت' قدم بڑھانے کے رُخ پہ' رجالِ قدسی نفس' حاملانِ افلاک و آفاق' ملائکہ' جن و پری سب معاونت و محافظت پہ متعین ہوتے ہیں...... یہ الگ اَمر ہے یہ سب کچھ خفی بھی اور جلی بھی...... ان راہوں کے راہیوں کو سب کا پتا ہوتا ہے۔

ٹیکسی سے اُتر کر مَیں نے پہلا کام' مسجد میں گھسنے کا کیا...... نمازِ مغرب کا وقت بھی آ گیا۔ طہارت' وضو اور نماز کے بعد قدرے سکون کا احساس ہوتے ہی مَیں فاتحہ اور حاضری کے لیے پاس مزار شریف پہنچ گیا۔ گھنٹہ بھر کی مصروفیات کے بعد' باہر نکلا...... اپنے ایک پسندیدہ ہوٹل سے کھانا کھایا...... اور اب سوچ رہا تھا کہ سلطان احمد اسکوئر پہنچ کر پہلے مَیں اپنے پسندیدہ ہوٹل میں شب بسری کا انتظام کروں گا اور کچھ وقت اپنے سامنے کے وسیع و عریض پارک میں' اُس کنج کے مخصوص چوبی بنچ پہ کافی دیر بیٹھوں گا۔ جس کے رُوبرو نیلی مسجد' ملکجی روشنیوں میں نہائی ہوئی جلوے بکھیر رہی ہوتی ہے۔ یوں تو عثمانیوں نے اپنے سنہرے دَور میں بے شمار قابلِ ذکر و فخر کارنامے سرانجام دیے ہیں لیکن قصرات' محلات' عجائب گھر' مساجد' تبرکات و نوادرات اور اپنی تہذیب و ثقافت کو جو وقار و اعتبار دیا ہے وہ قابلِ صد ستائش و آفریں ہے۔

مصروف شاہراہ پہ نیلی مسجد کے قریب یہ تین ستارہ ہوٹل ایک اُدھیڑ عمر دراز قد ترکی نژاد یہودی کی ملکیت ہے۔ اُس کے ہوٹل میں کل اٹھارہ کمرے ہیں۔ دس ڈبل اور آٹھ سنگل ...... اگر کبھی میں بغیر اطلاع اور پیشگی بکنگ کے اُدھر پہنچ جاؤں اور کوئی کمرا خالی نہ بھی ہو تو وہ میرے لیے رہنے کی کسی نہ کسی طور کوئی گنجائش نکال ہی لیتا ہے۔ روایتی سکاٹش اور خوجوں کی طرح' یہودیوں میں بھی کفایت شعاری' کوٹ کوٹ بھری ہوتی ہے جو بالآخر بڑھتے بڑھتے کنجوسی اور خساست کی حدوں سے بھی پرے نکل جاتی ہے۔ میرا یہ "یہودی دوست" اگر کبھی مجھے اپنا ذاتی ڈربہ نما کمرا' جو اس کا سٹور اور کباڑ خانہ بھی ہے وقتی طور پہ کمرسیدجی کرنے کے لیے دیتا ہے تو اس کا کرایہ بھی پورے ہوٹل کے کمرے کے برابر وصول کرتا ہے۔ مجھے اس کی کسی بھی ادا' رویے یا یہودانہ خصلت و حرکت سے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوتی کہ آپ کسی کے نخنے گھٹنے پھیپھڑے آنکھ' گردوں کپوروں کی تبدیلی کا تو سوچ سکتے ہیں مگر یہودیوں کی خصلت اور جبلّت کو بدلنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

کچھ اچھی بُری تحریریں' کاغذوں' پتھروں چمڑے چوب پہ لکھی ہوتی ہیں ...... کچھ کوشش و ترکیب سے انھیں مٹایا بھی جا سکتا ہے۔ مگر جو تحریریں' گوشت کے گودے کے اندر ہڈیوں کی رگوں پہ کندہ ہوں۔ انھیں تو "بڑے ملک صاحب" یعنی موت کے محکمے کے سربراہ بھی بدل نہیں سکتے۔ جن کی فطرت' عادت جبلّت میں تبدیلی نہ آسکتی ہو انھیں صرف برداشت ہی کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے بھی ......!

پرلے درجہ کا کنجوس' مکھی چوس' تو ندیل' ہوٹلنگ کے کاروبار کا کیڑا' اُصولی آدمی' وطن پرست' فنونِ لطیفہ کی پرکھ میں سخت قنوطیت پسند ...... لیکن جنسِ لطیف کے معاملہ میں بلا کا معاملہ فہم اور مستعد! ...... اس کی یہ موجودہ چوتھی بیوی شیلا ہبرک' بلا کی خوبصورت اور چنڈال تھی ...... اسے نہ صرف اپنی نسوانی اور جمالیاتی خوبیوں' خیرگیوں اور خوش اقبالیوں کا مکمل ادراک تھا بلکہ وہ ان خزائن کو بااندازِ خسروانہ خرچ کرنا بھی جانتی تھی۔ یوں تو وہ سراپا آتش تپاں تھی کہ اک اُچٹتی سی نظر ڈالنے والا اندر باہر سے جھلس کر رہ جائے لیکن اس کے مخصوص ہتھیار تو پھوٹ پڑنے پہ تیار آلوچے جیسے گدرے ہونٹ تھے بلا تر دُد کلیجہ چھیدتی ہوئی کالی' کٹیلی آنکھیں اور ریشمیں پوٹلوں میں بند اور کھلا کچھ سامانِ خاص! ...... جو مقابل کی نگاہوں میں آئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا تھا۔

نازِ نخرا اور نُورِ نظارت میں ڈھلی' اس فتنہ ساز کا مادّی وجود' اسی شہرِ حیرت میں ایک قدامت پسند' دولتمند یہودی کے ہاں اماوس کی ایک آخرِ شب کی اُن مہمل ساعتوں میں ظاہر ہوا تھا جنھیں افلاکی یا نجومتی زبان و تفہیم میں "زہرہ گھنڈی" کہتے ہیں۔ زہرہ اور زمین کا آپس میں ایک خاص زاویہ قائم ہو جاتا ...... اس ساعت میں جو صدفِ ثمر' نطفہ نمو پذیر ہوگا وہ کسی نہ کسی آفاقی مخصوص' خوبی و جودت کا سزاوار ہوگا۔

Scanned with CamScanner

مشہور ملکۂ مصر قلوپطرہ' اُمِّ کلثوم' الزبتھ ٹیلر' اداکارہ عشرت جہاں ہو' نور جہاں' مختار بیگم' ملکہ پکھراج' اداکارہ نسرین' نگار سلطانہ اور بھی بہت سی نسوانی شخصیات ہیں مگر اس زمرے میں مرد حضرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

اس قبیلۂ زنان کی نسوانی نزاکتوں کے خدوخال اور حُسن و جمال کے سحر آگیں تیور طرازے جنسِ مخالف کے لیے اک خاص کشش کے حامل ہوتے ہیں۔ جو خوش قسمت' ان کی نگاہ کی ناؤ میں بیٹھ جائے یہ اُسے اپنا ناخدا بنا کر نہال بھی کر دیتی ہیں۔

شیلا ہبرک بھی اک ایسی ہی ہوشربا خاتون تھی' جن کے ظاہر و باطن میں ہر لحظہ حسن جہاں سوز کی نمائش لگی رہتی ہے۔ نمود چھلک چھلک پڑتا ہے۔ یہ اپنے دیوانے کو کبھی ہوش میں آنے نہیں دیتیں۔ کیا قیامت ہے کہ ان کے دام میں پھنسا ہوا ''صید ہوس'' خود بھی کبھی رہائی کا طلبگار نہیں ہوتا۔ جیسے کہ مصری ناگن قلوپطرہ کے حسن و جمال کے سحر میں پھنسے ہوئے عاشق' خوب جانتے تھے کہ اس کی دعوت عیش کا مطلب' فقط ایک شب کی زندگی ہے۔ اگلی صبح وہ اس کے شبستان کے عین نیچے' نیل کے پانیوں کے خونی گھڑیالوں کے شکم میں پہنچ چکے ہوں گے۔''

مشہور زمانہ جاسوسی دُنیا کی شاطر اور بدنام جاسوسہ' ماتاہری بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔ اس کے مسحور اور سُن کر دینے والے جمال اور دل و دماغ میں کُھب جانے والی نگاہوں اداؤں سے لُطف اندوز ہونے والے خوب جانتے تھے کہ یہ زہریلی ناگن' اُن کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اس کے باوجود وہ خفیہ معلومات کے عوض اس کی قربت حاصل کرتے اور دانستہ اپنے آپ کو ہلاکت کی گود میں ڈال دیتے۔

شیلا کے زیرک اور عیار باپ نے اپنے آخری انجام سے بہت پہلے ہی کمال دانائی اور یہودیانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے نہ صرف' اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی اس گائیڈ سے کر دی بلکہ اس کے پیشے اور دلچسپی کے پیشِ نظر' یہ ہوٹل والی بلڈنگ بھی بطور جہیز اسے دے دی...... گویا اس ہوٹل کی اصل مالک شیلا ہی تھی۔ شیلا چونکہ پڑھی لکھی' نسوانی بنیادی توانائیوں سے بھرپور اور انتہائی باتونی تیز طرار لڑکی تھی...... اپنی ان اضافی خوبیوں کی بنا پہ بہت عرصہ بطور گائیڈ کام کرتی رہی۔ ہوٹلنگ اور گائیڈنگ' استنبول کے آپس میں جڑے ہوئے' منافع بخش کاروبار ہیں' متعلقہ افراد دونوں ہاتھوں سے دولت اکٹھی کرتے ہیں۔

حصول دولت اور اس کا برمحل استعمال' یہودیوں سے بڑھ کر اور کون جانتا ہوگا؟ انہوں نے شادی کے کچھ عرصہ بعد گائیڈنگ کے پیشے کو ترک کر کے' یہ ہوٹل کھول لیا۔ گائیڈنگ اور ہوٹلنگ ایسے سدا بہار اور گل و گلزار کاروبار ہیں کہ ایک وقت میں کئی کئی مزے لوٹے جا سکتے ہیں۔ ان پیشہ والوں میں پژمردگی اور بڑھاپے کی نحوست پیدا نہیں ہوتی...... بندہ خوش باش' خوش نظر خوشحال و خوشحال رہتا ہے۔ حالات حاضرہ اور

Scanned with CamScanner

رجحانات فاجرہ سے باخبر رہتا ہے۔ مردان و زنان سے دوستیاں' رابطے اور واسطے...... بھانت بھانت کی زبانیں بولیاں...... کرنسیاں' وزیٹنگ کارڈ' تصاویر اور دیگر انسانی اور بشری دلچسپیاں سرگرمیاں بھی رہتی ہیں۔ اِن گھاگ میاں بیوی کے پیش نظر بھی یہی شریفانہ عیاشیاں رہی ہوں گی جو انہوں نے یہ سدابہار کاروبار شروع کیا۔ جس میں خاصے کامیاب بھی تھے۔ نیچے ریسپشن کاؤنٹر پہ شیلا ہی اپنی "استقبالیہ حشر سامانیوں" سمیت موجود رہتی۔ نئے نکور مہمانوں سے پیشہ ورانہ انداز سے بنتا وہ خوب جانتی تھی۔ ابتدائی بات چیت کے دوران مہمان سے ایسے ملائم اور دلنشیں لہجہ میں ہم کلام ہوتی کہ کھردرے سے کھردرے مزاج و مقام اور ملکوں ملکوں گھومنے پھرنے والے سیاح جو بات بات پہ بارکھٹک کرتے ہیں۔ اس کے روبرو مُنّا مُنّا گھوڑے بنے کھڑے متفق دکھائی دیتے۔ وہ بڑی دلنشین تفہیم و طریق سے اپنے ہوٹل کی خوبیوں' انفرادیت اور پیش کی جانے والی سہولتوں کا ذکر کرتی...... سامنے نیلی مسجد' تاریخی لان والا وسیع و عریض گلستان' کھلا سمندر' دور دکھائی دیتا ہوا دو بار پہ خوبصورت پُل' جو ایشیا کو یورپ سے ملاتا ہے...... شاپنگ مال' شراب خانے اور قمار خانے...... نوادرات اور آرٹ کے مراکز' پولیس پوسٹ...... عین نیچے ٹرام کا سٹاپ اور ٹیکسی اسٹینڈ...... خاص طور پہ اپنے ہوٹل کے عقب میں' اُن مساج پارلرز اور گرم سرد حماموں کا بھی ذکر کرتی جدھر انتہائی واجبی نعم البدل پہ تسلی بخش خدمات پیش کی جاتی ہیں۔ وہ اپنے ہاں' ترکی سے لے کر مصر' یونان و ایران اور دیگر نزدیکی تفریحی مقامات اور سمندری جزائر کی سیاحت کی سہولت' جملہ انتظامات کی پیشکش بھی کرتی...... غرضیکہ وہ اپنے تمام تیر بڑی مہارت سے ہدف پہ آزماتی...... تیر انداز' تجربہ کار' پھرتیلا اور ہدف شناس ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اپنے مقصد کو حاصل نہ کر سکے۔

یہ نہیں کہ شیلا' اکیلی ہی ہوٹل کو سنبھالتی تھی...... دونوں میاں بیوی نے اپنے اپنے کام بانٹ رکھے تھے۔ کونٹر کے سب کام' چیک اِن چیک آؤٹ...... حتیٰ کہ ٹیلیفون آپریٹر اور مہمانوں ملازموں کے لیے صبح ناشتے کی تیاری بھی اسی کے ذمہ تھی۔ اُبلے ہوئے بطخ کے انڈے' بسکٹ توس' آدھا تولہ مکھن' سنگتروں کے چھلکوں کا ہوم میڈ مالیٹ' چائے کا پیالہ تو ہوتا ہی تھا۔

میں نے زندگی میں جتنی بھی حسین فطین دلنشین عورتیں دیکھیں اُن کے شوہروں کو شوہر مخنث ہی پایا۔ یہ لے پالک قسم کے شوہر بڑے معصوم اور مغموم ہوتے ہیں۔ اِن میں بیرسٹر منسٹر بیورو کریٹس ڈاکٹرز' سفارت کار' اداکار اور دیگر بڑے بڑے پڑھائی لکھائی والے لوگ بھی ہوتے ہیں......!

احساسِ جمال' انسان میں تفاخر' تساہل' تجاہل' تغافل اور تکلف پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے لیکن وہ خوبصورتی اور حُسن ہی کیا جو خودسری' خودنمائی' خودپسندی' خودستائی کا خوگر نہ ہو......؟

Scanned with CamScanner

اپنی خوش جمالی کا ادراک اور اہمیت کا احساس رکھنے والے خوش فہم افراد ہمیشہ اپنے اور دوسروں کے لیے ناقابلِ فہم مسائل کھڑے کرتے رہتے ہیں' وہ ایسے کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اس کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دو نمبری خوبصورت ہیں...... اُن کا حسن و جمال حقیقی نہیں...... میک اپ اور بناؤ سنگھار کا مرہونِ منت ہے۔ دوسری وجہ' وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہوئے کہ یہ حسن و شباب ڈھلتی دھوپ کی مانند...... نظر کا فریب اور خود کو دھوکے میں مبتلا رکھنے کے مترادف ہے۔ اس کے زعم میں دوسروں کو کسی بھی لحاظ سے کمتر سمجھنا' غیر انسانی اور غیر اخلاقی حرکت ہے۔

اچھے لوگوں کے نزدیک حسن و جمال' وصف و کمال کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ آپ کے رویوں' اعمال و اقوال اور اخلاق و کردار سے پھوٹے' نہ کہ شکل و شباہت' لب و رخسار' چشم و ابرو' چاہِ زنخداں یا دلکشے دنداں کی محتاج ہو...... لیکن اس عفیفہ میں یہ تمام کچھ' اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ موجود تھا۔

مَیں نے بہت سی عورتیں مرد حتیٰ کہ گھوڑے کتے بلیاں اور خرگوش ایسے دیکھے جن کی دونوں آنکھیں مختلف رنگوں کی تھیں' ایک سرخ اور دوسری نیلی سبز یا بھوری۔ مسقط میں ایک متمول شیخ کے ہاں شاہی نسل کا شاہین دیکھا جس کی ایک آنکھ شہتوتی رنگ اور دوسری نیلی تھی...... کئی ایک شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن میں خیر اور شر' بحر و بر' خشک و تر' آب و خر وغیرہ ایسی خوبی و خصوص کے ساتھ مجتمع ہوتے ہیں کہ اُنہیں ایک دوسرے سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ایک آنکھ کافر دوسری مومن...... کون جو بچ پائے؟

بتانا تو یہ تھا کئی بیتے برس پہلے جب مَیں تیسری بار استنبول آیا اور نیلی مسجد کے قریب کسی سستی اور مناسب سی رہائش کی تلاش میں تھا۔ فٹ پاتھ پہ مَیں اس ہوٹل کے قریب سے گزر رہا تھا تو یکبارگی میری نظر اس قتّالہ پہ پڑی جو اپنے کاؤنٹر پہ کھڑی کسی ٹورسٹ سے نپٹ رہی تھی۔ استنبول کے اس مرکزی حصّہ میں جدھر سیاحوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے ہیں اور حُسن و جمال کا ''بازارِ استنبول'' سجا رہتا ہے۔ میرا اس کو کسی خاص نظر سے دیکھنا بنتا نہیں تھا۔ مگر کیا کیجیے کہ بازار سے گزرتے ہوئے اچانک کسی شوروم کے باہر ونڈو میں تنی ہوئی کوئی ایسی چیز دکھائی دے جاتی ہے کہ جس کو خریدنا ضروری نہیں ہوتا مگر پھر بھی کبھی محض تفریحِ تجسّس کی خاطر چند ثانیے اُدھر رُک لینے میں کچھ بُرائی کی بات بھی نہیں ہوتی...... اس شوق یا عادت کو ونڈو شاپنگ کہتے ہیں اور اس سے بہت سے سفید پوشوں اور غریبوں کا بھلا ہو جاتا ہے۔ یورپ میں بہت زمانہ رہنے کی وجہ سے مجھے بھی ونڈو شاپنگ کی عادت پڑ چکی تھی۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ آپ کی ضرورت یا مطلب کی کوئی چیز اُدھر ہے۔ محض کھڑے ہو کر کچھ وقت اُدھر رہنا ضروری ہوتا ہے۔

مَیں طبعاً نظرباز نہیں یعنی ''جھونڈی'' کرنے کے لیے میرے ہاں جراثیم ہی نہیں اور نہ ہی میری عمر

Scanned with CamScanner

حلیہ لباس اور حال مجھے اس کی کوئی گنجائش دیتا ہے۔ مگر کیا کیجئے کہ میرے بڑھتے ہوئے قدم آپ ہی آپ رُک گئے اور مَیں چار پانچ قدم پیچھے اس ہوٹل کے صدر دروازہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اندر وہی منظر ابھی تک قائم تھا۔ غیر ملکی سیاح رجسٹر پہ دستخط کر رہا تھا۔ مَیں ایک قدم اندر داخل ہُوا تو وہ فارغ ہو چکی تھی۔

دوپہر کا آداب کہنے میں اُس نے پہل کی تھی۔ میرے سامنے تین فٹ کے فاصلے پہ کھڑی اُس کی قیامت نے میرے خلیے لباس اور چہرے پہ اِک طائرانہ سی نظر ڈالتے ہوئے انتہائی معصومیت اور بیساختگی سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ سردست ہمارے ہاں کوئی کمرا خالی نہیں۔ آپ کچھ آگے مزید ہوٹل دیکھیں گے یقیناً اُدھر آپ کو بہتر جگہ مل جائے گی۔"

مَیں اُس کے رسیلے اور گیلے ہونٹوں سے پھسلتے ہوئے الفاظ کی ریشمی پھوار سے ریشہ خطمی سا ہو کر رہ گیا تھا۔ مقابل میں اگر جنسِ مخالف کے لب!...... لعلیں، خمیدہ لرزیدہ اور نمیدہ ہوں، پیچھے نیم کھلے ذرج میں دندان کی ذرا افشانی خیزاں ہو تو بشر کا تو حشر نشر ہونے میں کیا کسر باقی رہتی ہوگی؟...... مجھے لگا کہ وہ اپنے ان جملہ ساز و سامان کی بدولت اِک دُنیا کو لرزاں و افتاں کر سکتی ہے......!

اَب حقیقت یہ ہے کہ مَیں یہاں سے ٹلنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مجھے ٹکا سا جواب دے کر دوبارہ اپنے لگے بندھے کاموں میں جت گئی تھی۔ بلّی کا پیٹ بھرا ہُوا ہو اور چوہے خوبیاں اُس کے سامنے اگر کرکٹ بھی کھیل رہے ہوں تو آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتی بلکہ کسی چوکے چھکے پہ شاباشی بھی دے دیتی ہے۔

مَیں اپنے تئیں فیصلہ کر چکا تھا مجھے ایک آدھ روز جو اِدھر رہنا ہے وہ ذرا یہیں ہوگا۔ میری فقیری دُرویشی سب کہیں پَس پردہ چلی گئیں اور میری حیوانی جبلّت باقی رہ گئی۔ مَیں اپنے پاؤں پہ کھڑا سوچ رہا تھا کہ ایک بار پھر اِس سے کہہ کر دیکھوں...... اکثر ایسے سیاحتی مقامات کے ہوٹلوں میں اُوپر نیچے کہیں نہ کہیں ایک آدھ کمرے یا بستر کی جگہ نکل ہی آتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو چار گھنٹے کے بعد کوئی کمرا خالی ہونے کو ہوتا ہے تو انتظار کے بعد آپ اُسے حاصل کر سکتے ہیں۔ مَیں نے مزید بات کی گنجائش پا کر پھر اُسے متوجہ کیا۔

"مادام! اگر کچھ دیر انتظار کر لینے سے کوئی گنجائش نکل سکتی ہو تو مَیں سامنے پارک میں بیٹھ کر انتظار کر سکتا ہوں۔"

وہ خسب پیشہ مجھے ریشہ ریشہ کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"آئی ایم ساری، کل تک تو کوئی کمرا خالی نہیں...... ایک آخری کمرا تھا جو آپ سے پہلے مَیں ایک مہمان کو پیش کر چکی ہوں...... کل آفٹرنون تک......!"

Scanned with CamScanner

اسی دوران بغلی کمرے سے ایک خوبرو وجیہہ سا شخص باہر نکل کر اُس کے پاس یوں آ کھڑا ہوا جیسے کئی زمانوں سے اس انتظار میں رہا ہو کہ کب وہ اس کے قدموں میں آ کھڑا ہو۔ اس ستم ظریف نے یہ تک نہ دیکھا کہ ایک سیاہ پوش درویش سامنے کھڑا ہے۔ بندہ کچھ حیا ہی کر لیتا ہے' مگر نہ صاحب ناں!...... اُس نے کھٹاک چٹاخ ایک بھرپور بوسہ اُس کے انگارہ سے ہونٹوں پہ داغ دیا۔ میرے لیے یہ کچھ نیا تو ہرگز نہ تھا کہ میں نے جس معاشرہ میں چالیس برس بسر کیے وہاں تو یہ روزمرّہ تھا...... بس ذرا اخلاقیات پہ توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی رویوں' جذبات و احساسات کے اظہار میں چنداں احتیاط اور سلیقہ و قرینہ برتنے سے بڑا بھرم رہ جاتا ہے۔

تیز گفتار' تیز رفتار لوگ' کسی نہ کسی عِلّت میں گرفتار بھی ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایسا ہی تھا' اپنی زبان میں ابہام و تفہیم کرتے ہوئے اُس نے مجھ سے آنکھ ملائے بغیر جان لیا کہ میری ضرورت کیا ہے۔ پھر ایکا ایکی پھرکی کی طرح گھومتے ہوئے وہ بغلی کمرے میں گھس گیا۔ اُس کے جانے سے مجھے ایسے ہی طمانیت کا احساس ہوا جیسے تلوے سے کانٹے کی ٹوٹی نوک نکل جاتی ہے۔ وہ ایک بار پھر مجھ سے رجوع ہوئی...... اور مجھے صوفے پہ بیٹھنے کا کہہ کر وہ بھی اُسی کمرے میں گھس گئی جدھر وہ پُرکشش زندگی کی توانائیوں سے بھرپور انسان داخل ہوا تھا۔ اس خوشگوار تبدیلی پہ میں دل ہی دل میں خوش ہوا۔

میں ایک صوفے پہ پُر اُمید سا بیٹھ گیا کہ شاید کمرا مل جائے؟ اِدھر اُدھر جھانکا تاکی میں' میری نظر ایک چھوٹی سی بلیک اینڈ وائٹ تصویر پہ پڑی جو کاؤنٹر کے پیچھے دیوار پہ' ہوٹل سے متعلق مختلف سرٹیفکیٹس اور لائسنسوں کے اُوپر نمایاں سی جگہ پہ آویزاں تھی۔ پرانے بوڑھوں کو پرانی چیزوں سے خاصی رغبت ہوتی ہے مگر یہ دونوں تو خاصے آزاد خیال اور نئے دور کی نئی قدروں کے دلدادہ دکھائی دے رہے تھے۔ میں اپنے دل میں مختلف ٹیوے لگانے لگا۔ شاید یہ پرانی وضع قطع کا بوڑھا' کبھی اس ہوٹل کا مالک رہا ہوگا یا اس لڑکی' لڑکے کا کوئی بزرگ ہوگا؟ خیر و برکت یا اظہارِ سپاس و عقیدت کی خاطر یہاں اس کی تصویر ٹانک رکھی ہے۔

خاص طور پہ پارسیوں' ہندوؤں' سکھوں اور سکاٹش یہودیوں نے اپنے سورگباشی بزرگوں کی تصاویر اپنی دوکانوں' گھروں میں نمایاں جگہوں پہ لگا رکھی ہوتی ہیں۔ تصویر کے گرد تلسی کے پتے' گیندے کے زرد پھول کلیاں اور نیچے لوبان چندن اگر وغیرہ سلگ رہا ہوتا ہے۔ پرانی وضع کی اس تصویر میں پتا نہیں کیا دلچسپی محسوس ہوئی کہ اُٹھ کر کاؤنٹر کے سامنے اُسی جگہ پہ جا کھڑا ہوا...... جہاں میں پہلے کھڑا تھا۔ غور سے دیکھا تو یہ حقیقت کھلی کہ یہ بزرگ تو کوئی یہودی ہیں۔ سر پہ چھوٹی سی سیاہ ٹوپی' جو قدامت پسند یہودیوں کی خاص نشانی ہے۔ تصویر کے نیچے عبرانی زبان میں کچھ لکھا تھا شاید اس بزرگ کا نام ہوگا؟

Scanned with CamScanner

دُنیا کے سیکڑوں ممالک کے باشندوں کی اپنی الگ الگ پہچان' خدوخال' انداز و اطوار ہوتے ہیں۔ آسانی سے پہچانا جاسکتا ہے کہ یہ عربی ہے' پاکستانی' ہندوستانی' افریقن یا انگریز' امریکن ہے۔ اسی طرح لباس' رویے لہجے برتاؤ بھی ہر کسی کے الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہ تو ہوئیں وہ چیزیں جو ظاہری آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہیں جبکہ بہت کچھ ایسا بھی ہوتا ہے' جس کو دیکھنے کے لیے کسی تیسری آنکھ کی ضرورت پڑتی ہے۔ بس' وہ آنکھ ہر کس و ناکس کے ہاں نہیں ہوتی۔

میں ایسا محو تھا کہ پتا بھی نہ چلا اور وہ واپس اپنی جگہ پہ کھڑی' مجھے حیرت بھری نظروں سے ٹُکر ٹُکر دیکھ رہی تھی۔ میں ہلکا سا جھٹکا لے کر واپس اپنے آپ میں آیا۔ وہ مجھے بتانے لگی۔

''ہم نے آپ کے لیے وقتی طور پہ ایک روز کے لیے قیام کا بندوبست کر دیا ہے لیکن آپ کو ٹاپ پہ ایک واجبی سے کمرے میں رہنا ہوگا۔ کل آپ کے لیے نیچے کسی فلور پہ بندوبست ہو جائے گا۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ کو اُوپر چھت والا یہ چھوٹا سا کمرا بہت پسند آئے گا۔ اس کے ساتھ ہی ڈائننگ رُوم ہے...... ناشتہ وغیرہ کے لیے آسانی رہے گی۔ بس ذرا واش روم کے لیے نیچے کے فلور پہ آنا پڑے گا۔ ہاں' اُوپر کبوتر اور سیگلز سے آپ بہت محظوظ ہوں گے' پورا شہر اور سمندر آپ کے سامنے......'' وہ مزید بتانے لگی۔ ''میرے شوہر نے خاص طور پہ آپ کی سفارش کی ہے۔ ورنہ یہ خاص کمرا' جو ہماری عبادت کے لیے مخصوص ہے' کسی مہمان کو نہیں دیا جاتا۔'' میری آنکھوں میں ہلکا سا جھانکتے ہوئے مزید گویا ہوئے۔ ''آپ چونکہ مُسلم ہیں آپ کی اور ہماری عبادت میں کوئی زیادہ تضاد نہیں لیکن کرایہ آپ کو نیچے کے فلور والے ڈبل بیڈ کے کمرے کا ہی دینا پڑے گا۔''

میرے اندر کسی نے ایک خاموش سا قہقہہ لگایا کہ اِس پُرکشش خاتون نے اپنا تعارف کرانے میں قطعی کسی تکلف سے کام نہیں لیا' مجھے ویسے بھی کُھلے کھرے لوگ اچھے لگتے ہیں...... غیر واضح' مُبہم' ڈھلی مُخفی گفتگو' میک اپ کی تہوں میں چھپی ہوئی جُھریاں' برص کے نشان' کلر وسمہ چڑھے سفید بال' مصنوعی دانت' آئی کنٹیکٹ مجھے زہر لگتے ہیں۔ اسی طرح کاروباری اور پیشہ ورانہ مسکراہٹیں' ڈھیلے مصافحے' مٹھیاں' منافقانہ مصلحتیں رویّے اِنسان کو اومڑ بنا کر رکھ دیتے ہیں۔

مجھے اکثر وسیع پیمانے پہ لنگر کا اہتمام کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ میرا پرانا آزمودہ طباخ' جوڑوں کے درد اور وقت سے پہلے ہی بڑھاپے کا شکار ہو کر صاحبِ فراش ہو چکا تھا۔ پکائی کا کام فزیکلی فٹنس کا متقاضی ہوتا ہے' وہ بیچارہ تو ہاتھ پاؤں ہلانے سے بھی عاجز ہو گیا تھا۔ اب مجھے ایک تجربہ کار باورچی کی اَشد ضرورت تھی۔ جو میرے ہدایات کے مطابق خود مختاری سے لنگر پکائے۔

Scanned with CamScanner

قارئین کی خدمت میں عرض کرتا چلوں کہ عام یا خاص دعوت اور چھوٹے یا بڑے لنگر میں کیا فرق ہوتا ہے۔ شادی بیاہ' خوشی کی دعوتیں' جن کا مقصد صرف کھانا پینا ہلا گلا ہوتا ہے۔ محض برادری میں ناک اُونچا رکھنے کی خاطر منعقد کی جاتی ہیں۔ کچھ دُنیاداری رسم و رواج کی پاسداری۔ دراصل یہ اپنی حیثیت' دولت کا اظہار اور طعام و انسان کے درمیان رزق کی توہین اور بربادی کے دنگل ہوتے ہیں۔ چھوٹے بڑے' پڑھے لکھے اَن پڑھ جانوروں کی طرح ٹھونستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ رزق کی پامالی کرتے ہیں۔ کفرانِ نعمت اور جہالت و رذالت کی انتہا' پیٹ آخری حدوں تک بھر جاتا ہے مگر نیت نہیں بھرتی۔ کھاتے کم اور ضائع زیادہ کرتے ہیں اور دیدہ و دانستہ ایسا کرتے ہیں۔ اللہ رازق و رحمٰن کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ بے قدری اور ضیاع سے روزی رزق میں کمی' بے برکتی اور تنگدستی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی دعوتوں اور محفلوں میں شیاطین اور شریر جنات بھی کثرت سے شامل ہوتے ہیں۔ ایسی جگہیں اور مخلوط محفلیں جہاں رزق کی بے حرمتی' بے قدری اور مرد و زن کے مابین' انسانی اخلاقی اور صنفی امتیاز کا خیال نہ رکھا جاتا ہو' شیطان کی پسندیدہ اور بہکانے کے لیے آسان ہدف ہوتی ہیں۔ مردودِ ارواحِ خبیثہ' شیاطین اور بے راہ جنات کا پسندیدہ طعام ہڈیاں اور ایسا لبا بچا کھانا' جس پہ بسم اللہ شریف نہ پڑھی گئی ہو' الحمدللہ نہ کہا ہو اور غیر انسانی' شرعی طریق سے کھایا پیا ہو...... مشروبِ نجس کا استعمال ہو...... یہ دراصل انسانوں کی نہیں شیطانوں کی محفلیں ہوتی ہیں۔

دوسرے اجتماعات وہ ہوتے ہیں جو خالصتاً اللہ کریم اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم' اُس کے دینِ مبین' تبلیغ جہاد' ہجرت اور ایسے اجتماعات جو باہمی اُخوت' نکاح ولیمہ' فتوحات پہ بطور تشکر و تہنیت منعقد کیے جاتے ہیں۔ سعد بابرکت اور اللہ کریم کے کرم و فضل اور رحمت کے حصول کا وسیلہ ہوتے ہیں۔

سوم...... ایسے دسترخوان جو کسی مہمان کی مدارت کے لیے آراستہ کیے جائیں اور اپنی مقدرت سے بڑھ کر اُس کی تواضع کی جائے۔ مہمان سیر ہو جائے' ذائقہ و لذت کی عمدگی سے سیراب ہو کر اُٹھے...... چاہے اس کے لیے پڑوسی یا کسی اور سے معاونت حاصل کرنی پڑے۔

چہارم...... وہ طعام جس کا اہتمام بلاتخصیص و تمیز' اللہ کریم کی مخلوق کے لیے بانیت و نسبت کیا جائے۔ عمدہ طعام پکایا جائے' خاص طور پہ ایسے احباب و اقرا' غربا و مساکین' سفید پوش' فقیروں درویشوں مسافروں اور پریشاں اوقات لوگوں کو کھلایا جائے جو عمدہ خوراک حاصل کرنے کے اہل نہ ہوں۔ انسان ہی نہیں بلکہ دیگر مخلوق بھی کھائے۔ خالصتاً اللہ کریم کی رضا کے لیے اس اہتمامِ طعام کو لنگر کہتے ہیں۔

مَیں نے یہ جانا کہ جس نے لنگر کی اہمیت کو پہچانا' اُس کا کبھی خالی نہ ہوا خزانہ!...... کچھ اور سمجھ میں آیا کہ لنگر اپنے ہاتھ یا نگرانی میں تیار کر کے بانٹنا' شوق اور محبت سے کھلانا...... اِک ایسا چسکا نشہ اور لت ہے جسے

Scanned with CamScanner

لگ جائے وہ اس سے مرتے دَم تک نہ چھوٹے...... بلکہ مرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ ہائے شوق' کسی نہ کسی طور جاری وساری رہتا ہے۔

بات شروع ہوئی کہ مجھے ایک ایسے باورچی کی ضرورت تھی جو میرے حساب وضرورت کے مطابق لنگر کی تیاری میں میرا مددگار ثابت ہو بلکہ میری عدم موجودگی میں بھی' میری ضرورت اور معیار کے مطابق پکائی کر سکے۔ اپنے بچوں اور احباب سے ذکر ہُوا تو باورچیوں کا تانتا بندھ گیا۔ مجھے جاننے سمجھنے والے خوب جانتے تھے کہ مجھے کس قسم کا کاریگر چاہیے؟ کوئی خاندانی کوئی عطائی...... کوئی چنیوٹ والا تو کوئی سیالکوٹیا...... کوئی تُکّا پکانے کا ماہر تو کوئی سفید قورمے کا کاریگر...... ہَریسے' حلیم بریانی' زردہ' دال چاول' کھچڑا' نہاری' شب دیگ وغیرہ وغیرہ غرضیکہ ایک سے اک ماہر آیا...... کچھ میں نے پوچھا کچھ اُنہوں نے سنایا' کسی کے پلّے میں نہ پڑا' کسی کو میری سمجھ نہ آئی' کوئی مجھے نہ بھایا اور کوئی مجھے نہ پایا۔ چونکہ یہ کام مستقل نوعیت کا تھا اسی لیے طرفین خوب سمجھ جان کر ایک دوسرے کو کھنگال رہے تھے......

انسان جیسا بھی اچھا بُرا' چھوٹا بڑا مگر جس بھی ادنیٰ واعلیٰ پیشہ سے وابستہ ہو اُسے اُس میں پرفیکٹ اور مخلص ہونا چاہیے...... ڈنڈی مارنے والا نہ ہو...... کسی اِنسان کا اچھا ہونا' حاجی نمازی' نیک شریف' ایماندار امانتدار' ہندو مسلمان' سکھ عیسائی ہونا' یہ سب اُس کے ذاتی معاملے ہیں۔ جن کا کسی سیکنڈ یا تھرڈ پارٹی سے کوئی تعلق نہیں مگر وہ جس پیشے کے وسیلے سے اپنے بچوں کی روزی حاصل کرتا ہے اگر وہ اس میں مخلص اور مکمل نہیں تو اس کے منفی اثرات اُس سارے نظام پہ پڑتے ہیں۔ رزقِ حلال اور رزقِ حرام کے بنیادی معنی اسی پیشہ ورانہ اخلاص اور پروفیشنلزم سے نکلتے ہیں۔

مجھے میرے مطلب کا کوئی باورچی نہ ملا تو میرے ایک بچے نے مجھے کچھ باورچیوں کا بتایا۔ مَیں نے زبانی کلامی انٹرویو کی بجائے ڈائریکٹ عملی ٹیسٹ کے لیے جمعرات کی صبح ان کا بلوالیا۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ ایک ایک دیگ' بریانی اور قورمہ' الگ الگ ہر باورچی تیار کرے گا۔ ان سے مطلوبہ سامان کی علیحدہ علیحدہ پرچیاں بھی منگوالیں۔ اسی شام' چار باورچیوں کی پرچیاں پہنچ گئیں۔ ایک فیصل آباد اور دو چنیوٹ اور سانگلہ سے تھے' ایک لاہور کمن آباد سے......!

ان باورچیوں کا پہلا امتحان' ان کے مطلوبہ سامان کی فہرستیں تھیں۔ دو نے سیدھا سیدھا سامان طلب کیا...... دس دس سیر باسمتی پرانے چاول' گھی اور مٹن...... باقی وہی لگے بندھے مسالے وغیرہ اور باقی دو نے دو ایک ایسے مسالے لکھے جو کمیاب ہیں اور کبھی مغلیہ دَور میں شاہی باورچی استعمال کرتے تھے۔ اب روٹین کی بریانی یا مزاعفر میں اس کا استعمال متروک ہو چکا ہے۔ آخری دو میں سے ایک نے تو ''ختنی بوٹی'' طلب کر کے

Scanned with CamScanner

مجھے چونکا دیا۔ یہ خس خس کے ڈوڈے کی گانٹھ ہوتی ہے۔ خس خس جھاڑ کر جو ڈنٹھل گانٹھ یا خُنڈ بچتا ہے اس کو خشک کر کے پیستے ہیں' دودھ میں اس کا آمیزہ حل کر کے پکاتے ہیں...... پھر پتھر کی ناند میں پھیلا کر سکھانے کے بعد اس کے بڑیاں بٹتے ہیں...... یہ بالکل ماش کی دال کی طرح کی بڑیاں یا وڑیاں ہوتی ہیں۔ اس میں سفید تل بھی پیس کر شامل کیے جاتے ہیں۔ سفیدہ بریانی کا یہ ایک جزو لاینفک ہیں۔ سفیدہ بریانی کا ایک لازمہ بھیڑ کے گوشت کے ملے بھی ہیں...... بوٹی تو اس کے قریب بھی نہیں لائی جاتی۔ ملے' وہ پارچے جو سینے کی پسلیوں کے اردگرد ران اور دستی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

سفیدہ بریانی مغلیہ شہنشاہوں کا خاص خاصہ ہوتی تھی۔ اس پکوان کے ماہر باورچی' بڑے بڑے اعزاز پاتے...... کشمیر کا زعفران' کا جو' جاوتری جائفل' روغن زرد' چاروں مرچوں کا دانا' ختنی بڑی' گُل خطائی' بادیہ' بوز' ڈیرہ دون کے چشموں کے چاول' بھیڑ کے بغلی پلوں کا قم اور کالہو کے کاٹھ کی آنچ...... سفیدہ بریانی کے پکانے اور دم دلانے کے لیے رانگا رنگی برنی...... چھپن' جس کے بھیتر' تسبیح دانے کا سوراخ...... گھی سے لبالب' قطرہ قطرہ ٹپکاؤ وغیرہ ایسا کیمیائی نسخہ تھا جو لذت کام و دہن کو جلا بخشتا تھا...... مفلس کی سوئی ہوئی رگوں میں زعفرانی خون بھر دیتا تھا...... شباب کی جو ہریں لہریے لینے لگتیں ہیں۔ موتی پلاؤ' کشمیری مزعفر...... کھچا کھچڑا' جو گاؤ کے گھی' سہارنپوری پیلے میں پکتا ہے۔ خصّی بکرے کے کپوروں اور ارد کی دال' کالے چنے کی نبولیوں سے دم دیا جاتا ہے...... کبھی کھایا ہوا بوڑھا...... نازیاں بند' جوڑ کھل گئے ہوں...... سینے میں سانس کے پسٹن چھنتے ہوں...... جوت جھلملا رہی ہو...... دماغ کے ذر کھلنے میں کھینچ مارتے ہوں...... ملک الموت' مذاکرات کرنے میں حیا کر رہا ہو۔ کھچا کھچڑا' ڈیڑھ عشرہ کھلا دو' بڈھا شادی مانگنے لگے گا۔ بہتر ہوگا کہ اس بات کو بیچ میں ہی رہنے دوں' ورنہ جھگڑا بن جائے گی۔''

جمعرات کی صبح سب ماہرین آ پہنچے...... علیحدہ علیحدہ سب کو ان کا مطلوبہ سامان دے دیا گیا۔ الگ الگ جگہوں پہ لنگر کی تیاری کا بندوبست تھا۔ تاکہ ایک دوسرے کو پکاتے ہوئے نہ تو دیکھیں اور نہ ہی کوئی آپس میں بات چیت کر سکیں۔ صحن وسیع' کنا تیں کر اس کر کے چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ میں اوپر پہلی منزل پہ شیڈ میں بیٹھا ان کی کارکردگی دیکھ رہا تھا جبکہ وہ اوپر میری موجودگی سے بے خبر تھے۔

دیگیں پکانے والوں کو بازاری زبان میں نائی کہا جاتا ہے۔ اس تخاطب میں شائستگی اور اخلاقیت کا فقدان ہوتا ہے لیکن کیا کہا جائے کہ یہ لوگ بھی اسی معیار اور صحبت کے ہوتے ہیں...... حال حلیہ' نشست و برخاست' گفتگو اور وعدہ وعید اور کام نام...... چند فیصد اس پیشہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اس پیشہ میں عزت شہرت' نام اور دام بھی بنائے اور واقعی ایسا کام کر دکھایا کہ انعام و اعزاز کے مستحق ٹھہرے۔

Scanned with CamScanner

مجھے دعویٰ یا فخر تو نہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ کریم نے میرے ہاتھوں میں بھی برکت' لذت اور رزمن رکھا ہے۔ کچھ بھی اُلٹا سیدھا جیسے بھی پکا پروس لوں کھانے والے تعریف کیے بغیر نہیں رہتے اور مدتوں سے میرے ہاں کھائے ہوئے لنگر کو یاد رکھتے ہیں۔ یہ شاید اس لیے ہے کہ میں درویشی طریقے طعام تیار کرتا ہوں اور یقیناً اس لیے بھی کہ میری نیت میں یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ بچے مہمان کھائیں گے۔ انہیں مزہ ملنا چاہیے' کھا کے خوش ہونا چاہیے...... اور یہ بھی کہ میں کھانے پکاتے وقت ہر مرحلہ پہ الحمدللہ پڑھتا رہتا ہوں...... اور کھانا جوٹھا نہیں کرتا۔

مجھے اس اعتراف میں کچھ باک نہیں کہ میں خوش خوراک واقع ہوا ہوں اور اس ضمن میں خاصا خوش ذوق اور اعلیٰ علم و شعور بھی رکھتا ہوں۔ بے شمار نت نئے کھانوں کا موجد بھی ہوں یعنی یہ علم بھی مجھے ودیعت ہوا۔ خوراک و غذا کے اجزاء' اوزان' اوصاف' فائدے نقصان' تیاری و تراکیب' خواص و مقدار' حسب نسب میرے اندر سے ہویدا ہوتے ہیں۔ جب کوئی چیز آپ کے اندر سے خود بخود نکلتی ہے وہ کسی نہ کسی طور صحیح ہوتی ہے۔"

میں نے زندگی میں اَن گنت جگہوں' دعوتوں تقریبات میں کھایا پیا لیکن ان میں سے چند ہی بار ایسا ہوا کہ مجھے اُن ہاتھوں پہ رشک آیا جنہوں نے وہ طعام تیار کیا...... جس نے میرے جیسے کیھڑے کوے کو بھی کیل لیا۔ مجھے چاولوں اور مختلف گوشت کے طعام پکانے میں بڑی رغبت ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں اللہ کریم بھی اچھے اچھے لذیذ' مہک آور اشتہا آور طعام و مشروب میں دلچسپی رکھتا ہے تبھی تو انواع و اقسام کے مسالہ جات' حلال جانور پرندے' مچھلیاں' سبزیاں اثمار اور مشروب تخلیق فرمائے۔ ذرا غور فرمائیں اگر الائچیاں' سونف' زیرہ' اجوائین' ادرک' لہسن' پیاز' دارچینی' بادیہ خطائی' تیزپات' گھی مکھن تیل' پودینہ' دھنیا' زعفران' جاوتری' جائفل' ہینگ' ہلدی' لونگ' کری پتہ' کیوڑہ' تل...... یہ تمام مسالہ جات نہ ہوتے...... قسم قسم کے چاول' دالیں اور اناج ناپید ہوتے تو کیا ہوتا؟...... مالکِ کُل نے یہ تمام کچھ بطور نعمت' مَن و سلویٰ اُتارا...... باقی تمام کچھ سورہ الرحمٰن میں مدرج ہے۔

میں اُن کے جلو میں آئے بغیر چاروں کی کارکردگی دیکھ رہا تھا۔ وہ بڑی تندہی اور انہماک سے اپنے کاموں میں جُتے ہوئے تھے۔ میں نے پہلے ہی ان سب کے کانوں سے نکال دیا تھا کہ یہ پکوان کوئی دعوتی یا شادی ولیمہ سالگرہ کے لیے نہیں ہیں۔ یہ لنگر ہے جو اُن کے لیے ہے جو اس کے انتظار میں رہتے ہیں' جو اس کے مستحق ہیں' جو اس لنگر کی حکمت و اہمیت سے واقف ہیں...... اس لیے کوئی کسر نہ رہ جائے اور یہ بھی بتا دیا...... لنگر کی اپنی ایک مخصوص مہک ہوتی ہے اور اس مہک کے چار حصے ہوتے ہیں۔ پہلا حصہ جو اہتمام کرتا ہے' دوسرا

Scanned with CamScanner

جو تیار کرتا ہے' تیسرا حصہ جو کھاتا ہے' چوتھا حصہ جو قبول کرتا ہے۔ تم تیار کرنے والے ہو' دیکھتے ہیں کہ کس کے تیار کیئے ہوئے کھانے سے وہ مخصوص خوشبو آتی ہے۔ جس کے پکوان سے وہ مہک آئے گی وہ لنگر تیار کرنے کی خدمت کے اہل ہوگا۔

اڑھائی تین گھنٹے میں چاروں کی آٹھ دیگیں دم پہ تھیں...... پکائی کے دوران میری آنکھوں دیکھی' اُن کی پیشہ ورانہ مصروفیات بھی میرے سامنے تھیں۔ کس نے سگریٹ اور نسوار کا استعمال کیا۔ صفائی ستھرائی کا کتنا خیال رکھا؟ کس نے کتنے مسالے چوری کیئے اور کہاں چھپائے...... چکھنے کے بہانے کس نے بوٹیاں کھائیں اور دیگر چھوٹی چھوٹی باتیں......!

ظہر کی نماز کے بعد بسم اللہ شروع ہوئی اور دو دو ڈونگوں میں بریانی اور قورمہ میرے روبرو دھرا تھا۔ پہلے تین باورچیوں کو لنگر اور معاوضہ دے کر معذرت کر لی گئی۔ چوتھا' جس کا تعلق چنیوٹ سے تھا اور لاہور میں ایک ''چنیوٹ پکوان'' نام کے ایک ادارے میں پارٹ ٹائم ملازم تھا۔ صرف خاص تقریبات کی پکوائی کرتا تھا۔ عام قسم کے کاموں میں نہیں جاتا تھا۔ اس کا معاوضہ' دوسروں کے مقابلے تین گنا زیادہ اور نخرے نوابوں جیسے۔ پکائی کے لیے سامان' مالکان سے نہیں لیتا تھا۔ خود خریدتا مثلاً اُسے دو من بکرے کا گوشت یا دو بوریاں چاول' گھی مسالہ جات جو بھی چاہیے' آپ یا آپ کا ملازم ساتھ ہوگا۔ لے گا وہ اپنی مرضی کی چیز' پکائی وہ پردے میں کرے گا۔ اس کے شاگرد ساتھ ہوں گے' اس دوران وہ مالک کو بھی اُدھر پھٹکنے نہیں دے گا۔ معاوضہ وہ نو دولتیوں سے طے کرتا...... کچھ ایسے لوگ' جنہیں وہ کھانے پینے کے شوقین اور جانکار سمجھتا ہے اُن سے معاوضہ طے نہیں کرتا...... اُن کی مرضی پہ چھوڑ دیتا ہے۔ آپ خوش ہوں جائیں تو جو جی چاہے دے دیجئے گا۔ میں بند مٹھی جیب میں ڈال کر چلا جاؤں گا۔ کوئی کسر رہ جائے یا آپ کو مزہ نہ آئے تو میرے لیے ایک پیسہ بھی حرام......!

یہ تھا بشیر احمد چنیوٹیا! جس کے دادا پردادا بھی یہی کام کرتے تھے اور فقیر درویش میں بھی نام رکھتے تھے۔ سفید بریانی' جس کے چانولوں کا ایک ایک دانہ الگ ثابت اور نیچے سیپ کی سی ڈھلک مارتا ہے...... اُوپر سے سادہ چانولوں کا خشک تراہ دکھائی دیتا ہے' مگر جب اُنہیں منہ میں دھرو تو لذت و لطافت سے لب اک دوجے کا بوسہ لینے لگتے ہیں۔ ایسی لُطف چھوڑتی ہوئی مہک کہ مشامِ جاں لپک لپک اُٹھے۔ کہیں جھانکتی ہوئی رسیلی پلّے پردے کی نرم نرم بوٹیاں...... منہ دھرو تو آپی آپ رس گھولتی ہوئی حلق میں اُتر جاویں...... ایک آدھ لونگ' کالی مرچ' بادیہ خطائی کا قُطبی ستارہ...... سیاہ زیرے کی نرم سی جھلک...... زعفران کا ترازو' کا خوشی بھری!...... تناول کرتے ہوئے لگتا ہے داستانِ امیر حمزہ کے حرف و لفظ اور کردار سفید و بریانی میں بدل

Scanned with CamScanner

گئے ہیں۔

یہی حال میرا کہ دو لقمے اُٹھائے ہوں گے کہ اندر باہر سیراب ہو گئے۔ میں نے اسے شاباش دیتے ہوئے پوچھا۔

''بشیر احمد! چاندنی چاول پکانے کے لیے اور ریشمی رساول بنانے کے لیے کیا کچھ ضروری ہوتا ہے؟''

بشیر احمد مجھے یوں تکنے لگا۔ جیسے میرے سر پہ سینگ نکل آئے ہوں۔ بن آنکھ جھپکے مجھے تک رہا تھا...... یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ ارے......؟

عالم تحیر اور عالم سکرات میں کچھ ایسے بھی مقامات آتے ہیں کہ دماغ کی سلیٹ صاف ہو جاتی ہے۔ انسان بے بس ہو جاتا ہے' اُس کے ظاہری باطنی سب سسٹم ساکت وجامد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میرے اچانک اِس سوال پہ' جو اِسی وقت ہی ذہن میں اُبھرا تھا...... میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کا ری ایکشن ایسا زبردست ہوگا کہ اِس کے چہرے پہ ہوائیاں اُڑنے لگیں گی...... سکتہ میں اُتر جائے گا اور موٹی موٹی آنکھیں سرخ پڑ کر ٹھہری رہ جائیں گی۔ کسی کی سکتہ والی کیفیت کو توڑنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا؟...... سکتہ اکثر اپنا علاج خود ہی کر لیتا ہے یا پھر لوگ' جھنجھوڑ یا تھپڑ لگا کر اُس کے حواس درست کر دیتے ہیں۔

یہ کچھ میں اِدھر تو نہ کر سکتا تھا۔ ہاں' البتہ! اپنے سوال پہ غور کیا' میری ایسی کون سی بات تھی جو اسے لڑ گئی ہے؟ جب کچھ پلے نہ پڑا تو آنکھوں میں یہی سوال بھر کر اُسے استفہامیہ نظروں سے تکنے لگا۔ مقابلتاً اُس نے بھی بوندا بوندا آنکھوں میں جواب دَھر کر مجھے یوں پیش کیا جیسے کوئی مَن چنچل الہڑ' کسی سوال کے جواب میں اپنے بالم کو جل بھرے چاندی کے کٹورے میں تیرتا ہوا' کالی مٹی کا بھرتا دیا بھینٹ کرتی ہے۔

باباجی! میرا والد' اپنے پیر کو چاندنی چاول اور گنوں کے موسم میں جب بیلنوں پہ رس نکالا جاتا ہے...... ریشمی رساول پکا کر اپنے ہاتھ سے کھلایا کرتے تھے۔ جب میرے والد' یہ پکوان تیار کر رہے ہوتے تو اپنے قریب کسی کو پھٹکنے نہیں دیتے تھے۔ مجھے بھی کام سکھاتے ہوئے یہ تاکیدکی تھی کہ اپنے ہنر میں حجاب رکھنا۔''

میرے سامنے سے پردہ سرکا...... مجھ پہ کھلا کہ مقدس اور قیمتی نوادرات حجاب ہوتے ہیں...... پاکیزہ نفوس' محترم چہرے' حُسنِ حقیقی' حق حقیقت' حجاب کے پیچھے ہی اپنی معنویت رکھتے ہیں...... رازہائے کائنات وکونین' حجاب میں ہیں۔ انفاسِ قدسیہ' جنات دیگر عنصرات نہفتہ وخفتہ صیغہ راز میں ہیں...... اسی طرح کیمیاگری' حکمت وحذاقت' فن وفطانت' جاہت وامانت وغیرہ کھلی ہوا میں نہیں رہنے چاہئیں...... کم سوادی بے قدری' حسد وحسرت کی سیلن زنگ پھیر دیتی ہے۔ اپنے غم اَلم' فرسودگیاں محرومیاں' پریشانیاں پژمردگیاں' کہیں پس منظر کی اُلگنی پہ ٹانگ کر بھول جاؤ کہ پیٹ پیچھے سے پلا اُٹھانے سے حاصل تو کچھ ہوتا نہیں' پردہ'

Scanned with CamScanner

پھونکت میں نکو بن جاتا ہے۔

مَیں نے اسے مزید پریشان کرنا اور کریدنا مناسب نہ سمجھا...... معاملہ کو سمیٹنے کی غرض سے کہا۔

''بشیر احمد! دائی سے پیٹ، پڑا نپوزہ اور گیدڑ سے کھیت میں ڈھرا خربوزہ چھپائے نہیں چھپتے۔ مَیں نہ کچھ کھوتا ہوں اور نہ بولتا ہوں۔ بس، وہ مسالوں کے چرانے والی حرکت کو خود ہی کھول کر ذ حیلا کر دو کہ مَیں بھی کچھ سیکھ سکوں۔ عقلِ کل کا مالک' کوئی نہیں ہوتا...... جو پیدا ہوتا ہے پہلے روتا ہے' پاتا وہی ہے جو کھوتا ہے۔''

مجوب سا کہنے لگا۔ ''مجھے میرے باباجی نے بتایا...... فرشتے اور آدمی میں نمایاں فرق نفس کا ہے۔ فرشتہ' خواہشاتِ نفسی وعقلی سے ماورا اور بشر' ان سے بھرا ہوتا ہے۔ جب انسان کسی بھی وجہ سے بشریت کے دائرہ سے پاؤں نکال کر فرشتوں کی حدود میں منہ مارنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے مقامِ بشریت اور اعزازِ انسانیت سے مطمئن نہیں۔ جبکہ بشریت' اپنی جگہ خود بشارت ہے اور اس میں ماورائیت کی جستجو' صریحاً بدعت ہے۔ فقیرِ شہر اور امیرِ شہر کے مابین یہی فرق ہوتا ہے کہ ایک کا سفر' نیچے کی طرف ہوتا ہے اور دوسرے کا اُوپر کی جانب......!''

ہم ملامتی ہیں...... ہماری کوئی تعریف کر دے یا ہم سے کوئی اچھائی سرزد ہو جاتی ہے تو ہمیں فکر پڑ جاتی ہے...... اس خاطر ہم خود کو حساب میں رکھنے کی خاطر' دانستہ ایسی حرکتیں بھی کر گزرتے ہیں۔ جن میں ضم کا پہلو نکلتا ہو...... ارے! یہ تو ہمارا پیر بھائی' ملامتی نکلا......؟

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اُس نے اپنے اندریں سلوکے میں ہاتھ ڈال کر دو چار پوٹلیاں جن میں الائچی' لونگ' زیرہ' جلوتریاں تھیں نکال باہر میرے رُوبرو رکھ دیں...... بولا۔

''دیکھیں مَیں نے صرف آپ کی خاطر' فنتی فنتی نہیں' تمیں' ستر کا حساب رکھا۔ ورنہ مَیں آدھے سے زیادہ تو نکال ہی لاتا ہوں۔ گھی چاول چینی اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔ اس سامان سے کئی مفلسوں کے گھروں میں چولہے روشن ہوتے ہیں۔ دولتمندوں کا کیا' وہ تھوڑا کھاتے' زیادہ پھینکتے ہیں۔ بس! میرے کام میں یہی برکت ہے۔''

مَیں نے جان بوجھ کر پوچھا۔

''کیا یہ تمہاری چوری' گناہ کے زمرے میں نہیں آتی......؟''

عجب سا جواب دانا......!

''اچھائی برائی' گناہ و ثواب کے سارے فلسفے' اخلاقیات سماجیات کی مختلف توجیہیں ہی تو ہیں جو پڑھنے' سننے میں بڑی بھلی اور دلنشین لگتی ہیں مگر ضرورت' حقیقت اور مجبوری کے آگے گھٹنے ٹیک دیتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

گونگلوں کی کرانڈ ختم کرنے کی خاطر دو چار چٹکیاں گڑ شکر کی شامل کرنی پڑتی ہیں۔ اسی طرح فیشکر کی راب صاف کرنے کے لیے ایک آدھ مٹھی میل کاٹ ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بندہ، بندگی کے بندھن میں قابو رہتا ہے اور نہ بشریت کے کینڈے میں پوری طرح فٹ بیٹھتا ہے...... یعنی اس کی فطرت کے گڈے گوڈوں میں پارے کی طرح بیٹھے ہوئے تلوّن اور نسیان، اس کو تلملائے اور تگنی کا ناچ نچائے رکھتے ہیں۔ اسی طرح مستقل مزاجی، بردباری اور تحمل و تدبر کا فقدان بھی اس کا ناس مار کے رکھ دیتے ہیں......؟

کیڑا، موری میں خوش رہتا ہے اور اپنی حیثیت، سرشت کے مطابق طبعی زندگی بسر کرتا ہے۔ کرم کو رطوبت سے، کھٹمل کو کھنیک کھاٹ کھاڑک سے، چیچڑ، مچھر، جونک کو کھدری کھال اور بجز سل بالوں سے، پسوؤں کو چام شام جون سے، سسری کو بھنڈ اور بھورے سے، دیمک کو داسا اور دَر و دالان سے...... چھچھوندر، چھپکلی، جھلپ اور چھلاوے کو اگر بلوں بالوں بیلوں کڑیوں مرضیوں سے نکال باہر کیا جائے تو مخلوق کا نظامِ حیات و ممات مفلوج ہو کر رہ جائے؟ ارے! یہ تو فلاسفر بھی ہے؟

● کوچۂ پٹ رنگاں میں اک سیاہ پوش......!

میرا ایک بچہ رنگریز ہے...... میری خواہش ہوتی ہے میری یاد اللہ کچھ ایسے پیشہ ور ہنرمندوں سے بھی رہے جو اپنے پیشہ میں مخلص اور یکتا ہوں، عطائی نہ ہوں۔ اپنے جدی پشتی پیشے کے امین، اور علمبردار ہوں، ان پیشہ وروں میں نائی، قسائی، نانبائی، جراح حکیم، سقے، موچی، منجیاں پیڑھیاں ٹھوکنے والے ترکھان...... تلواریں تیر تبر، زرہیں منجنیق اور سامان زراعت بنانے والے آہن گر...... عمارتیں تعمیر کرنے والے معمار، کھوجی کمہار، کپڑے سینے اور دھونے والے درزی دھوبی تیلی وغیرہ...... اسی طرح خاندانی مراثی، بھانڈ، کلونت، قلندر مداری، ڈھولیے، پہلوان، ملاح اور نلوانے!...... میں ان لوگوں کی بہت عزت اور ڈھیر ساری قدر کرتا ہوں۔ میں ایمانداری سے اس امر پہ یقین رکھتا ہوں کہ زندگی کی اصلیت کا اصل علم اور ادراک ایسے ہی بے ضرر مگر عظیم انسانوں کے پاس ہوتا ہے۔ یہ رزق حلال کمانے والے لوگ ہوتے ہیں۔

یہ میرا رنگریز بچہ بھی لالاریوں کے ایک قدیمی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ چناں ان پڑھ اور ان پاڑ......! مگر اپنے فن میں سولہ آنے تیار...... رنگ، اس کے روبرو اپنے پورے انگ کھول دیتے تھے۔ ایسے پکے اور نپے رنگ چڑھاتا کہ خسرو کی چنریا اور چولے، آنکھوں کے سامنے لہرانے لگتیں۔ تصوف میں رنگ رجوا کا استعارہ سب سے زیادہ خسرو نے استعمال کیا اور خوب کیا......؟

اقبال ٹاؤن لاہور کی مُون مارکیٹ میں سے گزر رہا تھا۔ رنگریزوں کا اک جمِ غفیر اِدھر موجود ہوتا ہے۔ بیچ بازار ہی دوپٹے لہرائے سکھائے جاتے ہیں۔ رنگوں بھری ناندیں' بھٹوں پہ اُبالے کھا رہی ہیں۔ کاریگر لونڈے بالے' پتلی پتلی سی چھڑیوں سے پارچات کو اتھل پتھل کر رہے ہیں۔ نیلے پیلے' اُودے کاسنی' بسنتی' سرخ فالسئی' خاکستری' فاختئی' جامنی رنگوں کی بہاریں اُتری ہوتی ہیں۔ ادھر سے گزرتے ہوئے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نگارخانے کی راہ سے ہولیا ہوں' طبیعت میں عجب سی ترنگ اور سرخوشی سی در آتی ہے...... نگاہوں کے دَرے' مٹھے سے لہرے جھولتی ہوئی قوسِ قزحیں جلنگ کرنے لگتی ہیں...... بسنت رنگ کے سارے منظر' رنگوں کی پچکاریاں' گلال اور اراروٹ کے تازہ آنے کی مہک سے میں مہکارا جاتا ہوں۔

ایک سہانے سے دن' شام اُترنے سے کچھ پہلے...... میرا اس کوچہ "پٹ رنگاں" سے گزر ہوا...... کہیں سے "بابا جی" کی دبی سی آواز سنائی دی۔ جیسے کسی نے مجھے پکارا ہو...... خود بخود مجھے بریک لگ گیا اور میں مڑ کے دیکھنے لگا......

پکار' ندا' صدا وغیرہ صوت کی مختلف کیفیتیں ہیں۔ آواز حلق سے نکلتا ہے جبکہ یہ تینوں کہیں اندر کی کوٹھڑی سے نکلتی ہیں۔ جیسے چیخ' آہ' کراہ اور واہ ہوتی ہیں...... یہ بھی لاشعوری ہیجانی کیفیات ہوتی ہیں۔ ایک نوجوان جو اپنے داغدار لباس اور رنگوں سے سیاہ ہوئے ہاتھوں سے رنگریز دکھائی دیتا تھا' میرے سامنے سرنیہوڑے آکھڑا ہوا۔

ہاں' مختلف رنگ جب ایک جگہ رل مل جمع ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی انفرادی شناخت کھو کر ایک مشترکہ رنگت اختیار کر لیتے ہیں اور وہ رنگت سیاہ ہوتی ہے۔

نورِ حقیقی' لوح و قلم' تخت و کرسی کونین کا نات' کس رنگ کے ہیں......؟ نظامِ ہست و بود' ازل و ابد' مہد لحد' دانش و بینش' علم و عقل' فہم و ادراک سب کیا ہیں؟ اک پردہ حجاب ہی تو ہیں' جب انسان حجاب کر لیتا ہے تو اس کا واسطہ اک سیاہ پرت سے پڑتا ہے۔ جو کالی گھٹا' کالی چادر کی طرح ڈھانپ لیتی ہے۔

سیاہ رنگ نہیں ایک ازلی ابدی حقیقت ہے جو کسی عمل یا ردِعمل کا محتاج نہیں۔ اس رنگ کے حصول کے لیے کسی مادی میٹریل کی محتاجی نہیں ہوتی......! اب ذرا غور کریں کہ تنہائی کیا چیز ہے......؟ تنہائی بھی سیاہ ہوتی ہے اگر تنہائی سیاہ نہیں تو وہ محض کنارہ کشی ہے۔ سیاہ رنگ جب مکمل گہرا ہوتا ہے تو یکدم اپنی ہیئت بدل کر اُجل جاتا ہے اور از قسمِ نور بن کر دل و نگاہ کو روشن کر دیتا ہے۔ یہی وہ روشنی ہے جسے تنویر کہتے ہیں جو مہتاب و آفتاب کے مستعار اُجالوں سے کئی نوری سال بڑھ کر ہوتی ہے......؟

سرمہ اثمد اصفہانی ہو یا سرمۂ نظر' دل کے لیے سرور اور آنکھوں کے لیے نورِ ظہور ہوتا ہے۔ دونوں ہی

Scanned with CamScanner

شیاہ سیاہ ہوتے ہیں۔ روشنی میں سیاہی نہ ہو تو وہ آشنائی و آگاہی دینے میں متامل ہوتی ہے۔ تِل کالا نہ ہو تو دل میں میخ کی مانند ٹھکتا ہی نہیں...... رات شب تار نہ ہو تو اس میں اسرار ہی پیدا نہیں ہوتا۔ زلف گرہ گیر سیاہ نہ ہو تو مار سیاہ میں بس نہیں رہتا...... اسی طرح تنہائی میں سیاہی کی گلیم سر پہ نہ ہو تو سر سیاہی بھر سرور نہیں آتا ہے۔ کوّا کالا نہ ہوتا تو کوئی کبوتر ہوتا اور جو کبوتر شیاہ سیاہ ہوتا وہ قطب کبوتر ہوتا ہے۔

بات رنگریز بچے سے آگے بڑھی تھی...... کہ مجھے رنگریزوں کی مارکیٹوں سے گزرنا اچھا لگتا ہے۔ میری طبیعت کھل اٹھتی ہے۔ میں اپنے روبرو کھڑے اس بچے کا عندیہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے مجھے بے ساختہ پکارا...... ایسا اس نے ارادتاً کیا یا اس سے خود بخود سرزد ہو گیا۔ اس کے سرنیہو کر کھڑے ہونے کے انداز سے تو اندازہ ہوتا تھا کہ یہ "پکار" والی ہوک...... اس کے اندر اندھیری کوٹھڑی کی کسی کنج سے او بدائی ابابیل کی مانند پھڑپھڑاتی ہوئی باہر نکلی تھی۔ کونجوں کی کرلاہٹیں، کوؤں کی کاں کاں، کتوں کی کوں کوں اور ابابیلوں کی آزردہ سی آوازوں اور ادھوری ادھوری اڑانوں سے تو میری پرانی شناسائی اور قرابت داری ہے۔

عاشق اپنی آنکھوں، عالم اپنی باتوں...... شاطر اپنی چالوں، نہایا اور کھایا ہوا اپنے بالوں اور گالوں سے...... مسافر اور مریض اپنے حال و ملال سے، سائل اور ہیجڑا اپنے سوال اور چال سے...... مشاطہ اور جیب تراش اپنی انگلیوں سے، خراف اور مراثی اپنی ذرفتیوں چٹکلیوں سے...... گنوار کمہار، لوہار، ٹھیار، معمار اپنے ہاتھ پیر...... چوہدری، چور اور جمیار اپنی ٹِک چِک سنگ...... پنواڑی، تیواڑی، کباڑی اور لالاری (رنگریز) اپنے لباس کے داغوں اور رنگی ہوئی ہتھیلیوں، نیلی پیلی سیاہ پوروں اور ناخنوں سے شناخت ہو سکتے ہیں......؟

اصل حقیقی رنگ تو صرف ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی رنگ ہیں وہ اسی سیاہ رنگ کے ضمنی روپ بہروپ ہیں جو مادیت کی مختلف ہیئات اشکال، کیفیات و کرامات کو آفتاب کی تابانیوں کی مہربانیوں سے گوناگوں رنگین عکسوں سے انسانی حدسوں کو دکھائی دیتے ہیں۔ اگر گھاس سبز دکھائی دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سبز ہے۔ بنیادی چیز دکھائی دینا نہیں ہونا ہے۔ گھاس کا ہرا دکھائی دینا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے گرد اگرد جو اس کے کیمیائی عنصرات پھیلے ہوئے ہوتے ہیں ان کے اثرات ہوں۔

بہت سے انسان اور دیگر مختلف جانور ایسے بھی ہوتے ہیں جو کلر بلائنڈ ہوتے ہیں۔ وہ رنگوں میں تمیز نہیں کر سکتے...... ان کے سامنے پوری کائنات بس دو ایک معدوم سے رنگوں پہ ہی مزین ہے...... کچھ جانور اور انسان ذائقوں اور خوشبو، بدبو...... درد تکلیف، خوشی غم...... خوف ڈر...... جذبات رحم ترس اور ہمدردی جیسی حسیات سے بری طرح محروم ہوتے ہیں۔ ہر قبیل کی تخلیق اپنا اپنا مخصوص ظاہری اور باطنی نظام پا کر معرض وجود میں آتی ہے۔ مگر ان میں سے کچھ دانے علیحدہ سے بھی ہوتے ہیں...... جن میں ماورائیت ہوتی ہے۔ یہ تو خالق

Scanned with CamScanner

ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہوتی ہے۔؟

مجھے مٹی سے مَس کرتے ہوئے اور کسی نامعلوم بے نشان منزل کی جانب بڑھتے رہنے والے پاؤں...... کار مشقت' رزق اور سلامتیاں آسانیاں تقسیم کرتے ہوئے ہاتھ اور ناخن تدبّر و تفہیم' تدبّر و تحمّل سے حالات' مشکل معاملات کی گرہیں ڈھیلی کرتی ہوئی انگلیاں اچھی لگتی ہیں...... سُبحان اللہ!

جن کے ہاتھوں پہ مشقت سے گٹھے نمایاں ہوں' تلاش کے سفر میں پاؤں پہ چھالے پڑے ہوں...... ممنونیت کی مُد میں ماتھے پہ مُہرِ تکریمت مقیم ہو...... اخلاص و اخلاق' سچ اور دھیرج سے بھیگے ہوئے لہجے' عجز و احترام سے جُھکے ہوئے سر اور وفا و حیا کے سُرمے سے بسی ہوئی آنکھیں...... ایسے قطب نما' کہیں پاؤ تو آنکھیں سیر کرلو...... دل گداز کرلو...... سوچوں کی سمت راس کرلو کہ یہی وہ ہیں جن کی آستینوں میں خورشید ہوتے ہیں......!

اس رنگ رَجوے کا نام شاہجہان تھا۔ قُل بنا قُل' میری طرح اَن پڑھ...... جن کے ہاں سے آگے فیض کے چشمے جاری ہوتے ہیں...... بے رنگوں' بدرنگوں' کچ رنگوں کو پکے رنگ چڑھتے ہیں...... ایسے لوگ اکثر اَن پڑھ ہی ہوتے ہیں۔ گُل لالہ ہوتے...... قدرت اُن کی پرورش کرتی ہے...... تلمیذ الرحمٰن ہوتے ہیں...... چشمہ کی طرح' رواں دواں پانی' صاف ستھرا' معطّر و مُقطّر' شفابخش' آبِ جاوداں کی طرح حیات پرور......!

فطری علم میں قدامت رہے تو اس میں کرامت بچی رہتی ہے...... جدیدیت آجانے پہ حرکت تو رہتی ہے مگر برکت اُڑ جاتی ہے۔ حرکت میں برکت نہ ہو تو نحوست و یبوست جنم لے لیتی ہیں۔ شاہجہان اور رنگریزی؟...... نام اور کام نے میرے اندر اِک ہنگام برپا کر دیا تھا۔

سرِ راہ' مجھے ایک ایسے معصوم افغانی بچّے سے ملنے کا اتفاق ہوا جو ایک چھوٹا سا پلاسٹک کا بورا کندھے سے لٹکائے' سڑک کے کنارے پڑے آہنی کوڑا دان سے ایسی اشیا چُن رہا تھا جنہیں بیچ کر وہ کچھ رقم حاصل کر سکے۔ مَیں شاید اُس کی جانب متوجّہ نہ ہوتا اگر مَیں اُس کے پَیر سے رِستا ہوا خون نہ دیکھتا۔

مَیں قریب فٹ پاتھ سے گزر رہا تھا اور وہ غلاظت کے کوڑا دان کے اندر اترا ہوا متعفّن گندگی کے انبار میں سے اپنا رزق تلاش کر رہا تھا...... کوڑا دان گہرا جبکہ وہ کانحا اور عمر و عقل میں کہتر!...... پاس سے گزرنے والوں کو دکھائی نہ دیتا کہ اندر دھنسا ہوا تھا۔

خوشبو اور بدبو دونوں اپنی اپنی حیثیت میں اہم ہیں...... خوش جمالوں اور روشن دماغوں کے لیے خوشبو اِک نعمت غیر مترقبہ ہوتی ہے...... بدبو یا ناگوار مہک سے ان نازک مزاجوں کی طبیعت مالش کرنے لگتی ہے' موڈ بگڑنے لگتا ہے...... یہاں تک کہ وہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔ جیسے مغلوں کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کو اِک

Scanned with CamScanner

''شاندار جبری موت'' سے ہمکنار کرنے کے لیے بداندیشوں بداندیشوں نے انسانی غلاظت کے تعفن کو بطورِ زہر ہلاہل استعمال کا منصوبہ بنایا...... یعنی جو باسی گلگلے کھانے سے مر جائے اُسے گلومین کے نیچے دینے کی کیا ضرورت؟...... لیکن خوشبو اور بدبو تو ایسے ہی ہیں جیسے میٹھی اور کھٹی لسی...... یا پھر گھیا توری اور کریلے...... نیمولیاں یا کچنار...... جنگلی بیر یا دھرکونے...... کوزہ مصری یا مصفّٰی بڑیاں...... نیشکر نجخت یا نوشادر کھار وغیرہ...... یہ سب خوشبوویں بدبوویں 'میٹھے کڑوے کھٹے کسیلے' پھیکے چرپرے تمکین ذائقے' موسم اور کام و دہن' سب سامریٔ عصر کے کرتب و کرشم ہیں۔'' تجزیہ کرلیں! کڑوی شے کو میٹھا سمجھ کر ہپ ہپ کرتے کھاتے جائیں تو کچھ ہی دنوں بعد وہی تلخ چیز' اچھی اور میٹھی لگنے لگے گی۔ جیسے لعاب منہ میں خود بخود بنتا ہے اسی طرح انسانی لذات و خطات' خیالات جذبات کیفیات' منہ کے مزے' مزاج' موڈ بھی لعاب دہن کی مانند ہوتے ہیں...... جیسے معدے کا موسم ویسے ہی منہ کے لعاب کی رُت......!

مَیں اُس بچے اور اُس کے پاؤں سے رستے خون کو دیکھ نہ پاتا اگر ناگاہ میری نظر اُس کے سفید ننھے منے ہاتھ پہ نہ پڑتی جس کی مدد سے وہ کوڑا دان کے اندر سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔مَیں اس کا چاندی کی مانند چمکتا ہاتھ' ننھی منی اُنگلیاں دیکھ کر غیر ارادی طور پہ رُک گیا...... میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کسی نہ کسی طور باہر نکل آیا...... کاٹھ کباڑ کا بورا اُس کی گرفت میں تھا۔ سر پہ افغانی ٹوپی' ویسے ہی کپڑے اور جوتے' جو اُس کے پاؤں کے حساب سے بڑے دکھائی دے رہے تھے...... یہ سفید رنگ کے جوگر تھے......دائیں والا جوگر' خون سے سرخ ہو رہا تھا...... بچہ کسی نہ کسی طور' خود آپ اپنی مدد کے تحت زخمی پاؤں کو جوتے سے آزاد کرنے کی کوشش کرنے لگا...... جوگر کا گز بھر لمبا تسمہ کھولنے میں اُسے خاصی دُشواری ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے خون سے لت پت جوتا دیکھ کر اُس کا حواس باختہ ہونا سمجھ میں آتا تھا۔

مجھ سے نہ رہا گیا۔ قریب گیا پاس بیٹھ کر اُس کی مدد کی غرض سے' تسمہ کھولنے لگا...... وہ اچانک مجھے اور میرا حلیہ' سیاہ لباس' لمبی ریش' دراز گیسو' مالائیں' انگوٹھیاں' ہاتھ میں عصا' دیکھ کر بلند آہنگ سے رونے چیخنے لگا' شاید ڈر گیا تھا۔'' شیروانی پٹھان ہونے کے باوصف مَیں پشتو زبان سے نابلد ہوں۔ دو چار نسلیں پہلے کہیں آباء و اجداد' اس مردانہ زبان سے باہمی افہام و تفہیم کرتے ہوں گے۔ ہم نالائقوں تک پہنچتے پہنچتے یہ ''عظیم'' مجاہد اور مردانہ'' زبان ہمارے ہاں اجنبی بن کر رہ گئی تھی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا زبانیں بھی مردانہ' بزرگ اور مجاہد ہوتی ہیں؟ میرے نزدیک اس کا جواب بھی ہاں میں ہے۔ فارسی' عربی' فرانسیسی' قلعہ معلی والی اُردو' اس کی موٹی موٹی امثال ہیں...... جو زبان اپنی اظہاری افہام و تفہیم کے لیے آنکھوں ہاتھوں اور اشاروں کنائیوں کی محتاج اور ایک حد سے بڑھ کر لجاجت' عجز و خاکساری

Scanned with CamScanner

اور بات بات پہ سر اور کاندھے جھکانے کا وطیرہ رکھتی ہو..... قطعیت سے عاری اور ہاں ناں کا درمیانی مؤقف اختیار کرتی ہو میرے نزدیک وہ مردانہ زبان نہیں ہوتی...... ابلاغیت اور اخلاقیت کا غیر ضروری استعمال اکثر منفی نتائج پیدا کرتا ہے۔ ہندکو سرائیکی ہندی' سندھی بلوچی بھی کسی حد تک اسی قبیل میں آتی ہیں۔

وہ پشتو میں مجھے شاید بُرا بھلا کہہ رہا تھا یا مجھے تسمہ کھولنے سے روک رہا تھا' یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میری مدد قبول کرنا نہیں چاہتا ہے اور یہ بھی اغلب ہے کہ وہ مجھے کوئی پہنچا ہوا بزرگ سمجھ کر اپنے پاؤں کو ہاتھ لگانے سے منع کر رہا تھا۔ جو بھی تھا وہ میری گرفت سے اپنا پاؤں کھینچ رہا تھا اور میں اُس کے خون سے سُرخ جوتے کو اُتارتا جا رہا تھا۔ سڑک پہ ٹریفک رواں دواں تھی۔ بسیں' کاریں' موٹر سائیکل' رکشے اور دیگر ریڑھے' ریڑھیاں تانگے' ہر کوئی اپنی منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں...... کسی کو اتنی فرصت فراغت کہاں کہ سڑک سے ہٹ کر پڑے بلدیہ کے غلاظت بھرے آہنی چھکے ہوئے کوڑے دان سے اپنا رزق تلاش کرتے ہوئے کسی افغانی بچے کے لہولہان پاؤں کو دیکھ سکے۔ یہ تو معمولی زخمی ''غیر ملکی'' بچہ تھا جو اُردو پنجابی کا ایک لفظ تک نہیں جانتا...... یہاں تو روزانہ ٹریفک کے حادثوں' ٹارگٹ قتل کی وارداتوں' دہشت گردی کے واقعات میں سینکڑوں لوگ کام آ جاتے ہیں۔ کوئی کہاں تک کسی کی جانب دھیان دے' روئے پیٹے' واویلا یا اُن کی مدد کرے......؟

جب کوئی آپ کی زبان نہ سمجھتا ہو تو کوئی معاملہ درمیان ہو تو میرے پاس یہی حل ہوتا ہے کہ میں دائیں ہاتھ دل پہ رکھ کر سر خم کر لیتا ہوں..... اور ساتھ الحمد للہ' الحمد للہ! کہتا جاتا ہوں..... مقابل میں مسلمان ہو یا کسی اور مذہب کے ماننے والا' کوئی بھی چینی جاپانی' افریقن یا امریکن...... جنگلی یا صحرائی' کوئی بھی ہو میرا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ بچہ مجھ سے حد درجہ خائف ہے اور نہیں چاہتا کہ میں اُسے ہاتھ لگاؤں' ہمدردی یا مدد کروں تو میں نے یہی الحمد للہ والا نسخہ استعمال کیا۔ اُس سے نظریں ملائے بغیر آہستہ آہستہ الحمد للہ پڑھتا رہا اور ساتھ ساتھ تسمہ بھی کھولتا جا رہا تھا۔

شیشے کی کوئی کرچی اُس کے جوگر کے تلے میں گھس کر تلوے کو چاٹ گئی تھی۔ اُس کے نکالنے کی کوئی ترکیب یا ٹکل اُس کی سمجھ میں تو نہ آئی' البتہ کوڑا دان سے باہر نکلنے کی تگ و دو میں ٹوٹ ضرور گئی۔ سینے میں اُترا ہوا تیر شاید اتنی تکلیف نہیں دیتا جتنی اُس کی ٹوٹی ہوئی اَنی اذیت پہنچاتی ہے۔ اسی طرح سینے میں دم پھنسا رہ جائے' یا کوئی خلش کشمکش' حسرت آرزو' یا اَرمان اور یاد! سانپ کے مُنہ میں چھپکلی کی طرح کا حال ہوتا ہے۔ سینہ ایک ایسے قفس کی مانند بن کے رہ جاتا ہے' جس میں پرندہ بھی موجود ہوتا ہے' کھڑکی بھی کھلی..... آب و دانہ بھی وافر...... مگر اِذنِ پرواز نہیں ہوتا۔

میں اُس کے کسی بھی ردِ عمل کی پروا کیے بغیر' بائیں پاؤں سے بہتا خون' اپنی سیاہ چادر سے صاف کر

Scanned with CamScanner

رہا تھا۔ تلوے پہ اک گہرا گھاؤ دکھائی دیا۔ ہلکا سے دبایا تو خون کی ایک دھار باہر اُبل پڑی' مجھے محسوس ہوا کہ ٹوٹے ہوئے شیشے کا کچھ حصہ ابھی بھی پاؤں کے اندر گھسا ہوا ہے جسے ہسپتال والے ہی نکال سکتے تھے۔

بچہ نیم بے ہوش ہو چکا تھا' خون کافی بہہ چکا...... اب اُسے فوری کسی ہسپتال پہنچانا ضروری تھا۔ میں بوڑھا پیدل ماسٹر! اِدھر اُدھر دیکھا ...... سڑک پہ ایک خالی رکشہ دکھائی دیا۔ آواز دلگایا اُسے بلایا...... ہسپتال پہنچایا...... ایمرجنسی میں ڈاکٹر نے ہلکا سا کٹ لگا کر ٹوٹے ہوئے شیشے کو نکال باہر کیا...... ایک دو ٹانکے لگے' پٹی باندھی' فارغ کر دیا۔ انجکشن' ٹانکوں کی تکلیف' ہسپتال...... وہ خاصا حواس باختہ تھا۔ زبان کا مسئلہ الگ' معصوم مسلمان بچہ! اسی حالت میں اُدھر چھوڑ کر تو نہیں آ سکتا تھا۔ چار و ناچار دوبارہ رکشے پہ دھرا اور گھر لا اُتارا......!

گھر میں کون سے نوکر چاکر یا بیوی بچے تھے جو اسے سنبھالنے میں مدد دیتے۔ میں تو خود دوسروں کے آسرے ڈھونڈتا رہتا ہوں یعنی کوئی تو ہو جو میری ناتوانیوں' پیرینہ سالیوں کا ساتھی ہو؟ میری کم بختی کا یہ عالم کہ دائیں ہاتھ پاؤں کو ہلانے کے لیے بائیں ہاتھ پاؤں کا احسان لینا پڑتا ہے۔ پہروں ایک پہلو پہ پڑے پڑے پچھے پنچھے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ رگوں کی ٹوٹی پھوٹی نالیوں میں خون کی بجائے ریشہ و بلغم کی غلیظ گار پھنسی رہتی ہے۔ مانجھی' مچھلی منڈی کے فحش' مواد والی' ماجھے کے مہینوال اور مست ملنگوں کے حقوں میں آگ پانی کی سدا تھوڑ ہی رہتی ہے مگر گرد بجھتے کی گڑ گڑیوں کے حق ہو کے اور جھکے کبھی ماند نہیں پڑتے۔

رہائش گاہ' مکان' کوٹھی' بنگلہ' فلیٹ' جھونپڑا' کٹیا' ڈھیری' آستانہ' تکیہ...... جو بھی ہو بندوں انسانوں کے قیام و آرام کے تقاضوں کو سامنے لاتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ کام کے بعد آرام' سفر کے بعد قیام' بڑوں کو سلام چھوٹوں کو انعام' رذیل کو دشنام دینا' کیوں اہم ہوتا ہے۔ ہنسنے کے بعد رونا' جاگنے کے بعد سونا' پانے کے بعد کھونا...... غم کو چھونا' اپنے اندر کو بھگونا...... لسی کو بلونا' ہاتھوں کو دھونا بھی کیوں ضروری ہوتا ہے؟

اس چار سو بارہ نرگس بلاک علامہ اقبالؒ ٹاؤن لاہور کے برزخ کی کھونٹی پہ پھٹی پرانی کالی گلیم کی مانند مجھے علامہ اقبالؒ نے لٹکایا تھا جبکہ میرے نامۂ اعمال کے ابھی دو تہائی صفحے خالی تھے۔ ابھی تو کیتی مہر افروز کی توانائی آمیز تابانیوں کی تلاش ہی شروع ہوئی تھی اور اُدھر نہ تو عقل داڑھ کی میٹرھ بنی نہ ہی حلقوم کی بیز ھ میں کسی کالے کوے نے ٹھونگا لگایا تھا......

کچھ ہی عشروں بعد جب ذرا ہوش ٹھکانے لگے اور اس محل وقوع'' کے دیگر کوائف و عواقب پہ نگاہ دوڑانے سے پتا چلا کہ پوری دُنیا اور لاہور کو ایک طرف رکھ کر مجھے اس گھر میں لا پھینکنے کی ایک خاص وجہ تھی۔ اسکیم کا نام' علامہ اقبال ٹاؤن...... بلاک کا نام' نرگس بلاک...... گھر کا نمبر' چار سو بارہ...... پلاٹ کے نیچے پہلی اور دوسری پرت میں ریتولوشٹھ' تیسری پرت میں جلاانچل...... چوتھی میں نرنگ اور مشرک...... پانچویں میں

Scanned with CamScanner

تھکا اور ریتی...... چھٹی پرت میں پرت پکھان اور واشب...... ساتویں پرت میں یاماری اور دیگر پارتھو وغیرہ...... ویسے یہ کچھ اور بھی بہت کچھ طبقات ارض نیچے ہوتا ہے مگر کچھ خاص معدنیات' حجرات' نباتات و کیمیائی عنصرات کا واقع ہونا بہت سے معاملات میں کسی قطعہ ارض کو منفرد بنا دیتا ہے۔

گجرات شہر سے جلال پور جٹاں کی جانب بڑھیں تو کچھ آگے ایک خشک نالہ راہ میں پڑتا ہے......

مَیں زمانہ بچپن میں بذریعہ داری کی صبح سیالکوٹ سے گجرات' سائیں کانواں والے سرکار اور جلال پور جٹاں' پیدل پہنچا کرتا تھا تو دوران سفر میرے پانچ پڑاؤ ہوتے تھے۔ بارہ پتھر سیالکوٹ سے آگوکی...... اگلا پڑاؤ سمبڑیال...... یہاں نہر کی دوسری جانب وسیع و عریض ریلوے یارڈ میں واقع ایک قدیمی مزار ہے۔ ادھر حاضر ہونے کا ایک الگ ہی مزہ...... فاتحہ سلام کے بعد' ہلکا سا آرام و طعام...... ادھر مستقل بیٹھنے والوں کی محبت اور صحبت کے علاوہ آگے کی منزل کے لیے ہمت اور سہولت بھی۔ یہاں سے آگے' اپنی وادی جی کے جیکو وال کی ہواؤں کو سونگھتا اور مٹی کو چومتا ہوا' نظام آباد اور وزیرآباد کی ادب پیڑ اور مردم خیز زمین میں پہنچ کر یوں محسوس کرتا جیسے مَیں بابا ظفر علی خان کے ''زمیندار'' بابا مجید لاہوری کے ''نمکدان'' راجہ مہدی علی خان کے مدھر گیت منڈل میں آ براجا ہوں۔ یہاں کے مین بازار میں پکوڑے مچھلی کی بہت سی دوکانیں ہوا کرتی تھیں...... ٹھہری جاتو جلیبیوں کے علاوہ یہی پکوڑوں' تلدی' تکّے اور مچھلی کہ مچھلی گھر یعنی دریا ساتھ تھا۔ اسٹیشن اور ریلوے یارڈ' ورکشاپ ایسی وسیع و عریض...... لگتا تھا وزیرآباد اس ریلوے کی حدود کے اندر آباد ہے۔ اس کے بعد کا سفر گویا سفر نہ رہتا...... چناب کے پل تک پتا ہی نہ چلتا کہ گجرات پہنچ آیا ہوں۔

خطۂ گجرات' جذب و مستی کی کیفیتوں' عشق و محبت کی ترنگوں...... حُسن و جمال کے رنگوں' کسب و ہنر کے شہکاروں' علم و ادب کے گہواروں' حرب و ضرب کے شہسواروں اور فن کاروں گلوکاروں کی سریلی سرزمین!

بچپن میں میری پہلی اُستاد چاچی جنوں والی نے انکشاف کیا تھا کہ میرا جبلی جانور کاگا ہے۔ مَیں اُس وقت علم و عقل اور عمر کے حساب سے یہ عجیب سی بات سمجھ نہ سکا اور قدرے منہ بنا کر شکایت کے انداز میں کہا۔ کوا تو بڑا مکار اور اُچکا ہوتا ہے...... کیا مَیں ایسا ہی ہوں؟...... چاچی نے پیار سے میرے گال پہ چپت لگاتے ہوئے جواب دیا۔ کوا پی کے پہنچنے کا سندیس بھی تو لاتا ہے اور بھی کوّے کے بارے میں اچھی اچھی باتیں بتائیں جو دوسرے جانوروں پرندوں میں نہیں ہوتیں۔ مگر میرے لیے یہی ایک پیا کے پہنچنے کے سندیس والی اچھی بات ہی کافی تھی۔

مَیں اپنے تئیں مطمئن ہو گیا بلکہ خود دوسروں کو فخر سے بتاتا کہ مَیں کوا ہوں...... جہاں کہیں کوا دیکھتا اُسے پیار بھری نظروں سے تکتا...... دوست بنانے اور کچھ کھلانے پلانے کی کوشش کرتا مگر یہ تو بڑا چوکنا محتاط

Scanned with CamScanner

اُچیل پرندہ ہے۔ انسان کے قریب پھٹکنا تو درکنار یہ تو اُس کی نیت اور سوچ کو سونگھ کر ہی راہِ فرار کر لیتا ہے۔
میری مثبت سوچ اور رَوّیے بالآخر کام آئے اور ساتھ ہی میں نے اپنے اس جبلّی رُخ کو واضح کرنا جان لیا تھا جس کی بدولت 'کوؤں سے میری قربت بڑھتی شروع ہوگئی' وہ اب دھیرے دھیرے میرے قریب آنے شروع ہوگئے۔ یہاں تک کہ میرے ہاتھ سے کھانا پینا بھی کرنے لگے۔ کاندھوں اور سر پہ بیٹھ جاتے...... پیدل سفر کے دَوران میرے ساتھ ساتھ اُڑتے رہتے۔

اب ایک وقت ایسا بھی آ لگا کہ ہمارے درمیان نُطقی افہام وتفہیم بھی ہونے لگی۔ شروع شروع کچھ دُشواری پیش آئی بعداً وہ بھی ختم!...... اب واضح طور پہ ہمارے مابین باہمی بات چیت ہونے لگی۔ وقت کچھ آگے کھسکا تو رہی سہی اجنبیت بھی جاتی رہی۔ اب بلا تکلف ہم ساتھ کھاتے پیتے رہتے اور دُکھ سُکھ کہتے تھے......

علم وحکمت 'دانش وبینش' تحقیق وتنقیح اور تفتیش وتنقید کے جہانِ دبستان کُھلے پڑے ہیں...... آدم نے غاروں پہاڑوں 'صحراؤں سمندروں سے بہت آگے کا سفر طے کر لیا...... لیکن شاید اس کی منزل ابھی بہت دُور ہے۔

کہتے ہیں عزت اور خیرات 'پہلے اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح سفر بھی پہلے اندر سے شروع ہوتا ہے اور اس سفر کی کوئی منزل اور نہ کوئی سنگِ میل...... ہمسفر نہ کوئی رہبر! اندر اور اپنے باہر وظاہر کے سفر کرنے والوں کے فرق کو "سنگ تُرے" کے چھلکے اور گرو گودے کی مثال سے خُوب سمجھا جا سکتا ہے۔

ظاہری سفر سورج کی روشنی...... یعنی دن کے اُجالے میں شروع کیئے جاتے ہیں جبکہ باطنی سفرات کے پچھلے پہر...... تاریکی اور تنہائی میں تمہید کیئے جاتے ہیں۔

مؤذنِ اوّل 'کوا ہی ہوتا ہے جو طلوع کی پہلی خبر دیتا ہے۔ ورنہ صبح کاذب سے صادق اور سحر وفجر تک پہنچتے پہنچتے تو آدھی حیاتی بیت جائے۔ مولوی ثناء اللہ ابھی غسل کا سوچ رہے ہوتے ہیں جبکہ کالے کاگے اپنے عارضی ٹھکانوں سے باہر اپنے حقیقی تصور پہ ہوتے ہیں۔

سانپ اور کوا 'وہ زندہ اور پرندہ ہے جو ابتدائے آفرینش سے ہی کسی نہ کسی طور آدم سے جُڑے رہے اور آج بھی ہیں...... سانپ نے اپنی جبلّت کے مطابق طاغوتی اندازِ عمل اپنایا اور کوّے نے اپنا طریقہ کار دکھایا۔ ایک دُشمن اور گھس پیٹیا بنا' دوسرا دوست اور اَتالیق!...... کوا نوید لاتا ہے...... راہ دکھاتا ہے...... صبح دَم سب سے پہلے مالک وخالق کی حمد وثناء یہی بیان کرتا ہے۔

"کالا شیاہ کالا' میرا کالا اے دلدار تے گوریاں نوں پراں کرو"

Scanned with CamScanner

ظاہری باطنی کوئی بھی سفر ہو...... یہ کالے کرماں والے میرے ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں اور آپس میں گفتگو، عرض و بیاں بھی کرتے ہیں۔ یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں، گڈریے، گلہ بان، سرکس میں جانوروں کو سدھارنے والے...... شتربان، فیل بان، کُکّڑ پالنے والے، ریچھوں بندروں، گھوڑوں، سانپوں سمیت کتّوں کی تربیت کرنے والے آپس میں گہری افہام و تفہیم رکھتے ہیں۔ مزاج شناسی کے علاوہ ایک دوسرے کے ادا شناس بھی ہوتے ہیں۔

''کاجل کوٹھے'' میں ایک بزرگ کا ذکر ہوا ہے، جن سے انسانوں سے زیادہ کتّے عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ اُن کی جُوہ میں کسی کتّے کو بھونکتے اور غلاظت پھیلاتے نہیں دیکھا۔ سر اُٹھائے اور زبان لٹکائے یا ہانپتے نہیں دیکھا...... یہاں تک کسی کتّے کی دُم ٹیڑھی بھی نہیں دیکھی...... سیدھی اور لٹکی ہوئی۔ ایک ایک آگے بڑھتا آتا۔ ان حلیم کا لنگر لے کر سر جھکائے نکل جاتا۔''

اسی طرح کا بارش اور کتّوں ایک اور واقعہ ہے کہ بارش نہیں ہو رہی تھی، اللہ کی مخلوق سخت پریشان تھی۔ انسان اور جانور مرنے لگے قحط پڑ گیا۔ انسان کو خدا بھی اس وقت یاد آتا ہے جب اور کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا۔ تنگ پڑ کر اہلِ علاقہ، ایک اللہ والے بزرگ کے ہاں، بارش کی دُعا کے لئے پہنچے۔ مسکراتے ہوئے انہوں نے بہت وسیع پیمانے پہ حلوا تیار کرنے کا مشورہ دیا۔ جس میں دیسی گھی، اعلیٰ قسم کے مغزیات اور دیگر میٹھی چیزیں بھی شامل کرنے کی تاکید کی۔ حلوا تیار ہوا تو شہر کے ایک وسیع میدان میں کتّوں کے دُونوں میں انہیں حلوا پیش کیا گیا...... بھوکے کتّوں نے پیٹ بھر کر حلوا کھایا۔ آسمان کی جانب تھوتھنیاں اُٹھا کے انہوں نے ٗو ٗو ہو ہو کی آوازوں سے اک محشر برپا کر دیا۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ یہ فریادیں اُسی وقت تک جاری رہیں جب تک آسمان سے چھاجوں بارش شروع نہ ہوئی اور ہر طرف پانی ہی پانی تھا......!

بابا کتیاں والا! اسی طرح شیراں والا بابا...... بابا سنگھاں والا، بابا بودی والا، بابا ڈھیراں والا، بابا توری بوری والا...... چھتری والا بابا...... بابا سوا لکھ، بابا تماں والا، سیاں والا بابا، بابا بیراں والا...... ڈبا پیر ویر سپاہی، پسوڑی شاہ، ننگا سائیں، سبز پیر، ہرے بھرے، مستی شاہ، بابا قروا، فرشتہ سائیں، تونبا سائیں، توکل شاہ سرکار!

میرے اندر اور باہر کے کوّے مجھے گجرات، اپنے سائیں کاواں والے سرکار کے پاس لے گئے۔

کچہری عدالت میں منصف وکیل، سرکاری کارندے، گماشتے یا پھر ملزم مجرم ہوتے ہیں...... سائیں کاواں والے سرکار کے سرکاری کارندے مجھے گھیر گھار کر پابہ جہت لے جاتے تھے...... وہاں کاں ہی کاں ہوتے تھے۔ بھری ہوئی کنالیاں، بھیگی ہوئی روٹیاں، پراٹھے، مکئی یا جرے کے روغنی ٹوڈے، دیسی گھی اور شکر میں گندھی ہوئی چُوریاں...... کیا کیا نعمتیں ہوتیں جو کوّے نما انسان اور انسان نما کوّے مل کر کھاتے تھے...... شاذ ہی کوئی کاں،

Scanned with CamScanner

کے...... سقراط کی طرح کسی کا پیالۂ برزخ بنا تو کوئی زندہ درگور ہو کر...... کوئی پور پور کٹوا کر...... کوئی اُلٹی کھال اُترواکر......!

اس افغانی بچے کے رزق کا برزخ 'کوزاوان تھا جبکہ میرا برزخ مسافتیں ٹھہریں تھیں۔ آپ نے کسی دریا' نہر پہ ریلوے کے آہنی پل دیکھے ہوں گے۔ بڑے بڑے فولادی پشتوں پہ تیل پیئے ہوئے بھاری مضبوط لکڑی کے شہتیر اور اُن کے اُوپر ریلوے کی پٹڑیاں جکڑی ہوتی ہیں۔ جن پہ ریل گاڑی دوڑتی ہے۔ ان پٹڑیوں کے دونوں اطراف' ریلوے کے مستریوں اور چوکیداروں کے گزرنے کا راستہ بنا ہوتا ہے۔ یہ راستہ اتنا کشادہ نہیں ہوتا کہ دوگزرنے والے ایک دوسرے کو سہولت سے کراس کرسکیں۔ ہر بیس پچیس گز کے بعد ایک قدرے کشادہ سا پلیٹ فارم بنا ہوتا ہے کہ اگر مرمت یا نگہداری کے دوران گاڑی آ جائے تو اس پلیٹ فارم پہ پہنچ کر خود کو محفوظ رکھا جا سکے۔

برزخ بھی اسی طور کا پلیٹ فارم ہوتا ہے طویل مسافت کے دوران کا پڑاؤ...... جدھر عارضی طور پہ قیام لیا جاتا ہے......

کچھ میرے جیسے الگ سے لوگ بھی ہوتے ہیں جو محض شارٹ کٹ مارنے یا تفریحاً ایسے پلوں پہ چڑھ جاتے ہیں...... اس دوران اگر کبھی گاڑی پہنچ بھی جائے تو وہ اس پلیٹ فارم پہ پناہ لے لیتے ہیں۔

میں خود زندگی کے اسی طرح کے پُل سے گزرتے ہوئے بار ہا ایسے برزخی پلیٹ فارموں پہ ضرورتاً یا ویسے ہی تفریحاً رُکتا رہتا ہوں...... اسی طرح مجھے اندازہ ہوا کہ برزخ بہت ضروری ہوتا ہے۔ دو دَموں کے درمیان' جو غیر محسوس سا دمدمہ سا وقفہ ہوتا ہے وہ بھی تو برزخی لمحات ہی ہوتے ہیں؟

شاہجہان' بادشاہ ہو یا شاہجہان رنگریز' خلعت فاخرہ و تاج ہیرے پہنے ہو' یا پھٹے پرانے داغدار کپڑے اور ہاتھ اُنگلیاں' جو کارِ مشقت سے فگار ہوں' سب اپنا اپنا برزخ بھوگ رہے ہوتے ہیں۔ ایران کے چاچے بابے یا لیبیا کے صحرائشیں درویش...... کوزاوانوں سے اپنے حصے کا رزق تلاش کرتے ہوئے افغانی بچے جوان یا بوڑھے۔ یہ سب کوئی اپنے اپنے برزخ ہی تو ہیں؟

کتابِ لاریب' فرقان الحمید میں مالک لم یزل نے بڑا حکمت بھرا لہجہ استعمال کیا ہے۔ بشری افہامی استطاعت کے مدِنظر سادہ انداز تکلم' چھوٹے چھوٹے پیرائے' آسان آسان امثال تاکہ مخلوق خاص طور پہ جن و بشر کما حقہ مستفیض ہو سکیں۔ مالک و مخلوق کے درمیان...... حق و صداقت' معبود و عبد اور توحید و تسلیم کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہے لیکن اسی عظیم و مقدس کتاب میں کچھ مضامین و مسائل یوں بھی ہیں کہ جن و بشر ان کا فہمی احاطہ کرنے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یا تو اللہ کریم اپنے کرم و فضل سے ان پہ آسان کر دیتا ہے یا پھر کوئی اللہ کا منتخب

Scanned with CamScanner

بندہ اُن پہ روشن کر دیتا ہے۔

بڑی عرق ریزی کے بعد یہ نکتہ سمجھ آیا کہ عام اور خاص' آسان اور اَدق' اعلیٰ و اَدنیٰ' خوب و ناخوب' درست نادرست بھی اپنی اپنی جگہ سب درست ہیں۔ عرش کے بعد عرشِ معلیٰ نہ ہوتا۔ پہروں دنوں ہفتوں عشروں مہینوں سالوں برسوں صدیوں کو ایک دوسرے پہ فضیلت نہ ہوتی...... طبقات الارض' طبقات العرش' طبقات الجنت و جہنم' سزا و جزا' گناہ و ثواب اور درجات مقامات' گودڑی' گلیم...... تحت تخت' قعرِ مذلت اَوجِ ثریا...... یہ عزلت' بخت آوری...... سیاہ بختی' سکندری سرداری...... گمنامی و ناموری بھی کچھ باطنی معنی رکھتی ہیں۔''

مقسوم مقدر سے ماورا بھی کچھ حقائق موجود ہوتے ہیں۔ موت کا وقت اور نصیبوں کا لکھا ہُوا بھی ٹل جاتا ہے...... ہونی کو بھی چٹکیوں میں ٹہلا دیا جاتا ہے۔ اللہ کے مخصوص بندے دکھائی تو کچھ دیتے ہیں مگر بباطن کچھ اور ہوتے ہیں۔ دونوں بھی ہوتے ہیں...... ۔

جس سمت وہ نظریں اٹھتی ہیں
کونین اُدھر ہو جاتی ہے

شروع میں ایران والے چاچا شیر علی جسے مَیں کوئی معمولی سرکاری کارندہ سمجھ کر کچھ پوچھ بیٹھا تھا' کا ذکر ہُوا ہے...... بظاہر وہ بے ضرر' بے وقوف اور بے سُدھ دکھائی دیا تھا...... مگر وہ تو اک صاحبِ حال نکلا اور آگے جس بظاہر' مسیتی ملاّں'' سے ملوایا وہ صاحبِ اَمر کے منصب پہ فائز نظر آیا۔ چند روز مجھے صحبت ملی' نامعلوم طریقے سے تربیت ہوئی' خاطر مدارت...... نامعلوم منزل کے بیچ اک پڑاؤ...... چھوٹا سا برزخ' پھر کچھ نشانیاں دے کر آگے کر دیا...... بتایا اور سمجھایا بھی کچھ نہیں......؟

مقناطیس حقیقی اور طاقت والا ہو تو خود بخود کھینچ لیتا ہے لیکن اُس کی رینج میں ہونا ضروری ہوتا ہے۔ لوہا چاہے کیسا ہی ناقص نکما اور نکھلا ہو' مقابل مقناطیس! اُسے خود سے چمٹا ہی لیتا ہے یعنی کوئی ناقص کسی واصف سے جڑ کر آصف بن ہی جاتا ہے۔''

وقت ہو گزرا...... مجھے لیبیا کے ریگ زار کے برزخ میں پھر ایک مجذوب نے اُچک لیا تھا۔ پہلی نظر میں تو وہ کوئی مجنون جاپ پڑا' بعد میں مجذوب نکل آیا...... برزخ در برزخ......!

جنون' چچک کی مانند چپ چپ کرتا چام سے چمٹ جاتا ہے جبکہ جذب تو اک جوک در جوک' جوگ ہوتا ہے' ایک سدا بہار جوت!...... جو جہانِ ذات کی تمام جہتیں جگمگا کر رکھ دیتی ہے۔ جوئبار کی طرح رگ رگ میں روحانیت کی رطوبت اُتار دیتی ہے۔ مجنون' الف ننگا ہوتا ہے...... ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ اُس پہ کوئی حد

Scanned with CamScanner

لاگو نہیں ہوتی...... وہ کسی قاضی القضاہ کا کیس نہیں ہوتا...... سید حا سید حار و مقتل کی جانب ڈال دیا جاتا ہے۔ مجنوں کے پیشِ نظر حیات و ممات' محض دو مختلف لفظ ہوتے ہیں۔ اُن کے معنی اور نتائج پہ غور کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ مجذوب میں یہ تمام کچھ معروضی اور جزوی طور پہ ہوتا ہے یعنی وہ جنوں اور جوشش کے عالمِ برزخ' یعنی ورزخ جذب میں ہوتا ہے؟

برزخ! حقیقتِ نفس الامری کے تحت کا تعطل' دارالعمل اور یوم الحساب کا درمیانی عارضی عرصہ ہے۔ وہ وقفہ وقیام جو دو مخالف کے مابین ہو...... جیسے جنت اور دوزخ کے درمیان اعراف ہے۔ ''نستان اور بندر'' انسان اور حیوان کے درمیان کی مخلوق...... ''صبح کاذب'' رات اور صبح کے بیچ کا وقفہ...... دیکھیں تو ''حیرت'' بھی چند ثانیوں کے تذبذب' تامل و تاثر کا برزخ ہی تو ہے......!

- ''کلیسا'' میرے پیچھے ہے ''کعبہ'' میرے آگے

استنبول میں نیلی مسجد کے سامنے' ہوٹل والے یہودی میاں بیوی' جنہیں مَیں اُن کی کاروبارانہ اور یہودانہ ''خصلتوں'' کے باوجود بہت پسند کرتا تھا اور وہ دونوں میری ''انسانہ اور مسلمانہ'' کمزوریوں کے باوصف مجھے سخت ناپسند کرتے تھے مگر وہ اپنی کاروباری مصلحتوں کے تحت' مجھ سے بنا کر رکھنے پہ مجبور تھے کہ ایک تو مَیں کرائے کی مد میں بھاؤ تاؤ نہ کرتا...... دوسرے مَیں روزانہ کمرے کی صفائی' بیڈ شیٹ' تولیہ صابن طلب نہ کرتا...... تیسرے' مَیں اپنے کمرے میں کوئی ''مہمان'' نہ ٹھہراتا تھا...... چوتھے مَیں سگریٹ اور شراب نوشی جیسی اِبلیسی علتوں سے نفریں تھا...... پانچویں اور آخری وجہ! مَیں اس خوبصورت سحر آگیں عورت سے کسی نوعیت کی بات چیت کے دوران اپنی بڑھاپا زدہ مگر مردانہ آنکھوں کو جھکائے رکھتا تھا کہ اُس کی جانب محض اِک نظر دیکھ لینے سے ہی بندے کے مسلمان سے کافر اور کافر سے یہودی ہو جانے کے ننانوے فیصد امکان جگمگانے لگتے تھے۔''

اُس کے عاشق خاوند کو وہ مہمان زہر لگتے جو استقبالیے کے ڈیسک پہ کھڑے ابتدائی یا انتہائی معمول کی گفتگو کے دوران بھونڈی کرنے کا کوئی موقع ضائع نہ کرتے تھے۔ ایسے موقعوں پہ وہ خود آگے بڑھ کے معاملہ عجلت سے انجام تک پہنچا دیتا...... وہ نہ چاہتا تھا کہ کوئی اَیرا غیرا' اُس کی اکلوتی' امیر' ازرق چشم' کھری اشرفی کی مانند کھنکتی چمکتی دمکتی بیوی کو مردانہ ندیدگی سے دیکھے...... مگر اس میں دیکھنے والوں کا کیا دوش؟ اس کا تو پیکر ہی پارے کا پرتاپ تھا...... تھلتھلاتا' ڈھلکیں مارتا ہوا...... نینوں کے نیل سے نکل پاؤں تو گلگلوں گالوں کے

Scanned with CamScanner

چاہِ غبغب میں جا اترو۔ ادھر سے جان بچے تو لب لعلیں سے جان کے لالے پڑ جائیں۔۔۔ تب نشیب و فراز سے ہوتے ہوئے گردن کی گھاٹی سے گزر کر وادیٔ "سینہ" میں اترتے ہوئے شترِ بصر و ذہن بے مہار سے ہو جاویں تو بےچارہ بندہ کیا کرے۔۔۔؟

اب سوال پیدا کیا جا سکتا ہے کہ میں ہوٹلوں کے اس جنگل میں جہاں بھانت بھانت کے ہر سائز، ہر اوقات کے ہوٹل موجود ہوں اسی ہوٹل میں ہی رہنا کیوں پسند کرتا ہوں؟ اس کی دو وجوہ ہیں۔ ایک وجہ تو آپ کے ذہن میں آ چکی ہوگی کہ میں اس یہودن جادوگرنی کے طلسماتی حسن سے اپنی بوڑھی چندھی چندھی آنکھوں کو تازگی بخشتا تھا۔۔۔ جب وہ علی الصباح، آپ طور پہ ناشتہ گھر میں مہمانوں کا ناشتہ تیار کرتی ہے تو سب سے پہلے وہ دو دیا "ابلا انڈہ" اور ترکش قہوے کا کپ میرے کمرے میں لے کر آتی ہے۔ میز پہ دھر کر انڈہ چھیلتی ہے۔ قہوہ انڈیلتی ہے۔۔۔ میرے سامنے بیٹھ کر۔۔۔ پچھلی شب کی اچھی نیند کا پوچھتی ہے۔۔۔ پھر وہی باتیں۔ میرے بیوی بچوں، بہوؤں پوتوں پوتیوں کی۔۔۔ پاکستانیوں کے رسم و رواج، تہوار منانے کے طور طریقے اور میری کتابوں شتابوں کی بابت چند گفتگو۔۔۔؟

ناشتے سے فراغت کے بعد وہ پالکی پہ اک شان بےنیازی سے پھسکڑا مار کر بیٹھ جاتی ہے۔۔۔ مصری، کشمش، میوہ۔۔۔ شیر شکری اور میوہ جات میں گندھ کر کے اگر کوئی مثل انسانی یا نسوانی تصویر ہو سکتی ہے تو یہ اس کا ایک اعلیٰ مجسم نمونہ تھی۔"

ایک روز میں نے بلا ارادہ اچانک پوچھ لیا "مادام! میں محسوس کرتا ہوں تم میرے معاملے میں کچھ زیادہ ہی مہربان ہو۔ تم خوب جانتی ہو کہ میں مسلمان اور پاکستانی اور تم یہودی۔۔۔ ہم دونوں میں ازلی اٹ کھڑکے کا ویر ہے۔۔۔ جبکہ ہماری آپس کی خاص خاص رگیں ایک ہی ہیں پھر بھی راستے جدا اور رابطے منقطع۔۔۔ ہم رسم دنیا کے لیے دکھاوے کا تعلق بھی نہیں رکھتے۔" اپنی جگہ اس سوال پر میں خود چپ ہو لیا۔

"وہ ٹک ٹک مجھے تک رہی تھی۔۔۔ میں یہ سب اپنی تیسری آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا سپید و شہابی چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کسی کے احساسات اور جذبات جاننے کے لیے شاید اس کی جانب دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔ رنگ، دمول، انداز گفتگو، لہجہ اور صوت کی سرگرمی چھلک رہی، ابھرتی لہریں جو شگفتگی اور تلخی کی حامل ہوتی ہیں۔۔۔ انہیں واضح طور پہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ کچھ کہے بغیر بھی سمجھا اور سمجھایا جا سکتا ہے۔

اک واجبی سی پُراسرار خاموشی کے بعد اس کے مسکت جواب نے مجھے ایسا چپ کرا دیا کہ مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔ انتہائی رسانی سے بولی۔

"مسٹر بابا جی! آپ کے سوال کا جواب دو حصوں میں ہے۔ پہلے حصے کا جواب۔۔۔ آپ ادھر بس

Scanned with CamScanner

لیے آتے ہیں؟ آپ آتے نہیں بلکہ آپ کو ادھر لایا جاتا ہے۔ استنبول میں کون آپ کو لاتا ہے اور قونیہ میں کون؟ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی...... آپ ہمارے ہوٹل میں کچھ روز ٹھہرتے ہیں' ہم معاوضہ لیتے ہیں۔ بس ایسی والی ایک خدمت ہے جو میں اپنی طرف سے بلا معاوضہ کرتی ہوں۔''

کچھ لمحے خاموشی سے احترام بھری نظروں سے دیکھتی رہی...... بولی۔

''مجھے ایسا کرنے کا حکم ہے...... آپ واحد انسان ہیں جنہوں نے مجھے ہمیشہ ایک انسان کی حیثیت سے دیکھا...... جنس یا مذہب کی عینک سے نہیں...... دوسرا حصہ! میں اپنے بابا کی اکلوتی اولاد تھی...... ماں کو شاید میں نے انتہائی کم سنی میں دیکھا ہوگا' کچھ یاد نہیں...... بابا نے مجھے ماں کی ممتا کی مہک بھی دی اور ایک شاندار باپ کی شفقت کی شان بھی...... میں نے اپنے بابا کی موجودگی میں کبھی اپنی ماں کی کمی محسوس نہیں کی تھی لیکن میرے بابا جب اللہ کے پاس چلے گئے تب پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میری ماں نہیں ہے...... آپ کو دیکھتی ہوں تو ماں اور باپ' دونوں کے بارے میں محسوس ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔''

معلوم ہوا کہ کوئی ادنیٰ یا اعلیٰ' مرد یا عورت' اجنبی یا واقف کار...... کوئی بھی جب آپ سے ملتا ہے تو آپ کے پاس' اُس کی کوئی امانت اور اُس کے ہاں' آپ کے لیے کوئی پیغام یا جینے کی کوئی چیز' جو آپ دونوں نے ایک دوسرے تک پہنچانا ہوتی ہے۔ وہ امانت' پیغام یا چیز...... کیا ہوسکتی ہے؟ اس کا جاننا ضروری نہیں ہوتا۔ جیسے ڈاکیے کا کام خط' لفافہ ڈیلیور کرنا ہے...... لکھا کیا ہے؟ اُس کا تعلق اس سے نہیں ہوتا۔

بات کھلتی ہے کہ رُوحانیت کا تعلق مذہب و مسلک سے کہیں زیادہ باطنی صالحیت اور نیت کی شفافیت سے ہوتا ہے۔ تلوار کے آہن کا مذہب و مسکن بعد کی بات ہے دیکھا یہ جائے کہ غزوہ میں کتنے شانوں کا بوجھ ہلکا کرتی ہے...... اگر درختوں کی شاخوں ٹہنیوں نے شمشیرِ براں کا کام کیا تھا تو اس کے پیچھے رحمت العالمین صلعم کا حکم اور یہی رُوحانیت تھی جو باطن اور نیت کے نُور سے ہویدا ہوتی ہے؟

کسی غیر مسلم سے بھلائی نیکی بہتری بھی ظاہر ہوتی ہے یا وہ ایسے کارنامہ ہائے انجام دیتا ہے جو عین عبادت اور اللہ کی مخلوق کے لیے رحمت برکت اور سہولت بنتے ہیں تو یہی اس کی رُوحانیت ہے۔ مالک کو ملجا و ماوا' ماں کے بھی ایسے عمل کرنا جو مالک و مخلوق کے لیے پسندیدہ نہ ہوں تو یہ روحانیت نہیں......!

یہ خاتون یہودی تھی کہ مذہب مسلک تو نومولود کو پیدائشی انعام یا الزام کے طور' مفت' بلا طلب و پسند زبردستی دیا جاتا ہے۔ ہر انسان کے فطری' فکری' مزاجی' ظرفی باطنی اور رُوحانی تقاضے رَوِیے مختلف ہوتے ہیں۔ مذہب مسلک' نظریات' رجحانات خیالات وغیرہ' انسان اپنے گھر ماحول اردگرد' سوسائٹی دوستوں سے حاصل کرتا ہے۔ ایسے ہی جیسے کسی سے پوچھا جائے تم نے سگریٹ' شراب نشہ وغیرہ کیسے شروع کیا تو جواب

Scanned with CamScanner

اس شب کوئی کمرا خالی نہ ہونے کی بنا پہ انہوں نے مجھے بادل نخواستہ ٹاپ روف یعنی چوتھی منزل کی چھت پہ بنے ایک ریسٹ روم کے ساتھ والا کمرا شب بسری کی خاطر از راہ مروت مرحمت فرما دیا تھا۔ یہ کمرا گئے گزرے وقتوں میں اس کے آنجہانی ویٹر کے زیر استعمال رہا تھا۔ اس کے ارتحال کے بعد اس کا آدھا حصہ پارٹیشن کر کے کچن کے طور استعمال ہونے لگا۔

توکیا بائیک کا گف کمرا بیسمنٹ استعمال تھا بہرحال روم جتنے بھی تاریخی یا ثقافتی مقامات ہیں ادھر جگہ انہوں کے حساب سے پٹی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے قابل ذکر مہنگے ہوٹلوں کی تو بات الگ ہے عام درمیانے درجے کے ہوٹلوں میں تو مہمانوں کو ایک طرح سے پیک کر کے رکھا جاتا ہے۔ مسافر اپنی کفایت شعاری کی خاطر وقت پاس کرنے پہ مجبور ہوتا ہے۔ مجھے بھی تو ایک رات گزارنی تھی وہ وارے میں گزرے یا چوبارے میں کیا فرق پڑتا تھا؟

وہ تنگ اور پھسلواں گرینائٹ کی چکردار سیڑھیوں پہ میرا بایاں بازو تھامے ہوئے بچوں کی سی باتوں شگفتہ شگفتہ اداؤں اور زیر لب مسکراہٹوں سے مجھے اوپر چوتھی منزل کی چھت پہ پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں خوب جانتا تھا وہ مجھے یہ جتا رہی ہے کہ میں کہیں تھکن نہ ہونے پاؤں یا اپنی عمر رسیدگی کی بنا پہ اوپر جانے سے معذوری کا اظہار نہ کر دوں۔ وہ اپنی ذہین بارعب اور مسکراہٹ سے اس بوڑھے ملنگ مرد ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہی تھی... تاہم نہ تیرے کی طرح ایک جیسا ہو یا نیک وہ اپنی خصلت اور مروت ملنساریوں سے بھی منکر نہیں ہوتا۔

ہانپتا کانپتا اور سانس سے سانس ملاتا جب میں اوپر مقام مقصود پہ پہنچا تو میں نے اپنے تئیں فیصلہ کر لیا تھا کہ خواہ مجھے ایک بار سلامتی سے ادھر سے نیچے اتار دے تو میں دوبارہ کبھی یہاں اوپر نہیں آؤں۔" اس بیہودہ بلکہ بیہودہ نے میری بیچی حالت بھانپتے ہوئے میرا دھیان دینے کی خاطر اپنا بازو اس کا روپاری کیا الگ کرتے ہوئے اردگرد کے فضائی منظر، مسجد کے گنبد، میناروں اور نیلے سمندر آتے جاتے ہوئے جہاز، کشتیاں، اڑتی ہوئی قازیں، مرغابیاں ... آسمان پہ تیرتے ہوئے بادلوں کے ٹکڑے ... طلوع و غروب کے بالترتیب منظر ... آسمان سے اترتی ہوئی مہکاریں ... موسیقی کی جھنکاریں ... پتا نہیں کیا کیا وہ بتا اور دکھا رہی تھی۔ میں تو اپنے دم کی ڈوری میں اٹکا ہوا تھا۔"

اچانک وہ تیزی سے اٹھی اور وہیں کچن میں گھس گئی ... فریج سے وہ کسی مشروب کی ٹھنڈی بوتل لائی تھی۔ ڈھکن علیحدہ کرتے ہوئے بتانے لگی۔

"یہاں اس چھت پہ سے علی الصباح اذان کا لاہوتی صوت اور ایران و یونان کے اطراف سے آنے والی خوشبوؤں کی ہجرت کو روح و قلب کی گہرائیوں سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک ایسی جگہ جس پہ آپ بیٹھے

Scanned with CamScanner

ہیں میرے پیارے پاپا نے فلسطین کی اسی قسم کے متبرک ہلوط سے بنوائی تھی جس طرح کی لکڑی سے ہیکل سلیمانی کی چھتوں کے شہتیر اور پرناؤں کے پرچھال بنے تھے۔ یہی بلوطی چوب حضرت ناصری کے عہد میں تختہ دار، شکنجوں، صلیبوں میں بھی استعمال ہوئی۔ اس مقدس نشست پہ پاپا کے بعد بیٹھنے کا اعزاز صرف آپ ہی کو حاصل ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے وہ عالم برزخ میں بہشت مقدس کی جانب کھلنے والے دریچے میں کھڑے آپ کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے۔؟

میں دیر تک وہ خلاؤں میں گھورتی رہی۔ جیسے وہ واقعی اپنے گریٹ پاپا کو عالم برزخ کے بہشت کی جانب کھلنے والے دریچے سے ادھر استنبول میں اس ازحالی شدہ ہوٹل کی چوتھی منزل کی چھت کی جانب ایک نیم مسلمان درویش یا مجھ کو دیکھ رہی ہے۔ مجھے یہ کچھ محسوس ہوتے ہی ایک گونہ سی مسرت کا احساس ہوا کہ ایک کٹر یہودی اک بے نوا مسلمان کو اپنی مقدس کرسی پہ متمکن دیکھ کر خوشی کا اظہار کر رہا ہے۔ گو روز ازل سے آج تک موجود تک کی یہودی تاریخ اس امر حقیقت کی نفی کرتی رہی ہے کہ کوئی یہودی یا مسلمان ایک دوسرے کی کسی حرکت میں خیر و برکت تلاش کر سکے ہوں؟۔ ان کے ذہن میں اٹھے شکوک کی بنا ہمارے بزرگ پیغمبروں رسولوں نبیوں کے مختلف ادوار سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ جبکہ یہ بھی ایک مکمل دین، کتاب، رسول اور توحید پہ ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کریم نے انہیں بے پناہ انعامات و اعزازات، علوم و فنون، مال و دولت اور کامیابیوں سے ہمکنار کیا مگر شاید انہیں یہ سب کچھ ہضم نہ ہو سکا۔ ان میں تفاخر، تملق اور زعم بے جا پیدا ہو گیا۔ سیاست، ریاست، نیابت اور قیادت کے شغل و شوق میں شرانگیزیاں شروع ہو گئیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔"

فطرت و قدرت کے الہام اور تعزیریں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ آگ میں گلزار اور گلستان، گورستانوں میں کب تبدیل ہوں گے؟ بت تراش کے گھر اللہ کی توحید بیان کرنے والا اور نبی کے ہاں گمراہوں کا ساتھ دینے والا کب جنم لے گا؟ نومولود بچہ کب اپنے پیدا کرنے والے کی بے داغی، اپنی ماں کی بے گناہی کی شہادت اور اپنے رسول ہونے کی بشارت دے گا اور کب کون اپنے پیغمبر باپ کا دست ہدایت جھٹک کر سیل ذلت میں ڈوب مرتا ہے؟ کچھ اللہ کے ہاتھ سے کھا کر بھی بدبختی کا شکار ہو جاتے ہیں اور کوئی جھوٹے خدا کے گھر میں پرورش پا کر سچے خدا کی عبادت اور اس کے دین مبین کی بات کرتے ہیں؟

میرے ساتھ شروع سے ہی یہ سب کچھ ہوتا چلا آ رہا ہے۔ مجھے ایسی ایسی جگہوں اور لوگوں سے خیر و سلامتی، قدر دوستی ملی کہ تعجب ہوتا ہے ان کے تو خمیر و ضمیر میں ہی یہ کچھ نہیں ہوتا۔

Scanned with CamScanner

● دم تو ذرا لینے دے......!

میں ہمیشہ کی طرح ایک سفر میں تھا ... انسانی آبادیوں کی تہذیب و تمدن سے بہت پرے بھی کچھ زندگی ہوتی ہے۔ ایسی زندگی کے قریب گزرتا ہے کہ یہ انسان کس طور طریقے سے ہیں ... جو وہ حرکت و انداز اپنا کر تہذیب یافتہ باعلم و باشعور معاشرہ میں جس کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا؟ ... ہم کئی تحقیقی سائنسی اصولوں سے تیار اور پیک کیا ہوا معیاری و اشیاء کھا کر بیمار ہو جاتے ہیں اور یہ لوگ گندے کھانے دیتے کیڑوں اور دیگر فضولیات سے سڑے ہوئے بدبودار پانی ساری عمر پیتے رہتے ہیں اور کبھی بیمار نہیں ہوتے۔ صاف ستھرے جراثیم سے پاک نفسیاتی آلودگی سے محفوظ مصنوعات نہ تو ہمیں صحت بخش غذائیت و افادیت فراہم کرتے ہیں اور نہ ہماری جسمانی مطلوبہ توانائی کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں مگر کیا کہیے کہ موجودہ تہذیب یافتہ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی آج بھی کیڑے مکوڑے، چھپکلی سانپ، کتے بلیاں، مینڈک، چوہے اور دیگر حشرات الارض بن پکائے اور صاف کیے بغیر کچے کچے کھا جاتے ہیں اور کبھی پیٹ پکڑ کر ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتے بلکہ صحت مندانہ اور طویل زندگی جیتے ہیں۔ یہ غذائیں ایک عام دیکھنے والے کیلئے گندیاں، گھناؤنی ہوں مگر ان کی تحقیق کے مطابق انتہائی قوت بخش، شباب آور اور حقیقی غذائیں ہیں جن کا نعم البدل اور کوئی طعام نہیں ہو سکتا۔ حیوانیات، نباتات، غذایات کے ماہرین بھی ان کے نظریے کے حامی نظر آتے ہیں۔

ہندوؤں کے بعض فرقے ایسے ہیں جن کے چوہوں، سانپوں، بندروں اور دیگر جانوروں کے مندر اور آشرم ہیں ... ادھر انسان اور حیوان پاکی پلیدی، حرام حلال، کراہت و رغبت وغیرہ کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ ان کی بو بھی ہوتی ہے اور میل بھی ... ؟ ادھر مندروں آشرموں میں کہیں کسی سانپ، چوہے، بندر کو انسان کو ڈستے یا ضرر پہنچاتے نہیں دیکھا۔ ننھے ننھے بچے، مرد، عورتیں انہیں گود میں اٹھا کر دودھ مٹھائیاں کھلاتے پلاتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ ایمان، یقین اور اعتقاد میں بڑی طاقت ہوتی ہے ... خیال اور سوچ جذبے مثبت و منفی کے حامل ہوتے ہیں خواہ رویے اچھے ہوں یا برے ... ہر طرح کی مخلوق خصوصاً حیوان ناطق اور حیوان غیر ناطق پر یکساں طور پر اثر انداز ہوتے ہیں۔"

انسان پہلے خیال لاتا ہے پھر سوچتا ہے اس کے بعد ارادہ ... پھر اس نظریہ قائم کرتا ہے۔ اس کے بعد یقین اور ایمان جوڑتا ہے اور پھر عمل پیرا ہوتا ہے۔ انسان کی اکثر سوچیں، خیالات، اعتقادات، نظریات اور

Scanned with CamScanner

کام نہیں آتا۔ جیسے کسی کو تعمیر دیواری ضروری عمل کی لگی ہو یا کسی پر آشوب دور میں کسی صاحب حال درویش کی دوری بہت بڑے استعدادات و امکانات کا خسارہ ہوتی ہے۔۔۔؟

میں سوچنے لگا۔ ہم سمجھتے ہیں حرکت میں ہی برکت ہے مگر پتا چلا کہ جمود و قیود میں بھی حکمت و ترادت موجود ہوتی ہے۔ جب کوئی اپنی عقل و سوجھ بوجھ کو ذرا صرف کیے قریب پہ دوڑائے گا جس کی بابت سمجھا جاتا ہے یہ محفوظ اور ہموار ہوتا ہے۔ ایسا فرد تو کچے پہ اترنے سے اجتناب برتے گا۔ ویسے بھی آدھا پونا اور آدھا تو کچھ عجیب سا نامناسب تناسب رہتا ہے۔ اس طرح پکے پہ دوڑتے ہوئے بعض لوگ انتہائی مجبوری کی صورت میں بقدر ضرورت کچے پہ اترتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ بھی جو ہمیشہ کچے پہ چلتے ہیں اور جب کوئی راستہ باقی نہ رہے تو وقتی طور پہ بادل نخواستہ پکے پہ ہو لیتے ہیں لیکن گنجائش پاتے ہی فوراً پھر واپس کچے پہ آ جاتے ہیں۔۔۔؟

پک جانا مکمل ہونے کی پہلی منزل ہوتی ہے۔ اس کے بعد صرف ٹوٹ جانا، بکھر جانا، سڑ گل جانا اور بدبودار ہو جانا ہی باقی رہ جاتا ہے۔ خدا ہر کسی کو مکمل ہونے سے محفوظ رکھے۔ کہتے ہیں کہ جب محبت مکمل ہو جاتی ہے تو اس کی شرط ختم ہو جاتی ہے۔ درمیانی پردے حجاب اٹھ جاتے ہیں، جب تجسس شوق ہی دم توڑ دے تو باقی کیا رہ جاتا ہے!۔۔۔ کسی منصوبے، عمل، سفر، تعلق کی تکمیل کا مطلب صاف صاف یہی ہوتا ہے کہ اب تنزل کی ابتدا ہو گئی ہے۔۔۔!

مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔۔۔ میں پیدا ہوتے ہی مرنا شروع ہو گیا تھا (مفہوم) مفکر کے پاس آس ہی تو ہوتی ہے۔ ادھوری زندگی ہو یا بندگی دم والی ہوتی ہیں۔ بندگی تو کبھی مکمل ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کا حق ادا کر بندے سے تو ادا ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح جو تعلق، محبتیں، کہانیاں، افسانے، نظمیں، غزلیں، کتابیں، تصویریں، فلمیں، منصوبے، عمارتیں، دوستیاں، نفرتیں، جنگیں اور زندگیاں ادھوری رہیں، انہی کے تذکرے باقی رہے، مکمل تو تمام ہو گئے۔ وہ اگر یہ پورا ہوتا تو آخر کس بات پہ ہے۔۔۔؟

پاگل ہوا میں سرسراتی لہریں، بھینی بھینی بے نام مہکاریں، گہرے دم تزیل کی بوندیں، ٹم ٹم جاتی تی کی چکا چوندیاں، برکھا رت کی جل تھل۔۔۔ مہ و انجم کی ضیاباریاں۔۔۔ جگنوؤں، تتلیوں، قمریوں، عندلیبوں، چکوروں، ہدہدوں کی پکاریں، چہکاریں، نغمے، زمزمے، نظارے، پیارے، وغیرہ۔۔۔ یہ سب اہتمام رب العلمت و مصلحت نے اپنے اندر کی مسافت طے کرنے والے مسافروں کی دلجوئی کے لیے کیے کہ ان کی مسافت ادھورے کی مسافرت ہوتی ہے۔ جنات اور انسان دونوں کا دونوں کے علاوہ باقی سب مخلوقات اپنے جیسے مرنے کے سفر ادھورے رکھتے ہیں کہ جنت دوزخ یا بعد از مرگ جزا سزا کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں ہوتا!

اکثر عزتیں، ریاں، تحقیقیں، تعلیم، ڈگریاں، سفر، شادیاں، کاروبار، عبادتیں، محبتیں، دوستیاں، وفاداریاں،

کھاتا ہے مگر وہ مطمئن نہیں ہوتا' محسوس ہوتا ہے جیسے کچھ مزید کھانا چاہیے یا اس سے بہتر کھانا ہونا چاہیے۔ رات بھر لمبی تان کر سونے کے بعد بھی طبیعت بشاش نہیں ہوتی' جمائیاں اور اکسی سے جسم ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے۔ پوری نمازیں' نوافل تلاوت کے بعد بھی احساس رہتا ہے کہ حضوری نصیب نہیں ہوئی۔ رزق حلال کمانے کھانے کے بعد بھی اک عجیب سی بے کلی طاری رہتی ہے۔ جب سے پاؤں نے چلنا سیکھا انہیں رُکنا نصیب نہ ہُوا...... لیکن یوں لگتا ہے یہ سب کچھ رائیگاں ٹھہرا' باطنی تسلی و رُوحانی تشفی کا ثمر ابھی کہیں اُوجھل ہے؟

اپنے تئیں سمجھتا ہوں کہ میں بہت اچھا باورچی ہوں...... کسی حد تک یہ دُرست بھی ہے۔ دیگر بہت سے ہنر وفنون کی مانند یہ کھانے پکانے کا فن بھی مجھے ودیعت ہُوا...... دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ' اس فن میں مزید تجربات بھی چلتے رہتے ہیں۔ بڑے رازق کا کرم ہے وہ مجھے اچھا لنگر تیار کرنے' تقسیم کرنے اور کھانے کی توفیق عطا کرتا ہے۔ ہمیشہ میری کوشش رہتی ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے لنگر کا اہتمام کروں۔''

لنگر والی بات پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ یہ ایک نشے اور چسکے کی مانند ہے جسے یہ چینک لگ جائے وہ زندگی کے آخری دموں تک اس کے حصار سے نکل نہیں سکتا بلکہ مرنے کے بعد بھی اس کے لنگر جاری رہتے ہیں......''

● لنگر کرے تو نگر......!

ہانگ کانگ میں اپنے بچوں کے ہاں مقیم تھا...... یہ میرے بچے اور دوست خاصے آسودہ حال کاروباری لوگ ہیں۔ یہاں کے سماجی کاروباری اور معاشرتی حلقوں میں بھی اُن کا ایک نمایاں مقام ہے۔ ایک خوش آئند بات یہ کہ تمام احباب' دیندار اور رفاعی سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے۔ یہاں کہ ایک صاحب جن کا قالینوں اور ہینڈی کرافٹ کا کاروبار' ہانگ کانگ کے علاوہ' پیرس' لندن اور نیویارک تک پھیلا ہُوا ہے' میرے پاس پہنچے اور علیحدگی میں کچھ بات کرنے کا وقت مانگا۔ میں ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہوں کہ وہ علیحدگی میں کیوں ملنا چاہتے ہیں؟ ظاہر ہے اُن کی کچھ ذاتی' کاروباری پریشانیاں' جادو تعویذوں کے سیاپے' اولاد کے رشتوں کی رکاوٹیں' نافرمانیاں وغیرہ وغیرہ...... شاذ ہی کوئی علیحدگی میں بات کرنے کا خواہشمند ایسا بھی ہو' اس مادیت سے ہٹ کر کچھ عاقبت' دین' تصوف یا انسانیت حقانیت پہ کچھ مجھے بتانا سمجھانا چاہتا ہو یا مجھ سے کچھ ان موضوعات پہ بات چیت کا متمنی ہو......؟

Scanned with CamScanner

میں ایسے لوگوں کا چہرہ مہرہ دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا کرتا ہوں اور اُن سے معذرت کر لیتا ہوں کہ مجھے کسی سے تنہائی میں بات چیت کی منائی ہے۔ ویسے بھی میں سمجھتا ہوں کہ اس دُنیا اور کارزارِ حیات کے گرم حمام میں ہم سب ننگے ہیں...... ہمارے آپس کے مسائل ایک سے ہی ہیں۔ ایک آدھ نمرکی کمی بیشی سے ہم تمام المیہ گیت گنگناتے رہتے ہیں' ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں۔ کوئی باہر سے رو لیتا ہے اور کوئی اندر ہی اندر کینسر کا کیس بن جاتا ہے...... زیادہ تر ہم عمل مکافات کا شکار ہو کر مرگ مفاجات تک پہنچتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہم تقدیر و تدبیر اور قضاء و قدر کو بھی ذرا کم ہی خاطر میں لاتے ہیں...... ہر لمحہ شکوہ و طلب رہنا ہمارا وطیرہ بن چکا ہے۔ اپنی قسمت کا رونا روتے رہتے ہیں۔''

ہم پستہ باداموں والا' دیسی گھی سے بھیگا ہوا زعفرانی حلوہ کھانا پسند کرتے ہیں۔ ہم رس ملائی برفی قلاقند' امرتیاں' چاکلیٹ آئس کریم جی بھر کے کھاتے ہیں لیکن قدرت نے ایسے ماکولات کے مضر آت کو زائل کرنے کی خاطر ایسی غذائیں بھی پیدا فرمائیں جو یقیناً تلخ کسیلی کڑوی بدذائقہ ہوتی ہیں۔ ایسی کہ ہم ناک بھوں چڑھا لیتے ہیں لیکن یہی جو نام و نمود سے بھی عجیب و غریب' علیحدہ ہی مگر صحت بخش اور حیات آور ہوتی ہیں اور میٹھے زہر کا تریاق ہیں۔ لذت سے بھری شیریں اشیاء کے نام شکلیں ذائقے بڑے دلفریب' بھلے اور من بھاونے ہوتے ہیں مگر اثرات اتنے ہی بھیانک۔'' جاپان کی کہاوت ہے کہ اگر انسان ایک حد سے زیادہ میٹھا کھانا اور ٹھنڈا پانی پینا ترک کر دے تو صحت مندی کے علاوہ طویل عمر بھی جی سکتا ہے۔ لگتی تو یہ بات عجیب سی ہے مگر ہے حقیقت......!

ذرا شیریں اشیاء کے ''اسم گرامی'' ملاحظہ ہوں...... لب شیریں' رس گلہ' گلاب جامن' رس ملائی' امرتی' برفی' قلاقند' میسو پتیسہ' جلیبی' سوہن حلوہ' موتی چور' قلفہ' آئس کریم وغیرہ اب ذرا وہ نعمتیں سنیں جنہیں اللہ کریم نے ان کے رد کے لیے تخلیق فرمایا۔

نیم' کریلے' چاکسو' مصبر' وینگ' ہلدی' چرائتہ' کالی پیلی سرسوں' تارامیرا' کچنار' بھنگ' گوار گندل' دھتورا' جھیکڑا' سوہانا' باتھو' میتھی' مونگرے' سہجنا' کرم کلہ' چقندر' تھوہر' دیسی آک' ہندوانہ وغیرہ وغیرہ......

میٹھی اور کڑوی اشیاء کے میٹھے اور کڑوے نام اور کام آپ کے لیے نئے نہیں...... اُن کے معائب اور محاسن سے آپ بھی کچھ نہ کچھ واقف ہوں گے اب صرف اب یاد دہانی کرائی ہے کہ میٹھا اور ٹھنڈا نقصان دہ ہو سکتا ہے جبکہ کڑوا اور گرم بہتر رہتا ہے...''

بات آگے لنگر کے فیوض و برکات اور بانگ کا تنگ والے اس بھلے شخص سے بڑھی تھی جو مجھ سے تنہائی میں ملنا چاہتا تھا۔ ایسی ملاقات کے لیے میں انکار کر دیا کرتا ہوں کہ تخلیہ' ماسوا دو چار صورتوں کے میرے

Scanned with CamScanner

نزدیک مناسب نہیں۔ میں اسے بادشاہوں اور سلطنت کے امراء کا طریقہ سمجھتا ہوں لیکن نہ جانے کیا ہوا کہ میرے منہ سے "ہاں" نکل گئی۔ میں نے اسے شام کو پندرہ منٹ کی علیحدہ ملاقات کا اذن دے دیا بعد میں سوچنے لگا کہ یہ انہونی سی ہو گئی۔ جبکہ میں نے یہ تک نہ پوچھا کہ علیحدہ ملاقات کس ضمن میں چاہیے۔ آسانی سے سمجھ میں نہ آنے والی "ہاں" ہو چکی تھی۔ بس اپنے کمرے کے بیچ گوشہ دریچہ میں کھڑا تھا۔ سامنے سمندر اور بہت دور لہو رنگ ڈوبتا ہوا سورج ...!

یہ پانسو پانچ نمبر کمرہ اس ہوٹل کے چہرے پہ محراب کی مانند تھا۔ اس ہوٹل کے صرف اسی مخصوص کمرے میں ہی ایک ہشت گوشہ دریچہ تھا جس کے پانچوں دروں میں رنگین بلوری شیشے مزین تھے جو سامنے ڈوبتے سورج کی اداس کرنوں سے منعکس ہو کر انہیں مزید پریشان کر رہے تھے۔ آج بھی میں اسی وقت عالم میں اچھوتے دریچے کے روبرو اک عجیب سی کیفیت میں خالی الذہن سا کبھی سامنے سمندر اور کبھی نیچے دیکھنے لگتا۔ میرے ذہن میں یہ تو موجود تھا کہ آج میں نے قربان صاحب تاشقند والوں سے ملنا ہے مگر ملاقات کا وقت میرے ذہن سے نکل چکا تھا۔

معاً میری نظر سامنے نیچے کار پارک میں ایک انوکھی سی مرسیڈیز کار پہ پڑی جو پارکنگ ایریا میں پارک ہو رہی تھی۔ شام کے جھٹپٹے اور ہوٹل کی جلتی بجھتی روشنیوں میں وہ کار آکاش سے اترا ہوا کوئی اڑن کھٹولا دکھائی دیتی تھی۔ مرسیڈیز کاریں بہت دیکھیں ... ایک سے ایک بڑھ کر۔ مگر اس ہلکی رنگ کی چھیل چھبیلی سپورٹس کار میں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی۔ اس کی چھت اور آگے پیچھے کے حصوں پہ عجیب و غریب سی نامعلوم سی زبان کے حروف و نقوش کھنچے تھے جیسے کوئی اخلاقی تنظیم کا نقش ہو، کسی خلائی مشین کی طرح جنگلی سی شعاعیں ابھر رہی تھیں اور جو رنگ اس میں سے پھوٹ رہے تھے وہ اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ لگتا تھا یہ آج سے پچاس برس بعد کی کوئی گاڑی ہے ...؟

ابھی تحیر کی دیکھا دیکھی میں دیکھا کہ گاڑی کے دروازے یوں کھلے جیسے کسی تتلی جس نے اپنے پروں کو ہلکا سا پھیلا کر پھر سمیٹ لیا ہو۔ ایک طرف سے قربان صاحب اترے اور دوسری جانب سے اترنے والا یقیناً ان کا بیٹا تھا کہ قد و کاٹھ، چال ڈھال، خدوخال سب باپ بیٹے والے تھے۔ دونوں ہوٹل کے صدر دروازے کی جانب بڑھ آئے۔ ہوٹل کی کرسٹل جیسی تیز رفتار لفٹ جس میں نیچے اوپر پہنچنے کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مگر ان کے میرے کمرے تک پہنچنے سے پہلے قربان صاحب کا مجھ سے تنہائی میں ملنے کا مقصد اور اس نوجوان کی پوری ڈیٹا شیٹ میرے ذہن تک پہنچ چکی تھی جبکہ اب محض ان کا پیکر میرے کمرے میں پہنچنے والا تھا۔"

نرگس تاشقندی تک تک کا مطلب تھا کہ تیرے دروازے کوئی جوگی روگی یا بھوگی کھڑا ہے۔" کیسی انوکھی

Scanned with CamScanner

بات ہے پکھانو کھے لوگ ایسے بھی جو پاؤں کی چاپ' سانسوں کی سار...... دروازے پہ دستک...... نظروں کی نیت' سائے کی سیدھ' موسم کا مشاہدہ' حشرات الارض کی حرکتیں' پرندوں چرندوں درندوں کی دراندازیوں...... ہوائی ہیولوں کی ہیت کذائیاں...... جنات کے جل جلوس...... جمادات نباتات اور معدنیات کے معنی خیز مزاج و معمولات سمجھنے جاننے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں...... یہ صلاحیت ودیعتی بھی ہوتی ہیں اور آمدی اور آوردی بھی......!

بعض لوگوں کی ظاہری باطنی حسیات' مشاہدہ' قیاس و قیافہ ایسے مربوط و محاذی ہوتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے...... چشم زدن میں وہ معاملہ و معائنہ کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔"

میں ایک بہت کامیاب شخصیت سے واقف ہوں' اُس کے ہاں ایک عجیب و غریب سا شخص مشیر کی حیثیت سے ملازم تھا۔ دن بھر کاروباری لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا۔ وہ بظاہر ایک چوکیدار کی طرح' کمرے کے باہر بیٹھا رہتا۔ معمولی لباس' سادہ سی شکل و صورت والا یہ دیہاتی بندہ' اندر سے بڑے گنوں والا تھا۔ ایسے نابغہ روزگار' لاکھوں میں کہیں ایک آدھ ہی ہوتا ہے۔ وہ انسان کو اُس کی چال اور سائے سے جانچ لیا کرتا۔ اُس کے سامنے آتا جاتا گزرتا ہوا بندہ ننگا ہو جاتا تھا' وہ اُس کی خصلت اصلیت' کاروباری حیثیت و ذہنیت کی پوری رپورٹ' مالک کو پہنچا دیتا۔ مالک اُس کے تجزیے کی روشنی میں اپنے کاروباری فیصلے کرتا اور ہمیشہ فائدہ میں رہتا۔ کیونکہ اس شخص کا تجزیہ سو فیصد درست ثابت ہوتا تھا۔ ایسی یگانہ صفات ہستیاں قسمت سے ہی کہیں ملتی ہیں کیونکہ صدیوں ان کی پرورش ہوتی ہے۔ یہ وقت کے بیٹے ہوتے ہیں' نبی ہوتے ہیں جن سے جن اور مردان ارض و افلاک مستفیض ہوتے ہیں۔"

بیٹا آگے اور باپ پیچھے' بیٹے کے ہاتھ میں سلگتا ہوا برازیلین سبز سگار تھا۔ جس کی مہک' دروازہ کھولنے سے پہلے ہی مجھ تک پہنچ چکی تھی...... تمباکو کی تیز بُو سے میری جان مالش کرنے لگتی ہے مگر ان سبز خوش رنگ و مہک سگاروں سے میری خوب بنتی ہے مگر صرف دیکھنے' محسوس کرنے اور سونگھنے کی حد تک۔ برازیل کے گھنے جنگلات کا پراسراری خوشبو والا' شاہ بلوط کا ہینڈ میڈ ڈبا' جس میں یہ سگار' کسی شان اور وقار سے آسودہ ہوتے ہیں' دیکھنے اور محسوس کرنے کی چیز ہے۔"

کئی برس پہلے مجھے میرے ایک بچے نے ایسا ڈبا گفٹ کیا۔ جھجکتے جھجکتے کہنے لگا۔

"بابا جی! مجھے علم ہے کہ تمباکو کی بُو سے آپ الرجک ہیں...... مگر مجھے یہ بھی یقین ہے اس ڈبے' اس کے اندر سگاروں اور ان کی اک علیحدہ سی انوکھی مہک' آپ کو بھلی لگے گی۔ آپ نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ پہاڑوں کی ڈھلوانوں' جن کے پاؤں سمندر کے کناروں سے جڑے ہوئے ہوں' ادھر پیدا ہونے والے

Scanned with CamScanner

بول لو یا شتر مرغ کو مولے کا نام دے دو' کچھ نہیں ہوتا...... یعنی نام محض ایک شناختی کوڈ ہے' بس!

شیکسپیئر نے کہا تھا' گلاب کو کوئی بھی نام دے لو وہ گلاب ہی رہتا ہے۔ میں سا ٹھ فیصد اس سے متفق ہوں...... گلاب کو جب ہم گلاب کہتے ہیں تو ایک تر و تازہ خوش رنگ' حیات آور خوشبو سے مہکتا ہوا گلابی پھول ہمارے سامنے مسکرانے لگتا ہے۔ گلاب کو اگر ہم گلاب کی بجائے گیندا یا گوگل کہتے ہیں تو یقیناً گلاب کی جملہ خوبیاں خوبصورتیاں خوشبوئیں' ہمارے تصور میں نہیں اُبھریں گی۔ اسی طرح ہم بھیڑ کو بھیڑیا' آب کو آتش' مہ کو مہر' زبر کو زیر' محبت کو منافقت' زبرجد کو زچاج' سفید کو سیاہ' درویش کو دریوزہ گر' گھوڑے کو گدھا اور امریکہ کو افریقہ کہنا اگر چاہیں تو کہہ سکتے ہیں مگر وہ بات پیدا نہ ہوگی جو بات' جملہ صفات' کوائف و قدر اور صوتی اجمال وجلالت کی ہم آہنگی سے پیدا ہو کر ہماری سماعت اور سمجھ کے پردوں پہ مجسم ہوتی ہے۔ پانی کو اگر ہم پانی کہتے ہیں تو اس کے چار حروف ہمیں پانی کا حرکت میں رہنا' اس کی نزاکت و لطافت' شفافیت افادیت اور ٹھنڈک وتازگی کا تصور عطا کرتے ہیں۔ جبکہ آتش ان سب صفات و احساسات سے ہٹ کر اپنا ایک گرما گرم تصور سامنے لاتی ہے۔"

بات جمشید کی تھی کہ اس کی آفتِ روزگار اور "ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے" قسم کی شخصیت میں اس کے نام کا بھی بے حد دخل و عمل تھا۔ سکندر' اکبر' قیصر' فخر' پرویز' مظہر' مشرف' آصف' سلطان' معظم' شکیل' ارجمند' اعظم' حاکم' ناظم' جہانگیر' ذوالفقار' تاجدار' شعیب' شاہد' شاہجہان' شوکت' ذیشان' شہریار' شہباز' جمشید...... یہ نام عام ناموں کے برعکس کچھ علیحدہ سے اثرات وخیالات والے' سر اٹھا کر دیکھنے کے عادی تحکمانہ مزاج و انداز کے مالک' اپنی بات منوانے والے اور متمکنانہ شاہانہ سوچ وفکر کے خوگر ہوتے ہیں۔ ان کی بھی آگے دو قسمیں ہیں' ایک مثبت رویوں کے روادار اور دوسری غیر متوازن مساعدو متقر والی۔"

حرف "ش" کی شروع میں شمولیت والے اسم اکثر شباہت والے' شوخ' شوریدہ' شاہانہ' آتش مزاج...... درمیان میں "ش" شامل ہو تو شیخی' سخی' شماتت پسند' شکیل وجمیل' شگفتی وشاکی اور اگر آخر میں ہو تو اکثر شارب' شاہد باز' شرمیلے مگر شاطر!...... اول و آخر "ش" ہو تو بلا کے رجعت پسند' فطین خطیب' نڈر' بے باک' مسخر کر دینے والے ہوتے ہیں۔"

علم الاعداد' علم جفر...... اعمال تقطیع وتنجیم' تناسب و تناسخ میں "الف لام میم" بڑی اہمیت اکرام و برکات کے حامل ہیں۔ فرقان الحمید کی ابتداء میں یہی حروف ہیں۔ جن کے معنی اللہ کریم' اُس کے رسول اور مولا علی کے علاوہ شاید کوئی اور نہیں جانتا...... میں "الف لام میم" کو "تیری رضا میری تسلیم" کی اضافت سے پڑھتا رہتا ہوں اور بے پناہ برکت اور خیر خوبی پاتا ہوں......"

Scanned with CamScanner